قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا

فرما دیجیے کہ اگر سمندر میرے رب کی تعریف لکھنے کے لیے روشنائی ہو تو سمندر کا تمام پانی ختم ہو جائے گا مگر میرے رب کی تعریفیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ویسا ہی سمندر اس کی مدد کو لائیں ۔ (القرآن الکریم)

اللّٰہ وحدہٗ

ازلیت، ابدیت، علم، ارادہ، توحید و صفات، تخلیقی حکمتیں، عقیدۂ وحدۃ الوجود کا جائزہ، اسماء الحسنیٰ کی تشریحات، اُن کے مراتب اور بہت کچھ،

خورشید عالم گوہر قلم (ہیڈ آف پرفارمنس)

Marfat.com

قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا (الکہف)

فرما دیجیے کہ اگر سمندر میرے رب کی تعریف لکھنے کے لیے روشنائی ہو تو سمندر کا تمام پانی ختم ہو جائے گا مگر میرے رب کی تعریفیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ویسا ہی سمندر اُس کی مدد کو لائیں ، (القرآن الکریم)

اللہ وحدہٗ

ازلیت، ابدیت، علم، ارادہ، توحید وصفات، تخلیقی حکمتیں، عقیدۂ وحدۃ الوجود کا جائزہ، اسماء الحسنیٰ کی تشریحات، اُن کے مراتب اور بہت کچھ،

از: خورشید عالم گوہر قلم (پرائیڈ آف پرفارمنس)

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

Marfat.com

297.14 Khurshid Alam Gouhar Kalam
Allah-o Wahdahu/ Khurshid Alam Gouhar Kalam.- Lahore : Sang-e-Meel Publications, 2004.
664pp.
1. Islam - Theology and Sufism.
I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/مصنف سے باقاعدہ
تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جا سکتا اگر اس قسم کی
کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے

297.2
185 ج
۸۰۰۳۲

2004
نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

ISBN 969-35-1575-7

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), P.O. Box 997 Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 7220100-7228143 Fax: 7245101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com
Chowk Urdu Bazar Lahore. Pakistan. Phone 7667970
حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور

Marfat.com

اِنتسابِ مُبارک

اِس کتاب کو میں بصد عقیدت و احترام

خاتم الانبیاء والمرسلین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے

نام نامی رفیع الشان سے منسوب کرنے کی سعادت

حاصل کرتا ہوں۔ صلوا علیہ و آلہٖ

اِس اعتراف کے ساتھ

کہ بلا شبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی تنہا کفر کی تاریکیوں کے خلاف صف آراء ہوئے اور پھر اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے ساتھ صبر آزما اور کٹھن جد وجہد کے بعد کائنات کے گوشے گوشے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ڈنکا

بجا دیا سبحان اللہ العظیم

محمدِ عربی کہ آبروئے ہر دو سرا است
کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ اوست

صلی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلم

۱۸ مارچ ۱۹۹۶ء

طالبِ شفاعت و قبولیت
مسکین خورشید عالم گوہر قلم لاہور

عرضِ ناشر

گرامی قارئین......

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں اپنی عبادت کے لیے بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہی عبادت کے لائق ہے اور وہ حقیقی معنوں میں اِس کائنات کا حاکم اور مالک ہے۔ اُس کی صفات نہایت اعلیٰ ہیں اور سب سے اچھے نام اُسی کے ہیں۔ تمام عظمت وعزت اُس کے لیے ہے۔

اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ قادر مطلق کے ساتھ اپنا بندگی کا تعلق مضبوط تر کرے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کی تعریف وصفات کو کماحقہٗ بیان کرنا ہم کمزور انسانوں کے بس کا روگ نہیں لیکن مصنف نے پوری عقیدت واحترام سے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عالیہ، توحید اور اسمائے گرامی کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور ملحدوں و دہریوں کے سوالات کے مدلل جوابات دیئے ہیں جن سے کتاب کی اہمیت دو چند ہوگئی ہے اور ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ موجودہ مادی دور کے فتنوں سے بچنے کے لیے اِس کتاب کا مطالعہ ضرور کرے تاکہ اُن کا جذبہ ایمانی تروتازہ ہو اور وہ شیطانی گمراہ کن پروپیگنڈہ سے محفوظ رہیں۔

دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ادارہ سنگ میل کی اِس کاوش کو قبول ومنظور فرمائے اور سب پر رحم فرمائے.........آمین!

Marfat.com

فہرست مضامین

موضوع کی مناسبت سے ضروری گفتگو 9

پہلا باب

وحدہ لاشریک 22
الٰہ کا مفہوم 30
حضرت انسان کی کم نگاہی 31
قدم عالم کے ابطال اور ارادہ الٰہی 32
ہماری عارضی زندگی کی مثالیں 33
غزالی کا حکیمانہ نکتہ 34
عقلی تصورات کی ٹھوکریں 35
عظمت باری سورہ فاتحہ میں 36
تخلیق کائنات 42
پیدائش عالم 42
تخلیق کے جدید نظریات اور قرآن حکیم 43
چھ دنوں میں کائنات کی پیدائش 45
سورج اور چاند کی گردش اور زمین کی پیداوار 48
اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں 49
پہاڑوں، انسانوں اور چوپائیوں کے مختلف رنگ 50
سورج اور چاند کی گردش 51
توحید کے بارے طفیل کا خواب 52
حضرت یحییٰ کی تبلیغ 55
سات آسمانوں کی تخلیق 57
آیت الکرسی کا مفہوم 58
غیب پر ایمان 61
منافق کے دل پر مہر لگنا 63
معتزلہ کے انکار کا رد 63
لوگوں کی منافقت 64
مسلمانوں کے اندر مشرکانہ افکار داخل کرنے کی کوشش 69
افلاطون کا عجیب وغریب فلسفہ 72
علامہ اقبال کا فلاسفہ کے بارے میں اظہار رائے 74
دوسروں کی حاجت روا سمجھ کر شرک کرنے والے 76
توحید باری تعالیٰ اور اسلام 77
اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی بخشش کی امید 79
اللہ جسے چاہے حکومت عطا فرمائے 80
دلوں کے بھید جاننے والا مالک 81
اللہ جل جلالہٗ ستار العیوب 83
اللہ تعالیٰ کا خوف 83
بجل اللہ کا مفہوم 84
امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات 85
اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے 87
شرک کرنے والے ہرگز نہیں بخشے جائیں گے 88
توحید باری تعالیٰ اور بزرگان دین 91
تمام لوگوں کا شرک اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا 91
اللہ کے ہاتھ میں دنیا اور آخرت 92
اللہ تعالیٰ کے بغیر کائنات کی تخلیق کا تصور جہالت ہے 93
اللہ ہمیشہ ہمیشہ کا علم رکھتا ہے 94
اللہ کا حکم کوئی نہیں ٹال سکتا 95
آسمانوں اور زمین میں اللہ کی تسبیح 96
قیامت کے دن مومنوں کو نور کی عطا 97
اللہ دیکھتا اور سنتا ہے 98
یہود کے ملعون ہونے کا سبب 99
اللہ تعالیٰ کی بجائے دولت اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والے 100
کائنات میں غور وفکر 100
سورج کی پیدائش کی حکمت 102
چاند ستاروں کی پیدائش کی حکمت 104
زمین کی پیدائش کی حکمت 107
سمندر کی پیدائش کی حکمت 110
پانی کی پیدائش کی حکمت 111
ہوا کی پیدائش کی حکمت 112
آگ کی پیدائش کی حکمت 114
انسان کی تخلیقی حکمت 115
پرندوں کی پیدائش کی حکمت 123
چپائیوں کی پیدائش کی حکمت 126
شہد کی مکھی، چیونٹی اور ریشم کا کیڑا کی پیدائش 129
مچھلی کی پیدائش کی حکمت 131
نباتات کی پیدائش کی حکمت 133
خالق کون ومکان۔ حادث وحدوث (غزالی کے فلسفہ کے ساتھ) 136
ابدیت 144
خاص نکتہ 145
اللہ تعالیٰ ہمارے تصور کے مطابق مجسم نہیں 146
اللہ تعالیٰ موجودگی کے لئے کسی کا محتاج نہیں 147
مسئلہ جہت 147
الرحمٰن علی العرش استویٰ کا مفہوم 153
رویت باری تعالیٰ 158
ایک حماقت کا جواب 159
دوسرا مسلک 160
ایک نکتہ 162
اللہ تعالیٰ ایک ہے 164
مشرکانہ اعتراض اور اس کا جواب 165
قدرت 167
واجب ممکن اور محال 168
دوسرا نکتہ 170
معتزلہ کی انتہا پسندی 171
معتزلہ کے باطل دعویٰ کا جواب 171
اعتراض اور جواب 172

Marfat.com

سوال وجواب	173
ایک اور سوال وجواب	174
علم الٰہی کے بارے چند اور نکات	176
علم الٰہی کے بارے قرآنی آیات	177
ارادہ الٰہی (غزالیؒ کے فکر کی روشنی میں)	187
ارادہ الٰہی پہ قرآنی آیات	189
اللہ تعالیٰ کا دیکھنا اور سننا	192
مشرکانہ سوال	194
مشرکانہ سوال کا جواب	194
ایک اور ملحدانہ سوال اور اس کا جواب	194
اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والے	195
اللہ تعالیٰ کی صفت کلام	197
قرآن ہدایت، عبرت اور نصیحت ہے	204
اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے	210
اللہ تعالیٰ غنی اور حلیم ہے	212
زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ ہے	215
دہریہ کا اعتراض اور اس کا جواب	218
اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے	222
اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ سچا ہے	224
اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے	226
نفع ونقصان اللہ کے ہاتھ ہے	233
اللہ تعالیٰ رزاق ہے	235
اللہ تعالیٰ کی صفات کے چار احکام	239
اور گمراہ فلاسفہ کے باطل تصورات کا جواب	240
بعض نکات	243
فلاسفہ کے کئی اور اعتراضات اور ان کے جوابات	244
دلائل......اور ممکنہ اعتراض کا جواب	245
تیسری دلیل	246
علم الٰہی اور ارادہ الٰہی کے بارے معترضین کے جواب	247
ایک اور اہم دلیل اور صفات باری تعالیٰ	251
اللہ تعالیٰ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے	253
اچھے اور برے اعمال کے نتائج	254
اللہ تعالیٰ کسی کا اجر ضائع نہیں فرماتا	257
اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے	263
اللہ تعالیٰ سے خوف	265
قیامت کے دن سات سو گنا اجر	270
فلسفہ وجود ذاتی۔ خیالی، عقلی اور شبہی	271
افعال الٰہی	276
واجب	277
حسن، قبیح، عبث، سفہ	278
حکمت ان امور پر عام بحث بعثت انبیاء کے بارے میں معترضین کے جوابات	279
عین الیقین، علم الیقین، حق الیقین	295
اللہ بڑے فضل والا ہے	296
اللہ تعالیٰ کے منکروں کو دوست نہ بناؤ	298
اللہ تعالیٰ چاہے تو ایک بدلے دوسری قوم لے آئے	300
تمام عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے	301
اگر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو ہلاک کرنا چاہے تو اسے کون روک سکتا ہے	302
اللہ تعالیٰ کی راہ میں وسیلہ تلاش کرو	303
اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا	304
اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ایک امت بنا دیتا	305
لعنت ہو یہود پر اللہ کے ہاتھ فراخ ہیں	305
اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگلی حیات کا تحفظ	306
اللہ تعالیٰ قبر سے اٹھا کر سوال کرے گا	307
اللہ تعالیٰ پرندوں اور جانوروں کو بھی قیامت کے دن اٹھائے گا اللہ تعالیٰ درختوں کے	308
پتوں سے لے کر دانہ تک علم رکھتا ہے	310
اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نجات دہندہ نہیں	311
اللہ تعالیٰ کے بارے بے ہودہ بحثوں سے بچو	312
ارسطو اور اس کے مقلدین کا گمراہ کن نظریہ	313
فلاسفہ کی تین اقسام	316
فلاسفہ کے علوم کی قسمیں اور ان کی تفصیل گمراہ عقائد	317
اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال کا پیش کیا جانا	323
اللہ تعالیٰ کا احاطہ کرنا انسانی نظروں کے بس کا روگ نہیں	324
اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا	325
اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر مدنظر رکھو	326
اللہ تعالیٰ جسے چاہے وارث بنائے	327
اللہ تعالیٰ کے نافرمان حیوانوں سے بدتر ہیں	328
اللہ تعالیٰ اذکر کثرت سے کرو	328
اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کو سب سے محبوب رکھو	329
اللہ تعالیٰ زمین وآسمانوں میں نور ہے	329
نور کی تعریف	330
خواص کا نکتہ	330
عقل اور آنکھ میں فرق	331
اعتراض اور اس کا جواب	332
عقل کی رویت یکساں نہیں	333
نکات	334
فی الحقیقت نور	336
مشکوٰۃ، مصباح اور زجاجہ کا مفہوم	341
قطب اول، تمثیل اور طرز تمثیل	342
معانی وتشریح	343
اللہ تعالیٰ کا دروازہ نہ چھوڑو	344
اللہ تعالیٰ کے لئے محبت اور بغض اختیار کرو	345
یہودیوں کا پادریوں اور راہبوں کو الٰہ بنانا	347
اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے اموال اور جانیں خرید لئے ہیں	348
ہر چیز اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ ریز ہے	349
اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ پورے کرنے	

والے عقلمند ہیں 350
اللہ تعالیٰ چاہے تو سب کو ہلاک
کر کے نئی مخلوق لے آئے 350
اللہ تعالیٰ سے صرف گمراہ ہی ناامید ہوتے ہیں 352
اللہ تعالیٰ کے سوا اور الٰہ ہوتے تو کیا عرش
پر غالب نہ آتے 352
تمام سمندر روشنائی بن جائیں تو بھی اللہ
کی تعریف نہیں لکھی جا سکتی 353
اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا خواہش مند شرک نہ کرے 354
اللہ تعالیٰ اولاد پاک ہے 355
اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے سے کہیں زمین و آسمان
نہ پھٹ جائیں 355
اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد طلب کرنا حرام ہے 356
(بحوالہ شیخ عبدالقادر جیلانی)
دل میں اللہ کے سوا کسی کو جگہ نہ دو 356
(بحوالہ شیخ عبدالقادر جیلانی)
اللہ تعالیٰ کے فرشتے نہ جھکتے ہیں اور
نہ ہی سرکش ہیں 358
اور بھی الٰہ ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے 358
اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں مشرکین کے پاس
کوئی دلیل نہیں 359
اجل کے بارے میں عقلی مسئلہ 360
اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا 362
اللہ تعالیٰ سے کبھی شکوہ نہ کرو 364
جعلی بسیط اور مرکب 366
اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کل اور جزء سے بری ہے 366
اللہ تعالیٰ کی معرفت 367
اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات 367
اللہ تعالیٰ کے اسماء حادثہ 371
فرشتوں کی حقیقت (بحوالہ شاہ ولی اللہ) 371
فرشتوں کا مقام قرب اور ان کے اسماء 371
وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر عمومی بحث 372
وحدت الوجود پر صدر الدین قونوی کا نظریہ 373
وجود اور ماہیت ایک ہیں 374
وحدت الوجود کے محرک اول 375
ابن عربی کے بارے مجدد الف ثانی کا نظریہ 375
توحید وجودی اور شہودی پر مجدد الف ثانی کا موقف 376
اللہ تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے 378
توحید وجودی اور شہود ان سے متعلقہ معارف 378
ابن عربی کے مسلک پر مجدد الف ثانی کا موقف 380
حجابات کا اٹھنا شہود کے اعتبار سے ہے 383
وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر
حضرت شاہ ولی اللہ کا جائزہ 384
وحدت الوجود کی تشریح بقلم مجدد الف ثانی 386
محی الدین ابن عربی کی عبارات و عقائد
اللہ تعالیٰ کے اسماء لامتناہی ہیں 392
اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے 392
حق تعالیٰ وراء الوراء ہے 393
لایزال وابدی قدیم حق تعالیٰ 393
صاحب ایمان انبیاء کی تقلید کرتے ہیں 393
تخلیق اللہ تعالیٰ کا خاصا ہے 393
اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ حوادث اس میں حلول نہیں کرتے 394
احدیث کے بارے آیات و احادیث 395
علامہ اقبال اور وحدت الوجود 395
بحث کا خاتمہ 397
وحدا وجود اور وحدت الشہود والے 398
تو اب خود فیصلہ کر لیں 398
اللہ تعالیٰ نے پہاڑ بنائے تا کہ زمین قائم رہے 398
اللہ تعالیٰ جلد باز انسان کو خود نشانیاں دکھائے گا 399
میں منہ موڑنے والے 400
آسمانوں کو اللہ تعالیٰ نے روک رکھا ہے 400
اللہ تعالیٰ کے دین کی جو مدد کرے گا
اللہ اس کی مدد کرے گا 401
انسان کی تخلیق کے مدارج 401
مسئلہ تقدیر 406
لوح و قلم 410
زمان و مکان 411
عالم مثال 411
روح کی دوسرے جسم میں منتقلی کا غلط تصور 414
لا الٰہ الا اللہ کے جملہ معانی 415
حقائق، بندگی، توکل اور اخلاص 418
سیر سلوک، سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کا مفہوم 419
اللہ تعالیٰ کی راہ اختیار کرنے والوں کا پہلا قدم 420
اللہ تعالیٰ کی بندگی کے آداب 423
مادہ سے پاک 424
اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء کا مظہر تمام عالم 424
اللہ تعالیٰ نے جابر و ظالم قوموں کو افسانہ بنا دیا 425
اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا 426
یا اللہ...... شیطانی وسوسوں سے محفوظ فرما 427
"اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے" کی تشریح 428
اللہ تعالیٰ جس کے لئے نور نہ بنائے اس
کے لئے نور نہیں 432
آسمانوں اور زمین میں موجود ہر ایک اللہ تعالیٰ
کی تسبیح جانتا ہے 432
اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پانی سے پیدا کیا 433
اللہ تعالیٰ کے سوا کون الٰہ ہے 434
اللہ تعالیٰ سچی توبہ کرنے والوں کے گناہ
نیکیوں میں بدل دے گا۔ 436
اللہ تعالیٰ بیمار سے شفا عطا کرتا ہے۔ 438
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناپ تول کا پورا حکم 439

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی بے بس نہیں کرسکتا 439
اللہ تعالیٰ کے سوا ہلاکت سب کا مقدر ہے 440
ان ربک لبالمرصاد کی تفسیر 441
من عرف نفسہ ،فقد عرف ربہ، کی تشریح 442
اللہ کی ذات پر اس کا اپنا وجود ہی دلیل ہے 443
عرش باری تعالیٰ 443
عرش کے بارے حضرت شاہ ولی اللہ کی تحریر 444
ایمان اور منافقت کی نشانیاں 445
اللہ کے اسماء گرامی کے مفہوم کی حیثیت سے طبقات 446
اللہ تعالیٰ کے احاطہ قرب اور معیت کا راز 447
عقائد توحید کے بارے مجدد الف ثانی کا مکتوب 449
اللہ تعالیٰ کی معرفت 476
صحف الٰہی 477
اعمال وسعادت 481
تزکیہ نفس 483
نفس انسانی 488
مجاہدہ نفس کے مراتب 490
خیرات وسعادت 493
سعادتوں کے مراتب 498
خواہشات 500
توحید واعمال پر قرآنی آیات 503
اسماء الحسنیٰ 509
اسماء الحسنیٰ ۔ اللہ تعالیٰ کے ننانویں اسماء گرامی
کے معانی وتشریح 509
توحید وصفات پر احادیث نبوی 561
علماء طبعیہ سائنسدانوں کے اعترافات اور
توحید شہ پارے 596

(متفرقات) 581

انسانی نفس کے قویٰ 581
جنت ماویٰ کے لئے علم وعمل کی ضرورت ہے 584
سعادت کا سبب 591
نشاۃ عامیہ اور نشاۃ کمالیہ کے متعلق اصول 593
اجسام کی اقسام 593
مرنے کے بعد کی حالت 594
وجود ذہنی 596
نشاۃ اخرویہ کی مخلوق 596
انبیاء کرام اور حکماء 597
انسلاخ فنا اور صفا 597
نور نبوت کے طبقات 598
قرب اور اس کی اقسام 599
قرب نوافل 600
قرب فرائض 600
نبی کی حقیقت 601
انبیاء کی اقسام 602
مزاج نبوت کی اقسام 602
انبیاء کرام کی اعیان 603
آدم علیہ السلام اور ان کا تعین مبداء 604
حضرت شیث علیہ السلام 605
ہود علیہ السلام 605
صالح علیہ السلام 606
ابراہیم واسماعیل علیہ السلام 606
حضرت یعقوب علیہ السلام ویوسف علیہ السلام 607
ایوب اور شیث علیہم السلام 607
حضرت موسیٰ وہارون علیہ السلام 607
حضرت زکریا علیہ السلام 608
حضرت عیسیٰ 608
حضرت محمد رسول اللہ ﷺ 609

باب ششم

انسان کی موت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں
حاضری قیامت اور جنت ودوزخ کے احوال 610
موت! اللہ سے ملاقات کی طرف آغاز 610
موت کا خوف دور کرنا 610
برزخ کی حقیقت 614
نیند اور موت کی مشابہت 614
برزخ میں جسم مثالی اور قبر کا اصل مفہوم 614
عذاب قبر اور ثواب قبر برحق ہے 615
قبر میں سوال وجواب 616
برزخ میں ارواح کا قیام 616
قیامت کے بارے قرآن مجید کی آیات 617
عذاب قبر پر منطقی دلیل 618
منکر ونکیر 619
میزان 619
پل صراط 620
حوض کوثر 620
قیامت کے بارے چند قرآنی آیات 621
صور کی تشریح 622
حشر جسمانی ہوگا 623
قیامت کے متعلق عدم یقین بھی حماقت ہے 624
جنت اور دوزخ 628
دوزخ کی تصویر 629
اہل جنت کے انعامات 630
دوزخ کے عذاب 631
جنت کی زمین 649
دیدار الٰہی 650
عرش الٰہی اور منبر 652
جنت کی اقسام 655
جنت کے پرندے 656
مزید انعامات 656
اہل جنت پر مزید اکرام 657
اختتامیہ 661

Marfat.com

موضوع کی مناسبت سے ضروری گفتگو

ضرورت کتاب

کئی سال پہلے کی بات ہے۔ خواہش رکھتا تھا کہ مجھے کوئی ایسی کتاب ملے جو صرف اور صرف توحید وصفات پر ہو اور مجھے حق الیقین ملے۔ خیبر سے کراچی تک بھٹکتا رہا لیکن مجھے کوئی ایسی انفرادی اور جامع کتاب نہ مل سکی جو میرے لئے تسکین کا سامان بنتی۔ دردمند اہل علم نے توحید پر ڈھیر سارے مقالات لکھ رکھے ہیں لیکن یہ سب مختصر مختصر اوراق میں بکھرے ہوئے ہیں اس لئے ایک جامع اور مکمل کتاب کی اشد ضرورت کو محسوس کیا۔ کئی ایک اصحاب علم کی توجہ بھی اس طرف دلائی مگر انہوں نے کان نہیں دھرا۔ ہم شاید بھول چکے ہیں کہ تمام الہامی کتب کا بنیادی نکتہ توحید ہے انبیاء اور رسولوں کی آمد کا مقصد بھی توحید اور احکام الٰہی کا نفاذ ہے یہ جاننا چاہئے کہ کیا ہم اللہ تعالیٰ کی پرمکمل ایمان لائے بغیر سرخرو ہوسکتے ہیں؟ جس طرح میں عرصہ سے ایسی کسی کتاب کی تلاش میں بھٹک رہا تھا۔ ہوسکتا ہے ہزاروں' لاکھوں فرزندان توحید ایسی ہی کتاب کے متلاشی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت صمد ہے یعنی وہ بے نیاز ہے۔ اور کسی کو بھی اپنی تعریف کا شرف عطا فرما سکتا ہے۔ میں بصد عجز و نیاز عرصہ کائنات کے لمحات کی تعداد سے اربوں گنا اور تمام کائنات کے ذروں سے کھربوں گنا زیادہ اللہ تعالیٰ کا شکرگزار ہوں۔ کہ اس نے مجھے اس کتاب کو تحریر کرنے کی سعادت عطا فرمائی ہے۔ درحقیقت اس کی مجھے اور میرے جیسے بھائیوں کو ضرورت ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسی کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا مدح خوان ہے۔ ہمیں قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور اس کی خوشنودی کی ضرورت ہے۔ اس کتاب کی بنیادی ضرورت بھی یہی پہلو ہے۔

یہ کائنات

آپ آئندہ صفحات میں دیکھیں گے کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کے ارادہ' علم اور قدرت کی بدولت معرض وجود میں آئی ہے۔ یہ تصدیق شدہ بات ہے کہ کائنات ذرات اور جواہر کے عمل ارتقا کا نتیجہ نہیں۔ ارتقاء کی تعریف اور نظریہ جوڈارون کے ہاں ملتا ہے۔ اپنے دلائل کے اعتبار سے انتہا درجے کی جہالت ہے۔ یعنی ایسی بے تکی بحث کہ جسے بچے بھی تسلیم نہ کریں۔ اور جو ایسے خیالات رکھتا ہو یقیناً وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''وہ موجد ہے۔ آسمانوں اور زمین کا۔ اور جب ارادہ فرماتا ہے۔ کسی کام کا تو صرف اتنا حکم دیتا ہے اسے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے''۔ (البقرہ 117)

سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے اہل عقل کو یوں ہدایت بخشی ہے۔

Marfat.com

"بے شک آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں' رات اور دن کے بدلتے رہنے میں بڑی نشانیاں ہیں۔ اہل عقل کے لئے وہ عقل مند جو یاد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور غور کرتے رہتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین کی پیدائش تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے مالک نہیں پیدا فرمایا تو نے یہ کارخانہ حیات بیکار۔ پاک ہے تو ہر عیب سے بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے" (آل عمران۔ 190/191)

زیر نظر کتاب میں اس موضوع پر سیر حاصل تذکرہ ہے۔ جو شک وشبہ میں مبتلا افراد کی رہنمائی کرے گا۔ اور شیطانی وسوسوں کے خلاف ایک مضبوط دیوار ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت وسطوت

حقیقی معنوں میں عظمت وسطوت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ مخلوق کے تمام دبدبے اور جاہ وجلال کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ دنیا کے چند روزہ کھیل ہیں۔ جب دنیا کو ہی فنا کا عارضہ لاحق ہے۔ تو عارضی مراتب کی کیا حیثیت ہے۔ حد تو یہ ہے کہ دنیا تو اپنے مقررہ وقت پر ہی فنا ہوگی مگر دنیا کے قیام عرصہ کے دوران ہی ایسے لاتعداد بادشاہوں اور حکمرانوں کا نام ونشان بھی اب باقی نہیں جو اپنے اپنے دور میں طاقت وجلال کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ اور لوگ ان سے ملنا باعث فخر سمجھتے تھے۔ ان کے محلات اور جاہ وجلال عبرت کی تصویر بن گئے۔ کچھ دنوں تک تو لوگ ان کے تباہ حال محلات دیکھتے رہے۔ مگر دست قدرت نے فنا کا ایسا عمل جاری فرما رکھا ہے کہ بعد ازاں وہ تباہ حال محلات بھی معدوم ہو گئے۔ اس لئے اگر کوئی طاقت اور حکمرانی کے نشے میں سمجھتا ہے کہ کوئی بڑی طاقت اور عظمت رکھتا ہے۔ تو وہ سخت غلط فہمی میں ہے۔ تمام عظمت وسطوت اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے اسی کا جلال اور کبریائی ہمیشہ ہمیشہ باقی رہیں گے ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اور خود کو صاحب طاقت سمجھتے ہیں۔

"خبردار اللہ کی پھٹکار ہو ان ظالموں پر جو بدنصیب روکتے ہیں اللہ کی راہ سے۔ اور چاہتے ہیں کہ اس سیدھے راستے کو ٹیڑھا بنا دیں۔ اور وہی آخرت کے منکر ہیں"۔ (ہود 19)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

"پس کتنی ہی بستیاں ہم نے تباہ وبرباد کر دیں کہ وہ ظالم تھے" (الحج 45)

حقیقی معنوں میں علو مرتبت اور عظمت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

Marfat.com

مشرکانہ عقائد

شیطان لعین نے ہمیشہ بنی نوع انسان کو گمراہ کیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی بھی ہے۔ "بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے" ابلیس کی خباثتوں کا سلسلہ ابتداء میں لوگوں کو دین میں گمراہ کرنے سے ہوتا ہے جب کہ توحید اس کا خاص نشانہ ہوتا ہے اور رسالت کے بارے میں بھی شکوک پیدا کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ مفروضہ عقائد کو شرک کی حدود میں داخل کردیتا ہے۔ وہ بات جو خود ساختہ نظریات اور تصویر پرستی سے شروع ہوتی ہے۔ بت پرستی اس کا انجام ہوتا ہے۔ قوم ادریس اور بنی اسرائیل کے جملہ حالات دیکھیے) کہ ان اقوام نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کامل ایمان رکھنے کی بجائے الٹا پیغمبروں کو ہی خدا بنالیا۔ جیسے یہود عزیز کو ابن اللہ اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے لگے اور اس طرح کے دیگر مشرکانہ عقائد ہیں۔ ابلیسی گروہ نے مسلمانوں میں بھی شرک کا بیج بونے کی کوششیں کیں جس سے مسلمانوں میں بھی توہم پرستی کے سلسلوں کا آغاز ہوا۔ اور ایسی بہت سی رسوم نکل آئیں۔ جو بالکل مشرکوں سے مماثلت رکھتی ہیں۔ اور جن کا ثبوت کسی طرح بھی اسلام قرآن اور سنت محمدیہ علیہ الصلوۃ والسلام میں نہیں ملتا۔ لیکن یہ رسوم پوری توانائیوں سے جاری وساری ہیں۔ اور ان کا دفاع کرنے والوں میں ایک طبقہ پیش پیش رہا ہے۔ علماء حق تو آج بھی ایسی رسوم کے خلاف صف آراء ہیں۔ مسلمانوں کے اندر جو مشرکانہ فرقے بنے ان کی تفصیل یہ ہے۔

معتزلہ، جبریہ، قدریہ، طیاریہ، منصوریہ، مغیریہ، خطابیہ، معمریہ، بزیعہ، مفضلیہ، متناسخہ، سلبیہ، مفوضیہ، جارودیہ، تناسخیہ، قطعیہ، کسانیہ، کریبیہ، عمیریہ، نادسیہ، قرامضیہ، مبارکیہ، شمیطیہ، عماریہ، مطموریہ، موسویہ وغیرہ۔

ان کے نظریات نہایت درجہ کے مشرکانہ تھے۔ ان سے کئی معاذ اللہ ذاتِ اقدس اللہ تعالیٰ کے مجسم ہونے اور تناسخ یعنی دوبارہ دنیا میں آنے کے قائل تھے۔ کئی حضرت علی کو بھی پیغمبر قرار دیتے تھے یعنی (خطابیہ) نماز کے بھی تارک تھے یعنی (معمرہ) کچھ حضرت جعفر کو خدا قرار دیتے تھے۔ یعنی (بزیعیہ) کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبوت و رسالت کے قائل تھے (جیسے مفضلیہ) کچھ کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا انتظام اماموں کے سپرد کردیا ہے۔ یعنی (مفوضیہ) کچھ ابومنصور کی آسمانی معراج کے قائل تھے اور جنت و دوزخ کے منکر تھے۔ اور یہ مرتد و لعنتی کہتے تھے کہ جبرائیل نے وحی پہنچانے میں معاذ اللہ غلطی کی ہے۔ یہ حضرت علی کا حق تھا۔ اور اول مخلوق حضرت عیسیٰ کو مانتے تھے اور پھر حضرت علی کی پیدائش پر یقین رکھتے تھے۔ (یعنی منصوریہ)۔

Marfat.com

ان تمام فرقوں کے اقوال یہودیوں سے مشابہت رکھتے ہیں غالباً یہودیوں کی ہی سازش کا نتیجہ ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ ان سے کسی فرقے کی محبت یہودیوں کی محبت ہے۔ انہوں نے قرآن پاک میں بھی تحریف کی کوشش کی۔ ان کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ قرآن کی موجوہ ترتیب صحیح نہیں ہے۔ نزول کی ترتیب مختلف تھی۔ اس قسم کے گمراہ اور مشرکانہ عقائد ان کے ہاں عام تھے ان پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت برستی رہے گی۔ معتزلہ' ہمیہ' اور قدریہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا یکساں انکار کرتے ہیں اس مسلک کے محرک ابوالہذیل' جعفر بن حرب' خیاط' ابوالہاشم' عبدالجبار بن احمد ہمدانی تھے۔

آج بھی برصغیر کے مزاج میں ہندوانہ رسوم مزاجوں میں داخل ہیں۔ اور اس کے پیش نظر ہم نے بہت سی رسوم اختیار کرلی ہیں۔ جو بالکل بتوں کی عبادت کے ہو بہو ہیں۔ اور اس بارے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت وضاحت کی ہے اور زیر نظر کتاب میں اِن اُمور پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

بذلیہ' نظامیہ' معمریہ' جبائیہ' کعبیہ' اور بہشمیہ یہ معتزلہ کے فرقے تھے۔ اور صفات باری کے نفی کرتے تھے۔ ایک فرقہ شبہہ تھا۔ جس کی تین شاخیں تھی۔ ہشامیہ' مقاتلیہ' اور واسمیہ' یہ کرامیہ فرقے کے زیر تسلط تھے۔ اور (معاذ اللہ) ذاتِ حق کے جسم کے قائل تھے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر قسم کے مشرکانہ عقیدے اور ایسی بحث سے بچا جائے۔ کہ جس کا نتیجہ سراسر ہلاکت ہے اور جن پر اعتقاد رکھنے سے انسان کہیں کا نہیں رہتا۔ شیطان اور اس کے چیلوں نے قدم قدم پر جال پھیلا رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ اور کامل بصیرت عطا فرمائے۔ اور ہمارے لئے ہدایت کے دروازے کھول دے۔ (آمین)

آج ہمارے اندر بھی یہ مرض عام ہے کہ اگر کسی کو نیک دیکھتے ہیں تو اپنی وہ حاجتیں ان سے وابستہ کرلیتے ہیں۔ کہ جن کے بارے میں انبیاء کرام اور اولیاء نے سختی سے تاکید کی ہے کہ وہ صرف ذات اقدس کے ہی اختیار میں ہیں۔ نیک لوگوں کی مجالس میں تو ضرور بیٹھنا چاہئے۔ اور ان سے دین کی باتیں سیکھنا چاہئیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہئے کہ وہ نیک لوگوں کا راستہ دکھائے (بمطابق سورہ فاتحہ) مگر غیر شرعی امور کا مرتکب نہیں ہونا چاہئے۔ جیسے یہود ونصاری کی اللہ تعالیٰ نے یوں مثال دی تھی۔

اتخذوا احبار ھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ

''کہ انہوں نے اپنے اللہ معبود حقیقی کو چھوڑ کر پادریوں اور راہبوں کو اپنا الٰہ بنالیا (القرآن)

یہ یقین رہے کہ حاجت کے تمام اسباب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی حرکت میں آتے ہیں۔ اور تمام مخلوقات کے کام بنتے ہیں۔

Marfat.com

نکتہ

انسان ہی صرف شرک میں مبتلا ہوتا ہے جانور، پرندے اور دیگر تمام مخلوقات ہرگز شرک کی مرتکب نہیں ہوتیں۔ دیکھ لیجئے۔ کہ اللہ انہیں کسی بھی ایسی رسم کے بغیر رزق دیئے جارہا ہے۔ جو توہم پرستی کے سبب انسان ضروری سمجھتا ہے۔ یقیناً یہ نصیحت اور عبرت کی بات ہے اس لئے احکام شریعت کی پاسداری اور اللہ تعالیٰ کو مطلق حاجت روا اور کرم فرما سمجھ کر عبادت کرنا ہی حق ہے۔ اور ایسی ہی عبادت درجۂ قبولیت حاصل کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

''اور کتنے ہی ہیں زمین پر چلنے والے جو اٹھائے نہیں پھرتے اپنا رزق۔ اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے انہیں بھی اور تمہیں بھی۔ اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے''۔ (العنکبوت 60)

فلاسفہ کے منفی نظریات

زیر نظر کتاب میں فلسفیوں کی کم نگاہی کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اور ان کے مفروضوں کی بھرپور دلائل سے نفی کی گئی ہے۔ درحقیقت انسان علم کے زعم میں غیر محسوس طور پر شیطان کے پنجے میں آجاتا ہے اور بغیر سوچے سمجھے ایسی باتیں کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اور پھر اپنے مکروہ و جھوٹے نظریات کو سچا ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے۔ مکڑی کے جالے کی طرح ان کے نظریات میں اتنے باریک الجھاؤ ہوتے ہیں کہ عام عقل وفہم والا آدمی اس گورکھ دھندے کا شکار بن جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جنہیں بصیرت سے نواز رکھا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ خالی الفاظ کے جال ہیں۔ درحقیقت اس بے ہودہ مواد کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ایسے ہی گمراہوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کہ جہنم میں ان کے مقلدین ان سے جھگڑا کریں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا۔ انسانی سوچ وفکر کا ایک محدود دائرہ ہے تخیل کا میدان کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو مشاہدہ کی حدود سے آگے نہیں جا سکتا۔ اور انسان اپنے ماحول سے نکل کر ان حقائق کا ادراک کرنے سے بہرحال قاصر ہے۔ جو انسانی فہم وادراک اور آنکھ کے مشاہدے سے اوجھل ہیں۔ اس لئے ہمیں صرف الہامی کتب اور شریعت پر انحصار کرنا ہوگا۔ کیونکہ ان حقائق کے انکشاف کے لئے ہمارے پاس اور کوئی راستہ نہیں۔

اہل اسلام کو گمراہ کرنے کی باقاعدہ سازشیں

یہ بات تو اب ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ مسلمانوں کے سوا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اب کوئی اور دین قائل نہیں رہا۔ یہ صورت حال یقیناً پریشان کن ہے۔ اگر ہم تاریخ کا مطالعہ کریں تو بخوبی عیاں ہوتا

ہے کہ مسمانوں میں مشرکانہ عقائد داخل کرنے کا کام ہر دور میں پوری شدت سے جاری رہا۔ یقیناً ہمیں اعتراف کرنے میں شرمساری کا سامنا ہو رہا ہے کہ سادہ لوح مسلمان عرصہ دراز سے اس طرح کے حیلہ بازوں کے مکروفریب کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ شکاریوں نے مفروضہ روایات اور آیات قرآنی کی غلط تاویلات سے لوگوں کو اپنے دام میں پھانس کر انہیں آمادہ شرک کیا۔ ان تمام مفروضہ عقائد کو انہوں نے علماء حق کے نام منسوب کر کے سخت الجھاؤ پیدا کر دیا ہے۔ حالانکہ علماء کرام کی کثیر اور بڑی جماعت ایسی کسی بھی مشرکانہ رسم کے حق میں نہیں۔ جس سے عقیدہ توحید پر زد پڑتی ہو۔ ہر لحہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ایسے جاہل اور شاطر لوگ آج کل مختلف بہروپ بھر کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ جعلی قسم کے بہروپیوں کے ذکر سے آئے دن اخبارات بھرے ہوتے ہیں۔ یہ بہروپیے شریعت کے مخالف اور حق سے بہت دور ہیں۔ ان کے چیلوں نے اودھم مچا رکھا ہے۔ کوئی منہ میں تھوک کر شفا دے رہا ہے۔ کوئی آگ کی دھونی سے روحوں کو حاضر کر رہا ہے غرض ایسے بہرپیوں کا علماء کرام اور مشائخ حق سے کوئی تعلق نہیں۔ جاہلوں اور کمزور ایمان والوں کو ایک طرف دونوں ہاتھوں لوٹتے ہیں۔ تو دوسری طرف انہیں ایمان و یقین سے بھی محروم کر دیتے ہیں۔ تمام مکاتب فکر کے علماء کرام اور مشائخ عظام کی ذمہ داری ہے کہ ان مکاروں کے ہاتھوں لوگوں کو گمراہ ہونے سے بچائیں۔ اور ان کے عقائد کی قرآن مجید و شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق حفاظت کریں۔ کیونکہ شیطانی چیلوں سے لوگوں کی بچانا بھی جہاد ہے۔ ہر دور میں جعل سازوں کا کاروبار عروج پر رہا ہے اور اولیائے کرام نے ان بہروپیوں کو بے نقاب کیا ہے۔ (دیکھئے کتاب کشف المحجوب از حضرت داتا گنج بخشؒ)

شریعت کی پاسداری ہی اللہ تعالیٰ کی رضا کا واحد راستہ

جیسے میں نے عرض کیا ہے کہ کئی قسم کے شاطر غلط تاویلات کے بل پر سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ ان میں سے اکثریت نماز، روزے اور دیگر احکام شرعیہ سے بہت دور ہے۔ لیکن نہ جانے یہ کونسا ایسا کام دکھاتے ہیں۔ کہ اس واضح گمراہی کے باوجود لوگ ان کو اللہ والا اور صاحب ولایت سمجھتے ہیں۔ ان کو برحق ثابت کرنے کے لئے طویل بحثیں بھی کرتے ہیں۔ ان کے ہتھے چڑھنے والوں میں صاحب ثروت اور پڑھے لکھے لوگ بھی ہیں۔ ان میں سے اکثریت خود کو شریعت سے بے نیاز ثابت کرتی ہے۔ اور بہروپیوں نے ان کے دلوں میں یہ بات بٹھا دی ہے۔ کہ وہ کچھ بھی کیوں نہ کریں روز محشر ان کی پوچھ گچھ نہیں ہوگی اور اب وہ ہر قسم کی شرعی پابندی سے آزاد ہیں۔ گمراہ ہونے والے لوگ بخشش کی نوید کے بعد ان جھوٹے بہرپیوں کو خدا رسیدہ، واصل باللہ اور صاحب مرتبہ تسلیم

Marfat.com

کرنے میں کسی قسم کا تساہل نہیں برتتے۔ اگر کوئی ان کے سامنے شریعت کی بات کرتا ہے۔ تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ میں اپنے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ شریعت کی پاسداری نہ کرنے والا کھلا گمراہ ہے۔ اور اگر وہ شریعت کی پاسداری سے لوگوں کو روکتا ہے تو درجہ کفر میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص میری شریعت کا پابند نہیں ہے۔ اس کو ولی نہ سمجھو۔ اور جہاں تک آخرت میں پوچھ گچھ کا تعلق ہے۔ تو ذرا غور سے ان آیات کے معانی کو ذہن نشین کیجئے۔ اور گمراہی کی تاریکیوں سے بچئے

سورہ الانعام میں ہے۔

''اور اگر آپ دیکھیں گے جب وہ کھڑے کئے جائیں گے اللہ کے حضور تو اللہ فرمائے گا کیا قبروں سے اٹھنا برحق نہیں''۔ (الانعام:30)

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

''جو کوئی لائے گا ایک نیکی۔ تو اس کے لئے دس ہوں گی اس کی طرح (الانعام 160)

تاویل کرنے والوں نافرمانوں کے بارے میں ارشاد ہے۔

''اور خوب دیکھنے لگیں گے جس دن آئیں گے ہمارے پاس یہ (ظالم) لیکن یہ آج ظالم کھلی گمراہی میں ہیں (مریم 38)

اور تنہا حساب کتاب کے بارے میں ارشاد ہے۔

''اور کوئی چیز ایسی نہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر وہ حاضر ہوگی رحمٰن کی بارگاہ میں اللہ تعالیٰ نے سب کا شمار کر رکھا ہے۔ اور انہیں گن لیا ہے اچھی طرح اور وہ سب پیش ہوں گے اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا (مریم 95)

اور ہر ایک سے حساب کے بارے میں ارشاد ہے۔

''اور ہم رکھ دیں گے صحیح تولنے والے ترازو قیامت کے دن۔ پس ظلم نہ کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور اگر کسی کا کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے۔ اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے۔ (الانبیاء 47)

اور اعمال کے بارے میں ارشاد ہے۔

''اس روز پلٹ کر آئیں گے لوگ گروہ در گروہ تا کہ انہیں دکھا دیئے جائیں ان کے اعمال پس جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی اسے بھی دیکھ لے گا''۔ (الزلزال)

Marfat.com

اور واضح رہے کہ شریعت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔
''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو'' (القرآن)
اور اسلام کے بارے میں ارشاد ہے۔
''قیامت کے دن سوائے اسلام کے اور کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا''۔ (القرآن)
ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔
''اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے''۔ (القرآن)
قرآن مجید میں شریعت کی پاسداری کا حکم اس طرح ہے۔
''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس بات کا حکم کریں اسے بجالاؤ اور جس سے منع کریں رک جاؤ''۔

قیامت کے دن اعمال کے بل پر فیصلہ ہوگا (دیکھئے سورہ القصص کی آیات 90:89)
خود ہی اندازہ کر لیجئے کہ جو لوگ ارکان دین اور امور شریعہ سے روگردانی کئے ہوئے ہیں وہ کس کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور ان کے پاس اس صریح نافرمانی کی کونسی دلیل ہے۔ شریعت سے دانستہ منہ پھیرنے والے اللہ تعالیٰ کے اعلانیہ نافرمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ جملہ مومنین کو ان کے شر سے بچائے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر مضبوط ایمان اور والہانہ اطاعت۔

بندگی کا حق تو یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دل کی گہرائیوں سے ایمان لایا جائے۔ عین الیقین ہونا چاہئے اور اطاعت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اس کے احکامات پر دل کی گہرائیوں سے عمل کیا جائے۔ اگر آدمی اپنے عقلی دلائل میں الجھ جائے گا تو جو باتیں انسانی ادراک سے ہی باہر ہیں انہیں کیسے جان لے گا۔ عبادات کی حقیقت سے انسان کما حقہ آگاہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اور اس کا ٹھوس و یکساں نظام چیخ چیخ کر اللہ کی وحدانیت کا اعلان کر رہا ہے۔ عقل سلیم تو یہی مشورہ دیتی ہے کہ احکام الٰہی پر بے چون و چرا عمل کیا جائے تنبیہہ کے طور پر عرض ہے کہ آدمی خواہ یقین رکھے یا نہ رکھے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ جیسے ارشاد بھی ہے۔
''اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندروں میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ۔ مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز۔ مگر وہ لکھی ہوئی ہے روشن کتاب میں'' (الانعام:59)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے احکامات پر شک کرنے والے اور توحید کے بارے میں شکوک میں گرفتار بلاشبہ جانوروں سے بھی بالاتر ہیں۔ جیسے کہ ارشاد ہے۔

"بے شک ہم نے پیدا کیے جہنم کے لئے بہت سے انسان اور جن ان کے دل تو ہیں۔ لیکن وہ سمجھتے نہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں۔ ان کے کان تو ہیں لیکن سنتے نہیں۔ وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور یہی لوگ غافل اور بے خبر ہیں" (الاعراف 179)

عقیدہ توحید: حقیقت ہے۔ فلسفہ یا نظریہ نہیں

ہمارے بہت سے دانشور اور صاحبان علم نادانستہ طور پر ایک بڑی غلطی کر رہے ہیں۔ عام طور پر توحید کے بارے میں کتابوں اور مضامین کے عنوانات میں فلسفہ توحید یا نظریہ توحید کے الفاظ ملتے ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ فلسفہ اور نظریہ کے باطل ہونے کا امکان باقی رہتا ہے۔ یہ دونوں اصطلاحات بنی نوع انسان کی خود متعین کردہ ہیں۔ بیشک عقیدہ توحید کے بارے میں علماء کرام کے مضامین اور کاوشیں قابل قدر ہیں۔ اور ان میں کافی کچھ پڑھنے کو ملتا ہے۔ لیکن اس تمام کار خیر کے باوجود یہ الفاظ یعنی فلسفہ اور نظریہ عجیب سے معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ توحید فلسفہ اور نظریہ کے بجائے ایک حقیقت ہے۔ کسی عمومی موضوع کو بھی فلسفہ یا نظریہ کا نام مجازاً دے بھی لیا جائے تو ممکن ہے کام چل جائے۔ مگر جہاں توحید و رسالت کی بات ہو وہاں میرے نزدیک ان کا مجازاً اطلاق بھی بے ادبی کے دائرے میں آتا ہے۔ ممکن ہے کہ ارباب علم کے پاس میرے اس دعوے کے جواب میں بہت سے الفاظ ہوں۔ لیکن جہاں عشق اور یقین کی بات ہوتی ہے۔ وہاں عنوان بھی شایان شان ہونے چاہیں۔ کہ جن میں ابہام نہ ہو۔ اور آنے والے دنوں میں فلاسفہ محض نظریہ اور فلسفہ کی بحث میں ہی نہ الجھے رہیں۔ بلکہ یقین وایمان کی وادیوں میں بھی قدم رکھ کر حقائق کا باطنی نگاہ سے برملا ملاحظہ کر سکیں۔ ارشاد خداوندی دیکھئے۔ اور غور کیجئے کہ کتنی واشگاف حقیقت بیان ہو رہی ہے یہ محض فلسفہ یا نظریہ نہیں۔

اللہ کے سوا کوئی الہٰ نہیں وہ زندہ ہے اور سب کو قائم رکھے ہوئے ہے" (آل عمران 2:)

اس آیت مبارکہ پر بھی غور فرمائیے۔

"اور نہیں ہو تم بے بس کرنے والے (اللہ تعالیٰ) کو زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور مددگار (العنکبوت 22:)

سورہ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیت کو دیکھئے۔

"مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی۔ تو جدھر بھی تم رخ کرو اللہ تعالیٰ (موجود) ہے۔ بیشک

Marfat.com

اللہ تعالیٰ رحمت والا اور خوب جاننے والا ہے''۔(البقرہ:115)

قرآن مجید کی تمام آیات یقین محکم کی روشن نشانیاں ہیں۔اور کہیں بھی کوئی ایسا نکتہ نہیں ملتا۔ جہاں فلسفہ اور نظریہ جیسی خود ساختہ اصطلاحات کی گنجائش نکلتی ہو۔اس لئے فلسفہ یا نظریہ کی اصطلاحات کے نقص امکان کے پیش نظر توحید پر ان کا اطلاق مناسب نہیں۔توحید ہر قسم کے گمان سے بالاتر حقیقت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کہ نماز ادا کرتے وقت تمہیں ایسے یقین کی دولت نصیب ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ورنہ یہ تو ضرور ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔یہاں بھی فلسفہ یا نظریہ کی کوئی گنجائش نہیں۔بلکہ حقیقت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔اور تمام خود ساختہ نظریات کی نفی کر کے وحدہ لاشریک کے دربار میں پورے یقین کے ساتھ کھڑا کیا جا رہا ہے۔

خبردار! لمن الملک الیوم دور کی بات نہیں

ہم میں سے اکثریت اس وہم میں مبتلا ہے کہ قیامت بڑی دیر بعد آئے گی۔اور کچھ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ وہاں اکیلے ہم تو نہیں ہوں گے۔سب ساتھ ہوں گے۔دیکھا جائے گا۔یہ گمراہ اور شیطانی وساوس اور خیالات انسان کو جہنم کی پستیوں کی طرف تیزی سے لے جاتے ہیں۔خیال رہے کہ جب سے یہ دنیا بنی ہے اب تک کا معاملہ پلک جھپکنے کا ہے۔تو جان لیجئے کہ قیامت کے آنے میں کوئی دیر نہیں اور یقین رہے کہ وہ صدا اب زیادہ دیر کی بات نہیں۔جو روز محشر ہر ایک سنے گا۔

لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ: یعنی آج اس تمام کائنات کا حقیقی بادشاہ کون ہے۔وہاں ہر انسان کانپ رہا ہوگا۔لوگ بکھرے ہوئے ہوں گے۔ہر آدمی حیران حیران پھرے گا۔اور جو دنیا میں یہ کہہ کر اتراتے ہیں۔کہ سب ساتھ ہوں گے اکیلا تو نہیں ہوں گا۔وہاں وہ بھی اپنوں کو پہچاننے سے انکار کریں گے۔ اور دور بھاگیں گے۔دنیا کی مثال لیجئے کہ اگر کسی کو بیماری آتی ہے تو خود بیماری برداشت کرتا ہے کوئی دوسرا یہ مصیبت لینے کو تیار نہیں ہوتا۔حیرت ہے کہ قیامت کے دن کے معاملے میں ایسی دلیری کی بات کھلی گمراہی اور اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے سوا اور کیا معنی رکھتی ہے۔ایسے بدنصیبوں کے بارے میں ذرا چند آیات قرآنی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

''گویا ڈھانپ دیئے گئے ہیں ان کے چہرے کالی رات کے کسی ٹکڑے سے وہی دوزخی ہیں''۔(یونس:27)

رشتہ داروں اور اقتدار اور دوست کے بل پر اترانے والوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

''جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریاں نہیں رہیں گی اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے''۔ (المومنون:101)

اترانے والے اس روز یوں فریاد کریں گے۔

''اے ہمارے رب ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور کانوں سے سن لیا۔ پس ایک بار ہمیں دنیا میں بھیج دے ہم نیک عمل کریں گے ہمیں پورا یقین آ گیا ہے'' (السجدہ:12)

لیکن ان کی یہ التجائیں بیکار جائیں گی۔ جہنم کے فرشتے انہیں نہ تو آزاد کریں گے اور نہ ہی دوبارہ دنیا میں بھیجے جانے کا کائی حکم ہوگا۔

مال و دولت اور اقتدار پر فخر کرنے والوں کے بارے میں بیان فرمایا گیا ہے کہ

''نہیں اس وقت وہ ساز و سامان کوئی نفع نہیں دیں گے۔ جن سے وہ لطف اندروز ہوتے رہتے تھے''۔ (الشعریٰ:20)

اللہ تعالیٰ کی رحمت اطاعت گزاروں کے لئے

اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اطاعت گزاروں کو عزت دیتا ہے دنیا مقام آزمائش ہے۔ اگر یہاں انہیں مال و دولت میسر نہ بھی ہو تو بھی اللہ تعالیٰ ان کے لئے کافی رہتا ہے۔ اور ان کی حفاظت کرتا ہے۔ آخرت میں انہیں بے حساب انعامات عطا ہوں گے۔ اور ان انعامات کو نہ تو فنا کا ہاتھ چھین سکے گا اور نہ ہی وہ ختم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے دروازے کھلے ہیں۔ توبہ کے لئے کوئی لمحہ مقرر نہیں۔ جس وقت دل اس طرف مائل ہو۔ توبہ میں دیر نہیں کرنی چاہئے اور پھر زندگی کو مکمل سنوارنا چاہیئے۔ یقین مانئے کہ قیامت کے دن اطاعت گزاروں کو نہ تو کوئی پریشانی ہوگی اور نہ ہی غم ہوگا اور جنت کے اعلیٰ ترین محلات ان کا گھر ہوں گے۔ جہاں یہ خوش نصیب ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس کتاب میں اہل جنت کے مقامات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حضور جھکنے والوں پر بے حد و حساب رحمت نازل فرماتا ہے۔ اور ان کے لئے قبر و حشر کے تمام مراحل آسان کر دیئے جاتے ہیں۔ (دیکھئے قرآن مجید کی آیات) اور دیکھئے اہل جنت کے بارے میں انعامات قرآن حکیم میں)

اصلاح عقیدہ کی ضرورت

فوری طور پر ہمیں اپنے عقائد میں نظر ثانی کرنی چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اختیارات و صفات میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا چاہئے۔ اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر، اس کے فرشتوں پر اور یوم

آخرت پر بلا دلیل ایمان لانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کا صرف اور صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے الہامی کتابوں اور انبیاء کرام کی شریعت پر عمل! اب قیامت تک انسانوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی اور قرآن مجید کو بطور قانون نافذ کر دیا گیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہی قرآن مجید کے احکامات کی کامل تفسیر ہے۔ اس کے بغیر اور کوئی راستہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور رضا کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ کوئی بھی فرد راسخ العقیدہ مومن صرف اسی وقت ہوگا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے صفات پر دل کے یقین کے ساتھ ایمان لائے گا اور شریعت محمدیہ کی پیروی کرے گا۔ ایسے بہروپیوں سے دور بھاگنے کی ضرورت ہے۔ جو شریعت کو چھوڑ کر دیگر امور کو قرب الٰہی کا راستہ سمجھتے ہیں اور جو اختیارات خداوندی میں انسانی مداخلت کے قائل ہیں۔ (معاذ اللہ) وہ ذات اقدس اپنے ارادوں اور اختیارات کا تنہا مالک و مختار ہے۔ اور اس کے حضور شفاعت بھی وہی کر سکے گا جسے شفاعت کا اذن ملے گا۔ اور یہ بلند مقام محمود ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے۔ اب شریعت محمدیہ سے دور بھاگنے والے روز محشر اللہ کی بارگاہ میں کونسی منطق پیش کریں گے اور کیا دلیل دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو دانستہ پس پشت ڈالنے والے فیصلہ کرلیں کہ یوم حشر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کس طرح کریں گے۔ غور طلب مقام ہے کہ کیا شفاعت ان خوش نصیبوں کا ہی مقدر نہیں ہوگی۔ جنہوں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے لئے مقدور بھی کوششیں کی ہوں گی۔ اب بھی وقت ہے کہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے شریعت کے جملہ امور کو اختیار کرلیا جائے۔ یہی اطاعت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی یقینی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ باطنی احوال بھی یقین و اطاعت سے ہی درست ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی بھی ایمان کے احوال میں سے ہے۔ کفر سے مماثلت بھی ذلت و لعنت کا طوق ہے۔

خصوصی تشکر

میں محترم نیاز احمد صاحب کا مشکور ہوں کہ انہوں نے کتاب کی اشاعت کا انتظام کیا۔ سیرت المرسلین بھی شائع کرنے کی انہیں سعادت حاصل ہوئی ہے ساتھ ہی جملہ ساتھیوں جن میں سید آفتاب شاہ جلالپوری سرفہرست ہیں کا مشکور ہوں۔ اہل دل ساتھیوں کا تعاون بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے بلاشبہ خوبصورت انعام ہے۔ یہ کتاب کوئٹہ شہر میں محمد یونس عظیم صاحب کے دولت کدہ پر تحریر کی گئی۔ جنہوں نے میرے آرام و آرائش کا خاص خیال رکھا۔ نور حسن [illegible] نے اس کی پروف ریڈنگ میں مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

Marfat.com

دعائے خیر

آخر میں عرض ہے کہ میری والدہ مرحومہ کے لئے میرے دو مرحوم بھائیوں محمود عالم اور محمد اکرم کی بخشش کے لئے خاص طور پر دعائے خیر فرمائیں۔اس کے بعد میرے لئے دعائے خیر کریں کہ اللہ تعالیٰ میری سعی وکاوش کو قبول فرمائے۔اور مجھے اپنے ذکر خیر اور اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر تاباں کی سعادت عطا فرماتا رہے۔(آمین) دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ جیسے حقیر انسان کے گناہ بخش دے اور روز محشر شفاعتِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفراز فرمائے۔دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے محمد ظاہر خورشید کو بھی اسلام کا مجاہد اور بے لوث مبلغ بنائے۔'آمین'۔شیطانی قوتوں کی شکست فاش کے لئے دعا کریں۔مسلمان مجاہدین جہاں بھی جہاد میں مصروف ہیں ان کی فتح ونصرت کے لئے اور اسلام کے عالمگیر غلبہ کے لئے دعا فرمائیں اور شیخ نیاز احمد صاحب کے مرحوم صاحبزادے اعجاز احمد کے لیے بھی دعا فرمائیں۔

طالب رحمت ومغفرت

ابو الظاہر خورشید عالم گوہر قلم

Marfat.com

باب اوّل

توحید اور صفات

یہ کائنات اور اس کا ہر ایک ذرہ اپنے تخلیق کار کی گواہی دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ آسمانوں کی بے کراں وسعتیں لاکھوں کروڑوں اجسام فلکی کی گردش' لاکھوں کہکشاؤں کے وجود' کروڑوں اربوں نوری سال کے فاصلوں پر عظیم ترین جسامت رکھنے والے سیاروں اور ستاروں کا نظام' زمین جیسے ایک چھوٹے سے کُرّے پر ہزاروں قسم کی مخلوقات کا وجود ____ فضا میں نظر نہ آنے والے ہزاروں لاکھوں خفیف جسموں کی دنیا۔ یہ سب ہمیں کسی بہت بڑی طاقت' بہت بڑی دانش اور بہت بڑی عظمت کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور یہ طاقت' دانش اور عظمت ہے اللہ تعالیٰ کی طاقت' اللہ تعالیٰ کی دانش اور اللہ تعالیٰ کی عظمت۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ جسے کسی کی مدد کی حاجت نہیں۔ جسے کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں۔ جس کا علم ازل سے سب کو گھیرے ہوئے ہے جس کے اختیارات کا یہ عالم ہے کہ اس عظیم ترین کائنات میں بال برابر بھی ایسی کوئی جگہ نہیں ہے جسے وہ نہ جانتا ہو۔ اور جس پر اس کا حکم طاری نہ ہو اس کے سامنے کچھ بھی غیب نہیں۔ طاقت کا یہ عالم ہے کہ یہ کائنات جس کی وسعتوں پر عقل انسانی حیران و ششدر ہے۔ ایسی اربوں کائناتیں پیدا کر لینا اس کے لئے چنداں مشکل نہیں جب کچھ بھی نہ تھا تب بھی اس نے یہ کائنات پیدا فرمائی اور ایسا کرنا اس کے لئے قطعاً مشکل نہ تھا۔ وہ ایسا لا محدود قوتوں کا مالک ہے کہ اس کی قوتوں اور اس کی تخلیقات کا اندازہ کرنا کسی بھی ذی عقل کے بس کا روگ نہیں اور اس کی حکومت کے گھیرے میں سب کچھ ہے۔ جیسے کہ ارشاد گرامی ہے

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیر رکھا ہے۔

اس کے سامنے زمان و مکان جواب دہ ہیں۔ رات اس کے حکم سے آتی ہے اور دن اس کے حکم سے طلوع ہوتا ہے۔ چاند کی رفتار اس کے حکم سے قائم ہے۔ سمندروں کا مدوجزر' دریاؤں کی روانی' بادلوں کا نظام' ہواؤں کا چلنا سب اس کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ اس نے کائنات کی ہر قسم کی زندگی کو' فرشتوں کو اور عرش و کرسی کو تھام رکھا ہے۔ اور اس کا رحم و کرم ہی سب مخلوقات کی زندگی اور کائنات کے قیام کا ضامن ہے۔ وہ کب سے ہے۔ ایسا ابھی کوئی پیمانہ ہی معرضِ وجود میں نہیں آسکا کیونکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ سے ہے اور کہیں بھی اُس کا نکتہ آغاز نہیں۔ بلکہ سب آغاز اُسی نے پیدا فرمائے ہیں۔ گنتی کا یہاں

کوئی عمل دخل نہیں۔ اگر ہم پوری کائنات کے ذروں کے برابر گنتی کر لیں گے تب بھی یہی نظر آئے گا' کہ وہ اس سے بہت پہلے کا ہے۔ یعنی اس کے لئے کوئی حد وحساب مقرر ہی نہیں کیا جا سکتا۔ جب ہر قسم کی اکائیاں ختم ہو جاتی ہیں تب بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ ان اکائیوں سے پہلے کچھ نہیں تھا اس "کچھ نہیں" کا تخلیق کار بھی وہی تھا۔ اور کچھ ہے کا تخلیق کار بھی وہی اور "کچھ نہ ہوگا" کا تخلیق کار بھی وہی ہے۔ اور "سب زندہ ہو جائیں گے" کا تخلیق کار بھی وہی ہے۔ اس کی حکومت کا اس کی تخلیق اور اس کے علیم و حکیم ہونے کی نہ کوئی حد ہے۔ اور نہ ہی کوئی تخیل یا کوئی دانش اس عظمت کا اندازہ کر سکتی ہے۔ کوئی فرشتہ' جن یا انسان اُس کی طاقت سے کیونکر آگاہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا علم اس کی حکمت' اس کا ارادہ ایسا ہے۔ کہ وہ پاک ذات ہی اس سے آگاہ ہے۔ باقی کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس وحدہٗ لاشریک کے بارے میں کوئی دعویٰ کر سکتا ہو۔

وحدہ لاشریک

اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۚ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ

"(اے نبیؐ) کہہ دیجئے' اللہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ نہ اسے کسی نے جنا اور نہ کسی کو اس نے جنا۔ اور نہ کوئی اس کی برابری کر سکتا ہے"۔

اس سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا دیا ہے کہ اگر کسی کی عقل میں فتور آ جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوچنا شروع کر دے۔ شیطان اس کے ذہن کو وسوسوں کا شکار بنا ڈالے تو پھر اسے اس سورت مبارک سے استفادہ کرنا چاہئے اس کی تفسیر و تشریح حاضر ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

"اے نبی۔ آپ اعلان کر دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔"

یہی وہ نکتہ ہے جس پر کائنات کے تمام تر نظام' اس کی تخلیق اور قیام کا دارومدار ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ نہ تو اس کا کوئی مددگار ہے اور نہ ہی اسے کسی کی مدد کی ضرورت ہے۔ اس کا ایک ہونا مُسلّم ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی الٰہ ہوتا۔ تو یقیناً اس کے اپنے ارادے ہوتے۔ اپنے احکام ہوتے اپنا نظام ہوتا اس کے نتیجے میں کائنات کا یہ وسیع وعریض اور انتہائی پیچیدہ نظام اربوں کھربوں سالوں سے کس طرح ایک ہی ڈگر پر چلتا رہتا۔ نظام کائنات جس میں لاکھوں صدیوں سے کوئی ردوبدل نہیں ہو سکا کیسے قائم رہ سکتا تھا۔ دوسرا الٰہ ضرور اس میں مداخلت کرتا۔ جس کے نتیجے میں یہ نظام

Marfat.com

تباہ و برباد ہو جاتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ انسان عقلی طور پر آسانی سے تسلیم کرتا ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ تبھی تو

- انسانی عقل و شعور کے ادراک سے کہیں باہر کائنات اپنی تمام تر توانائیوں اور قوتوں کے ساتھ قائم کھڑی ہے۔
- زمین پر ہر قسم کی زندگی کو تحفظ حاصل ہے۔
- آسمانوں کی بلندیاں بلاشبہ بیکراں وسعتوں کو سمیٹے ہوئے ہیں۔
- درخت کے ایک چھوٹے سے پتے سے لے کر زمین سے کئی گنا بڑا سورج تک اپنے اپنے فرائض پورے کر رہے ہیں۔
- کروڑوں‘ کھربوں سال سے قائم سورج کی گرمی کو قائم رکھا گیا ہے۔ اور اس کے جسم میں داخل کیے گئے آتشی خزانے میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔
- چاند بدستور زمینی زندگی پر اپنے اثرات ڈالے ہوئے ہے۔ اور سمندر کے مدوجزر کا تماشہ جاری ہے۔
- ہر انسان علیحدہ دماغ‘ علیحدہ سوچ اور علیحدہ صلاحیتیں لے کر دنیا میں آ رہا ہے۔
- خشک اور بنجر زمین میں مردہ دانہ ڈال دینے سے اس میں جان پڑ جاتی ہے۔ اور پھر کھیت لہلہانے لگتے ہیں۔
- خشک پہاڑوں کے کونوں کھدروں سے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے بہہ رہے ہیں۔
- ایک انڈے سے پورا پرندہ مجسم ہو کر باہر آ جاتا ہے۔
- سمندروں اور دریاؤں کے رخ اپنی اپنی سمت برقرار رکھے ہوئے ہیں۔
- کائنات میں لاکھوں کروڑوں نظام موجود ہیں۔ اور یہ تمام اجسام فلکی اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں۔
- بے شمار فلکیاتی نظام اپنے اپنے نظاموں کے تحت محوِ سفر ہیں۔
- ایک دوسرے سے کروڑوں نوری سال کے فاصلے رکھنے والے اجسام اپنی حدود سے ہرگز باہر نہیں نکل سکتے۔
- ایک چیونٹی سے لے کر وہیل مچھلی تک سب کو رزق بدستور مل رہا ہے۔
- اربوں کھربوں قسم کے نظر نہ آنے والے جاندار محوِ گردش ہیں۔
- درختوں پر ہلکا سا بور آتا ہے۔ اور پھر مقررہ وقت میں یہ درخت قسم قسم کے پھلوں سے لد

Marfat.com

جاتے ہیں۔ جب کہ ہر ایک کا ذائقہ مختلف ہوتا ہے۔

- نظر نہ آنے والی کروڑوں زندگیوں کی تسبیح سے یہ فضا گونج رہی ہے۔
- زمین کے ذرے سے لے کر سورج سے بھی کئی گنا بڑے کرّے اللہ تعالیٰ کے حمد و ثنا میں مصروف ہیں۔
- سورج اپنے مقررہ اوقات میں زمین کے حصوں کو روشن کرتا ہے۔
- موسم اپنے وقت پر آتے ہیں۔
- سورج کی گردش جن راستوں پر جاری ہے۔ وہ صدیوں سے اِسی پر سفر کر رہا ہے۔
- زمین صدیوں سے اپنے پیٹ سے خزانے نکالے چلی جا رہی ہے۔
- ایک بلبل سے لے کر شاہین تک ہر پرندہ اور گیدڑ سے لے کر شیر تک ہر جنگلی جانور اپنی اپنی فطرت کے مطابق زندگی گزار رہا ہے۔
- انسان روزِ اول سے "علق" کے ذریعے ہی پیدا ہو رہا ہے۔
- سورج سے لے کر زمین تک ہر کُرّے کا ایٹم ایک ہی ہے۔
- زمین اور آسمانوں کے اس لامحدود نظام میں کہیں نقص نہیں ہے۔
- کائنات کی تمام وسعتوں میں مرکزی میٹریل نہایت مختصر جوہر ہے۔
- ہوا کے ذریعے ہر قسم کا پیغام اور تصویریں دور دراز تک پہنچ رہی ہیں اور ہوا ایک ٹیپ ریکارڈ کی سی حیثیت بھی رکھتی ہے۔
- سمندر کے پانیوں پر ہزاروں ٹن وزنی بحری جہاز سفر کرتے ہیں۔
- بہت بڑے ہوائی جہاز سینکڑوں افراد کو لے کر ہوا کی قوت سے ہزاروں میل کی اُڑان کر رہے ہیں۔
- برقی ذرات کی آمیزش سے کائنات کا ہر ذرہ ایک دوسرے سے منسلک ہے۔
- زمین پر وقت کے ساتھ ساتھ زندگی کی اصلاحات جاری و ساری ہیں۔
- ہر مظلوم کو اپنی پکار کہیں نہ کہیں سنائی دیتی معلوم ہوتی ہے۔
- ایک ہی زمین سے اُگنے والے پھولوں کے رنگ اور خوشبو مختلف ہوتے ہیں۔
- ہر خطے کی زندگی کو اس کی ضرورت کا سامان عطا کیا جاتا ہے۔
- سمندروں کی وسعتوں سے اٹھنے والے بخارات کرۂ ارض کی خشکی اور ویرانیوں کو سیراب کر کے ہرا بھرا کرتے رہے ہیں۔

- ہر انسان کی حیوانی روح نیند کے وقت اس کے جسم سے نکل کر سیر و سیاحت کرتی ہے۔ اور پھر ہلکی سی جنبش سے ہزاروں میل کا سفر چشم زن میں طے کر کے جسم میں واپس لوٹ آتی ہے۔
- سمندروں کی گہرائیوں میں آبی مخلوقات کے قبیلے رہتے ہیں جو اپنی حدود سے آگے نہیں بڑھتے۔
- یہ کائنات ایک بار مقرر وقت پر لپیٹ دی جائے گی۔

اگر ان عوامل پر غور کریں تو یہ سمجھنے میں کوئی دیر نہیں لگتی اور نہ ہی کوئی شائبہ رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کی عظیم و لامحدود اور بے حد و حساب طاقتوں کے بے شمار مظاہرے دیکھنے کو ملتے ہیں کائنات کا ہر نظام جسے اللہ تعالیٰ نے روز اول سے مقرر فرمایا تھا۔ نہایت فرمانبرداری اور اس انداز سے چل رہا ہے۔ کہ اس میں پلک جھپکنے کا معمولی سا بھی رد و بدل نہیں ہے۔ تبھی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ

(سورۃ ملک)

(ترجمہ) ''وہ (اللہ ہے) جس نے سات آسمانوں کو اوپر نیچے پیدا کیا۔ اے دیکھنے والے تو رحمٰن کی کسی تخلیق میں بے ضابطگی نہیں دیکھے گا۔ دوبارہ نظریں اٹھا کر دیکھ کیا تجھے کوئی نقص نظر آ رہا ہے؟ اس کے بعد پھر دیکھ تو تیری نگاہ عاجز ہو کر واپس لوٹ آئے گی (مگر تو اپنے اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظام میں کوئی نقص نہیں دیکھے گا)''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو چیلنج دیا ہے۔ کہ تو بار بار نظر اٹھا کر کائنات کے ایک ایک ذرے سے لے کر آسمانوں کی بے کراں وسعتوں کی طرف نظر دوڑا کر دیکھ پھر بار بار دیکھ تجھے کہیں بھی کوئی معمولی سا نقص، عیب یا بے ضابطگی نہیں دکھائی دے گی اور تیری نگاہ تھک تھک کر پلٹ آئے گی۔

اس کائنات کا ایک ایک ذرہ اتنا مکمل اور مربوط ہے کہ زمین کے ایک ذرے پر کئی سو صفحات پر مشتمل مضمون تحریر کیا جا سکتا ہے۔ ایک ایک ذرہ اپنے اندر ایک مکمل نظام رکھتا ہے۔ اور کائنات کا ایک ایک ذرہ اُسی اہمیت کا حامل ہے جس کا کوئی بڑے سے بڑا نظام مظہر ہو سکتا ہے۔ کائنات کا وجود انہی ذرات کی آمیزش ہے۔ اور یہ ذرے اپنے اندر زندگی کی تمام خصوصیات رکھتے ہیں۔ ان ذرات کے درمیان ایسا مقناطیسی رشتہ ہے کہ یہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ آپ زمین سے مٹھی بھر کر مٹی اٹھائیں اور پھر اسے آہستہ آہستہ نیچے گرائیں تو آپ کو اندازہ ہوگا۔ کہ آپ کے ہاتھ میں جو مٹی ہے وہ ذرات کا ایک مجموعہ ہے۔ جس میں بے پناہ مقناطیسی قوت اور برقی نظام کے ساتھ ساتھ بہت

Marfat.com

سے دوسرے نظام موجود ہیں یعنی ایک ذرہ بھی اپنے اندر طاقت اور قوت کے خزانے رکھتا ہے۔ ہم جیسے ناقص العقل جو ابھی تک صرف ذرے کی حقیقت کو کماحقہٗ سمجھنے سے عاجز ہیں کائنات کی وسعتوں کے بارے میں کیا رائے دے سکتے ہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں کائنات کی وسعتوں کی راہ دکھائی ہے۔ اور ہم عاجز انسانوں کو بتلایا ہے۔ کہ یہ کائنات جس کا کثیر حصہ ابھی تک انسانی نظروں سے اوجھل ہے۔ نہایت مکمل اور فعال ہے۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو میری اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہوں گے۔ اور وہ یقیناً یہ سوال کریں گے۔ کہ آج انسان نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔ سائنس آگے بڑھ رہی ہے۔ تو اس کے جواب میں ہمیں یہ کہنا ہے کہ

- ابھی تک زمینی زندگی کی پوری تحقیق نہیں ہو سکی۔ تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔
- مکمل آبی زندگی کے بارے میں بھی انسان ابھی تک لاعلم ہے۔ اور یہاں بھی تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔
- سورج اور دوسرے بڑے بڑے اجسام فلکی کے بارے میں ابھی تک صرف مفروضے قائم کئے جا رہے ہیں۔
- انسان زمین سے ہٹ کر دور دراز کی کیفیت سے لاعلم ہے۔ اور اس کی تحقیق کی جستجو جاری ہے۔
- کائنات میں کتنے نظام موجود ہیں؟۔ ابھی تک صیغہ راز ہے۔
- سورج سے بھی کئی گنا بڑے اجسام فلکی تیر رہے ہیں۔ جن کے بارے میں انسان ابھی تک کوئی مستند رائے بھی قائم نہیں کر سکا۔
- کروڑوں نوری سال کے فاصلوں پر وسیع و عریض نظام اور جھرمٹ ابھی تک معمہ ہیں۔ اور مستقبل قریب میں ان کے بارے میں کچھ جان لینے کی امید ابھی تک وہم محض ہے۔

یہ صرف نظر آنے والے ان کُرّوں کی کیفیت ہے۔ حالانکہ کائنات میں ایسی بے شمار مخلوقات موجود ہیں جو انسانی آنکھ سے اوجھل ہیں۔ ان کے بارے میں شاید کبھی بھی انسان تفصیل سے نہ جان سکے رہی یہ ترقی' اس میں شک نہیں کہ سائنسدان نے بہر حال اپنے طور پر نسل انسانی کو اس کائنات کی وسعتوں سے آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور انسانی فلاح کے لئے کچھ مشینیں بھی ایجاد کر لی ہیں۔ لیکن میرے خیال میں یہ تمام تر ایجادات لے کر بھی اس بے کراں کائنات میں انسان اعتماد کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔ ابھی اسے بے انتہا محنت اور جستجو کی ضرورت ہے۔ اور جہاں تک کائنات کی

وسعتوں کو تسخیر کرنے کا سوال ہے۔ تو یہ کام اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ ابھی تک انسان ٹھوکریں کھا رہا ہے تو اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ وہ صرف اپنی عقل اور محنت پر بھروسہ رکھے ہوئے ہے لیکن اصل طاقت خالق و مالک ''اللہ'' سے اپنا ناطہ نہیں جوڑ سکا۔ اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی انسان کو وہ عروج حاصل ہو سکتا ہے جس کا خواب وہ دیکھ رہا ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ہے۔ یعنی تمام مخلوق اس کی محتاج ہے اور وہ سب سے بے نیاز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ صمد وہ ہے جو اپنی بزرگی اور عظمت میں، اپنے علم وحلم میں، اپنی حکمت و تدبر میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔ اور یہ صفات صرف اللہ جل جلالہ کی ہیں۔ اس کی کوئی برابری نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی ذات اور صفات میں یکتا اور بے مثال ہے۔ صمد کے معنی یہ بھی ہیں کہ جو مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے جو ہمیشہ رہنے والا اور سب کی حفاظت کرنے والا ہو۔

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ

(ترجمہ) ''یعنی وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے اسے اولاد کیسے ہوگی۔ اس کی بیوی نہیں۔ اور وہی ہر چیز کا خالق ہے۔''

جب ہر چیز کو اسی نے پیدا فرمایا ہے تو پھر اس کی برابری کون کر سکتا ہے۔ وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ اور خیال کی ہر پرواز سے بلند ہے۔ اگر کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی قسم کا ایسا خیال کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں تو وہ بہت بڑا ظالم ہے۔ اور ایسا کرنے والا جہنم کی آگ کا ایندھن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر چیز کا شمار ہے ہر انسان کو اس نے پیدا فرمایا ہے اور قیامت کے دن ہر شخص اپنے اعمال کے ساتھ اس کے حضور حاضری دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا کمال حلم یہ ہے کہ وہ نافرمانوں اور مشرکوں کی تمام بے تکی سنتا ہے۔ مگر اس کے باوجود انہیں روزی دیتا ہے۔ زندگی بھی عطا فرماتا ہے۔ بخاری شریف میں ایک روایت ہے۔ جسے پڑھ کر احساس ندامت ہوتا ہے اور آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہیں۔

''ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ مجھے گالیاں دیتا ہے اسے یہ بھی نہیں کرنا چاہیے تھا اور انسان کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اول اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا ایسے پھر نہیں لوٹائے گا۔ حالانکہ پہلی مرتبہ کی پیدائش بھی دوسری مرتبہ پیدائش سے آسان تو نہ تھی۔ جب میں اس پر قادر ہوں۔ تو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر کیوں نہیں۔ اور اس کا مجھے گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ حالانکہ میں تنہا ہوں میں ایک ہی ہوں۔ میں صمد ہوں۔ نہ میری اولاد

Marfat.com

ہے نہ میرے ماں باپ اور نہ ہی مجھ جیسا کوئی اور ہے۔(بخاری شریف)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

(سورۃ نساء)

(ترجمہ) پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔اس سے باز آجاؤ تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔اللہ تعالیٰ تو معبود اکیلا ہے۔(پارہ نمبر 6۔سورہ نساء آیت نمبر 171)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر تثلیث کے قائل افراد کو تنبیہ فرمادی ہے کہ تمہارا یہ عقیدہ تثلیث (یعنی تین خداؤں والا) بالکل غلط ہے۔حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اس کے بندے اور رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے شریعت اور کتاب عطا فرمائی۔انکا کام مخلوق کو راہ ہدایت دکھانا تھا اور لوگوں کو شرک و بت پرستی سے ہٹا کر ایک واحد اور یکتا پروردگار کا عبادت گزار بنانا تھا۔مگر افسوس کہ ان کی زندگی میں انکو ہر طرح کے ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔اور بعد ازاں جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔تو ان کے ماننے والوں نے جو سخت گناہ کیے ان میں ایک تو ''کتاب اللہ'' انجیل میں رد بدل تھا۔اور دوسرا اللہ کے بندے اور اس کے رسول کو خدا کا بیٹا (معاذ اللہ) کہا جانے لگا۔اس سے بڑا ظلم اور کوئی نہیں ہوسکتا۔اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو اسکی اولاد قرار دینے والا درحقیقت اندھا اور جاہل ہے اور اس کو انسان قرار دینا بھی زیادتی ہے کیونکہ انسان ذی ہوش ہوتا ہے۔اور اس جہالت کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (سورۃ آل عمران)

(ترجمہ) ''گواہی دی اللہ نے کہ کوئی معبود اس کے سوا نہیں''۔

(پارہ نمبر۳ سورۃ آل عمران آیت 81)

بیشک اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے وہ تنہا ہے۔کوئی اس کا شریک نہیں۔اس کی طاقتوں کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔اس کی حکومت ذرے ذرے پر قائم ہے۔زمین وآسمان کا ذرہ ذرہ اس کی تسبیح کررہا ہے۔اور اس کے وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے۔تنہا اسی نے یہ نظام پیدا فرمایا ہے۔اور درحقیقت وہی اس کا خالق و مالک ہے۔

پھر ارشاد گرامی ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (سورہ بقرہ)

(ترجمہ) ''اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔نہیں کوئی عبادت کے لائق اس کے سوا۔اور وہ

Marfat.com

مہربان اور رحم والا ہے۔" (پارہ نمبر 2' سورۃ البقرہ آیت 163)

"اللہ تنہا ہی الٰہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس قابل نہیں کہ اسے سجدہ کیا جائے سجدہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور وہ بے حد رحم فرمانے والا نہایت مہربان ہے۔

الٰہ کا مفہوم

الٰہ اس کو کہتے ہیں جو رزق دیتا ہو۔ جو کسی کے سامنے جواب دہ نہ ہو قانون جس کی مرضی کے تابع ہو اور اُس کے سامنے کسی کو بھی مجال انکار نہ ہو۔ جو سلطنت کا مطلق العنان حاکم ہو۔ جو کسی کا رزق گھٹائے یا بڑھائے تو کوئی شکوہ نہ کر سکے۔ جس کے سامنے کوئی دعویٰ نہ کیا جا سکے۔ جس کا فیصلہ اور حکم ہی حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہو۔ جو زندگی اور موت دینے کی طاقت رکھتا ہو۔ جس کے سامنے سوائے اس کی تعریف و توصیف کے کچھ نہ کہا سکے۔ جو اگر کسی سے راضی ہو کر اسے جتنا عطا کر دے دوسرے کو اعتراض پیدا نہ ہو۔ اور جو اپنی سلطنت کے ایک ایک گوشے پر صرف اپنے احکامات کی بجا آوری چاہتا ہو اور اس کے احکامات کو ماننے کے سوا کسی کے لئے کوئی اور دوسرا راستہ نہ ہو۔ جو ہر ایک کی خبر رکھتا ہو جس کے احکامات کو ٹالا نہ جا سکے جس کے آئین کو تبدیل نہ کیا جا سکے۔ جس کے حکم سے ذرہ برابر منہ نہ موڑا جا سکے۔ جس کا ہر لفظ حکم بن جائے۔ جس کے اختیارات کو کوئی چیلنج نہ کر سکے۔ جس کے سامنے حاضری بھی مخصوص آداب کے ساتھ دی جائے۔ جو اپنے اقتدار میں اکیلا ہو۔ اپنی مرضی سے جو کچھ کرنا چاہے۔ اس کو کوئی روکنے کی ہمت نہ کر سکے۔ سب اس کے سامنے جھکیں اور وہ کسی کے آگے نہ جھکے۔ الٰہ کے یہ معنی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر ہی پوری اترتے ہیں۔ کوئی آدمی' فرشتہ' جن انسان یا کوئی دوسری مخلوق ان صفات کی حامل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کا مالک ہے وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ اس کے علم کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس کے مقرر کردہ نظام کو تبدیل کرنا کسی کے بس میں نہیں۔ وہ جس کو جو چاہے عطا فرمائے۔ اور جس سے جو چاہے چھین لے۔ اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ ایک ہے۔ اور اس کائنات پر اکیلا حکمران ہے۔ اس کے نور نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے۔ زمین سے کروڑوں گنا بڑے اجسام بھی اُس کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ کوئی ذہن اس کی قوتوں کے بارے میں کوئی مفروضہ بھی قائم نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

حضرت انسان کی کم نگاہی

بے شک انسان کی فطرت میں کھوج لگانے کی خواہش بہت زیادہ ہے۔ انسان کے ذہن میں ہمیشہ سے اپنے پروردگار کے بارے میں جاننے کی خواہش رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے اپنے نمائندوں یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے نسل انسانی کو اپنے بارے میں آگاہ فرمایا ہے۔ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے وقت پر تشریف لاتے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت' اس کی حکمت وقوتوں کے بارے میں آگاہ فرماتے رہے۔ لیکن حضرت انسان نے ہر موقع پر اپنی سرکشی کا مظاہرہ کیا بجائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدت اس کی حاکمیت پر ایمان لاتا اُس نے انبیاء کرام علیہم السلام کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ یہاں تک کہ انہیں شہید تک کیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کی بجائے سورج' چاند' ستاروں' پتھروں آگ' اور دوسرے عناصر کی عبادت کی جانے لگی۔ جو انسان کی فلاح و بہبود کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں۔ حتیٰ کہ سانپ جیسے موذی دشمن کو بھی جاہلوں نے اِلٰہ کا درجہ دے دیا۔ ساتھ ہی ساتھ ایسے انسانوں کی بھی کوئی کمی نہ رہی جو اپنے جیسے انسانوں کو ہی اِلٰہ کا درجہ دیتے رہے۔ قبل مسیح بھی ایسی بہت سی مثالیں نظر آتی ہیں حتیٰ کہ ہندوستانی معاشرہ کی تہذیب میں بھی انسان پرستی کو خاصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ نمرود اور فرعون نے الٰہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے ان عقائد کی پوری شدت سے مخالفت کی اور اس عظیم مقصد کے لئے کسی بھی بڑی سے بڑی قربانی دینے سے مطلقاً دریغ نہیں فرمایا۔ حتیٰ کہ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تصورات کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔ اور صدیوں سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو اللہ وحدہ لاشریک کا دروازہ دکھایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کو صرف اور صرف ایک الٰہ اللہ جل جلالہ کے سامنے سربسجود ہونے کا سبق دیا۔ اور اپنی حیات طیبہ کے ایک ایک لمحے سے یہ ثابت فرما دیا کہ اللہ جل جلالہ ہی صرف الٰہ ہے۔ اس کے سوا کوئی انسان' جن یا کوئی اور کسی قسم کی مخلوق الٰہ کے مقام پر فائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی الٰہ اور خالق ہے اور باقی تمام مخلوق میں سے کوئی الٰہ نہیں ہوسکتا۔

انسان وحدانیت کے راستوں کو چھوڑ کر بھٹک گیا اور اس نے عجیب وغریب تصورات قائم کر لئے۔ وہ دیوی دیوتاؤں کے چکر میں پڑ گیا اس نے سورج اور چاند کو سجدہ کرنا شروع کر دیا آگ کے سامنے جھک گیا گویا انسانی تذلیل کی حد ہوگئی اور انسان جانوروں سے بھی کم عقلی میں بڑھ گیا۔

اب اس قسم کے ایک اور "پڑھے لکھے جاہل طبقے!" کے بارے میں ہم بات کرتے ہیں کہ یہ "پڑھے لکھے" بے شعور ہیں ان کو اپنے خودساختہ تصورات کے بل پر احساس برتری اور بھرپور تکبر ہے۔

Marfat.com

اس طبقہ میں فلسفی آتے ہیں جو بہت دور کی کوڑی لاتے ہیں۔ بڑے بڑے بھاری بھرکم الفاظ لڑھکا کر نسلِ انسانی کو عجیب وغریب انداز سے گمراہ کرنے کے چکر میں ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ جو ایسوں کے افکار میں پھنس جاتا ہے اس کا ذہن شیطانی وسوسوں کا گھر بن جاتا ہے۔ جہاں تک انسانی عقل اور آنکھ کا تعلق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ انسانی عقل وشعور میں نہیں سما سکتا۔ اور نہ ہی کوئی آنکھ اس کا ادراک کر سکتی ہے۔ یہاں تو معاملہ صرف تسلیم کرنے اور اطاعت کا ہے عقل کا مقام اپنی جگہ۔ مگر ہر جگہ عقل کی بھی نہیں چلتی۔ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ

تازہ مرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا
عشق تمام مصطفےٰ عقل تمام بو لہب

جب ہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں اپنی عقل کے مطابق غور کرنے لگیں گے تو یقیناً کھلی گمراہی کا شکار ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن تمام تصورات وافکار سے پاک اور بلند ہے۔ جو فلسفیوں نے خود ساختہ اصطلاحات کے تحت گھڑ رکھے ہیں۔ اُس کی حکومت اُس کا غلبہ اُس کی طاقت انسانی عقل وشعور کے ادراک سے بہت بلند ہے۔ کوئی دلیل، کوئی فکر اُس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس کتاب میں ہم "فلاسفہ" کے ان افکار کا بھی جائزہ لیں گے۔ جن کا سہارا لے کر انھوں نے ذہنوں میں شکوک پیدا کیے ہیں۔ اور اپنی عقلیت کے کھوکھلے مظاہرے سے یقین وایمان کو کچلنے کی کوشش کی ہے۔

فلسفہ کی زمین اصل میں یونان ہے اور یونانیوں نے اپنے فلاسفہ کو جس انداز سے متعارف کرایا ہے۔ اس کے مطابق وہ اپنے فلاسفہ کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا ایک فلسفہ "قدم عالم" ____ کے بارے میں ہے۔ لیکن حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور میں گمراہ کن فلسفہ کے منہ توڑ جواب دیئے ہیں۔

قدم عالم پر فلاسفہ کا نظریہ اور ان کو جواب

اللہ تعالیٰ خود مختار اور اپنے ارادوں کا خود مالک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ فلسفیوں کا یہ اعتراض کہ تخلیق وپیدائش عالم سے پہلے یہ عالم ممکن الوجود تھا اور ممکن الوجود ہونے کے معنی ہیں کہ یہ امکان ازل سے پایا جاتا تھا اور جب اس امکان نے فعل کی صورت اختیار کی تو اس کا ایک نقطہ آغاز یا اول ماننا پڑا۔ لیکن اس کو مان لینے سے یہ لازم آتا ہے۔ کہ کائنات کے نقطہ آغاز سے پہلے اس کا آغاز ممکن نہ تھا۔

یوں تو اس کا تفصیلی جواب ہم اس باب میں دیں گے جو گمراہ فلسفیوں کے سلسلے میں تحریر کیا گیا ہے پھر بھی اس کا جواب بہت سیدھا اور صاف ہے۔ فلاسفہ نے اس سلسلے میں ذہنوں کو الجھانے کی

کوشش کی ہے۔ اور ایک شیطانی شوشہ چھوڑا ہے۔ اس سلسلے میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

(ا) زید ایک مصور ہے۔ وہ فن پر عبور رکھتا ہے۔ یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ اتوار کو تصویر بنائے یا پیر کو بنائے منگل کو بنائے یا جمعرات کو۔ ہم یہ نہیں کہ سکتے کہ وہ اتوار کو مصور نہیں تھا اس لیے پیر کو اس نے تصویر بنائی۔ اگر ہم کہیں کہ زید اتوار کو تصوری نہیں بنا سکتا تھا اس لئے اس نے جمعرات کو تصویر بنائی۔ تو یہ سن کر زید کے جاننے والے اس اعتراض کرنے والے پر ہنسیں گے کہ وہ اتوار کو تصویر بنا سکتا تھا۔ مگر اس کا یہ ارادہ ہی جمعرات کے روز تصویر بنانے کا تھا تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ اتوار کے روز اسے تصویر بنانا نہیں آتی تھی۔

یہ ایک دنیاوی اور عارضی زندگی اور محدود ترین اختیار رکھنے والے مصور کی صورت حال ہے تو بے حد وحساب اختیارات اور لامتناہی ولا محدود طاقتوں کے مالک اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس سے پہلے (معاذ اللہ) کائنات بنانے پر قادر نہ تھا اس خیال کو شیطانی نہ کہا جائے تو کیا کہا جا سکتا ہے۔

(ب) میں ایک فلسفی کے ہاں گیا وہ مجھ سے اسی مسئلے پر بات کرنے لگا اس کے ساتھ ہی اس نے کہا کہ میں صبح سے تیار ہو رہا تھا کہ ایک دوست کو خط لکھوں مگر ابھی لکھنا چاہوں گا۔ یہ سن کر میں نے اس سے کہا صاحب لمبی دلیلوں کو چھوڑیئے صرف اتنا بتایئے کہ کیا صبح آپ کو خط لکھنا نہیں آتا تھا جواب لکھ رہے ہو تو اس نے جواب دیا۔ آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ کیا صبح میں جاہل تھا۔ جواب میں لمحوں میں تعلیم یافتہ بن گیا ہوں۔ تو میں نے ان سے عرض کی کہ آپ نے خود ہی میری بات کا جواب دے دیا ہے۔ وہ چونک کر بولے کیسے۔ میں نے عرض کی کہ آپ صبح خط لکھ سکتے تھے۔ مگر آپ نے نہیں لکھا۔ کیونکہ آپ کا ارادہ اس وقت تھا۔ تو مجھے یہ بتایئے کہ آپ کس بات کو دلیل بنا کر کہتے ہیں کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کائنات کو پیدا نہیں فرما سکتا تھا۔ فلسفی صاحب بغلیں جھانکنے لگے اور انہیں اپنی بھاری بھرکم فلسفہ محض حقیر تصورات کا عکس اور جہالت محسوس ہونے لگی۔

ہماری عارضی زندگی کی چند مثالیں

- (الف) مچھلیاں پکڑتا ہے وہ صبح مچھلیاں پکڑ سکتا تھا مگر اس نے شام کو پکڑنے کا ارادہ کیا۔
- (ب) رات کو گوشت بھون سکتا تھا مگر اس نے اگلے دن صبح تک کے لئے یہ پروگرام ملتوی کر دیا۔

- (ج) دوپہر کو مرغی ذبح کرسکتا تھا مگر اس نے عصر کے وقت ذبح کرنے کا پروگرام بنایا۔
- (د) کتاب پڑھ سکتا تھا مگر اس نے رات سوتے وقت پڑھنے کا ارادہ باندھا۔
- خطاط ظہر کے بعد بھی لکھ سکتا تھا مگر اس نے مغرب کے بعد لکھنے کا ارادہ کرلیا۔
- زید تصویر بنا سکتا تھا مگر اس نے اگلے روز بنانے کا ارادہ کرلیا۔

اگر ہم عارضی زندگی اور عارضی اختیارات کے تحت اپنے ارادے کے مطابق کام کرتے ہیں تو مجھے یہ بتایئے کہ اللہ وحدہ لاشریک کے ارادوں اور اس کے تخلیق کے بارے میں ایسے انداز سے سوچنا کس قدر حماقت اور تنگ نظری ہے۔ اور اس کے پس پردہ انکار کے سوا اور کیا نقطہ ہوسکتا ہے انسان اپنے تمام قائم کردہ مفروضات میں ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ اور قطعی طور پر بے بس نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی صحیح علم رکھتا ہے۔ اپنے اختیارات کے بارے میں صرف وہ خود ہی آگاہ ہے چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ بقرہ)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ تم نہیں جانتے۔ (پارہ نمبر 2' سورہ بقرا آیت 216)

ایسے معاملات کو تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ محض محدود عقلی تصورات کب انسان کو منزل پر پہنچا سکتے ہیں چنانچہ اس بارے میں ارشاد گرامی ہے۔

لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (سورۃ نمل)

(ترجمہ) اللہ کے سوا غیب کو کوئی نہیں جانتا۔ جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے۔
(پارہ نمبر 20 سورہ النحل آیت 65)

غزالی کا حکیمانہ نقطہ

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فلسفیوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ کائنات کے وجود میں آنے کے مسئلے کو فلسفیانہ نگاہ سے دیکھنا قطعاً مناسب نہیں۔ کیونکہ جالینوس نے بھی عمر کے آخری حصے میں اپنی کتاب مایعتقدہ جالینوس کو جھوٹ کا پلندہ کہہ دیا تھا۔ امام غزالیؒ اپنے نکتہ نظر میں فرماتے ہیں۔

''سوال یہ ہے کہ اس سے پہلے یہ دنیا کیوں وجود میں نہیں آئی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کائنات کو پیدا نہیں فرما سکتا تھا اور کسی خاص وقت اسے طاقت حاصل ہوئی۔ اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے غلبہ وقدرت کا انکار کریں گے۔

ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس سے پہلے یہ جہان پیدا نہیں ہوسکتا تھا اور اب ایسا ممکن ہوا اور نہ ہم یہ مانتے ہیں کہ وہ شرائط و آلات پہلے موجود نہ تھے جن کی وجہ سے کوئی حقیقت وجود میں آتی ہے اور پھر ایک خاص مرحلہ میں اس کا انتظام ہوگیا۔ اور پھر یہ کائنات معرض وجود میں آ گئی۔ ہمارا تو پختہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس وہ تمام قدرت و طاقت اور تمام شرائط ہمیشہ سے ہی ہیں جو تخلیق کے لئے ضروری ہیں۔ اور جہاں تک آلات کا تعلق ہے۔ تو پروردگار کبھی بھی ان کا محتاج نہیں رہا اس نے جب چاہا ارادہ فرمایا اور کائنات کو پیدا کر دیا۔

غزالیؒ کے اس نکتہ سے بھی یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ سے ہی تمام اختیارات کا مالک ہے وہ جو ارادہ فرمالیتا ہے وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔

وَاللّٰہُ غَالِبُ عَلٰی اَمْرِہٖ

''بیشک اللہ اپنے ہر حکم پر غالب ہے''

عقلی تصورات کی ٹھوکریں

چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ہم انسانوں جیسا محدود علم نہیں۔ اور نہ ہی اس کے اختیارات کی کوئی حد ہے اور نہ ہی وہ تصور میں آسکتا ہے۔ اور نہ ہی آنکھیں اس کا احاطہ کرسکتی ہیں۔ اس لئے عقلی بنیادوں پر اس بحث کو قرآن وحدیث کے تناظر میں دیکھنا چاہئے۔ اور باری تعالیٰ کی وہ اعلیٰ صفات جن کی وجہ سے اس کا صاحبِ قدرت وحدہٗ لاشریک ہونا ثابت ہے ان پر غور وفکر کرنا چاہئے۔ تاکہ ایمان اور یقین کو تقویت حاصل ہو۔

ہمیں ان خود ساختہ مفروضوں اور ان پر طویل و بے مقصد بحثوں میں الجھنے کی بجائے اپنے اصل خالق و مالک کی حمد وثنا میں مصروف ہو جانا چاہئے۔ جن اُمور میں ہمیں تدبر کا حکم دیا گیا ہے۔ وہاں عقل وفراست کو پوری دیانتداری سے کام میں لانا چاہیے۔ اور جن امور کو غیب میں رکھ دیا گیا ہے۔ ان میں الجھنے سے ذہنی انتشار کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ عشق اور یقین کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں فلاسفہ کی بے مقصد بحث کو نظر انداز کر کے عین الیقین کی دولت حاصل کی جائے۔ کیونکہ ان مقامات میں قدم قدم پر خیالات بھٹک جاتے ہیں اور ایمان و آگہی سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ رب العالمین کی عظمتوں کے بیان سے دل چمک اٹھتے ہیں۔

عظمت باری تعالیٰ سورہ فاتحہ میں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَۙ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِۙ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِؕ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُؕ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَۙ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ

سب تعریفیں اس مالک اللہ کے لئے ہیں۔ جو جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بہت مہربان اور رحم والا ہے۔ مالک سے بدلے کے دن کا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ دکھا ہم کو سیدھا راستہ، راستہ اپنے انعام یافتہ لوگوں کا۔ اور ایسے لوگوں کے راستے سے بچا جن پر تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔

رحمٰن اور رحیم کا مفہوم

اللہ تعالیٰ کے یہ دونوں نام رحمت سے مشتق ہیں۔ ان دونوں میں صفت رحیمی کو نہایت وسیع معانی میں پیش کیا گیا ہے۔ اور رحمٰن میں رحیم کی نسبت صفت رحمت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اس بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قول بھی موجود ہے۔ کہ رحمٰن سے مراد دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والا اور رحیم سے مراد آخرت میں رحم فرمانے والا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رحمٰن مشتق نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں بالمومنین رحیما آیا ہے۔ مبرد کا کہنا ہے کہ رحمٰن عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ عربی نہیں ہے۔ جبکہ ابواسحاق زجاج معانی القرآن میں تحریر کرتے ہیں کہ احمد بن یحییٰ کا کہنا ہے۔ رحیم عربی لفظ ہے۔ اور رحمٰن عبرانی ہے۔ قرطبیؒ کہتے ہیں اس لفظ کے مشتق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ۔ ترمذی میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "میں رحمٰن ہوں۔ میں نے رحم کو پیدا کیا۔ اور اپنے ناموں میں سے اس کا نام مشتق کیا۔ اس کے ملانے والے کو میں ملاؤں گا۔ اور اس کے توڑنے والے کو کاٹ دوں گا۔

ابوعلی فارسیؒ کہتے ہیں۔ رحمٰن عام اسم ہے۔ جو ہر قسم کی رحمتوں کو شامل اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور صفت رحیم مومنوں کے لئے ہے۔ جیسے ارشاد ہے کہ بالمومنین رحیماً کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ رحیم ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ یہ دونوں نام رحمت اور رحم والے ہیں۔ ایک میں دوسرے سے زیادہ رحمت ورحم ہے۔ ابن مبارکؒ کہتے ہیں رحمٰن اسے کہتے ہیں۔ کہ جب اس سے کچھ

Marfat.com

مانگا جائے تو وہ عطا فرما دیتا ہے۔ اور رحیم اسے کہتے ہیں۔ کہ جب اس سے کچھ نہ مانگا جائے تو وہ غضب ناک ہوتا ہے۔ ترمذی میں حدیث ہے۔ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔ عزرمیؒ فرماتے ہیں کہ رحمٰن کے معنی ہیں تمام مخلوق پر رحم فرمانے والا۔ اور رحیم کے معنی ہیں مومنوں پر رحم کرنے والا۔ جیسے کہ ارشاد فرمایا الرحمٰن علی العرش استوی میں استوی کے ساتھ رحمٰن کا لفظ ذکر فرمایا۔ تا کہ تمام مخلوق کو یہ لفظ اپنے عام رحم و کرم کے معنی سے شامل ہو سکے۔ اور مومنوں کے ساتھ لفظ رحیم فرمایا۔ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا اسم رحمٰن اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ کسی دوسرے کے لئے نہیں ہوسکتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی بھی ہے۔ کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس نام سے چاہو اسے پکارو۔ اس کے بہت اچھے اچھے نام ہیں (القرآن)۔ ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا۔ "یعنی اپنے سے پہلے رسولوں کو پوچھ لو کیا ان کے لئے رحمٰن کے سوا کوئی اور معبود بھی تھا (القرآن)" اور رحمٰن بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور اس کی صفت سب سے پہلے رحمٰن بیان کی گئی ہے۔ جیسے ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کہہ کر یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔ جس نام سے چاہو پکار لو اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں۔ رحمٰن ورحیم صرف اللہ تعالیٰ کے ہی نام ہیں۔ ابن جریرؒ نے اس قول کو نقل کیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے کے عرب اس نام سے واقف ہی نہ تھے۔ جیسے ہم معاہدہ حدیبیہ کی تحریر کے وقت دیکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھو۔ تو کفار نے جواب دیا کہ ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے۔ اسی طرح قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمٰنِ یعنی جب ان (کافروں) کو کہا جاتا ہے۔ کہ رحمٰن کے سامنے سجدہ کرو۔ تو انکار کرتے ہیں۔ اور جواب دیتے ہیں۔ کہ رحمٰن کون ہے۔ جسے ہم تیرے کہنے پر سجدہ کریں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تفسیر ابن جریرؒ میں ہے۔ کہ رحمٰن فعلان کے وزن پر رحمت سے ماخوذ ہے۔ اور کلام عرب میں سے ہے۔ حسنؒ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا نام ہے اور دوسروں کے لئے منع ہے۔ (ابن کثیر)

الحمد للہ رب العالمین

الحمد للہ کے معنی ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کوئی دوسرا اس قابل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تمام نعمتیں جنہیں ہم گن نہیں سکتے اور جن سے ہم میں سے کوئی کماحقہ آگاہ نہیں ہے۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ان سے باخبر ہے کیونکہ اسی نے انہیں پیدا فرمایا ہے۔ یہ تمام اسباب اس نے ہمیں اس لئے عطا فرمائے ہیں کہ ہم اس کی اطاعت کریں۔ اس نے تمام جسمانی قوتیں ہمیں انعام میں دیں اور

زندگی کی تمام ضروریات ہمیں کسی مطالبہ و معاوضہ کے بغیر عطا فرمائیں۔اس لئے اس کی ذات گرامی ہی ہر طرح کی تعریف اور حمد و شکر کے لائق ہے۔ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ یہ ثنا کا جملہ ہے۔اور اَلشُّکْرُلِلّٰهِ کہنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے احسان کا شکریہ ادا کرنا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ہر شکر کرنے والے کا کلمہ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ ہے اور بعض روایات میں ہے۔کہ اللہ تعالیٰ اس کلمہ کو پسند فرماتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پسند فرمالیا ہے۔

کعب احبارؒ فرماتے ہیں۔کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی ثنا (تعریف) ہے۔ایک حدیث پاک میں ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔کہ جب تم نے اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کہہ لیا تو تم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اب اللہ تعالیٰ تمھیں برکت دے گا۔اسود بن مریم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد میں چند اشعار کہے ہیں۔اگر اجازت ہو تو سناؤں۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی تعریف بہت پسند ہے۔(مسند احمد و نسائی) حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ افضل الذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور افضل دعا الحمد للہ ہے۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ہے۔کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے اور وہ اس پر الحمد للہ کہے تو دی ہوئی نعمت لی ہوئی نعمت سے افضل ہے۔حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔کہ اگر میری امت میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ دنیا دے دے اور وہ شکر کے اظہار کے طور پر الحمد للہ کہے تو یہ کلمہ تمام دنیا سے زیادہ افضل ہے۔قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ تمام دنیا کا عطا کر دینا اتنی بڑی نعمت نہیں جتنی الحمد للہ کہنے کی توفیق عطا کرنا ہے۔اس لئے کہ دنیا تو فنا کا مقام ہے۔اور اس کلمہ کا اجر باقی رہنے والا ہے۔ابن ماجہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔کہ ایک شخص نے ایک مرتبہ کہا یَا رَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْهِکَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ تو فرشتے گھبرا گئے کہ ہم اس کا کتنا اجر لکھیں۔آخر اللہ تعالیٰ سے انہوں نے عرض کی کہ اس کا کتنا اجر لکھا جائے۔تو باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم اسے یونہی لکھ لو۔میں اپنی ملاقات کے وقت خود اس کا اجر دوں گا۔قرطبیؒ علماء کی ایک جماعت سے نقل کرتے ہیں۔ کہ یہ بہت افضل کلمہ ہے۔کیونکہ اس میں توحید اور حمد دونوں موجود ہیں۔اور رب کا لفظ اللہ تعالیٰ کو زیب دیتا ہے۔اور جہاں تک "عالم" کا تعلق ہے۔اللہ تعالیٰ نے سارا عالم پیدا کیا ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔کہ عالم سے مراد تمام مخلوقات ہیں۔مروان ابن حکم بنو امیہ کے بادشاہوں میں سے تھے۔ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سترہ ہزار عالم پیدا کیے۔ان میں آسمانوں کی تمام مخلوقات ایک عالم تمام انسان ایک عالم اور تمام جنات ایک عالم ہیں۔اور باقی تمام عالم دوسرے ہیں۔حمیریؒ کہتے

Marfat.com

ہیں ایک ہزار امتیں ہیں چھ سو پانی میں اور چار سو خشکی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چالیس ہزار عالم ہیں۔ اور تمام دنیا صرف ایک عالم ہے۔ زجاجؒ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ تمام ایک عالم ہے۔ قرطبیؒ نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے اس لئے کہ یہ لفظ تمام عالمین کو شامل ہے۔

مالک ہے بدلے کے دن کا: مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

یہ وہ دن ہے کہ کس دن تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگی۔ اسے ہم قیامت کے دن کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ قیامت کے دن تمام مخلوقات تمام فرشتے ہاتھ باندھے کھڑے ہوں گے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو بات کرنے کی اجازت نہیں دے گا کوئی بات نہیں کر سکے گا۔ اور اس روز اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر آواز کپکپا رہی ہوگی۔ اور اس روز اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ہوگی۔ قیامت کے دن اس کے سامنے پیش ہونے والے کچھ تو سعادت مند ہوں گے اور کچھ بد بخت۔ اور اس دن ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور قیامت کے دن بھی وہ جو کچھ فرمائے گا اسی وقت ہو جائے گا۔ ارشاد ہے کہ زمین و آسمان اس کے ہاتھوں میں لپٹے ہوں گے۔ پھر ارشاد فرمائے گا کہ آج حقیقی میں بادشاہ ہوں کہاں گئے زمین کے وہ بادشاہ کہاں ہیں تکبر اور غرور والے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ آج کے دن بادشاہت کس کی ہے فقط اللہ وحدہٗ لاشریک اور غلبہ والے کی۔ دانا مسلمان وہ ہے جو اپنے نفس سے خود بدلہ لے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے کہ تم اپنی جانوں سے حساب لو۔ اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے۔ اور اپنے اعمال کا خود وزن کر لو۔ اس سے پہلے کہ وہ ترازو میں رکھے جائیں۔ اور اس کے حضور حاضری کے لئے ہر وقت تیار رہو۔ اور قیامت کے دن جب تم اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیے جاؤ گے۔ تو تمہارا کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہوگا۔

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں

اس آیت (اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ) میں آیت کے پہلے حصہ میں شرک سے بیزاری کا اعلان ہے۔ اور دوسرے جملے میں اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کو براہ راست مخاطب کیا گیا ہے جو اقتدارِ اعلیٰ ہے۔ کیونکہ جب کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا

Marfat.com

ہے تو وہ خود قرب خداوندی میں حاضر ہوتا ہے۔ جب بندہ بارگاہ رب العزت میں کھڑا ہو کر نہایت عجز سے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن کہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو مانگے (مسلم شریف) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہمارے رب ہم خاص تیری یکتائی کو ہی مانتے ہیں۔ اور تجھی سے ڈرتے ہیں اور تیری ہی ذات سے امید رکھتے ہیں۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے مراد یہ ہے کہ ہم اپنے تمام کاموں میں تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے۔ کہ تم سب اسی کی خالص عبادت کرو اور اپنے تمام کاموں میں اس سے مدد طلب کرو عبادت کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ انسان محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عبادت کرے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا اس کی کوئی اور طلب نہ ہو۔

ہم کو سیدھی راہ دکھا

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنا ہے کہ ہمیں وہ راستہ دکھا جس کی تعلیم تو نے اپنے پیارے رسول ﷺ کے ذریعے دی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے جو زمین و آسمان کے درمیان موجود ہر چیز سے بڑا ہے۔ ابن حنفیہؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس سے مراد دین اسلام ہے جس کے سوا کوئی اور دوسرا نظام اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ کہتے ہیں کہ صراط مستقیم اسلام ہے مسند احمد میں ایک حدیث پاک میں آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی۔ کہ صراط مستقیم کے دونوں طرف دیواریں ہیں اور کھلے ہوئے دروازے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ اور دروازے پر پکارنے والا قرآن ہے اور راستے کے اوپر سے پکارنے والا ایک کھٹکا ہے۔ جو ہر ایماندار کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈر پیدا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ (ابن ابی حاتمؒ' ابن جریرؒ' ترمذی' نسائی) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ صراط مستقیم وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دکھایا یعنی قرآن اور سنت محمدیہ ﷺ ہیں۔ یہی وہ راستہ ہے جو اصل اور سیدھا راستہ ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو سکتی ہے۔ (ابن کثیر)

Marfat.com

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔ اس سلسلے میں سورہ نساء میں بھی ارشاد ہے۔ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ۔ یعنی جو اطاعت کریں گے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام فرمایا ہے۔ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ اس سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تمام مومن ہیں۔ وکیع کہتے ہیں مسلمان ہیں۔ عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم مراد ہیں۔ یہی وہ طریق زندگی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس پر مہربان ہوتا ہے اسے ہدایت فرماتا ہے اور ہدایت تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔ (ابن کثیر و جملہ کتب احادیث) المختصر انبیاء کرام، صحابہ اور اولیاء کرام انعام یافتہ ہیں۔

ان کا راستہ نہ دکھا جن پر تیرا غضب ہوا

(غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ) یہاں ایسے لوگوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جنہوں نے تمام زندگی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو عادت بنائے رکھا۔ جو بات بات پر دنیا کی زندگی کو زیادہ اہمیت دیتے رہے۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا انہیں یاد ہی نہ آیا۔ نیک اعمال کرنا تو الگ رہا ان لوگوں نے ہمیشہ برائی اور بے حیائی کا ساتھ دیا۔ پوری زندگی ناچ گانا سنتے رہے دوسروں کے حق مارتے رہے سود کا لین دین جاری رکھا ناحق قتل ڈاکے چوریاں کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدوں کو پامال کرتے رہے۔ ان میں عذاب شدہ سابقہ قومیں بھی آتی ہیں۔ مثلاً لوط علیہ السلام کی قوم گناہ کبیرہ کے سبب تباہ ہوئی۔ نوح علیہ اسلام کی قوم طوفان سے ہلاک ہوئی اور عاد و ثمود کی قومیں بھی غضب کا نشانہ بنیں۔ اس لئے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنا چاہئے۔ کہ وہ ایسے لوگوں کا راستہ نہ دکھائے جو ذاتی مفادات کے لئے بے گناہ لوگوں کو قتل کرتے رہیں، رشوت لیتے رہیں، کم تولتے رہیں، ملاوٹ کرتے رہے اور جنہوں نے کبھی بھی غریب اور مظلوم کو انصاف مہیا نہیں کیا۔ جو جھوٹ بولنے والے ہیں۔ وعدہ خلافی کرنے والے ہیں۔ نیک سیرت اور پارسا لوگوں پر تہمت لگانے والے ہیں۔ ہر وقت دعا کرنی چاہئے۔ کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی طرح ہمیں نہ کر دے اور نہ ہی ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے۔ ایسے لوگوں سے تمام اہل ایمان اور نیک دل مسلمان کو محفوظ و مامون رکھے۔ (آمین)

Marfat.com

"تخلیق کائنات"

شروع سے یہ موضوع ہمیشہ زیر بحث رہا ہے اور اس بارے میں ٹھوس حقائق ہمیں صرف اور صرف قرآن حکیم میں نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق مختلف مراحل سے بنی نوع انسان کو آگاہ فرمایا ہے۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ان حقائق پر بھی ہم اپنے ذاتی افکار کو ہمیشہ ترجیح دیتے رہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کائنات کے جن پوشیدہ گوشوں سے قرآن مجید نے پردہ اٹھایا ہے انہیں ہم شایان شان طور پر دنیا میں پیش کرنے سے قاصر رہے۔ جس کے عوامل اپنی جگہ موجود ہیں اور تاریخ کے صفحات ہمیں بہت کچھ بتاتے ہیں۔ انفس آفاق کے ان موضوعات کو نظر انداز کرنے سے ہمیں شدید دھچکا لگا ہے اور وہ تمام حقائق جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعے چودہ سو سال پہلے بے نقاب کر دیا تھا۔ مختلف سائنسدان آج کل اپنے ناموں سے پیش کر رہے ہیں۔ اور اس طرح قرآن حکیم کی وہ صداقتیں جو قرآن ہی کی نسبت سے مشہور ہونا چاہییں تھیں۔ آج بھی ہماری غفلت کے سبب ہیں۔ ہم نے اپنی تمام تر توجہ فروعی اختلاف پر دے رکھی ہے اور وہ کام جس کو اب بام عروج پر ہونا چاہئے تھا بدنصیبی سے اس کا آغاز بھی نہیں ہوسکا۔ اگر تخلیق کائنات کے ان رازوں کے بارے میں قرآنی حکمتوں کو بنی نوع انسان کے سامنے پیش کیا جاتا تو وہ قومیں جو اس وقت ترقی یافتہ ہیں یقیناً حیران رہ جاتیں۔ اس وقت بھی جو سائنسدان اپنی تحقیقات کے بارے میں از خود جب قرآن کریم میں یہ حقائق دیکھتے ہیں تو قرآن کی صداقت کے قائل ہو جاتے ہیں اور اس حقیقت پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واقعی خالق و مالک ہے اس کے سوا کوئی دوسرا اس کائنات کا حکمران نہیں وہی اللہ ہے اور قرآن کریم صرف مسائل کی کتاب نہیں بلکہ علوم کا خزانہ ہے۔

پیدائش عالم

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا کَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰہُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ " قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰہُ یُنْشِیُٔ النَّشْاَۃَ الْاٰخِرَۃَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ "

کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ پیدائش عالم کو کس طرح شروع کرتا ہے۔ پھر اس کو بار بار لوٹا

تا چلا جاتا ہے یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے۔ (اے نبی) کہہ دیجئے کہ زمین میں سیر کرو اور پس نظر دوڑاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے پیدائش کس طرح شروع کی تھی پھر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتایا ہے کہ فضول بحثوں میں الجھنے کی بجائے اتنا تو غور کرو کہ اس وسیع وعریض کائنات کی پیدائش کتنا بڑا مرحلہ تھا۔ جب ہم کائنات کو دیکھتے ہیں تو حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔ اس کی وسعت وعرض کے بارے میں انسانی ذہن کچھ بھی سمجھنے سے قاصر ہے۔ اور ابھی تک مفروضے قائم کیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کائنات کی پیدائش کسی طرح مشکل نہیں تھی۔ اور دوبارہ پھر ایسی کائنات کو لاکھوں بلکہ کروڑوں بار بھی اللہ تعالیٰ پیدا فرما سکتا ہے اور یہ اس کے لئے ذرہ برابر مشکل نہیں اور قیامت کے دن ہر ایک چیز فنا ہو جائے گی تو اسے اپنے ایک حکم ذریعے پیدا کردے گا اور ایک نئی کائنات اس کے حکم سے اس طرح تیزی سے معرض وجود میں آجائے گی کہ کوئی انسان اس تیزی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

پیدائش کائنات کے کچھ مرحل

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی پیدائش کے بارے میں بھی اشارات دیئے ہیں۔ تاکہ انسان اپنی عقل سے یہ سمجھ سکے کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات اور حیات کا خالق و مالک ہے اور جب وہ اس کارخانہ زندگی میں غور وفکر کرے تو اسے یہ حقائق خالق کون ومکاں اللہ جل جلالہ کے سامنے سجدہ ریز ہونے پر آمادہ کردیں۔ اور انسان دل کی گہرائیوں سے سمجھ جائے کہ ان رازوں کا ظاہر کرنا سوائے اس جہان کے خالق کے کوئی اور نہیں کرسکتا۔

تخلیق کے جدید نظریات اور قرآن مجید کا چودہ سو برس پہلے انکشاف

موجودہ دور میں سائنسدان اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ کائنات ابتدا میں گیسوں کے گھنے بادل کی صورت میں تھی اور خلا میں گھوم رہی تھی اور کمیت میں تمام سماوی اجرام کی مجموعی کمیت کے برابر تھی۔ ان کے بقول یہ بادل تقریباً دس لاکھ سال تک سکڑتا رہا لیکن جوں ہی ذرات ایک دوسرے کے قریب آئے ان میں ٹکراؤ ہونے لگا۔ اس کے نتیجے میں آہستہ آہستہ چکر لگانے والا ایک قرص نمودار ہوا۔ ذروں کے تصادم سے سیاروں کے اجسام پیدا ہوئے اور جو اجسام چھوٹے تھے وہ بڑے سیاروں کے گرد

گھومنے لگے۔ قرآن مجید میں اس کے قریب قریب حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بے نقاب فرمایا۔

ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا قَالَتَا اَتَیْنَا طَائِعِیْنَ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَزَیَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ

(ترجمہ) پھر وہ (اللہ تعالیٰ) آسمان کی طرف متوجہ ہوا وہ دھوں سا تھا۔ پس اسے اور زمین سے ارشاد فرمایا تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی دونوں نے عرض کی کہ ہم بخوشی حاضر ہیں۔ پس دو دن میں سات آسمان بنادئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب وحی بھیج دی۔ اور ہم نے آسمان کو ستاروں کے ساتھ زینت دی اور نگہبانی کی۔ یہ تدبیر خدائے غالب و دانا کی ہے۔

اس آیت کریمہ میں صاف بتایا جارہا ہے کہ آسمان دھوں سا تھا۔ یقیناً جن اجزاء سے اللہ تعالیٰ نے اسے تخلیق فرمایا ہے اس کے ذرات ہی کا مجموعہ تھا۔ جو دھوئیں کی صورت میں تھا۔ اگر وہ اب اس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں تو میرے خیال میں انہوں نے اس نظریے میں قرآنی علوم سے ضرور مدد حاصل کی ہوگی۔ اور جیسا کہ ہمارے خیال میں ہے۔ کہ جن مفکرین کے نظریات سے وہ سیکھتے ہیں۔ انہوں نے بھی الہامی کتب سے بہت کچھ حاصل کیا ہوگا۔ ورنہ عملی طور پر زمین سے کچھ دور سے زیادہ ابھی تک انسان سفر نہیں کرسکا۔ اور جہاں انسان کی رسائی ہی نہ ہو۔ اس کے بارنے میں وہ نظریات کس طرح قائم کرسکتا ہے۔ جیسے کہ زمین کا وجود بھی ابھی تک انسان کے لئے ایک راز ہے۔ انسان ابھی تک زمین کی قوتوں اس کے بنیادی ایٹم اور اس کے میٹریل سے کافی حد تک لاعلم ہے۔ آسمانوں کی خبر معلوم کرنا تو ابھی بڑی مشکل ہے۔ لیکن تحقیق و جستجو جاری رہنی چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو وہی لوگ پسند ہیں۔ جو زمین و آسمان کی ان وسعتوں میں غور و فکر کرتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہا ہے کہ اس نے اتنے وسیع و عریض آسمان جس میں بے شمار کہکشائیں ہیں۔ ان کو صرف دو دنوں میں پیدا کیا اور پھر ان آسمانوں کو ستاروں سے آراستہ فرمایا۔ پہلے زمین پیدا کی گئی اور اس کے بعد آسمانوں کو پیدا فرمایا گیا ابن عباس رضی اللہ عنہ کائنات کی تخلیق کے مراحل کو یوں سمجھاتے ہیں کہ زمین کو اللہ تعالیٰ نے دو دنوں یعنی اتوار اور پیر کے دن پیدا کیا ہے اور زمین میں اس نے اپنی قدرت سے پہاڑوں کو تخلیق فرمایا۔ زمین کے ہر حصے میں اس نے چیزیں مہیا فرمادیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ دھوئیں کی شکل میں تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے دونوں سے فرمایا کہ میرا حکم مانو خوشی سے یا نہ چاہتے ہوئے بھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مثلاً آسمانوں کو حکم دیا کہ سورج، چاند اور ستارے طلوع

Marfat.com

کریں۔ اور ان کا نظام اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا۔ اور زمین سے فرمایا اپنی نہریں جاری کر۔ اپنے پھل اگا تو دونوں تابعداری کرنے کے لئے خوشی سے تیار ہو گئے۔ اور عرض کرنے لگے کہ ہم تیرے حکم سے اس مخلوق کے بھی تابع ہیں جسے تو پیدا فرمانے والا ہے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ زمین کے اس حصے نے کلام کیا جہاں کعبۃ اللہ ہے۔ اور آسمان کے اسے حصے نے اقرار کیا جو عین کعبۃ اللہ کے اوپر ہے۔ امام حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ اگر آسمان اور زمین اطاعت گزاری کا اقرار نہ کرتے تو انہیں سزا دی جاتی۔ دو دنوں میں سات آسمان بنائے گئے اور ہر آسمان میں اس نے جو فرشتے اور مقامات قائم فرمانا تھے مقرر کر دیئے۔ اور آسمان دنیا کو اس نے ستاروں سے سجا دیا اس لئے یہ مفروضہ اپنی جگہ عجیب معلوم ہوتا ہے کہ فلاں ستارہ فلاں آسمان پر ہے۔ کیونکہ ابھی تک جہاں انسان نے قدم ہی نہیں رکھا۔ اور نہ ہی وہ آسمان دنیا کے قریب ہی پہنچ سکا ہے۔ تو پھر کیونکر دوسرے آسمان کے بارے میں کوئی نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

چھ دنوں میں کائنات کی پیدائش

سورہ اعراف میں ارشاد ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (الاعراف)

تمہارا رب یقیناً اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔ چھپا دیتا ہے رات سے دن کو اس طرح کہ رات جلدی سے اس کو آ لیتی ہے۔ سورج، چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا اس طور سے کہ سب اس کا حکم مانتے ہیں۔ یاد رکھ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے ہونا اور حاکم ہونا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی برکت والی ہے۔ وہی جہانوں کا پروردگار ہے۔

اب جدید تحقیق میں چھ ایام کو چھ مختلف ادوار سے بھی تعبیر کیا جا رہا ہے ہو سکتا ہے کہ اس آیت مبارکہ سے موجودہ ایام کے اعلان کے ساتھ ان چھ ایام کی تشریح کا مقصد لوگوں کا سمجھانا ہو اور زمین و آسمان کی تخلیق کے اوقات کا تعین ہو کیونکہ جب زمین و آسمان تشکیل پا رہے تھے تو اس وقت ان ایام کا کوئی تصور بظاہر معلوم نہیں ہوتا کیونکہ سورج اور چاند کی گردش بھی نہ تھی وقت کا تعین بھی نہ تھا۔ لہٰذا غالب خیال یہ ہے کہ ان ایام سے مراد کائنات کی تخلیق کے مراحل ہیں۔ سائنس دان اور علماء فطرت ان

Marfat.com

چھ ایام کو چھ مختلف مراحل سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کی تفصیل یہ ہے۔

(1) یکساں ذروں میں کثافت کی کمی بیشی

(2) اس اختلال سے سدیموں کا پیدا ہونا

(3) سدیموں سے ستاروں کی پیدائش

(4) ستاروں سے سیاروں کا وجود میں آنا

(5) زمین کی طبعی طور پر تقسیم

(6) جمادات، حیوانات، نباتات اور انسان کا ظہور۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اب ان چھ ایام کے بارے میں مفسرین کا اختلاف بھی اپنی جگہ پر موجود ہے کیا یہ دن ان دنوں کی طرح تھے؟ یا ہزار سال والا دن تھا؟ یا پھر یہ چھ مختلف اوقات تھے؟ اور ان چھ اوقات میں اللہ تعالیٰ کائنات کو تخلیق فرما کر عرش پر مستوی ہو گیا۔ اس بارے میں ہم امام مالکؒ اوزاعیؒ، ثوریؒ، لیث بن سعدؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کا مسلک اختیار کر لیں تو بہتر ہوگا۔ ہمارے لئے سوائے تسلیم و رضا کے کوئی چارہ نہیں اور جتنا ہم اس بارے میں ذہن دوڑائیں گے۔ اتنا ہی کفر کا بھی احتمال پیدا ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمام عیوب سے پاک ہے۔ اور ابھی تک انسان کی سوچ اس سطح پر نہیں پہنچ سکی کہ وہ تصور قائم کر لے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ کرنا انسان کے بس سے باہر ہے۔ اور ہم قطعاً یہ نہیں سمجھ سکتے کہ کائنات کس طرح پیدا ہوئی ہوگی۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ میں نے اسے چھ مختلف ایام میں یا وقتوں میں یا ادوار میں پیدا کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہم وہی کچھ سمجھ سکتے ہیں جن کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس سے زیادہ اس لئے انسان کی سوچ کام نہیں کر سکتی کیونکہ انسان کے سامنے یہ دنیا معرض وجود میں نہیں آئی اور پھر ابھی تک اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی انسان یہ نہیں سمجھ پایا کہ

(1) ایک مردہ بیج زمین میں زندہ ہو کر کیسے اُگ کر درخت بن جاتا ہے؟

(2) روح کہاں سے آتی ہے اور کہاں چلی جاتی ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

(3) درختوں پر قسم قسم کے پھل مختلف رنگ لے کر کیسے اُگتے ہیں؟

(4) ان پھولوں کی خوشبو مختلف کیوں ہوتی ہے اور کہاں سے آتی ہے؟

(5) پھلوں میں مختلف ذائقے کس طرح پیدا ہوتے ہیں؟

(6) انسان کی مختلف صورتیں کیسے بن جاتی ہیں؟

Marfat.com

(7) بعض جرثومے ایک لمحے میں اربوں انڈے کیسے دیتے ہیں؟

(8) زمین کے ذروں میں زندگی کہاں موجود ہے؟

نعیم بن حماد الخزاعیؒ جو کہ بخاریؒ کے استاد ہیں کہتے ہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے تشبیہ دی وہ کافر ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جن صفات کو اپنے لئے خاص فرمایا ہے اس سے انکار کیا تو بھی کفر کیا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ان اوصاف پر دل و جان سے ایمان لانا چاہئے۔ اور آیات الٰہی اور احادیث صحیحہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف کرنے اور ان پر ایمان لانے سے ہی انسان کا عقیدہ صحیح ہو سکتا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں ارشاد ہے کہ وہ ڈھانپتا ہے رات سے دن کو۔ رات سے تبدیل فرما دیتا ہے۔ اور رات کو دن میں بدل دیتا ہے۔ اور یہ سلسلہ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں یونہی جاری رہے گا۔ سورج' چاند اور ستارے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنا کام کیے جا رہے ہیں۔ اور ان میں قطعاً یہ ہمت نہیں کہ وہ اس عزت والے پروردگار اللہ جل جلالہٗ کے حکم کی ذرہ برابر بھی خلاف ورزی کر سکیں۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند پیدا فرمائے ہیں وہ اپنا کام نہایت فرمانبرداری سے کر رہے ہیں۔ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ یعنی اس کا ہی بنایا ہوا نظام ہے اور وہی اس کا حاکم ہے۔

کیا اور بھی سورج اور چاند ہیں

اب سائنس دان ان امکانات پر غور کر رہے ہیں کہ کیا اور بھی سورج اور چاند ہیں اور اس سلسلے میں مفروضات کے تانے بانے بنے جا رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور بھی سورج اور چاند پیدا کئے ہوں۔ یا سورج اور چاند کی خصوصیات والے ستارے اور سیارے موجود ہوں۔ (واللہ اعلم) لیکن بہر حال یہ حقیقت اپنی جگہ نہایت یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قوتوں اور اس کی قوت تخلیق کا اندازہ لگایا ہی نہیں جا سکتا۔ اس لئے ایسے بے شمار سورج اور چاند پیدا کر لینا اللہ تعالیٰ کے لیے ذرہ برابر مشکل نہیں اور کائنات کی یہ بے کراں وسعتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو عمل صالح کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرے بلکہ اپنی تعریف کرے اس نے کفر کیا اور اس کا عمل سلب کر لیا جائے گا۔ اور جس نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو اپنی حکومت یا قدرت منتقل کر دی ہے تو اس نے کفر کیا۔

Marfat.com

سورج اور چاند کی گردش اور زمین کی پیداوار

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ فٰلِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (۹۷الاعراف)

(ترجمہ) ''بیشک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے۔ دانہ کو اور گٹھلیوں کو۔ وہ جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے۔ اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ ہے سو تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو۔ وہ صبح کا نکالنے والا ہے۔ اور اس نے رات کو راحت کے لئے بنایا ہے۔ اور وہ سورج اور چاند کا حساب رکھتا ہے۔ اور یہ ٹھہرائی ہوئی بات ہے۔ ایسی ذات کی جو کہ قادر ہے۔ اور بڑے علم والا ہے۔ اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا کیا۔ تاکہ تم ان کے ذریعے اندھیروں میں خشکی میں اور دریا میں بھی راستہ معلوم کر سکو۔ بیشک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو خبر رکھتے ہیں۔ (سورہ انعام آیات 95'96'97)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ ظاہر فرما رہا ہے کہ زمین میں جو بیج ڈالا جاتا ہے اسے وہ اپنی قدرت سے چیر دیتا ہے۔ اور اس میں سے وہ متعلقہ درخت اگا دیتا ہے۔ زمین میں جب بھی پھل و سبزی کا بیج بویا جائے اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور اپنی قدرت سے اس کو پھاڑ دیتا ہے اور پھر قسم قسم کے درخت' پودے اور سبزیاں اور ترکاریاں پیدا ہو جاتی ہیں جن کے الگ الگ رنگ ہوتے ہیں اور الگ الگ ذائقے ہوتے ہیں۔ اور وہ بے جان چیزوں سے جاندار چیزیں نباتات وغیرہ پیدا فرما دیتا ہے۔ اور جاندار کے اندر سے بے جان نکالتا ہے جیسے بیج وغیرہ اور زمین کو غور سے دیکھئے بظاہر یہ خشک اور مردہ دکھائی دیتی ہے دور دور تک کسی پودے کا نام و نشان تک نہیں ہوتا پھر ہم دیکھتے ہیں کہ یکا یک بارش ہوتی ہے اور زمین میں جگہ جگہ سبزیاں' پھل اور پھول نکلتے ہیں زمین میں زندگی کے آثار نظر آنے لگتے ہیں۔ یہ کمال صرف اور صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کا ہے اس کے سوا یہ طاقت کسی کو حاصل نہیں۔ بارش کے علاوہ زمین کو جب بھی پانی ملے اور جس طرح بھی ملے نہروں کے ذریعے دیا جائے یا کسی بھی دوسرے ذریعے سے زمین کے اندر زندگی کے آثار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم یہ دعویٰ نہیں کر

Marfat.com

سکتے کہ چونکہ پانی ہم نے دیا تھا۔ اور یہ فصل ہماری مرہون منت ہے۔ اگر دل میں ایسا خیال بھی آئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ دشمن ازلی شیطان دل میں ایسے وسوسے ڈال کر ایمان کو متزلزل کرنے کی کوششیں کر رہا ہے ذریعہ خواہ کوئی سا بھی کیوں نہ ہو پانی تو پھر پانی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو فرما رہا ہے کہ حقیقت کو غور سے دیکھو سمجھو اور پھر دیکھو اور محسوس کرو کہ کہیں تمہارے خیالات غلط تو نہیں اور اگر غلط ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ کی طرف آنے میں تمہارے لئے کونسی رکاوٹ ہے۔ صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ ان کی بیوی نے کثرت شب بیداری کی شکایت کی۔ اور کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کے لئے رات آرام کا ذریعہ بنائی ہے مگر صہیبؓ کے لئے نہیں۔ کیونکہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی جنت میں نعمتوں کے بارے میں غور کرتے ہیں تو پوری پوری رات نہیں سوتے اور جب عذاب دوزخ کی ہولناکیوں کو یاد کرتے ہیں تو ان کی نیند اُڑ جاتی ہے۔

سورج اور چاند اپنے اپنے ضابطے کے مطابق مقررہ راستوں پر رواں دواں رہتے ہیں ہر ایک کی منزلیں مقرر ہیں سردیوں اور گرمیوں میں مقررہ اصول ہیں اور اسی حساب سے دن بھی گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کی روشنی کو حرارت اور تپش عطا فرمائی ہے اور چاند کی روشنی ٹھنڈی ہے۔ سورج، چاند اور سب ستارے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کر رہے ہیں' اور اللہ جل جلالہ علیم وبصیر کے کسی بھی حکم کی کوئی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔

اس کے سوا کوئی مدد گار نہیں

ایک اور جگہ ارشاد گرامی ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ مَالَکُمْ مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ (حم السجدہ)

اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ ان سب کو چھ ایام میں پیدا فرمایا اور پھر مضبوطی سے (یعنی پورے جاہ وجلال کے ساتھ) عرش پر قائم ہو گیا۔ تمہارے لئے اس کے سوا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ (القرآن)

تمام اشیا کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے چھ دن میں زمین وآسمان بنائے اور ہر چیز کی تکمیل اس کے ہاتھ میں ہے ہر ایک چیز پر اس کو قدرت حاصل ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اگر

غور کیا جائے۔ تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی حقیقی مددگار ہے۔ مخلوق میں سے جو بھی کسی کی مدد کرتا ہے دراصل اس ذریعے اور وسیلے کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے اس لئے باقی معاون مجازی ہیں۔ حقیقی مدد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی کی مدد نہ کرنا چاہے تو کوئی بھی مدد نہیں کر سکے گا۔ وسیلے بھی وہی پیدا فرماتا ہے۔ نظام کائنات اُسی کے حکم سے قائم ہے اور لئے اگر کسی شخص کو کسی جگہ سے بھی مدد کیوں نہ آ رہی ہو۔ تو حقیقی مددگار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہی سمجھنا چاہئے اور اسی کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

پہاڑوں' انسانوں اور چوپائیوں کے مختلف رنگ

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں پہاڑوں' انسانوں اور چوپائیوں کے مختلف رنگوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ (فاطر ۲۸)

(ترجمہ) "کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے اور پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ کہ ان کے رنگ بھی مختلف ہیں اور کچھ بہت گہرے سیاہ اور اسی طرح آدمیوں' چوپائیوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ ان کے رنگ مختلف ہیں اور اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بخشنے والا ہے" (القرآن)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے رنگوں کے مختلف ہونے میں بھی اپنی قدرت کاملہ کا ذکر کیا۔ یعنی ہر چیز کے رنگ' ہر انسان اور جانوروں کے رنگ اسی کے حکم اور اسی کے دست قدرت کا کرشمہ ہیں۔ رنگوں کا تعین بھی اللہ تعالیٰ کی شان تخلیق کا نہایت خوبصورت اظہار ہے۔ ہم پھولوں کو دیکھتے ہیں۔ تو خوبصورت ترین رنگ اور ان کی آمیزش نظروں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اور دل بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔ اللہ المُصَوِّر کہ اللہ تعالیٰ ہی عظیم ترین اور حقیقی مُصوِّر ہے۔

Marfat.com

آپ پھلوں کو لیجئے پھلوں کے باہر کی رنگت مختلف ہوگی اور اندر کے رنگ مختلف' اور پھلوں کے اندر بیج بھی مختلف رنگوں کے ہیں۔ یہ دیکھ کر کوئی بھی شکرگزار اس کی بارگاہ میں حمد و ثنا پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح ایسے بھی پھول نظر آتے ہیں کہ ایک ایک پتی میں کتنے ہی رنگ ہیں۔ ان پھلوں اور پھولوں کو دیکھ کر ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ فلاں پھل میں وہ رنگ نامناسب ہے اور یہ پھل پھول' ایک ایسے خالق کا پتہ دیتے ہیں۔ کہ جس کی تخلیق میں کہیں بھی کوئی نقص نہیں۔ ہر ذرہ اپنی جگہ اہمیت اور حیثیت رکھتا ہے۔ جانورں کو لیجئے' قسم قسم کے جانور اور ان کے مختلف رنگ انسان کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ گھوڑوں کے رنگ' بکریوں کے رنگ' گائے کے رنگ' شیر اور چیتے کے رنگ' مچھلیوں کے قسم قسم کے رنگ' پرندوں کے رنگ' اور ان کے پروں کی نسبت سے ان کی چونچ کے رنگ' انسان جوں جوں ان حقائق کو تحقیقی نظروں سے دیکھے گا۔ تو اس کا اپنا وجود خود بخود اس مالک حقیقی اللہ رب العزت کے حضور سراپا عجز بن جائے گا۔ انسانوں کو دیکھیے۔ انگریز اور رومی سفید' بربر اور حبشی بالکل سیاہ فام' ایشیائی گندمی اور مختلف اقوام کے مختلف رنگ ہی ان کی شناخت کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔ رنگوں' صورتوں اور بول چال کے اختلاف میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت و تخلیق کی گواہی موجود ہے۔

اور اللہ تعالیٰ سے حقیقی معنوں میں وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔ کیونکہ ایک جاہل اور بے علم آدمی اللہ تعالیٰ کی شان تخلیق کا اندازہ کیسے کرسکتا ہے وہ ذرے ذرے میں موجود اللہ تعالیٰ کی قوتوں کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔ پھولوں' پھلوں اور دوسرے عجائبات عالم اور دست قدرت کی کارفرمائیوں کا مشاہدہ کس طرح کرسکتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے علم حاصل کرنے پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور ارشاد فرمایا کہ "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔" اللہ تعالیٰ نے بھی اہل علم کے بارے میں تعریفی کلمہ ارشاد فرمایا ہے" کہ اللہ تعالیٰ سے حقیقی طور پر ڈرنے والے تو اہل علم ہی ہیں۔" (القرآن)

سورج اور چاند کی گردش

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰس ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰)

Marfat.com

(ترجمہ) ''اور ان کے لئے ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو الگ کر دیتے ہیں تو وہ یکا یک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اور سورج کے لئے جو مقررہ راستہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے یہ ہے اندازہ غالب اور علم رکھنے والے اللہ کا۔ اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں یہاں تک کہ وہ پھر کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں'' (القرآن)

یہاں اللہ تعالیٰ رات دن کی مثال بیان فرما رہا ہے کہ جب سورج ڈوب جاتا ہے تو پھر یکدم اندھیرا ہو جاتا ہے یعنی جب تک اللہ تعالیٰ کے حکم سے سورج زمین کے جس حصے کے سامنے رہتا ہے وہ روشن رہتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو وہاں اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اس کے بعد سورج اور چاند کی گردش کا تذکرہ ہے۔ امام ابن جریرؒ مستقر کے معنی لیتے ہیں۔ ٹھہرنے کی جگہ اور یہ سب مخلوقات عرش کے نیچے ہیں۔ اس لئے کہ عرش سب سے اوپر ہے۔ اور اُس نے تمام کائنات کی وسعتوں کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اور عرش کوئی کرہ نہیں ہے بلکہ وہ قبے کی مثل ہے جسے فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے۔ پس جب سورج فلکی قبے میں ظہر کے وقت ہوتا ہے اس وقت وہ عرش کے بہت قریب ہوتا ہے پھر جب وہ گھوم کر چوتھے فلک میں اس مقام کے بالمقابل آ جاتا ہے یہ آدھی رات کا وقت ہوتا ہے۔ جب وہ عرش سے بہت دور ہوتا ہے۔ پس وہ سجدہ کرتا ہے اور طلوع کی اجازت چاہتا ہے۔ (ابن جریرؒ)

صحیح بخاری میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں سورج کے غروب کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا آپ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا جانتے ہو سورج کہاں غروب ہوتا ہے میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ عرش کے نیچے جا کر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی آرام کی جگہ عرش کے نیچے ہے۔ مسند احمد میں اس سے پہلے کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے واپس ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے اور اسے اجازت دی جاتی ہے ایک اور روایت میں خبردار کیا گیا ہے کہ قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے۔ مگر سجدہ قبول نہ کیا جائے۔ اجازت مانگے مگر اجازت نہ دی جائے اور وہ مغرب سے ہی طلوع ہو اور یہ قیامت کے قریب ہوگا۔

زمین بطور بچھونا اور آسمان چھت اور توحید کے بارے میں طفیلؓ کا خواب

اللہ وحدہ لا شریک ہی ہے جس نے عدم سے اس کائنات کو وجود عطا فرمایا اور زمین کو اپنے بندوں کے لئے فرش بنایا اور اس میں مضبوط میخیں گاڑ دیں۔ یعنی پہاڑ بنائے اور آسمان کو بطور

Marfat.com

چھت کے بنایا جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 22 میں ارشاد ہے۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرہ ۲۲)

(ترجمہ) جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت۔ آسمان سے پانی اتار کر اسے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی۔ خبردار کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ۔"

ایک اور جگہ اس طرح بھی ارشاد فرمایا "کہ آسمان کو محفوظ چھت بنایا ہے ان نشانیوں کے باوجود لوگ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور شرک جیسے بدترین گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں پانی آسمان سے اتارنے کا معنی بارش برسانا ہے۔ جب لوگ پوری طرح محتاج ہو جاتے ہیں اور ان کی نظریں بار بار آسمان کی طرف اٹھتی ہیں اور ان کے ہونٹوں پر امید کے ساتھ ساتھ بارش کی دعائیں ہوتی ہیں تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے جو رحمٰن اور رحیم ہے ان دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرماتا ہے اور پھر خشک پیاسی زمین اس باران رحمت سے فیض یاب ہوتی ہے اور قسم قسم کے پھول' پھل اور دوسری سبزیاں' اناج اگ آتے ہیں۔ وہ جانوروں کے لئے چارہ اگاتا ہے۔ لوگ شیریں اور قسم قسم کے پھل کھاتے ہیں۔ چاہئے تو یہ کہ ایک ایک لقمے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے۔ مگر شکر کرنا تو ایک طرف رہا۔ بعض ایسے بدنصیب اور بدبخت ہوتے ہیں۔ جو اللہ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ بتوں اور قسم قسم کی مشرکانہ رسوم کو وہ اس بارش کا باعث ٹھہراتے ہیں حالانکہ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کا کرم اور اس کی عطا ہے اور کوئی بھی دوسری مخلوق مثلاً کوئی جن' انسان یا فرشتہ بارش برسانے اور زمین سے پھل پھول اگانے پر قطعاً قادر نہیں ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں اچھی اچھی صورتیں عطا کی ہیں۔

حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ وہی سب کا خالق' سب کا رازق اور سب کا مالک ہے۔ اور وہ ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہے اسے جب بھی یاد کیا جائے وہ جواب دیتا ہے اور وہ ایسا کریم ہے کہ اس کے دروازے سے کوئی بھی خالی واپس نہیں جاتا۔ صحیحین میں ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں' یا رسول اللہ ﷺ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے "فرمایا' اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا"۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے "فرمایا' جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے۔ یہ کہ اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں' دوسری

Marfat.com

حدیث پاک میں ہے کہ "کوئی شخص یہ بھی نہ کہے کہ جو اللہ تعالیٰ چاہے یا فلاں آدمی چاہے بلکہ یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے"۔ اور پھر جو فلاں چاہے۔ طفیل بن سنجرہ رضی اللہ عنہ جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی ہیں کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں چند یہودیوں کو دیکھا اور ان سے پوچھا۔ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم یہود ہیں۔ میں نے کہا افسوس تمہاری عقل پر کہ تم حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہو (معاذ اللہ)۔ انہوں نے جواب دیا تم بھی اچھے لوگ ہو لیکن افسوس کہ تم کہتے ہو "جو اللہ تعالیٰ چاہے اور محمد (ﷺ)" پھر میں نصرانیوں کی جماعت کی طرف گیا اور ان سے بھی اسی طرح پوچھا انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ میں نے صبح اس خواب کا ذکر کچھ لوگوں سے کیا اور پھر بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا۔ اور سرورِ دوعالم ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے یہ واقعہ کسی اور سے بھی بیان کیا ہے۔ میں نے عرض کی ہاں یارسول اللہ ﷺ۔ یہ سن کی آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔ اور فرمایا کہ طفیل نے ایک خواب دیکھا ہے اور تم میں سے بعض سے بیان بھی کیا۔ میں چاہتا تھا کہ تمہیں یہ کلمہ کہنے سے روک دوں لیکن فلاں فلاں کاموں کی وجہ سے اب تک نہ کہہ سکا یاد رکھو اب آئندہ ہرگز ہرگز "اللہ تعالیٰ چاہے اور اس کا رسول (ﷺ)" نہ کہنا بلکہ یوں کہو کہ صرف اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے (حوالہ ابن مردویہؒ) ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہا کہ جو اللہ تعالیٰ چاہے اور اس کا رسول (ﷺ) تو آپ ﷺ نے اس سے ارشاد فرمایا کیا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے یوں کہو جو اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے۔ (ابن مردویہ)

ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ یعنی اس کی عبادت کرو۔ اور اس کی توحید کے پابند بنو۔ (ابن کثیر) یاد رکھو کہ نفع ونقصان صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اتفاق سے مجھے ایک صاحب ملے اور کہنے لگے کہ جو میرے ملازم ہیں یا میرے ماتحت ہیں ان کا نفع بھی کر سکتا ہوں اور نقصان بھی، تو میں نے ان سے کہا کہ وہ تمہارے ملازم ہیں اور تنخواہ بھی تم ہی سے لیتے ہیں لیکن یاد رکھو تمہارے ہاتھوں ان کا نفع یا نقصان بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگا۔ اس کی مرضی کے بغیر نہ تو تم انہیں کچھ دے سکتے ہو اور نہ لے سکتے ہو اور نہ ہی تمہارا رزق تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے تمام انسانوں کو اس توحید کی دعوت دی ہے کہ جس کے حق اور سچ ہونے میں کوئی شک نہیں ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ انداداً کے معنی شریک اور برابری کے ہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں تم تو رات اور انجیل پڑھتے ہو اور جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ایک اور وحدہ لاشریک ہے پھر یہ جانتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو۔ (ابن کثیر)

Marfat.com

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تبلیغ

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ چیزوں کا حکم دیا کہ ان پر عمل کرو اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دو پس حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مسجد اقصیٰ میں جمع کیا جب بیت المقدس لوگوں سے بھر گیا تو اونچی جگہ بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم فرمایا ہے کہ خود عمل کر کے تم سے بھی عمل کرواؤں ایک یہ کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھراؤ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے مال سے غلام کو خریدے غلام کام کاج کرے اور جو کمائے کسی اور کو دے دے کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے۔ کہ اس کا غلام ایسا ہو ٹھیک اسی طرح تمہارا پیدا کرنے والا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے پس تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو۔ دوسری یہ کہ نماز ادا کرو نماز میں اللہ تعالیٰ کی توجہ بندے کی طرف ہوتی ہے جب تک وہ نماز میں یکسو ہو کر مشغول رہتا ہے۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ روزے رکھا کرو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس مشک کی تھیلی بھری ہوئی ہو جس سے اس کے ساتھیوں کے دماغ معطر رہیں یاد رکھو روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند ہے اور چوتھا حکم یہ ہے کہ صدقہ دیتے رہا کرو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص کو دشمنوں نے قید کر لیا اور گردن کے ساتھ اس کے ہاتھ باندھ دیئے اور گردن مارنے کے لئے لے کر چلنے لگے۔ تو وہ کہنے لگا کہ مجھ سے فدیہ لے لو اور کسی طرح مجھے چھوڑ دو چنانچہ اس نے کم یا زیادہ جو کچھ بھی تھا دے کر جان چھڑا لی پانچواں حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بکثرت کیا کرو اس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جس کے پیچھے تیزی کے ساتھ ایک دشمن دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ ایک مضبوط قلعہ میں گھس جاتا ہے اور وہاں امن حاصل کر لیتا ہے اس طرح ذکر کے وقت انسان شیطان کے شر سے بچا ہوا ہوتا ہے۔ یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کہ میں اب تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں' جن کا حکم مجھے باری تعالیٰ نے دیا ہے۔

(1) مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑے رہنا۔

(3-2) (نیک) مسلمان حاکم وقت کے احکام سننا اور ماننا۔

(4) ہجرت کرنا۔

(5) جہاد کرنا

Marfat.com

جو شخص بھی جماعت سے ایک ہاتھ بھی باہر نکلا اس نے اسلام کو اپنے گلے سے اتار پھینکا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ دوبارہ لوٹ آئے۔ جو شخص جاہلیت کی پکار پکارے وہ جہنم کا ایندھن ہے لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ اگرچہ وہ روزے دار اور نمازی ہی کیوں نہ ہو فرمایا اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو اور خود کو مسلمان سمجھتا ہو" مسلمانوں کو ان ناموں کے ساتھ پکارتے رہو جو خود اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے پسند فرمائے ہیں مثلاً مسلمین، مومنین اور عباد اللہ۔

امام مالکؒ سے سلطان ہارون الرشید نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہونے پر کیا دلیل ہے تو انہوں نے جواب دیا زبانوں کا مختلف ہونا آوازوں کا جداگانہ ہونا نغموں کا الگ ہونا ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے دہریوں کی ایک جماعت نے یہی سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک بڑی کشتی ہے جس میں طرح طرح کی چیزیں ہیں تجارتی سامان، نہ تو اس کا کوئی ملاح ہے اور نہ ہی نگہبان خود بخود ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک آجاتی ہے اور خود بخود لہروں کو چیرتی ہے یہ سن کر دہریوں کی اسی جماعت نے کہا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اتنی بڑی کشتی کسی ملاح کے بغیر کس طرح آ جاسکتی ہے اور کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے جب کہ اس کا کوئی چلانے والا نہ ہو یہ سن کر امام اعظمؒ نے ارشاد فرمایا کہ افسوس تمہاری عقلوں پر کہ ایک کشتی تو بغیر چلانے والے کے چل نہ سکے لیکن یہ دنیا وسیع وعریض کائنات، آسمان اور ایک مضبوط اور ٹھوس نظام کس طرح خود بخود چل رہا ہے یہ سن کر دہریوں کی وہ جماعت ہکا بکا رہ گئی اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئے۔ امام شافعیؒ سے بھی یہی سوال ہوا تو انہوں نے جواب دیا کہ توت کے پتے ایک جیسے ہیں ایک ہی ذائقہ کے ہیں کیڑے، شہد کی مکھی، گائے اور بکریاں اور ہرن وغیرہ سب اس کو کھاتے ہیں۔ اس کو کھا کر کیڑے کے پیٹ میں سے ریشم نکلتا ہے مکھی شہد پیدا کرتی ہے۔ ہرن میں مشک پیدا ہوتی ہے اور گائے بکریاں دودھ دیتی ہیں کیا یہ نشانی کافی نہیں کہ ایک ہی پتے کے مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ہے اور یقیناً وہ اللہ تعالیٰ ہے وہی موجد اور خالق ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے جواب دیا کہ سنو ایک مضبوط قلعہ ہے۔ جس میں کوئی دروازہ نہیں نہ کوئی راستہ ہے بلکہ سوراخ تک نہیں باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے سونے کی طرح دمک رہا ہے اور ہر طرف سے بالکل بند ہے ہوا تک اس میں نہیں جاسکتی۔ اچانک اس کی دیوار گرتی ہے اور ایک جاندار آنکھوں والا، کانوں والا، بولتا چالتا پھرتا نکل آتا ہے اب بتاؤ کہ اس بند مکان میں پیدا کرنے والا کون

Marfat.com

ہے کیا وہ ہستی ہر ایک سے بلند ترین اور اس کی قدرت غیر محدود ہے یا نہیں؟ آپ کا اشارہ انڈے کی طرف تھا کہ یہ چاروں طرف سے بند ہوتا ہے اور پھر مخصوص ایام میں ایک مکمل جاندار اپنے حواس کے ساتھ باہر نکلتا ہے۔ جناب ابونواس رحمتہ اللہ علیہ سے جب اس مسئلے پر پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آسمان سے بارش کا برسنا اور اس سے درختوں کا پیدا ہونا۔ اور ہری ہری شاخوں پر خوش ذائقہ میووں کا لگنا ہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے مالک الملک ہونے کی کافی دلیل ہے۔ ابن المعز کا قول ہے۔ افسوس کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اور اس کی ذات کو جھٹلا کر لوگ کیسی بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ایک ایک ذرہ اس پروردگار کی ہستی اور لاشریک ہونے پر گواہ ہے۔ اور بزرگوں کا مقولہ ہے۔ آسمانوں کو دیکھو۔ ان کی بلندی' ان کی وسعتوں اور ستاروں کے حجم اور ان کے نظام پر نظر ڈالو پھر سمندروں کو دیکھو جو لہروں کو اٹھائے ہوئے زمین کو گھیرے ہوئے ہیں پھر اونچے نیچے مضبوط پہاڑوں کو دیکھو جو زمین میں گڑے ہوئے ہیں اور اسے ہلنے نہیں دیتے جن کے رنگ اور صورتیں مختلف ہیں۔ پھر قسم قسم کی مخلوقات پر نظر ڈالو پھر ادھر اُدھر پھر کر کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرنے والے چشموں اور قدرتی نالوں کو دیکھو کھیتوں اور باغوں کی سبزیوں اور ان کے پھلوں پر غور کرو زمین ایک' پانی ایک' لیکن شکلیں اور صورتیں اور خوشبوئیں' رنگت' ذائقہ' سب الگ الگ' کیا یہ تمام مصنوعات واضح طور پر اعلان کرتی نظر نہیں آتیں کہ ان کا خالق کوئی تو ہے کیا یہ تمام موجودات اس حقیقت کی غماز نہیں کہ کوئی تو اس کا موجد ہے بلاشبہ یہ تمام کائنات اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کی قدرت بے پناہ طاقتوں اور وحدانیت کی گواہی دیتی نظر آتی ہے لیکن اس سب کو سمجھنے کے لئے قلب سلیم کی ضرورت ہے۔

سات آسمانوں کی تخلیق اور اوپر کی طرف توجہ

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

(ترجمہ) وہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہارے لئے زمین میں جو کچھ ہے سب کا سب پیدا کیا پھر توجہ فرمائی اوپر اور ٹھیک ٹھیک بنا دیا انہیں سات آسمان اور وہ سب کچھ خوب جانتا ہے۔"

رب العالمین نے زمین کے اندر برکتیں اور روزیاں رکھیں اور زمین کی تمام چیزوں کو پیدا فرما

لینے کے بعد اس نے اوپر کی طرف توجہ فرمائی۔ یہاں یہ (اوپر) لفظ ہمارے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے کوئی چیز بلند نہیں ہو سکتی یہ مثال ہمیں سمجھانے کے لئے دی گئی ہے کیونکہ آسمان ہمارے اوپر ہیں۔ اور جیسا کہ ارشاد گرامی بھی ہے آسمان دھوئیں کی صورت میں تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ساتوں آسمانوں کو دو دن میں تخلیق فرما دیا اور ہر آسمان میں کام بانٹ دیئے گئے جب کہ آسمان دنیا کو ستاروں کے ساتھ سجا دیا گیا اس کے بعد رات اور دن کو پیدا فرمایا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنھم فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور کسی چیز کو پیدا نہیں کیا تھا تو پانی سے دُھواں بلند فرمایا وہ اونچا چڑھا اور اُس سے آسمان بنائے پھر پانی خشک ہو گیا اور اس سے زمین بنائی اور پھر زمین میں پہاڑ بطور میخ کے گاڑ دیئے۔ تا کہ زمین اچھی طرح ٹھہر جائے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ایسی مخلوق پیدا فرمائی کہ جس کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا اس سے جو دھواں اوپر چڑھا اس سے آسمان بنائے جو ایک پر ایک سات ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ زمین بنائی تو پہلے گئی ہے مگر اس کو پھیلایا آسمانوں کی تخلیق کے بعد گیا ہے۔ اور علماء کی ایک جماعت اس قول کو معتبر تصور کرتی ہے (واللہ اعلم) (ابن کثیر اور دیگر تفاسیر)

آیت الکرسی کا مفہوم

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَاتَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَاالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَایَؤُدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

(ترجمہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے۔ جسے نہ اونگھ آئے نہ نیند۔ اسی کی ملکیت میں زمین و آسمان کی تمام چیزیں ہیں۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے۔ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔ اور وہ نہیں گھیر سکتے کسی چیز کو اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی کی وسعت نے زمین اور آسمانوں کا احاطہ کر رکھا ہے اور نہیں تھکاتی اسے زمین و آسمان کی حفاظت اور وہی ہے سب سے بلند اور عظمت والا۔"

Marfat.com

تشریح!

اِن آیات کو آیات الکرسی کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ عام طور پر لوگ اس کو خطاطی کرا کے گھروں میں بھی آویزاں کرتے ہیں۔ یہ بڑی عظمت اور برکت والی آیت ہے۔ ایک بار ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کتاب اللہ میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت کونسی ہے؟ انہوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اس کا علم ہے۔ رسول اللہ ﷺ پھر یہی سوال فرماتے ہیں بار بار کے سوال کے جواب میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت ﷺ میں عرض کرتے ہیں! آیت الکرسی۔ تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ابوالمنذر اللہ تعالیٰ تجھے تیرا علم مبارک کرے۔ اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اس (آیت الکرسی) کی زبان ہوگی اور ہونٹ ہوں گے اور یہ بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کرے گی اور عرش کے پایہ سے لگی ہوگی (مسند احمد، صحیح مسلم شریف) ترمذی میں ہے کہ ہر چیز کی کوہان اور بلندی ہے اور قرآن حکیم کی کوہان سورۃ بقرہ ہے۔ اور اس میں بھی آیت الکرسی تمام آیتوں کی سردار ہے۔ (ابن کثیر)

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ ایک تو آیت الکرسی اور دوسری آیت الٓمٓ○ اَللّٰہُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (مسند احمد) آیت الکرسی میں دس مستقل جملے ہیں۔ پہلے جملے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں اور دوسرے جملہ میں ہے کہ نہ تو اسے اُونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند یعنی یہ عوارض صرف مخلوق کے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات ان نقائص سے پاک ہے۔ وہ خود زندہ ہے اور باقی تمام کائنات کو اسی نے سنبھال رکھا ہے۔ موت صرف ان مخلوقات کے لئے ہے جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے مقرر فرمایا ہے وہ تو خود موت وحیات کا خالق و مالک ہے اور موت کے فرشتے اس کے حکم کے ماتحت ہیں۔ وہ زندگی بخشنے والا ہے زندگی اس کے دروازے سے عطا ہوتی ہے اس خالق و مالک کو نیند، اونگھ یا موت ہرگز نہیں آسکتی۔ اس کی ذات حاکم اور مطلق العنان ہے۔ فرشتے ہوں یا جن، انسان سب اس کے محتاج ہیں اور وہ سب سے بے نیاز ہے کہ اس کے سوا کوئی بھی دوسرا اس نظام کو سنبھالنے والا نہیں اور نہ ہی کسی میں ہمت ہے۔ وہ ہر لحہ اپنی مخلوق کے ایک ایک ذرے سے پوری طرح باخبر ہے۔ بلکہ ہر شخص کے اعمال پر وہ حاضر ناظر، دلوں کی خفیہ باتوں کو جاننے والا انسانی ارادوں سے واقف اور ایک ایک لمحے کی خبر رکھتا ہے۔ کائنات کا کوئی ذرہ اس کی حفاظت اور علم سے باہر نہیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا۔

Marfat.com

(1) اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے نہ ہی نیند اس کی ذات کے لائق ہے۔

(2) وہ ترازو کا مالک ہے جس کے لئے چاہے جھکا دے اور جس کے لئے نہ چاہے نہ جھکائے۔

(3) دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے اعمال دن سے پہلے اس کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔

(4) اس کے سامنے نور اور آگ کے پردے ہیں اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے نور کی تجلیات سے وہ تمام چیزیں جل جائیں جن تک اس کی نگاہ انوار پہنچتی ہے۔ (صحیحین)

مسند عبدالرزاق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ سوتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی کہ موسیٰؑ کو تین راتوں تک بیدار رکھیں۔ انہوں نے یہی کیا تین رات تک سونے نہ دیا۔ اس کے بعد بوتلیں ان کے ہاتھوں میں دے دی گئیں اور کہہ دیا گیا کہ انہیں تھامے رہو خبردار یہ گرنے نہ پائیں۔ موسیٰؑ نے انہیں تھام لیا۔ لیکن نیند کا غلبہ ہوا اونگھ آنے لگی آنکھ بند ہو جاتی لیکن پھر ہوشیار ہو جاتے مگر کب تک آخر ایک مرتبہ ایسی اونگھ آئی کہ بوتلیں گر کر ٹوٹ گئیں۔ گو بنی اسرائیل کو یہ بتلانا مقصود تھا کہ جب نیند میں دو بوتلوں کو نہیں سنبھالا جا سکتا تو اللہ تعالیٰ اگر اونگھے یا اسے نیند آئے تو زمین و آسمان کی حفاظت کس طرح ممکن ہو سکے گی۔ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کامل یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان عوارض سے پاک ہے۔ (ابن کثیر، مسند عبدالرزاق)

آسمان اور زمین کی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابند ہیں۔ اور اسی کی سلطنت میں ہر ایک ذرہ اس کے تابع ہے۔ تمام مخلوق تنہا تنہا اس کے پاس حاضری دے گی۔ کوئی اس کی اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا۔ ہاں اللہ تعالیٰ جسے اجازت مرحمت فرمائے۔ جیسے کہ حضور ﷺ کو روز قیامت مقام محمود عطا ہوگا۔ جو کہ شفاعت کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اجازت کے بغیر کوئی کسی سفارش نہیں کر سکے گا۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے جاؤں گا اور سجدے میں گر پڑوں گا اللہ تعالیٰ مجھے سجدے میں چھوڑ دے گا جب تک چاہے گا پھر ارشاد فرمائے گا کہ اپنا سر اٹھائیں اور کہیں سنا جائے گا شفاعت کریں منظور کی جائے گی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی اور میں مومنین کو جنت میں لے جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ چونکہ خود ہی خالق و مالک ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ذرے ذرے کا علم اسی کو ہو سکتا ہے کوئی دوسرا یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ فرشتے بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حکم کے بغیر نہیں اُتر سکتے۔ اور کرسی سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے علم لیا۔ اسے حکمرانی اور حکومت کے طور پر بھی لیا جا

Marfat.com

سکتا ہے۔ اور غالب خیال تو یہ ہے کہ اس کا علم سوائے باری تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ حضرت ابو مالکؒ فرماتے ہیں کہ کرسی عرش کے نیچے ہے۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ آسمان اور زمین کرسی کے جوف میں ہیں اور کرسی عرش کے سامنے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام زمین اور ساتوں آسمان اگر پھیلا دیئے جائیں اور سب کو ملا کر ایک کر لیا جائے تو یہ کرسی کے مقابلے میں ایسے ہوں گے جیسے ایک بہت بڑے میدان میں چھوٹا سا حلقہ' ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ساتوں آسمان کرسی میں ایسے ہیں جیسے سات درہم ڈھال میں۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کرسی کے بارے میں سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کرسی عرش کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے ایک حلقہ چٹیل میدان میں۔ اور فرمایا کہ پھر عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہی ہے۔ (ابن کثیر)

اس وسیع و عریض کائنات کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں بلکہ آسان ہے۔ اور وہ تمام مخلوق کے اعمال کو جانتا ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ اور مخفی نہیں۔ تمام مخلوق اس کے سامنے محتاج اور فقیر ہے۔ ہر ایک شے پر وہ غالب ہے۔ ہر چیز کا مالک اور حفاظت کرنے والا' بلند شان والا اور عظمت والا ہے۔ اور اس کے سوا کسی کے لئے عظمت اور بلندی نہیں ہے اور وہ ہمارے ہر گمان و خیال اور تصور سے بالاتر اور پاک ہے۔ اور بغیر کوئی تشبیہ دیئے ہمیں اس پر اتنا کامل اور بھرپور ایمان ہونا چاہئے کہ ہمیں اپنا فانی وجود اور جان اس ایمان کے مقابل ہیچ دکھائی دے۔ (اللہ العظیم)

غیب پر ایمان

اللہ تعالیٰ' روز قیامت' جنت، دوزخ اور فرشتوں پر ایمان اسی ضمن میں آتا ہے۔ آدمی کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس حیات فانی میں ظاہری آنکھوں سے دیکھ سکے۔ اور قیامت بھی اپنے وقت پر آئے گی۔ جنت اور دوزخ کو بھی قیامت کے دن ہی لوگ دیکھ سکیں گے اس لئے یہ سب غیب پر ایمان کے زمرے میں آتے ہیں۔ ایک صاحب عقل اور ذی فہم کے لئے ان معاملات میں الجھنے کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر ایمان بھی غیب کے زمرے میں رکھ دیا ہے لہٰذا کسی قسم کے مفروضے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ** اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان کہتے ہیں تصدیق کرنے کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایمان لانے سے مراد ڈر رکھنا بھی ہے۔ بعض مفسرین اور محققین نے کہا ہے ایمان بالغیب کے معنی ہیں اللہ

تعالیٰ کو بن دیکھے اس سے ڈرنا اور دل کی گہرائیوں سے اس پر ایمان لانا ذی ہوش اور صاحب بصیرت ہی بن دیکھے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے۔ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا اللہ تعالیٰ سے صاحب بصیرت اور علم والے ہی ڈرتے ہیں۔ اور ایمان بالغیب کا تقاضا یہ ہے کہ غیب پر بھی اسی طرح ایمان لایا جائے جیسا کہ حاضر پر لایا جاتا ہے۔ اگر اس غیب میں کوئی شک وشبہ پیدا ہو اور آدمی سوچ و بچار اور اپنی عقلی تاویلات کا تابع ہو جائے تو یہ منافقت ہے۔ اور کسی طرح بھی ایمان بالغیب کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں کہ ایمان بالغیب کا مفہوم اللہ تعالیٰ' فرشتوں' کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانا ہے اور مر کر دوبارہ زندہ ہونے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات پر ایمان لانا ہے۔ قتادہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ آیا ہے وہ غیب میں داخل ہے عطارؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا غیب پر ایمان لانے والا ہے۔ اسماعیل بن بوخال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اسلام کی تمام پوشیدہ چیزیں ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک مرتبہ صاحب ایمان لوگوں کے فضائل بیان ہو رہے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم وہ لوگ افضل ہیں جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔

ہمارے فلسفیوں کی اکثریت نے اپنے عقلی زاویوں سے اللہ تعالیٰ کو شناخت کرنے کی کوشش کی ہے اس طرز عمل سے انہوں نے بے شمار ٹھوکریں کھائی ہیں اور نفاق کے مرتکب ٹھہرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانی عقل و شعور اور تصورات سے بہت بلند ہے اس لئے اس تمام معاملے میں ایمانی نزاکت کو ملحوظ رکھنا چاہئے اور وہ تمام تر بے ہودہ بحثیں ختم کر دینی چاہئیں جن کی رو سے ہم نے توحید کو اپنی اپنی عقل کے مطابق وضع کر رکھا ہے۔ یہاں غیب سے مراد غیب ہی ہے جس کے معنی ہیں کہ انسانی عقل و فہم جن کا ادراک کرنے سے قاصر ہے۔ اور توحید پر کامل ایمان کی پہلی شرط ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو برحق اور وحدہ لاشریک یقین کے ساتھ تسلیم کیا جائے۔ اور اس سلسلے میں خود ساختہ دانشوروں اور دوسرے باغی لوگوں کے نظریات سے دوری اختیار کی جائے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ وحدہ لاشریک کی عظمت و طاقت کا گواہ ہے۔ اور عین الیقین کے لئے کائنات فطرت میں غور و فکر ہی کافی ہے اور اس کی دعوت قرآن نے بھی دی ہے۔ جو مقامات انسان نے نہ تو دیکھے ہیں اور نہ ہی جن تک رسائی ہے وہاں کے بارے میں مفروضات گھڑ لینے سے عام معمولی لکھا پڑھا انسان تو واہ واہ کرے گا مگر قدم قدم پر کفر کی سخت ٹھوکریں ایمان کو پامال کر دیں گی۔ حق ایمان تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بلا دلیل ایک اور مالک کل صدق دل سے تسلیم

Marfat.com

کرلیا جائے۔ (اللہ اکبر)

منافق کے دل پر اللہ تعالیٰ کا مہر لگانا

ارشاد باری تعالیٰ ہے

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (البقرۃ)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر، کانوں پر، اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے اور ان (کافروں ومنافقوں) کے لئے بڑا عذاب ہے۔

جولوگ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور وحدانیت کے سلسلے میں شک میں رہتے ہیں گناہوں اور کفر کو وطیرہ بنالیتے ہیں ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے۔ مجاہدؒ نے اپنا ہاتھ دکھا کر کہا کہ دل ایک ہتھیلی کی طرح ہے اور بندے کے گناہ کی وجہ سے وہ سکڑ جاتا ہے اور بند ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہ جب بندہ ایک گناہ کرتا ہے تو گویا چھنگلیا بند ہوگئی پھر بار بار گناہ کرنے سے تمام انگلیاں بند ہو جاتی ہیں اور اب مٹھی مکمل طور پر بند ہوگئی جس میں کوئی چیز داخل نہیں ہوسکتی اسی طرح گناہوں اور کفر سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں مہر لگ جاتی ہے اور پھر اس مہر زدہ دل پر حق بات اور کوئی نصیحت بالکل اثر نہیں کرتی۔ (ابن کثیر)

مُہر کے بارے میں "مُعتزلہ" کے انکار کا ردّ

مہر لگانے کے بارے میں معتزلہ عجیب وغریب بکواس کرتے ہیں اور بیہودگی کرتے وقت وہ ہمیشہ یہ بھول جاتے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک ارادے پر قادر ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے اس سلسلے میں وہ کسی کی رائے اور کسی کے مشورے کا نہ تو محتاج ہے اور نہ پابند۔ مسلسل نفاق اور کفر رکھنے والے بدطینت قلوب پر مُہر لگانا کوئی عیب نہیں ہے۔ بلکہ یہ اچھی بات ہے۔ کیونکہ انسان دنیا میں اپنی فکر اور ارادے کے لحاظ سے آزاد ہے۔ جو مسلسل نافرمانی اور کفر کو اشعار بنائے رکھے اور جس کا وجود ہی نافرمانی اور ذلت وکفر کی علامت بن جائے اس کے دل پر مہر کا لگ جانا بالکل برحق بات ہے اور اللہ تعالیٰ کے بالکل شایان شان ہے جیسے ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۔یعنی جب ان کے دل ٹیڑھے ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل اور ٹیڑھے کر دیئے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ ہم ان کے دلوں اور ان کی نگاہوں کو الٹ دیتے

ہیں۔ گویا وہ سرے سے ایمان ہی نہیں لائے تھے۔ اور ان لوگوں کو سرکشی میں ہی چھوڑ دیا جاتا ہے یہ بالکل عدل اور انصاف ہے۔

مہر کے بارے میں مزید روایات

قرطبیؒ فرماتے ہیں امت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک صفت مہر لگانا بھی بیان فرمائی ہے جو درحقیقت کفر کا بدلہ ہے۔ حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو الٹ پلٹ کرتا ہے۔ جیسے کہ دعا میں بھی ہے۔

یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبَ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِکَ "اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو دین پر ثابت قدم رکھ" حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ دلوں پر فتنے اس طرح پیدا ہوتے ہیں جیسے پھٹے ہوئے بوریے میں سے ایک تنکا اور جو دل اس ایک تنکے کو قبول کر لیتا ہے اس میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اس جس دل میں یہ فتنے اثر نہیں کرتے اس میں ایک سفید نقطہ پیدا ہو جاتا ہے سیاہ نقطہ پھیلتے پھیلتے پورے دل کو سیاہ کر دیتا ہے اور وہ الٹے کوزے کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ اچھی بات اسے اچھی لگتی ہے اور نہ برائی اسے بُری معلوم ہوتی ہے۔ اور نیک بخت دل میں سفید نقطہ بڑھتے بڑھتے بالکل سفید ہو کر تمام دل کو سفید کر دیتا ہے اور پھر کوئی فتنہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ مومن جب گناہ کرتا ہے اس کے دل میں سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اور اگر وہ باز آ گیا اور توبہ کر لی تو وہ نقطہ ہٹ جاتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دل پر غلاف چڑھ جاتا ہے بدبختی اور تاریکی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور بدنصیب دل میں ایمان کے جانے اور کفر کے نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہ جاتا۔

لوگوں کی منافقت

جو لوگ اللہ تعالیٰ کا محض زبانی اقرار کرتے ہیں اور زبان سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں مگر عملی طور پر اپنے قول و فعل کے اعتبار سے وہ اس کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ یہ درحقیقت اہل ایمان نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ (البقرہ)

(ترجمہ اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر وہ درحقیقت ایماندار نہیں ہوتے۔

اس آیت میں اگرچہ حضور ﷺ کو آگاہ فرمایا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں آنے والے اور محض زبانی اقرار کرنے والے بعض لوگ اہل ایمان نہیں ہیں۔ مگر اس آیت کے معنی اتنی وسعت اختیار کر گئے ہیں کہ اس کی روشنی میں ہمیں اپنا ایمان جانچنے کی ضرورت ہے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں آنے والے جو لوگ منافق قرار دیئے گئے ان میں یہ خصوصیات تھیں۔

(1) محض زبانی اقرار کرتے تھے اور دل میں کفر رکھتے تھے۔

(2) جہاد اور تمام ارکان اسلام سے باغی تھے۔

(3) اسلام کے لئے ایک پیسہ تک خرچ نہیں کرتے تھے۔

(4) اسلام کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں کے دل سے ہمدرد تھے۔

(5) ان کے دروازے ہمیشہ اسلام دشمنوں کے لئے کھلے رہتے تھے۔

(6) ان کے قول و فعل سے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا تھا کہ وہ اللہ کے حضور حاضری کو برحق سمجھتے ہیں۔

(7) اپنی نجی محفلوں میں اسلام کا مذاق اڑاتے تھے۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کیا خالص عقیدہ توحید پر ایمان لانے کا اظہار بندہ مومن سے ہر عمل میں ہوتا رہتا ہے؟ جو امور ہم نے اوپر درج کئے ہیں ان کی روشنی میں دیکھنا چاہئے کہیں ہمارے اندر بھی یہ بری صفات موجود تو نہیں ہیں اور اگر ہم اپنے معاشرے میں نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ یہ برائیاں اور بیماریاں کہیں نہ کہیں ہمارے اندر ضرور موجود ہیں اور ایمان کا تقاضا ہے کہ ان بیماریوں اور برائیوں کے خلاف جہاد کیا جائے۔ اس کے علاوہ بھی غیر محسوس طور پر بہت سی باتوں میں شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں اور شرک میں مبتلا ہونا عذاب جہنم میں مبتلا ہونا ہے۔

ہم نے دنیاوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی جواب دہی کو وہ اہمیت نہیں دی جو دینی چاہئے۔ مثلاً اپنے کسی عزیز کو خوش کرنے کے لئے سینکڑوں روپے خرچ کر دیتے ہیں اپنے بچوں کی شادیوں پر لاکھوں روپے کا صرف چراغاں کراتے ہیں لاکھوں روپے نمود و نمائش پر صرف کرتے ہیں اپنی خوشی اور خواہشات کے لئے بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے نام پر ہم سے کوئی مانگے تو اول یہ کہہ کر دامن بچا لیتے ہیں کہ یہ حق دار نہیں اور اگر کبھی کچھ نکالیں تو ایک آدھ روپیہ بمشکل دیتے ہیں۔ چلو مانگنے والوں میں تو پیشہ ور بھکاری موجود ہیں مگر ہمارے معاشرے میں سفید پوش اور حق

دار بھی بڑی تعداد میں رہتے ہیں۔ جو کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے ان کی خدمت کرنا تو عین عبادت ہے۔ اگر ہم فضولیات اور حیوانی خواہشات کی تکمیل کے لئے بے دریغ خرچ کرنے کی بجائے وہی کچھ اللہ کی رضا کے لئے خرچ کریں تو یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل ہوگی یہاں ایک مثال یاد آ رہی ہے۔ ایک بزرگ کے پاس ایک آدمی آیا اور بولا حضرت مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیے کہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرلوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اور تمہیں کوئی عمل نہیں بتاتا صرف اتنا کہے دیتا ہوں کہ اللہ کی رضا کو کم از کم اپنے جیسی اہمیت دینا۔ وہ آدمی بولا۔ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ" آپ کیسی بات کرتے ہیں اللہ کی رضا کا تو بہت مرتبہ ہے اور آپ مجھے اُسے اپنے برابر سمجھنے کا کہہ رہے ہیں وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔ شام کو بزرگ بھیس بدل کر اس آدمی کے دروازے پر گئے اور اللہ کے نام پر خیرات مانگی اس آدمی نے ایک خشک روٹی کا ٹکڑا بھجوایا یہ دیکھ کر بزرگ نے اصل صورت میں آ کر اس آدمی کو باہر بلوایا اور سوال کیا کہ کیا تم ایسی روٹی کھا سکتے ہو؟ خود تو تمہارے دستر خوان پر قسم قسم کے کھانے موجود ہیں مگر اللہ کے نام پہ تم نے یہ باسی روٹی کا خشک سا ٹکڑا دیا ہے جس سے میری بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنے جیسا بھی نہیں سمجھا۔ اگر خود جیسا سمجھتے تو کم از کم ویسا ہی پر تکلف کھانا اللہ تعالیٰ کے نام پر دیتے۔

ہمیں یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ رزاق ہے' مالک الملک ہے اور ہم سب مخلوق اس کے محتاج اور فقیر ہیں۔ وہ ہمارے کسی مال و دولت کا محتاج نہیں ہے۔ اور کائنات کا تمام مال و متاع اس کا پیدا کردہ ہے وہی حقیقی وارث ہے۔ اس کا ایک ہی حکم سب کچھ تباہ کر سکتا ہے اور اس سب کچھ سے کئی گنا زیادہ اس کے حکم سے پیدا ہو سکتا ہے لیکن یہاں ہمارے قول و فعل میں اس قدر منافقت ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ اگر عملی معنوں میں دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں اس کے حضور حاضر ہونے اور جواب دہ ہونے کا بھی کامل یقین نہیں ہے۔ اگر ہمارا مکمل ایمان ہوتا کہ ہم نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور قیامت کے سخت دن جب کوئی کسی کا حمایتی اور مددگار نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے تو ہم۔

- کبھی ملاوٹ نہ کرتے۔
- ☆ کبھی کسی کو تنگ نہ کرتے۔
- نہ رشوت لیتے اور نہ دیتے اور سُود لینے اور دینے سے رُک جاتے۔
- ☆ لوگوں کے مال پر ناجائز قبضہ نہ کرتے۔

Marfat.com

- ○ ناجائز ذرائع سے کبھی پیسہ حاصل نہ کرتے۔
- ☆ جعلسازی نہ کرتے اور جعلی ادویات اور دوسری اشیاء نہ بناتے اور نہ بیچتے۔
- ○ غریبوں اور یتیموں کی دل کھول کر مدد کرتے۔
- ☆ روپے لے کر غلط فیصلے نہ کرتے۔
- ○ تکبر نہ کرتے اور ہر قسم کے رزق حرام سے دور بھاگتے۔
- ☆ ایک دوسرے کی غیبت نہ کرتے۔
- ○ ایک دوسرے سے ترک تعلق نہ کرتے۔
- ☆ امیری اور غریبی کا فرق نہ ڈالتے۔
- ○ قتل وغارت اور ڈاکہ زنی نہ کرتے۔
- ☆ بدکاری اور بے حیائی کا ارتکاب نہ کرتے اور ہمارے گھروں میں ناچ گانے کی ریکارڈنگ نہ ہوتی۔
- ○ گانے بجانے اور دوسرے بے حیا مشاغل ترک کر دیتے۔
- ☆ ہماری پیشانیاں اللہ تعالیٰ کے حضور جھکی ہوتیں۔
- ○ ہماری زبان پر استغفار ہوتا اور اپنی زندگی کے ہر لمحہ کا محاسبہ کرتے۔
- ☆ ہماری محفلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر ہوتا۔
- ○ ہماری صبح نماز وتلاوت قرآن سے شروع ہوتی۔
- ☆ ہمارے قول وفعل نیکی وپارسائی کا نمونہ ہوتے۔
- ○ ہم اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی بھلائی کے لئے کام کرتے۔
- ☆ دوسروں کی تکلیف دور کرنے اور خدمت کرنے سے ہمیں خوشی ہوتی۔
- ○ اللہ جل جلالہٗ کے ساتھ کبھی شریک نہ ٹھہراتے۔
- ☆ ہمیں اللہ تعالیٰ پر بھرپور توکل ہوتا۔
- ○ ہم دوسری قوموں کے سامنے مثال ہوتے۔
- ☆ اقتدار اور طاقت وجاہ کے لئے یوں جھگڑے نہ کرتے۔
- ○ ہمارے دلوں کے اندر اور باہر صفائی ہی صفائی ہوتی۔
- ☆ ہمارے ہسپتالوں میں غریب مریض تڑپ تڑپ کر جان نہ دیتے۔
- ○ ہمارے تھانوں میں بے گناہوں کو الٹا نہ لٹکایا جاتا۔

Marfat.com

☆ غریبوں اور بے بسوں کی بیٹیوں اور بیویوں کی عزت و ناموس محفوظ ہوتی۔

○ فرقہ واریت سے پرہیز کرتے۔

☆ ہم زندگی کا مقصد صرف پیسے کا حصول نہ بناتے۔

○ ہم کائنات فطرت کی پیچیدگیوں پر غور کرتے۔

☆ ہم زکوۃ کا مال مختلف تاویلوں سے ہڑپ نہ کرتے۔

○ ہمارے اندر کبھی فرقہ بندی نہ ہوتی۔

☆ ہماری صفوں میں کوئی شیطان نہ گھستا۔

○ دین کے نام پر فراڈ نہ کرتے۔

مگر اصل بات تو یہ ہے کہ ہم توحید میں منافقت سے کام لیتے ہیں۔ یہ بات طے ہے کہ ہمارے دل شاید یہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں یا ہم اپنے جرائم کو خوبصورت تاویلوں اور استعاروں میں چھپا کر مطمئن رہتے ہیں۔ اور خود کو ہر حال میں بخشا ہوا خیال کرتے ہیں۔ ورنہ مومن کے لئے ایک ایک لمحہ غور وفکر اور خوف کا ہوتا ہے اور حقیقی مومن کی تو یہ علامت ہے کہ ہر لمحہ وہ ڈرتا ہے کہ کہیں اس سے کوئی ایسا کام سرزد نہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنے۔ اور منافق کے بارے میں ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اظہار کر کے وہ خود کو بچانا چاہتے ہیں مگر یہ کلمہ ان کے دلوں کے اندر نہیں اترتا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ منافقوں کا یہ حال ہے کہ زبان پر ان کے کچھ اور ہوتا ہے۔ اور دل میں کچھ اور صبح کچھ اور شام کچھ، اُس کشتی کی طرح جو ہوا کے جھونکے سے کبھی ادھر ہو جاتی ہے۔ اور کبھی ادھر۔

ہم جب انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت پر غور کرتے ہیں تو یہ بات بالکل واضح دکھائی دیتی ہے کہ ان پاک ہستیوں کی آمد محض اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے سامنے سر جھکانے اور اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ نظام بنی نوع انسان پر نافذ کرنے کے لئے تھی انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی پوری توانائیاں شرک و بت پرستی اور ہر قسم کے مشرکانہ عقائد کو ختم کرنے کے لئے صرف کر دیں۔ اور جو قومیں اپنے مشرکانہ افکار سے باز نہ آئیں وہ شدید ترین عذاب سے دوچار ہوئیں حتیٰ کہ خاتم الانبیاء تاجدار رحمت سرور عالم ﷺ تشریف لائے۔ اور آپ ﷺ نے شرک اور کفر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اسلام ہی اس وقت صحیح معنوں میں ایسا دین ہے جو ہر قسم کے مشرکانہ عقائد سے بالکل پاک ہے یہود و نصاریٰ نے اپنی چالاکیوں کی وجہ سے اس صاف ستھرے دین میں مختلف حوالوں اور تاویلوں سے مشرکانہ رسوم داخل

کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ اور مختلف قسم کے افکار کے ذریعے انہوں نے امت مسلمہ کو گمراہ بھی کیا ہے۔ حتیٰ کہ فرقہ بندی جیسے مہلک فتنہ میں بھی مسلمان مبتلا ہو گئے ہیں۔

مسلمانوں کے اندر مشرکانہ افکار داخل کرنے کی کوششیں

حضور ﷺ نے اسلام کی دعوت خالصتاً اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اس کے عطا کردہ نظام کو جاری کرنے کے لئے دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا کہ "میرا نبی تو جو کچھ بھی کہتا ہے وہ اس کی طرف وحی کیا جاتا ہے"۔ حضور ﷺ کی تمام عمر مبارک ایک اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرانے اور اس کا نظام بنی نوع انسان پر جاری و ساری کرنے کے لئے گزری۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے سلسلے میں بہت حساس تھے۔ اور قطعاً برداشت نہیں فرماتے تھے کہ کوئی بھی مسلمان کسی بھی قسم کے شرک کا مرتکب ہو۔ آپ ﷺ کی اپنی عبادت و ریاضت اور استغفار کا یہ عالم تھا کہ پاؤں مبارک قیام کرتے کرتے سوج جاتے اور بارگاہ رب العزت میں روتے روتے آپ ﷺ کی داڑھی مبارک اور رخسار مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتے اور ارشاد فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کو عاجزی پسند ہے اور اسے رونا پسند آتا ہے آپ تمام مسلمانوں کو کثرت سے استغفار کا حکم فرماتے آپ ﷺ ہر وقت اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیتے۔ ہر لحہ اس کی رضا کے حصول کے لئے تلقین فرماتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم بھی اطاعت اور ایمان و ایثار کا بہترین نمونہ تھے۔ حضور ﷺ اور بعد ازاں خلفاء راشدین کے ادوار مبارک تک تو کسی فلسفی اور نکتہ دان میں یہ جرات نہ تھی کہ وہ ذاتی تاویلات کے ذریعے اسلام کی تشریح کرتا۔ کیونکہ ان پاک ہستیوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کلام اور حضور ﷺ کی سنت اور احادیث مبارکہ ہی کافی تھیں۔ ان احادیث طیبہ کی روشنی میں ائمہ کرام نے فقہ مرتب کی اور چاہیئے تو یہ تھا کہ فقہ کے مسئلے پر بھی آئمہ کرام میں جو تھوڑا بہت اجتہادی اختلاف تھا اسے اتنا نہ اچھالا جاتا۔ اور امت میں ایک ہمہ گیر اتحاد کو فروغ دیا جاتا۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر مختلف قسم کے بدیسی نظریات لے کر بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ خصوصاً عہد عباسیہ میں یونانی فلاسفہ کے ساتھ ساتھ مجوس اور دوسرے افکار بھی تھوڑی بہت ملمع سازی کے بعد اسلام میں داخل کر کے ان ملحدانہ افکار کو مختلف اسلامی رسوم کا نام دینے کی کوشش کی گئی۔ اصل اسلام جو کہ بالکل سادہ ہے اس میں نہ تو کوئی جھگڑا ہے۔ اور نہ ہی اسی میں کوئی ایسی بات ہے جو سمجھ میں آنے والی نہ ہو اس صاف ستھرے دین کو الجھانے کی بھرپور کوششیں کی گئیں۔ ساتھ ہی ساتھ مشرکانہ عقائد بھی داخل کرنے کی کوشش کی گئی۔ یوں تو اس ضمن میں

Marfat.com

اہل ایمان نے ان افکار کے رد میں کام کیا خصوصاً پاکباز مومنین کی جماعت نے ان افکار کو مٹانے اور ان کو جڑوں سے اکھیڑنے کی کوششیں کی ہیں مگر شاہان وقت اوران کے ساتھ دوسرے عمائدین نے ان فلاسفہ کی حوصلہ افزائی کی جس کے نتیجہ میں بڑھتے بڑھتے یہ مشرکانہ عقائد بذات خود اُبھرتے چلے گئے۔

ابتداء میں مشرکانہ وملحدانہ افکار کے خلاف جن صاحبانِ قلب ونظر نے کام کیا وہ اہل تصوف یا صوفی تھے۔ جب چالاک فلاسفہ نے دیکھا کہ لوگ ان کے نظریات کو قبول کرنے کی بجائے اہل تصوف کی طرف راغب ہیں۔ تو انہوں نے موقع پاتے ہی خود کو اہل تصوف متعارف کرانے کے کوششیں شروع کر دیں۔ یوں یہ حملہ سرکاری طور پر بھی اور جعلی صوفیوں کی طرف سے بھی ہوا۔ جس کے نتیجہ میں امت مسلمہ مسلسل انتشار کی زد میں آ گئی۔ ان فلاسفہ سے پہلے اسلام میں اطاعت وبندگی نہایت خلوص سے کی جاتی تھی اس بارے میں زیادہ چھان بین کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ایمان بالغیب کے اقرار کے بعد ایسی کسی موشگافی کی اسلام میں قطعاً گنجائش باقی نہیں رہتی۔ مگر ان فلاسفہ نے آتے ہی اپنا کام دکھانا شروع کر دیا انہوں نے اسلام کی عبادت کو فلسفیانہ طور پر جانچنے کا اصول مقرر کیا۔ یہ بغاوت کا عملی آغاز تھا کیونکہ جب کوئی انسان نہ تو اللہ تعالیٰ کا ادراک کر سکتا ہے اور نہ ہی ان عبادات کا مقصد حتمی طور پر جانچنے کی ہمت واستعداد رکھتا ہے تو پھر ''غیب'' کے لئے فلسفیانہ افکار کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ بعد کے خود ساختہ تصوف میں ایرانی افکار کا رنگ غالب ہے۔ اس لئے ابتدائی صوفیاء کرام کے بعد آنے والے اہل تصوف بتدریج مختلف قسم کی رسومات کا شکار ہو گئے۔ اس وقت انتہا ہو گئی جب امت قرآن کے بارے میں اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں مختلف قسموں کی بحثوں میں الجھ گئی۔ بجائے اس کے کہ قرآن مجید کے احکامات پر عمل کیا جاتا اور اللہ تعالیٰ کو خالق ومالک حقیقی تسلیم کر کے اس کے سامنے سر جھکایا جاتا الٹا توحید کے بارے میں ایسی ایسی بحثیں چھیڑ دی گئیں جن کی وجہ سے ملحدانہ افکار اور گستاخانہ ومشرکانہ نظریات کو مسلمانوں کے اندر آزادانہ قدم جمانے کا موقع مل گیا۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بحثوں میں الجھ کر انسان بے ادب گستاخ اور منکر ہو جاتا ہے اور خالق کائنات کی عظمت وطاقت پر بیہودگی سے بحث کرنا بجائے خود ایک سخت بے ادبی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کے خود ساختہ تخیلات سے پاک ہے وہ بلند ہے ___ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور زمین وآسمان کی تمام کنجیاں اسی کے قبضے میں ہیں۔ آج کل بھی خاص وضع قطع کے لوگوں کو جو ننگے سر اور بغیر داڑھی کے ہوتے ہیں ٹی وی پر مبلغ اسلام کے طور پر انہیں پیش کر کے اسلام میں بے ہودہ تاویلات کی مذموم کوشش ہو رہی ہے یہ صدیوں سے جاری اُسی اسلام دشمن تحریک کا تسلسل ہے۔ یہ ہمیشہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ بلند ہے۔

Marfat.com

وہ فلسفیوں اور جعلی نظریہ سازوں کی حدِ ادراک سے بہت بلند اور غالب ہے۔ ماضی میں قرآن مجید کے بارے میں ایک بحث "خالق و مخلوق" کے نظریات کے نام سے چھڑ گئی تا کہ لوگ قرآن کو سمجھنے اور اس کے احکامات پر عمل کرنے اور اس کی آیات مبارکہ سے راہنمائی حاصل کرنے کی بجائے قیامت تک محض قرآن کے خالق و مخلوق کے مسئلے پر لڑتے رہیں۔ جیسے آج کل حضور ﷺ کی اطاعت کرنے کی بجائے اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو اپنانے کی بجائے لوگ حضور ﷺ کے مراتب پر جھگڑے کر رہے ہیں۔ اب یہ بحث عام لوگوں میں بھی آ گئی ہے جن کی وجہ سے امت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے اور حضور ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کے احکامات مبارکہ کو سمجھنے کی بجائے لوگ صرف حضور ﷺ پر عجیب و غریب بحثیں کرنے لگے ہیں۔ یہ سب کچھ منظم سازش کا حصہ ہے۔

اسلامی توحید اور اس کے نظریات میں غیر اسلامی افکار کی شمولیت کی ایک اور وجہ بھی ہے اور وہ ہے دنیا کے مختلف حصوں اور علاقوں میں اسلام کی آمد۔ جن علاقوں میں اسلام گیا وہاں لوگوں نے اسلام کے ساتھ ساتھ اپنے صدیوں پرانے تہذیبی عناصر کو بھی ساتھ ساتھ رکھا۔ مثلاً ہندوستان کو لے لیجئے یہاں اسلام کے اندر وہ رسوم داخل ہوئیں جو اسلام سے پہلے لوگ اختیار کرتے تھے مثلاً بتوں کے انداز سے عجیب و غریب رسوم ادا کرنا لوگوں کے سامنے ہاتھ جوڑنا اور ان سے مدد طلب کرنا۔ مزارات پر عورتوں کا بالوں کا باندھنا اور چراغاں کرنا یا اپنی بنائی ہوئی زیارتوں کے اردگرد چکر لگانا۔ مذہبی راہنماؤں کے آگے بالکل عبادت کے سے انداز میں جھک جانا اور ان کی ناراضگی کے تصور سے دہشت زدہ ہو جانا یہ سرزمین ہندوستان اور دوسرے ایسے علاقوں کی ثقافت ہے جہاں صدیوں اس قسم کی رسوم رہی ہیں۔ قرآن جہاں ایک طرف لوگوں کو آخرت کی کامیابی کا مژدہ سناتا ہے وہاں دوسری طرف کسی بھی مسلمان کو یہ دعوت نہیں دی گئی کہ وہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا حاجت روا تصور کریں۔ کیونکہ اس قسم کا تصور بھی شرک ہے خصوصاً رسول اللہ ﷺ نے اپنے وصال مبارک سے چند ہی لمحے پہلے ارشاد فرمایا "لعنت ہو یہود پر کہ انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا"۔ (کتب سیرت)

ہمارے یہاں کے جاہل عوام جب کسی ایسے بہروپیے کے پاس جاتے ہیں تو یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ شریعت کا پابند ہے یا نہیں۔ تو وہ یہ کہتے ہیں کہ فقیر سائیں تیرے دروازے پر آ گئے ہیں تو سب کچھ جانتا ہے تو میرے بگڑے کام بنا دے اور تیرا دروازہ تو ہر وقت کھلا ہے اور تیرے دروازے سے کوئی سوالی خالی نہیں جاتا"۔ ان فقروں میں لفظ فقیر سائیں کاٹ کر دیکھئے۔ کیا یہ الفاظ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا ایسی صفات کا مالک نہیں ہے کسی بھی صاحب دولت یا حکمران سے بھی یہ الفاظ کہنا شرک ہے اور ایسا کہہ کر ہم کسی کے لئے کسی عقیدت کا اظہار نہیں کر رہے ہوتے۔ بلکہ خود اُس کے لئے اذیت کا سامان کرتے ہیں وہ صوفیائے

Marfat.com

کرام جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو پھیلایا۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وحدانیت کا سبق دیا۔ ان کے مراکز کو ہی غیر اسلامی رسوم اور جرائم کا مرکز بنالینا کتنا افسوسناک ہے۔ آپ غور کریں گے تو آپ کو احساس ہوگا۔ کہ جب رسول اللہ ﷺ وصال فرما چکے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو جو خطبہ دیا اس میں یہ الفاظ تھے:

''کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی عبادت کرتے تھے وہ سمجھ لیں کہ حضور ﷺ کا وصال ہو چکا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں تو سن لیں کہ وہ زندہ ہے اور اسے موت نہیں''۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد اور کتب سیرت)

ان الفاظ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی حقیقی تعظیم کی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی تمام زندگی توحید کا پرچار کرتے گزری۔ اور اگر لوگ توحید سے پھر جاتے۔ یا کوئی دوسرا نظریہ قائم کرتے تو یہ رسول اللہ ﷺ کی بے ادبی اور گستاخی ہوتی اس کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قیامت تک آنے والے مسلمانوں پر عیاں فرمایا کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور وہ زندہ ہے۔ وہی رزاق ہے وہی مالک الملک ہے اور وہی تقدیر کا مالک ہے وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ ہر ایک ذرے کا مالک ہے۔ مومن کے شایان شان ہی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حاجات طلب کرے۔ ہاں اس کے لئے رسول اللہ ﷺ پر کامل ایمان اور سب سے بڑھ کر محبت ضروری ہے کیونکہ حضور ﷺ پر کامل ایمان اور آپ سے محبت کے ذریعے ہی بندہ اللہ تعالیٰ کے حلقہ توحید میں شامل ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کے احکام کے مطابق عبادت واطاعت ومحبت سے ہی بندے کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو سکتی ہے۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ پر کامل ایمان اور اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنا چاہتے ہیں وہ اس لئے کامیاب نہیں ہو سکتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ راستہ چھوڑ کر اس کے احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام، صحابہ کرام، صدیقین ہی وہ پاکباز ہستیاں ہیں کہ جن کی مجالس میں بیٹھنے سے انسان کے دل ودماغ سے کفر وشرک کے خیال دور ہو جاتے ہیں۔ اور ان حضرات کی پیروی کرنے سے ہی صراط مستقیم حاصل ہوتا ہے۔

اس لئے ہمیں چاہئے کہ وہ کام اور وہ رسوم جو انبیاء کرام علیھم السلام نے نہیں کیے۔ یا پھر صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین اور تابعین رحمھم اللہ نے نہیں کیئے، اور جن کی اسلام میں نہ تو گنجائش ہے اور نہ ہی حکم، ان سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔

افلاطون کا عجیب وغریب فلسفہ

فلاسفہ میں سے افلاطون نے بھی ایک منتشر سا ذریعہ نظریہ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سے سوال ذہنوں میں ابھرے۔ اور فلاسفہ نے مختلف سمتوں میں کام شروع کر دیا۔ میرے نزدیک

Marfat.com

افلاطوں کا (تصور کائنات) بھی اندھیرے میں ٹھوکر کھانے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ ایک خالق و صانع کے لئے اپنی کسی تخلیق کو کسی بھی رنگ میں پیش کرنا کسی طرح بھی مشکل نہیں ہے افلاطوں کا تصور کائنات ملاحظہ کیجئے بعض لوگ اسے افلاطوں کا تحریف شدہ فلسفہ بھی کہتے ہیں۔

''اس کائنات کی اپنی حیثیت کیا ہے کیا یہ حقیقی دنیا ہے یا کسی دنیا کا عکس ہے اور حقیقی وجود سے صرف مثل اور تصورات ہی بہرہ مند ہیں۔ اور یہ عالم رنگ و بو اُسی مثل کا سایہ ہے''۔

یہ عبارت پڑھنے کے بعد میں نے اپنے وجود میں نظر دوڑائی تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بے شک فانی پیدا کیا ہے۔ مگر میرا وجود نہایت مکمل اور اپنے وقت میں بالکل یقینی ہے کائنات اپنی جگہ نہایت مکمل اور بالکل حقیقی ہے۔ ہماری آنکھیں جو دیکھتی ہیں اور ہاتھوں سے ہم جن چیزوں کو محسوس کرتے ہیں وہ بالکل حقیقی اور مکمل ہیں اور چونکہ یہ دنیا خود معرض وجود میں نہیں آئی اس لئے اس سلسلے میں ہمیں ''عکس اور مثل'' کے استعاروں میں الجھنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک ماننے کے بعد ان افکار کی میرے نزدیک کوئی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی اگر ہم ان افکار پر غور کریں گے تو قدم قدم پر ہمیں شرک کا سامنا رہے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کے مراحل تک ظاہر فرمادیئے ہیں ساتھ ہی ساتھ یہ حکم بھی فرمادیا ہے کہ ہم نے اس سب کارخانہ زندگی کی تباہی کا وقت بھی مقرر کردیا ہے۔ جب یہ زمین و آسمان اور سورج اور چاند تباہ ہوجائیں گے اور پھر نئے سرے سے ایک اور جہاں کو پیدا کیا جائے گا۔ اور جہاں دوبارہ پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل امر نہیں۔ اور جہاں تک اس کارخانہ فانی کی حیثیت ہے تو اس سلسلے میں بھی اللہ تعالیٰ نے چیلنج فرمایا ہے۔ ارشاد ہے!

''کہ میری اس کائنات میں نظر دوڑاؤ۔ بار بار نظر دوڑآؤ۔ تو تمہاری نگاہیں تھکی ماندی ناکام لوٹ آئیں گی مگر تمہیں میری کائنات میں کوئی خامی نظر نہیں آئے گی''۔ (سورۃ ملک)

افلاطون تمام تر افکار اور دانش کے باوجود اپنے اردگرد کے مظاہر فطرت اور کائنات کے اٹل اور ناقابل تغیر نظام کو دیکھ کر بھی نہ جانے کیوں نہ سمجھ سکا۔ ''عکس اور مثل'' کے تصورات محض خیالی اور ہوائی گھوڑے ہیں اور کائنات کا نظام اس لئے حقیقی ہے کہ مالک نے اسے حقیقی اور محسوس ہونے والے عناصر کے ذریعے تخلیق فرمایا ہے۔ ''مثل اور عکس'' میں تصویر تو آسکتی ہے اس تصویر کی اشیاء کے خواص کو محسوس نہیں کیا جاسکتا۔ یہ عالم بیشک فانی ہے مگر جب تک ہے حقیقی ہے اس لئے کہ

- ہم سورج کی روشنی اور تپش کو محسوس کرتے ہیں۔
- ☆ رات کی تاریکی ہماری نظروں سے روشنی چھین لیتی ہے۔
- ہمیں سخت بھوک لگتی ہے تو روٹی سے، پھل سے ہمارا پیٹ بھرجاتا ہے۔

Marfat.com

☆ ہم ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہیں باتیں کرتے ہیں۔

○ ہم میں سے ہر شخص ایک نیا چہرہ نیا مزاج اور الگ انداز گفتگو لے کر پیدا ہوتا ہے۔

☆ قسم قسم کے درخت عین وقت پر پھل دیتے ہیں اور پھلوں کو ہم کھاتے ہیں اور ان کا ذائقہ محسوس کرتے ہیں۔

○ ہمارے جسم کے اندر کا نظام پوری طرح کام کرتا ہے۔

☆ خشک زمین میں بارش یا پانی ڈالنے سے زندہ درخت اگ آتا ہے۔

غرض کہ زندگی کا ایک ایک قدم بتاتا ہے کہ یہ نظام نہ تو عکس ہے اور نہ مثل یہ خالق کائنات کی اپنی تخلیق ہے اور حقیقی تخلیق ہے اگر ہم مثل کو تسلیم کریں گے۔تو پھر یہ خیال پیدا ہوگا کہ "کس کی مثل" اور اس مثل کا تخلیق کار کون ہے؟ اور عکس کا نظریہ افلاطون نے پیش تو کر دیا ہے مگر زندگی کے حقیقی رموز اس کی نفی کر رہے ہیں اور مثل پر اگر ہم غور کریں گے تو یہ راستہ ہی شرک ہے کیونکہ اس سمت قدم قدم پر عقل ٹھوکریں کھاتی ہے۔اور افلاطون سمیت دنیا بھر کے فلسفی قیامت تک محض ٹھوکریں کھاتے رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کے ہر تصور اور ہر خیال سے بلند ہے اور ہر انسانی تشبیہ سے بالاتر ہے انسان کی عقل اس دائرہ کار سے باہر نکل ہی نہیں سکتی جو اسے عطا کیا گیا ہے۔ہمارے لئے بہتر یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی حاکمیت پر ایمان لائیں اور ان غلط افکار سے چھٹکارا حاصل کریں جو ہمارے ایمان کو تہہ و بالا کرنے کے لئے شیطانی ہتھکنڈے ہیں۔حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ **التفکر فی ذات اللہ جھل والا شارات الیہ شرک و حقیقۃ المعرفۃ حیرۃ**
(ترجمہ) "یعنی اللہ جل جلالہ کی ذات میں سوچنا جہالت ہے۔اس طرف اشارہ کرنا شرک ہے۔اور معرفت کی حقیقت حیرت ہے۔

علامہ اقبال کا فلاسفہ کے بارے میں اظہار رائے (اقتباس از تاریخ تصوف)

اسلام سے پہلے ایرانیوں کے اندر یہ وصف فلسفہ موجود تھا اسلام کی تابنا کیوں سے خوفزدہ ہو کر ان ایرانیوں نے اسے کچھ عرصہ تک چھپائے رکھا۔لیکن جونہی وقت ملا قدامت پسند ایرانیوں نے ان افکار کا پرچار شروع کر دیا اور مختلف عنوانات سے لٹریچر کا آغاز کیا۔ایرانی شعراء اور ادیبوں نے اسلام کے اندر داخل ہو کر اسلامی شعائر کو عجیب و غریب رنگ میں پیش کرنا شروع کر دیا۔ایرانیوں نے فلسفہ میں جو چیزیں متعارف کرائیں ان کے کچھ تصوریوں ہیں۔

○ اسلام نے افلاس کو برا کہا مگر ایرانی شعرا نے اسے اعلیٰ درجہ کی سعادت قرار دیا۔

☆ تصوف کی تمام شاعری مسلمانوں کے زوال کے زمانے میں پیدا ہوئی۔

○ ترک دنیا کا فلسفہ اسلام کے خلاف ہے اور نا اہل قومیں اس پردے میں اپنی کمزوریوں اور سستی و کاہلی کو چھپاتی ہیں۔ ایران کی قوم کا قدیم مذہب زرتشتی تھا۔ ان کے نزدیک یزدان و اہرمن، نور و ظلمت ہیں۔ یعنی ایک ہی ہستی کے دو پہلو ہیں۔ اور ان کے نزدیک (معاذ اللہ) اس کے سوا کچھ نہیں کہ ذات خود اپنے ساتھ مصروف کارزار ہے اور کئی فرقے اس مسئلے پر پیدا ہو گئے۔ زندقہ اور مجوس۔ زندقہ کا عقیدہ اور تھا اور مجوسیہ کا اور، ایک دوسرا بنیادی نکتہ زرتشتی مذہب کا مہترا ہے جو دوسری صدی عیسوی میں قبل از اسلام رومن دنیا میں متعارف ہوا۔ اہل مہترا کا عقیدہ تھا کہ روح انسانی نور ربانی کا ایک ذرہ ہے۔ اور زرتشتی فرقوں میں وحدت اور ثنویت کی یہ جنگ نوشیرواں عادل کے زمانے تک جاری تھی۔ اور چھٹی صدی عیسوی میں یونانی فلاسفہ کی کتب ساسانی زبان میں مترجم ہو کر آئیں تو عجم میں عقائد کے نئے نئے دروازے کھل گئے۔

یہ نئی اصطلاحات سادہ دل اور مخلص مسلمانوں کے لئے ناقابل فہم تھیں اور اہل ایمان اسلام کی وہی صورت دیکھنا چاہتے تھے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو طواف کرتے ہوئے نئی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے سنا تو سخت تنبیہ کی اور فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ایسے الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے اصل توحید تو وہ ہے جس کی دعوت رسول اللہ ﷺ نے دی اور جس کا ذکر قرآن میں ہے اور جس توحید پر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ایمان لائے۔ یہ اصطلاحات سوائے ذہنوں کو الجھانے کے اور کوئی معنی و مفہوم اپنے اندر نہیں رکھتیں۔ اور کتاب اللہ سے ہٹ کر کوئی سا دوسرا نظریہ اور کوئی سا دوسرا راستہ عقل و دانش اور سچی توحید کا راستہ نہیں ہے۔ اصل میں مسلمانوں کے اندر یہ فکری تباہی اس وقت آئی جب مسلمانوں نے یونانی اور فارسی فلسفہ کو اپنایا جس طرح علامہ اقبالؒ تاریخ تصوف میں لکھتے ہیں۔

''فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے پر مسلمانوں نے مفتوح اقوام کے علوم و فنون کی طرف توجہ کی بالخصوص یونانی فلسفہ میں مسلمانوں کی دلچسپی کی کوئی انتہا نہ رہی مگر مسلمانوں کی ذہنی تاریخ میں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یونانی فلسفہ مسلمانوں میں خراسان اور شام کے عیسائی مترجمین کے عربی ترجموں کی وساطت سے داخل ہوا۔ اور یہ لوگ غلطی سے افلاطونیت جدید کو ارسطو اور افلاطون

کا فلسفہ تصور کرتے تھے۔ پلوٹائنس کی کتاب انیڈز کا ترجمہ عربی میں کیا گیا۔ اور اس کا نام "الہیات ارسطو" رکھا گیا۔

متاخرین نے بایزید بسطامی کے بارے میں بھی بہت کچھ گھڑ رکھا ہے۔ اور اس عقیدہ کی دلیل ہمارے پاس عبداللہ محمد انصاری ھروی کا قول ہے۔ جس کے حوالے سے مولانا جامی نے نفحات الانس میں تحریر کیا ہے کہ بایزید رضی اللہ عنہ پر بہت سا جھوٹ لوگوں نے لگایا ہے اور حضرت بایزیدؒ کا دامن اس قسم کے شطحیات سے ہمارے نزدیک بالکل پاک ہے۔ (بحوالہ تاریخ تصوف)

دوسروں کو حاجب روا سمجھ کر شرک کرنے والے

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ

(ترجمہ) "بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کا شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت کرتے ہیں۔ جیسی اللہ سے۔" یہاں ان لوگوں کے بارے میں بیان کیا گیا ہے جو اوروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیتے ہیں۔ اور ان کی محبت اس طرح دل میں بسا لیتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہے۔ یہاں اوروں سے مراد بت نہیں ہیں۔ بلکہ وہ لوگ ہیں جن سے کوئی انسان ایسی امیدیں وابستہ کر لے جیسے اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہیں۔ ان کو اپنی زندگی کا مالک ومختار بنا لے۔ ان کو ہر ایک حاجت کا مدوا سمجھ لے ان کے دروازوں پر ہی اپنی کامیابیوں کو تلاش کرنے لگے تو یہ شرک ہوگا کیونکہ اس کائنات میں بیشک اسباب کا نظام تو قائم ہے مگر اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہی غالب ہے۔ اور کوئی بھی دولت مند، حکمران یا ارباب اختیار بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ قیامت کے دن وہ تمام مخلوقات اور لوگ جن کو ان مشرکوں نے پیشوا بنا رکھا تھا ان سے بیزاری کا اظہار کر کے الگ ہو جائیں گے اور یہ وقت ان مشرکوں پر بہت بھاری ہوگا اور انہیں نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آئے گی اور وہ کہیں گے کہ اگر ہم اب دنیا میں پھر جائیں تو ہم بھی ان سے اسی طرح بیزار ہو جائیں جس طرح یہ آج ہم سے بیزار نظر آ رہے ہیں ہم ان کی طرف وہاں دیکھنا بھی گوارا نہیں کریں گے اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے۔ اس لئے ہمیں اپنے شب وروز میں بھی احتیاط کرنا چاہیئے کہ کہیں ہم سے کوئی ایسا کام سرزد نہ ہو۔ اور نادانستگی میں ہم کسی سے ایسی توقع نہ لگا بیٹھیں جیسی اللہ تعالیٰ سے لگائی جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی غیرت گوارا ہی نہیں کرتی کہ اس کے سوا کسی اور سے ایسی توقع لگائی جائے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

Marfat.com

توحید باری تعالیٰ اور اسلام

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰئِكَةُ وَاُولُوالْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَالْعَزِيْزُالْحَكِيْمُ (آل عمران)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور اہل علم بھی (یہی گواہی دیتے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ (القرآن)

یہاں اللہ تعالیٰ خود گواہی دے رہا ہے اور اس کی گواہی کافی ہے۔ وہ سب سے زیادہ سچا ہے۔ سب سے زیادہ سچی بات اسی کی ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے اس کی پیدا کردہ ہے۔ وہ سب سے بے نیاز ہے یکتا اور لاشریک ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ فرشتوں اور صاحب بصیرت اور سلیم الفطرت علماء کی شہادت کو بھی ملا رہا ہے وہی معبود حقیقی ہے۔ وہی غالب ہے عظمت اور کبریائی اسی کی صفت ہے۔ وہ اپنے پیدا کردہ نظام کو نہایت دانش و حکمت' اور قدرت کاملہ کے ساتھ قائم رکھے ہوئے ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا۔

وَاِنِّیْ عَلٰی ذَالِکَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ

کہ میں بھی ان گواہوں میں شامل ہوں۔

حضرت غالب بن قطانؒ فرماتے ہیں کہ میں تجارت کے سلسلے میں ایک مرتبہ شہر کوفہ گیا اور حضرت اعمشؒ کے قریب ٹھہرا۔ رات کو حضرت اعمشؒ تہجد کے لئے کھڑے ہوئے جب وہ قرآن کی تلاوت کرتے کرتے اس آیت پر پہنچے۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَام۔ تو فرمایا۔

وَاَنَا شَاهَدَ بِمَا شَهِدَ اللّٰهُ بِهٖ اَسْتَوْدَعَ اللّٰهُ هٰذِهِ الشَّهَادَةُ وَهِیَ لِیْ عِنْدَ اللّٰهِ وَدِيْعَةٌ

یعنی میں بھی شہادت دیتا ہوں اس کی جس کی شہادت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی اور میں اپنی اس شہادت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ میری امانت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور کئی دفعہ آیت مبارکہ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِ سْلَام کو پھر دہرایا۔

غالبؒ کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ ہوسکتا ہے اس بارے کوئی حدیث سنی

ہو۔ چنانچہ صبح حاضر ہوا اور عرض کی اعمش "کیا بات تھی جو آپ بار بار اس آیت مبارکہ کی تلاوت کرتے رہے۔ انہوں نے جواب دیا کیا تمہیں اس کی فضیلت معلوم نہیں مجھ سے ابو وائل نے حدیث بیان کی ہے اس نے عبداللہ سے سنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس کے پڑھنے والے کو قیامت کے دن لایا جائے گا تو اللہ جل جلالہ فرمائے گا۔ میرے اس بندے نے میرا عہد لیا ہے اور میں عہد کو پورا کرنے میں سب سے زیادہ ہوں۔ میرے اس بندے کو جنت میں لے جاؤ۔

اسلام ہر زمانے کے پیغمبر کی تابعداری کا نام ہے۔ اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اس لئے جو شخص بھی اب حضور ﷺ کی شریعت مطہرہ کے سوا کسی اور طریقے پر عمل کرے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ جیسے ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِ سْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ

جو شخص اسلام کے سوا اور دین لائے گا وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی آیات نازل ہو چکی ہیں اب جو ان کا انکار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے جلد ہی حساب لے گا۔ ارشاد فرمایا! کہ جو لوگ توحید باری کے بارے میں جھگڑے کریں تو کہہ دیجئے کہ میں خالص اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کروں گا کہ نہ تو اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی اس کی مثل ہی کوئی ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ

کہہ دیجئے کہ میری راہ یہی ہے میں خوب سوچ سمجھ کر اور دیکھ بھال کر تمہیں اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ میں بھی اور میرے تابعدار بھی۔

اس کے بعد حکم دیا گیا۔ اے نبی ﷺ یہود و نصاریٰ سے جن کے ہاتھوں میں کتاب ہے اور مشرکین سے جو ان پڑھ ہیں، کہہ دیجئے! کہ تم سب کی ہدایت اسلام میں ہے۔ اور اگر یہ نہ مانیں تو کوئی بات نہیں آپ اپنا فریضہ تبلیغ ادا کر چکے اللہ تعالیٰ خود ان کو دیکھ لے گا۔ ان سب کو لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے۔ مسند عبدالرزاق میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم۔ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس امت میں سے جس کے کانوں میں میری نبوت کی آواز پہنچے اور وہ میری لائی ہوئی چیز پر ایمان نہ لائے خواہ یہودی ہو یا نصرانی اور اسی بے ایمانی کی حالت میں مر جائے تو وہ جہنمی ہوگا۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی اور بخشش کی امید

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (آل عمران)

ترجمہ: جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لا چکے۔ پس ہمارے گناہ معاف فرما۔ ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ جو صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور فرمانبرداری کرنے والے اور راہ خدا میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں۔ (القرآن)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں کے اوصاف بیان فرما رہا ہے کہ جو کہتے ہیں۔ اے ہمارے اللہ العالمین ہم تجھ پر تیری کتابوں پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لائے۔ ہمارے اس ایمان کے باعث جو ہم تجھ پر لائے ہیں تو ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور آخرت کے دردناک عذاب سے نجات عطا فرما۔ یہ متقی لوگ ہی اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتے ہیں۔ اور حرام چیزوں سے کنارہ کش رہتے ہیں صبر سے کام لیتے ہیں کسی کی دل آزاری نہیں کرتے کسی کو اپنے سامنے سرنگوں دیکھنے کے خواہش مند نہیں ہوتے۔ مال و دولت جمع کر کے نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاں حکم ہے خرچ کرتے ہیں۔ برائیوں کو روکتے ہیں حاجت مندوں، مسکینوں اور فقیروں کے ساتھ احسان کرنے میں سخاوت سے کام لیتے ہیں پچھلی رات یعنی سحری کے وقت اٹھ اٹھ کر استغفار کرتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سحری کے وقت کا استغفار بہت فضیلت والا ہے جیسے قرآن کریم میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تھا "سوف استغفر لکم ربی (یعنی میں ابھی تھوڑی دیر میں تمہارے لئے اپنے رب سے بخشش طلب کروں گا) اس سے مراد بھی سحری کا وقت ہے۔ صحیحین کی حدیث میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کو آخری تہائی رات میں فرماتا ہے کوئی سائل ہے جسے عطا کروں۔ کوئی دعا مانگنے والا ہے کہ اس کی دعا کو قبول کروں۔ کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رات کو تہجد پڑھتے رہتے اور اپنے غلام نافع سے پوچھتے کیا سحر ہو گئی۔ جب وہ جواب دیتے کہ ہاں تو پھر آپ صبح صادق کے نکلنے تک دعا اور استغفار میں مشغول رہتے۔ حضرت حاطبؓ فرماتے ہیں کہ سحری کے وقت میں نے سنا کہ کوئی شخص مسجد کے کسی گوشے میں کہہ رہا ہے یا اللہ تو نے

Marfat.com

مجھے حکم کیا میں بجالایا یہ سحر کا وقت ہے مجھے بخش دے۔ میں نے جا کر دیکھا تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں حکم کیا جاتا تھا کہ ہم تہجد کی نماز پڑھیں۔ تو سحری کے آخری وقت ستر مرتبہ استغفار کریں اور بخشش کی دعا کریں۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حکومت عطا کرتا ہے اور جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلِ اللّٰھُمَّ مالِکَ الْمُلْکِ تُوءْ تِي الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِ عُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ تُعِزُّ مَنْ تَشَآ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِ کَ الْخَیرُ ط اِنَّکَ عَلیٰ کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ تُولِجُ الَّیلَ فِی النَّھَارِوَتُولِجُ النَّھَارَ فِی الَّیلِ وَتُخرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَترزقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیرِ حِسَابٍ ۝ (سورۃ آل عمران)

اے نبی (ﷺ) کہہ دیجئے اے میرے معبود تمام کائنات کے مالک تو جسے چاہے بادشاہی عطا کرے۔ اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ تیرے ہی ہاتھوں میں سب بھلائیاں ہیں۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے۔ اور تو ہی جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے۔ اور تو ہی جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ اعلان فرمارہا ہے کہ کائنات کا حقیقی مالک وہی ہے اور اصل حکومت اسی کی ہے اور وہ جسے چاہے حکومت عطا کرے اور جس سے چاہے اس کی طاقت وسطوت اور شان و شوکت چھین لے درحقیقت ہر ایک اللہ جل جلالہ کا ہی محتاج ہے۔ زمین و آسمان، سورج اور چاند پر پورا پورا قبضہ اسی کا ہے اور وہ ایک ایک ذرے پر قادر ہے کوئی بھی اس کے حکم کے بغیر ادھر ادھر نہیں ہوسکتا۔ زمین کی جو نعمتیں آج انسان کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی وہ انسان کے لئے مسخر ہیں۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو کوئی انسان ایک ذرے تک کو اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے۔ بنی نوع انسان ہی کی تاریخ لے لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنے نافرمانوں کو ہلاک کیا۔ اور کتنے ہی غریب اور بے بس لوگوں کو اقتدار کی نعمت عطا فرمائی۔ اور پھر رات اور دن کا نظام بھی اسی کا مقرر کردہ ہے۔ رات اور دن اپنے قائم کردہ اوقات میں آتے ہیں۔ کبھی وہ دن کو پھیلا دیتا ہے اور کبھی رات کو بڑھا دیتا ہے۔ یہ بھی اس کی

Marfat.com

قدرت کاملہ کی کرشمہ سازی ہے۔ اور زمین کو ہی دیکھئے کہ بالکل ویران اور خشک معلوم ہوتی ہے جب اس میں بیج ڈالا جائے تو پھر ایک زندہ درخت اس سے نکل آتا ہے۔ اور ایسی بھی بہت سی مثالیں ہیں کہ زندہ جانداروں کے پیٹ سے مردہ بچے پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ بھی اس کا اپنا نظام اور اپنا حکم ہے کہ وہ کسی اور کی مرضی کا پابند نہیں ہے۔ اور حکومت اسی کو عطا کرتا ہے جو اس کی تابعداری کریں۔ ان قوموں اور افراد کو ذلیل کر دیتا ہے جو نافرمانی کرتے ہیں۔ اس لیے یہاں یہ بات بالکل عیاں ہے کہ بندہ اپنے رب کے حضور جتنا جھکے گا اور جتنی اطاعت کرے گا اسے اسی کے مطابق عزت و مرتبہ عطا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا مالک ہے۔

دلوں کے بھید جاننے والا مالک

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ''(بقرہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک ہے اور تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس کا حساب تم سے لے گا پھر جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے سزا دے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہاں بیان فرمایا جا رہا ہے۔ کہ زمین و آسمانوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ ظاہر اور چھپی ہوئی چیزوں کا علم رکھتا ہے۔ ہر مخفی اور ظاہر کا وہ حساب لینے والا ہے۔ جس طرح ایک اور جگہ بھی ارشاد ہے۔ (ترجمہ) ''کہہ دیجئے کہ تمہارے سینوں میں جو کچھ ہے۔ اسے خواہ تم چھپاؤ یا ظاہر کرو۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا بخوبی علم ہے۔ وہ آسمان اور زمین کی ہر چیز کا پوری طرح علم رکھتا ہے اور بھرپور قدرت رکھتا ہے۔'' ایک اور جگہ بھی ارشاد فرمایا ''وہ پوشیدہ اور اعلانیہ چیزوں کو خوب جانتا ہے'' یہاں اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ حساب لے گا۔ جب یہ آیت اتری تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت پریشان ہو گئے۔ اپنے یقین اور ایمان کامل کی وجہ سے وہ کانپ اٹھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ ﷺ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد و صدقہ وغیرہ کا تو ہمیں حکم ہوا جو ہماری طاقت میں تھا۔ لیکن اب جو آیت اتری ہے اس کی برداشت کی طاقت ہم میں نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ پھر کیا تم یہود و نصاریٰ کی طرح یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم نے سنا اور نہیں مانا۔ تمہیں چاہئے کہ کہو کہ یا اللہ! ہم نے سنا اور مانا اور ہم تیری بخشش کے طلبگار ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر آنا

Marfat.com

ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبانوں پر مغفرت کی دعا کے یہ کلمات جاری ہوگئے۔ چنانچہ آیت امن الرسول اتری۔ صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مغفرت اور بخشش کی دعا عطا فرمائی۔ اور اس میں یہ الفاظ آئے کہ یا اللہ ہماری بھول پر ہماری گرفت نہ فرما۔ اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے اگلوں پر ڈالا۔ ایک اور روایت میں حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر واقعہ بیان کیا کہ ایک بار حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت قرآن کی تلاوت فرمائی اور بہت روئے۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہی حال باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی ہوا تھا۔ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی اور انہوں نے یہ بھی عرض کی تھی کہ ہم دلوں کے مالک نہیں۔ اگر دلوں کے خیالات پر پکڑے گئے تو بڑی مشکل ہوگی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کہو سمعنا و اطعنا۔ یعنی ہم نے سنا اور اطاعت بجالائے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالکل یہ تسلیم و رضا کے الفاظ کہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رحمت فرمائی۔ وسوسے اور خیال سے پکڑ تو اٹھ گئی مگر عمل پر برقرار رہی۔

صحیح حدیث میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلی وسوسوں سے درگزر فرمالیا صرف اعمال پر گرفت ہوگی۔ اس حوالے سے بخاری و مسلم میں روایت ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ برائی کا ارادہ کرے تو اسے نہ لکھو جب تک وہ برائی نہ کرگزرے۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ بڑا برباد ہونے والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی وسعت کرم کے باوجود برباد ہوجائے۔ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں عرض کیا کہ کئی مرتبہ تو ایسے ایسے وسوسے دل میں اٹھتے ہیں کہ زبان پر انہیں لایا ہی نہیں جاسکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ صریح ایمان ہے۔ (بخاری و مسلم) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی بلکہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو جمع فرمائے گا تو ارشاد فرمائے گا کہ میں تمہیں تمہارے دلوں کے بھید بتاتا ہوں جس پر میرے فرشتے بھی آگاہ نہیں پھر مومنوں کو خبر دے کر معاف فرمادے گا۔ ہاں البتہ منافقوں اور کافروں کو ان کے مکروہ وسوسوں کی وجہ سے پکڑ ہوگی۔ جس طرح ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ۔ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے دل کی کمائی پر پکڑ لے گا۔ حسن بصریؒ بھی اسے منسوخ نہیں کہتے۔ امام ابن جریرؒ بھی اس قول کو پسند کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حساب اور چیز ہے عذاب اور چیز ہے حساب لیے جانے کو عذاب کہا جانا لازم نہیں کیونکہ حساب کے بعد ممکن ہے معاف ہوجائے اور ممکن ہے کہ پکڑ ہو اور سزا دی جائے۔

اللہ جل جلالہ، ستار العیوب

اس ضمن میں ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے حضور ﷺ سے سرگوشی کے متعلق کیا سنا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے والے کو پاس بلا لے گا۔ یہاں تک کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا۔ اور پھر اس سے فرمائے گا کہ بتا کہ فلاں گناہ تو نے فلاں دن کیا۔ وہ غریب اقرار کرتا جائے گا۔ جب بہت سے گناہوں کا اقرار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے ارشاد فرمائے گا سن! دنیا میں بھی میں نے تیرے ان عیوب کی پردہ پوشی کی اور اب آج کے دن ان تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہوں۔ اب اسے اس کی نیکیوں کا صحیفہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ہاں البتہ کفار اور منافقین کو عام مجمع کے سامنے رسوا فرمائے گا۔ ان کے گناہ ظاہر کر دیئے جائیں گے اور پکار دیا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹا بہتان باندھا۔ ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کے راستے میں اتحاد

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

"ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے اور دیکھو کہ مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال کر تمہیں آپس میں بھائی بھائی بنا دیا"۔ (القرآن)

اللہ تعالیٰ سے پورا پورا ڈرنا تو یہ ہے کہ اس کے تمام احکامات کی اطاعت کی جائے۔ اسے ہر وقت حاضر و ناظر سمجھا جائے اور مومن ایک ایک سانس کو اس کی یاد میں صرف کرے۔ اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ ہر وقت اس کا ذکر کیا جائے۔ اس کا شکر کیا جائے۔ کفر سے بالکل دور رہا جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق ادا نہیں کر سکتا جب تک اپنی زبان کو قابو میں نہ رکھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے رہو اور اس کے کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کرو یہاں تک کہ خود اپنے نفس پر عدل کے احکام جاری کرو۔ اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد کے بارے میں بھی عدل و انصاف برتا کرو۔ پھر بتایا کہ اسلام پر ہی مرنا یعنی تمام زندگی اس پر قائم رہنا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی حکومت کو تسلیم کرنا۔ تاکہ موت بھی اسی طریق زندگی پر آئے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت ہی یہ ہے کہ انسان

Marfat.com

جیسی زندگی رکھے گا ویسے ہی اسے موت دیتا ہے اور جس موت مرے اسی پر قیامت کے دن اسے اٹھایا جائے گا۔ مسند احمد میں ہے کہ لوگ ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے ان کے ہاتھ میں لکڑی تھی۔ بیان کرنے لگے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی پھر دوزخ کے احوال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر زقوم درخت کا قطرہ بھی زمین پر گرا دیا جائے تو دنیا والوں کی روزیاں بگڑ جائیں وہ کوئی چیز کھا پی نہ سکیں اور پھر یہ خیال کرو کہ ان اہل جہنم کا کیا حال ہوگا کہ جن کا کھانا پینا ہی یہ زقوم کا درخت ہوگا۔ ایک اور حدیث پاک میں ہے۔ رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص جنت میں جانا چاہتا ہو اور جہنم سے نجات حاصل کرنے کا خواہش مند ہو اسے چاہئے کہ اپنی موت تک اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے۔ (مسند احمد) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرا بندہ میرے ساتھ جیسا گمان رکھے میں اس کے گمان کے پاس ہی ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پر امید ہے۔ تو میں اس سے بہتر سلوک کروں گا۔ اور اگر وہ میرے ساتھ بدگمانی کرے گا تو میں بھی اس سے اسی طرح پیش آؤں گا۔ (مسند احمد) ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ایک بیمار انصاری کے اس گھر تشریف لے گئے اور سلام کر کے فرمانے لگے کہ کیسے مزاج ہیں۔ اس نے کہا الحمد للہ اچھا ہوں اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہوں۔ اور اس کے عذابوں سے ڈر رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سنو۔ ایسے وقت جس دل میں خوف اور لالچ دونوں ہوں اسے اللہ تعالیٰ اس کی امید کی چیز دیتا ہے۔ اور ڈر خوف کی چیز سے بچاتا ہے۔ (ابن کثیر)

بحبل اللہ کا مفہوم

اللہ تعالیٰ کی رسی یہ قرآن مجید، سنت و شریعت محمد یہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور اس کی سیدھی راہ ہے۔ یہ سراسر شفا دینے والا اور نفع بخش ہے۔ اس پر عمل کرنے والا ہی نجات پائے گا۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دوسرے راستوں میں تو شیاطین چل پھر رہے ہیں تم اللہ تعالیٰ کے راستے پر آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور یہ رسی قرآن مجید ہے۔ اختلاف نہ کرو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات ختم نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ تین باتوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور تین باتوں سے ناراض ہوتا ہے جن امور میں وہ خوش ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔

1- اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

2- اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

3- نیک اور مومن حکمران کی خیر خواہی کرو۔

Marfat.com

اور جن تین باتوں سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔

1- بلاضرورت گپ شپ اور فضول بکواس۔

2- کسی سے بھی زیادہ سوال۔

3- فضول خرچی یعنی فضولیات میں مال کی بربادی۔

اتفاق کی بہت سی برکتیں ہیں اور نا اتفاقی میں بہت سے نقصانات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اہل اسلام کو اپنی نعمت یاد دلائی کہ جس کے سبب مسلمان ایک ہو گئے تھے۔ غالباً یہ یادداشت اوس اور خزرج کے درمیان جنگی تنازعات اور آئے دن کے جھگڑوں کے بارے میں ہے۔ (دیکھئے کتاب سیرت سید المرسلین) لیکن بہرحال اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور عقیدہ توحید ورسالت کی بدولت قیامت تک آنے والے مسلمان آپس میں بھائی بھائی رہیں گے۔ ہاں وہ لوگ جو امت مسلمہ میں نفاق وتفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں ان پر جو دردناک عذاب ہوگا وہ قیامت میں ہر دیکھنے والا باآسانی دیکھ لے گا۔

امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات اور قیامت کے دن امت محمدیہ کا مقام

کائنات کے تمام ذروں سے کروڑوں گنا زیادہ تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے حضور ﷺ کی امت پر بے انتہا احسانات فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ

(ترجمہ) بیشک تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں۔ تم اوروں کے حق میں سب سے بہتر ہو تم لوگوں کی گردنیں پکڑ پکڑ کر اسلام کیطرف جھکاتے ہو۔ حضرت دردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کونسا شخص بہتر ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا سب لوگوں سے بہتر شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والا ہو۔ سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔ سب سے زیادہ اچھائیوں کا حکم کرنے والا ہو۔ (مسند احمد) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں جنہوں نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ آیت ساری امت کو شامل ہے۔ رسول اللہ

Marfat.com

ﷺ فرماتے ہیں کہ تم نے اگلی امتوں کو ستر تک پہنچایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب سے بہتر اور سب سے زیادہ بزرگ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ مجھے وہ نعمتیں عطا کی گئی ہیں کہ مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں فرمائیں گئیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ تو ارشاد فرمایا کہ میری مدد رعب سے کی گئی مجھے زمین کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ میرا نام احمد رکھا گیا۔ میرے لئے مٹی پاک کی گئی اور میری امت کو تمام امتوں سے بہتر بنایا گیا ہے۔ (مسند احمد) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوالقاسم سرور عالم ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے بعد ایک امت کھڑی کرنے والا ہوں جو راحت پر شکر کریں گے اور مصیبت میں طلب ثواب اور صبر کریں گے حالانکہ انہیں علم و حلم نہ ہو گا۔ جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں متعجب ہو کر سوال کیا کہ بغیر بردباری اور دوراندیشی کے یہ کیسے ممکن ہے؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ میں انہیں اپنا علم اور حلم عطا فرماؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار افراد جنت میں جائیں گے۔ جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔ سب یک دل ہوں گے۔ میں نے اپنے رب سے گزارش کی کہ یا اللہ اس تعداد میں اضافہ فرما۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور ستر ہزار اور بھی بخش دیئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ سن کر فرمایا کرتے تھے کہ پھر اس تعداد میں دیہاتوں والے اور خانہ بدوش بھی آجائیں گے۔ (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم دیر تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور باتیں کرتے رہے۔ پھر صبح جب خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سنو! آج کی رات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امت کے ساتھ مجھے دکھائے گئے بعض کے ساتھ چند افراد بعض کے ساتھ ایک گروہ اور بعض کے ساتھ ایک جماعت۔ جب موسیٰ علیہا السلام آئے تو ان کے ساتھ بہت سے لوگ تھے یہ جماعت مجھے پسند آئی میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ تو جواب ملا کہ یہ بنی اسرائیل ہیں میں نے پوچھا پھر میری امت کہاں ہے۔ تو جواب ملا اپنی دائیں طرف دیکھو۔ اب جو دیکھتا ہوں تو بے شمار مجمع ہے۔ جس سے پہاڑیاں بھی ڈھک گئی ہیں۔ اب مجھ سے پوچھا گیا کہو خوش ہو جس پر میں نے عرض کی اے میرے پروردگار میں راضی ہو گیا تو فرمایا گیا سنو! ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر ہو سکے تو ان ستر ہزار سے ہونا اگر یہ نہ ہو سکے تو ان سے ہونا جو پہاڑوں کو چھپائے ہوئے تھے اگر یہ بھی نہ ہو سکے

Marfat.com

تو ان سے ہونا جو آسمان کے کناروں کناروں پر تھے۔ (مسند احمد) حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مجھ سے میرے پروردگار کا وعدہ ہے کہ میری امت سے ستر ہزار شخص بغیر حساب عذاب کے جنت میں داخل فرمادے گا اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ تین لپیں بھر بھر کر میری امت میں سے جنت میں داخل کر دے گا۔ (کتاب السنن الحافظ ابی بکر بن عاصم) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صرف میری تابعدار امت اہل جنت کی چوتھائی ہوگی پھر فرمایا تیسرا حصہ پھر فرمایا نصف پھر فرمایا دو تہائی ہوگی۔

صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ ہم دنیا میں سب سے آخر میں آئے اور سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا بے حد و حساب شکر ہے جو وحدہ لاشریک ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور جو ہر ذرے کا مالک زمین و آسمانوں اور ہر ایک چیز کا حقیقی وارث ہے اس کے سامنے سجدہ شکر بجالانا چاہئے۔ جس نے امت محمدیہ کے لئے اپنی بخشش کے دروازے کھول کر جملہ مومنین کے لئے بخشش کو عام فرمایا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے

کتاب اللہ میں ارشاد ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْ امِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاصْلَحُوْ اَفَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

ترجمہ: مگر وہ لوگ جنہوں نے سچے دل سے توبہ کر لی اور اس کے بعد اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے اور خطا کاروں گنہگاروں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ مگر یہ توبہ فرشتہ موت کو دیکھ لینے سے پہلے ہو۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جو بھی ارادتاً یا غلطی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے وہ جاہل ہے۔ جب تک اس سے باز نہ آجائے۔ ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین فرمایا کرتے تھے! جو بندہ گناہ کرے وہ جہالت ہے۔ حضرت قتادہؒ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک مجمع سے اسی طرح روایت فرماتے ہیں۔ عطاءؒ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ جلد توبہ کرنے کے ضمن میں روایت ہے کہ ملک الموت کو دیکھ لینے سے پہلے عالم سکرات کو قریب کہا گیا ہے لہٰذا اپنی صحت میں توبہ کر لینا چاہئے کیونکہ غرغرے کے وقت سے پہلے کی توبہ قبول ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا قیامت کے قریب ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک غرغرہ شروع نہ ہو (ترمذی) جو بھی بندہ موت سے مہینہ بھر پہلے توبہ کرے یا ایک دن پہلے یا ساعت بھر پہلے

بھی تو اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے نیز جو بھی اخلاص اور سچائی کے ساتھ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی طرف جھکے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالیتا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ چار صحابی رضی اللہ عنہم ایک جگہ جمع ہوئے تو ان میں سے ایک کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص اپنی موت سے ایک دن پہلے بھی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ تو دوسرے نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص اپنی موت سے آدھا دن پہلے بھی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ تیسرے نے کہا میں نے سنا ہے کہ اگر ایک پہر پہلے توبہ کرلے تو بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ چوتھے نے کہا میں نے سنا ہے کہ جب تک نرخرے میں روح نہ آجائے توبہ کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔ (سبحان اللہ)

مرسل احادیث میں یہ مضمون ہے کہ حضرت ابو قلابہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب ابلیس پر لعنت فرمائی تو اس نے ڈھیل مانگی اور کہنے لگا یا اللہ تیری عزت جلال کی قسم جب ابن آدم کے جسم میں روح رہے گی اس کے دل سے نہیں نکلوں گا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا! مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم جب تک اس میں روح رہے گی اس کی توبہ قبول کروں گا۔

اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ بخشش کا طلبگار رہے زندگی کی مہلت نہ جانے کب ختم ہو جائے توبہ کر لینے میں بالکل دیر نہیں کرنی چاہئے۔ اسی میں فلاح اور نجات ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں! اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے اسے بخش دیتا ہے، جب تک پردہ نہ پڑ جائے۔ عرض کی گئی پردہ پڑنے سے کیا مراد ہے تو ارشاد فرمایا کہ شرک کی حالت میں جان کا نکل جانا۔ ایسے بدنصیبوں کے لئے سخت عذاب تیار ہے۔

شرک کرنے والے ہرگز نہیں بخشے جائیں گے

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

ترجمہ: ''بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا (اس بہت بڑے جرم کو) کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ۔ اور بخش دیتا ہے اس کے سوا''۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر واضح کر دیا ہے کہ وہ کسی بھی صورت شرک کرنے والوں کو نہیں بخشے گا۔ شیطانی قوتوں کی ہمیشہ سے یہ کوششیں رہی ہیں کہ وہ بنی نوع انسان کو شرک کی طرف راغب کر دیں کہ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ غیر اللہ سے ہر وہ توقع اور امید رکھنا جو صرف اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں شرک کہلاتا ہے۔ بت پرستی، انسان پرستی، آتش پرستی،

Marfat.com

سورج پرستی' سانپ پرستی' اور اس کے ساتھ وہ تمام رسومات جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کو حاجت روا تسلیم کر کے اپنائی جائیں شرک ہیں۔ توحید اسلام کو اختیار کرنے سے ہی کوئی بھی آدمی صحیح مومن ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ عبادت ریاضت کے تمام طور طریقے اور تمام عقائد وہی ہونے چاہیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیا ہے اور جن کی تشریح رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے اور سنت و شریعت محمدیہ پر پوری طرح عمل سے ہی انسان مشرکانہ عقائد و افکار سے بچ سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے مختار کل ہونے کا پرچار فرماتے رہے۔ اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا اتنا خوف رکھتے تھے کہ کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی۔ رسول اللہ ﷺ ہر وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے اس سے طلب کرنے اور اسی کے سامنے گڑگڑانے کا حکم فرماتے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے مشغول عبادت ہوتے۔ تو بعض دفعہ آپ ﷺ کی ہچکیوں کی آواز دور تک سنائی دیتی۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے اپنی لاڈلی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمادیا تھا کہ ''فاطمہ (رضی اللہ عنہا) قیامت کو صرف اعمال ہی کام آئیں گے حسب نسب کے فخر میں نہ رہنا'' اور پھر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں روزانہ کثرت سے استغفار فرماتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی حکم دیتے تھے۔ آپ ﷺ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار رہتے۔ اور اگر بعض دفعہ کوئی ایسی جلال والی آیت اترتی تو آپ ﷺ غمگین ہو جاتے اور چہرہ انور آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔

ہمیں تمام انبیاء کرام، رسول اللہ ﷺ اور جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ و تابعینؒ کے دور میں کوئی ایسی رسم نہیں دکھائی دیتی جو آج ہمارے ہاں عام طور پر ادا کی جاتی ہیں۔ مخلوقات سے رحمت وعطا کی امید' امراء اور حکمرانوں سے اپنی جملہ حاجات کے پورے ہونے کی توقع لگا لینا سب حرام اور شرک ہے۔ ہاں البتہ دنیا میں ہر کام کے اللہ تعالیٰ نے کچھ قوانین مقرر کر رکھے ہیں جیسے بچے کی خوراک کا انتظام اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے سپرد کر دیا ہے۔ صاحب علم کو تدریس کے فرائض سونپ دیے ہیں۔ نیک دل حکمران کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لئے خادم بنادیا ہے۔ بادلوں کے ذریعے بارش کا انتظام مقرر فرمادیا ہے۔ اور انسانوں کو قسم قسم کے پیشے روزی کے لئے عطا کیے ہیں۔ لیکن درحقیقت ہر ایک چیز کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ سب وسیلے اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اور یہ اسی قادر مطلق کا نظام ہے۔ ہر قسم کی بخشش وعطا صرف اور صرف اسی وحدہ لاشریک کی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو وسیلہ بنایا اور ان کے ذریعے اپنے احکام اور نظام عطا فرمائے ہیں۔ انبیاء کرام کی ہی وہ پاکباز جماعت ہے جس نے دنیا سے شرک وبت پرستی کے خاتمہ کے لئے اپنی زندگیاں صرف کر دیں سرزمین عرب جو بتوں کا مرکز بن چکی تھی اور صرف بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ حضرت محمد

Marfat.com

عربی ﷺ کی تشریف آوری سے بتوں سے سرزمین عرب پاک ہوگئی اور شرک جیسی نجاست اور غلاظت کا نام ونشان مٹ گیا۔

ہر لحہ ہمیں اپنے طرز عمل پر نظر رکھنا چاہئے کہ کہیں ہم کوئی ایسا کام تو نہیں کر رہے جو توحید اسلامی کے خلاف ہو کہیں ہم کسی پتھر کو' کسی درخت کو کسی انسان کو' کسی عمارت کو' کسی جانور کو یا کسی اور مادی جسم کو اپنا اِلہٰ تو نہیں سمجھ رہے۔ اور اگر ایسا محسوس ہو تو فوراً توبہ کر لینی چاہئے اور ایسے تمام مشرکانہ عقائد سے بچنا چاہئے ورنہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی گرفت تو اپنی جگہ' رسول اللہ ﷺ بھی کسی مشرک کی شفاعت کرنا تو ایک طرف دیکھنا بھی پسند نہیں فرمائیں گے۔ کیونکہ تمام انبیاء کرام اور رسول اللہ ﷺ کی آمد کا مقصد ہی شرک کا خاتمہ اور اللہ تعالیٰ کا نظام کرہ ارض پر نافذ کرنا ہے۔

چند مثالیں

ہم اپنی زندگی کے روزمرہ معمولات میں بھی نادانستہ طور پر شرک کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور ہم سے ایسے افعال سرزد ہو جاتے ہیں کہ ہماری نیت تو مشرکانہ نہیں ہوتی مگر ہم نادانستگی میں کر گزرتے ہیں۔

مثلاً ایک صاحب ایک خانقاہ میں خدمت کرتے رہتے تھے نماز نہیں پڑھتے تھے جب ان سے میں نے خود سوال کیا کہ نماز کیوں ادا نہیں کرتے تو انہوں نے جواب دیا کہ پیر صاحب نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ (معاذ اللہ)

- ایک صاحب کو دیکھا کہ جو نماز فجر دانستہ سورج نکلنے کے بعد ادا کرتے ہیں اور جب ان سے پوچھا گیا کہ قضا ہو جائے تو اور بات ہے مگر عادتاً بغیر عذر شرعی ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے تو بولے پیر صاحب نے اس کی اجازت دے رکھی ہے۔
- ایک صاحب دل کے مرض میں مبتلا تھے دوا نہیں پی رہے تھے سوال کیا کہ دوا کیوں نہیں لیتے تو جواب دیا کہ پیر صاحب نے کہا ہے دوا بیشک نہ لو تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔
- اکثر لوگ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے مختلف قسم کے جادو اور کالے عمل کرواتے ہیں۔
- لوگ نجومیوں اور کالے علم کا تعویذ گنڈا کرنیوالوں کے دروازوں سے اولاد' رزق' صحت' اور دوسری حاجات طلب کرتے ہیں جن کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اللہ کے کلام کی برکت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔
- خلاف اسلام رسوم کو اسلامی تہذیب وتمدن کے طور پر اپنا کر ایسے ایسے مظاہرے کیے جاتے ہیں کہ جن سے گستاخی اور بے ادبی کی بو آتی ہے۔

Marfat.com

توحید باری تعالیٰ اور بزرگان دین

اصلی توحید تو وہی ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیش کی ہے۔ اور اگر ہم متقدمین اور اصل بزرگوں کی کتابوں اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ شرک اور جہالت کے مظاہرے جو آج کل دیکھنے میں آرہے ہیں۔ بزرگان دین خدا کے فضل وکرم سے ان سے بہت دور تھے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ' سید علی ہجویریؒ' خواجہ معین الدین چشتیؒ' حضرت بابا فرید گنج شکرؒ' خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور مجدد الف ثانیؒ کی کتب اور تعلیمات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اللہ وحدہٗ لاشریک سے ایک ایک سانس میں ڈرتے تھے اور اپنا حاجت روا' مالک الملک اور قادر و مالک صرف اور صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کو سمجھتے تھے اور ان کی تعلیمات بھی یہی ہیں۔ یہ بزرگ ہمیں تعلیم دیتے ہیں کہ ایک سانس بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونا جرم ہے۔ (کشف المحجوب) یہ بزرگان دین شریعت کی سختی سے پابند تھے' اللہ جل جلالہ کے خوف سے تمام رات روتے اور آہ وزاری کرتے تھے' انسان پرستی کے سخت خلاف تھے' بادشاہوں کے درباروں کو ٹھکرا دیتے تھے' روکھی سوکھی کھا کر وقت گزارتے تھے' صبر کرتے تھے اور اتنے باہمت تھے کہ خانقاہوں میں چھپ کر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ شاہان وقت سے ٹکرا جاتے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے تن تنہا تبلیغ اسلام کے لئے نکل کھڑے ہوتے تمام تر سختیوں اور مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرتے رہتے۔ یہ نہ تو کسی کے آگے جھکے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا کوئی دوسری خواہش ان کے اندر پیدا ہوئی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آج کل جو رسوم دیکھنے میں آرہی ہیں یہ حضرات انکے مخالف تھے۔ سادہ لوح' مخلص اور نیک فطرت مومن اور مبلغ تھے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا کوئی دوسری غرض نہیں رکھتے تھے اور کسی قسم کی شعبدہ بازی انہیں ہرگز نہیں آتی تھی۔ جیسا کہ سید علی ہجویریؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں جعلسازوں کی شعبدہ بازی کا ذکر کیا ہے اور ان کے بھیانک چہروں کو بے نقاب کیا ہے۔ (پڑھیے کتاب کشف المحجوب)

تمام لوگ شرک کرنے لگیں تب بھی اللہ جل جلالہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے

زمین اور آسمان کی ہر چیز کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس کا حکم مانو! اس کی وحدانیت پر ایمان لاؤ' اس کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو' اور یہ بھی ارشاد فرمایا وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔ "یعنی اگر تم کفر کرو تو اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے" اور اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ بھی نہیں ہے وہ تو آسمانوں اور زمین اور ذرے ذرے کا

Marfat.com

تنہا مالک ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اگر تم اور تمام روئے زمین کے انسان کفر کرنے لگیں تو بھی اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور قابل تعریف ہے۔ جیسے ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے۔ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔ "انہوں نے کفر کیا اور منہ موڑ لیا اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے بے نیازی کی۔ اور اللہ بہت ہی بے نیاز اور تعریف کیا گیا ہے" اپنے تمام بندوں سے غنی! آسمانوں اور زمین کا مالک اور ہر شخص کے افعال پر گواہ ہے۔ وہ ہر چیز کا عالم اور ہر شے پر قادر ہے اگر تم اس کی نافرمانی کرو گے تو وہ تمہیں مٹا دے گا جیسے ایک اور آیت میں ہے کہ اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں مٹا دے گا جیسے ایک اور آیت میں ہے کہ اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بدل کر تمہارے سوا اور قوم لائے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں۔

اللہ جل جلالہ کے ہاتھ میں ہی ہے دنیا اور آخرت

وہ شخص جس کا مقصد اور تمام تر کوششیں دنیاوی فائدوں کے حصول کے لئے ہیں تو وہ جان لے کہ دونوں جہاں (دنیا اور آخرت) کی بھلائیاں اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں۔ اور جب بندہ اس سے دونوں طلب کرے تو وہ عطا فرما دیتا ہے۔ اسے لوگوں سے بے پرواہ کر دیتا ہے اور آسودہ کر دیتا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ کہ بعض وہ لوگ جو صرف دنیا کے طلبگار ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور کچھ ایسے باسعادت بھی ہیں جو دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں دنیا کی بھی بھلائیاں عطا فرما اور آخرت کی بھلائیاں بھی عطا کر اور جہنم کے عذاب سے ہمیں نجات دے۔ یہ ہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے اعمال کا پورا پورا حصہ ملے گا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ جو شخص آخرت کی کھیتی میں اضافہ کا ارادہ رکھتا ہو ہم اس کے اعمال میں اضافہ کر دیں گے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ دنیا کے طلبگاروں کو بھی کوئی کمی نہیں رہنے دی جاتی۔ امام ابن جریرؒ نے اس آیت کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ جن منافقوں نے دنیا کی جستجو میں ایمان قبول کیا تھا انہیں دنیا مل گئی لیکن آخرت میں انہیں دوزخ کی آگ اور طرح طرح کے عذاب ملیں گے۔ ایمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ آخرت میں جو کچھ ملے گا وہ کبھی نہ ختم ہونے والا ہے۔ مگر دنیا میں جو کچھ ملے گا۔ اس کی فنا کے سوا کوئی حقیقت نہیں۔ پرہیزگاروں کا انجام بہت اچھا ہے ایک بھی نیک عمل بیکار نہیں جائے گا۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو دنیا کے ساتھ ایسا ہی رہے کہ تمام دنیا اول سے آخر تک ایسے ہی ہو جیسے کوئی سویا ہوا شخص خواب میں اپنی پسندیدہ چیزیں دیکھے لیکن آنکھ کھلتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ کچھ نہ تھا ابو مطہر کے کلام کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

Marfat.com

وَلَا خَيْرَ فِي الدُّنْيَا لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ مِنَ اللّٰهِ فِيْ دَارِ الْمَقَامِ نَصِيْبُ
فَاِنْ تُعْجِبِ الدُّنْيَا رِجَالًا فَاِنَّهَا مَتَاعٌ مِّنْ فَنَاءٍ قَرِيْبُ

ترجمہ: یعنی اس شخص کے لئے دنیا بھلائی سے یکسر خالی ہے جسے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ملے گا گویا دنیا کو دیکھ کر بعض لوگ خوش ہو رہے ہیں لیکن دراصل یہ ایسا مال ہے جو بہت جلد فنا ہونے والا ہے۔

اللہ جل جلالہ کے بغیر اس کائنات کا تخلیق کا تصور جہالت ہے

فلسفیوں اور دہریوں حکماء اور دہریہ کی عقلیں ٹھوکریں کھا کھا کر ہلکان ہو رہی ہیں لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ فلاسفہ کی غیر مبہم اصطلاحیں اور منتشر سوچیں محدود دائرے میں بکھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ کائنات کا ناقابل تغیر نظام ایک ایک پھل، پھول اور ذرے ذرے میں انفرادیت و نفاست اور ان کا دائرہ کار یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ کائنات ایک ایسے منتظم کے زیر اثر ہے، ایک ایسے خالق کی تخلیق ہے کہ جس کی طاقتوں اور اختیارات کی کوئی حد نہیں ہے جس کے علم کے سامنے ہر علم ہیچ ہے۔ جس کی طاقت و قوت اور غلبہ کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہر ذرہ جس کی دلیل ہے۔ جو اتنا عظیم ہے کہ بلا دلیل اس پر ایمان لانے کو دل چاہتا ہے فلاسفہ کے تمام تصورات محض مکڑی کے جالوں کی طرح ہیں کہ جن کو دیکھ کر دماغ الجھ جاتا ہے۔ ان کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ایک پھونک سے یہ جالے بے نام و نشان ہو جاتے ہیں۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے ان فلاسفہ کے بارے میں خوب غور و فکر کیا۔ اور انہوں نے ان فلسفیوں کے افکار و خیالات کا رد کیا۔ امام غزالیؒ غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ فلاسفہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے کتاب البسیط، الوجیز، المنقذ من الضلال، المضنون به علیٰ غیر اهله، احیاء العلوم الدین، اور جواهر القرآن کے ذریعے ان نام نہاد فلاسفہ کا رد پیش کیا۔

اس بڑی کائنات کا وجود خالق کے بغیر معرض وجود میں ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ ہر چیز کا ایک منفرد نظام، ہر جاندار اور پھل پھول، ستاروں اور چاند سورج کا ایک دوسرے سے تعلق ثابت کرتا ہے کہ یہ سب کارخانہ زندگی کسی بہت بڑے علم رکھنے والے اور اختیار رکھنے والے اور آنے والے کل کے واقعات کا علم رکھنے والے خالق کی کرشمہ سازی ہے جیسے ایک حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میں ہی زمانہ ہوں اور بندہ زمانہ کو گالی دے کر مجھے اذیت دیتا ہے" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کائنات کے نظام کا صحیح حالت میں رہنا اس کا اپنی حدود و قیود میں کام کرنا ہی ایک بہت مضبوط دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف اس کائنات کا خالق و مالک ہے بلکہ وہ تمام تر نظام کو سنبھالے ہوئے ہے اور وہ زمان و مکان جو ہمارے لیے ہیں اس کی تخلیق ہیں۔ مختلف اوقات میں مختلف واقعات کا ہونا اس بات

Marfat.com

کی روشن دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات جاری وساری ہیں اور بہت سے ایسے واقعات آئے دن ہوتے رہتے ہیں کہ ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس تمام نظام کا کوئی خالق و مالک ہے اور ہماری پکار اور فریاد ضرور کہیں پہنچتی ہے۔ نظام فطرت کے مظاہر دیکھ کر کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ یہ کائنات کسی خالق و مالک کے بغیر چل رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ کا علم رکھتا ہے

بعض فلسفی علم الٰہی کے بارے میں بھی بے سروپا تاویلات کرتے ہیں۔ لیکن یہاں ہمارا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم کسی مقررہ حد کے اندر نہیں سما سکتا۔ یہ زمانی و مکانی علم اس کے علم کے سامنے ایک قطرہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس کے علم کا یہ حال ہے کہ نہ صرف قیامت تک آنے والے احوال بلکہ وہ ہمیشگی احوال جن کا نہ تو کوئی دائرہ مقرر کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی جن کی کوئی حد ہے وہ سب جانتا ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ قیامت کے بعد اتنے عرصے کے واقعات کہ جتنا زمین و آسمان رہے جانتا ہے۔ پھر ہم اس کو دگنا کر دیتے ہیں۔ تو جواب یہی ہے کہ جانتا ہے یعنی زمین و آسمان کے قیام کی مدت کو اربوں کھربوں کی تعداد میں بھی بڑھالیا جائے تب بھی اہل ایمان کا جواب یہی ہونا چاہئے کہ وہ جانتا ہے۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ اس کے علم کی کوئی حد نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشاد بھی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا علم اس کے شایان شان وسعت رکھتا ہے۔ اور انسان کو خبردار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ ''اور اللہ جانتا ہے مگر اے بنی نوع انسان تم نہیں جانتے۔'' یعنی ایک طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی لامحدود وسعت علم کا ذکر فرمایا ہے تو دوسری طرف یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ بنی نوع انسان کے ذہن کی رسائی ہی وہاں تک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت اور ایمان والوں کے بارے میں ارشاد فرما چکا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور اہل دوزخ بد نصیب کافروں کے بارے میں ارشاد فرما چکا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ جنت اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں کون رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی اور ہمیشگی کے بارے میں کوئی تصور کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے پوری کائنات اور جنت کے درختوں کے پتہ پتہ تک کو جانتا ہے۔ اور وہ اپنے علم سے یہ بھی جانتا ہے کہ کونسا شعلہ کس بدنصیب کو جلا ڈالے گا۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کونسا جنتی کس لمحے جنت میں جائے گا اور کون سی نعمت سے بہرہ ور ہو گا جیسا کہ بعض روایات میں واقعات بھی ہیں۔

بنی نوع انسان کا دماغ نہایت کمزور ہے اور سوچ و فکر نہایت محدود اس لیے وہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ خالق کون و مکان کے اختیارات و علم کی کوئی حد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی معرفت انسان کو اس کی ضرورت کے مطابق علوم سے آگاہ فرمایا اور انسانی تصورات کو نکتۂ توحید پر یکسو

Marfat.com

کرنے کا انتظام فرمایا۔ مگر فلاسفہ کی کم نگاہی میں کوئی خاص ردوبدل پیدا نہ ہوسکا۔ کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت اور تدبیر کو اپنی عقلی دلیلوں سے پرکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے نہ صرف یہ ناکام رہے بلکہ خود ان کی یہ سوچ ان کے لئے وبال جان بن گئی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے کسی بھی قائم کردہ مفروضہ سے پاک اور بلند تر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم کوئی ٹال نہیں سکتا

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَامُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی حکم کرتا ہے اور اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ اس کا حکم ایسا زبردست ہے کہ کسی کے اندر طاقت نہیں جو اسے ٹال سکے یا اس سے پہلوتہی کرسکے۔ ہاں انسان کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے مخصوص عمر میں بعض امور میں مختار بنایا ہے تاکہ اسے آزمایا جاسکے اس لئے انسان اس مہلت عمل کی وجہ سے غافل ہو جاتا ہے اور اتراتا ہے ورنہ اگر اللہ تعالیٰ انسان سے یہ اختیار چھین لے اور اس کو اپنے احکام کا مکمل طور پر پابند کردے تو انسان کی یہ جرات بھی نہ رہے کہ وہ بال برابر نافرمانی کا ارتکاب کرسکے۔ ہم روزمرہ کائنات فطرت کے نظام کو دیکھتے ہیں تو ہمیں سورج چاند، لاکھوں کروڑوں ستارے اور سیارے، زمین کا نظام، سمندروں کا نظام اللہ جل جلالہ کی اطاعت کرتا ہوا نظر آئے گا کسی کے اندر یہ جرات ہی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرسکے۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ اپنے حکم کے بارے میں ارشاد فرما رہا ہے کہ کائنات کی کوئی مخلوق اس کی نافرمانی کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ قیامت کے دن انسان سے بھی اختیار چھین لیا جائے گا اور اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک قدم اٹھانے کا بھی اختیار نہیں رہے گا۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا تب اسے احساس ہوگا کہ وہ کتنا بے بس ہے اور اس دن نہ تو انسان کا کوئی عمل قبول کیا جائے گا اور نہ ہی انسان کے پاس ذرہ سی بھی عمل کی مہلت رہے گی۔

اہل ایمان دنیا کی زندگی میں ہی تابعداری اور فرمابرداری کو اپنا شعار بنالیتے ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ بے شک ہم تیرے تابعدار ہیں اور تیرا حکم ٹالنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ اور اے ہمارے غالب ودانا اور طاقتوں کے مالک پروردگار، اے ہمارے اللہ تو ہر شرک سے پاک ہے۔ تیرے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرات نہیں۔ ہم تو تیرے حکموں کی تعمیل کو ہی زندگی سمجھتے ہیں۔ تیرے حکم سے نافرمانی کیوں کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے احکام اٹل ہیں جن میں

Marfat.com

ردوبدل کی گنجائش نہیں ہے اور یہ وسیع وعریض کائنات اللہ تعالیٰ کے جاری وساری احکام کے زیر اثر ہے پوری کائنات اس کا حکم ہی تو ہے اور جب تک اس کا حکم ہے کائنات کا وجود قائم رہے گا اور جو حکم اس نے مقرر فرما رکھا ہے اس کے مطابق کارخانہ زندگی قیامت کے دن ذرہ ذرہ ہو کر بکھر جائے گا۔

آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے۔ اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

(القرآن)

تمام حیوانات اور نباتات' سورج' چاند' ستارے' ہوائیں' کہکشائیں سمندر' دریا' صحرا سب اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔ لیکن انسان ان کی تسبیح کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ تمام اجسام فلکی اس کے مقرر کردہ راستوں کے پابند ہیں۔ حقیقی بادشاہ وہی ہے جس کی ملکیت میں زمین و آسمان ہیں زندگی اور موت اسی کے قبضہ میں ہے۔ ایک صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ میرے دل میں ایک کھٹکا ہے۔ لیکن زبان پر لانے کو دل نہیں چاہتا جس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مسکرا کر فرمایا کچھ شک ہوگا کہ جس سے کوئی محفوظ نہیں رہا جب کوئی شک پیدا ہو تو پڑھ لیا کر۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْئٍ عَلِيْمٌ

ترجمہ: "وہی پہلے ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے۔ اور ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے"۔ "یحییٰ" کا قول ہے۔ ظاہر اور باطن سے مراد اپنے علم کے ذریعے ظاہر اور پوشیدہ ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی قدرت اور اس کا غلبہ اور سلطنت ہر جگہ ہے۔ لیکن وہ اپنی ذات اقدس سے عرش پر متمکن ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

"کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے"۔ رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ ﷺ جمادات' نباتات کی تسبیح سنتے تھے۔ زمین کے پوشیدہ اندھیروں میں کوئی دانہ بھی ایسا نہیں جو اس وحدہ لاشریک کی تسبیح نہ کرتا ہو یا اس کے علم میں نہ ہو۔ آسمانوں میں جتنے فرشتے ہیں اس کی تسبیح کر رہے ہیں ان میں سے ایسے فرشتے بھی ہیں جو قیامت تک رکوع وسجود کی کیفیت میں رہیں گے۔ کائنات کو گوشہ گوشہ اس کا ثناخوان ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رات کے اعمال سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر دیے جاتے ہیں اور وہ ہر ایک کا نگہبان ہے۔ پرند'

چرند اور انسانی آنکھ سے اوجھل بے شمار مخلوقات بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی تسبیح خوان ہیں۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے تین کام کر لئے اس نے ایمان حاصل کر لیا۔ (1) اللہ تعالیٰ کی بے لوث اور بے ریا عبادت۔ (2) مال کی زکوۃ ہنسی خوشی ادا کرنا اور (3) تیسرا کام ہے اپنے نفس کو پاک کرنا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اس بات کو دل میں محسوس کرے اور یقین و عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ پر بندہ کے ساتھ ہے۔ (ابونعیم) جس طرح کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے

إذا ما خلوتَ الدَّهرَ يومًا فلاتقل خلوتُ ملكِنْ قل علىَّ نقيبُ
وَلَا تحسبنَ اللّٰهَ يَغفِلُ ساعةً وَلَا انَ ما يُخفىٰ عليهِ يغيبُ

جب تو بالکل تنہائی اور خلوت میں ہو اس وقت بھی یہ نہ کہہ کہ میں اکیلا ہوں بلکہ یہ کہتا رہ کہ مجھ پر ایک نگہبان ہے۔ اور کسی لمحے بھی اللہ تعالیٰ کو بے خبر نہ سمجھ اور کوئی بات کتنی ہی چھپی ہوئی اور پوشیدہ ہو یہ سمجھ لے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کو نور کی عطا

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعٰى نُورُهُم بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَبِاَيْمَانِهِم

اللہ تعالیٰ شرک و بت پرستی سے پاک اور اپنے رسول ﷺ کی شریعت مطہرہ پر عمل کرنے والوں کو ان کے نیک اعمال کے مطابق قیامت کے نور عطا فرمائے گا۔ (القرآن)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ بعض کا نور پہاڑوں کے برابر ہوگا۔ اور بعض کا کھجور کے درختوں کی طرح اور بعض کا کھڑے ہوئے انسان کے برابر۔ سب سے کم نور جس گنہگار مومن کا ہوگا اس کے پاؤں کے انگوٹھے پر نور ہوگا جو کبھی روشن ہوگا اور کبھی بجھ جائے گا (ابن جریرؒ)۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ بعض مومن ایسے بھی ہوں گے جن کا نور اس قدر ہوگا کہ جس قدر مدینہ سے عدن دور ہے اور صنعا دور ہے بعض کا اس سے کم بعض کا اس سے کم اور بعض ایسے بھی ہوں گے کہ جن کے قدموں کے پاس ہی اجالا ہوگا۔ (احادیث) حضرت جنادہ بن ابوامیہ فرماتے ہیں۔ لوگو! تمہارے نام مع ولدیت کے اور خاص نشانیوں کے اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھے ہوئے ہیں اسی طرح ہر انسان کا ظاہر و باطن بھی وہاں لکھا ہوا ہے اور قیامت کے دن نام لے لے کر پکار کر کہا جائے گا کہ اے فلاں یہ تیرا نور ہے۔ اور بدنصیبوں کو پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ تمہارا نور ہمارے ہاں نہیں ہے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں! سب سے پہلے سجدے کی اجازت قیامت کے دن مجھے دی جائے گی اور اس طرح سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھانے کا حکم بھی مجھے ہوگا میں آگے پیچھے اور دائیں بائیں نظریں دالوں گا اور اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ' حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ کی امت تک تمام امتیں ہی وہاں موجود ہوں گی ان میں سے آپ ﷺ اپنی امت کی شناخت کیسے کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مخصوص نشانیوں کی وجہ سے کہ میری امت کے وضو کے اعضا چمک رہے ہوں گے اور یہ صفت کسی اور امت میں نہیں ہوگی۔ اوران کے نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اوران کے چہرے چمک رہے ہوں گے اوران کا نوران کے آگے آگے چلتا ہوگا اوران کی اولاد ساتھ ساتھ ہوگی۔ ان اہل ایمان سے کہا جائے گا کہ آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے چپے چپے پر چشمے جاری ہیں جہاں سے کبھی نکلنا نہیں اور یہ حقیقت میں بڑی کامیابی ہے۔

سلیم ابن عامرؒ فرماتے ہیں۔ ہم ایک جنازے کے ساتھ باب دمشق میں تھے جب جنازے کی نماز ہو چکی اور تدفین کا کام شروع ہوا تو حضرت ابوامامہ باہلیؓ نے ارشاد فرمایا لوگو! تم اس وقت نیکیاں' برائیاں کر سکتے ہو آج تمہارے پاس وقت ہے اس کے بعد جس منزل کی طرف کوچ کرنے والے ہو وہ منزل یہی قبر کی ہے جو تنہائی کا اور کیڑوں کا گھر ہے اور تنگی اور تاریکی والا گھر ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ وسعت عطا کر دے۔ یہاں سے تم پھر میدان قیامت کے مختلف مقامات پر وارد ہوگے وہاں بہت سے لوگوں کے چہرے سفید اور بہت سے لوگوں کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے اور پھر ایک میدان میں جاؤ گے جہاں سخت اندھیرا ہوگا اور یہاں ایمانداروں کو نور تقسیم کیا جائے گا کافر اور منافق بے نور ہو جائے گا اور اہل ایمان کا نور کافروں کے کچھ کام نہیں آ سکے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب مکمل اندھیرا چھایا ہوا ہوگا کوئی انسان اپنا ہاتھ تک نہ دیکھ سکے گا اس وقت اللہ تعالیٰ ایک نور ظاہر فرمائے گا۔ مسلمان اس طرف جانے لگیں گے تو منافق بھی پیچھے لگ جائیں گے اب مومن زیادہ آگے نکل جائیں گے تو یہ انہیں ٹھہرانے کے لئے آوازیں دیں گے اور یاد دلائیں گے کہ دنیا میں تو ہم تمہارے ساتھ تھے۔ مگر منافقوں کو مومنوں سے دور کر دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو انعامات و نجات بخشے گا۔

اللہ تعالیٰ دیکھتا' سنتا ہے

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ بیشک اللہ تعالیٰ سنتا اور دیکھتا ہے۔

فلاسفہ کے ساتھ ساتھ عقلی توجیہات کے دلدادہ بعض فلسفہ پرست مسلمانوں نے بھی لایعنی

Marfat.com

بحثوں میں دل کھول کر حصہ لیا اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و طاقت اور اس کے اختیارات پر ذاتی تاویلات کرتے رہے ہیں۔ معتزلہ ایک ایسا ہی فرقہ ہے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں حد درجہ گستاخی اور بے ادبی کی ہے۔ حالانکہ یہ طے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات ہیں۔ جیسے ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ

بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو

یعنی اللہ تعالیٰ دیکھنے' سننے اور ارادہ فرمانے میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہی پاک ذات ہے کہ جس نے انسانوں' فرشتوں' جنوں کو قوت بینائی اور سماعت عطا فرمائی ہے اور وہ خود بہت علم و حکمت رکھتا ہے اور وہ جس چیز کا ارادہ فرمالے وہ ہو کر رہتی ہے اور ارادہ فرمانے کے لئے بھی وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔

یہود کے ملعون ہونے کا ایک سبب

قرآن کریم میں یہ بات نہایت واضح اور عیاں ہے کہ دین حق میں ناحق غلو کرنا فتنہ ہے۔ کہ اہل کتاب اسی وجہ سے گمراہ ہوئے۔ چنانچہ حق تعالیٰ اس امت کو متنبہ کرنے کے لیے اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ ''یا اهل الکتاب لاتغلوا فی دینکم '''' اے اہل کتاب تم اپنے دین میں غلومت کیا کرو' اور ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے خود بھی غلطی میں پڑ چکے ہیں۔ اور بہت لوگوں کو گمراہی کے راستہ پر ڈال چکے ہیں۔ اور وہ لوگ راستہ سے دور ہو گئے۔ (انما) اس کا مطلب یہ ہے کہ نفسانی خواہشات کی پیروی کرنا یہ گمراہی کا باعث ہے۔ خواہ اپنی خواہشات ہوں یا دوسروں کی خواہشات ہوں۔ ان کی پیروی ہرگز نہیں کرنی چاہئے اور راہ راست یہی ہے۔ کہ سالک دین حق میں ناحق غلو نہ کرے۔ اور اپنی نفسانی خواہش کا پیرو نہ بنے چنانچہ موجودہ زمانہ والے اسی بدترین فتنہ میں مبتلا ہیں۔ اور علماء دین کے فرمانے پر جن کی شان میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کے علماء ایسے ہیں جیسا کہ بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام۔ لوگ متنبہ نہیں ہوتے گمراہیوں اور راہ راست سے بھٹکنے کے طریقوں اور اسباب سے باز نہیں آتے۔ بنی اسرائیل کی بعض قوموں نے یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں صاف صاف فرما دیا۔ '' کہ بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی۔ اور داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیھم السلام کی زبان سے یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل گئی کہ جو برا کام انہوں نے کر رکھا تھا اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے واقعی ان کا فعل بیشک برا تھا'' (المائدہ) اس

Marfat.com

آیت کریمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان گمراہوں کا اصلی مرض جس کا انجام ہلاکت و بربادی ہوا یہی شرعی امور سے دوری تھی۔ کیونکہ ان کے دلوں میں شرعی امور کی مخالفت اور برائیوں کی محبت سمائی ہوئی تھی۔ اور یہ ان منکرات کو مباح اور جائز سمجھتے ہیں۔ جب ان کے انبیاء کرام اور ان کے اصحاب نے ان کو ان چیزوں سے روکا تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی کر کے لعنت کے مستحق ہو گئے۔ اور یہ لوگ شنبہ کے دن حیلہ بازی کے ساتھ شکار کو مباح سمجھ کر شکار کرتے تھے۔ اس لئے حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر لعنت فرمائی۔ اور جو آسمان سے منجانب اللہ مائدہ نازل ہوتا تھا۔ اسے یہ لوگ مالداروں کے ہاتھ چوری سے فروخت کرتے تھے۔ اس بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان پر لعنت فرمائی۔ اس مقام سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ قرآن وحدیث کے مخالف عمل کرنا اور حیلے بہانے کر کے شرعی امور میں ردوبدل کرنا بہت بڑا گناہ اور لعنت کا باعث ہے۔ فقہاء کے نزدیک گناہ اور نافرمانی کو جائز سمجھنا اقسام کفر میں سے ایک ہے۔ (شاہ ولی اللہؒ: البلاغ المبین)

اللہ تعالیٰ کی بجائے دولت اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والے

رسول اللہ ﷺ کی شریعت پر پابند اور باعمل صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ آخرت کے قیدیوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو مال و دولت کے غلام ہیں جیسے لعن اللہ عبدالدنیا و عبدالدرھم۔ کہ لعنت کی اللہ تعالیٰ نے ان پر جو درہم و دینار کے بندے ہیں۔ اور یہ امراء و سلاطین کی جماعت ہے۔ اور دوسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو نفس لعین کی خواہشات کے غلام ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''کیا آپ اس شخص کو نہیں دیکھتے کہ جس نے اپنا معبود اپنی خواہشات نفسانی کو بنالیا ہے''۔ یہ آیت کریمہ اس گروہ کی رسوائی اور ذلت کے لیے کافی ہے اور یہ جماعت سرتاپا اس نفس کی غلام اور محکوم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے اور ان الحکم الا للّٰہ کا فرمان دونوں جماعتوں کو تنبیہ اور تادیب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے اور اس حدیث کا مفہوم ہے کہ آخرت یقیناً کافروں کے لیے قید اور مومنوں کے لئے جنت ہوگی۔

کائنات میں غور فکر

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَفَلَمۡ يَنۡظُرُوۡۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوۡقَهُمۡ كَيۡفَ بَنَيۡنٰهَا وَمَا لَهَا مِنۡ فُرُوۡجٍ

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمانوں کی طرف نظر نہیں کی۔ ہم نے اس کو کیسا بلند اور وسیع بنایا

ہے۔ پھر ستاروں سے اس کو آراستہ کیا۔ اور اس میں کوئی رخنہ تک نہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ

اللہ تعالیٰ ہی نے سات آسمانوں کو پیدا کیا۔

جب آپ کائنات میں غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک مکان ہے۔ جس میں ہماری ضروریات کی تمام اشیاء موجود ہیں۔ آسمان بطور چھت کے اور زمین بطور فرش کے ہے۔ یہ ستارے آسمان میں روشنی کے لئے چراغوں کی طرح ہیں۔ جواہرات زمین کی تہہ میں اس طرح محفوظ ہیں کہ گویا قیمتی ذخیروں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اور ہر ایک چیز اپنے اپنے سلیقے سے اپنے مقصد کی تکمیل میں مصروف ہے۔ یہ مکان انسان کے لئے تیار کیا گیا ہے اور اس مکان کی اشیاء حضرت انسان کی ضرورت کے لئے مہیا کی گئی ہیں۔ نباتات ہوں یا حیوانات سب اپنے کام میں مصروف ہیں۔ خالق حقیقی نے آسمان کو ایسا رنگ عطا کیا ہے جو نظروں کو اچھا لگتا ہے اور قوت بخشتا ہے۔ اگر اس آسمان کو شعاعوں اور نور کا مجموعہ بنایا جاتا تو یہ نظروں کو خیرہ کر دیتا۔ کیونکہ انسانی نظروں کے لیے سبز اور نیلگوں رنگ ہی بہتر ہے۔ انسان جب آسمان کی وسعت دیکھتا ہے تو خوشی اور کیف حاصل کرتا ہے اور خصوصاً جب ستارے پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہے ہوں اور چاند بھی اپنے جوبن پر ہو۔ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اور امراء اور مینا کاری کراتے ہیں جن سے آنکھوں میں طراوت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ان مصنوعی کاموں کو دیکھ دیکھ کر بھی دل اکتانے لگتا ہے۔ مگر آسمان کے قدرتی مناظر اس کی خوبصورتی و زیبائش یا اس کی وسعت اور چمک دمک کو جتنا بھی دیکھا جائے۔ طبعیت اس سے نہیں گھبراتی بلکہ قدرت کی اس صناعی کو دیکھ کر انسان کے دل سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے کمال و قدرت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے اور وہ دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف کرتا ہے۔ اسی لئے تو اہل حکمت و دانش کہتے ہیں کہ جب تیرا دل غمزدہ ہو تو آسمان کی طرف دیکھ کیونکہ اس کا حسن اور آب و تاب تیرے رنج و غم کو دور کر دیں گے ستاروں کو دیکھ اور پھر ان کی برکتوں اور فائدوں پر نظر کر کہ دنیا والے ان سے کس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں اور سمندر کی تاریک اور اندھیری راتوں میں یہ ستارے مسافروں کی کیسی رہنمائی کرتے ہیں۔ اور بعض اہل علم نے یہاں تک کہا ہے کہ ستاروں میں جانے کے لئے راستے بھی بنے ہیں ایک دانشور کا قول ہے کہ آسمان کی طرف نظر کرنے سے دس فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

1- انسان کا رنج و غم دور ہوتا ہے۔

2- برے خیالات دور ہوتے ہیں۔

3- خوف وہراس دل سے جاتا رہتا ہے۔

Marfat.com

4- اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔
5- اللہ تعالیٰ کی عظمت دل میں پیدا ہوتی ہے۔
6- فاسد تفکرات دور ہوتے ہیں۔
7- سوادی امراض کو فائدہ ہوتا ہے۔
8- مشتاق دلوں کو سکون ملتا ہے۔
9- عشق الٰہی رکھنے والوں کو تسکین ملتی ہے۔
10- دعا کرنے والوں کی دعاؤں کا مرکز اور قبلہ ہے۔

سورج کی پیدائش کی حکمت

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا

اللہ تعالیٰ نے جن حکمتوں اور کاموں کے لئے سورج بنایا اس کا مکمل علم تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہم اپنی عقل کے مطابق کچھ تحریر کر رہے ہیں۔ سورج کی حرکت سے رات اور دن کا قیام ہے اگر یہ نہ ہو تو نظام دنیا درہم برہم ہو جائے، روزگار کے سلسلے میں پریشانی ہو، ساری دنیا میں اگر اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا ہو تو لوگ چیزوں کو کیسے دیکھیں گے، معدے میں غذا کو ہضم کرنے کا نظام بھی بگڑ جائے گا۔ اسی طرح اگر روشنی ہی روشنی ہو اور اندھیرا نہ ہو تو رات نہیں ہوگی جب کہ رات میں انسان آرام کر کے اپنے تھکے ہوئے جسم کو راحت پہنچاتا ہے اور دوسرے دن کام کے قابل بناتا ہے۔ تو پھر خود ہی دیکھ لیجئے کہ رات نہ ہو تو آرام نہ کرنے کے سبب ہم میں نئی قوت و طاقت پیدا نہ ہوگی، اعضاء تھک ہو جائیں گے۔ بدن کے نظام میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور یہ تمام اسباب انسان کو بیمار کر دیں گے۔ اس طرح جانور بھی طاقت کھو بیٹھیں گے۔ کیونکہ سورج کے مسلسل نکلے رہنے کے باعث زمین اتنی گرم ہو جائے گی کہ زمین پر زندگی کا تصور ہی نہیں رہے گا اور تمام جاندار ہلاک ہو جائیں گے۔ سورج کا طلوع و غروب دونوں ہی اپنی اپنی جگہ بڑی حکمت رکھتے ہیں۔ انسان اور دوسری تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے اس نظام سے فیض یاب ہیں۔ جس طرح کہ انسان متواتر روشنی سے گھبرا کر تاریکی میں آرام حاصل کرتا ہے اور جب طویل تاریکی سے دل اکتا جاتا ہے تو روشنی میں آ کر اطمینان حاصل کرتا ہے۔ روشنی اور تاریکی، سردی اور گرمی دونوں ہی نظام اللہ تعالیٰ نے سورج کے ذریعے قائم فرما رکھے ہیں اور دونوں مل کر ہی ہمیں پورا پورا فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔

آپ (ﷺ) ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ بھلا یہ تو بتلائیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر قیامت تک رات ہی رہنے دے تو کونسا معبود ہے جو روشنی لائے گا۔ (القرآن)

Marfat.com

جس طرح سورج کے طلوع غروب میں حکمتیں ہیں اسی طرح اس کے تقدم و تاخر یعنی موسموں کی تبدیلی میں بھی حکمتیں ہیں۔ نباتات وحیوانات تمام تر نظام سورج کے اسی تقدم و تاخر میں پوشیدہ ہے۔ فصلوں اور پھلوں کا اپنے اپنے موسم میں پک کر تیار ہونا اور شب وروز میں کمی بیشی بھی اسی وجہ سے ہے۔ اگر طلوع وغروب عین ایک ہی وقت ہونا شروع ہو جائے تو رات دن میں کمی بیشی کس طرح ہو سکتی ہے۔ انسان کی طبیعت بھی اسی طرح ہے کہ وہ تبدیلی کو پسند کرتا ہے۔ اور اس سے لطف اٹھاتا ہے۔ اوقات پہچاننا اور پھر اس کے مطابق کاموں کو ترتیب دینا بھی اسی طلوع وغروب پر منحصر ہیں۔ رات اور دن کا ہونا سال میں موسموں کی تبدیلی اور ان موسموں میں آب وہوا کے اثرات میں تبدیلیاں یہ سب سورج کے اس نظام سے قائم ہیں۔ آب وہوا میں گرمی وسردی اور رطوبت وغیرہ کے اثرات شجر ونباتات، پھلوں اور پھولوں پر پڑتے ہیں۔ اور سورج کے طلوع وغروب اور موسم کی تبدیلی سے ہی بادلوں کا پیدا ہونا اور وقت پر بارش کا ہونا موقوف ہے اور بارش سے جمادات، نباتات اور حیوانات کی زندگی کا دارومدار ہے۔ انسانوں کی طبیعتوں میں اختلاف، مزاج میں فرق پیدا ہونا اور اعتدال کا پیدا ہونا بھی اسی پر ہے۔ امراض کا مختلف مقامات میں پیدا ہونا اور دوسرے موسم کے آنے سے امراض کا چلے جانا، بدن میں طاقت پیدا ہونا اور نئے سرے سے کام کا جذبہ پیدا ہونا بھی اس کے اثرات ہیں یہ سب اپنی اپنی جگہ پورے نظام کے ساتھ جاری ہیں جن میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں موجود ہیں۔ جن پر غور وفکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ عزوجل کی حکمت کی بخوبی نظر آتا ہے کہ اس نے کمال قدرت سے کیسا نظام ترتیب دیا ہے۔ فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔

سورج کا برجوں میں جانا جس سے سالوں کا قیام ہے اور اسی سے موسم گرما، موسم سرما، ربیع و خریف پیدا ہوتے ہیں۔ مہینوں اور دنوں کا شمار، چیزوں کی مدتوں اور عمروں کا علم سال کے لحاظ سے ہے۔ جب سورج بلند ہو رہا ہو تو دیکھا کرو کہ اللہ تعالیٰ کس حکمت سے اسے بلند فرماتا ہے۔ اگر یہ ایک ہی جگہ رہتا تو محض وہ زمینی حصے ہی سورج سے فائدہ اٹھاتے جو اس کے سامنے آتے۔ باقی اس سے فیض یاب نہ ہو سکے اور اس کے اثرات بھی تمام جہان کو یکساں نہ پہنچ پاتے۔

سورج کے بارے میں جدید سائنسی تحقیقات

سورج جو ہمیں زمین سے ایک چھوٹا سا گولہ نظر آتا ہے۔ اس کا محیط سائنسدانوں کی نظر میں 31,20,00,000 میل تقریباً ہے۔ (واللہ اعلم) اور اس کا حجم مجموعہ سیارات تسعہ سے 700 گنا بڑا اور 13 ہزار ہماری جیسی زمینوں کے برابر ہے۔ (ماشاء اللہ) اور ماہرین کا کہنا ہے کہ سورج کی حرارت

جو چاروں طرف پھیلتی ہے اس کا قلیل حصہ 1/2139000000 زمین کو ملتا ہے سورج کی سطح پر جو داغ نظر آتے ہیں۔ ان میں تقریباً ہر گیارہ سال بعد زبردست طوفان اور بڑے انقلابات رونما ہوتے ہیں۔ جن کا اثر زمین پر بھی پڑتا ہے۔ 1947ء کے عالمی سائنسی سال میں کل 3420 داغ دیکھے گئے۔ ان میں 17-اپریل کو ایک داغ کا مشاہدہ کیا گیا۔ جس کا رقبہ 6,300,000 مربع میل تھا۔ یہ داغ نما سیاہ دھبے دراصل سورج کی سطح پر طوفان کی اٹھتی ہوئی موجیں ہیں۔ یہ داغ سیاہ دھبوں کی طرح اس لیے نظر آتے ہیں کہ وہ نسبتاً کم گرم ہیں۔ 1947ء میں ایک زبردست طوفانی موج اٹھی جو چار لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے تقریباً آدھ گھنٹہ میں اڑھائی لاکھ میل تک بلند ہوئی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک نے سورج کو کتنا بڑا کرہ بنایا اور پھر اسے مقرر کردہ علاقے میں گرمی اور روشنی دینے پر مقرر فرمایا۔

چاند ستاروں کی پیدائش کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔

تَبٰرَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا

وہ بہت برکت والی پاک ذات ہے جس نے آسمان پر بڑے ستارے بنائے اور ایک چراغ آفتاب اور نورانی چاند بنایا۔ (قرآن مجید)

اللہ تعالیٰ نے رات کو سکون و آرام کے لئے بنایا اور ہوا کو خوشگوار و ٹھنڈا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو تاریک اور مطلق اندھیرا نہیں بنایا ورنہ وہ کام جو رات کو سرانجام دیئے جاتے ہیں انسان کبھی نہ کرسکتا۔ چاند کی روشنی اس کی مدد کرتی ہے۔ چاند کی ٹھنڈی اور خوشگوار روشنی سے انسان کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور جب چاند کی روشنی پوری نہیں ہوتی ستاروں کی روشنی سے وہ کمی پوری ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ چاند ستاروں سے آسمان پر رونق دکھائی دیتا ہے۔ اور بھرپور زندگی کا احساس ہوتا ہے۔ چاند کی نقل و حرکت پر سالوں اور مہینوں کا حساب رکھا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت ہے۔ ستاروں میں روشنی کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں مثلاً زراعت کا بہت سا معاملہ چاند اور ستاروں پر ہے۔

سمندروں اور خشکی پر سفر کرنے والے بھی چاند اور ستاروں سے راہنمائی لیتے۔ بڑے بڑے جنگلوں میں اور سمندروں کی وسعتوں اور تاریکیوں میں اب بھی چاند ستاروں کی مدد سے راستہ معلوم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔

"اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعے اندھیروں میں خشکی پر بھی اور سمندر میں بھی راستے معلوم کرسکو" (القرآن)

Marfat.com

سورج کی طرح چاند کے طلوع وغروب اور آنے جانے میں اور پھر چاند کے گھٹنے اور بڑھنے میں اور بعض دنوں میں اس کے غائب ہو جانے اور کئی دفعہ اس کے کسوف یعنی بے نور ہونے میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں ان کے فائدوں کا اندازہ کرنا ممکن نہیں ہے آسمان کا ان ستاروں کے ساتھ ہر دن تیزی سے حرکت کرنا جس کو ہم خود بھی طلوع وغروب کی صورت میں دیکھتے ہیں اگر اس حرکت میں تیزی نہ ہوتی تو یہ رات دن کے 24 گھنٹے کی لمبی مسافت کیونکر طے ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے چاند کو ہم سے اتنا اونچا رکھا ہے کہ ہم اس کی تیز رفتار کو محسوس نہیں کر سکتے۔ ورنہ اس کی حرکت کی تیز رفتاری سے ہمارے دماغ پھٹ جاتے اور جس طرح کبھی بجلی چمکنے سے ہم محسوس کرتے ہیں ایسا ہی محسوس ہوتا اور اس نے اپنی حکمت سے فاصلے مقرر فرمائے ہیں تا کہ قریب ہونے کے باعث ایسے مناظر پیدا نہ ہوں جنہیں ہم برداشت نہ کر سکیں۔

اب ستاروں پر غور کریں جو سال کے بعض دنوں میں پوشیدہ رہتے ہیں اور بعض دنوں میں طلوع ہوتے ہیں جیسے کہ ثریا' جوزا' اور شعریٰ اگر یہ ہمیشہ ایک وقت میں نکلتے تو انسان کو وہ فائدے حاصل نہ ہوتے جو اسے اس وقت حاصل ہیں۔ اور انہی فائدوں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے نبات النعش کو ہمیشہ نکلا ہوا بنایا ہے۔ نبات النعش سے مراد قطب شمالی کے قریب چار پائی کی صورت میں چار ستارے ہیں۔ جو نعش کہلاتے ہیں۔ اور اس کے مشرق شمالی پایہ کے ساتھ ملے ہوئے تین ستارے ہیں جو نبات کہلاتے ہیں۔ اور یہ کبھی غائب نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہ نشان منزل کے لئے بنائے گئے ہیں اور راتوں کو سفر میں ستاروں سے مدد لینے والوں کو ان سے بہت مدد ملتی ہے۔ اس طرح اگر اللہ تعالیٰ یہ ستارے ایک جگہ پر ٹھہرے ہوئے بناتا جو حرکت نہ کرتے اور ہر برج سے ہو کر گزرتے ہوئے ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف نہ جاتے تو ان کے فوائد سے ہم خالی رہ جاتے۔ جس طرح چاند اور سورج سے اپنے اپنے منازل اور برجوں میں منتقل ہونے سے فوائد حاصل کرتے ہیں بالکل اسی طرح زمین پر سفر کرنے والے راستہ کی منازل تلاش کرنے کے لیے ستاروں کے مختلف برجوں میں ہونے سے مسافر اپنے لئے سہولت و فائدے حاصل کرتے ہیں۔ آسمان اور آسمان کے تمام ستارے اس لئے گردش کرتے ہیں کہ اس میں حیوانات و نباتات اور دیگر مخلوقات کے لئے بے شمار فائدے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ ستاروں کے چند نظام

دب اکبر: آسمان کے شمالی حصے میں مجموعہ دب اکبر تمام ستاروں کے گروہوں سے زیادہ نمایاں ہے اس سے دیگر ستاروں کی شناخت کی جاتی ہے۔ اس کے روشن ستارے نبات النعش کبریٰ کہلاتے ہیں۔

Marfat.com

قطب تارا: بنات النعش کبریٰ کے دوستارے ہادبین نشان زدہ کہلاتے ہیں۔ کیونکہ ان میں سے گزرتا ہوا خط مستقیم قطب تارے کی نشان دہی کرتا ہے۔ قطب تارا ایک اور ستاروں کے گروہ کا حصہ ہے جو دب اصغر کہلاتا ہے۔ قطب تارے کے ذریعے ہی قبلہ معلوم کیا جاتا ہے۔

مجمع ذات الکرسی: قطب تارے کی طرف ایک اور دب اکبر ہے۔ اور دوسری طرف اتنی ہی فاصلے پر پانچ روشن ستاروں کی مجموعے کا نام "ذات الکرسی" ہے۔

تنین: قطب کی ایک طرف عیوق واقع ہے۔ تو دوسری طرف کسی قدر کم فاصلے پر چار ستارے ہیں یہ مجمع النجوم تنین کہلاتے ہیں۔ (یعنی اژدھا کا سر) اس کی صورت ایک اژدھا کی سی ہے۔ جو قطب شمالی کے اردگرد واقع ہے۔ اس مجمع النجوم میں سے سے زیادہ روشن ستارہ آج سے پانچ ہزار سال پہلے قطب تارا تھا جس وقت اہرام مصر تعمیر ہو رہے تھے یہ تارا ہی قطب تارا کہلاتا تھا۔

شلیاق اور نسر واقع: ہادبین کے ستارہ (الف) کو انوار الفرقدین کے ساتھ ملا کر ایک خط بڑھاؤ تو کچھ فاصلے پر درجہ اول کا ستارا "نسر واقع" جھپٹتا ہوا گدھ نظر آئے گا۔ یہ مجمع النجوم شلیاق کا مشہور ستارا ہے۔ اور شمالی ستاروں میں سب سے زیادہ روشن ہے۔

سماک رامح: دب اکبر کی دم "شاخ" منحنی سی ہے۔ اگر اس کی گولائی برقرار رکھ کر خط آگے بڑھائیں تو درجہ اول کے سرخ رنگ کے روشن ستارے پر جا پہنچتا ہے۔ یہ سماک رامح کہلاتا ہے۔

ثریا: ثریا، پروین، برج ثور کا حصہ ہے۔ یہ چند ستاروں کا مجموعہ ہے۔ خالی آنکھ سے اس میں صرف چھ ستارے نظر آتے ہیں۔ اور تیز آنکھ کو گیارہ دکھائی دیتے ہیں۔ چھوٹی دوربین سے 100 ستارے اور بڑی دوربین سے 625 ستارے بھی دیکھے گئے ہیں۔

الدبران: جنوب کی جانب قطب تارا ہے۔ دوسری جانب تقریباً اتنے ہی فاصلے پر الدبران درجہ اول کا روشن ستارہ ہے۔

الجبار: قطب عیوق اور ادبران کو ایک خط پر اپنے سامنے فرض کریں۔ تو بائیں جانب موسم سرما کا مشہور مجمع النجوم الجبار ہے۔

کلب اکبر اور شعرائے یمانی: نطاق الجوزاء میں سے گزرتا ہوا ایک خط نیچے کی طرف بڑھائیں۔ تو شعرائے یمانی پر جا پہنچے گا۔ اسے کلب الجبار اور عبور بھی کہتے ہیں۔

شعرائے شامی: کلب اکبر سے شمال کی طرف قریب ہی مجموع نجوم کلب اصغر ہے۔ اس میں قدر اول کا روشن ستارہ شعرائے شامی کہلاتا ہے۔

توامین: اسے جوزا بھی کہتے ہیں۔ دب اکبر کے ستاروں میں سے گزرتا ہوا خط مجمع النجوم توامین سے

گزرتا ہے۔

سماک اعزل: دب اکبر کے ستاروں الف اور ج میں گزرتا ہوا خط کسی قدر ترچھا کر کے بڑھائیں تو وہ سماک اعزل تک پہنچتا ہے۔ یہ مجموع النجوم عذراء (سنبلہ) کا روشن ستارا ہے۔

اسد: ہادین کے جس طرف قطب تارا ہے اس کے دوسری طرف یعنی جنوب میں مجموع النجوم اسد واقع ہے۔ اس میں ایک ستارہ قدر اول کا ہے۔ اسے قلب الاسد بھی کہتے ہیں۔

دجاجہ: مجمع النجوم دجاجہ نسر کے قریب ہے۔ اس کا روشن ستارہ ایک مثلث کے زاویہ قائمہ پر واقع ہے۔ دوسرے زاویہ پر قطب تارا۔ تیسرے زاویے پر نسر واقع ہے۔ یوں یہ پانچ ستارے صلیب کی سی صورت بناتے ہیں۔ ستارہ الف کو ذنب الدجاجہ 'ب' کو منقار الدجاجہ' اور باقی کو خوارس کہتے ہیں۔

نسر طائر: نسر واقع اور منقار الدجاجہ میں سے گزرتا ہوا قدرے ترچھا خط مجمع النجوم عقاب کے تین ستاروں پر پہنچتا ہے۔ تینوں خط مستقیم پر واقع ہیں۔ وسط میں واقع قدر اول کا نسر طائر ستارہ ہے۔

الفکہ: یہ مجمع النجوم عوا کے قریب ہے اس کے ساتھ ستارے ایک نامکمل دائرہ بناتے ہیں۔

الجاثی علی الفکہ: الفکہ کی ایک طرف عوا ہے۔ دوسری طرف الجاثی علیٰ رکبتیہ ہے۔ اس سے مجمع النجوم میں قدر سوم سے زیادہ روشن کوئی ستارہ موجود نہیں۔

یہ تمام نظام اور حیرت انگیز مظاہر اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی ہر لحہ گواہی دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں طاقت نہیں کہ وہ ان ستاروں کا نظام پیدا کرے اور پھر ان کو سنبھالے۔

مرکزیت آفتاب مسلمانوں کا نظریہ ہے

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جدید علم فلکیات میں آفتاب کو مرکز قرار دینے کا نظریہ "کوپرنیکس" کا کارنامہ قرار دیا جاتا ہے لیکن یہ دراصل ایسا نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں ابو اسحاق ابراہیم بن یحییٰ زرقانی اندلسی قرطبی نے 1080ء میں یہ نظریہ پیش کیا۔

"کوپرنیکس" کا نظریہ بطلیموس کے نظریے کی طرح پیچیدہ تھا کیونکہ بطلیموس ستاروں کی گولائی کا قائل تھا۔ لیکن بعد میں کیپلر نے کوپرنیکس کے نظریئے کی اصلاح کی۔ اور زرقانی کا نظریہ پیش کیا لیکن ابھی تک یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ مرکز آفتاب کا نظریہ درست ہے یا غلط؟

زمین کی پیدائش کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"اور ہم نے زمین کو بطور فرش بنایا۔ سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں"۔ (القرآن)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے زمین کا کیسا اچھا بستر بچھایا ہے۔ جس پر ہم آرام کرتے ہیں اور ہمارے لئے زندگی کی تمام ضروریات اور کھانے پینے کے سامان کے لئے زمین کو خزانہ بنایا۔ ہماری ضرورت کی تمام چیزیں زمین سے حاصل ہوتی ہیں غرض ہم سخت سردی اور گرمی سے اپنی حفاظت بھی زمین پر رہ کر کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اور ہمارے لئے زمین پر شہر بنائے جن میں ہم مل جل کر زندگی بسر کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ ہمارے لئے زمین میں راستے بنائے جن پر ہم سفر کرتے ہیں۔ ہم اپنی اور دیگر حیوانات بھی زندگی کے لئے خوراک بھی زمین سے حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ

زمین میں سے پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑیوں کو گاڑ دیا تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے۔ (القرآن کریم)

زمین کو نرم اور ہماری ضرورتوں کے لئے مناسب پیدا فرما کر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اختیار دیا کہ ہم زمین کو اپنی ضرورت کے لئے استعمال کریں' اس پر بیٹھیں' آرام کریں' سوئیں اور اپنے کام کے لئے سفر کریں۔ یہ سب آسانیاں اس لئے حاصل ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہماری ضرورتوں کے مطابق بنایا ہے۔ کیونکہ اگر زمین نرم اور متحرک ہوتی تو اس پر نہ مکان بن سکتے' نہ کھیتی باڑی ہو سکتی نہ اس پر ٹھہر سکتے اور نہ ہی آرام کر سکتے۔ جیسے کہ زلزلے کے ایک جھٹکے سے ہم پریشان ہو جاتے ہیں اور کوئی کام نہیں کر سکتے۔ کمزور مکان گر جاتے ہیں۔ زمین میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں اور بسا اوقات کئی مقامات زمین میں دھنس جاتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے زمین کو مناسب اور نرم بنایا اسی طرح اس نے اسے مناسب خشک اور تر بنایا۔ اور اللہ تعالیٰ زمین کو محض پتھر کی طرح بنا دیتا تو ہمارے لئے کاشت کاری ممکن نہ ہوتی۔ مکانات بھی نہ بن سکتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے زمین کو مکمل طور پر کارآمد اور انسانی ضرورت کے مطابق بنایا۔ پھر اس نے اپنی حکمت سے شمالی حصہ کو بلند فرمایا تاکہ پانی ایک طرف سے بہہ کر دوسری طرف جائے۔ اور اس طرح حیوانی زندگی اور انسانی زندگی اس سے فائدہ حاصل کرے۔ آخر میں وہ پانی سمندر میں جا گرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا یعنی زمین ایک طرف سے بلند اور دوسری طرف سے ذرا نشیب میں نہ ہوتی تو پانی سطح زمین پر رک کر اس کو سمندر بنا دیتا اور زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔

زمین کے اندرونی حصے کی طرف غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر کیسے کیسے خزانے رکھ دیئے ہیں۔ جواہرات کی کانیں' سونے' چاندی کے ذخائر' یاقوت و زمرد کے ذخائر' لوہے اور تانبے' سیسے' گندھک' نمک' سنگ مرمر' چونا، سیمنٹ وغیرہ اور ایسے بڑے خزانے کہ جن کو گننا ممکن نہیں ہے ان تمام خزانوں اور ذخیروں کو ہم اپنی ضروریات کے لئے استعمال کرتے ہیں اور طرح

Marfat.com

طرح سے یہ چیزیں ہمارے کام آتی ہیں۔

اگر زمین پہاڑوں کی طرح بلند اور سخت ہوتی تو ہم اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی حکمت سے ہموار اور حسب ضرورت نرم و سخت اور سرد و خشک بنایا۔ تا کہ زیادہ سے زیادہ فائدے حاصل کیے جا سکیں۔ زمین ہموار اور نرم ہونے کی وجہ سے اس میں ہم کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ نرم و نازک پودے زمین کا سینہ چیر کر باہر آتے ہیں۔ زمین نرم ہونے کی وجہ سے ہم کنوئیں کھود کر پانی حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا

"وہ ایسا پروردگار ہے کہ جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا پس تم اس کے راستوں پر چلو۔" (القرآن)

ایسی نرم مٹی کے سبب ہم برتن بناتے ہیں۔ گارے سے اینٹیں بناتے ہیں۔ اور بہت سا ضروری سامان تیار کرتے ہیں۔ جن مقامات میں زمین سے نمک' ابرق اور گندھک وغیرہ نکلتی ہے وہاں کی مٹی زیادہ نرم ہوتی ہے۔ اور مختلف دھاتوں کی کانوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر بطور احسان اس طرح فرمایا۔ "اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا" (القرآن)

یعنی ہم نے اپنے بندوں کو تانبے سے فائدہ اٹھانے کے طریقوں کو آسان کر دیا۔ اور ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

اور ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے لئے بہت نفع ہے۔ لوہا ایک ایسی دھات ہے جو انسانی ضروریات میں نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو زمین میں گاڑھ کر اسے مضبوط بنایا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان پہاڑوں میں بھی خزانے رکھ دیئے۔ باقی ان پہاڑوں کے جو فوائد ہیں۔ ان کو پوری طرح تو وہ کارساز خود ہی سمجھ سکتا ہے۔ اگر زمین پر پہاڑ نہ ہوتے تو ہوا اور سورج کی گرمی پانی کو خشک کر دیتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑوں کے اندر سے اپنی قدرت کاملہ سے چشمے نکالے۔ پانی پہاڑوں کے اندر ذخیرہ ہوتا ہے اور پھر تھوڑا تھوڑا ہو کر دریاؤں اور ندی نالوں کی صورت میں بہہ کر دور دراز مقامات کو سیراب کرتا ہے۔ اور یہ پانی گرمی کے موسم میں بہت بڑی نعمت ہوتا ہے اور آئندہ سال بارشیں ہونے تک لوگ ان سے فائدے حاصل کرتے ہیں۔ جو پہاڑ اپنے اندر بارش جمع کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان پر برف کی صورت میں پانی جمع ہو جاتا ہے۔ جو موسم گرما میں سورج کی گرمی سے پگھل پگھل کر ندی نالوں میں پانی کی صورت میں نعمت کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پہاڑیوں پر جڑی بوٹیاں' پھلدار درخت اور بہت اعلیٰ لکڑی کے بڑے بڑے

Marfat.com

درخت بھی پائے جاتے ہیں۔ جن کی لکڑی عمارتی کاموں اور زندگی کی دوسری ضروریات میں بہت کام آتی ہے۔ پہاڑوں کی خوبصورت وادیاں اور دلکش نظارے لوگوں کو تازگی بخشتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ موسم گرما میں لوگ پہاڑوں پر آتے ہیں کیونکہ یہ نسبتاً کم گرم ہوتے ہیں۔

غرضیکہ زمین کو انسانی وحیوانی زندگی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک مکمل گھر بنایا ہے جس میں انسانوں کو اور دیگر جانداروں کو زندگی کی تمام ضروریات عطا فرمائیں۔

زمین کی جسامت اور اس کے حصے

زمین کا قطر 7927 میل اور محیط چوبیس ہزار آٹھ سو ساٹھ میل ہے۔ اس کی سطح تقریباً بیس کروڑ مربع میل ہے۔ 29/100 حصے خشکی اور 71/100 حصے سمندر ہے۔

اور اس میں براعظم ایشیاء' براعظم افریقہ' براعظم یورپ' براعظم جنوبی امریکہ' براعظم شمالی امریکہ براعظم آسٹریلیا اور براعظم قطب جنوبی خشکی کے ٹکڑے ہیں۔

سمندر کی پیدائش کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَهُوَ الَّذِىْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْ كُلُوْ امِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا

ترجمہ: اس پاک ذات نے "تمہارے لئے" "سمندر کو" "تمہارے" قبضہ میں دے دیا تاکہ اس سے تازہ گوشت کھاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے سمندر کو پیدا فرمایا اس کے بہت زیادہ فوائد کی وجہ سے اس کو بہت وسیع کیا اور زمین میں خشکی کے ارد گرد اس طرح پھیلا دیا کہ زمین کا خشک حصہ اس پانی میں ایک چھوٹا سا جزیرہ دکھائی دیتا ہے جو ہر طرف سے پانی میں گھرا ہوا ہو۔ اور اسی وجہ سے سمندری مخلوق ہے۔ اور سمندری مخلوق کی قسمیں خشکی کی مخلوق کی نسبت کئی گنا زائد ہیں۔ سمندر میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے عجائبات پیدا فرمائے ہیں جنہیں کو دیکھ کر خالق حقیقی کی قدرت نظر آتی ہے۔ سمندر میں حیوانات' جواہرات' اور خوشبودار اشیاء اس کثرت سے ہمیں ملتی ہیں کہ زمین پر اتنی زیادہ سے نہیں پائی جاتیں۔ اور ایسے بڑے جانور ہیں کہ وہ اگر پانی کی سطح پر ابھریں تو کسی بہت بڑے ٹیلہ یا چٹان کا سا گمان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سمندری مخلوقات کو کئی حکمتوں سے پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موتی حکمت سے سیپ کے اندر محفوظ رکھا ہے اور مرجان کو پانی کے اندر چٹان کی تہہ میں محفوظ فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ

ان سمندروں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے۔

Marfat.com

عنبر اور دیگر اسی قسم کی قیمتی چیزیں سمندر میں پیدا ہوتی ہیں۔ پانی کی سطح پر بڑے بڑے جہاز اور کشتیاں انسان کی ضرورتیں پورا کرتی ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے۔

وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ

اور ان جہازوں میں جو سمندر میں چلتے ہیں انسانوں کی نفع کی چیزیں اور اموال لے کر۔ اس میں بڑی عبرت اور نصیحت ہے۔ (القرآن کریم)

اللہ تعالیٰ نے خشکی کی طرح سمندر پر بھی انسان کو اختیار دیا ہے کہ وہ اس کے سینہ پر مال و سامان سے لادے ہوئے بڑے بڑے جہاز ایک ملک سے دوسرے ملک لے جاتا ہے۔ اگر انسان کو یہ سہولت نہ ہوتی تو اسے بے حد مشکل کا سامنا کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے لکڑی کو جو خاصیتیں عطا فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک تو اس کا وزن میں ہلکا ہونا ہے اور اس میں ایسی خوبی رکھی ہے کہ لکڑی پانی پر تیرتی ہے اور انسان کو اس کا شعور عطا فرمایا کہ بڑے بڑے جہاز اور کشتیاں لکڑی سے بنتی ہیں۔ پھر ہواؤں کو ایسے انداز سے چلایا کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جہازوں اور کشتیوں کو لے جاتی ہیں اور انسان کو ان ہواؤں کے چلنے کے اوقات کا علم عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ اس پانی کو کیسا پتلا اور لطیف بنایا ہے گویا کہ تمام پانی ایک بہت بڑا جسم ہے اور اپنے اندر کسی بھی چیز کو جلد جذب کر لیتا ہے۔ اور جلد ہی دوسرے پانی سے بھی مل جاتا ہے۔ اور پانی کی روانی ہی کی بدولت اس پر کشتی اور بحری جہاز آسانی سے چل سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو دیکھ کر ہزار ہا سجدہ ہائے شکر ادا کرنے کو دل چاہتا ہے اور وہ کتنے غافل اور بدنصیب ہیں جو یہ سب دیکھ کر بھی اس کی مہربانیوں اور عنایات کی طرف نظر نہیں کرتے۔

پانی کی پیدائش کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ

"ترجمہ: اور بنائی ہم نے ہر چیز پانی سے، زندہ پھر کیا یہ یقین نہیں رکھتے۔" اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

"پھر اس نے پانی کے ذریعے پر رونق باغات اگائے۔ ورنہ انسان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ ان باغوں میں درختوں کو اُگا سکتا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور الٰہ بھی ہے بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہراتے ہیں"۔ (القرآن)

اللہ تعالیٰ نے پانی جیسی نعمت کو وافر مقدار میں پیدا فرما کر تمام مخلوقات پر احسان فرمایا۔

Marfat.com

انسان، حیوان اور نباتات سب کی زندگی کے لئے پانی لازمی ضرورت ہے۔ شدت پیاس میں اگر پانی نہ مل رہا ہو تو صرف ایک گھونٹ پانی کے لئے انسان بڑی سے بڑی دولت دینے کے لئے تیار ہو جائے گا اور اس وقت انسان کو پانی کی قدر و قیمت معلوم ہو گی۔ ہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ کتنی بڑی حکمت ہے کہ اس نے پانی کو زیادہ مقدار میں پیدا فرمایا ہے کہ تمام انسان و حیوان اور چرند و پرند معمولی سی طلب پر پانی حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر پانی معمولی مقدار میں پیدا کیا جاتا تو بہت سی مشکلات پیدا ہو جاتیں اور پورا نظام خطرے میں پڑ جاتا۔ پانی کی لطافت دیکھئے کہ جب بارش کی صورت میں برستا ہے تو درختوں کی جڑوں میں گرتا ہے اور درختوں کی خوراک بن جاتا ہے۔ پیاس کے وقت اس کے پینے سے لذت محسوس ہوتی ہے اور اسے پی کر ہم تھکن اور بے چینی بھول جاتے ہیں اور راحت محسوس کرنے لگتے ہیں غسل کرتے ہیں۔ گندگی و میل اتارتے ہیں۔ طہارت حاصل کرتے ہیں۔ کپڑے وغیرہ اسی سے دھوتے ہیں۔ مکان بنانے کے لئے پانی استعمال میں آتا ہے۔ ہر روکھی سوکھی چیز ہم پانی کے ذریعے ہی نرم اور تر کرتے ہیں۔ طرح طرح کے مشروبات پانی ملا کر تیار کیے جاتے ہیں۔ آگ بجھانے کے لیے بھی پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طرح جب انسان سخت غصے میں ہوتا ہے تو پانی پینے سے اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ نزع کے عالم میں جب سکرات کی کیفیت ہوتی ہے تو پانی پینے سے اس میں کمی ہوتی ہے۔ ہمارے تمام کھانوں میں پانی استعمال ہوتا ہے۔ پانی انسانی خون کو پتلا کر کے جسم میں گردش کے قابل رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ اس نے ہمیں پانی جیسی نعمت سے نوازا۔

ہوا کی پیدائش کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

ترجمہ "اور ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں۔ جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں۔ پھر یہی پانی آسمان سے برساتے ہیں۔ پھر وہ تم کو پینے کو دیتے ہیں اور تم اتنا پانی جمع نہ کر سکتے تھے۔" (القرآن)

اللہ تعالیٰ نے کمال حکمت سے ہوا کو تخلیق فرمایا ہے

اگر ہوا موجود نہ ہوتی تو خشکی کے تمام جانور ہلاک ہو جاتے۔ ہوا کے چلنے اور حیوانات کے جسموں سے مس ہونے کے باعث بدن کی حرارت معتدل ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ ہوا خشکی کے جانوروں کے لیے بالکل اسی طرح ضروری ہے جس طرح پانی کے جانوروں کے لیے پانی ضروری ہے کہ وہ پانی کے بغیر تھوڑی دیر بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ اگر ہوا بدن کے اندر نہ جائے یا تھوڑی دیر کے لئے ہوا بند ہو جائے تو بدن کی تمام حرارت دل پر چڑھ جائے گی اور سخت گرمی سے موت واقع ہو جائے گی

Marfat.com

جیسا کہ اگر ہوا نہ ہو تو ہمارا دم گھٹنے لگتا ہے اور سانس رکتا ہے اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھئے کہ اس نے بادلوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لیے ہوا کو مقرر فرما رکھا ہے۔ اور ہوا اللہ تعالیٰ کے حکم سے بادلوں کو ایسی جگہ لے جا کر بارش برساتی ہے جہاں زمین سوکھی اور پیاسی ہو۔ اسی طرح سے ہمارے کھیتوں کو پانی بارش سے ملتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بادلوں کے چلانے پر مقرر نہ فرماتا تو بادل پانی کے بوجھ کی وجہ سے ایک مقام پر ہی رکے رہتے اور ہماری کھیتیاں اور باغات سوکھ جاتے۔

ہواؤں میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت بھی رکھی ہے کہ یہ جہازوں اور کشتیوں کو سمندر میں ادھر ادھر لے جاتی ہیں۔ ہوائی جہاز ہوا کی طاقت پر ہی ہزاروں فٹ اونچی پروازیں کرتے ہیں اور سینکڑوں افراد کو لے کر دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے کر لیتے ہیں۔ ہوا کی بدولت ہی ہم ہزاروں میل دور بیٹھ کر ٹیلیویژن سے تصویریں اور آوازیں سنتے ہیں اور ریڈیو پر آوازیں سنتے ہیں۔ ہوا کے اندر تصویروں کی اور ہر قسم کی نقل و حرکت کو ریکارڈ کرنے کی طاقت بھی موجود ہے۔ ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کو اگر ہوا نہ لے جاتی تو لوگوں کی ضروریات پوری نہ ہوتیں اور نہ ہی سفر آسان ہوتا۔ ہوا بہت لطیف' مگر بے حد طاقتور ہے کیونکہ اگر اس کی رفتار میں اضافہ ہو جائے تو عذاب کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ آج کل ٹائروں میں ہوا بھر کر ہم بسوں' ٹرکوں کے ذریعے ہزاروں من وزن اٹھا لیتے ہیں اور سینکڑوں اور ہزاروں میل کا سفر بھی طے کرتے ہیں۔

ہوا اپنی لطافت کی وجہ سے ہر چیز میں آسانی سے پہنچ جاتی ہے۔ ہوا بدبو کو بھی ختم کرتی ہے۔ اگر ہوا میں بدبو صاف کرنے کی خاصیت نہ ہوتی تو طرح طرح کی بیماریاں پھوٹ پڑتیں اور زندگی ناممکن ہوتی۔ ہوا درختوں اور پودوں سے گرد وغبار بھی صاف کرتی ہے۔ ہوا کی بدولت زمین بھی صاف ہوتی ہے۔ ہوا پہاڑوں پر مٹی کی تہہ جما دیتی ہے جس سے زراعت کی نشوونما میں طاقت آ جاتی ہے۔ اس طرح سمندر کے ساحل پر ہوا کی حرکت سے پانی میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اور سمندر عنبر جیسی قیمتی اور مفید اشیاء پیدا کرتا ہے۔

ہوا کے چلنے سے بارش کے قطرے ہلکے ہو کر اور ہوا میں منتشر ہو کر زمین پر گرتے ہیں اگر ہوا ان کو علیحدہ علیحدہ نہ کرتی تو بارش کا پانی بادلوں میں سے بلندی سے ایک ہی بار اکٹھا ہو کر گرتا جس سے جانی اور مالی نقصان ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت سے ہوا کے ذریعہ پانی کا زمین پر گرنا آسان کر دیا ہے جس سے کسی کو نقصان نہیں ہوتا اور یہ بکھرے ہوئے قطرے زمین اور ندی نالوں میں گرتے ہیں تو نہروں کی صورت میں نشیبی علاقوں میں جا کر بہنے لگتے ہیں اور اس سے سبھی فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

Marfat.com

ہوا ہی کے ذریعہ سب جاندار سانس لیتے ہیں اور ہوا کا جزو جسے آکسیجن کہا جاتا ہے ہماری زندگی میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ ہوا اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہے لہٰذا جہاں حکم ہوتا ہے صرف وہاں بادل برستے ہیں۔ غرض کہ ہوا اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک ہے۔

آگ کی پیدائش کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

ترجمہ'' بھلا دیکھو تو وہ آگ جسے تم سلگاتے ہو کیا اس کو تم نے پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں یاد دلانے اور برتنے کو، جنگل والوں کے لئے پس اپنے رب کی پاکی بیان کر جو عظمت والا ہے (القرآن) اللہ تعالیٰ نے آگ پیدا فرما کر انسانوں پر بہت احسان فرمایا چونکہ اس کی کثرت سے تباہی ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا انتظام اس طرح فرمایا کہ ضرورت پڑنے پر حسب ضرورت انسان آگ جلا لیتے ہیں۔ اگر پانی اور ہوا کی طرح آگ بھی جاری و ساری ہوتی تو ہر چیز جل جاتی۔ آگ اگرچہ بے حد لطیف ہے مگر اس میں اللہ تعالیٰ نے اتنی تاثیر رکھی ہے کہ سخت سے سخت چیز کو جلا ڈالتی ہے۔ آگ سے ہم بے شمار فائدے حاصل کرتے ہیں۔ کھانا تیار کرتے ہیں۔ آگ کے ذریعہ سردیوں میں حرارت حاصل کرتے ہیں۔ ہمارے مشروبات بھی آگ پر تیار ہوتے ہیں۔ دوائیں اور دیگر مشروبات کے اجزاء آگ پر پکانے سے ہی ایک دوسرے میں حل ہوتے ہیں۔ آگ کی بدولت ہی ہم سونے، چاندی کے زیورات اور سکے بناتے ہیں۔ تانبے، پیتل اور لوہے کی اشیاء بھی آگ پر پگھلانے کے باعث بنتی ہیں۔ آگ کی بدولت ہی ہم برتن تیار کرتے ہیں۔ معدنیات کو آگ کے بغیر استعمال میں لایا ہی نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں ایک طرف ہمیں معدنیات سے اشیاء بنانے کا علم عطا فرمایا۔ وہاں ہمیں ان اشیاء کے استعمال کا طریقہ بھی سکھایا۔

لوہے کو لیجئے آگ پر گرم کر کے ہی ہم ان سے دشمنوں کے مقابلے کے لئے ہتھیار بناتے ہیں۔ ہمارے ٹینک گاڑیاں، بکتر بند گاڑیاں، بم، رائفلیں، توپیں وغیرہ بھی آگ کے ذریعے لوہے کو پگھلا کر بنتے ہیں۔ ہوائی جہاز اور بحری جہازوں کو بھی آگ کے ذریعے بنایا جاتا ہے۔ ایلومینیم اور دوسری دھاتوں کو ہم آک کے ذریعے ہی مطلوبہ صورت میں حاصل کرتے ہیں اور آگ کا حصول صرف لکڑی سے ہی ممکن نہیں بلکہ ہم بجلی، گیسوں، مٹی کے تیل اور دوسرے ذرائع سے بھی طاقتور آگ حاصل کر لیتے ہیں۔ آگ کے ذریعہ ہی ہم آج کل تمام مصنوعات تیار کرتے ہیں۔ ہر قسم کی مشینری

اسی آگ کی حرارت سے حاصل ہوتی ہے۔

آگ میں اللہ تعالیٰ نے روشنی کی بھی صفت رکھی ہے جس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ ہم اندھیرے میں روشنی حاصل کرتے ہیں۔تو دوسری طرف آگ کا پھیلاؤ معلوم کر سکتے ہیں۔ورنہ آگ ٹھوس چیز تو ہے نہیں کہ جسے پکڑا جا سکے۔اگر آگ کو روشنی اور رنگ عطا نہ کیا جاتا تو کوئی یہ نہ جان سکتا کہ آگ کہاں لگی ہوئی ہے جس سے تباہی مچ جاتی۔ہم بجلی اور گیسوں کے ذریعہ بھی روشنی حاصل کرتے ہیں۔غرض کہ آگ کا یہ تصور نہیں کہ جو لکڑی سے جلے وہی آگ ہے۔آگ ایک مستقل صفت ہے اور نہ پکڑا جانے والا وجود ہے۔اس کے لئے مخصوص شعلہ ہونا ضروری ہے مقصد جلانا ہے۔بجلی اگرچہ عموماً شعلہ نہیں نکالتی مگر جہاں سے تار کمزور ہو۔یا کوئی خرابی ہو تو فوراً شعلے نکالتی ہے اور آگ جل اٹھتی ہے۔ قیامت کے دن جہنم کی آگ بھی دھوئیں کے بغیر ہوگی یعنی اس کا دھواں نہ ہوگا۔

آج کل جو مہلک اسلحہ بن رہا ہے وہ بھی آگ ہے۔انسان نے اپنی ذاتی حاکمیت کے لئے اور ذاتی برتری کے لئے ایسے مہلک ہتھیار مثلاً ایٹم بم اور دوسرے بم بنائے ہیں۔درحقیقت یہ بھی ایسی آگ ہے جو بے حد تباہی پھیلاتی ہے اللہ تعالیٰ اس آگ سے سب دنیا کو محفوظ رکھے اور انسان سے یہ توفیق چھین لے کہ وہ ایسے مہلک ہتھیار بنائیں (آمین) کیونکہ اس سے کرہ ارض کی تباہی کا خطرہ ہے۔ آگ سے اگر بقدر ضرورت کام لیا جائے تو یہ بڑی نعمت ہے۔اور اگر اس کو تباہی و بربادی کے لئے استعمال میں لایا جائے تو اس سے بڑا عذاب کوئی نہیں۔

اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کا احسان ہے کہ اس نے انسانی ضروریات کے لئے آگ کو پیدا فرمایا اور پھر اسے انسان کے اختیار میں دیا۔

انسان کی تخلیقی حکمت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ

اور ہم نے انسان کو ایک ٹھیکری والی مٹی سے بنایا۔

اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوا کہ وہ انسان کو پیدا فرمائے اور زمین پر اس کو بسنے کا موقع دے پھر اس کو امتحان و آزمائش میں ڈالے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش اس طرح مقرر کی کہ انسان کو دو جنسوں یعنی عورت اور مرد میں تقسیم کر دیا۔اور پھر ان میں باہم محبت و الفت کا تعلق پیدا فرمایا۔ایسے عناصر ترکیبی اس میں رکھے کہ ایک دوسرے کے بغیر انہیں سکون نہ آئے اور ایک دوسرے کے ساتھ باآسانی زندگی بسر کر سکیں۔پھر ان مرد اور عورت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسان کی نسل پیدا کرنے کا انتظام فرمایا۔اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں انسان کی تخلیق کا مرحلہ وار نظام پیدا فرمایا۔ نطفہ سے خون بستہ' اور خون بستہ سے گوشت کا ٹکڑا' پھر ہڈیوں کا جسم' پھر ان پر گوشت پوست' پھر جسموں کے حصوں کو اعصاب کی عطا۔ اور حکمت کے ساتھ جال کے ذریعہ سے بندش کرنا اور ایک دوسرے کے ساتھ ملانا' پھر اعضا کی شکل عطا کرنا، پھر کان' ناک' آنکھیں' منہ اور دیگر زندگی کی ضروری چیزوں کو بنانا۔ پھر ان کو قوتوں کی عطا' آنکھوں میں دیکھنے کی قوت عضو ہر میں خاص صفت عطا فرمائی اور اس کی مخصوص صورت بنائی۔ ان طبقات سے اگر ایک بھی بیکار ہو جائے تو آنکھ اسے دیکھنے سے عاجز رہتی ہے۔ آنکھ کے اطراف میں پلکوں کو دیکھئے کو جو آنکھوں کی حفاظت کا کام دیتی ہیں۔ ان پلکوں کو اللہ تعالیٰ نے تیزی سے حرکت کرنے والا ایسے بنایا ہے کہ معمولی سے معمولی چیز کو دیکھ کر بھی یہ پلکیں حرکت میں آ جاتی ہیں اور آنے والے خطرے سے آنکھوں کو آگاہ کرتی ہیں جس سے انسان کا دفاعی نظام حرکت میں آ جاتا ہے یہ پلکیں ہوا میں اڑنے والے گرد وغبار سے بھی آنکھوں کو بچاتی ہیں۔ پلکیں آنکھوں کے لئے کسی دروازے کی طرح ہیں جو بوقت ضرورت کھل جاتی ہیں اور اگر ضرورت نہ ہو تو بند ہو جاتی ہیں۔

پلکیں

پلکوں سے جہاں ایک طرف حفاظتی کام لیا جاتا ہے وہاں یہی پلکیں انسانی چہرے پر خوب صورتی ورعنائی کا باعث بھی ہیں۔ یہ پلکیں اللہ تعالیٰ نے انداز ے اور ترتیب سے رکھی ہیں۔ آنسوؤں کو اللہ تعالیٰ نے نمکین بنایا تا کہ اس سے آنکھوں کا گرد وغبار اور میل صاف ہو جائے۔ پلکوں کی دونوں سمتوں کو اللہ تعالیٰ نے جھکا ہوا بنایا تا کہ آنسو ان پلکوں سے باہر نکل سکیں۔ انسان کے سوزوں بال جھالر کی طرح ہوتے ہیں۔ جو چہرے پر خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ سر اور داڑھی کے بالوں کو اس طرح بنایا کہ جو ایک رفتار سے بڑھتے ہیں۔ ہر شخص جس سٹائل کو پسند کرتا ہے اسے بنا سکے۔ منہ اور زبان کو اللہ تعالیٰ حکمتیں اور قوتیں عطا کی ہیں۔ منہ کے بند کرنے کے لئے بطور دروازہ دو ہونٹ بنائے۔ تا کہ ضرورت پڑنے پر کھولے جا سکیں۔ اور منہ میں نقصان دہ چیزیں گھس کر اسے نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دانتوں اور مسوڑھوں کی حفاظت اور خوبصورتی بھی ان ہونٹوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر ہونٹ نہ ہوتے تو منہ بدنما معلوم ہوتا۔ اور محفوظ بھی نہ ہوتا۔ ان ہونٹوں سے بات کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ ان کی مختلف حرکات سے حروف کی ادائیگی ہوتی ہے۔ اور انسان اپنا مافی الضمیر ان کی مدد سے ظاہر کرتا ہے۔ ہونٹوں کی مدد سے کھانا کھانے میں مدد بھی ملتی ہے۔ لقمہ کو منہ میں ادھر ادھر پلٹنے کا کام بھی ہونٹوں سے لیا جاتا ہے تا کہ کھانا داڑھوں کے اندر اچھی طرح چبایا جا سکے۔ گویا اس طرح یہ نظام ہضم کرنے میں بہت مدد دیتے ہیں۔

Marfat.com

دانت

دانتوں کی بناوٹ دیکھئے کہ قدرت نے انہیں بتیس ٹکڑوں میں بنایا ہے۔ سب کو ایک سالم ہڈی کے ٹکڑے کی طرح نہیں بنایا۔ ورنہ منہ کے اندر اس سے بہت اذیت ہوتی۔ موجودہ صورت میں اگر کوئی ایک دانت خراب ہو تو دوسرے دانتوں سے کام لیا جا سکتا ہے۔ ایک سالم ہڈی کا ٹکڑا ہوتا تو علاج آسان نہ تھا۔ دانتوں سے خوبصورتی کے ساتھ ساتھ ہم کتنا کام لیتے ہیں۔ اگر دانت نہ ہوتے تو کھانا نہایت مشکل ہو جاتا۔ سخت قسم کی چیزوں کا کھانا ممکن نہ رہتا۔ پھر ان کی بناوٹ پر غور کیا جائے کہ کس طرح سے ان میں دندانے بنائے۔ جڑوں کو کس مضبوطی سے پختہ کیا۔ سخت سے سخت چیزیں دانتوں کی مدد سے آسانی سے چبا کر کھا لیتے ہیں۔ اسی لئے دانتوں کی اوپر کی کھال نہایت سخت رکھی۔ کیونکہ اگر دانتوں کی یہ کھال نرم ہوتی تو پھر دانتوں کا جمے رہنا مشکل ہو جاتا۔ دانتوں کی مدد سے چبا کر کھانے سے جلد ہضم ہو کر کھانا بدن کا حصہ بن جاتا ہے اور انسان کو طاقت بخشتا ہے۔ حکماء کا قول ہے۔ کہ کھانے کے ہضم کے مختلف درجات ہیں اور پہلا درجہ منہ ہے۔ دانتوں کی اطراف میں دو داڑھیں بنائیں تاکہ سخت چیزوں کو کاٹنے کے لئے ان سے مدد لی جاسکے۔ جڑوں کو مضبوط کیا۔ یہ دانت سفید رنگ کے برابر برابر ایک قطار میں موتیوں کی طرح جڑے ہوئے خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔

منہ

قدرت نے رطوبت کو منہ کے اندر اس طرح قائم فرما رکھا ہے۔ کہ یہ کھانے پینے کے وقت پیدا ہوتی ہے۔ کھانے میں مل کر ہضم میں مدد دیتی ہے۔ اگر کھانے کے علاوہ منہ میں بھری رہتی۔ تو بات کرنے میں سخت تکلیف ہوتی اور منہ کا کھولنا مشکل ہو جاتا اور منہ کھولتے ہی رطوبت باہر آ جاتی۔ اس لئے اس کا کھانے کے وقت ظاہر ہونا تاکہ کھانے کے نظام ہضم میں مدد دے۔ اور بعد میں غائب ہونا یہ اللہ کی حکمت اور ہے۔ بعد میں بس اتنی رطوبت رہنی چاہئے جس سے حلق تر رہے۔ اور سوکھنے نہ پائے۔ ورنہ ہر کام دشوار ہو جائے ورنہ حلق خشک ہونے سے دم گھٹنے لگے گا۔ اور انسان ہلاک ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے کہ اس نے انسان کے کھانے کے لئے لذت اور طاقت زبان میں رکھی۔ کہ وہ مناسب چیزوں کو استعمال کرے۔ خراب' بدمزہ اور نقصان دہ چیزوں کے کھانے سے دور رہے۔ اشیاء کے سرد و گرم ہونے کا بھی زبان سے پتہ چلتا ہے۔

کان

انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو کان عطا فرمائے ہیں۔ اور کانوں میں خاص طرح کی رطوبت پیدا فرمائی ہے کہ جو کانوں کے اندر سننے کی خاصیت کی حفاظت کرتی ہے اور موذی اور نقصان دہ کیڑوں

سے انسان کو بچاتی اور انہیں ہلاک کر دیتی ہے۔ کان پر سیپ کی شکل کا دونوں طرف ایک ایک بیرونی خول بنایا۔ تاکہ یہ آوازوں کو جمع کر کے انسانی کان کے اندر پہنچائے اور ان کانوں میں ایسی تیز حس پیدا فرمائی کہ موذی جانوروں یا دوسرے نقصان دہ کیڑوں مکوڑوں اور اشیاء کے قریب آنے کو فوراً محسوس کرے۔ ان کانوں کو ٹیڑھا اور پیچیدہ بنایا۔ کہ آواز اچھی طرح سے بلند ہو کر اندر پہنچے۔ اور نقصان دہ کیڑا مکوڑا یکدم اندر داخل نہ ہو سکے۔ بلکہ ان ٹیڑھے میڑھے راستوں سے اسے اندر داخل ہونے میں دیر لگے۔ اور انسان اس کو کان سے باہر نکال سکے اگر انسان سویا ہوا ہو تو بھی بیدار ہو جاتا ہے پھر ہوا کے ذریعے مختلف اشیاء کی حرکات کو جاننے کی حس بھی اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھی ہے۔ اور ان رازوں سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے۔

ناک

ناک کو دیکھیے کہ چہرے کے درمیان اللہ تعالیٰ نے اسے کس خوبی سے رکھا ہے۔ چہرہ اس کی بدولت خوبصورت اور خوشنما دکھائی دیتا ہے۔ اس میں نتھنے بنائے ہیں۔ اور ان میں سونگھنے کی حس کو محفوظ فرمایا ہے۔ تاکہ انسان مشروبات اور خوشبوؤں کو سونگھ سکے اور بدبو سے دور ہو سکے اور ناک کے ذریعے روح حیات (تازہ ہوا) حاصل کر سکے۔ جو دل کی غذا ہے اور اندرونی نظام اس سے تروتازہ ہو۔ اور اسے مناسب وتازہ ہوا حاصل ہو سکے انسان ناک کے ذریعے ہی سانس لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ناک میں بال پیدا فرمائے ہیں۔ تاکہ ہوا کے ساتھ آنے والا گرد وغبار ان بالوں کی وجہ سے باہر رہ جائے اور انسانی بدن میں داخل نہ ہو۔

نرخرہ

نرخرہ کے ذریعے انسان آواز باہر نکالتا ہے۔ زبان سے حروف کی ادائیگی زبان کی حرکات کی وجہ سے ہے۔ سانس کا آنا جانا ان تمام کاموں میں نرخرہ استعمال ہوتا ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ بعض بہت تنگ اور بعض کھلے بعض نرم اور بعض سخت، بعض لمبے اور بعض چھوٹے اور ان اختلافات کے باعث ہی آوازوں میں فرق پیدا ہوتے ہیں۔ جس طرح دو صورتیں آپس میں جدا جدا ہیں۔ اسی طرح آوازیں بھی الگ الگ ہیں۔ آواز سن کر بولنے والے کو اچھی طرح پہچان لیا جاتا ہے۔ جس طرح شکل وصورت سے انسان کو شناخت کیا جاتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت رکھی ہے اور یہ فرق روز اول سے ہی قدرت نے رکھے ہیں۔ چنانچہ حضرت آدمؑ اور حوا کو بنایا۔ تو ان کی صورتوں میں بھی فرق رکھا۔ اسی طرح ان کی اولاد میں بھی یہ فرق نمایاں ہے۔ صورتوں وآوازوں کے علیحدہ علیحدہ ہونے میں بہت سی حکمتیں موجود ہیں۔ اور اس وجہ سے بہت سی مشکلات سے ہم نجات حاصل کر لیتے ہیں۔

Marfat.com

ہاتھ

اللہ تعالیٰ کے بڑے انعامات میں سے دو ہاتھ بھی بہت بڑا انعام ہیں۔ ان سے بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ نے خاص قوت رکھی ہے۔ ہاتھ کی چوڑی ہتھیلی اور پانچ انگلیاں۔ اور انگلیوں میں پورے بنائے۔ چار انگلیاں ایک سمت میں برابر اور انگوٹھا دوسری طرف کہ جو چاروں انگلیوں کی طرف حرکت کرتا ہے۔ انسان زندگی کے تمام کام ہاتھوں سے سرانجام دیتا ہے۔ ہاتھوں کے ساتھ کھانا کھاتا ہے۔ ہاتھوں سے لکھتا ہے۔ ہاتھوں سے مصافحہ کرتا ہے۔ ہاتھوں سے ہی تمام چیزیں پکڑتا ہے۔ ہاتھوں سے دشمن سے مقابلہ کرتا ہے۔ ہاتھوں سے برتن بناتا اور ہاتھوں سے ہی انسان روزی کماتا ہے اور ہاتھوں سے خود کو محفوظ کرتا ہے۔ ہاتھوں سے غسل و وضو کرتا ہے۔ انگلیوں کے پوروں پر اللہ تعالیٰ نے ناخن بنائے ہیں۔ جو خوبصورت بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اور چیزوں کے اٹھانے میں مددگار بھی ہیں۔ اگر ناخن نہ ہوں تو ہم باریک اور چھوٹی چیزوں کو نہ اٹھا سکیں۔ ہم اپنے بدن کو کھجاتے بھی انہی ناخنوں سے ہیں اگر ناخن نہ ہوتے تو جسم سے خارش کو دور کرنا ممکن نہ رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نہ تو ہڈی کی طرح سخت بنایا اور نہ گوشت کی طرح نرم۔ وہ بڑھتے بھی ہیں اور ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ اور ٹوٹنے کے بعد دوبارہ پھر نکل آتے ہیں۔ زیادہ بڑھنے پر تراش دیئے جاتے ہیں۔ سوتے اور جاگتے کھجلی آنے پر از خود حرکت کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسی صلاحیت رکھی ہے۔

ران اور پنڈلیاں

قدرت نے انسان کو ران اور پنڈلیاں دی ہیں۔ اور ان میں دو پاؤں بنائے کہ کھڑا ہو اور چل سکے، دوڑ سکے۔ ان پاؤں میں بھی ناخن بنائے جس سے پاؤں خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ انسان کے پاؤں نہ ہوں تو وہ مطلقاً محتاج ہو کر رہ جائے۔ نہ تو چل پھر سکے۔ اور نہ ہی ادھر ادھر آ جا سکے اور نہ ہی اپنے ضروری امور با آسانی سرانجام دے سکے۔ اور نہ ہی سفر کر سکے۔ نہ ہی زندگی کی رونقوں میں بھرپور شرکت ممکن ہو۔

ہڈیاں

ہڈیاں بہ ضرورت ٹیڑھی، سیدھی، مستطیل، گول، ٹھوس، خول دار، چوڑی، ہلکی، بھاری اور بڑی مختلف صورتوں میں بدن کے اندر موجود ہیں۔ جوڑوں کے اندر قدرت نے ایک رقیق سفید مادہ رکھا ہے۔ جس سے ان کی حفاظت ہوتی ہے۔ اور قوت بھی پہنچتی ہے۔ انسان اپنی تمام ضرورتوں کے لیے اپنے تمام جسم کا محتاج ہے۔ اور اس کی بدولت مختلف انداز سے اپنے جسم کو حرکت دیتا ہے

قدرت نے اس کی ضروریات کے لحاظ سے ہڈیوں کا علیحدہ علیحدہ نظام بہت سے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ تا کہ بوقت ضرورت جسم کو آسانی سے موڑا جا سکے۔ اگر تمام جسم میں سینکڑوں ہڈیوں کی بجائے ایک سالم ہڈی ہوتی تو پھر انسان کے لئے چلنا پھرنا' رخ موڑنا اور جھکنا بہت مشکل ہو جاتا۔ ان ہڈیوں کو باہم ہلانے کے لئے اور ان کے جوڑوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کرنے کے لئے اعصاب کا رشتہ قائم کیا۔ ایک ہڈی کو دوسری ہڈی سے ملانے کے لئے ان کے کناروں کو اس طرح بنایا ہے کہ اگر ایک مکعب ہے تو دوسری ہڈی کا کنارہ مجوف تا کہ دونوں اچھی طرح جڑ سکیں۔ غرضیکہ ہڈیوں کا تمام جڑاؤ اور جسم کی ترکیب اس حکمت سے قدرت نے بنائی ہے۔ کہ انسان ارادہ کرنے پر معمولی سی حرکت سے اپنے جسم سے کام لے سکتا ہے۔ انسان کے سر کو دیکھئے یہ 55 ہڈیوں سے بنا ہوا ہے۔ اور تمام ہڈیاں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ سب کی صورتیں جدا جدا ہیں۔ پھر قدرت نے ان تمام مختلف اشکال کی ہڈیوں کو اس حکمت سے جمع کیا ہے۔ کہ مکمل کردی شکل بن گئی ہے۔ چھ ہڈیاں کھوپڑی کے حصہ میں 24 اوپر کے جبڑے میں اور 2 نیچے کے جبڑے، میں باقی دانت ہیں جنہیں قدرت نے چوڑا بنایا ہے۔ تا کہ چبانے کا کام دیں۔ گردن سر کے لئے مرکز ہے۔ اس میں سات گول کھوکھلے مہرے ہیں۔ جو ایک دوسرے پر قائم ہیں۔ اور ان میں جو حکمتیں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہیں اس کے لئے کافی تفصیل کی ضرورت ہے۔

گردن کے نچلے حصے کو پشت پر قائم کیا گیا ہے۔ اور اس طرح چوبیس مہرے سلسلہ بسلسلہ سرین کی ہڈی تک پہنچتے ہیں۔ سرین میں تین اور ہڈیاں ہیں۔ اور پشت کی ہڈیوں کو نیچے کی طرف سے دم والی ہڈی سے جوڑا گیا ہے۔ جس کو عصعص کہتے ہیں۔ جو خود بھی تین مختلف ہڈیوں مجموعہ ہے۔

پشت کی ہڈی کو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے سینے' شانے' ہاتھ' سرین' ران' پنڈلیوں' وغیرہ سے بڑی حکمت سے وابستہ فرمایا ہے۔ بدن انسانی میں 248 ہڈیاں ہیں۔ ان میں وہ چھوٹی چھوٹی ہڈیاں مستثنیٰ ہیں۔ جو مفاصل کے خلاء کو بھرنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کمال صناعی پر غور کرو کہ اس نے یہ سب کچھ ایک قطرہ سے پیدا فرمایا۔ اور اس میں اہل بصیرت کے لئے بڑی عبرت ہے۔

اب ذرا جسم کے اندورنی نظام پر غور کیا جائے۔ ہڈیاں کو حسب ضرورت حرکت میں لانے کے لئے قدرت نے عضلات پیدا فرمائے ہیں۔ یہ تعداد میں 529 ہیں۔ اس کی ترکیب گوشت' پٹھے' رباطات اور جھلی ہے۔ یہ مختلف شکل وصورت کے ہیں۔ اور چھوٹے بڑے چوڑے' پتلے' حسب موقع اور حسب ضرورت بنائے گئے ہیں۔ 24 عضلات جو آنکھوں اور پلکوں کی مختلف حرکات کا کام دیتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو آنکھ کا نظام تباہ ہو جائے۔ اس طرح ہر عضو کے مناسب عضلات ہیں جو اس کی مناسبت سے چھوٹے بڑے ہیں۔ اب اعصاب پٹھے' عروق رگیں اور وہ شرائین آنتیں اور ان کے

Marfat.com

پیدا ہونے کے مقامات اور ان کی تشریحات اس سے کہیں زیادہ حیرت ناک ہیں۔ پھر ان میں اللہ تعالیٰ نے جو صفات پیدا کی ہیں ان کو ہم اپنے علم اور حواس سے محسوس نہیں کر سکتے۔ اس کی تخلیقی صورت کا دیگر حیوانات کی نسبت امتیازی شرف یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سیدھا کھڑا ہونے والا بنایا۔ اور اپنے دونوں ہاتھوں سے تمام کام کرتا ہے۔ اگر انسان کی مجموعی حیثیت تخلیق پر نظر کی جائے۔ اور اس کا ظاہری و باطنی نظام دیکھا جائے تو 'قدرت کی کمال حکمت اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا حیرتناک نمونہ ہے۔ انسانی اعضا کو اللہ تعالیٰ نے کامل بنایا۔ غذا کی ایک خاص مقدار کھانے سے انسان کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن ان اعضا کے لئے بھی قدرت نے ایک حد مقرر کر دی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو غذا کے اضافہ سے انسانی اعضا بھی بڑے بڑے اور موٹے ہو جاتے۔ جسم عضو معطل بنا کر رہ جاتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ اس نے انسانی اعضا کو مناسب تناسب کے ساتھ رکھا۔ ورنہ مکان ولباس اور خوراک کے لئے بے حد مشکلات پیدا ہو جاتیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنا کر اس میں فطرت کے کتنے ہی راز عطا کیے ہیں۔ اسے عقل جیسی نعمت سے نوازا۔ اور عقل اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا انعام ہے جو انسان کو جانوروں سے الگ کرتا ہے انسان کو غم اور خوشی ناراضگی اور رضامندی جیسے لوازمات عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق میں انسان کو اس طرح مخاطب فرمایا۔

ءَ اَنْتُمْ اَشَد خَلْقً اَمِ السَّمَآءِ بَنَا هَا رَفَعَ سَمْكَهَا

کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا اللہ نے اسے بنالیا۔ اونچا کیا اس کا ابھار پھر اس کو برابر کیا۔ (القرآن)

اور یہ شان تخلیق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اس نے آنتوں کا نظام بنایا۔ پھر قلب وجگر' معدہ تلی' مثانہ وغیرہ اپنے اپنے مقام پر رکھے۔ تا کہ ہر ایک اپنا کام جاری رکھے۔ اور انسانی زندگی کی صحت مندانہ نشو ونما کو یقینی بنائیں۔ معدہ کو غذا کے ہضم کے لئے مضبوط اور عمدہ قسم کے اعصاب سے بنایا۔ کہ غذا کے پختہ کرنے میں اس سے کام لیا جاتا ہے۔ جگر کو اس کام پر مامور فرمایا کہ غذا کے اچھے عنصر سے خون تیار کرے۔ اور ہر عضو کو اس سے غذا پہنچائے۔

تلی' پتہ اور گردوں کو جگر کی خدمت کے لئے بنایا۔ تلی کا کام یہ ہے۔ کہ وہ سوداء خون کے جلے ہوئے اجزاء حاصل کرے۔ پتہ صفرائی اجزاء کو علیحدہ کر دے۔ گردے مالی اجزاء کو حاصل کریں اور مثانہ میں جمع کر دیں۔ اور مثانہ کا کام یہ ہے کہ وہ گردوں سے مالی اجزاء کو اپنی طرف جذب کر کے پیشاب کے راستے سے باہر نکال دے۔ عروق اور جگر خون کو جسم کے تمام حصوں میں پہنچانے میں مدد دیتے ہیں۔ اور خون کا جوہر خالص جو گوشت کے جوہر سے زیادہ

Marfat.com

لطیف اور اچھا ہوتا ہے اس جگر میں محفوظ رہتا ہے۔ گویا یہ ایک ایسا برتن ہے کہ جس میں صالح جوہر کا خزانہ موجود ہے اور حسب ضرورت جسم کے حصوں میں تقسیم ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے اپنی قدرت کا ایسا نظام قائم کیا ہے۔ جسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت وہ محض جاہل ہوتا ہے۔ نہ عقل و ہوش اور نہ اچھے برے کی پہچان۔ اللہ تعالیٰ رفتہ رفتہ اُس کو یہ ساری قوتیں عطا فرماتا ہے۔ اگر بچے کو روز اول سے ہی شعور دے کر بھیجا جاتا تو انسان کے لئے بے حد مشکلات ہوتیں۔ بچہ اپنی حالت اور محتاجی دیکھ کر ذہنی طور پر مفلوج ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام ترتیب دیا ہے کہ بچہ رفتہ رفتہ شعور اور پہچان حاصل کرتا ہے اور اس طرح وہ منزل بہ منزل زندگی کی راہوں پر قدم رکھتا ہے۔ اس کے دانت نکلتے ہیں۔ ابتداء میں اس کا معدہ کمزور ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ماں کے دودھ کو اس کے لیے خوراک بنایا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ٹھوس غذا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ معدے کے فاسد مواد سے جگر کو بچانے کے لئے باریک باریک عروق کو اتنا باریک اور خاص حکمت سے بنایا گیا ہے۔ اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ فاسد اور غلیظ مواد جگر تک پہنچ جائیں۔ گویا یہ عروق چھلنی کی طرح ہیں۔ جو چھان کر ضروری اور اچھی مناسب جزو خوراک جگر تک پہنچاتی ہیں اور پھر جگر اس جزو کو خون میں تبدیل کر دیتا ہے۔

جو شخص عقل جیسی نعمت سے محروم ہے۔ اس کا درجہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ جانور تو اپنے پرائے اچھے اور برے میں فائدہ مند اور نقصان دہ میں فرق کر لیتے ہیں۔ مگر عقل سے محروم پاگل تو یہ بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوتیں عطا کی ہیں۔ مثلاً دیکھنا' سننا' محسوس کرنا' سونگھنا' چلنا پھرنا اگر ان میں سے کسی ایک سے بھی محروم ہو جائے۔ تو یہ بہت نقصان دہ ہوگا۔

زبان: یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے کہ جہاں ایک طرف ہم اس سے ذائقہ محسوس کرتے ہیں وہاں یہ اظہار خیال کا ذریعہ بھی ہے اور اس کے ذریعہ ہم باتیں کرتے ہیں۔ اپنا مطلب واضح کرتے ہیں۔ احکامات پہنچاتے ہیں۔ علم کی دولت سے دوسروں کو مالا مال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور زبان ہی سے انسان کا ایک دوسرے سے ادائے خیال کا رشتہ قائم ہے۔ اس زبان سے جہاں گفتگو کرتے ہیں۔ وہاں خوش الحانی کا ذریعہ بھی زبان ہے۔

دنیا کی چیزوں میں بے شمار حکمتیں اور لطائف ہیں۔ ان کو گننا اور ایک ایک چیز کو تفصیل سے بیان کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ اور نہ ہی انسان ہر چیز کے وجود کی حقیقت تک پوری طرح پہنچ سکتا ہے۔ ہر تعریف کے قابل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

Marfat.com

پرندوں کی پیدائش کی حکمت

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''کیا تم ان پرندوں پر نظر نہیں کرتے۔ جو آسمان پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بغیر ان کو کوئی روک نہیں سکتا۔'' (القرآن)

اللہ تعالیٰ نے پرندوں کو پیدا فرمایا اور اپنی حکمت سے ان میں ان تمام چیزوں کو رکھا۔ جو ان کے اڑنے کے لئے مناسب ہیں اور ان میں ایسی بھاری چیزیں پیدا نہیں کیں جو ان کی اڑان میں مانع ہو سکتی تھیں۔ پرندوں کو جن جن خصوصیات کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرما دیں۔ ان کا قوام بنایا اور ان کی غذا بنائی اور ہر عضو کے لئے غذا سے مناسب حصہ پہنچایا۔ عضو کے نرم و سخت اور خشک ہونے کی صورت میں غذا سے ایسے مناسب اجزاء کو ان اعضاء کی غذا کے لئے پہنچاتا ہے۔ جو نرم و خشک اور سخت اعضاء کے کام آ سکیں۔

پرندوں کو اللہ نے پاؤں دیئے۔ اس لئے کہ وہ چل پھر سکیں۔ اور زمین سے خوراک حاصل کر سکیں۔ اڑنے میں بھی ان سے مدد لیں۔ پاؤں کو نیچے سے کشادہ بنایا تاکہ زمین پر اچھی طرح سے قائم رہیں۔ پاؤں بھی اس نہایت ہلکے بنائے۔ انگلیوں کا کچھ حصہ ٹھوس و باریک جلد سے بنایا۔ جو ٹانگوں کی جلد سے ذرا سخت ہے۔ ٹانگوں کی جلد موٹی اور مضبوط بنائی۔ تاکہ گرمی و سردی میں ان کو پروں کی ضرورت نہ ہو۔ اور ٹانگوں سے پروں کو برہنہ رکھا۔ تاکہ کہیں گیلی اور کیچڑ والی جگہوں پر چلنے سے پر لت پت نہ ہوں۔ اور اسے اڑنے میں مشکل پیش نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں مناسب فرمایا وہاں پروں کو پیدا فرمایا اور جہاں ضرورت نہ تھی ان جگہوں کو پروں سے خالی رکھا۔ پرندوں کو ان کی جسامت کے مطابق پاؤں دیئے۔ ایسے پرندے جو پانی میں کھڑے ہو کر خوراک تلاش کرتے ہیں ان کو لمبے پاؤں دیئے اور جو خشکی میں ہیں رزق تلاش کرتے ہیں ان کو چھوٹے چھوٹے پاؤں عطا فرمائے۔ دانہ چگنے کے لئے لمبی گردنیں عطا کیں۔ اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے سینوں کو گول اور ہڈیوں سے اس طرح بنایا ہے کہ وہ ہوا کو پھاڑ سکتا ہے۔ اور اس کے بازوؤں کے سروں کو گول بنایا تاکہ وہ باآسانی اُڑ سکے۔ پرندوں کی اقسام کے لحاظ سے ان کے غذا حاصل کرنے کی نسبت سے چونچیں چھوٹی، لمبی تیز، سخت، ٹیڑھی اور سیدھی بنائی ہیں۔ تاکہ دانہ چگنے، کھودنے، توڑنے، چیرنے، پھاڑنے، میں کام دے سکیں۔ بعض چونچوں کو ایسا تیز اور سخت بنایا ہے کہ ان کے ذریعے سخت سے سخت چیزوں کو توڑ سکتے ہیں۔ اور گوشت کو نوچ کر کھا سکتے ہیں۔ بعض چونچیں چوڑی اور کنارے دار ہوتی ہیں۔ کہ دانے کو اچھی طرح سے ان پر رکھا جا سکے۔ بعض سیدھی ہوتی ہیں مگر حد اعتدال میں تاکہ وہ سبزی، ترکاری اور پھل وغیرہ کھا سکیں۔

Marfat.com

بعض زیادہ لمبی مگر ہڈی کی طرح سخت ہوتی ہیں مگر اندر کے حصہ میں ملائم ہڈی کی طرح نرم ہوتی ہیں۔ اور دانتوں کا کام بھی ان سے لیا جاسکتا ہے۔

پرندوں کے پروں کو اللہ تعالیٰ نے لمبا، ریشہ دار اور ہلکا بنایا تاکہ اڑنے میں ان سے مدد لی جاسکے۔ اور نہایت مضبوطی سے وہ بازوؤں میں لگے ہوتے ہیں۔ کہ رات دن اڑنے سے بھی وہ خراب نہیں ہوتے۔ کیونکہ اڑنے میں انہیں تیزی سے حرکت کرنی پڑتی ہے اس لئے جلد کو نہایت مضبوط بنایا اور سردی و گرمی سے حفاظت کا سامان بھی پیدا فرمایا۔ یہ جہاں ایک طرف پرواز کے کام آتے ہیں وہاں دوسری طرف خوبصورتی بھی پیدا کرتے ہیں۔ ان پروں میں یہ خصوصیت بھی ہے کہ مسلسل بھیگنے سے خراب نہیں ہوتے۔ اور ہلکے سے انداز میں بھی ان سے پانی جھڑ سکتا ہے۔ پروں کے اندر سوراخ پرورش اور فضلات کے خارج کرنے کے کام آتے ہیں۔ پرندوں کی دم کو اس طرح بنایا کہ اڑنے میں ان سے مدد لی جاسکتی ہے۔ تاکہ پرندے ہوا کے زور سے ایک ہی طرف کو نہ بہہ جائیں۔ اگر دم نہ ہوتی تو وہ حسب ضرورتِ اپنے لئے پرواز کی سمت متعین نہ کرسکتے۔ گویا یہ دم موڑ کاٹنے کے کام آتی ہے۔ اسی طرح جیسے کشتی میں چپو ہوتے ہیں۔ پرندوں کے اندر ان کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے طبعی طور پر علیحدہ رہنے کی عادت پیدا فرمائی۔ پرندے کیونکہ بغیر چبائے خوراک نگلتے ہیں اس لئے بعض چونچوں میں ایسی دھاریاں بنائی ہیں کہ گوشت وغیرہ بھی ان کی مدد سے ٹکڑوں میں کٹ جاتے ہیں۔ اور ان سے ہضم میں سہولت ہوتی ہے۔ پھر ان کے پوٹوں میں ایسی حرارت پیدا فرمائی ہے۔ کہ وہ سخت سے سخت غذا کو بھی گلا دیتی ہے اور قابل ہضم ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر آپ ایک ثابت انگور کسی کو کھلا دیں تو وہ ثابت ہی برآمد ہوگا مگر پرندے کو کھلا دیں۔ تو وہ پس جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پوٹ میں گرمی رکھی ہے وہ خوراک کو گلا دیتی ہے۔ پرندوں کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمائی ہے کہ وہ انڈے دیتے ہیں۔ اس طرح پرندے کو امان ہوتی ہے اور اگر پرندے کے پیٹ میں بچہ ہوتا۔ تو اڑنا اس کے لئے مشکل ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے پرندے کو پابند کیا کہ وہ انڈوں پر بیٹھیں۔ ان کو گرمی پہنچائیں۔ اور پھر جب ان سے بچے پیدا ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظام کے مطابق پرندے بچوں کے منہ میں نرم کر کے دانہ ڈالتے ہیں اور جب تک بچے بڑے نہیں ہوتے۔ پرندے خالی ہوا سے ان کے پیٹ بھرتے ہیں۔ پرندے بچوں کی پرورش میں بڑی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پرندوں کو ایسی سمجھ بوجھ عطا فرمائی ہے۔ کہ ایسے بھی کئی پرندے ہیں جنہیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ اب انڈے کے اندر بچہ مکمل ہو چکا ہے۔ وہ چونچ سے انڈے کو توڑ کر بچہ نکال لیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی

Marfat.com

حکمت ہے۔ انڈا اگر کسی وجہ سے خراب ہو جائے تو پرندے کو اندازہ ہو جاتا ہے اور وہ اس پر بیٹھنا چھوڑ دیتا ہے۔ حتیٰ کہ پرندے گندے انڈے کو گھونسلے سے نیچے پھینک دیتے ہیں۔ انڈے سے نکلنے کے بعد بچے کو جو پہلی خوراک پرندہ دیتا ہے۔ وہ ہوا ہوتی ہے۔ اور پھر ہضم شدہ غذا بچے کو دیتا ہے جب پرندہ سمجھ لیتا ہے کہ بچے کے پوٹے میں غذا ہضم کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے تو دانے سے غذا دیتا ہے۔ یہ مراحل اللہ تعالیٰ کی حکمت سے پرندے نے سیکھے ہیں۔ مختلف پرندوں کے بچوں کی پیدائش کی صورتیں بھی مختلف ہیں۔ مثلاً مرغی بچے میں ہوا نہیں بھر سکتی اور کھلانے کی صفت بھی نہیں رکھتی۔ اس لئے مرغی کا بچہ انڈے سے باہر آتے ہی اپنی غذا خود حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ بچہ جیسے ہی انڈے سے باہر نکلتا ہے۔ پرندہ اسے پروں میں لے کر گرمی پہنچاتا ہے۔

انڈے کی تخلیق پر غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی کبریائی پر سر بسجود ہونے کو دل چاہتا ہے۔ یہ سفید رطوبت اور زرد رطوبت کا مجموعہ ہے۔ سفید رطوبت غذا کے لئے ہوتی ہے۔ اور زرد رطوبت سے جسم کی ساخت بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھئے کہ بچے کے پیدا ہونے سے پہلے ہی انڈے کے اندر اس کی خوراک کا نظام پیدا فرما دیا۔

پرندوں کے پوٹوں تک غذا کے جانے کے راستہ کو اس لئے تنگ بنایا گیا ہے کہ پرندہ کو ایک ایک دانہ چگنے سے کافی وقت درکار ہوتا ہے۔ اور پرندوں کو ہر وقت شکاری کا ڈر رہتا ہے اور ذرا ذرا سی حرکت ہونے سے ہوشیار رہتا ہے اگر شکاری آ جائے تو اسے مہلت نہیں ملتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے پوٹے کو اس طرح بنایا ہے گویا کہ وہ کھانے کے جمع رکھنے کا تھیلا ہے۔ یہاں جلدی جلدی دانے چن کر جمع کر لیتا ہے۔ اور پھر اطمینان سے ایک ایک دانہ کو اس تھیلے سے لے کر ہضم کے مقام پر پہنچاتا رہتا ہے۔ اور پھر تمام پرندوں میں ایک ہی حکمت مشترک نہیں۔ بلکہ جو پرندے اپنے بچوں کو خود کھلاتے ہیں۔ ان کے لئے کھانا پوٹے سے نکالنا نہایت آسان بنا دیا گیا ہے۔

پرندے کے پر کپڑے کے تاروں کی طرح ایک دوسرے سے باریک باریک تاروں سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ کچھ خشک اور قدرے سخت ہوتے ہیں جو اطراف سے حفاظت کرتے ہیں۔ اور کچھ نرم ہیں جو دباؤ سے نہیں ٹوٹ سکتے۔ اندر سے کالے اور بہت ہلکے ہوتے ہیں۔ ڈوروں کے تاروں کی طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔ اگر پرندہ ان کو پھیلائے تو یہ اس طرح نہیں پھیلتے کہ ہوا ان میں داخل ہو کر پرندوں کو اڑان سے باز رکھے۔ ان پروں کے درمیان ایک موٹا سخت اور خشک عمود سا ہوتا ہے۔ جس پر چاروں طرف سے یہ اگے ہوتے ہیں۔ جس طرح بال ہوتے ہیں۔ اور وہ سب کو محفوظ اور مضبوط رکھتا ہے۔ اگرچہ وہ عمود اندر سے خالی ہوتا ہے۔ تاکہ ہلکا رہے۔ مگر اپنی

Marfat.com

صلاحیت کے باعث بہت مضبوط ہوتا ہے۔اور پروں کے وسط میں عمود نہ ہو تو پرندہ ہوا کا مقابلہ نہ کر سکے۔ بلکہ تیز ہوا سے پرندوں کا اڑنا بھی نہایت مشکل ہو جائے۔اللہ تعالیٰ نے بے شمار اقسام کے پرندے تخلیق فرمائے ہیں۔مثلاً عقاب' کوے' چڑیا' کبوتر' طوطا' فاختہ' مور' گدھ' چیلیں' تلیر' مرغابی' کونج اور بے شمار آبی و خشکی کے پرندے۔

اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی غذا جہاں مقرر کر رکھی ہے وہ اُسی جگہ پر تلاش کرتے ہیں جیسے بعض پانی میں اور بعض خشکی میں کھیتوں میں خوراک تلاش کرتے ہیں۔بعض پرندے رات کو خوراک تلاش کرتے ہیں۔مثلاً الو اور ابابیل وغیرہ۔ چمگادڑ کو بعض لوگ پرندوں اور بعض جانوروں میں شمار کرتے ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ چمگادڑ پروں کے بغیر بازوؤں کے قوت سے پرواز کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا کہ وہ جسے چاہے پروں کے بغیر بھی اڑنے کی طاقت عنایت فرما سکتا ہے۔ایسی مچھلیاں بھی ہیں جو سطح سمندر پر پرواز کر سکتی ہیں۔ پانی کے پرندے پانی کے اندر غوطہ لگانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔اور بعض سمندری پرندے ایسے بھی ہیں۔کہ جو پانی کی گہرائی میں اتر کر نیچے سے مچھلی یا کوئی دوسری خوراک حاصل کر لیتے ہیں۔

اگر ہم ان پرندوں کے نظام کو ہی دیکھنے بیٹھ جائیں۔تو عمر گزر جائے۔اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کارخانہ حیات کا خالق ہے وہ علیم و بصیر ہے۔اور اس کی وحدت و عظمت پر ایمان لانا ہی عقل و دانش کی علامت ہے۔

چوپائیوں کی پیدائش کی حکمت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا

گھوڑے' خچر اور گدھے بھی پیدا کیے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہاری زینت کے لئے بھی ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے چوپائیوں کو انسان کے لئے پیدا فرما کر رحم فرمایا ہے اور انسانی کی خدمت کے لیے کام کے جانور پیدا فرمائے۔ان کی جسمانی تخلیق اس طرح فرمائی کہ نہ تو زیادہ نرم ہیں اور نہ زیادہ سخت تا کہ ہم ان سے اچھی طرح فائدہ حاصل کر سکیں۔ان کے گوشت پوست اور اعصاب نہایت مضبوط اور مستحکم بنائے ہیں۔تا کہ ہم ان کو وزن اُٹھانے کے لیے اور سواری کے کام میں لا سکیں۔ان کی کھال نہایت موٹی اور مضبوط بنائی کہ ان کا بدن محفوظ رہے۔اور ان کا گوشت باہر کی چوٹوں سے بچا رہے۔ان جانوروں کو کان' آنکھیں بھی دیں کہ انسان اپنی ضرورت ان سے پوری کر سکے۔اور یہ جانور بھی اپنی ضروریات کی کفالت کر سکیں۔اور کانوں کی بدولت خطروں سے محفوظ رہیں۔اگر یہ جانور

اندھے اور بہرے ہوتے تو انسان ان سے کبھی کام نہ لے سکتا۔ اور اگر ان جانوروں کو زیادہ عقل و ہوش عطا کر دیا جاتا تو یہ کبھی انسان کے کام نہ کرتے۔ اور انسان ان کو قابو نہ کر سکتا۔

اگر یہ جانور انسان کی خدمت کے لئے پیدا نہ کیے جاتے تو انسان کو تمام تر طاقت سخت کاموں کے انجام دینے میں تکلیف ہوتی۔ علم کا حصول اور عبادات کی انجام دہی اور درجات کی تکمیل جن کے لئے انسان کو شرف اور عزت بخشی گئی ہے۔ انسان اس سے قطعاً محروم اور عاجز ہو جاتا۔ اور اپنے لئے روزگار حاصل کرنے کے بہتر وسائل اور معزز طریقے بھی استعمال نہ کر سکتا۔ پس اس طرح اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے انسان کے لئے مناسب اور اس کی ضرورتوں کے پیش نظر اپنی حکمت و تدبر سے جانوروں کی تخلیق کی کہ وہ ہر طرح سے انساں کے کام آ سکیں اور کسی طرح نافرمانی نہ کریں۔

حیوانات اور دیگر جانوروں کی اقسام اور ان کی ضروریات اور ان کی صلاحیتوں اور قوتوں کی موجودگی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ علیم حکیم ہے۔ ان جانوروں کو دیکھئے کہ جن کی خوراک اللہ تعالیٰ نے نباتات سے بنائی ہے بعض جانوروں کے نیچے کے حصوں کو اس طرح بنایا ہے کہ سخت زمین پر جب وہ اپنی خوراک کی تلاش میں چلیں پھریں تو سنگلاخ زمین پر بھی ان کے پاؤں محفوظ رہیں اور کسی جانور کو گول گڑھے دار کھر عطا فرمائے تا کہ زمین پر اپنے قدم پوری طرح جما سکیں۔ سواری اور سامان اُٹھانے میں اپنے قدموں کو مضبوطی سے قائم رکھ سکیں۔ گوشت خور جانوروں کی تخلیق پر غور کریں کہ ان کے دانت اور داڑھیں کیسی تیز دھار بنائی ہیں اور ان کا منہ کس طرح چوڑا رکھا ہے گویا قدرت نے انہیں ہتھیار دیئے ہیں کہ جن سے یہ اپنے لئے شکار حاصل کر سکیں۔ اگر گھاس اور پتے وغیرہ کھانے والے جانوروں کو تیز دانت اور تیز داڑھیں عطا کی جاتیں تو ان کے کس کام آتیں قطعاً بے فائدہ ہوتیں کیونکہ نہ تو ان کو شکار سے کوئی غرض ہے اور نہ گوشت کھانے کی ضرورت۔ اسی طرح سے اگر درندوں کی ایسے کھال ہوتی جس کی ضرورت گھاس والے جانوروں کو ہوتی ہے تو یہ ان کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہوتی۔ اور وہ اپنے لئے شکار حاصل نہ کر سکتے۔ ہر جانور کو قدرت نے اس کی ضرورت کی تحت اعضاء اور جسمانی ساخت عطا فرمائی ہے۔ ان کے بچوں کی پیدائش کو دیکھا جائے مثلاً چوپائیوں پر نظر کریں کہ وہ پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کے ساتھ ساتھ کس طرح چلتے پھرتے ہیں۔ انسانوں کے بچوں کی طرح نہ ان کی پرورش کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ اس طرح اٹھائے پھرنے کی حاجت چوپاؤں کی ٹانگوں پر نظر کرو کہ چلنے پھرنے اور دوڑنے میں وہ کس طرح اپنے پاؤں رکھتے ہیں تو دوسری دو پر خود کو اس طرح سہارا دیتے ہیں کہ گرتے نہیں ہیں۔ اگر وہ آگے کی دونوں ٹانگوں کی یکدم اٹھائیں اور پچھلی

Marfat.com

ٹانگوں کو بھی یکدم اٹھائیں تو نہ ہی آسانی سے چل پھر سکیں اور نہ خود کو زمین پر قائم رکھ سکیں۔ گدھا سامان اُٹھانے اور چکی چلانے کے کام آتا ہے۔ بعض اس سے ہل چلانے کا کام بھی لیتے ہیں۔ گھوڑا سواری کے کام آتا ہے اور پُرانے زمانے میں جنگوں میں جنگجو گھوڑوں پر بیٹھ کر جنگ کیا کرتے تھے۔ گھوڑا بہادری کی علامت اور شاہی سواری سمجھی جاتی ہے۔ بادشاہوں کے اصطبل گھوڑوں سے بھرے ہوتے تھے۔ تیز رفتار سفر کا پرانے زمانے میں واحد ذریعہ یہی تھا اور گھوڑ سواری شروع ہی سے انسانوں کا پسندیدہ شغل ہے۔ اونٹ صحرا کا جہاز ہے۔ ریت میں نہایت تیزی سے سفر کرتا ہے۔ اور پھر اس میں یہ خاصیت ہے کہ یہ پیٹ میں پانی جمع کر لیتا ہے اور اسے کئی کئی دن پانی کی طلب نہیں ہوتی کیونکہ صحراؤں میں دور دور تک پانی کا نام ونشان نہیں ملتا۔ اگر اونٹ میں پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت نہ ہوتی تو صحراؤں اور ریتلے علاقوں میں سفر مشکل ہو جاتا۔ گائے، بھینس اور بکری سے دودھ حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ چارہ کھاتی ہیں اس سے خون بھی بنتا ہے اور فضلات بھی خارج ہوتے ہیں۔ اسی سے دودھ جیسی نعمت بھی میسر آتی ہے۔ اور پھر ان کا گوشت بھی انسان کی پسندیدہ خوراک ہے۔ انسان اپنی دعوتوں میں گوشت استعمال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھئے کہ ان جانوروں کی کھالیں بھی انسان کے استعمال میں آتی ہیں۔ ان سے جوتے، خیمے اور چمڑے کی بہت سی دیگر چیزیں بنتی ہیں۔ بھیڑوں سے اون حاصل ہوتی ہے۔ جس سے انسان سردی سے بچنے کے لئے کمبل، دریاں اور اونی چادریں بناتا ہے۔ اس سے لباس بھی تیار کیا جاتا ہے۔ غرض یہ انسان کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ انسان کی خدمت بھی کریں اور اس کی دیگر ضروریات بھی پوری کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو انسان کے تابع فرما دیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو انسان کا فرمانبردار نہ کرتا۔ تو انسان بھی ان کو اپنے قابو میں نہ لا سکتا۔

درندوں میں اگر عقل وشعور ہوتا تو یہ انسانوں پر برابر حملے کرتے رہتے۔ اور ان سے بچنا انسان کے لئے مشکل ہوتا۔ خصوصاً اس وقت جب ان کو بھوک کی شدت ہوتی۔ اور وہ غذا کی طلب میں پھرتے۔ تو انسانوں کو ان کے گھروں کے اندر بھی غیر محفوظ کر دیتے۔ کیونکہ ان میں طاقت اور چستی اس قدر ہوتی ہے کہ ہمارے مکانات وغیرہ میں حفاظتی تدابیر دھری کی دھری رہ جاتیں۔ اور عقل وشعور سے محروم رکھ کر اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان پر رحم فرمایا۔

کتے کو دیکھو کہ ہے تو یہ بھی ایک درندہ۔ مگر انسان کا وفادار ہے۔ اپنے مالک کے گھر پہرہ دیتا ہے۔ اتنا صابر ہے کہ اگر اسے خوراک نہ بھی ملے تو مالک ہی کی چوکھٹ پر جان دے دیتا ہے۔ اس کے علاوہ سدھائے ہوئے کتے شکار کے بھی کام آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو حسب ضرورت کھال

Marfat.com

کی صورت میں لباس عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کو اپنی حفاظت کرنے کا شعور عطا فرمایا ہے۔ وہ جھاڑیوں میں خود کو محفوظ رکھتے ہیں۔ خطرہ کی صورت میں محفوظ مقامات پر جا چھپتے ہیں۔ گھوڑا فوراً خطرے کو محسوس کرتا ہے گدھا، بھینس اور گائے، بکری۔ سب کے سب حفاظتی شعور سے مالا مال ہیں۔ اب بیل کو دیکھئے کہ کس قدر طاقتور ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اُسے انسان کا تابع کر کے انسان کے بہت سے مسائل حل فرمائے ہیں۔ بیل سے کھیتوں میں ہل چلائے جاتے ہیں۔ جو بہت مشکل کام ہے۔ بھاری بھرکم سامان بیل گاڑیوں پر ادھر سے ادھر لایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کو ضرورت کے مطابق تمام تر لوازمات عطا فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ انسان کے لئے بے پناہ نعمتیں پیدا فرمائی ہیں۔ اور انسان کو دنیوی زندگی میں بھی کسی کمی کا احساس باقی نہیں رہنے دیا۔

شہد کی مکھی، چیونٹی، اور ریشم کا کیڑا وغیرہ کی پیدائش کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

ترجمہ: "اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلتے ہیں۔ اور جتنے قسم کے پرندے ہیں جو دونوں بازوؤں کے ساتھ اڑتے ہیں۔ ان میں کوئی ایسی قسم نہیں جو تمہاری طرح کے گروہ نہ ہوں۔ ہم نے سب کچھ لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔ پھر سب اپنے پروردگار کی طرف جمع کئے جائیں گے۔" (القرآن)

اللہ تعالیٰ کی چھوٹی سے مخلوق چیونٹی کی طرف دیکھے کہ قدرت نے ان کو اپنی غذا جمع کرنے کی کیسے حکمت سکھائی اور اس کام میں یہ ایک دوسرے کے ساتھ بے حد تعاون کرتی ہیں۔ بڑی کوشش سے اس وقت کے لئے جب شدت گرمی اور شدت سردی درپیش ہو۔ اور خوراک کی تلاش ان کے لیے ایک مسئلہ بن جائے خوراک جمع کرتی ہیں۔ تاکہ ان ایام میں اپنی بلوں کے اندر اطمینان سے بیٹھ کر کھائیں۔ جب کوئی چیونٹی کسی چیز کو بل کی طرف لے جانے میں ناکام ہو جاتی ہے تو دوسری چیونٹیاں اسی کی مدد کرتی ہیں۔ یہ زمین میں اپنے رہنے کے لئے نہایت تدبیر سے بل بناتی ہیں۔ پہلے باہر سے خشک مٹی لا لا کر اس کو بل کے اندر ڈالتی ہیں۔ بل کو تیار کرتی ہیں۔ اس کے بعد خوراک اکٹھا کرتی ہیں۔ اور جو غلہ ودانہ وغیرہ باہر سے لاتی ہیں۔ ان کو اچھی طرح کتر کر رکھتی ہیں۔ تاکہ ان میں پھپھوندی وغیرہ نہ لگے۔ یہ شعور سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کون عطا کرسکتا ہے۔ اگر اتفاقاً یہ خوراک کسی وجہ سے بھیگ جائے تو چیونٹیاں ان کو باہر دھوپ میں نکال کر خشک کرتی ہیں۔ یہ اپنے بل نشیبی علاقوں میں نہیں بناتیں۔ کیونکہ اس طرح پانی ان کو ہلاک کرسکتا ہے۔ بلکہ زمین کے بلند حصوں میں بل بناتی ہیں۔ شہد کی مکھیوں میں ایک سردار ہوتی ہے جس کے اشارے پر تمام کام کرتی ہیں عموماً یہ ملکہ کہلاتی ہے اگر ان

Marfat.com

مکھیوں میں کوئی دوسری سردار ہونے کا دعویٰ کرے تو یہ مل کر اسے مار ڈالتی ہیں۔ تاکہ ان میں تفرقہ پیدا نہ ہو۔ ایک ہی کے حکم کے مطابق وہ کام کرتی ہیں۔ یہ مکھیاں پھولوں سے رس چوستی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے منہ میں شہد میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس تدبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے لئے کس طرح نفع بخش اشیاء فراہم فرماتا ہے اور شہد اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے کہ جس میں انسانوں کے لئے شفا ہے۔ شہد میں غذائیت اور دوسرے بہت سے منافع ہیں۔ خود ہمارے رسول اللہ ﷺ شہد بہت پسند فرماتے تھے اور شہد کے بارے میں آپ ﷺ کے کئی ارشاد بھی موجود ہیں۔ مکھیاں اپنے پاؤں میں موم لا کر جمع کرتی ہیں کہ جس سے شہد محفوظ رہے اور اس موم سے چھتہ بناتی ہیں۔ جس میں اپنی رہائش کا انتظام بھی کرتی ہیں۔ اور ان کے خانوں میں شہد بھی جمع کرتی ہیں شہد کا چھتہ شہد کے لئے ایک محفوظ اور بہترین برتن ہے۔ شہد کی مکھی کو یہ خصوصیات اللہ جل جلالہ کے سوا اور کون دے سکتا ہے۔ شہد کی مکھیاں بلند درختوں اور پہاڑوں کی چٹانوں پر جگہ منتخب کرتی ہیں جو ہر طرح محفوظ ہو پھر وہاں پر چھتہ تیار کرتی ہیں اور پھر ان میں شہد بھرتی ہیں۔ شہد کا چھتہ دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ خالق نے ہر مخلوق کو بے پناہ سلیقہ اور شعور عطا فرمایا ہے۔

مکڑی کو دیکھئے۔ اس میں کئی اقسام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم میں رطوبت پیدا فرمائی ہے۔ جس سے وہ اپنے لئے جالا تیار کرتی ہے۔ یہ جالا اتنے باریک تار سے بنا ہوتا ہے کہ ایسا باریک تار بنانا انسان کے بس کا روگ نہیں۔ جالا وہ دور دور تک پھیلا دیتی ہے تاکہ کوئی بھی مکھی، مچھر وغیرہ اس جالے میں آ جائیں تو پھر وہ نکل نہیں سکتے۔ اور مکڑی اسے آسانی سے شکار کر لیتی ہے۔ ایسی ایسی خوفناک صورت کی مکڑیاں اللہ تعالیٰ نے بنائی ہیں۔ جو اس کے غضب اور جلال کی علامت ہیں۔ انسان خوف کے مارے انہیں دیکھ کر کانپ اٹھتا ہے۔ اور مکڑی کی سمجھ دیکھئے کہ کس طرح شکار کو جال میں پھانستی ہے۔

ریشم کے چھوٹے سے کیڑے کو دیکھئے۔ یہ انسان کے لئے کتنی قیمتی چیز تیار کرتا ہے۔ مثلاً ریشم۔ یہ کیڑا توت کے پتہ سے غذا حاصل کرتا ہے۔ اور جسم سے ریشم کے تار نکلنا شروع ہو جاتا ہے اور ایک چھوٹا سا گولہ بنا کر خود مر جاتا ہے بس اس کی زندگی اتنی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ دیکھئے کہ جب یہ ریشم کا گولہ تیار ہو جاتا ہے اور کیڑا اپنے آخری سانس پر ہوتا ہے تو وہاں ایک چھوٹا سا کیڑا پیدا ہو کر اڑ جاتا ہے اور ان میں نر یا مادہ کی کوئی تمیز نہیں ہوتی یہ شہد کی مکھی سے بہت مشابہ ہوتا ہے اور یہ پردار چھوٹے سے کیڑے ایک دوسرے پر تھوڑی دیر سواری کرتے ہیں۔ جس سے ایک حاملہ ہو کر اسی وقت انڈا دیتا ہے۔ جو ریشم کے کیڑے کا انڈا ہوتا ہے اور پھر اس سے ریشم کا کیڑا نکلتا ہے اور توت کے پتے پر

Marfat.com

اسی طرح ریشم کا گولہ بنانا شروع کر دیتا ہے۔

اب غور کیا جائے کہ وہ کونسی ذات ہے جو اس ننھے سے کیڑے کا بھی اتنا حیرت انگیز نظام جاری رکھے ہوئے ہے۔ یقیناً وہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔ یہ ریشم کے دھاگے کثرت دولت کا سبب بنتے ہیں اور ان سے ریشمی کپڑا بنایا جاتا ہے۔ موت کے وقت اس سے جنم لینے والے کیڑے کو کس نے پر عطا کئے۔ اور کون ان سب معاملات کا نگہبان ہے اللہ تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی سی حیرت انگیز اتنی مخلوقات پیدا کی ہیں کہ ان کا گننا بھی انسان کے بس کا روگ نہیں۔ سانپ کو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم میں حرکت کرنے اور بھاگنے کی طاقت عطا فرمائی ہے۔ سانپوں کی قسمیں ہیں کچھ سانپ انڈے دیتے ہیں اور کچھ بچے۔ قسم قسم کے حیرت انگیز سانپ ہیں۔ ان پر خوبصورت دھاریاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے کان نہیں دیئے اور یہ کانوں کا کام زبان سے لیتے ہیں زبان کے ذریعے اسے خطرے کا احساس ہوتا ہے کچھ سانپوں کی دم قدرے بڑی بنائی ہے۔ یہ لمبے سانپ ہوتے ہیں اور دم کا کوئی فٹ بھر حصہ سانپ کی نسبت بلند ہوتا ہے اور ہر وقت حرکت کرتا ہے۔ یہ سانپ کو خطرے سے آگاہ کرتا ہے اور یہ دم اس کے بہت کام آتی ہے۔ کچھ سانپ نہایت زہریلے ہوتے ہیں۔ اور کچھ کم زہریلے۔ یہ جنگلوں سے چوہے اور دوسرے نقصان دہ کیڑے کھا جاتا ہے۔ اور فصلوں، پودوں کی حفاظت ہوتی ہے سانپ بھی اللہ تعالیٰ کی صناعی کا حیرت انگیز نمونہ ہیں۔ مچھر کو دیکھئے کہ یہ بھی انسان کو پریشان کر دیتا ہے۔ گرگٹ کو دیکھئے کہ جس درخت پر جاتا ہے اسی طرح کا رنگ تبدیل کر لیتا ہے۔ اہل ایمان کے لئے ان باتوں میں بہت سبق ہے۔

چھپکلیوں کی بہت ہی اقسام ہیں یہ بہت زہریلی ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ زمین پر رینگنے والے بے شمار کیڑے ہیں۔ کچھ کیڑے راتوں کو روشنی کرتے ہیں۔ اور زمین پر ہر جگہ روشنی ہوتی ہے یہ رطوبت بہت چھوڑتے ہیں اور جونہی کوئی کیڑا وغیرہ اس روشنی کے قریب آتا ہے ان کی رطوبت میں پھنس کر ان کا شکار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر اپنی شان تخلیق کے ایسے ایسے مظاہر پیدا فرمائے ہیں کہ انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے اور حقیقی تعریف تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

مچھلی کی پیدائش کی حکمت

جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سمندر کو تمہارے تابع کیا۔ تا کہ اس سے تازہ گوشت حاصل کرو"۔

مچھلی کو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے سمندروں، دریاؤں، نہروں اور جھیلوں میں کیسی کیسی عجیب و غریب شکل وصورت کی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان مخلوقات کو پیدا ہی پانی میں فرمایا

Marfat.com

ہے۔ تو اس کے مطابق انہیں جسم اور حرکت کے لئے باقی اعضاء دیئے۔ ان کو پاؤں اور پھیپھڑے نہیں دیئے گئے۔ کیونکہ یہ غوطہ لگاتے وقت پانی میں سانس نہیں لیتے۔ اور ان میں ایسے اجزاء ترکیبی رکھے ہیں۔ کہ ہزاروں من وزن ہونے کے باوجود عظیم الجثہ مچھلیاں اور دوسرے آبی جانور آسانی سے پانی میں حرکت بھی کرتے ہیں۔ اور پانی میں ایک جگہ کھڑے بھی رہتے ہیں۔ اور اتنی جسامت رکھنے کے باوجود یہ آبی جانور نہایت تیزی سے سفر کرتے ہیں۔ کچھ مچھلیاں انڈے دیتی ہیں۔ اور کچھ بچے۔ خشکی کی نسبت آبی مخلوقات بہت زیادہ ہیں۔ اور مچھلیاں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایک عظیم نعمت ہیں۔ بہت سی مچھلیاں ایسی ہیں کہ انسان ان کے گوشت کو بطور خوراک حاصل کرتا ہے۔ مچھلی کا گوشت انسانی جسم کے لئے بہت ضروری ہے مچھلیاں سمندروں میں قبیلوں کی صورت میں رہتی ہیں۔ بعض مچھلیاں بے حد خونخوار ہیں اور ان کے دانت زیادہ تعداد میں اور بہت سخت ہوتے ہیں۔ شارک مچھلی ان میں بے حد خونخوار ہے۔ کھانے والی چھوٹی مچھلیوں کی جلد اگرچہ پتلی مگر مضبوط ہوتی ہے۔ اور ان پر گرہ دار جلد سے ان کو مضبوط کیا گیا ہے۔

مچھلی کا نظام تنفس گلپھڑوں کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔ مچھلی کے جسم پر کانٹے اس کے جسمانی ساخت کو مضبوط رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس طرح پیدا فرمایا ہے کہ برسوں پانی میں رہنے کے باوجود اس کا گوشت اور کھال نہیں گلتی ورنہ عام کسی جانور کو پانی میں مسلسل کھڑا کیا جائے۔ تو اس کی کھال وغیرہ گلنا شروع ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو کثیر الاولاد بنایا ہے تاکہ اس کے اگر کچھ بچے دوسرے جانوروں کی خوراک بنیں تو بھی اس کی نسل ختم نہ ہو۔ بعض مچھلیاں ایسی بھی ہیں جو بغیر توالد کے پیدا ہوتی ہے۔ بعض مچھلیاں ایسی بھی ہیں۔ جن کے دو ہاتھ، اور دو پاؤں بھی ہوتے ہیں۔ بے شمار اقسام کی مچھلیاں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں۔ بعض سمندروں کی سطح پر اڑنے والی مچھلیاں بھی ہیں۔ بعض مچھلیوں کے منہ کے ساتھ نوکدار سلاخ ہوتی ہے جو شکار کے حصول اور ذاتی دفاع میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مچھلی جونہی انڈے دیتی ہے۔ اس میں کامل بچہ موجود ہوتا ہے۔ جو وقت پر نکل آتا ہے۔ اور اپنی تربیت میں کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ کیونکہ انڈوں پر بیٹھنا، بچوں کو پھرانا اور تربیت دینا مچھلی کے لئے آسان نہیں ہوتا۔ مچھلی کے جسم میں ہڈیاں بالکل اس کے جسم کے اعضاء کی طرح اندر سے کھوکھلی اور نہایت ہلکی اور باریک ہوتی ہیں۔ اگر اس کی ہڈی کہیں سے ٹوٹ جائے تو قدرت اسے دوبارہ گوشت کی مدد سے جوڑ دیتی ہے۔ رنگین مچھلیاں سمندروں میں خوبصورتی پیدا کرتی ہیں۔ یہ سمندر کی گہرائی سے غذا حاصل کرتی ہیں۔ اگر ان رنگین مچھلیوں کو اپنے کسی رنگ کے خراب ہونے کا خدشہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیے کہ اپنے پیٹ سے ایک خاص قسم کے مادے کو نکال کر اس مقام کو صاف کر دیتی ہیں۔ مگر

یہ رنگین مچھلیاں چونکہ خوبصورتی کے لئے ہیں اس لئے ان کا گوشت زہریلا ہوتا ہے اور کھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ قیامت کے دن اہل جنت کی سب سے پہلے جس گوشت سے ضیافت کی جائے گی وہ مچھلی کا گوشت ہوگا۔

سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ عظیم ہے اس کی تعریف و توصیف کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔

نباتات کی پیدائش کی حکمت

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

امن خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ انزل لکم مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فانبتنا به حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنبِتُوا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُوْنَ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلٰلَهَا اَنْهٰرًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

وہ ذات جس نے زمین و آسمان کو بنایا تمھارے لئے آسمان سے پانی برسایا۔ اس پانی سے پر رونق، باغ اگائے۔ تم سے یہ ممکن نہ تھا کہ ان باغوں کے درختوں کو اگا سکو۔ اب بتاؤ کہ وہ ذات (واحد) بہتر ہے۔ یا کوئی دوسرا معبود ہے۔ جو (بہ تصور مشرکین) اس کی عبادت میں شریک ہے۔ یہ مشرکین پھر بھی نہیں مانتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو دوسروں کے مقابل ٹھہراتے ہیں۔

زمین پر نباتات دیکھیے کہ یہ کس قدر سرسبز اور خوبصورت نظر آتے ہیں۔ ان میں انسانوں اور تمام تر حیوانی زندگی کے لئے بے شمار فوائد ہیں۔ پھر ان کی حفاظت اس طرح فرمائی گئی ہے کہ بیج اور گٹھلی کو ان کی اصل فرمایا۔ یہ بیج اور گٹھلیاں درختوں، پودوں اور فصلوں کی پیدائش کا سبب بنتی ہیں ان نباتات میں اناج، غلہ، پھول، پھل، ترکاری، جانوروں کے چارے اور بے شمار خودرو بوٹیاں اور لکڑی کے حصول کے لئے بہت بڑے درخت بھی شامل ہیں ان درختوں سے عمارتی کاموں کے لئے لکڑی حاصل کی جاتی ہے۔ اس لکڑی سے عمارتوں کے ساتھ ساتھ گھر کی دیگر ضروریات کی اشیاء، کشتیاں، بحری جہاز اور دیگر سامان بھی تیار کیا جاتا ہے۔ ان نباتات کے ایک حصہ کے پھل، پھول، پتے اور جڑیں تک استعمال میں لائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو نہایت کارآمد پیدا فرمایا ہے۔ جوشاندے، گوند اور طرح طرح کے عرق بھی ان نباتات سے تیار کئے جاتے ہیں۔ اگر یہ پھل درختوں کے بغیر انسان کو زمین سے حاصل ہوتے تو انسان بہت سے فوائد سے محروم رہ جاتا جو پتوں، پھولوں وغیرہ سے حاصل کرتا ہے۔ اور زندگی کی ضروریات کی فراہمی میں رکاوٹ پڑ جاتی۔ نہ تو جلانے کے لئے ایندھن ملتا نہ عمارتوں کے لئے لکڑی میسر آتی نہ جانوروں کے لئے چارہ ملتا اور نہ ہی ادویات کے لئے دوسری

Marfat.com

جڑی بوٹیاں حاصل ہوتیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیے کہ ایک دانہ زمین میں ڈالا جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ سو دانے عطا فرماتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی برکت اور حکمت ہے۔ انسانی ضرورتوں کے لئے اس نے یہ سب نظام مقرر فرمایا ہے۔ یہ درخت اور نباتات بڑھتے ہیں اور پھل پھول لاتے ہیں۔ ان سے بیج بنتے ہیں۔ پھر بوئے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری وساری رہتا ہے۔ اور یہی اس کی بقاء ودوام کا باعث ہے یہ سلسلہ افزائش اس طرح نہ ہوتا تو یہ نعمت بھی ایک مرتبہ کے بعد ختم ہو جاتی۔

دانوں کی پیدائش اور ان کی صورتوں کو دیکھیے کہ کس حسن وخوبی سے ایک قدرتی برتن میں اللہ تعالیٰ ان کو جمع فرماتا ہے۔ گویا دانوں کی سلیقہ سے بھری ہوئی ایک تھیلی ہے۔ جو اپنی زبان حال سے اللہ تعالیٰ کی بخشش وعطا کی گواہی دے رہی ہے۔ دانوں سے بھری ہوئی یہ تھیلی اپنے دانوں کو اس وقت تک محفوظ رکھتی ہے۔ جب تک کہ وہ پک ہو کر استعمال کے قابل ہو نہ جائیں۔ یہ دانے ایک خاص قسم کے چھلکے میں بند ہوتے ہیں جن کے سروں پر نیزوں کی طرح سے تیز اور سخت چھلکے ہوتے ہیں۔ گویا وہ پرندوں اور دوسری چیزوں سے اپنے اندرونی خزانے کی حفاظت کر رہے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت دیکھیے کہ اس نے نباتات کے ان تیار شدہ ذخیروں کو ہر طرح کے نقصان سے محفوظ فرمایا ہے۔

نباتات کے لئے اللہ تعالیٰ نے غذائی ضرورت مقرر فرمائی ہے لیکن قدرت نے نباتات میں ایک جگہ سے دوسری جگہ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں بخشی۔ اگر ایسا ہوتا تو انسان بڑی مشکل میں پڑ جاتے۔ یہ انسانوں کے آگے دوڑتے پھرتے کسی کو اپنا پھل نہ دیتے۔ اور جو کسان اپنی فصل بوتا۔ پودے کھیتوں سے بھاگ جاتے اور کسان ہاتھ ملتا رہ جاتا۔ نہ ہی باغات قائم رہتے اور نہ ہی فصلیں۔ اللہ تعالیٰ نے جڑوں کے ذریعے ان درختوں اور پودوں کو زمین کی گہرائی میں قائم کر دیا ہے تاکہ وہ مٹی اور پانی ہر وقت حاصل کر سکیں۔ اس طرح جڑوں کو زمین کی گہرائی میں قائم کر دیا ہے تاکہ وہ مٹی اور پانی ہر وقت حاصل کر سکیں۔ اس طرح جڑیں زمین سے تری حاصل کر کے شاخوں، ٹہنیوں، پھل، پھول اور پودوں تک پہنچائیں گویا زمین ان کے لئے ایک پرورش کرنے والی مہربان ماں ہے۔ انکی جڑیں ان کے لئے منہ کی طرح ہیں گویا زمین سے رطوبت چوس کر سارے جسم کو طاقت پہنچاتی ہیں۔ یہ جڑیں زمین میں اس طرح پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ کہ درخت کو ادھر ادھر جھکنے نہیں دیتیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بڑے بڑے درخت ہوا کا ایک جھونکا برداشت نہ کر سکتے اور زمین پر آگرتے۔

آپ اگر کسی درخت کے ایک ایک پتہ پر غور کریں۔ تو اس کے اندر نسوں کا نظام اتنا باریک جامع اور جڑا ہوا دکھائی دے گا۔ کہ انسانی عقل دیکھ کر عش عش کر اٹھتی ہے کہ جس خالق نے درخت کے

Marfat.com

ایک ایک پتہ میں نسوں کا اتنا نظام وضع فرمایا ہے۔ وہ خود کتنا بڑا تخلیق کار اور صاحب عظمت ہے۔ ایک ایک پتہ میں ہزاروں لاکھوں نسیں ہوتی ہیں۔ اور پتہ کئی ہزار ٹکڑوں سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ درخت کا ایک پتہ بھی انسانی عقل میں سمانے والا نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے ہزاروں بلکہ لاکھوں پتے ایک ایک درخت کو عطا فرما رکھے ہیں۔ مختلف قسم کے پھولوں، درختوں، پودوں سے پہاڑ، میدان اور ڈھلوانیں بھری پڑی ہیں۔ یہ پتے جہاں ایک طرف گھنے سایہ کا سبب ہیں نہایت خوبصورت دکھائی دیتے ہیں اور جانوروں کی خوراک ہیں۔ وہاں دوسری طرف انسانی سانس کے لئے ضروری آکسیجن گیس پیدا کرتے ہیں۔ یعنی انسان وحیوان جو متعفن گیس سانس کے ذریعے خارج کرتے ہیں۔ اُسے کو لے کر یہ تازہ آکسیجن گیس میں تبدیل کرتے ہیں۔ یہی درخت مون سون یعنی بارشوں کا سبب بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھیے کہ جہاں درخت زیادہ ہوتے ہیں وہاں بارش کی نسبت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ درخت ہی جنگلوں میں جنگلی حیات کو تحفظ دیتے ہیں۔ اور جنگلی زندگی کے لئے حفاظت کے ساتھ ساتھ خوراک کا بھی باعث ہیں۔ پرندے درختوں پر گھونسلے بناتے ہیں۔ یہ درخت ایک ہی وقت میں کتنے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ پتے کے اندر جو نسیں ہوتی ہیں وہ ایک طرف اگر پتا سیدھا رکھتی ہیں تو دوسری طرف ان نسوں کے ذریعے خوراک ان تک پہنچتی ہے۔

پھلوں کی گٹھلی میں خاصیتیں اور اثرات اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں۔ یہ سب اس کی حکمتیں اور راز ہیں۔ اس گٹھلی پر ایک سخت قسم کا غلاف چڑھا ہوتا ہے۔ تاکہ یہ خراب نہ ہو۔ اگر ان گٹھلیوں اور بیجوں کو سالہا سال بھی ذخیرہ کرلیا جائے تو خراب نہیں ہوتے۔ یعنی غلاف نے وہ راز اور حکمت محفوظ کر رکھی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں پیدا فرمائی ہے۔ گٹھلی یا بیج کو زمین کو اندر رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ ان میں پیدائش کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ بظاہر وہ زمین اور گٹھلی جو مردہ دکھائی دیتے ہیں۔ جب باہم ملتے ہیں تو فوراً ایک زندگی پروان چڑھنے لگی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کون کرسکتا ہے۔ ان درختوں کو دھوپ، ہوا اور شبنم کے ذریعے طاقت اور ہوا دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے جو پھل پیدا فرمائے ہیں۔ وہ ایک طرف لذیذ اور خوش ذائقہ اور طرح طرح کے لذتیں رکھتے ہیں۔ تو دوسری طرف ان کے اندر انسانی ضرورتوں کی تمام تر توانائیاں شامل ہیں۔ آم، انگور، سیب، ناشپاتی، آلو بخارا، چیری، کھجور، سنگترہ، مالٹا، خربوزہ، تربوز، ایلچی، جامن، سب کے ذائقے مختلف ہیں اور ان میں خصوصیات بھی الگ الگ ہیں۔ انسان ان کو جتنا کھائے اکتاتا نہیں۔ یہ سب بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور انعام ہیں۔ انار کو دیکھیے کہ دست قدرت نے کس سلیقہ سے اس کے اندر دانوں کو موتیوں کی طرح رکھا ہے۔ اس کا چھلکا ادویات کے بھی کام آتا ہے۔ اخروٹ کو دیکھیے کہ

Marfat.com

دماغ کی طرح اس کے اندر گودا موجود ہوتا ہے۔ غرض کہ انسان اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔ جیسے کہ ارشاد ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں۔ تو تم شمار نہیں کرسکتے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ بڑا غفور ورحیم ہے۔

زیتون کا درخت دیکھیے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے زیتون کے ذریعے انسان کو تیل عطا فرمایا۔ جو کھانا پکانے کے کام آتا ہے اور اس میں بے شمار خوبیاں بھی ہیں۔ اور یہ بھی انسانوں کے لئے بے حد کارآمد ہے۔ ایسی ایسی جڑی بوٹیاں ہیں کہ ان میں انسانوں کی صحت کے لئے بہت سی چیزیں ہیں۔ ننھی منی بیلوں کو دیکھیے کہ ان پر کدو، تربوز جیسے بڑے بڑے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان ننھی منی بیلوں پر کس طرح اتنے شیریں ولذیذ پھلوں اور سبزیوں کو پیدا فرمایا ہے۔ یہ سب دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وسطوت اور اس کے جلال وحکمت کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کرسکتا اور عظیم ومہربان پروردگار کے یہ عطیات تمام انسانوں کے لئے یکساں ہیں۔ کسی امیر غریب، بادشاہ یا فقیر کا کوئی فرق نہیں۔

اللہ جل جلالہ خالق کون ومکان

(حادث وحدوث) (غزالی" کے فلسفہ کی روشنی میں) "یہ باب اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منکر فلسفیوں اور دہریوں کا رد کیا جاسکے"۔

اس تمام کارخانہ حیات زمین وآسمان کا بنانے والا کوئی ضرور ہے۔ اور اسی کا نام اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ دنیا بنائی گئی ہے۔ اور ہر بننے والی چیز کے لئے کوئی سبب اور پیدا کرنے والا ضروری ہوتا ہے۔ دنیا کا سبب اور خالق وہی ہے۔ جس کا نام نامی اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ دلیل ہے۔ جس کے دو مقولے ہیں۔

1- دنیا ظاہر ہونے والی چیز (حادث) ہے۔

2- اور ہر حادث کے لئے سبب اور خالق کا ہونا ضروری ہے۔

اس کے دونوں پہلوؤں پر بات ہوسکتی ہے۔ جب سوال کرنے والے دوسرے پہلو پر بات کریں گے تو اس کا واضح جواب یہ ہے کہ یہ ایسا کھلا ہوا مسئلہ ہے۔ کہ بننے والی چیز کے سبب یعنی خالق پر اعتراض کی کہیں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر کوئی اس مسئلے میں الجھاؤ ہے تو صرف حدوث یعنی (پیدائش) اور سبب کے معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ حدوث کے معنی ہیں ایک وقت میں کسی چیز کا بالکل نہ ہونا اور دوسرے وقت میں اس کا موجود ہوجانا۔ اب سوال یہ ہے کہ جس وقت ایک چیز بالکل نہ تھی تو اس وقت

Marfat.com

اس کا موجود ہونا کیا بالکل نہ ہونے کے خیال کے ساتھ تھا۔ یا اس کا پیدا ہونا ممکن تھا۔ اگر نہ ہونے کی شرط تھی تو اب یہ کائنات کیونکر پیدا ہوگئی ہے کیونکہ محال (یعنی بالکل نہ ہونا) وہ چیز ہوتی ہے۔ جو کبھی حقیقت کا روپ نہ دھار سکے اور اگر ممکن (یعنی ہوسکتا ہے) تو اس کے یہ معنی ہیں کہ بلحاظ اس کی ماہیت (کیفیت) کے اس کا ہونا واضح ہے۔ اگر کوئی چیز نہیں ہے تو محض اس وجہ سے ہے کہ اس کا سبب نہیں ہے اور اگر موجود ہوئی ہے تو اس واسطے کہ اس کا سبب موجود ہے۔ الغرض کہ ممکن کی اگر کیفیت پر غور کیا جائے تو وہ ہونا اور نہ ہونا دونوں سے الگ ہے۔ اور اس کی کیفیت میں اس قدر (صلاحیت) ضرور ہوتی ہے اگر کوئی مرکز وہاں پر موجود نہ ہو تو وہ پردہ فنا میں مستور (چھپی) رہتی ہے۔ اور اگر مرکز موجود ہو تو عالم شہود (محسوس ہونے والا جہاں) میں جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ جب ہوسکنے کی (کیفیت) اس شکل وصورت کی ہے کہ ذاتی طور پر نہ وہ فنا ہوئی ہے اور نہ موجود۔ تو اب اس کی موجودگی کے لئے کسی ایسی ہستی کی ضرورت ہے جو اس کو فنا کے پنجرے سے نکال کر وجود کی دل کو بھانے والی صورت میں لے آئے۔ اور اس کو وجود عطا کر دے۔ چنانچہ وجود عطا کرنے والی اُس پاک ذات کو ہم اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے مخاطب کرتے ہیں۔

اگر کوئی دلیل کے پہلے فقرے پر بات کرے گا تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ دنیا بے شک تخلیق ہے اور اس کے وجود میں آنے کے بارے میں پر ہمارے پاس دلیل موجود ہے۔ مگر دلیل کے پیش کرنے سے پہلے صرف یہ واضح کرتے ہیں کہ دنیا کی اشیاء میں سے ہم صرف اجسام ہی کو لے کر ان کا تخلیق ہونا ثابت کریں گے۔ اور جب اجسام کا تخلیق ہونا ثابت ہو جائے گا۔ تو اعراض کے کی تخلیق میں بالکل کوئی (شک) نہیں رہے گا۔ کیونکہ اجسام اور اعراض اس جہان میں دونوں برابر ہیں۔ اور جب ایک قسم کی ممکن چیزیں تخلیق ہونا ثابت ہوگئیں تو دوسری قسم کی ہوسکنے والی تخلیق کیونکر ثابت نہ ہوں گی۔ کیونکہ اجسام اعراض کی منزل ہیں اور اعراض کو ان میں حل جانے کا تعلق ہے۔ تو جب محلول (جس میں کوئی چیز حل ہو جائے) کا مخلوق ہونا اچھی طرح ظاہر ہو جائے گا تو حلول کردہ چیزوں کے مخلوق ہونے میں کونسا شبہ رہ جائے گا دلیل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سب کے سب اجسام مخلوق ہیں۔ کیونکہ یہ تخلیق کی علامت ہیں اور جو چیز تخلیق کی علامت ہوتی ہے وہ خود مخلوق ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اجسام مخلوق ہیں۔ اس دلیل کے بھی دو جزو ہیں۔ (1) اجسام تخلیق کی علامت ہیں (2) جو چیز تخلیق کی علامت ہوتی ہے۔ وہ مخلوق ہوتی ہے۔ ان دونوں دلائل پر بحث ہوسکتی ہے اس لئے دونوں کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اجسام تخلیق کی علامت ہیں۔ ثبوت کے طور پر اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ دنیا میں جس قدر اجسام ہیں۔ ان میں سے بعض حرکت کرنے والے اور بعض ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اور حرکت اور ٹھہراؤ دونوں مخلوق ہیں۔ اس لئے اجسام تخلیقی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حرکت اور ٹھہراؤ بے حقیقت ہیں۔ اور غیر محسوس کا نہ ہم وجود مانتے ہیں۔ اور نہ تخلیق کا تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اگرچہ بڑی بڑی اور مضبوط کتابوں میں بہت تفصیل سے گرفت میں آنے والے حقائق کے وجود پر اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ مگر اس چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ سوائے وقت ضائع ہونے کے اور کچھ نہیں۔ گرفت میں نہ آسکنے والی اشیاء کا وجود نظریات سے نہیں تاکہ اس کے وجود پر بحث کی جاسکے۔ ہر ایک آدمی تکالیف' بیماریاں' پیاس' بھوک' گرمی سردی' خوشی و غم وغیرہ محسوس کرتا ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہے۔ کہ یہ سب چیزیں ایک ایک کر کے موجود ہوتی ہیں۔ پہلے تکلیف آتی ہے تو پھر آرام ملتا ہے۔ اگر ایک وقت بیماری آتی ہے تو پھر صحت بھی عطا ہوتی ہے۔ اسی طرح دوسرے ناقابل گرفت سلسلے میں بھی تخلیق کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ ان تمام چیزوں کا نام اعراض ہے پس ثابت ہوا کہ اعراض موجود بھی ہیں اور ثابت بھی۔ یہ بات صرف اعراض کے بارے میں تھی۔ اب حرکت و ٹھہراؤ کی موجودگی اور تخلیق کے بارے میں مزید بات کرتے ہیں۔

فلاسفہ کائنات کے تمام جسموں کو دو صورتوں میں بیان کرتے ہیں۔

آسمان

عناصر اربعہ (پانی' مٹی' آگ اور ہوا)

آسمانوں کی نسبت ان کا یہ خیال ہے کہ یہ ہمیشہ ازل سے اپنی اپنی صورت میں حرکت کر رہے ہیں۔ اور ان کی مجموعی حرکت قدیم ہے اور حرکت کا ایک ایک لمحہ ہے۔

اور چار عناصر کے بارے میں ان کا موقف ہے کہ یہ آسمان چاند کے نیچے کی سطح اندر لئے ہوئے ہے۔ اور یہ کہ ان سب کا مادہ ایک ہے۔ اور ہے بھی قدیم۔ ان کی صورت اور ناقابل گرفت امور سے مخلوق ہیں۔ مادہ پر ان کا ورود (وارد ہونا) ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر پانی پر گرمی کا غلبہ ہو جائے تو ہوا بن جاتی ہے اور ہوا حرارت سے آگ بن جاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہوا کا پانی بن جانا۔ آگ کا ہوا ہو جانا' پتھر کا پانی بن جانا اور پانی کا پتھر ہو جانا۔ وغیرہ۔ ان فلاسفہ کے نزدیک تسلیم شدہ ہے۔ اور ان کا یہ کہنا بھی ہے کہ ان چار عناصر کے ملنے سے کانیں' نباتات' اور حیوانات پیدا ہوتے ہیں۔ ان فلاسفہ کے نزدیک حرکت اور ٹھہراؤ موجود بھی ہے۔ اور مخلوق بھی۔ اس لئے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ اجسام حرکت اور ٹھہراؤ کی منزل ہیں۔ اور حرکت ٹھہراؤ ان میں ملے ہوئے ہیں۔ چونکہ یہ بات نظروں سے چھپی ہوئی ہے۔ اس لئے پر مناسب بحث کر لی جائے تو بہتر ہوگا۔

ہر جسم متحرک ہے یا ساکن (ٹھہرا ہوا) اور حرکت و ٹھہراؤ دونوں مخلوق ہیں۔ حرکت کا مخلوق ہونا تو ایسی چیز ہے۔ جو مشاہدہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ مگر ٹھہراؤ کی نسبت دل میں شبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ

Marfat.com

ممکن ہے ایک چیز ابتداء ہی سے ساکن (ٹھہری ہوئی) چلی آ رہی ہو۔ اور اس کو حرکت دینے کی نوبت ہی نہ آئی ہو۔ اب اس شے کا ٹھہراؤ پرانا ہوگا۔ لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے غور کرلیا جائے تو یہ شک دور ہوسکتا ہے۔ اس لئے لوگوں سے یہ سوال ہے کہ اس ہمیشہ ٹھہراؤ میں رہنے والی چیز کا حرکت کرنا ہوسکتا ہے یا ہرگز نہیں۔ دوسری شق اس لئے غلط ہے کیونکہ ہر ایک جسم میں حرکت وٹھہراؤ دونوں کی صلاحیت موجود ہے۔ بعض جسموں کا ہمیشہ حرکت کرنا اور بعض کا ٹھہرا رہنا۔ صرف بیرونی وجوہات کی وجہ سے ہے۔ تو جب مذکورہ چیز کا حرکت کرنا ممکن ہوا تو یہ قاعدہ ہے کہ ممکن وہ چیز ہوتی ہے کہ جس میں کوئی چیز ہوسکے۔ اب ہم فرض کرتے ہیں۔ کہ وہ چیز ٹھہراؤ کی حالت چھوڑ کر متحرک ہوگئی ہے۔ تو حالت ٹھہراؤ کو الوداع کہہ دیا جائے کہ جس سے معلوم ہوا کہ ٹھہراؤ بھی عارضی تھے۔ کیونکہ آئندہ صفحات میں ثابت کردیں گے کہ جو چیز قدیم ہوتی ہے۔ وہ معدوم (فنا ہونے والی) نہیں ہوسکتی۔ جیسے ازل سے چلی آئی ہے۔ ویسے ہی ہمیشہ ہمیشہ تک موجود رہتی ہے۔

اعتراض: اس بات پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ یہ سب کچھ اس وقت ہوسکتا ہے۔ جب معلوم ہو جائے کہ جسم اور حرکت وٹھہراؤ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یعنی جسم اور چیز ہے۔ اور اس کا حرکت کرنا یا ٹھہرے رہنا اور شے ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جسم حرکت میں ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم اور چیز ہے اور حرکت ایک وصف ہے جو جسم کے لئے عارضی ہے۔ ورنہ ہمارا یہ کہنا ہرگز درست نہ ہوگا کہ یہ جسم متحرک نہیں۔ کیونکہ جب جسم اور حرکت ایک ہیں تو حرکت کی نفی جسم کی نفی کی طرح ہونی چاہئے۔ ٹھہراؤ اور جسم کا ایک دوسرے سے الگ ہونا بھی اس پر خیال کرلیا جائے۔ الغرض جسم اور چیز ہوگی اور حرکت اور چیز۔ یہ ایسی کھلی اور واضح حقیقت ہے جو کسی دلیل کی محتاج نہیں فلاسفہ اس پر یہ اعتراض کرسکتے ہیں کہ جسم اور حرکت وٹھہراؤ کا آپس کا فرق تو ہم نے تسلیم کرلیا مگر ان دونوں صفات کا عارضی ہونا ہمارے نزدیک تسلیم شدہ نہیں۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ جسم متحرک کے اندر حرکت کی صفت شروع سے چلی آ رہی ہو۔ صرف اس کا ظہور اب ہوا ہو۔

جواب کے طور پر ہم دلائل کے ذریعہ ثابت کرسکتے ہیں۔ کہ وصف حرکت کا شروع سے ہونا اور بعد میں اس کا ظاہر ہونا یہ دونوں ایک نہ ہونے والی بات ہیں۔ مگر ہم اس لمبی بحث سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم اعتراض کرنے والوں کی یہ بات بھی اگر تسلیم کرلیں کہ وصف حرکت کا ظاہر ہونا عارضی ہے۔ تو صرف اسی سے اجسام کا عارضی ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔ جیسے حرکت وٹھہراؤ کے عارضی ہونے سے ان کا وقتی ہونا ثابت ہوتا ہے ویسے ہی ان دونوں اوپر درج صفات کے عارضی پن سے یہ

Marfat.com

حقیقت ثابت ہوسکتی ہے۔ ایک اور اعتراض بھی ہوسکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حرکت کا فانی ہونا قابل تسلیم نہیں۔ جب تک آپ اس بات کو ثابت نہ کردیں کہ وصف حرکت کسی دور کے جسم سے نکل کر اس خاص جسم میں نہیں آتی۔ ممکن ہے کہ وصف حرکت قدیم ہو۔ اور خاص خاص وقتوں میں مختلف جسموں سے اس کا گزر ہو۔ مثلاً ایک وقت زید میں کچھ حرکت تھی۔ کچھ دیر رہ کر اس سے علیحدہ ہوئی۔ اور اب ''بکر'' میں آ گئی۔ کسی وقت اس سے علیحدہ ہو کر ''ج'' وغیرہ میں آ جائے گی۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ نہ ہونا اور صفات کا ہونا اپنے محلول (جس میں شامل ہوں) سے علیحدہ نہیں ہوسکتے۔ ہر ایک صفت کے نمونے کا باقی رہنا اور ختم ہونا منزل کے باقی رہنے اور ختم ہونے پر مبنی ہوتا ہے۔ مثلاً زید کے بالوں میں جو سیاہی ہے۔ کسی وقت عمر کے بالوں میں جا کر نہیں چمٹ سکتی۔ زید پر جب بڑھاپا آئے گا۔ تو اس کے بالوں کی سیاہی خود بخود ختم ہو جائے گی۔ اس امر کے ثبوت پر بڑے بڑے نامی گرامی علماء نے دلائل دیئے ہیں۔ مگر اس سب کے باوجود وہ اپنی غرض میں نہ تو کامیاب ہو سکے۔ اور نہ ہی کوئی مضبوط دلیل پیش کر سکے۔ اس سلسلے میں ایک دلیل پیش کر رہا ہوں۔ جو قابل توجہ ہے۔

جن لوگوں کا خیال غیر محسوس کے منتقل ہونے کی طرف گیا ہے۔ ان کو عرض اور انتقال کے معنی سمجھنے میں سخت غلط فہمی ہوئی ہے۔ اگر ان چیزوں کی کیفیت کی حقیقت تک انہیں پہنچنا نصیب ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ ایسے امر کی نسبت کوشش کرتے۔

انتقال کے معنی ہیں جسم کا ایک مکان کو چھوڑ کر دوسرے مکان میں چلے جانا۔ اس کی حقیقت تلاش کرنے کے لئے' تین چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔ جسم کی صورت' مکان کا تصور' جسم کو مکان سے ایک خاص تعلق ہے۔ اس کا معلوم کرنا کہ یہ تعلق جسم اور مکان دونوں سے الگ ہے۔ نہ اس کو جسم کی حقیقت کے ساتھ واسطہ ہے۔ اور نہ مکان کے ساتھ مماثلت' درحقیقت یہ جسم اور مکان کے آپس کے تعلق کا سبب ہے۔ جس کے وجہ سے ان دونوں میں ایک خاص واسطہ اور لگاؤ ہے۔

جیسے ہر جسم کو مکان کی ضرورت ہے ویسے ہی ایک غیر صفت اور صفت کو مرکز کی ضرورت ہے۔ سرسری نظروں سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو نسبت جسم کو مکان کے ساتھ ہے۔ وہی نسبت غیر محسوس کو اپنے مرکز کے ساتھ ہے۔ جس سے لوگوں کو خیال ہو گیا ہے۔ کہ جیسے جسم اپنے مکان کے ساتھ خاص تعلق کے باوجود مکان سے علیحدہ ہو کر دوسرے مکان میں جا سکتا ہے۔ ویسے ہی امکان صفت کا اپنے ایک مرکز سے علیحدہ ہو کر دوسرے مرکز میں جانا درست ہے۔ پس امکان صفات کی تبدیلی کے تسلیم کرنے والوں کے اس قول کی بنیاد صرف یہی بات ہے۔

Marfat.com

امکان صفت کا جو تعلق مرکز کے ساتھ ہے۔ اس کو جسم کا تعلق مکانی سمجھنا سراسر حماقت اور کم ظرفی ہے۔ آپ کا معلوم ہو چکا ہے کہ جسم کا تعلق مکانی جسم کی حقیقت سے مختلف ہے۔ اور غیر محسوس عکس کا مرکز کے ساتھ تعلق اس کی حقیقت کا عین (ہو بہو) ہے۔ کیونکہ اگر اس تعلق کو جسم کے تعلق کی طرح نظر نہ آنے والی کی حقیقت سے الگ تسلیم کیا جائے۔ تو جیسے غیر محسوس عکس کو اپنے مرکز کے ساتھ ایک خاص ربط اور تعلق ہے ویسے ہی اس کو اعراض کے ساتھ ایک خاص ربط و تعلق ہوگا۔ یہ تسلسل ہے جو محال ہونے کے ساتھ ساتھ اس امر کا طلب گار ہے کہ جب تک ختم نہ ہونے والے سلسلے ایک وقت میں اکٹھے نہ ہوں اس وقت تک کسی غیر محسوس عکس، کا پایا جانا ممکن نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر چہ غیر محسوس عکس کے تحقق (سچائی) کے لئے محل ہونا ضروری ہے۔ وہ دو طرح پر ہے۔ لازم ذاتی 'لازم عرض' لازم ذاتی سے مراد ہے۔ کہ اگر وہ ذہن کے باہر یا ذہن میں موجود نہ ہو تو دوسری شے جس کا ہونا ضروری ہو وہ بھی موجود نہ ہو۔ جیسے دن کے لئے سورج کا ہونا۔ جب آسمان سے سورج غروب ہوتا ہے۔ تو دن بھی اس کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ اور جب سورج طلوع ہوتا ہے تو دن بھی اس کے ساتھ آ جاتا ہے۔ جب ہم سورج کا تصور کرتے ہیں۔ تو دن کا خیال بھی ہمیں ساتھ ساتھ آتا ہے۔ جب کہ لازم عرض اس کے بالکل خلاف ہے۔

جسم کے لئے مکان لازمی عرض ہے۔ اور محض تخیل کے لئے مرکز لازم ذاتی ہے۔ جسم کے لئے مکان کا لازم ہونا اس وجہ سے ہے۔ کہ پہلے ہم جسم کی حقیقت کو معلوم کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد مکان کے بارے میں غور کرتے ہیں کہ مکان واقعی کوئی مستقل حقیقت ہے یا محض ایک ہی چیز ہے۔ آخر بڑی بڑی دلیلوں کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مکان بھی جسم کی طرح مستقل حقیقت رکھتا ہے جسے ہم آنکھوں سے اور چھو کر دیکھ سکتے ہیں اور مکان کا خیال تک دل میں نہیں آتا۔ اس لئے جسم کے لئے کسی خاص مکان کا ہونا ضروری نہیں۔ اگر جسم ایک خاص مکان میں موجود نہ ہو تو اس سے اس کا بالکل فنا ہو جانا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ سعد اگر مسجد میں نہ ہوگا تو اس وقت ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سعد مسجد میں نہیں۔ لیکن ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسجد میں وہ موجود نہ ہونے سے بالکل ختم ہو گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جسم کے لئے مکان لازمی عرض ہے نہ لازم ذاتی۔ عرض کے لئے مرکز لازم ذاتی ہے۔ محض تخیل بغیر خاص مرکز کے نہ تو باہر ظاہر ہو سکتا ہے۔ اور نہ ذہن میں اس کا تصور آ سکتا ہے۔ مثلاً زید کی لمبائی بظاہر میں تب معلوم ہو گی جب زید باہر نظر آئے گا اور ذہن میں بھی اس کا خیال جب ہی آ سکتا ہے۔ جب زید کا تصور کیا جائے۔ زید کے مرنے سے اس کی لمبائی کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ زید کی لمبائی کے لئے بغیر زید کے نہ تو باہر وجود پیدا ہوگا اور نہ ذہن میں۔ اب اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زید کی

Marfat.com

لمبائی کا زید سے علیحدہ ہونا ممکن ہے۔تو اس کے علیحدگی بیان کردہ خصوصیت کے خاتمہ کو لازم کردے گی اور یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے۔کہ اس خصوصیت کے دور ہو جانے پر لمبائی کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔پس ثابت ہوا کہ تخیلات کا اپنے محلول سے علیحدہ ہو جانا بالکل ناممکن ہے۔اب دلیل کے دوسرے مقدمہ کا جائزہ لیتے ہی کہ دنیا چونکہ مقام فنا ہے اس لئے خود بھی عارضی ہے۔

اگر جہان کو جو فنا کا مقام ہے۔قدیم تسلیم کیا جائے تو اس کے ساتھ ہی آسمان کے زمانے بھی غیر متناہی (جن کی کوئی انتہا نہ ہو) تسلیم کرنا پڑیں گے۔لیکن اس صورت میں تین کبھی نہ ہو سکنے والی باتیں سامنے آتی ہیں۔

(1) آسمان کے زمانے اگر ختم ہونے والے نہیں تو آج سے پہلے کے زمانوں کے متعلق یقیناً یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ پوری ہو چکے ہیں۔کہ زمانہ ماضی میں جو چیز ہو زمانہ حال کی نسبت اسے یہ کہنا کہ یہ گزر چکی ہے بالکل درست ہوتا ہے۔تو جب وہ ختم ہونے والے نہیں ہیں۔اور ''پورے ہو چکے'' کا لفظ بھی ان کے لیے بولا جا سکتا ہے۔تو گویا وہ کسی انتہا کے بغیر بھی ہوئے اور خاص انتہا رکھنے والے بھی ہوئے اور یہ تو بالکل اُلٹ باتیں ہیں اور محال لازم (یعنی بالکل نہ ہو سکنے والا معاملہ ہے۔

(2) آسمان کے ختم نہ ہونے والے چکر چونکہ عدد کی حقیقت سے باہر نہیں اس لئے وہ جفت ہو گے۔یا طاق۔یا دونوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہو یا دونوں یعنی جفت بھی ہو گے اور طاق بھی۔پچھلی دو شقیں تو غلط ہیں۔کیونکہ جفت وہ عدد ہوتا ہے۔جو دو یا کئی برابر حصوں پر تقسیم ہو سکے۔جیسے دس اب دس دو پر تقسیم کرنے سے پانچ پانچ کے اعداد پر حاصل ہوں گے۔اور طاق وہ ہے جو جفت کے خلاف ہو۔یعنی برابر حصوں میں تقسیم نہ ہو سکے۔جیسے 9۔تو معلوم ہوا کہ ہر ایک عدد یا تو برابر حصوں پر تقسیم ہوگا یا نہیں ہوگا۔یا یوں سمجھ لیجئے ہر ایک عدد طاق ہوگا یا جفت' مگر ایسا کوئی عدد نہ ہوگا جو نہ طاق ہو اور نہ جفت۔اور یہ بھی نہیں ہوگا کہ کوئی عدد طاق اور جفت دونوں ہوں۔ورنہ پہلی صورت میں بالکل اُلٹ معاملہ ہو جائے گا۔ان کا جفت ہونا بھی غلط ہے کیونکہ جو عدد جفت ہوتا ہے اس میں صرف ایک عدد کی کمی ہوتی ہے۔اگر یہ کمی پوری ہو جائے۔تو وہ عدد طاق ہو جاتا ہے۔مگر جب آسمان کے چکر ختم ہونے والے نہیں ہیں۔تو اس میں ایک کی کمی کیا معنی رکھتی ہے۔

ان کا طاق ہونا بھی غلط ہے۔کیونکہ طاق میں صرف ایک کی ہوتی ہے۔اگر یہ کمی پوری ہو جائے تو طاق جفت ہوتا ہے۔لیکن جب پورے ہی چکر ختم نہ ہونے والے ہوں تو ان میں سے ایک کیونکر کم ہو سکتا ہے۔اس لئے جب آسمان کے دورے نہ ختم ہونے کے صورت پر نہ جفت ہو سکتے ہیں اور نہ طاق۔اور نہ ان سے باہر نکل سکتے ہیں۔اور نہ ہی ان دونوں کا مجموعہ ان پر صادق آ سکتا ہے۔تو ثابت ہوا کہ یہ گنے اور ختم ہونے والے نہیں۔

Marfat.com

(3) اگر آسمان کے دورے ختم ہونے والے نہ ہوں تو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ عدد بھی ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ اور ان میں سے ایک کم اور ایک زائد ہے۔ حالانکہ جب دونوں نہ ختم ہونے میں برابر ہیں۔ تو ان کا ایک دوسرے سے کم وبیش ہونا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ عدد کم وہ ہوتا ہے جس میں نسبت زائد کی کچھ کمی ہو۔ اگر یہ کمی پوری ہو جائے۔ تو وہ دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔ مگر جب عدد کم بھی ختم نہ ہونے والا ہو تو اس میں کمی کے کیا معنی ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر چکر ختم ہونے والے نہ ہوں تو نہ ختم ہونے والے عددوں کا ایک دوسرے سے کم وبیش ہونا کیونکر لازم آتا ہے۔ غور کا مقام ہے تمام فلسفی اس بات پر متفق ہیں کہ زحل تیس سال بعد ایک دورہ کرتا ہے اور سورج سال میں ایک دورہ کرتا ہے۔ اس لئے اگر تیس سال کے بعد زحل کے دوروں کو سورج کے دوروں سے نسبت دی جائے تو زحل کے دورے سورج کے دوروں کے تیسویں حصہ پر برآمد ہوں گے کیونکہ تیس سال میں زحل نے صرف ایک دورہ کیا ہے اور سورج تیس دورے کر چکا ہے۔ ساٹھ سال میں زحل کے دو دورے ہوں گے۔ اور سورج کے دوروں کی تعداد ساٹھ ہوگی۔ اور چاند ان لوگوں کے نزدیک بارہ ماہ میں بارہ دورے کرتا ہے۔ سو سال بعد سورج کے چکروں کو چاند کے چکروں سے نسبت دینے سے سورج کے چکر چاند کے دوروں کا بارھواں حصہ ہوں گے۔ اب دیکھ لیجئے زحل، شمس اور قمر کے دورے ختم نہ ہونے والے بھی ہیں۔ اور سورج کے چکر زحل کے چکروں سے اور چاند کے چکر سورج کے چکروں سے کئی حصے زائد بھی ہیں۔

اعتراض: اس جگہ پر ایک اعتراض لگ سکتا ہے کہ علم کلام والوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے اختیارات اور معلومات دونوں ختم نہ ہونے والی ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی معلومات بہ نسبت اختیارات کے زائد ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیمہ ہے۔ اس کی صفات عالیہ قدیمہ ہیں۔ گمراہوں اور کفار کا خیال ہے کہ بعض ایسی چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں مگر (معاذ اللہ) ان کو پیدا کرنے کی اللہ تعالیٰ کو قدرت نہیں؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں ہم اللہ تعالیٰ کی معلومات کو ختم نہ ہونے والی کہتے ہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے اختیارات کے ختم نہ ہونے کا کہنے سے ہماری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت قدرت ہے۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دنیا کی مختلف چیزوں کو پیدا فرماتا ہے۔ اور وہ ایسی صفت ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ایجادی قدرت انسان کے کمزور حساب سے باہر ہے۔ اور آگے وہ جتنا پسند فرمائے کی تخلیق پر بھرپور طاقت رکھتا ہے۔

نکتہ

کائنات عالم کے لئے جو سبب اور خالق (اللہ تعالیٰ) ثابت اور ظاہر ہے اس کا قدیم ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ (استغفر اللہ) اگر وہ فانی ہے۔ تو اس کے لئے (معاذ اللہ) کسی اور خالق کا وجود ماننا پڑے گا پھر اس خالق کے خالق کا۔ پھر اس کے خالق کا اور پھر اس کے خالق کا۔ اگر یہی سلسلہ مسلسل آگے چلتا رہے۔ تو تسلسل بن جائے گا جو بالکل نہیں ہو سکتا اور جب یہ سلسلہ کسی ایک خالق پر ختم ہوگا۔ تو اس وقت پھر اعتراض کرنے والوں کے پاس دلیل رہ جائے گی اور وہ کونسا مفروضہ اختیار کریں گے؟ اس لئے کیوں نہ ہم اللہ تعالیٰ کو ہی اصل خالق و مالک مان لیں۔ بیشک وہ ایک ہے اور ہمیشہ ہمیشہ سے ہے اور رہے گا۔

یہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہمارا انکار ہمیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتا اور بلآخر ہمیں اپنے اُسی قدیم خالق کی طرف رجوع کرنا اور کائنات کا کوئی وقت شروع تو ماننا ہے۔ پھر کیوں نہ کسی بحث کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کا تنہا واحد خالق و مالک تسلیم کر لیا جائے اور ذہن کے خود ساختہ منحوس مفروضوں کو یکسر ختم کر دیا جائے جو شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو قدیم کہنے سے ہمارا یہ مطلب ہے کہ اس کے وجود سے پہلے کوئی عدم نہیں۔ بلکہ اس کا وجود ہمیشہ ہمیشہ سے ہے۔ جہاں تک ہمارا امکان ہے۔ ہم نظر دوڑائیں تو اس سے بھی پہلے اللہ تعالیٰ قائم موجود تھا۔ سو اب یہ باغیانہ سوال ہرگز وارد نہیں ہو سکتا کہ فلسفی و دہریہ کہنا شروع کر دیں کہ قدیم کے ساتھ قدرت و ذات کی صفت بھی آپ ثابت کر رہے ہیں۔ تو جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے ویسے یہ صفت بھی قدیم ہوگی۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ کے قدیم ہونے کے لئے قدرت و ذات کی صفت کی ضرورت ہے۔ ویسے ہی اس صفت کے قدیم ہونے کے لئے ایک اور صفت قدم کی ضرورت ہو گی۔ تو اُس کا واضح جواب یہ ہے کہ یہاں پھر تسلسل آتا ہے جو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے فلاسفہ اور دہریہ کے پاس اللہ تعالیٰ کے قدیم اور ہمیشہ ہمیشہ ہونے سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ویسے ویسے وہ لاف زنی کرتے رہیں تو اور بات ہے۔

ابدیت

جیسے کائنات عالم کا خالق ہمیشہ ہمیشہ سے ہے اور اُسی کی کوئی ابتداء نہیں۔ ویسے ہی اس کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہونا بھی ضروری ہے۔ یعنی وہ ایسا ہونا چاہئے کہ اس کے لئے کبھی فنا نہ ہو اور اُسے کبھی زوال نہ ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس پر (معاذ اللہ) زوال کا امکان فرض کیا جائے تو جیسے

Marfat.com

ایک معدوم (مٹنے والی) شے کے وجود کے لئے کسی سبب اور کسی اور خالق کا ہونا ضروری ہے۔ ویسے ہی اس کے موجود ہونے اور فنا کے لئے بھی سبب اور خالق کا ہونا ضروری ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں خالق کے وجود کا زوال ایک مخلوق ہے۔ اور ہر مخلوق کے لئے کسی سبب کا ہونا ضروری ہوتا ہے اب سبب یا فاعل ہوگا یا باقی۔ یا خالق کے وجود کے شرائط میں سے کسی شرط کا مٹ جانا جو ہو نہیں سکتا۔ بہر حال سبب کا فاعل ہونا تو جائز ہے۔ کیونکہ سبب ایک صفت ہے اور اور فاعل ہی ایسی چیز کو پیدا کر سکتا ہے۔ اور اس کے فعل کا نتیجہ وہی شے ہو سکتی ہے۔ جو وجود رکھتی ہو اور اس کے وجود پر مختلف قسم کے آثار مرتب ہو سکیں۔ یا یوں کہیے کہ اس پر شے کا لفظ بولا جا سکتا ہو مگر یہاں پر فاعل کے فعل کا نتیجہ (یعنی کچھ نہ ہونا) ہے۔ (جو کوئی چیز نہیں)۔ معتزلہ کے نزدیک اگر چہ مٹنے والی چیز پر ہی شے کا لفظ بولا جاتا ہے۔ مگر ایسی شے ان کے نزدیک بھی قدرت کا نتیجہ نہیں بن سکتی۔ اگر فاعل کی نسبت پوچھا جائے کہ ھل فعل الفاعل شیا فاعل نے کوئی چیز کی۔ تو اس کے جواب میں یہ کہنا پڑے گا ما فعل شیا کسی شے کو پیدا نہیں کیا۔ اگر خالق کے زوال کا سبب اس کی ضد قرار دی جائے تو وہ دو باتوں سے خالی نہ ہوگی۔ فانی ہوگی یا قدیم اگر عارضی ہوئی تو ایک قدیم ہستی (خالق) کے زوال کا سبب کس طرح کہلا سکے گی۔ اور اگر قدیم ہوئی تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ازل سے یہ چیز خالق کے ساتھ موجود ہے۔ مگر پہلے کبھی اس نے اسے ختم کرنے کا ارادہ نہیں کیا اور اب اس کے (خاتمے) کے درپے ہوگئی ہے نہایت ہی عجیب بات ہے۔

خالق کے وجود کی شرطوں میں سے کسی شرط کا نہ ہونا بھی خالق کے زوال کی وجہ نہیں بن سکتی۔ کیونکہ شرط اگر عارضی ہے تو عارضی وفانی چیز قدیم (خالق) کے لئے کوئی سبب کیونکر ہو سکتی ہے اور اگر اسے قدیم مانا جائے تو جو شخص قدیم چیز کے مٹ جانے کو نہ ہونے والی بات قرار دیتا ہے تو وہ کسی شرط پر قدیم کے زوال کو کیوں تسلیم کرے گا۔

سو جب خالق کے زوال کا سبب ان تین چیزوں میں سے کوئی بھی نہ ہو۔ تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ خالق جیسا ازلی ہے ویسا ہی ابدی ہے۔ میرا معبود حقیقی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور وہ اتنا قدیم ہے کہ ہیشگی کو بھی اُس نے پیدا فرمایا ہے۔

نکتہ

کائنات عالم کا خالق یقیناً ازلی وابدی ہے ___ وہ جوہر نہیں ہے اور نہ ہی اس کی ذات اقدس کو کسی مکان کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ قدیم ہے اب اگر اس کا کسی مکان کے ساتھ تعلق ہو تو یہ کہنا پڑے ہوگا کہ اپنے مکان میں سے حرکت کر کے کہیں چلا گیا ہے یا

Marfat.com

اپنے مکان میں ساکن (ٹھہرا) ہے۔ الغرض اس صورت میں حرکت یا ٹھہراؤ کے ساتھ اس کو موصوف کرنا پڑے گا۔ اور حرکت وسکون دونوں فانی چیزیں ہیں۔ اور یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ تخلیقات کا مقام بھی مخلوق ہوتا ہے لہٰذا خالق معاذ اللہ حادث ہوگا۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ متکلمین ان لوگوں کی سخت مخالفت کرتے ہیں جو مختلف الفاظ جو شایان باری تعالیٰ نہیں ذات حق پر بولتے مثلاً اللہ تعالیٰ کو مکان کی ضرورت سے پاک سمجھتے ہیں۔ تو ان کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ کا اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرنا اگرچہ شیطانی عقل کے نزدیک کوئی مانع امر نہیں مگر ہم اہل ایمان کو اس گستا خانہ نظریہ سے دو چیزیں روکتی ہیں۔ لغت اور شرع۔ لغت تو اس لئے کہ مثلاً جوہر کو اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرتے وقت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت کے لحاظ سے حقیقی ہے یا مجاز کے لحاظ سے تو بالکل جھوٹ ہے۔ اور مجازاً بھی اس کے لئے ناجائز ہے اور وہ ہر قسم کے انسانی تصور کے فرض کردہ کسی بھی نقص سے پاک ہے۔

اور شرع اس لئے کہ شریعت کا یہ اٹل قانون ہے کہ جن لفظوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے لیے استعمال کرنے کی ہمیں اجازت دی گئی ہے ان کے بغیر کسی دوسرے لفظ کا اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے لیے استعمال کرنا ناجائز ہے اس واسطے شرع کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کے جس قدر ذاتی اور صفاتی اسماء ہیں ان کا نام اسماء توقیفی قرار پایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے تصور کے مطابق مجسم نہیں

اللہ تعالیٰ جسم بھی نہیں۔ کیونکہ جسم کی ترکیب دو جوہروں کے ملنے سے ہوتی ہے۔ جن کو ایک دوسرے کی حاجت اور ان میں ایک خاص تعلق ربط ہو۔ جب ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ جوہر نہیں۔ تو جسم کیسے ہوگا۔ کیونکہ جسم پر جو صادق آتا ہے اس پر پہلے جوہر کا اطلاق ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جوہر کا مفہوم جسم سے بہر حال وسیع ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو مفہوم وسیع اور عام ہوتا ہے وہ خاص کے سب افراد پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور ان کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی ایک افراد پر اس کا اطلاق درست ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی اصطلاح میں اللہ کریم کو جسم کے لفظ کے ساتھ پکارتا ہے تو اس پکارنے میں جسم کے حقیقی معنی اس کے ذہن میں نہیں ہوتے عقل کے نزدیک اگرچہ اس میں کوئی عیب نہیں مگر لغت اور شرع میں یہ فعل بالکل ناجائز ہوگا۔ اور اگر جسم تصور کیا جائے اور جسمانی عوارض کو دیکھا جائے تو اس سے چھوٹا بڑا ہونا بھی ممکن ہوگا۔ تو اب اس کو خاص صورت اور مقدار دینے کے لئے کوئی پھر سبب ضرور ہوگا۔ جس نے اس کو خاص انداز پر پیدا کیا ہے۔ (معاذ اللہ) تو اب خالق مخلوق ہوگا اور یہ بالکل نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لئے ذاتِ حق کے لئے کوئی سا جسم فرض کرنا بھی مطلقاً حرام ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ (موجودگی کے لئے کسی کا محتاج) نہیں

اصطلاح میں عرض کے معنی ہیں جو اپنے موجود ہونے میں دوسری چیز کا محتاج ہو۔ وہ چیز یا جسم ہوگی یا جوہر اور یہ دونوں حادث ہیں۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جسم تخلیق میں حلول کردہ چیز بھی عارضی ہوتی ہے۔ لہٰذا خالق عالم بھی عارضی ہوا۔ جو بالکل ناممکن ہے۔ حالانکہ یہ ثابت ہے کہ وہ قدیم اور ازلی وابدی ہے۔ اگر عرض سے یہ مراد لی جائے کہ وہ ایسی صفت کا نام ہے جو دوسری چیز کی محتاج تو ہو مگر دوسری چیز مکان اور سمتوں کے تعین سے پاک اور مقدس ہو تو ایسے عرض کے وجود سے ہم بھی منکر نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس قبیل سے ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ صانع اور خالق کہلانے کا حق وہ ذات رکھتی ہے جو غیر فانی صفات کے ساتھ موصوف ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ صانع اور خالق محض صفت نہیں۔ تو اس کہنے سے ہماری غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ صانعیت اور خالقیت یہ دونوں صفات اسی ذات کی طرف منسوب ہیں جس کے ساتھ جملہ صفات قائم ہیں نہ کہ اس کی صفات کی طرف، جیسے ہم کہتے ہیں کہ بڑھئی عرض اور صفت نہیں تو اس وقت ہماری غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ نجاریت (ترکھان کا کام) بڑھئی کی طرف منسوب ہے۔ نہ کہ اس کی صفات کی طرف' یا یوں کہئے کہ بڑھئی وہ خود ہے نہ کہ اس کی صفات۔ اگر کوئی شخص ان دو مذکورہ بالا معانی کے بغیر عرض کا کوئی اور معنی سمجھے اور اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذاتِ واحد پر کرتا ہو تو لغت اور شرع تو ایسے تسلیم نہیں کرے گی۔

مسئلہ سمت

اللہ تعالیٰ کو چھ سمتوں میں سے کسی سمت کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہیں۔ چھ سمتیں یہ ہیں۔ اوپر' نیچے' دائیں' بائیں' آگے پیچھے' عربی زبان میں فوق' تحت' یمین' شمال' قدام' خلف' جہت اور اختصاص کے معنی سمجھ لینے سے ہر ایک آدمی کو یقین کامل ہو جاتا ہے۔ کہ چھ سمتوں کے ساتھ مناسبت اور تعلق والا معاملہ صرف اجسام اور اعراض کے ساتھ خاص ہے۔ جو ذات جسمیت اور عرضیت سے بلند تر اور پاک ہو۔ اس کو اس میں سے کسی سے کوئی سروکار نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ سمتوں کی تقلید میں وہی شے آسکتی ہے جو کسی خاص مکان کی ضرورت رکھے۔ ہر ایک چیز جو کسی سمت کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے پہلے مکان کا لحاظ کر لیا جاتا ہے۔ اور پھر اس کی خصوصیت کی پہچان ہو سکتی ہے۔ کسی چیز کے اوپر ہونے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ ایسے مکان میں ہے جو سر کی جانب ہے۔ اور نیچے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ایسے مکان میں ہے جو پاؤں کے جانب ہے علی ہذا القیاس دائیں یا بائیں ہونا' آگے پیچھے ہونا تو اب ہر ایک چیز کے کسی سمت میں ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ وہ کسی مکان میں ہے مگر کسی اور خصوصیت کو لئے ہوئے ہے۔

Marfat.com

کسی چیز کی سمت کا حق دار دو طرح پر تصور کیا جاسکتا ہے ایک یہ کہ اس کا کسی سمت کے ساتھ ایسا ربط ہو کہ اس کے بغیر اس کا تحقق (یقین) نہ ہوسکتا ہو۔ یہ بات تو جوہر میں پائی جاتی ہے کیونکہ اس کی فطرت اور عادت میں داخل ہے کہ جب یہ ہستی کا لباس پہنے تو اوپر ہو یا نیچے۔ دائیں جانب ہو یا بائیں جانت آگے ہو یا پیچھے۔ دوسرے یہ کہ کسی اور چیز کے ذریعہ سے کسی سمت میں اس کا پایا جانا ہو۔ جیسے اعراض' ان کی بھی نسبت جہات کی طرف کی جاسکتی ہے۔ اُس لئے کہ یہ جواہر میں حلول کئے ہوتے ہیں۔ اور وہ کسی نہ کسی جہت کے بغیر درست نہیں ہوسکتے۔ اعراض کو جو سمتوں کے ساتھ نسبت ہے وہ ایسی نہیں جو جواہر کو ان کے ساتھ ہے۔ جواہر کو ان کے ساتھ جو تعلق ہے وہ ان کا ذاتی تقاضا ہے اور اعراض کو جو سمتوں کے ساتھ نسبت ہے وہ عارضی طور پر ہے۔

جب سمت کے ساتھ منسوب ہونے کی ہر دو صورتیں آپ کے ذہن نشین ہوگئیں۔ اور یہ بھی آپ کو معلوم ہوگیا۔ کہ پہلی صورت صرف جواہر کے ساتھ خاص ہے۔ اور دوسری محض اعراض ہی میں پائی جاتی ہے۔ تو اب آپ نہایت آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کس سمت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نہ جواہر ہے اور نہ عرض۔ اور کسی سمت کے ساتھ منسوب ہونا یہ صرف جواہر اور اعراض ہی کے ساتھ خاص ہے۔ اگر کوئی یوں کہتے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی سمت کیساتھ منسوب کرنے کے معنی کچھ اور ہیں۔ جن کی رو سے ہم اس کے لئے کوئی نہ کوئی سمت مقرر کر سکتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ جوہر اور اعراض میں جو طریقہ سمت کے ساتھ منسوب کرنے کا ہے اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس قسم کے انتساب (منسوب کرنے) کے آپ قائل ہیں اور جس طرز کی جواہر کے لئے سمتیں مقرر ہیں۔ اسی طرز پر آپ بھی ذات حق کے لئے سمت مقرر کرتے ہیں۔ تو اس کے تسلیم کرنے کے لئے ہم ہرگز تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ اس قسم کی سمتوں کا مقرر ہونا صرف جواہر اور اعراض کے لئے ہے اور اگر اس کے علاوہ کسی اور معنی کے لحاظ سے آپ اس کے لئے کوئی سمت مقرر کرتے ہیں۔ تو جب تک بیان نہ کی جائے رائے دینا ممکن نہیں ہوسکتا اگر مراد بہت سی قدرت اور علم ہے۔ اور اس کے لئے کسی سمت کے مقرر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر ایک امر پر قادر اور ہر ایک چیز کا عالم ہے تو اس میں بلاشبہ ہم متفق ہیں۔

اگر مذموم طریقہ اختیار کیا جائے کہ حقیقی اور اصل معنی چھوڑ کر جو دل میں آیا۔ اس سے مراد لے لیا اور جب کسی ایک معنی کی کسی نے تردید کی تو جھٹ پٹ کہہ دیا کہ میری مراد کچھ اور تھی اس کا علاج کسی کے پاس کیا ہوسکتا ہے۔ ایک اور دلیل سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی سمت مقرر نہیں۔ وہ یہ کہ اگر کسی سمت میں ہو تو یہ ظاہر ہے کہ منجملہ چھ سمتوں کے کسی ایک سمت کے

ساتھ خاص ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان جملہ سمتوں کو اس کی ذات کے ساتھ برابر نسبت ہے تو اب اللہ تعالیٰ کا کسی ایک سمت کے ساتھ خاص ہونا واجب بالذات نہ ہوگا بلکہ ممکن ہوگا اور قاعدہ ہے کہ ہر ایک ممکن کے لئے سبب کا ہونا ضروری ہے۔ سواب یہاں بھی کئی سبب ماننا پڑیں گے جو اللہ تعالیٰ کے لئے کسی ایک سمت کو مقرر کردے۔ یایوں کہنا چاہیے کہ خالق اپنی سمت کے تقرر میں کسی غیر کا محتاج ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو چیز کسی بات میں کسی اور کی محتاج ہو وہ قدیم نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ قدیم کہلانے کا وہی مستحق ہوسکتا ہے۔ جو تمام وجوہات میں واجب الوجود اور کسی کا محتاج نہ ہو اور پوری طرح یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے۔

اگر سوال کیا جائے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے لئے سمت مقرر ہو جو سب سے بہتر سمت ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فوق' تحت وغیرہ سمتیں اس وقت مقرر ہوئی ہیں۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے عالم دنیا کو اس کی مخصوص ترتیب پر پیدا فرمایا ہے۔ پیدائش دنیا سے پہلے نہ فوق تھا' نہ تحت نہ یمین' نہ قدام نہ خلف' الغرض کوئی سمت نہ تھی۔ کیونکہ فوق اور تحت میں سر اور پاؤں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ تو جب سر اور پاؤں والے ہی نہ تھے تو فوق اور تحت کہاں، ایک اور دلیل سے بھی ثابت ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی سمت مقرر نہیں ہوسکتی۔ وہ یہ کہ اگر وہ کسی سمت میں ہو تو خواہ مخواہ کسی جسم کے مقابل ہوگا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو شے کسی جسم سے مقابل ہو۔ وہ حجم میں جسم سے بڑی ہوتی ہے یا اس سے کم یا مساوی۔ اور کمی بیشی اور مساوات کے ساتھ ہوئی چیز موصوف ہوسکتی ہے۔ جو کسی خاص مقدار اور اندازہ پر ہو۔ تو پھر یہ سوچ پیدا ہوگی کہ معاذ اللہ ذاتِ اقدس بھی کسی خاص مقدار اور حجم پر ہوگا۔ مگر اس کے ساتھ ہی ذاتِ حق کا اپنے مدار سے بڑا یا چھوٹا ہونا بھی ممکن ہوگا۔ تو ایسے الٰہ کا اس کے خاص مقدار اور اندازہ پر ہونے کے لیے کسی اور مرجح (غالب سبب) کو تلاش کرنا پڑے گا۔ تو پھر یہ کیسا خالق و مالک ہوا جو اپنے وجود میں کسی کا محتاج ہے۔ کہ جو چیز کسی سمت میں رہ کر موجود ہوتی ہے۔ وہ ضروری مقدار پر ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہ جیسے دہریہ لکھتے ہیں کہ اعراض بھی سمتوں کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔ تو لازم آیا کہ اعراض بھی مقداری چیزیں ہیں۔ حالانکہ مقدار کے مطابق صرف اجسام کا خاصا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں ہم نے اعراض کو سمتوں کی طرف منسوب ہونے والی چیز لکھا ہے۔ وہاں یہ بھی کہا ہے کہ اعراض کا سمتوں کی طرف منسوب ہونا عارضی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ سمتوں کی طرف ان کا منسوب ہونا عارضی ہے ویسے ہی ان کے عارضی طور پر مقدار کو تسلیم کرنے میں ہمیں کوئی عذر نہیں۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ دس اعراض دس برابر جواہر میں ہی حلول کرسکتے ہیں مگر بیس میں نہیں۔ اسی طرح جیسے جواہر پر دس کا لفظ بولا جاتا ہے۔ ویسے اعراض پر بھی اس کا استعمال ہونا درست ہے فرق صرف یہ ہے کہ جواہر پر اس لفظ کا استعمال ہونا ذاتی طور پر ہے جب کہ اعراض پر عارضی۔

Marfat.com

سوال: اس جگہ پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بلند سمت میں سمایا ہوا نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگی جاتی ہے۔ تو ہاتھ اور منہ اوپر اٹھا کر مانگی جاتی ہے۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک باندی کو آزاد فرمانا چاہا اور اس کے ایمان کو پرکھنے کے لئے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہے تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا آپ ﷺ نے فرمایا انھا مومنہ تو بے شک مومنہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ آسمان پر جلوہ گر نہ ہوتا تو حضور ﷺ آسمان کی طرف اشارہ کرنے پر اس کے ایمان کی تصدیق نہ فرماتے۔

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ سوال بالکل اسی طرح ہے کہ جیسے کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ جب کعبہ میں موجود نہیں تو ہم حج کرنے کیوں جاتے ہیں۔ نماز میں روبقبلہ کیوں ہوتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ زمین میں نہیں تو اس پر سجدہ کیوں کرتے ہیں۔ اور نہایت عجز وانکساری سے پیشانی کیوں رگڑتے ہیں۔ اصلی بات یہ ہے کہ ہر ایک امر میں ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ دنیا کے کاموں میں سے کوئی بھی کام ہو۔ جب تک اس میں ترتیب نہ ہو تو وہ کام' بالکل مقبولیت کے لائق نہ ہوگا۔ نماز چونکہ دینی امور میں نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ لہٰذا اس میں کسی خاص ترتیب کی پابندی ضروری ہے۔ اگر نماز میں عام اجازت ہو کہ جدھر چاہو منہ کرلو۔ تو کوئی مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جاتا اور کوئی مغرب کی طرف، کوئی جنوب اور کوئی شمال کی طرف، یہ عجیب وغریب نماز ہوتی۔ نماز میں رُوبقبلہ ہونے کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر یکجہتی یعنی مخصوص نظم وضبط پیدا ہو۔ اور اس سے ان کے غور وعرفان' خلوص ومحبت اور روحانیت میں ایک حد تک ترقی ہو۔ نیز جب جملہ سمتیں اس بات میں برابر ہیں۔ کہ ان میں سے جس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی یادگار قائم رکھنے کے لئے کعبہ والی سمت کو ہمارے لئے مقرر فرما دیا اور اس کی عظمت وبزرگی ظاہر کرنے کے لئے اس کو اپنی طرف منسوب کر کے بیت اللہ کا لفظ اس کے لیے استعمال فرمایا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ تم جس طرف منہ کرو وہی سمت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ بہر حال کعبہ کے قبلہ مقرر کرنے کے بعد کعبہ کی طرف منہ کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا ہے اور اس حکم کے بعد وہی نماز قبول ہوگی جو کعبہ کی طرف منہ کر کے ادا کی جائے۔ سوائے سفر کی مختلف حالتوں کے۔

الغرض جس طرح قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے میں ہزاروں حکمتیں ہیں۔ ویسے ہی دعا مانگتے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اور منہ کو اٹھانا بے سبب نہیں۔ اس کی ایک ظاہری وجہ یہ ہے کہ جیسے کعبہ نماز کا قبلہ ہے ویسے ہی آسمان دعا کا قبلہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نماز اور دعا ان دونوں صورتوں میں بطور مکان آسمان میں ہونے سے منزہ اور پاک ہے۔ نماز کی حالت میں سربسجود ہونا اپنی پیشانی کو عجز و

انکساری سے اللہ تعالیٰ کے آگے رکھ دینا اور دعا مانگتے وقت آسمان کی طرف منہ اور ہاتھ اٹھانا بہت بلند حکمت ہے اسرار ملکوتی میں سے ایک راز کے جاننے اور عجائبات باطنی کا سرچشمہ ہے۔ انساں کی ابدی نجات کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے نہایت عاجزی اور انکساری سے خود کو پیش کرے۔ اور اس کی تعظیم کی یہ حد ہو کہ بغیر کسی تجلی کے نظر آنے کے تعظیم' انکساری میں کوئی کمی نہ چھوڑے۔ یہ سارے معاملات دل کے ہیں۔ عقلی قوت اور اعضاء یہ سب آلات ہیں اور اسباب ہیں۔

دل اور اعضاء میں کچھ ایسا باہم تعلق ہے کہ اعضاء کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا آلہ ہیں ان کو بار بار عمل میں لانے سے دل میں ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ اور دل میں جیسے جیسے روحانیت کے انوار پیدا ہوتے ہیں۔ اعضاء میں صفائی اور درستگی کا نور چمکنے لگتا ہے۔ تو جب انسان کی پیدائش کا مقصود بالذات یہ امر ہے۔ کہ اپنی ہستی کو پہچانے اور یہ معلوم کرے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جاہ وجلال کے آگے یہ ایک ذرہ کی سی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ وہ نور ہے اور انسان کی پیدائش خاک سے ہے۔ لہٰذا انساں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس کا چہرہ تمام اعضاء میں سے خاص شرف رکھتا ہے اس لیے زمین پر اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے آگے رکھے۔ تاکہ اس کا بدن' عقل' الغرض ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی جناب میں جھک جائے۔

تعظیم دو طرح کی ہوتی ہے۔ اعضاء کی تعظیم اور دل کی تعظیم۔ دل کی تعظیم کا طریقہ یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا پورا پورا اعتقاد حاصل ہو اور دل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے بلند مرتبہ کی طرف اشارہ کیا جائے۔ اور اعضاء کی تعظیم کی صورت یہ ہے کہ ان کے ذریعہ اس سمت کی طرف اشارہ کیا جائے کہ جو دوسری سمتوں کی نسبت ایک خاص اہمیت اور شرف رکھتی ہو۔ اور وہ سمت بلندی ہے بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ آسمان پر نہیں تو معراج کی رات حضور ﷺ نے آسمانوں پر اللہ تعالیٰ کی زیارت کیسے کی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عرش افضل ترین مخلوق ہے اور مقام آخر ہے اور تجلیات وانوار کا مرکز' اللہ تعالیٰ کے لئے کسی بھی ایسے بلند وافضل مقام پر اپنی زیارت کروا دینا مشکل نہیں ہے کیونکہ وہ لامحدود طاقتوں کا مالک اور ہر جگہ موجود ہے۔ جیسے طور پر ایک درخت کے ذریعہ حضرت موسیٰ کو آواز دی۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے کمالات اور فضائل ظاہر کرنا چاہتا ہے تو یوں کہتا ہے کہ اس کی بات آسمان سے بھی بلند ہے۔ اس جگہ آسمان کے حقیقی معنی ہرگز مراد نہیں ہوتے۔ بلکہ آسمان کے استعارہ (مجازاً" معنی) سے اس کی بلندی ومرتبہ مراد ہوتی ہے۔ ایسے ہی دعا مانگتے وقت ہاتھ اور منہ کو آسمان کی طرف اٹھانے سے آسمان مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی بلند شان کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ دعا کی حالت میں ہاتھ اور منہ اوپر اٹھانے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے

والے لوگوں کی اصل غرض اس سے نعمتوں کا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اور ثابت شدہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے خزانے آسمان پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے رزق فرشتوں کے سپرد فرما دیتا ہے۔ ارشاد بھی ہے۔ وَرِزْقُكُمْ فِي السَّمَاءِ وَمَا تُوعَدُونَ اور انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو جہاں اس کے رزق کا خزانہ ہے وہاں دیکھتا ہے۔

لونڈی کے آسمان کی طرف اشارہ کرنے پر حضور ﷺ کا اس کے ایمان کی تصدیق اسی وجہ سے نہیں تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کو مکانی طور پر آسمان پر سمجھتے تھے۔ بلکہ اصل بات ہے کہ اس کو اپنے ایمان کا اظہار کرنے کی اور کوئی صورت نظر نہ آئی۔ سوائے اس کے کہ آسمان کی طرف اشارہ کر کے بات سمجھا دے کہ میں اس معبود حقیقی پر ایمان لائی ہوں۔ اور پھر یہ بات بھی تھی کہ لونڈی پہلے بت پرست تھی اور بت تو گھروں میں بھی ہوتے تھے۔ اس نے گویا رسول اللہ ﷺ کو یہ اشارہ دیا کہ میں گھروں میں پتھروں سے بنے بتوں سے بیزار ہوں۔ اور اس اللہ تعالیٰ پر ایمان لائی ہوں جو گھروں میں رہنے سے پاک اور بالاتر ہے۔

ایک سوال اور بھی ذہنوں میں آسکتا ہے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ سمت میں قرار پذیر ہونے سے پاک اور مقدس ہو تو ذاتِ حق کو ایک ایسی ہستی تسلیم کرنا پڑے گا۔ جو ان چھ سمتوں سے باہر ہے۔ یا یوں کہیئے کہ وہ جہان سے باہر ہے نہ اندر نہ جہان کے ساتھ ملا ہوا ہے اور نہ اس سے الگ تھلگ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہر ایک چیز جس میں اتصال (ملاپ) اور انفصال (جدا ہونا) کی صلاحیت ہو اور کسی نہ کسی سمت کے ساتھ اس کو تعلق ہو تو ملنے اور یا جدا ہونے سے خالی نہیں ہوسکتی۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ جس میں نہ ملنے کی صلاحیت ہو۔ نہ علیحدگی کی صلاحیت اور نہ اس کو کسی سمت سے واسطہ ہو۔ اگر اس پر یہ اوپر درج شدہ معنی صادق نہ آئیں۔ تو کونسی قیامت لازم آتی ہے۔ اس کی بالکل مثال یہ ہے کہ کوئی کہے کہ ایسی چیز کا پایا جانا بالکل ہی مشکل ہے جو نہ قادر ہو اور نہ عاجز نہ عالم ہو اور نہ جاہل سوا گر اس چیز میں قدرت، عجز، جہل اور علم کی قبولیت کی صلاحیت ہے۔ تو اس کا قادر، عاجز، اور عالم جاہل نہ ہوتا۔ بیشک ناجائز اور اونچے درجے کی ضد کا باعث ہے۔ لیکن جن چیزوں میں بالکل مادہ نہیں۔ مثلاً جمادات، ان پر ان معنوں کا صادق آنا کونسی خرابی کا باعث ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ملنے یا جدا ہونے اور سمتوں میں قرار پذیر ہونے کے قابل وہ چیزیں ہوتی ہیں۔ جو تجویز شدہ ہوں یا کسی تجویز شدہ ذات کے ساتھ قائم ہوں اور ذات حق میں تجزی اور تجیز بالذات کے ساتھ قائم ہونے کی شرط بالکل نہیں کیونکہ وہ قدیم ہے۔ لہٰذا ذات حق نہ ملی ہوئی ہے اور نہ جدا اور نہ جسمانی میں داخل ہے نہ خارج۔

اب معترض سے پوچھنا چاہے کہ بتلاؤ ایسی چیز کا موجود ہونا نہ ہوسکنے کے برابر ہے یا

Marfat.com

ممکنات سے جو نہ تجویز شدہ ہو اور نہ کسی تجویز شدہ شے سے حلول کرتی ہو۔ یا یوں کہا جائے کہ وہ نہ ملنے یا جدا ہونے کے قابل ہے۔ اور نہ کسی سمت کے ساتھ مخصوص ہو سکتی ہے۔ اگر وہ ممکن ہے تو ہمارا دعویٰ ثابت ہے۔ اگر انکار کریں تو ہم کہیں گے کہ یہ بات پہلے ثابت ہو چکی ہے کہ متحیز (مکانی چیز) مخلوق ہے۔ اور یہ کہ ہر فانی کے لئے کسی ایسے سبب کا ہونا ضروری ہے۔ جو فانی نہ ہو۔ اس پر اگر وہ کہے کہ اس قسم کی شے کی حقیقت ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ کہ نہ وہ کسی سمت میں ہو نہ ہی ملنے یا جدا ہونے کے قابل ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اگر یہ مطلب ہے کہ اس کی حقیقت کا ہماری قوت خیالیہ اور قوت وہمیہ ادراک نہیں کر سکتی۔ تو بیشک یہ بات درست ہے کیونکہ ہماری قوت خیالیہ اور وہمہ میں وہی شے آ سکتی ہے جو جسمانی ہو یا اجسام کے کسی قبیل تعلق رکھتی ہو۔

اور اگر یہ مطلب ہے کہ اس قسم کی شے کے ثبوت پر کوئی دلیل عقلی قائم نہیں ہو سکتی۔ تو یہ غلط ہے۔ ہم نے دلیل عقلی قائم کر دی ہے۔ اور جہاں تک ہو سکا ہم نے ہر ایک پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ جو چیز خیال اور وہم میں نہ ہو سکے اُس کی کوئی حقیقت اور ہستی نہیں ہوتی۔ اور وہ محض وہمی اور فرضی ہوتی ہے تو اس کے جواب میں ہے کہ اگر قاعدہ درست ہو تو آپ کے خیال کی بھی کوئی ہستی نہ ہوگی۔ اور اگر ایسا ہوا بھی تو ایک موہوم اور اختراعی وہمہ ہوگا۔ کیونکہ خیال خیال میں نہیں آ سکتا۔ ورنہ طریقہ الشی نفعہ کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ اور بھی ہزار اشیا ہیں کہ قوت خیالیہ میں ان کا صورت پذیر ہونا نہیں ہو سکتا۔ مگر وہ اپنے اندر حقیقی وجود اور ثبوت کا مادہ رکھتی ہیں۔ مثلاً علم قدرت، آواز، خوشبو، حیا و حلم، غصہ، خوشی اور غمی وغیرہ وغیرہ۔ الغرض صفات نفسانی سب اس قسم کی چیزیں ہیں چلو فی الوقت انکار کرنے کی بجائے ذاتِ حق پر یقین بھی اسی طرح قیاس کر لو۔ تمہاری خیالی قوتیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ بلاشبہ وہ نہایت زبردست اور سب سے اعلیٰ وارفع ذات ہے۔ اور طاقت و قدرت سے قائم ہے اور انسانی عقل و شعور نہ تو اس کی عظمت کا انداز کر سکتے ہیں اور نہ ہی انسانی آنکھ اُس کا ادراک کر سکتی ہے۔

الرحمٰن علی العرش استویٰ

اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ وہ کسی اور جسم پر متمکن ہو۔ یعنی جس طرح بادشاہ کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے۔ ایک تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ یا کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ بات کہنا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کسی جسم پر متمکن ہو تو اس کو مقدار میں تسلیم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ جو چیز جسم پر متمکن ہوتی ہے۔ وہ یا اس سے بڑی ہوتی ہے یا برابر۔ اور کمی بیشی و مساوات کے ساتھ وہ شے

Marfat.com

موصوف ہوسکتی ہے۔ جو مقدار رکھتی ہو۔ الغرض جسم پر متمکن ہونا جسمانی عوارض کے ساتھ خاص ہے اور ذاتِ حق چونکہ نہ جسم ہے نہ عرض لہٰذا کسی جسم پر متمکن نہیں۔

اگر یہ سوال پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کہ اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہوا۔ اور حدیث میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں۔ یُنَزِّلُ اللّٰهُ كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا اللہ تعالیٰ ہر رات نیچے کے آسمان پر اترتا ہے اگر اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن نہیں تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ان اقوال کے کیا معنی ہیں۔ پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ لوگ دو گروہوں میں ہیں۔ عام لوگ اور علماء۔ پہلے گروہ کو ان مسائل سے دور رہنا چاہئے۔ ان کے لئے صرف یہی کافی ہے کہ وہ ان امور پر ایمان لے آئیں اور ان کے بارے میں کسی شک وشبہ کا شکار نہ ہوں۔ عام لوگوں کی عقلیں ایسے مسائل سمجھنے سے قاصر ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان میں صرف اتنا شعور ہے کہ وہ شریعت کے واضح احکام کو ہی سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ سے کسی عام آدمی نے استوی کے معنی پوچھے تو انہوں نے جواب دیا لا استوا معلوم والكيفية مجهولة والسوال عند بدعة والايمان استوی کے معنی معلوم ہیں۔ اور اس کی کیفیت مجہول اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔ اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔

علماء کے گروہ کو اس قسم کی باتوں میں غور وفکر اور تدبر کسی حد تک جائز ہے۔ مگر فرض نہیں کیونکہ صرف اس قدر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے اور ہر قسم کے عیب سے پاک ہونے اور لامحدود اختیارات رکھنے پر اعتقاد اور ایمان رکھا جائے۔ قرآن مجید کے تمام معنی سمجھنے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی۔

ایسی باتوں کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ بھی مقطعات قرآنی کی مانند متشابہات کے قبیل سے ہیں۔ بالکل ناجائز ہے۔ کیونکہ مقطعات قرآنی ایسے حروف یا الفاظ ہیں کہ اہل عرب کی اصطلاح میں کسی معنی کیلئے موضوع نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے نہایت بلند مرتبہ شمار ہوتا ہے اس لئے ان میں مقطعات وارد ہیں۔ لہٰذا ان کو متشابہات کا خطاب دیا گیا۔ مگر حضور ﷺ کا یہ فرمان ينزل الله تعالىٰ الى السماء الدنيا لغوی حیثیت سے صحیح معنی اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سے حقیقی معنی مراد لئے جائیں یا مجازی مگر کوئی اہل لغت اس کلام کی حقانیت سے انکار نہیں کرسکتا۔

اس وضع کے لئے جس قدر اقوال ہیں۔ جاہل لوگ ان سے ایسے معنی سمجھتے ہیں جو بالکل حقیقت کے خلاف ہوتے ہیں۔ مگر علماء کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ بصیرت کی وجہ سے حقیقی

Marfat.com

معنی سمجھ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ جہاں تم ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ جاہل لوگ "مَعَكُمْ" کو حقیقی معنی میں سمجھتے ہیں۔ جو "اُسْتَوٰى عَلَى الْعَرْش" کے مخالف ہے۔ مگر علماء کرام سمجھ جاتے ہیں۔ کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا بلند مرتبہ علم ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے قَلْبُ الْمُومِنْ بَيْنَ اَصْبِعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰن مومنوں کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ جاہل تو وہی دو انگلیاں سمجھیں گے جو وہ جانتے ہیں۔ مگر علماء یہاں ان کے مفہوم سے آگاہ ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ جیسے دو انگلیوں کے درمیان آئی ہوئی چیز کو جدھر چاہیں پھیر سکتے ہیں۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ مومن کے دل کو جدھر چاہے پھیر سکتا ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے۔ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَى شِبْرً تَقَرَّبْتَ اِلَيْهِ ذِرَاعًا وَمَنْ اَتَانِيْ يَمْشِيْ اَتَيْتُهٗ هَرْوَلَاً جو مجھ سے ایک بالشت بھی قریب ہوتا ہے۔ میں اس سے ایک ہاتھ کے برابر قریب ہوتا ہوں۔ اور جو میرے پاس چل کر آتا ہے میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں۔ اہل علم اس سے مراد لیتے ہیں۔ کہ جو شخص ذرا سی توجہ بھی میری طرف کرے میں اس پر اپنے رحمت ڈال دیتا ہوں۔ اور اس پر انعامات واکرام کی بارش برسا دیتا ہوں۔

حدیث قدسی میں ہے لَقَدْ طَالَ شَوْقَ الْاَبْرَارِ اِلٰى لِقَئِي وَاَنَا لِقَئِهِمْ اَشَدُ شَوْقً نیک لوگوں کو میرے ملنے کا بہت شوق ہے۔ مگر مجھے بھی ان سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔ عام لوگ شوق سے وہی مفہوم لیتے ہیں۔ جو عام طور پر مشہور ہے۔ مگر اہل علم کہتے ہیں کہ جس چیز کا شوق ہوتا ہے شوق اس کی طرف متوجہ ہونے اور اس کے حاصل کرنے کا سبب ہوتا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ کبھی کبھی سبب کا لفظ بول کر اس میں سے سبب کے معنی لئے جاتے ہیں۔ سو اسی قاعدہ کے مطابق یہاں بھی لفظ شوق سے مراد طرح طرح کے انعامات اور قسم قسم کے درجات ہیں۔ جو انہیں قیامت میں خاص طور عطا کئے جائیں گے۔ حدیث میں حجر اسود کے بارے میں آیا ہے اِنَّهٗ يَمِيْنُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ عام لوگ یمن کے معنی دائیں ہاتھ کے کرتے ہیں۔ مگر جب مذہب کو دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے تو گھبرا جاتے ہیں۔ کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور دوسری طرف حجر اسود کعبہ میں بطور دایاں ہاتھ' مصافحہ کے معنی میں مجازاً استعمال ہوا ہے۔ یعنی جب بادشاہ کے ہاتھ کو اس کی تعظیم کے لئے بوسہ دیا جاتا ہے۔ ویسے حجر اسود کو بھی بوسہ دینا چاہئے۔

جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس قسم کے اقوال کو مقطعات قرآنی کی طرح مشابہات میں شامل کرنا درست نہیں تو اب استوی کے معنی پیش خدمت ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے الرحمٰن علی العرش استوی کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے

Marfat.com

اس میں چار خیال آ سکتے ہیں۔

(1) اللہ تعالیٰ عرش کو جانتا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ عرش پر ہر طرح سے قادر ہے۔

(3) یا عرض کی مانند اللہ تعالیٰ نے عرش میں حلول کیا ہوا ہے؟

(4) یا جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے۔ ویسے ہی اللہ تعالیٰ بھی جلوہ گر ہے؟

پہلا معنی عقل کے قریب ہے۔ مگر الفاظ کے لحاظ سے یہ معنی موزوں نہیں دکھائی دیتا۔ کیونکہ اس جملہ میں کوئی ایک ایسا لفظ نہیں جو علم پر دلالت کرتا ہو۔ تیسرا اور چوتھا معنی اگر چہ لفظی حیثیت سے درست ہے شریعت و عقل کے نزدیک مناسب نہیں۔ صرف دوسرا معنی عقل اور لغت کے اعتبار سے درست ہے بس یہی معنی اس آیت کے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قدرت رکھتا ہے۔

حضور ﷺ کے اس قول نَزَّلَ اللہ الی السماء الدنیا کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔

(1) عربی زبان میں یہ عام طور پر قاعدہ ہے۔ کہ بعض دفعہ کلام میں سے ایک لفظ کو نکال دیا جاتا ہے۔ اور اس کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر کے اس کا حکم مضاف الیہ کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے قول واسل القریۃ میں ہر شخص جانتا ہے نفس سے سوال کرنا عجیب بات ہے۔ تو یہ کہنا پڑے گا کہ اس جملہ میں لفظ سَل محذوف ہے۔ اصل میں یوں عبارت ہے۔ وَاسْئَلْ اَهْلَ الْقَرْیَۃ اس طرح عرب کا عام محاورہ ہے۔ یَنْزِلُ الْمُلْکِ عَلٰی بَابِ الْبَلَدْ یہاں بھی عسکر کا لفظ محذوف ہے۔ جس کے ملانے سے ترجمہ یہ ہوگا۔ بادشاہ کا لشکر شہر کے دروازے میں اترا۔ کیونکہ جو شخص بادشاہ کے اترنے کی خبر دیتا ہے۔ اگر اس سے پوچھا جائے کہ تو اس کے استقبال کے لئے کیوں نہیں گیا۔ تو وہ کہہ سکتا ہے کہ بادشاہ تو شکار کھیلنے گئے ہیں ابھی صرف ان کا لشکر ہی اترا ہے۔ اگر عسکر کا لفظ محذوف نہ ہوتا تو مخبر کے کلام میں نقص واقع ہوتا اور اس کا جواب بالکل غلط ہوتا۔ سو اسی قاعدہ کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے قول میں ملک کا لفظ محذوف ہے۔ جو لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہے اصل عبارت کے معنی یہ ہوئے کہ پچھلی رات میں اللہ تعالیٰ کا ایک رحمت کا فرشتہ نیچے کے آسمان پر اترتا ہے۔

(2) لفظ نزول کا ایک معنی تو مشہور ہے یعنی بلند مقام سے نیچے کی طرف اترنا۔ مگر کبھی کبھی یہ لفظ دو اور معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مہربانی کرنا' مخلوق پر رحم کرنا' بندوں کے گناہوں کو معاف کرنا' اور طرح طرح کے انعامات انہیں عطا کرنا۔ انحطاط' اپنے مقام سے نیچے آنا' تنزل' اب دیکھنا تو یہ ہے کہ ان معنوں میں کون کون سا معنی اللہ تعالیٰ میں پایا جاتا ہے۔ پہلا معنی تو نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ ایک مکان

Marfat.com

سے دوسرے مکان کی طرف نقل وحرکت صرف اجسام کے ساتھ ہے۔ تیسرے معنی میں بھی اللہ تعالیٰ نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ وہ واجب الوجود ہے۔ قدیم ہے اور جملہ امور میں کامل ہے۔ دوسرا معنی یعنی مخلوق پر رحم کرنا بیشک اللہ تعالیٰ میں پایا جاتا ہے سو اس کے معنی رسول اللہ ﷺ کے قول کے مطابق یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ رات میں اپنے بندوں پر رحمت نازل فرماتا ہے۔ اس وقت اگر کوئی اس سے بخشش مانگے تو وہ گناہ بخش دیتا ہے۔

ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ قول رفیع الشانی ذوالعرش نازل ہوا۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہ کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت' ہیبت اور دہشت کا ایسا نقش جم گیا۔ کہ اُنہیں سوال کرنے اور اپنی حاجتوں کے لئے دعا مانگنے سے خوف آنے لگا۔ وہ سمجھنے لگے کہ اتنی جلیل القدر ذات کے آگے ہماری کیا ہستی ہے۔ اور اتنی جرات ہمارے دلوں میں کہاں ہے کہ اس کے روبرو کھڑے ہو کر اپنی حاجتوں کی استدعا کریں۔ دنیا کے کسی زبردست اور جلیل القدر فرماں روا کے آگے کسی کی مجال نہیں ہوتی۔ کہ اس کے دربار میں قرب حاصل کرنے کے لئے ایک انگلی تک اٹھائے۔ بلکہ دنیا کے بادشاہوں کی عادت ہے کہ جب ان کے درباروں میں معمولی حیثیت سے جا کر ممکن سے ممکن ذرائع سے ان کی توصیف کرتے ہیں۔ تو وہ ان کو سخت سرزنش کر کے درباروں سے نکال دیتے ہیں۔ الغرض صحابہ پر جب سخت خوف کا عالم طاری ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ ان کو تسلی دی اور کہا کہ میں عظمت و بے نیازی کے باوجود بلند ترین درجے کا رحیم اور مہربان ہوں۔ میرے دربار میں جو آتا ہے خالی نہیں جاتا۔ امیر اور غریب کو ایک نظر سے دیکھتا ہوں۔ کسی مفلس کی غربت اس کی وقعت کو میرے نزدیک کم نہیں کرتی۔ اور نہ ہی کسی دولت مند کی دولت وثروت میرے نزدیک امیر آدمی کے بلند درجہ کا باعث بن سکتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر تسلی نازل فرمایا اور رحمت و برکت نازل کرنا کا وعدہ فرمانا اس کی بلند ترین شان و مرتبہ کی نسبت سے نزول ہے۔ ان شفقت بھرے وعدوں کو لفظ نزول کے ساتھ ظاہر کرنے کی غرض یہ ہے کہ اس کا اس قدر اپنے بندوں کے ساتھ مہربانی کرنا اس کی شان بے نیازی وعظمت کے ساتھ ساتھ رحمت وکرم کا اظہار ہے اور نیچے کے آسمان سے مراد ہے کہ جیسے نیچے والا آسمان جملہ آسمانوں سے نیچے ہے۔ اور اس کے نیچے اور کوئی آسمان نہیں ہے۔ اسی طرح اس کی رحمت و برکت بھی بندوں پر انتہائی درجہ کی ہے۔ یا جیسے یہ آسمان دنیا دیگر آسمانوں کی نسبت بنی نوع انسان کے قریب ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی بندوں کے قریب ہے۔ رات کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ رات کو عام لوگ سوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے طلب گاروں کو اللہ تعالیٰ کے حضور عجز وانکسار کرنے کا بہت اچھا موقع ملتا ہے تنہائی میں وہ لذت عطا ہوتی ہے کہ رونقوں میں ایسے راز و نیاز کہاں؟

Marfat.com

رویت باری تعالیٰ!

جس طرح دنیا کی چیزیں مثلاً آگ، پانی، آسمان یا دوسری اشیاء دیکھنے میں آسکتی ہیں کیا ذاتِ حق بھی ایسے دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے یہ کہنے سے کہ "وہ دکھائی دیتا ہے" کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اسے ہر وقت دیکھا جا سکتا ہے یا جس وقت کوئی اسے دیکھنا چاہے دیکھ سکتا ہے۔ بلکہ اس کا مقصد ہے کہ اس کی ذات میں اس امر کی قابلیت اور صلاحیت ہے۔ کہ اس کی زیارت کی جا سکے۔ اور اس کی جانب سے کوئی چیز ایسی نہیں جو ہمیں اس کے دیکھنے سے روکے۔ اگر ہم اسے نہیں دیکھ سکتے تو یہ ہمارا قصور ہے۔ جو شرائط اسے دیکھنے کی ہیں۔ اگر وہ ہم میں پائی جائیں تو ہم اسے دیکھ سکیں گے۔ کہ جب ہم کہتے ہیں کہ پانی پیاس بجھاتا ہے اس وقت ہمارا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ پانی پیئے بغیر پیاس بجھ جاتی ہے۔ بلکہ اصل مطلب یہ ہوگا کہ پانی پینے سے پیاس بجھ جاتی ہے اب اس پر ہم عقلی اور نقلی اعتبار سے بحث کریں گے۔

پہلا مسلک

اس میں کسی عام سے عام آدمی کو بھی کلام نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ بھی ایک نورانی وجود رکھتا ہے۔ اس کی بھی ذات اور حقیقت ہے۔ جیسے دیگر موجودات کے حقائق اس کی ماہیت بھی اس بات سے خالی نہیں۔ اگر اس میں اور دیگر موجودات میں فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ سب کی سب مخلوق ہیں۔ اور فانی چیزیں قدیم ہیں۔ ان کی صفات بھی عارضی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ قدیم اور اُس کی صفات بھی قدیم ہیں۔ فانی چیزوں کی صفات سے ان کے فنا کا پتہ چلتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ایسی صفات سے پاک ہے کیونکہ یہ شان الوہیت کے خلاف ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی شایان شان بقا والی صفات پر دلالت کریں۔ لیکن ایسی صفات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں کوئی ممانعت نہ ہوگی جو اس کی شان الوہیت کے تقدس کے شایان شان ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ جیسے دیگر موجودات کو ہم جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی ہمارا علم متعلق ہے۔ اسے بھی ہم جانتے ہیں۔ اور اس کو جاننے سے نہ اس کی ذات میں کچھ تغیر لازم آتا ہے اور نہ ہی اس کی صفات میں کچھ کمی۔ اور نہ ہی ایسی کوئی چیز ذاتِ حق کے ہاں نظر آتی ہے۔ جو اس کے عارضی پن پر دلالت کرے۔

رویت (دیدار) بھی علم کی ایک قسم ہے جیسے دیگر موجودات کے (دیکھنے کے قابل) ہونے سے ان کی حقیقتوں اور صفات میں کسی قسم کی کمی لازم نہیں آتی اللہ تعالیٰ کے قابلِ زیارت ہونے میں بھی کسی قسم کا نقص لازم نہیں آئے گا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی زیارت ہو سکتی ہو تو ضرور کسی سمت میں ہوگا۔ تو یہ ثابت ہے کہ سمتوں میں ہونا اجسام اور اعراض کے ساتھ خاص ہے۔ تو اس کا جواب یہ

Marfat.com

ہے کہ کسی چیز کے دکھائی دینے کے لیے ضروری نہیں کہ وہ کسی سمت میں ہو کر دکھائی دے۔

یہ ایک نظری مقدمہ ہے کہ قابل زیارت ہونے کے لیے سمت کا ہونا ضروری ہے۔ جب تک اس پر مخالف فریق کی طرف سے دلیل قائم نہ ہو یہ مقدمہ قابل تسلیم نہیں۔ زیادہ سے زیادہ فریق مخالف یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے جس چیز کو دیکھا ہے سمت ہی میں دیکھا ہے ایسی کوئی چیز ہمارے دیکھنے میں نہیں آئی جو کسی خاص سمت میں قرار پذیر نہ ہو۔

ایک حماقت کا جواب!

یہ سخت حماقت اور جہالت ہے جو یہ کہا جاتا ہے "کہ چونکہ ہم نے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو جہت (کسی سمت) میں نہ ہو لہٰذا اللہ تعالیٰ کی زیارت نہیں ہو سکتی۔ کسی کے نہ دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں بھی جو چیز کسی سمت سے تعلق نہ رکھتی ہو وہ دیکھنے کے قابل نہ ہو سکے۔ عام طور پر ہم جس فاعل کو دیکھتے ہیں وہ جسم ہی ہوتا ہے۔ اگر اس اصول کو دیکھا جائے تو ذاتِ حق کو بھی ہمارے خیال کے مطابق جسم ہونا چاہئے۔ علیٰ ہذا القیاس دنیا میں جو چیز موجود ہے اس میں ملنے کی قابلیت ہے یا کسی نہ کسی سمت میں ہونا ضروری ہے"۔ حالانکہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ وہ ان باتوں سے پاک ہے اور واحد لاشریک ہے۔ مخالفین کے نزدیک تسلیم شدہ اصول ہے کہ جس طریقہ پر ایک مشاہدہ کیا جائے۔ اس طریق پر باقی اشیاء کا بھی مشاہدہ کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ مگر یہ ان کا قاعدہ غلط اور بالکل غلط ہے اگر اس میں ذرا بھی درستی پائی جائے تو اعراض کے وجود سے انکار لازم آئے گا۔ کیونکہ ہم جسموں کو دیکھتے ہیں۔ کہ وہ اپنے اپنے نشوونما میں اپنی ذات سے متعلق ہیں۔ اور ہر ایک جسم خاص خاص شکل اور صورت کا تقاضا کرتا ہے مگر تخیلات میں یہ بات بالکل نہیں ہے پس لازم آنا چاہئے۔ کہ اعراض موجود ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو بھی دیکھتا ہے اور کائنات عالم کو بھی دیکھتا ہے۔ کیونکہ وہ بذات خود یقیناً کسی سمت میں نہیں ہے۔ اور کائنات عالم کی تمام سمتیں اُسی نے پیدا فرمائی ہیں۔ سو اگر قابل زیارت ہونے کے لیے سمت میں ہونا ضروری ہے تو لازم آئے گا کہ سمت میں ہونے والا اپنے آپ کو نہیں دیکھتا اور یہ ذات اقدس کے شایان شان نہ ہو گا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ مرئی وہ چیز ہو سکتی ہے۔ جو کسی سمت میں ہو۔ ان کے نزدیک قابل دید ہونے میں یہ بھی شرط ہے کہ دیکھی جانے والی چیز آنکھ کے مقابل ہو۔ ان کی یہ شرط بھی غلط ہے۔ شیشہ میں آدمی اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ مگر مقابلہ والی بات وہاں نہیں ہوتی۔ کیونکہ مقابلہ تب ہو جب آدمی اپنے آپ کے پاس کھڑا ہو۔ یا یوں کہیے کہ ایک چیز کی دو چیزیں بن جائیں۔ اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ شیشہ میں آدمی کی تصویر منقش ہو جاتی ہے۔ جو دکھائی دیتی ہے۔ اور آنکھ کے مقابل بھی ہوتی ہے۔ یہ جواب بالکل غلط ہے کیونکہ فرض کرو

Marfat.com

ایک شیشہ دیوار میں لگا ہوا ہے تم تقریباً دوگز اس سے پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ تو تمہیں اپنی صورت شیشہ سے دوگز پرے نظر آئے گی۔ اگر ایک گز اور پیچھے ہٹ جاؤ تو وہ بھی ایک گز اور پیچھے نظر آئے گی۔ پس اگر شیشہ کے اندر تمہاری صورت منقش ہوتی تو تمہارے شیشے سے پیچھے ہٹنے پر صورت شیشہ سے اتنی دور کیوں دکھائی دیتی۔ شیشہ کے پیچھے جو چیز ہے۔ وہ شیشہ کے درمیان میں حائل ہونے کے باعث دیکھنے والے سے اوجھل ہوتی ہے اور شیشہ کے روبرو یا نیچے یا اس کے دائیں یا بائیں بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہوتی جو شیشہ میں منقش ہو سکے۔

یہ اصول ہے کہ روزمرہ کے نظر آنے والے معاملات کے خلاف جو چیزیں ہوتی ہیں جب تک ان کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہ کر لیا جائے ان کے واقع ہونے کو عقل ہرگز تسلیم نہیں کرتی۔ اگر کسی ایسے شخص سے جسے اپنی صورت اور آئینہ دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا ہو اس سے سوال کریں کہ کیا تم اپنی صورت شیشہ میں دیکھ سکتے ہو تو صاف کہہ دے گا کہ ایسا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اپنی شکل کی مثل کو شیشہ کے جسم میں یا شیشہ کے پیچھے کسی جسم میں دیکھا جائے۔ نیز کسی چیز کو دیکھنے کے لیے اس کا آنکھ کے مقابل ہونا شرط ہے جو اس حالت میں نہیں ہو سکتا۔ اس کی اور تقریر تو اپنی جگہ سہی مگر اس کا یہ کہنا کہ دیکھنے کے لیے مقابلہ شرط ہے بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اگر مقابلہ ضروری ہوتا تو شیشہ میں اسے اپنا منہ ہرگز نظر نہ آتا۔

دوسرا مسلک

جن لوگوں نے ذات اقدس کے دکھائی دینے کا انکار کیا ہے انہوں نے رویت کے معنی نہیں سمجھے۔ اگر سمجھے بھی ہیں تو سرسری طور پر۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کے قابل زیارت ہونے کی کیفیت وہی ہے۔ جس کیفیت سے ہم جسموں، صورتوں اور رنگوں وغیرہ کو دیکھتے ہیں اس کیفیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونا ہمارے نزدیک بھی ناممکن ہے۔ مناسب ہے کہ مطلق روایت بیان کر کے ان امور کی وضاحت کر دیں جن کا پایا جانا زیارت کے لیے ضروری ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ ان امور میں سے کون کون سا امر اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس میں موجود ہے اور کونسا نہیں پایا جاتا۔ تاکہ اچھی طرح سمجھ جائیں کہ ذاتِ حق (قابل زیارت) ہو سکتا ہے۔ اگرچہ لفظی حیثیت سے زیارت لفظ کا استعمال مجازی طور پر ہو۔

زیارت کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک جسم یعنی وہ چیز جس میں دیکھنے کی قوت رکھی جائے جیسے آنکھ اور ایک وہ چیز جس پر کو دیکھا جا سکے مثلاً رنگ مقدار اور جسم وغیرہ۔ اب دیکھنا یہ

Marfat.com

ہے کہ ان دونوں میں سے کس کو دیکھے جانے میں زیادہ دخل ہے۔ اور کس پر یہ بات صادق آتی ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو دیکھے جانے کی حقیقت موجود نہ ہوگی۔ باقی جسم پر چنداں دیکھنے کا دارومدار نہیں۔ کیونکہ جس شے کے ذریعے ہم اشیاء کو دیکھتے ہیں وہ آنکھ نہیں بلکہ وہ قوت ہے جو آنکھ میں قدرت نے رکھ دی ہے۔ آنکھ تو ایک جسم مخصوص ہے جو دیکھنے کا ذریعہ اور آلہ ہے۔ اگر وہ قوت دل میں یا پیشانی میں یا کسی اور عضو میں رکھی جاتی تو اس وقت بھی یہ کہنا درست ہوتا کہ ہم نے فلاں چیز کو دیکھا ہے یہ ایک اتفاقی بات ہے کہ قدرت نے دیکھنے کی قوت کو خاص طور پر آنکھ میں رکھ دیا ہے۔ کسی اور عضو میں نہیں رکھا۔

اب رہی دوسری بات یعنی وہ چیز جس کو دیکھا جا سکے سو کسی خاص چیز پر دیکھنے کا انحصار نہیں۔ یعنی دیکھنے میں یہ بات نہیں ہوتی کہ اگر ہم زید کو دیکھیں تو یقینی ہو لیکن اگر بکر کو دیکھیں تو اس پر دیکھنا صادق نہ آئے۔ اگر دیکھنے میں کسی خاص چیز کا دیکھنا شرط ہوتا تو سیاہی کو دیکھنے سے سفیدی کے دیکھنے پر لفظ صادق نہ آتا۔ اور رنگ کو دیکھنے سے کسی دوسری چیز پر دیکھنے کا لفظ زیب نہ دیتا۔ کسی عرض کو دیکھ لینے سے جسم کے دیکھنے پر اطلاق نہ کیا جا سکتا۔ حالانکہ ہمارا ہر ایک چیز کو دیکھنا حقیقی ہے۔ اور سیاہی، سفیدی رنگ حرکت، شکل جسم وغیرہ اشیاء پر ایک ہی طرح لفظ محسوسات اور دیکھے جانے کا اطلاق ہوتا ہے۔

ثابت ہوا کہ جس کو ہم نے دیکھا یعنی جس کو محسوس و مبصر (دیکھنے والا) کہا جاتا ہے۔ وہ کلیت اور عموم کے درجہ میں ہے کسی خاص فرد میں اس کا پایا جانا ضروری نہیں۔ مثلاً آگ، پانی، مٹی، لکڑی، سیاہی اور سفیدی وغیرہ اگر زیادہ غور اور تدبر سے کام لیا جائے تو دیکھنے کی حقیقت میں ایک تیسری چیز کی جھلک نظر آتی ہے جس سے اس کی حقیقت کا دائرہ اور بھی وسیع ہو جاتا ہے۔ اس کی رو سے دیکھنا ایک علم اور ادراک کی ایک قسم ہے۔ جو تخیل سے زیادہ کشف کہلا سکتا ہے۔ آپ آنکھیں بند کر کے اپنے کسی دوست کا تصور کر لیں تو اس کی تصویر موجود پائیں گے۔ اس صورت میں اس کی شکل و شباہت اس کے نقوش، رنگت، بناوٹ وغیرہ میں کسی قسم کا فرق نہیں ہوگا۔ پھر جب آنکھ کھولو اور فرض کرو کہ وہ دوست بالکل آپ کی نظروں کے سامنے کھڑا ہے۔ جب اس کو عالم واقع میں اپنی آنکھ سے دیکھیں گے تو اس وقت دوست کی کوئی اور صورت جو اس کی پہلی صورت خیالیہ کے خلاف ہو آپ کی قوت خیالیہ میں ہرگز نہیں اترے گی۔ بلکہ اس کی صورت جو آپ کی آنکھ کے سامنے ہے اس کی صورت خیالیہ بعینہٖ نقش ہوگی۔ اور یہ اس کے ساتھ مل کر کشف تام کا سبب ہوگا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تخیل بھی ادراک کی ایک قسم ہے مگر یہ سب ادراک بہت نچلے درجہ کا ہے۔ اور دیکھنا بھی اس کی ایک قسم ہے لیکن یہ تخیل کی نسبت ادراک کا ذریعہ بننے میں بہت آگے ہے۔

کائنات عالم میں کئی چیزیں ایسی ہیں جن کا ادراک بذریعہ عقل اور تخیل دونوں کے ذریعہ کر

Marfat.com

سکتے ہیں۔ مثلاً آسمان' زمین' سورج' چاند' پانی' مٹی وغیرہ اور بعض ایسی ہیں کہ عقل وفہم کے ذریعہ ہم ان کا ادراک کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ ہماری قوت خیالیہ میں نہیں اتر سکتیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات' قدرت' علم اور دیگر چیزیں مثلاً عشق' غم' خوشی' راحت' تکلیف' الغرض جن چیزوں کے لئے رنگ اور مقدار نہیں وہ سب کی سب دوسری قسم میں داخل ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دوسری قسم کی چیزوں کا جب ہم عقل کے ذریعہ ادراک کر سکتے ہیں۔ تو کیا اس طرح ہم ان کا بھی ادراک کر سکتے ہیں۔ جس کی پہلے ادراک (تعقلی) سے وہ نسبت ہو جو دیکھنے کو تخیل کے ساتھ ہے۔ یعنی جیسے دیکھنے میں بہ نسبت تخیل کے پورا کشف ہوتا ہے۔ ویسے اس دوسرے ادراک میں بہ نسبت ادراک تعقلی اعلیٰ درجہ کشف ہے۔ اس قسم کا ادراک ممکن ہے۔ اور یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس پر دلائل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی ادراک کا نام ہم دیکھنا رکھتے ہیں۔ اور اسی معنے کے مطابق ہم اللہ تعالیٰ کو قابل زیارت کہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ہم دو طرح سے جان سکتے ہیں۔ عقل وفہم کے ذریعہ سے اور جو تعقل سے بہت بڑھی ہوئی بات ہے وہ زیارت ہے۔ ہاں اتنا ضرور کہنا پڑتا ہے کہ دنیا میں چونکہ نفس طرح طرح کے مشاغل میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اور دنیاوی کاروبار میں انسان کو یہاں تک مصروفیت ہوتی ہے کہ زہد وریاضت کا اسے کم موقع ملتا ہے۔ اس لئے دنیا میں اس کے اندر وہ نورانیت اور صفائی نہیں ہوتی جس سے اللہ تعالیٰ کی نورانی ذات کو دیکھ سکے۔ جیسے پلکیں اور آنکھ کی پتلی آنکھ کو دیکھنے سے نہیں روکتی۔ ویسے ہی نفس کے یہ چندروزہ مشاغل اور دنیاوی تعلقات اللہ کریم کے انوارات کا مشاہدہ کرنے میں رکاوٹ نہیں ہوتے۔ آخرت میں جب نفس جسمانیت کی کدورتوں سے پاک ہو جائے گا اور خالص نورانیت اس میں جھلک مارنے لگے گی تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ لینا آسان ہوگا۔ جیسے دنیا کو دیکھنے میں کوئی مشکل نہیں ہوتی اور جیسے دنیا کی چیزوں کو ہم آنکھ کے ذریعہ دیکھتے ہیں۔ ویسے ہی ممکن ہے کہ قیامت کے روز آنکھ میں ایسی صلاحیت رکھی جائے جس سے اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہو سکے۔ جیسے کہ حدیث پاک میں بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ آولہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے بغیر رکاوٹ کے دیکھو گے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ) (امام غزالیؒ)

ایک نکتہ

شریعت میں اللہ تعالیٰ کے قابل زیارت ہونے کے متعلق اتنی کثرت سے روایات آئی ہیں کہ اگر ان کی رو سے اللہ تعالیٰ کے قابل زیارت ہونے پر کثرت کے اتفاق کا دعویٰ کیا جائے تو ہرگز مبالغہ نہیں ہوگا۔ جس قدر اہل علم اور بزرگان دین گزرے ہیں۔ اپنے زمانے میں یہی دعا مانگتے گئے کہ

ہمیں اپنا آپ دکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دیدار الٰہی کی امید تھی۔ حضور ﷺ کے حالات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر وقت دیدار الٰہی کا سوال کرتے تھے۔ آپ کے اس بارے میں اس کثرت سے ارشادات ہیں جن سے ہر آدمی کو یقین ہو جاتا ہے۔ کہ دیدار الٰہی ممکن ہے۔ ہمارے اس دعوے کا ایک اور مضبوط ثبوت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی تھی کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے اپنا آپ دکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ ان کو (معاذ اللہ) یہ خبر نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ قابل زیارت نہیں ہو سکتا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی یہ شان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنہیں ہم کلام ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ انہیں اس بات کا علم نہ ہوا جیسا کہ منکرین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا قابل زیارت نہ ہونا اس کی صفت ذاتی ہے اور جیسے دیگر صفات کو جاننا ایمان کا باعث اور نہ جاننا کفر کا باعث ہے ویسے ہی اس صفت کا بھی حال ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پھر کونسا نظریہ قائم کریں گے۔

ہم منکرین سے سوال کرتے ہیں۔ کہ کیا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے کسی خاص سمت میں ہونے کا اعتقاد تھا یا یہ تو جانتے تھے کہ اس کو سمتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر آپ کو اس بات کا علم نہ تھا کہ جس چیز کو سمتوں سے کوئی سروکار نہ ہو وہ قابل زیارت نہیں ہو سکتی۔ اگر پہلی بات ہے تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں سمت میں ہونے کا اعتقاد رکھنا شرک و بت پرستی کے برابر ہے۔ اور اگر موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کا علم نہ ہوتا کہ جو چیز کسی جہت میں نہ ہو وہ دیدار کے قابل نہیں ہو سکتی۔ تو یہ بات شان نبوت کے خلاف ہے۔ منکرین کہتے ہیں کہ جو چیز کسی سمت میں نہ ہو اس کا قابل دیدار نہ ہونا قطعی بات ہے۔ نہایت تعجب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو اس معمولی بات کا علم نہ تھا۔ سخت حیرت کا مقام ہے کہ منکرین تو اس بات کو معلوم کر گئے۔ (معاذ اللہ) مگر جلیل القدر پیغمبر واقف نہ ہو سکے۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ چاہیں تو منکریں کو جھوٹا اور جاہل تسلیم کر لیں۔ اور چاہیں تو آپ پھر پیغمبر کے علم و بصیرت پر جاہلانہ تنقید کریں۔

اس جگہ ایک اعتراض ہم پر یہ بھی کیا جاتا ہے کہ آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو دیکھنا قیامت کے دن ہوگا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام تو طور پر دیکھنے کی درخواست کرتے ہیں۔ جس سے آپ کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ نیز موسیٰ علیہ السلام کے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ لَنْ تَرَانِی تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ صاف بتلا دیا ہے کہ اس کو دیکھنا ممکن نہیں۔ نیز وہ فرماتا ہے۔ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ (آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ سے دیدار کی التجا کرنا اس امر پر دلالت

Marfat.com

کرتا ہے۔ کہ اس کا دیکھنا ممکن ہے۔ مگر ان کو یہ علم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار قیامت کے دن ہوگا دنیا میں اسے دیکھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ انبیاء علیہ السلام کو غیب کی چیزیں صرف اتنی ہی معلوم تھیں جتنی چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے انہیں آ گاہ فرمایا اور ہر ایک بات کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ انبیاء کرام نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں اور ان کو اپنی دعاؤں کے قبول ہونے کا یقین بھی تھا مگر اللہ تعالیٰ نے کسی مصلحت کی وجہ سے ان کو قبول نہ کیا اور موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا فرمان لن ترانی کے یہ معنی ہیں کہ تو مجھے دنیا میں نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ جواب سوال کے مطابق دیا جاتا ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کے یہ معنی ہیں کہ آنکھیں پورے طور پر جملہ اطراف سے اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ جیسے جسم کو دیکھنے سے اس کی جملہ خصوصیات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کا احاطہ آنکھوں کی طاقت سے باہر ہے۔ وہ چونکہ نورانی ذات ہے۔ لہٰذا آنکھیں اسے دیکھنے سے عاجز ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات واحد اور اس کے قابل زیارت ہونے میں لوگوں میں عجیب کھلبلی مچ گئی۔ ایک فرقہ نے تو اللہ تعالیٰ کے لئے سمت کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ اس خیال پر کہ کسی نہ کسی سمت میں ہونیکے بغیر کوئی چیز جہاں میں موجود نہیں ہوسکتی جو چیز موجود ہوگی اس کو کسی نہ کسی سمت کے ساتھ خصوصیت ہوگی۔ اور معتزلہ نے سمت سے تو اللہ تعالیٰ کو منزہ و مقدس تسلیم کیا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اسکے دیدار کے قابل ہونے کا بھی انکار کر دیا۔ محض اس لئے کہ دیدار کے قابل ہونے کے لئے کسی نہ کسی سمت میں ہونا ضروری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو کسی سمت سے کوئی تعلق نہیں۔ (مقالاتِ غزالیؒ)

اللہ تعالیٰ ایک ہے

اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ لفظ واحد کئی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی اس کے معنی بھی ہیں جو چیز مقدار ہی نہ ہو اپنے اندر کمیت نہ رکھتی ہو۔ قابل تقسیم نہ ہو۔ ذاتِ حق بھی اس معنی کے مطابق ہے۔ کیونکہ نہ اس میں کمیت ہے۔ نہ یہ جسم ہے نہ عرض۔ اور کبھی اس کے معنی ہوتے ہیں وہ چیز جس کے ہم مرتبہ کوئی اور چیز نہ ہو۔ سورج کو نظام شمسی میں ہم واحد کہہ سکتے ہیں۔ اور بھی جو چیزیں کس کمال میں یکتا ہیں واحد کا لفظ ان پر بھی بولا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ واحد حقیقی ہے۔ کیونکہ نہ تو اس کی کوئی ہے اور نہ ہی اُس ضد کا کوئی مقابل ہے اور نہ اس کا کوئی شریک' ضد تو اس لئے کہ ضد اس چیز کا نام ہے جو دوسری چیزوں کے ساتھ ایک مرکز پر تبدیلی کے اُصول پر وارد ہو سکے۔ جیسے سفیدی' سیاہی کی ضد ہے۔ اور ذاتِ حق کے لئے چونکہ جسم نہیں لہٰذا اس کی بھی کوئی ضد نہیں۔ اور شریک اس لئے نہیں کہ اگر کوئی شریک

Marfat.com

ہوتو وہ اس کا ہم مرتبہ ہوگا۔ جملہ کمالات میں اس کے برابر ہوگا۔ یا اس سے اعلیٰ ہوگا یا کم اور یہ بالکل نہیں ہوسکتا۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہ کوئی محل ہے اور نہ مکان نہ اس کو کسی سمت سے کوئی تعلق ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس کا کوئی شریک نہیں۔ جو اس کے ہم پلہ ہو۔ اور اس کی کیفیت میں مشترک ہو۔

اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ اس لئے نہیں ہوسکتا۔ کہ خالق ومعبود اسے کہا جاتا ہے۔ جو جملہ موجودات سے کمالات میں بلند ترین درجہ پر ہو۔ اور کوئی اسکا مقابلہ نہ کر سکے۔

مشرکانہ اعتراض

اس جگہ پر معترضین ایک اور اعتراض بھی کر سکتے ہیں۔ معترض ہم سے سوال کرسکتا ہے آپ کا کہنا کہ الٰہ کے معنی وہ ذات ہے جو ہر موجود سے کمالات میں بلند مرتبہ ہے۔ یہ ایک اصطلاحی بات ہے اور آپ کی اصطلاح میں اس فریق مخالف کو کوئی کلام نہیں۔ فریق مخالف کا تو صرف یہ کہنا ہے کہ نظام عالم ایک خالق کی مخلوق نہ ہو۔ بلکہ آسمان کا خالق جدا ہو۔ اس کے جملہ مقامات اور زمین و جملہ اشیاء کا خالق جدا ہو۔ یا جمادات ایک اور خالق کی مخلوق ہو۔ اور حیوانات ونباتات دوسرے کی۔ یا شر کا خالق اور ہو اور خیر کا خالق اور ہو جب کہ جواہر کا خالق کوئی دوسرا ہو۔ اور اعراض کا خالق بھی جدا ہو۔ حاصل یہ کہ لفظ الٰہ آپ کے معنی کے مطابق صرف ایک ہی خالق پر بولا جائے اور دوسرے خالقوں پر اس کا اطلاق درست نہ ہو۔ لیکن کئی ایک خالقوں کی تردید پر جب تک آپ ثبوت قائم نہ کریں اللہ تعالیٰ کی توحید قائم نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ مخالف فریق کے نزدیک الٰہ کے معنی خالق ہیں اور ممکن ہے کہ خالق کئی ایک ہوں۔

مشرکانہ اعتراض کا جواب

اگر کائنات الگ الگ خالقوں کی مخلوق ہوتو دو باتوں سے خالی نہیں ہوگی۔ فرض کریں جواہر اور اعراض ایک خالق کی مخلوق ہوں گے یا بعض دوسرے کے پیدا کردہ ہوں گے یا تمام جواہر کا خالق الگ ہوگا۔ اور جملہ اعراض کا پیدا کرنے والا الگ۔ یہ دونوں شکوک بالکل بیہودہ اور جھوٹ ہیں۔ پہلا تو اس لئے کہ خالق آسمان میں زمین پیدا کرنے کی بھی قدرت ہے تو اس خاص قدرت میں دونوں خالق ایک جیسے نہیں تو زمین پیدا کرنے میں ایک دوسرے جیسی قدرت رکھتے ہوں گے۔ اب زمین دو خالقوں کے درمیان ہوگی اور ظاہر ہے کہ زمین کی ہر دو خالقوں سے برابر نسبت جائز نہیں رہے گی اس لئے زمین کا ایک خالق کی مخلوق ہونا دوسرے کی مخلوق نہ ہونا کسی دلیل کے بغیر دعویٰ ہوگا اور یہ محال

Marfat.com

ہے۔اگر خالق آسمان کو زمین کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں تو یہ بھی محال ہوگا کیونکہ جملہ جواہر ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔اور یہ قاعدہ ہے کہ ایسی ذات جس کی قدرت قدیم ہے۔اگر ایک چیز پر قادر ہے تو اس کی مثل پر بھی ضرور قادر ہوتی ہے۔خاص کر جب کہ وہ ذات ایک سے زیادہ اشیاء کی ایجاد پر قادر ہے۔اس وقت ان چیزوں کی مثال پر اس کی قدرت ضرور تسلیم کرنا پڑے گی تو معلوم ہوا جب خالقِ آسمان آسمانوں کی کئی ایک اشیاء کی ایجاد پر قادر ہے تو زمین پر اس کی قدرت کیوں نہ ہوگی۔جو جواہر اور جسم ہونے میں آسمان کے مشابہ اور اس کی مثل ہے۔اس لیے ثابت ہوا کہ ایک وجود اور تمام اشیاء کا خالق ایک ہی ہے۔

دوسرا شک (یعنی خالق جواہر الگ ہو اور خالق اعراض جدا ہو) اس لئے جھوٹ ہے کہ جواہر اور اعراض یہ دونوں اشیاء ایک دوسرے کی طرف کسی نہ کسی طرح محتاج ہوتی ہیں۔تو اب جوہر کا پیدا کرنا عرض پر موقوف ہوگا اور عرض کا ایجاد کرنا جوہر پر۔اور جب ان دونوں کا خالق الگ الگ ہے تو خالق جوہر کسی خاص جوہر کو تب ہی ایجاد کر سکے گا جب جواہز کا خالق سابقہ جوہر کی ایجاد میں رضامند ہو۔لیکن ان میں سے ہر ایک کا اپنی اپنی ایجادات پر دوسرے سے متفق ہو جانا ضروری نہیں۔اور یہ نہ ہی ایسی ظاہری بات ہے جسے تسلیم کرنے پر ہم مجبور ہوں کیونکہ ہر ایک خالق کی ایجاد سے دوسرے خالق کا متفق ہو جانا واجب ہے یا ممکن۔اگر واجب ہے تو اس کی دلیل بیان کرنی چاہئے۔نیز اس صورت میں ان کی قدرت معدوم (ختم) ہو جائے گی۔کیونکہ جب ایک خالق کی ایجاد پر دوسرے خالق کو زبردستی اس کے ساتھ متفق ہونا پڑتا ہے تو دوسرے خالق کا فعل اضطراری ہوگا اختیاری نہ ہوگا حالانکہ قدرت میں بھرپور اختیار رکھنا شرط اول ہے۔

اگر یہ مفروضہ مشرکین تصور کریں کہ شر اور خیر کا خالق الگ الگ ہے جواہر اور اعراض کے خالق کے بارے کچھ نہیں کہتے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ شر اور خیر ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ایک ہی چیز کسی خاص حیثیت سے شر کہلاتی ہے تو دوسری حیثیت سے خیر ہوتی ہے۔اور یہ بیان کر چکے ہیں۔کہ جو ذات ایک شے کی ایجاد پر قادر ہو وہ اس کی مثل ایجاد پر بھی قادر ہوتی ہے۔مسلمان میت کو آگ میں جلا دینا اہل ایمان کے نزدیک تو شر ہے۔مگر کفار اسے خیر سمجھتے ہیں۔جو شخص پہلے کافر ہوا گر مومن ہو جائے تو پہلے اسی کو آگ میں جلانا خیر تھا۔مگر اب ایمان لانے کے بعد اسے جلانا شر ہے۔جلانا صرف ایک ہی مفہوم ہے۔مگر مختلف اعتبار سے کبھی شر ہوگی تو کبھی خیر۔تو اب جو ذات اس مسلمان کو کفر کی حالت میں جلا دینے پر قادر تھی۔اس کے اسلام لانے کے وقت بھی ضرور اس کے جلانے پر قادر ہوگی۔کیونکہ اسلام لانے سے نہ بدن میں فرق آیا ہے۔نہ آگ میں۔پس ثابت ہوا کہ شر اور خیر کا مالک

Marfat.com

ایک ہی ہے۔ جو جملہ موجودات جواہر اور اعراض وغیرہ کا خالق ہے۔ اگر دو خالق ہوتے تو بات بات پر لڑتے ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتے اور یوں یہ نظام ہستی تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ زمین آسمان اور ہر ایک چیز کا خالق و مالک ایک ہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

قدرت

نظام عالم پیدا فرمانے والا خالق قدرت کی صفت رکھتا ہے۔ ثبوت کے طور پر نظام اور اس کی خاص ترتیب اور اس کے تناسب کو دیکھتے ہیں تو حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ سورج کا روزمرہ کا خاص نظام طلوع و غروب، چاند کا خاص ترتیب سے نکلنا ستاروں کی رفتار، آسمانوں کا تہہ بہ تہہ ہونا۔ بادلوں کا چلنا اور بارش سے زمین کا سیراب ہونا۔ ہواؤں کا چلنا، سمندروں کا زیر و بم، قسم قسم کے پھلوں کا پیدا ہونا دیگر خشکی و پانی کے حیرت انگیز عجائبات، پرندے، چوپائے درندے قسم قسم کے درخت اور زندگی کا بھرپور مربوط نظام ایسی چیزیں کہ جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ان کے بنانے والے میں قدرت کی صفت بھرپور طریقے سے موجود ہے۔ انسان اپنے جسم کی بناوٹ کو دیکھے تو احساس ہو گا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی مطلق قادر ہے۔ اول تو یہ بات کہ نظام کائنات بذات خود اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا واضح ثبوت ہے اور یہ صفت الٰہی کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ عقلی فتور پر قابو پانے کے لئے کچھ باتیں کر لیتے ہیں تا کہ گمراہ فلسفیوں کی زبان بند ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ جو دنیا کی چیزوں کو پیدا فرماتا ہے تو اس میں دو احتمال ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ پیدا کرنا اس کی ذاتی صفت ہو یعنی اس کی ذات بلالحاظ کسی اور امر کے پیدا کرنے کا تقاضا کرے اور دوسرا یہ ہے کہ اس کی ذات کے بغیر کسی اور وصف کو بھی اس میں دخل ہو۔ پہلی صورت تو جھوٹ ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کا ذاتی تقاضہ ایجاد ہو تو نظام عالم کو قدیم ہونا چاہئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات بھی قدیم ہیں اور سبب کا قدیم ہونا سبب کے ساتھ موجود کے قدیم ہونے کو لازم کرتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ایجاد عالم میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو بھی دخل ہے کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پیدا کرتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ بھی قدیم ہے اور اس کی صفت قدرت بھی قدیم ہے تو جیسے صرف اللہ تعالیٰ کے تقاضہ ایجاد پر نظام عالم کا قدیم ہونا لازم آتا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ارادہ کی بحث میں پورے طور پر ثابت کر دیں گے کہ قدرت کے قدیم ہونے پر نظام عالم کا قدیم ہونا لازم نہیں آتا۔

قدرت کے بارے میں چند امور پیش خدمت ہیں تا کہ آپ کو پوری وضاحت ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کو جن ہو سکنے والی چیزوں کی ایجاد پر قدرت ہے۔ وہ ختم ہونے والی نہیں۔ تو جب

Marfat.com

ممکنات ختم ہونے والی نہیں تو اس کی طاقت وقدرت بھی ختم ہونے والی نہیں۔ ممکنات کے بالکل موجود نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ بہت سی ایسی چیزیں ظاہری طور پر موجود ہیں۔ جو موجود بھی ہیں اور غیر متناہی بھی ہیں۔ کیونکہ فلسفہ نے ثابت کر دیا ہے کہ جو چیزیں بالفعل موجود ہوتی ہیں ان کی ایک انتہا ہوتی ہے۔ ممکنات اور اس کے مقدورات کے ختم نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کسی حد پر ختم ہو جائے اور آگے کی اشیاء کو ایجاد نہ کر سکے۔ بلکہ جس قدر اشیاء کو وہ پیدا فرمائے اس سے آگے اور اشیاء پیدا کرسکتا ہے۔ غرضیکہ جہاں تک خیال کرتے چلے جایئے کسی حد پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا خاتمہ نہیں ہوسکتا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کی قدرت لامحدود کیوں ہے اور اس کو لامحدود اشیاء کی ایجاد پر کیوں قدرت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ نظام عالم کا خالق ایک ہے۔ اب یا تو ہر ایک چیز کے مقابل جدا جدا قدرت ہوگی۔ مگر قدرت تو صرف ایک وصف کا نام ہے اور ہر ایک ممکن کے ساتھ اس کو وہ تعلق ہوگا۔ جو دوسرے کے ساتھ نہ ہو۔ الگ قدرتوں والی صورت تو جھوٹ ہے کیونکہ جب ممکنات ختم ہونے والی نہیں تو قدرتیں بھی غیر متناہی ہوں گی اور یہ محال ہے۔ پس دوسری بات حق ہوگی یعنی قدرت تو ایک صفت ہے جس کو ہر ممکن کے ساتھ تعلق ہے مگر جب ہم غور کرے ہیں تو وصف امکان کے بغیر اور کوئی چیز ہمیں ایسی نظر نہیں آتی جو قدرت اور ممکنات کا کے درمیان رابطہ ہوں تو جن چیزوں میں امکان کا وصف موجود ہے قدرت بھی ان کو شامل ہوگی۔ کیونکہ یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جس ذات کو چند اشیاء کی ایجاد پر قدرت ہوتی ہے۔ وہ ان کی طرح کی ایجاد پر بھی قادر ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ بعض جواہر اور اعراض کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو باقی جواہر اور اعراض پر جو کہ پہلے جواہر اور اعراض کے ہم جنس ہیں کیوں کر قادر نہ ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت محدود نہیں ہے بلکہ لامحدود ہے اس تقریر سے تین الگ الگ باتیں سامنے آتی ہیں۔ جن کا ہم علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے ہیں۔

پہلی بات (واجب، ممکن اور محال)

اللہ تعالیٰ اپنے علم کے خلاف کرنے پر بھی قادر ہے یا نہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن اگر الفاظ کی پیچیدگیوں کو حل کیا جائے اور قدرے علمی اصولوں سے کام لیا جائے تو یہ اختلاف فوراً دور ہوسکتا ہے پانی اور دودھ الگ الگ ہوسکتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ممکن اللہ تعالیٰ کی کے اختیار میں ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ (بفرض محال) جو چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں نہیں وہ ممکن ہے یا محال۔ جب ایک بات طے ہوگی تب نہایت آسانی سے فیصلہ ہو جائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہے یا نہیں۔ مگر یہ

Marfat.com

تب ہوسکتا ہے جب پہلے ممکن اور محال کے معنی دریافت کیے جائیں۔ ورنہ ممکن ہے کہ ایک وقت میں اختلافی اَمر کو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تسلیم کیا جائے اور دوسرے وقت اس کا انکار کر دیا جائے۔

نظام عالم کو جب واجب بھی کہہ سکتے ہیں، ممکن بھی کہہ سکتے ہیں اور محال بھی کہہ سکتے ہیں۔ واجب تو اس لئے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ہی نظام عالم کی ایجاد کا ارادہ کرتا تو اس صورت میں یہ واجب ہو جاتا۔ کیونکہ اگر ارادہ واجب ہوتا ہے تو جس چیز کا ارادہ ہوتا ہے وہ بھی واجب ہوتی ہے۔

اور نظام عالم کو اس لئے ممکن کہہ سکتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ارادہ کرنے اور ارادہ نہ کرنے ان دونوں سے قطع نظر صرف نظام عالم پر ہی نظر کی جائے تو وصف امکان کائنات عالم پر صادق آتا ہے اور محال اس واسطے کہہ سکتے ہیں کہ ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نہ تو ازل میں اور نہ موجودہ زمانہ میں غرضیکہ کسی وقت بھی نظام عالم کی ایجاد کا ارادہ ہی نہ فرماتا۔ اس طرح نظام عالم کبھی معرض وجود میں نہ آتا۔

حاصل یہ ہے کہ نظام عالم پر واجب ممکن اور محال یہ تین مفہوم صادق آتے ہیں۔ مگر ان کا صادق آنا مختلف اعتبارات سے واجب یا محال ہے۔ اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ازل میں اس کو پیدا کرنے کا ہوا ہے یا نہیں۔ جب آپ کو معلوم ہوگیا کہ ایک ہی بات مختلف اعتبارات سے ممکن محال اور واجب ہوسکتی ہے۔ تو اب ہم اختلافی مسئلے کی طرف جاتے ہیں۔

فرض کرو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ زید اتوار کی صبح مر جائے گا۔ اب اتوار کی صبح زید کا نہ مرنا بلکہ زندہ رہنا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زید کا اس وقت زندہ رہنا ممکن تھا۔ مگر چونکہ اسکا مرنا مقدر ہو چکا ہے لہٰذا اس کا زندہ رہنا بالکل ہی ناممکن ہے۔

جب ہم کہتے ہیں کہ حیٰوۃَ زید فی ھذا الوقت ممکن ہے۔ ہماری یہ غرض ہو کہ سیاہی اور سفیدی کا ایک ہی وقت میں ایک جگہ جمع ہونا بے شک محال ہے۔ مگر اس وقت میں نہ کوئی کمی آرہی ہے اور نہ کمزوری' اور نہ ہی کوئی رکاوٹ درپیش آتی ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ اس کے علم وارادہ میں زید کا اس وقت مرنا مقدر ہو چکا ہے جس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

ان باتوں سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

(1) اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کوئی کمزوری نہیں ہوتی۔

(2) زید کی زندگی اس خاص وقت ممکن بالذات ہے۔ اب پھر کیا وجہ ہے کہ زید کی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی مقدور تسلیم نہ کیا جائے؟

جو بھی اس سے انکار کرتا ہے اگر چہ اس کی غرض یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں زید کا مرنا مقدور ہو چکا لہٰذا اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ تو اس کے ساتھ ہم بھی متفق ہیں۔ اور اگر اس کا مطلب یہ

ہے کہ اس وقت زید کی زندگی ایسے ہی ناممکن ہوگئی۔ جیسے دوضدوں کا جمع ہونا محال ہے۔ تو کوئی ایک لمحہ کے لئے بھی اس لغو بات کو ہرگز تسلیم نہیں کرے گا۔

قُدرت: اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔ وہ اپنے شایان شان اس کارخانہ زندگی پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اب دیکھنا تو یہ ہے کہ "قدرت" لفظ کا استعمال بھی اس کی قدرت پر درست ہے کہ نہیں۔ قدرت لفظ کا اطلاق بالکل درست اور محاورہ کے مطابق ہے۔ محاورہ میں یہ کہا جاتا ہے زید چاہے تو حرکت کرسکتا ہے اور چاہے تو ٹھہرا رہ سکتا ہے۔ حالانکہ یہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں زید کا متحرک ہونا مقدر ہو چکا ہے یا ساکن ہونا۔ لیکن حرکت اور ٹھہراؤ دونوں کو زید کی قدرت میں داخل کیا جاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ختم نہ ہونے والی اور غیر محدود ہے۔ اور قدرت کا اطلاق بھی اس پر درست ہے۔

دوسرا نکتہ

جب اللہ تعالیٰ کی قدرت غیر محدود ثابت ہو چکی ہے۔ تو کھانا پینا، چلنا، بولنا، دوڑنا، لکھنا، سونا، جاگنا الغرض انسانوں، حیوانوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہیں یا نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان چیزوں پر اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل نہیں تو یہ قاعدہ ٹوٹ جائیگا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت لا محدود اور وسیع ہے۔ اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کے مقدور ہوں۔ تو ایک چیز پر دو قدرتوں کا جمع ہونا لازم آئے گا۔ اور یہ محال ہے۔ کیونکہ انسانوں اور حیوانوں کو اپنے افعال پر جو قدرت ہے۔ کوئی شخص اس سے بھی انکار نہیں کرسکتا۔ اول تو یہ ظاہر بات ہے۔ دوسرا اگر قدرت نہ ہو تو شرعی احکام میں بندے مخاطب نہیں ہونا چاہیں۔ کیونکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ میں جب بندوں کی قدرت ہی نہیں تو پھر اس کے کیا معنی ہیں۔ نماز پڑھو، روزے رکھو، حج کرو، زکوٰۃ دو وغیرہ وغیرہ۔

یہ ایک سوال ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے غیر محدود ہونے پر وارد کیا جاتا ہے۔ اور جس نے لوگوں کے دلوں میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر رکھا ہے۔ اس کا جواب پیش خدمت ہے۔

اس مسئلہ میں لوگوں کے کئی فرقے بن گئے ہیں۔ ایک فرقہ جبریہ ہے۔ جو بندوں کی اپنے افعال پر قدرت کا انکار کرتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ اگر اس طرح ہو تو رعشہ کے وقت ہاتھ کا کانپنا اور اپنے اختیار سے ہاتھ کو حرکت دینا ان دونوں حرکتوں میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ حالانکہ کم سے کم عقل انسان بھی جانتا ہے کہ اگرچہ اس کی بظاہر صورت ایک سی ہے۔ مگر حقیقت میں ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ رعشہ زبردستی حرکت ہے اور ہاتھ ہلانا اپنے اختیار کی حرکت ہے۔ نیز

Marfat.com

اگر بندوں کو اپنے کاموں میں بالکل اختیار نہ ہوتا بلکہ ان کی مثال کٹھ پتلی سی ہوتی جس کو اپنی حرکتوں میں کوئی اختیار نہیں دیا جاتا بلکہ غیر کے قبضہ میں اس کی حرکات وسکنات ہوتیں تو شرعی احکام کے یہ پابند ہر گز نہ ہوتے۔ نیکیوں پر بہشت اور برائیوں پر دوزخ کے حق دار نہ ٹھہرتے۔

معتزلہ کی انتہا پسندی

معتزلہ کے نزدیک انسان، فرشتے، جن اور شیاطین وغیرہ اپنے تمام کاموں میں قطعی اپنے اختیار کے مالک ہیں۔ اور معتزلہ کے نزدیک ان سب کاموں میں اللہ تعالیٰ کو مطلق دخل نہیں۔ عقل رکھنے والوں پر کوئی پابندی نہیں بلکہ سب حیوانات کو اپنے اپنے کاموں کا مکمل اختیار ہے۔

معتزلہ کے جھوٹے دعویٰ کا جواب

ایسے معتزلہ کا دعویٰ دو وجوہات کی بنیاد پر قابل مذمت ہے۔ ایک یہ ہے کہ سلف صالحین متفق ہیں۔ کہ ہر ایک چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا صفت تخلیق کسی میں نہیں پائی جاتی۔ دوم یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز کسی دوسری چیز کو ایجاد کرتی ہے۔ تو اس کا علم ایجاد کرنے والے کو لازمی ہوتا ہے۔ کیونکہ جب تک موجد کو پوری طرح علم نہ ہو تو اس وقت تک ایک مکمل اور با مقصد ایجاد نہیں ہوسکتی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انسانوں اور دیگر حیوانوں سے روزانہ سینکڑوں ایسی حرکات سرزد ہوتی ہیں۔ کہ اگر ان سے ان کی حرکات وسکنات کی تعداد دریافت کی جائے تو کوئی جواب نہیں دے سکیں گے بچہ ماں کی گود میں دودھ کے لئے لپکتا ہے۔ مگر اسے اپنی اس حرکت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ بلی کے بچے پیدا ہوتے ہی دودھ کے لئے ماں کے سینے سے چمٹے ہوتے ہیں۔ اور ان کی آنکھیں ابھی بند ہوتی ہیں۔ پھر یہ تو بتایئے کہ وہ کونسی طاقت ہے۔ جو بغیر دیکھے انہیں معلوم کرا دیتی ہے۔ کہ ان کا دودھ ان کی ماؤں کی چھاتیوں میں اتارا گیا ہے۔ اور اگر پئے گا تو طاقت آجائے گی۔ (مکڑی) ایسا جالا بنتی ہے۔ کہ بڑے بڑے کاریگر حیرت زدہ ہوجاتے ہیں۔ جو جالے کی صورتیں مکڑی سے وجود پذیر ہوتی ہیں۔ کسی کاریگر کو خواب میں بھی نہیں سوجھتیں۔ شہد کی مکھی، شہد کے چھتے میں ایسے خانے بناتی ہے۔ کہ بڑے بڑے ماہر کاریگروں کے بس کی بات نہیں۔ اب ذرا یہ بتایئے کہ معمولی سی مکڑی اور چھوٹی سی شہد کی مکھی کو یہ طریقے کس نے بتائے ہیں۔ ایسی مثالیں جگہ جگہ دکھائی دیتی ہیں۔ جن کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ حیوانات کے ان افعال میں کسی اور بڑی طاقت کو بھی دخل ہے۔

علماء حق بڑے بڑے اور الجھے ہوئے مسائل میں بھی حق کو پہچان جاتے ہیں۔ اور اس مسئلہ میں بھی انہوں نے کمال سمجھداری اور عقلمندی کا ثبوت دیا ہے۔ نہ تو وہ جبریہ فرقہ کی طرح حیوانات کو

Marfat.com

بالکل قدرت سے محروم کر دیتے ہیں۔ اور نہ ہی معتزلہ کی مانند ان کے ہاتھ میں مکمل اختیار دے دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بندے کے افعال میں دونوں قدرتوں کو دخل حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی کام کرتی ہے۔ اور بندے بھی اپنی مرضی سے کھاتے پیتے' چلتے پھرتے' سوتے جاگتے ہیں۔ اگر یہی بات درست ہو تو ایک بات ضرور کھٹکتی ہے وہ یہ کہ ایک کام پر دو قدرتوں کا واقع ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ محال ہے مگر یہ کھٹکا بھی بہت جلد دور ہو سکتا ہے۔ کہ ایک فعل پر دو قدرتوں کا جمع ہونا بے شک محال ہے۔ مگر جب ایک حیثیت سے اور مختلف اختیارات سے دو قدرتیں جمع ہوں تو یہ کوئی بالکل نہ ہونے والی بات نہیں ہے۔

اعتراض: اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ علماء حق کو کس بات نے ایک کام پر دو قدرتوں کے جمع ہونے کے تسلیم کر لینے پر مجبور کیا ہے کیا ایسی کوئی وجہ نہ تھی کہ وہم وگمان سے دور اس بات کا الزام بھی ان پر نہ آتا۔ اور یہ اعتراضات بھی ختم ہو جاتے۔ جو جبریہ اور معتزلہ پر وارد ہوتے ہیں۔ تو اس کا جواب حاضر ہے۔

جواب: رعشہ والا ہاتھ بغیر انسان کے اختیار کے کانپتا ہے۔ اور تندرست آدمی بھی اپنے ہاتھ کو ہلاتا ہے۔ اب ظاہر میں دونوں حرکتیں ایک سی نظر آتی ہیں لیکن کون نہیں جانتا کہ رعشہ والے آدمی کو کوئی اختیار اور قدرت حاصل نہیں ہوتی اور دوسرے صحت مند کو پورا اختیار ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ان دونوں حرکتوں میں اگر کوئی فرق ہے تو قدرت واختیار میں ہے اور جب اس ایک فعل میں انسان کی قدرت اور اس کا اختیار ماننا پڑتا ہے۔ دیگر افعال میں اس اختیار کا انکار کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ ہر ایک ممکن کے ساتھ قدرت کا تعلق ہے۔ اور جو چیز بھی مخلوق ہے وہ ممکن ہے۔ چونکہ انسانوں کے کام بھی عارضی ہیں لہٰذا ان دونوں قاعدوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی قدرت ان کے ساتھ بھی مل گئی یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ رعشہ والے ہاتھ کی بے اختیار حرکت اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اور اس میں آدمی کی قدرت کو کوئی دخل نہیں۔ اور تندرست آدمی کی حرکت بھی رعشہ والے ہاتھ کی حرکت کی طرح نظر آتی ہے۔ تو جب ایک حرکت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دخل ہے تو دوسری حرکت میں جو پہلی حرکت کی طرح ہے۔ اس کی قدرت کو دخل کیوں نہ ہو گا۔ نیز یہ فرض کریں کہ زید اپنے ہاتھ کو ہلانا چاہتا ہے اور بقول معتزلہ قدرت اس میں کام نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ زید کے ہاتھ کو ٹھہرانے کا ہے۔ اب اس وقت یا تو حرکت اور ٹھہراؤ دونوں اکٹھی موجود ہوں گے یا پھر نہیں۔ پہلی صورت میں ضدوں کا جمع ہونا اور دوسری صورت میں اونچے درجے کا اختلاف لازم آئے گا اور یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس وقت زید کا ہاتھ ٹھہرا رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بندے کی قدرت سے لامحدود اور طاقتور

Marfat.com

ہے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی قدرت طاقتور ہے مگر اس کے طاقتور ہونے کے یہ معنی ہیں کہ بندے کی قدرت نہایت مختصر ہے۔ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔اور اللہ تعالیٰ کی قدرت غیر محدود ہے۔مگر ایک خاص کام پر ان میں سے ایک کی قوت اور ایک کی کمزوری کوئی اثر نہیں ڈال سکتے۔اُس خاص کام پر جیسے ایک کی قدرت کام کرتی ہے ویسے ہی دوسرے کی قدرت اپنا اثر ڈال سکتی ہے۔یہ امور ہیں۔جنہوں نے اہل حق کو ایک کام پر دو قدرتوں کو اکٹھا ماننے پر مجبور کیا ہے مناسب سمجھتے ہیں کہ دونوں قدرتوں کے اکٹھا ہونے کو کسی قدر وضاحت سے بیان کیا جائے۔کیونکہ ابھی تک یہ راز نہیں کھلا کہ دونوں قدرتیں ایک ہی کام پر جمع ہو کر کیا کام کرتی ہیں۔اگر ایک ہوتی تو وہ کام جو دو مل کر کرتی ہیں اس اکیلی سے سرانجام ہو سکتا تھا۔یا نہیں۔ہماری بات کا مقصد صرف انسان کی حرکت سے ہے جب اس میں دونوں قدرتوں کے جمع ہونے کا راز کھل گیا تو کسی بھی دوسرے کام کو بھی اس پر خیال کرنا چاہئے۔اللہ تعالیٰ نے آدمی میں اس کی پیدائش کے ساتھ ہی ایک قوت پیدا کر دی ہے۔اس طاقت کو مختلف کاموں کی طرف پھیرنے میں اس کو اختیار دے دیا گیا ہے۔اسی قوت پر ہی ثواب و عذاب کی بنیاد ہے۔جس کام کی طرف انسان اپنی طاقتوں کو لگاتا ہے۔اس کے ساتھ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔تو اس کام کو پیدا کر دیتا ہے بعض اوقات انسان ایک کام کے لئے بہت کوششیں کرتا ہے مگر نا کام رہتا ہے حاصل یہ کہ انسان صرف اپنی قوت کو ایک کام کی طرف متوجہ کرتا ہے۔اور اس کا کام ہونا یا نہ ہونا اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے۔جب یہ بات معلوم ہوگئی مثلاً زید اپنا ہاتھ ہلانے کا ارادہ کرتا ہے۔تو اپنی طاقت حرکت کی طرف لگانے میں وہ خود مختار ہے مگر ہاتھ کا ہلنا اللہ کے اختیار میں ہے۔جب وہ ہاتھ ہلانے کا ارادہ کرتا ہے۔تو اس کے بعد فوراً حرکت تو اللہ تعالیٰ پیدا فرما دیتا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ ہی پر خالق و بنانے والی صفات کا صحیح اطلاق ہو سکتا ہے بندے کو خالق نہیں کہا جا سکتا۔

سوال: اگر کوئی یہ کہے کہ علماء حق انسانی قدرت بھی مانتے ہیں۔جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ انسان جو کام کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔سوال یہ ہے کہ اگر انسانی قدرت پیدا کرنا اللہ کا کام ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو قدرت کس کام کے لئے دی ہے؟ وہ اب بیکار رہے گی۔ بھلا یہ تو بتایئے کہ انسان کی قدرت کو اس کے کاموں میں اختیار ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو قدرت کے بغیر با اختیار ہونا لازم آئے گا؟ اور اگر دخل ہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ انسان اپنے کاموں کا خود ایجاد کرنے والا ہے؟۔

جواب: اللہ تعالیٰ کی قدرت کو انسان کے افعال میں ضرور دخل ہے مگر اس کے معنی جو سوال کرنے والے نے سمجھے ہیں بالکل غلط ہیں۔مثلاً نماز پڑھنے سے پہلے انسان میں اس کی ادائیگی کی طاقت پائی

Marfat.com

جائے گی۔ مگر ابھی نماز کا وجود نہیں ہوا۔ اگر قدرت کے دخل کے یہ معنی ہوتے کہ انسان اپنے کاموں کو خود ہی بناتا ہے تو قدرت کے ساتھ ہی نماز بھی موجود ہوتی۔ بلکہ جو کام بندوں کے اختیار میں ہیں ان کی پیدائش کے ساتھ وہ موجود ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کے دخل کے معنی کچھ اور ہیں جن کی اصلیت سوال کرنے والے کو معلوم نہ ہوسکی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ نماز کے ادا کرنے سے پہلے جو انسان میں قدرت ہے۔ اس کو نماز کے ساتھ جو تعلق ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ نماز جب ادا کی جائے گی تو اس قدرت کے ذریعہ ادا کی جائے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو تعلق نہیں کہا جاتا۔ بلکہ ایک ہونے والے تعلق کا انتظار کہنا مناسب ہے۔ اب تو یہ کہنا چاہئے کہ انسان میں نماز ادا کرنے کی قدرت موجود ہے مگر ابھی تک اس کا نماز سے تعلق قائم نہیں ہوا۔ صرف امید ہی امید ہے۔ اس طرح جیسے معترضین کے نزدیک ہر ایک میں مناسب کام کی قدرت موجود ہے اور اس کے کاموں کے ساتھ تعلق بھی ہے۔ مگر صرف انسانی قدرت ہی سے یہ کام موجود نہیں ہوتے ہمارے نزدیک یہی بات ہے، ہم کہتے ہیں کہ کاموں جب موجود ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت انہیں موجود کرتی ہے۔

ایک اور سوال

بعض لوگ یہ سوال بھی کرتے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وسیع اور غیر محدود ہے۔ کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی۔ جس میں اس کی قدرت شامل نہ ہو۔ حالانکہ بعض اشیاء ایسی ہیں جو ممکنات سے پیدا ہوتی ہیں۔ قدرت کا بظاہر ان میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب آدمی ہاتھ ہلاتا ہے تو انگوٹھی بھی ساتھ ہی حرکت کرتی ہے اور پانی میں ہاتھ مارتا ہے۔ تو ہاتھ کی حرکت سے پانی میں حرکت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس طرح اگر انگوٹھی اور پانی کی حرکت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کام کرتی تھی۔ تو کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ہاتھ کو ہلانے سے انگوٹھی حرکت نہ کرتی۔ اور پانی میں ہاتھ مارنے سے پانی میں حرکت نہ ہوتی۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ ہاتھ کا ہلانا اور پانی میں ہاتھ مارنا انگوٹھی اور پانی کی حرکت کا سبب ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کو پہلے پرکھ نہ لیا جائے اس کے جھٹلانے یا قبول کرنے کا کسی شخص کو حق حاصل نہیں ہوتا۔ ایک بات جھٹلائی یا قبول کرنی تب ہوسکتی ہے۔ جب پہلے اس کا اچھی طرح وزن کرلیا جائے۔ کسی کے پیدا ہونے کے تو یہ معنی ہیں کہ ایک جسم دوسرے جسم کے پیٹ سے نکلے۔ جیسے بچہ مادہ کے پیٹ سے اور درخت زمین سے نکلتا ہے۔ لیکن اعراض کے پیدا ہونے کے معنی یہ نہیں ہوتے۔ انگشتری کی حرکت یا پانی کی حرکت ہاتھ کی حرکت کے پیٹ سے نہیں نکلی۔ اعتراض کرنے والوں کا یہ کہنا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انگوٹھی اور پانی میں حرکت آئی تو کبھی یوں بھی ہوتا کہ ہاتھ

Marfat.com

ہلتا اور انگوٹھی اور پانی میں حرکت پیدا نہ ہوتی۔ یہ ایسا ہی لغو اور فضول ہے جیسے یہ کہنا لغو ہے کہ علم محض ارادہ سے پیدا ہوا ہے۔ اور زندگی محض علم سے پیدا ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر علم اور حیات کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دخل نہ ہوتا تو کبھی یوں بھی ہوتا کہ اللہ تعالیٰ ارادہ پیدا فرماتا اور اس کے ساتھ علم کا وجود نہ ہوتا۔ یا عمل موجود ہوتا مگر حیات کی صفت نہ ہوتی۔ اصل بات یہ ہے کہ نہ عمل محض ارادہ کا ممنون ہے نہ زندگی محض علم سے پیدا ہوئی ہے بات صرف یہ ہے کہ ارادہ کے لئے علم کا ہونا شرط ہے۔ اور علم کے لئے زندگی کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ بغیر شرط کے مشروط موجود نہیں ہوتا۔ شرط اور مشروط میں صرف لازم ہونے کا تعلق ہوتا ہے جس کے معنی ہیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے سوا موجود نہیں ہو سکتے۔ مگر ان میں سے ہر ایک کا موجد بغیر اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جسم کے دوسرے مکان میں داخل ہونے کے لئے پہلے مکان کا خالی ہونا شرط ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک جسم پہلے مکان میں بھی ہو اور دوسرے مکان میں بھی ہو۔ جب ہاتھ کو پانی میں حرکت دی جائے گی۔ تو ہاتھ اپنے پہلے مکان کو چھوڑ کر اس متصل کسی دوسرے مکان میں منتقل ہوگا۔ اور جب آگے حرکت دی جائے گی۔ تو اس کو بھی چھوڑ کر تیسرے میں جائے گا۔ اور پانی کے اجزاء میں ہاتھ پڑنے سے جو گڑھے پیدا ہو گئے تھے وہ پانی کی حرکت کی وجہ سے مٹتے جائیں گے۔ ورنہ اعراض لازم آئے گا۔ اور وہ محال ہے ہاتھ کو ہلانا چونکہ پانی کی حرکت کو لازم کر دیتا ہے۔ لہٰذا معترض کو یہ گمان ہوا کہ پانی کی حرکت ہاتھ ہلانے کے سبب ہے۔ اور یہ اس کا سبب۔

جو اشیاء باہم لازم و ملزوم ہیں۔ یا تو شرط مشروط ہوتی ہیں۔ یا یہ بات نہیں ہوتی۔ شرط اور مشروط میں ان دونوں کا اکٹھا پایا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ مشروط کا وجود شرط کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ مگر مشروط نہ شرط کا احسان مند ہے اور نہ شرط مشروط کی احسان مند۔ ان دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور جن چیزوں میں یہ تعلق نہیں ہوتا ان کا ایک دوسرے سے الگ ہونا ناممکن ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مطابق جب تک ایک چیز ان میں پائی جاتی ہے تو دوسری بھی اس کے ساتھ ہی موجود ہوتی ہے۔ مثلاً آگ کا روئی کو جلانا۔ برف کو اگر ہاتھ لگایا جائے تو ہاتھ کا سرد ہو جانا' ہمارے نزدیک عین ممکن ہے کہ روئی کو آگ میں ڈال دیا جائے۔ اور آگ اس پر اثر نہ کرے۔ اور برف ہاتھ میں رکھی جائے۔ مگر ہاتھ کو سردی محسوس نہ ہو۔ بلکہ تاریخ واقعات سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا گیا تھا۔ لیکن آگ نے مطلقاً اثر نہ کیا۔ لیکن آگ کو جلانے کی فطرت دی گئی ہے۔ اور برف سرد کر دیتی ہے۔ اس لیے ان کا انکار نہیں ہوتا۔ اسی جگہ یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ہماری

Marfat.com

غرض نہیں کہ حرکت کے پیٹ سے دوسری حرکت پیدا ہوتی ہے۔اور برف میں سے سردی نکل کر ہاتھ میں پیدا ہو جاتی ہے بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ایک حرکت کے بعد دوسری حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔اور برف کو ہاتھ لگانے کے بعد ہاتھ میں سردی محسوس ہونے لگتی ہے عام طور پر ہاتھ کی حرکت اور برف کو بھی ہم پیداواری کہتے ہیں۔اور دوسری حرکت کے ساتھ ہمیں جو سردی محسوس ہوتی ہے۔ اسے ہم مخلوق کہتے ہیں۔تو اسکا جواب یہ ہے کہ خالق وہی شے ہوسکتی ہے جو واجب حرکت ہو اور حرکت اور برف چونکہ واجب نہیں۔لہٰذا ان کو خالق کہنا بھی جائز نہیں۔

علم الٰہی کے بارے میں چند اور نکات

جو چیزیں موجود اور معدوم ہیں۔اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض چیزیں مخلوق ہیں اور بعض قدیم' اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات قدیم ہیں۔کہ جب دوسری اشیاء مخلوق ہیں۔ پیدا شدہ چیزوں کی جب حیرت انگیز ترتیب اور نظام دیکھتے ہیں۔تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خالق کو ضرور ان کا علم تھا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے کو اس انداز پر پیدا کیا گیا ہے کہ تمام نظام زندگی آپس میں ایک دوسرے سے ملا ہوا ہے جیسے درخت اور درخت کا زندگی میں کردار دیکھ لیجئے۔کہ ایک طرف یہ سایہ بھی فراہم کرتا ہے۔تو دوسری طرف پھل بھی دیتا ہے مکان کے لیے لکڑی بھی اس سے حاصل ہوتی ہے۔اور پھر درخت کے پتے انسانوں کے سانس لینے کے لئے آکسیجن فراہم کرتے ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درخت ایک مضبوط کردار بنا کر دنیا میں پیدا کیا گیا۔ان خصوصیات کو دیکھ کر کس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اتفاقی طور پر پیدا ہوا ہے۔کیونکہ اتفاقی طور پر اگر یہ پیدا ہوتا تو زندگی کے نظام میں اس قدر کردار ادا نہیں کر سکتا تھا۔اور اتفاقی طور پر پیدا ہونے والی شے کا باقاعدہ ترتیب پانا اور اس کی نشوونما کا مخصوص انداز ممکن نہیں ہوسکتا۔ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں درخت نہیں تھا۔بلکہ جس طرح اسے زندگی سے مربوط کیا گیا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اسے یہ ذمہ داریاں تفویض فرمائی ہیں۔کائنات کے گوشہ گوشہ میں جو کچھ موجود ہے وہ سب زندگی کے جملہ نظام کے ساتھ اس طرح ملا ہوا ہے۔کہ کوئی معمولی سے معمولی عقل وفہم رکھنے والا انسان بھی یہ سمجھ جاتا ہے کہ یہاں اتفاقیہ کچھ بھی نہیں ہے۔بلکہ بہت بڑے علم رکھنے والے خالق واحد کی تخلیق ہے اور اس کے علم کا مضبوط ترین اظہار ہے۔اگر کوئی شخص اس مربوط اور مکمل ترین نظام زندگی کو دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں شک کرتا ہے تو وہ ایسا بے وقوف ہے جیسے کوئی شخص کسی مصور کی بنائی ہوئی تصویر کو دیکھ کر لوگوں سے پوچھتا پھرے کہ کیا' مصور اس تصویر کے بارے میں کچھ جانتا تھا یا نہیں۔جب

اللہ تعالیٰ مخلوقات کو جانتا ہے تو ضرور اسے اپنی ذات اور اپنی لامحدود صفات کا بھی بخوبی علم ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ ارشادات بھی ہیں۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ غیر کا علم صرف اس صورت میں حاصل ہوسکتا ہے۔ جب پہلے اپنی حقیقت اور صفات کا علم ہو۔

اللہ تعالیٰ کی معلومات لامحدود ہیں۔ کیونکہ جو اشیاء موجود ہو چکی ہیں وہ بیشک بہت زیادہ ہیں۔ مگر جو ممکن ہیں لیکن پیدا نہیں ہوئیں وہ بھی کافی ہوسکتی ہیں۔ اور انہیں بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ غیر متناہی اشیاء کا علم بھی رکھتا ہے۔ اور ان پر قادر بھی ہے۔ جملہ ممکنات تو ایک طرف رہیں صرف ایک ہی ممکن چیز میں غور و فکر کیا جائے تو اس سے اتنی معلومات حاصل ہوں گی کہ جنہیں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کے جملہ عجائبات اور ان کے جزئیات کو جانتا بھی ہے اور ان کا خالق بھی ہے۔ جیسے ارشاد ہے "کہ درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا مگر اسے بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔" (القرآن) (بحوالہ المنقذ من الضلال، ارادہ الٰہی، رسائل غزالی)

علم الٰہی کے بارے میں قرآنی آیات

سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

اور وہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے۔

یہاں اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ وہ ہر ایک دانہ اور ہر ایک ذرے کا علم رکھتا ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں۔ جو اس کے علم سے باہر ہو۔

پھر سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْم

بیشک تو بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نہ صرف علم رکھتا ہے بلکہ اس کی حکمت اور تدبر بھی ہر چیز پر غالب ہے اور وہ علم و حکمت کے ذریعے اس کائنات کو قائم رکھے ہوئے ہے اور اس کا ہر کام حکمت سے بھرپور ہے۔

پھر سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

بیشک اللہ تعالیٰ کا علم وسعت رکھتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اس کے علم کی وسعت کی کوئی حد نہیں۔ یہاں یہ اعتراض آسکتا ہے کہ ہر چیز کی کوئی حد ہوتی ہے۔ جیسے کہ ایک وسیع صحرا ہے اس کی بھی کوئی حد ہے۔ سمندروں کی بھی حد ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے علم کی کوئی حد کیوں نہیں ہوسکتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز جو مخلوق ہے۔ اس کی انتہا بہر حال کہیں نہ کہیں ہوتی ہے اور جو قدیم واجب الوجود اور خالق کی ذاتی صفت ہے۔ تو اس کی کوئی حد نہیں۔ اور اس کے علم کی وسعت صرف اس کائنات فطرت تک محدود نہیں

Marfat.com

ہے بلکہ وہ اس سے کہیں زیادہ علم رکھتا ہے۔ جو چیزیں معرض وجود میں نہیں آئیں لیکن آ سکتی ہیں۔ وہ ان کا علم بھی رکھتا ہے اس لئے کہ اس کی قدرت اور اس کے اختیار کی کوئی حد ہی نہیں ہے اور اس کا نظام سلطنت صرف اس مشاہدہ میں آنے والی کائنات تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ تصور و خیال اور قیاس آرائیاں جہاں دم توڑ جاتی ہیں۔ وہ وہاں کا علم بھی رکھتا ہے۔ اور اس کی سلطنت وہاں بھی قائم ہے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔

یہاں یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ سننا اور علم رکھنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ہم کہتے ہیں۔ کہ بکر سن رہا تھا تو اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا۔ کہ وہ کسی اور طرح سے بات کو محسوس کر رہا تھا۔ یا کسی اور صفت سے بات سمجھ رہا تھا۔ بلکہ اس کا مطلب واضح طور پر یہ ہوگا کہ زید اپنی قوت سماعت سے خود سن رہا تھا۔ سننا دیکھنا اور علم رکھنا اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور ان کی کوئی حد نہیں۔

سورہ بقرہ میں پھر ارشاد ہوتا ہے۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

اور اچھی طرح یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا بخوبی علم رکھتا ہے۔

اس آیت مبارک میں زور دے کر کہا جا رہا ہے کہ اے بنی نوع انسان کسی شک و شبہ میں نہ رہنا۔ بلکہ ہر لمحہ اور ہر وقت خوب اچھی طرح یقین رکھنا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک ذرے کا علم رکھتا ہے۔ ہر مخلوق کا علم رکھتا ہے ہر ایک چیز کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہے کہ اس نے اسے کس غرض سے پیدا کیا ہے۔

اعتراض: یہاں پر بعض دہریہ سوال کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خود بنانے والا ہے تو پھر یہ دعویٰ عجیب سا معلوم ہوتا ہے کہ "وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اس چیز سے یہ بھی شک پیدا ہوتا ہے کہ ہر چیز کا علم رکھنے کے لئے خالق ہونا ضروری نہیں۔ اور خالق کے لئے اس قسم کا دعویٰ کچھ حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔

جواب: اس آیت میں بات تخلیق کی نہیں ہو رہی۔ بلکہ علم کی ہے اور اشیاء کی تخلیق کے مقاصد کی ہے مثلاً ایک سائنس دان ایک چیز ایجاد کرتا ہے اور ایجاد کرنے کے بعد وہ اپنی اس ایجاد کے بارے میں دعویٰ کرے کہ میں اپنی ایجاد کے بارے میں اچھی طرح علم رکھتا ہوں تو اس سے یہ قاعدہ ہرگز نہیں آئے گا کہ وہ اس چیز کا موجد نہیں ہے۔ کیونکہ ایجاد کے بعد اس کی غرض و غایت جاننا بھی اپنی جگہ بہت اہم بات ہے اور ان آیات میں تنبیہ بھی ہے۔ بنی نوع انسان کو یہ بتانا بھی مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی بنایا ہے جو کچھ بھی تخلیق کیا ہے ان سب کی غرض و غایت سے اچھی طرح آگاہ ہے وہ جانتا ہے کو کونسی چیز کس مقصد کے لئے اس نے پیدا فرمائی ہے۔ اور چونکہ انسان ان اشیاء کے سوا جو اس کے استعمال

Marfat.com

میں ہیں کچھ نہیں جانتا۔ انسان اپنی روزمرہ زندگی کی حدود و قیود سے باہر مطلقاً لاعلم ہے۔ مثلاً انسان سبزیوں، پھلوں، سمندروں، دریاؤں، سورج اور چاند ستاروں یا دیگر نباتات و جمادات و حیوانات جن سے ان کا واسطہ پڑتا ہے کے بارے میں جانتا ہے مگر اپنی زندگی کے اس دائرے میں بھی ان بے شمار مخلوقات اور بہت سے زندگی کے رازوں اور عجائبات سے لاعلم ہے چہ جائیکہ آسمانوں کی پہنائیوں اور لامحدود وسعتوں کے بارے میں اس کا علم موجود ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان پر واضح کیا ہے کہ وہ ہر ایک نظام اور ہر ایک چیز جسے اس نے پیدا کیا ہے کا بخوبی علم رکھتا ہے۔

نکتہ: اس میں ایک اور پہلو بھی سامنے آتا ہے۔ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا۔ اللہ تعالیٰ انسانوں پر واضح فرما رہا ہے کہ انسان جو علم رکھتے ہیں بہت ہی محدود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں انسان کا علم کچھ بھی نہیں ہے اور انسانوں پر یہ بھی واضح کیا جا رہا ہے کہ ہر چیز کی اصل غرض و غایت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اس کے مقابل کوئی بھی علم نہیں رکھتا۔ دراصل انسان کو یہ سمجھایا جا رہا ہے اور اسے تعلیم دی جا رہی ہے کہ اپنا بھرپور عقیدہ یہی رکھے کہ اصل علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور زندگی کی جن ضرورتوں کے بارے میں انسان علم رکھتا ہے تو وہ مجازاً ہے۔ ان اشیاء کا حقیقی علم بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

سورہ آل عمران میں ارشاد گرامی ہے۔ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

بیشک (اے اللہ تعالیٰ) تو سننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔

• اس آیت میں واضح کیا جا رہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر پکارنے والی کی پکار سنتا ہے۔ اور وہ ایسے لوگوں کی باتیں بھی سنتا ہے۔ جو کفر کرتے ہیں۔ وہ ہر زبان سے نکلنے والے ہر لفظ سے آگاہ ہے۔ اور سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چیونٹی کی بات سنی۔ نہ صرف خود سنی بلکہ اپنے پیغمبر کو قوت سماعت سے بہرہ ور فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات ارضی و سماوی کی ہر بات سنتا ہے ہر شخص کی بات سنتا ہے اس کا سننا ہم انسانوں کی طرح نہیں ہے ہماری قوت سماعت نہایت محدود ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی سماعت لامحدود ہے اور یہاں سمیع کے ساتھ علم کا لفظ اس بات پر دلالت کر رہا ہے۔ کہ جو کچھ بھی سنتا ہے۔ اس کے تمام تر جزئیات سے بھی وہ آگاہ ہے یعنی صرف وہ سن ہی نہیں رہا ہے بلکہ ہر آواز کے پس منظر اور اس کی غرض و مدعا سے بھی اچھی طرح آگاہ ہے۔ وہ ہر نیک آدمی کی عجز و انکسار میں ڈوبی ہوئی التجا سے بھی واقف ہے اور منافقین و کفار اور دوسرے منفی ذہنوں کی خود ساختہ باتوں اور ان کی لن ترانیوں کو بھی اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ پرندوں، درندوں، حیوانات، نباتات، ذرات، چاند سورج، ستاروں، آبی مخلوقات اور زمینی مخلوقات، فرشتوں کی تسبیح اور شیاطین کی کفر و نفاق سے بھری باتوں کو مکمل طور پر سنتا بھی ہے اور انکے تمام منصوبوں، غرض و غایت سے بھی مکمل آگاہ ہے۔

Marfat.com

سورہ مائدہ میں ارشاد ہے۔ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ
بیشک تو سب پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ وہ تمام چھپی باتوں کو جانتا ہے جو انسان اپنے دل میں چھپاتا ہے اور ساتھ ہی دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ان تمام مخفی رازوں کو اچھی طرح جانتا ہے جو انسان کی سوچ سمجھ سے بلند ہیں۔ یہ آیت مبارک بہت سے امور پر دلالت کر رہی ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمادیا ہے کہ اس کا علم لامحدود ہے۔ اس کے علم میں آنے کے لئے ضروری نہیں کہ کوئی چیز واضح ہو تو اس کے علم میں آ سکتی ہے۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان خواہ کوئی بات کیوں نہ چھپاتا پھرے اور کوئی خفیہ سے خفیہ منصوبہ بھی کیوں نہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ اور کوئی چیز اس کے علم کے راستے میں رکاوٹ نہیں ہے۔ اور جیسے ایک جگہ ارشاد بھی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا
بیشک اللہ تعالیٰ نگہبان ہے۔

یعنی انسان کسی لمحہ اور کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کی نظروں سے نہیں چھپ سکتا۔ ہر وقت وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے رہتا ہے۔ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے حالات، ان کے اعمال اور ان کی ظاہری اور پوشیدہ باتوں سے باخبر ہے اس موقع پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اور منافقین یا دہریہ اعتراض کر سکتے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

اعتراض: دہریہ یا دوسرے فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ خود ہی تمام باتوں کو جانتا ہے۔ تو اس نے پھر اعمال لکھنے کے لئے فرشتے کیوں مقرر رکھے ہیں۔ جو نامہ اعمال لکھتے ہیں۔ کیا اس چیز سے اشکال پیدا نہیں ہوتا۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی کچھ قانون مقرر رکھے ہیں۔ اور یہ تمام نظام زندگی ایک خاص ترتیب سے انجام پا رہا ہے آیئے ذرا ایک نظر ان کی ترتیب کو دیکھ لیتے ہیں کہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی پیدا ہو۔

(1) اللہ تعالیٰ بارش بغیر کسی وسیلے کے برسا سکتا ہے مگر اس نے بادلوں کو اس کا ذریعہ بنایا ہے۔
(2) انسان بغیر انسان کے بھی پیدا ہو سکتا ہے جیسے آدم کو پیدا کیا گیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا گیا۔ مگر اس کے لئے انسان کو ہی وسیلہ بنایا گیا۔
(3) پھل درختوں کے بغیر بھی زمین پر پیدا ہو سکتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے درختوں کا نظام پیدا فرمایا۔

Marfat.com

(4) اللہ تعالیٰ ہر انسان کی فطرت اور اس کے ایمان سے اچھی طرح واقف ہے۔ مگر پھر بھی اس نے اس کے اظہار کے لئے کچھ قواعد مقرر کئے۔

(5) اللہ تعالیٰ ہر سننے والے کی پکار کو خود سنتا ہے۔

(6) زمین اور دوسری اشیاء کو سورج کے بغیر بھی روشن رکھا جا سکتا تھا مگر اس نے نظام شمسی ترتیب دیا۔

(7) اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اعمال سے اچھی طرح واقف ہے مگر اس بارے میں فیصلہ قیامت کے دن کرے گا۔

(8) اللہ تعالیٰ انسانوں کو جنت دوزخ روز قیامت سے پہلے بھی دے سکتا ہے۔ مگر اس نے اس کے لئے قیامت کا دن مقرر فرمایا ہے۔

ان امور کو اگر غور سے دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نظام کی ایک ترتیب مقرر فرمادی ہے۔ اور اسی کے مطابق نامہ عمال لکھنے والوں کی جو ذمہ داری لگائی ہے۔ وہ بھی اسی نظام ہی کا ایک حصہ ہے۔ تاکہ انسان کو اس کے ایک ایک لمحے کی کارکردگی تحریری طور پر قیامت کے دن دی جائے اور اسے کوئی شکوہ نہ رہے۔ اس کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ فیصلہ کر کے جنت یا دوزخ عطا کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نامہ اعمال کے لکھے جانے کا سبب وہ خاص نظام ہے جو اللہ تعالیٰ نے ترتیب دے رکھا ہے ورنہ یقینی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اچھے برے اعمال اور ظاہر و باطن سے بخوبی آگاہ ہے۔

سورہ انعام کی آیت مبارکہ میں ہے۔

وَسِعَ رَبِّىْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ

"گھیر لیا ہے میرے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اپنے علم سے پس کیا تم نصیحت نہیں مانتے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف ارشاد فرمادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کا ایمان یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے ذریعے ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ اس کا مطلب دائرہ ربوبیت کا اختیار و قدرت ہے جو لامحدود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز اس لئے باہر نہیں کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر ایک چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔ وہ ہر ایک ارادے ہر ایک کام ہر چیز کے نظام کو اچھی طرح جانتا ہے۔ کوئی دانہ کوئی ذرہ ایسا نہیں جو اس کی قدرت سے باہر ہو۔ اور کثیر مخلوقات میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس پر اللہ تعالیٰ قادر نہ ہو۔ مثلاً یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ہر چیز اور مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے بے بس ہیں۔

آیت مبارکہ ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

Marfat.com

تسبیح کرتی ہے ہر چیز اور ہر ذرہ اور ہر مخلوق جو کچھ بھی زمین ہے۔ اور آسمانوں میں ہے۔

اس آیت سے بخوبی اندازہ ہو رہا ہے کہ ستارے' چاند' سورج' کہکشائیں' زمین اور تمام ستارے اور تمام تر دور دراز کی وسیع وعریض پنہائیاں سب کی سب اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہیں۔ ہوا' پانی' بادل' بارش کے قطرے درختوں کے پتے' زمین میں موجود ہر قسم کے ذرے' دھاتیں' اور ہر وہ چیز جو موجود ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے قوانین مقرر ہیں۔ ہم انسانوں کی محدود قوت سماعت کے دائرہ اختیار میں نہیں کہ ہم ان اشیاء کی تسبیح کو سن لیں۔ آپ خود غور فرمائیں کہ جب ہر وہ چیز جو خواہ زمین کی تہوں میں ہے یا آسمانوں کی بہت زیادہ پھیلی وسعتوں میں، وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر کیسے ہو سکتی ہے۔

سورہ رعد میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ

اور وہ جانتا ہے کہ سب سے پوشیدہ اور کھلی باتوں کو اور وہ سب سے بلند شان والا اور عظمت والا ہے۔

اس آیت کے یہ معنی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ تمام پوشیدہ باتوں سے بھی مکمل باخبر ہے۔ اور ظاہر باتوں سے بھی۔ اور اس کا علم وادراک لامحدود ہے اور وہی ہے جس کی شان سب سے بلند ہے در حقیقت انسان کو جو مرتبہ ملتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی تو عطا فرماتا ہے۔ چونکہ انسان فانی ہے اس لیے اس کا مرتبہ بھی فانی ہے۔ یعنی ایک دنیاوی بادشاہ ہے جب تک وہ زندہ ہے بادشاہ ہے بعد میں اس کی قبر عام انداز میں مٹی کا ڈھیر ہے۔ گو اس کے عدل وانصاف یا ظلم کا چرچا تو کچھ عرصہ رہے گا۔ مگر بذات خود وہ اس وقت کچھ بھی نہیں رہتا۔ مکمل بے اختیار ہوتا ہے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ درحقیقت بزرگی وعظمت اللہ تعالیٰ ہی کو زیبا ہے کہ جسے فنا نہیں۔ اور جس کی حکومت وسطوت کو کبھی زوال نہیں۔ جہاں تک باقی مراتب ہیں۔ جب زمین وآسمان ہی فنا کر دیئے جائیں گے تو یہ دبدبے' یہ سطوت' یہ مراتب کب باقی رہیں گے۔ دنیا میں ہم اکثر ایسے مقامات دیکھتے ہیں جو کسی لمبے بڑے بڑے بادشاہوں کے محلات تھے۔ آج کھنڈر ہیں۔ جہاں کسی دور میں انسان جانا اپنے لیئے فخر اور اعزاز کی بات سمجھتے تھے۔ آج وہاں انسان دن کے وقت جاتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔ یہ عبرتناک صورت ہمیں کھول کھول کر بیان کر رہی ہے کہ اصلی حکومت وبادشاہی تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ کسی مخلوق کا کوئی بھی پہلو اس سے چھپا ہوا نہیں ہے۔

سورۃ النحل میں یہ بھی ارشاد ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ

اس آیت مبارکہ میں زور دے کر واضح کیا جا رہا ہے کہ جو بات انسان اپنی دانست میں چھپا

Marfat.com

ئے پھرتا ہے اس کی یہ غلط فہمی ہے کہ اسے کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ پوشیدہ اور ظاہر ہر بات کو اچھی طرح جانتا ہے۔

سورہ طٰہٰ میں اس طرح ارشاد ہے۔

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى

اور اگر آپ قدرے اونچا کہیں تو بھی وہ جانتا ہے اور وہ پوشیدہ اور اس سے بھی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ انسانوں پر واضح فرما رہا ہے کہ وہ خبردار ہو جائیں۔ اپنی آواز کو اونچا رکھیں یا دھیما۔ یا دل میں ہی کیوں نہ سرگوشی کریں۔ اور پھر سرگوشی سے بھی زیادہ خفیہ خیال ہی دل میں کیوں نہ لائیں۔ اللہ تعالیٰ تو ہر بات سے بخوبی آگاہ ہے۔ کوئی ذرہ کوئی انسان، کوئی درخت، کوئی ستارہ، کوئی حیوان، کوئی پرندہ، کوئی سا بھی جاندار یا بے جان ایسا نہیں ہے۔ جس کی ذرا سی جنبش یا بالکل ہلکے سے ارتعاش سے بھی وہ اچھی طرح آگاہ نہ ہو۔ اور دلوں میں اٹھنے والے خیال بھی اس کے سامنے روز روشن کی طرح ظاہر ہیں۔ وہ خیالات کا بھی علم رکھتا ہے۔ جیسے سورہ آل عمران میں ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں کا بھی کماحقہ علم رکھتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ خیالات جو ابھی تک زبان تک بھی نہیں لایا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہوتا ہے۔ جیسے یہ ارشاد بھی ہے۔ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسانوں کے دلوں کے خیالات بھی ظاہر کر دے گا۔ جو انسان چھپاتے چھپاتے پھرتے ہیں۔ انسان دراصل ہمیشہ اس خوش فہمی میں رہتا ہے کہ اسے کچھ نہیں ہوگا اسے کوئی کیسے پکڑے گا۔ لیکن وہ اس حقیقت سے بالکل بے خبر ہوتا ہے کہ وہ لفظ جسے انسان ابھی زبان تک نہیں لایا ہوتا۔ ایسے اچھے یا برے خیالات جو محض خیالات ہی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن انسانی خیالات سے بھی آگاہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ چاہے تو پردہ رکھ لے محض برے خیالات پر اگرچہ عذاب نہیں ہے جب تک وہ عملی صورت میں نہ آئیں۔ لیکن پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں انسان جب محض اپنے خیالات کے بارے میں بھی قیامت کے دن علم الٰہی کو دیکھے گا تو اس کے ہوش اڑ جائیں گے۔

اس ضمن میں ایک اور آیت قرآن مجید میں سورۃ احزاب میں ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ

اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ (القرآن)

سورہ النحل میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

Marfat.com

لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ

آسمانوں اور زمین میں غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا۔(القرآن)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان پر واضح فرمادیا ہے کہ زمین و آسمان کے وہ پوشیدہ راز جنہیں صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے بنی نوع انسان کی طاقت نہیں کہ ان رازوں سے آگاہ ہو سکے۔ زمین اور آسمانوں میں بے شمار مخلوقات، بے شمار عجائبات موجود ہیں۔ جب کہ بے شمار مخفی راز ہیں۔ انسان اس بے کراں کائنات کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ اگرچہ انسان اپنی بے تاب فطرت کے باعث ان رازوں کو حل کرنا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں تانے بانے بھی بنتا رہتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں جستجو اور طلب پیدا فرمائی ہے۔ انسان نے کائنات فطرت کے مظاہر کو جاننے کی کوششیں بھی کی ہیں۔ لیکن ابھی تک اس پر نارسائی کی کفیت طاری ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے دس کروڑ الفاظ کی ایک کتاب ہو اور انسان ابھی تک پہلے لفظ کے ہجے میں الجھا ہوا ہو۔ انسانی علم کائنات فطرت کے رازوں اور اس کی پنہائیوں ے بارے میں بالکل ہی محدود ہے۔ غیب کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ ہاں اپنے بندوں میں سے کسی کو وہ جتنا پسند فرمادے۔ باقی غیب کا عالم ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کوئی انسان، جن یا کوئی سی بھی مخلوق خود کو عالم الغیب نہیں کہلا سکتی یہ تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے۔ کہ اُس نے اپنے انبیاء کرام میں سے جس کو جتنا بقدر ضرورت پسند کیا آگاہ فرمایا۔(مطابق سورۃ جن) اور پھر زمین و آسمان کے عجائبات کی بھی یہی صورت ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہے۔

انسانوں کو سورہ المومن میں اس طرح خبردار کیا جا رہا ہے۔

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرِ

وہ آنکھوں کی خیانت جانتا ہے۔ اور جو سینوں میں چھپاتے ہیں اس سے بھی باخبر ہے۔

اللہ بندوں کو خبردار فرما رہا ہے کہ انسان آنکھوں کی جو خیانت کرتا ہے یعنی وہ جو بے حیائی کے کام دیکھتا ہے اور ان کے ذریعے غلط نیت سے کسی پر نگاہ ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیتیں سن کر وہ مسخرے پن سے آنکھوں کے اشارے کرتا ہے تو یہ بات اللہ تعالیٰ سے چھپی نہیں۔ وہ آنکھوں کے غلط اشاروں اور آنکھوں کے ذریعے بے حیائی کے مناظر دیکھنے والوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ ان آنکھوں کے ذریعے انسان جو بھی بے حیائی کا ارتکاب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا بخوبی علم رکھتا ہے۔ آنکھوں کی خیانت ان امور سے ہوتی ہے۔

1- دوسروں کے اموال کو غلط نگاہ سے اور للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا۔
2- دوسروں کی بیٹیوں، بیویوں اور بہنوں کو غلط نگاہ سے دیکھنا۔
3- رقص و مجرے دیکھنا۔

Marfat.com

4- بے حیا قسم کی ننگی و غلط فلمیں دیکھنا۔

5- آنکھوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت میں اور اسلام کے خلاف استعمال کرنا۔ مثلاً بتوں کو دیکھنا اور آنکھوں کے ذریعے وہ لٹریچر پڑھنا جس میں اللہ تعالیٰ کے دین پر حرف گیری کی گئی ہو۔ اور مجرمانہ سرگرمیوں کے لئے آنکھوں کا استعمال کرنا۔

غرض کہ بہت سے ایسے امور ہیں کہ جن میں آنکھوں کی خیانت لازم آتی ہے۔ یہ بہت چونکنے نہایت ڈر اور خوف کا مقام ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو آگاہ فرما دیا ہے کہ آنکھوں کے ذریعے یہ وہ جو بھی خیانت کرتا ہے اور پھر اس کے بعد دل میں جو منصوبہ سازیاں کرتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ اُن سے بخوبی آگاہ ہے۔ اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کا بھی اظہار ہو رہا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ انسان کی آنکھوں کی حرکات وسکنات سے بھی پوری طرح واقف ہے۔ یہ آیت مبارکہ منافقین مدینہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ وہ پیغمبر اسلام اور صحابہ کو دیکھ کر ایک دوسرے کو آنکھوں کے اشارے کرتے تھے۔

سورۃ احزاب میں ایک اور آیت مبارکہ بھی مضمون پر دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا

بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور نہایت باخبر ہے۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی حیرت انگیز اور لامحدود قوتوں کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس آیت میں نہایت صراحت کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی جزئیات کے پس منظر اور پیش منظر کا بھی بخوبی علم ہوتا ہے۔ وہ ہر بات سے خبردار ہے۔ انسان اپنے جملہ نظام زندگی میں جرائم کرتے وقت یا نافرمانی کرتے وقت اس حقیقت سے مطلقاً بے خبر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے قدموں کے رکھنے کے انداز اس کے ہاتھ اٹھانے کے انداز اور اس کے شیطانی وساوس سے اتنا باخبر ہوتا ہے کہ شاید کوئی انسان بھی اپنے بارے میں اتنا کچھ نہ جانتا ہو۔

اللہ جل جلالہ سورہ حٰمٓ السجدہ کی ایک آیت میں اس طرح ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ

"اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلاف سے اور نہ حاملہ ہوتی ہے کوئی مادہ اور نہ وضع حمل کرتی ہے مگر یہ اس کے علم سے ہوتا ہے"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چند مثالیں دی ہیں۔ اور پیدائش انسانی وحیوانی اور پیدائش نباتات کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ایک ایک پھل جو درخت پر لگتا ہے اور اس کی مکمل کیفیت اور ایک ایک پیدا ہونے والی حیوانی وانسانی جنس اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ کیونکہ ان کی پیدائش کا تمام نظام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہر ایک وجود تخلیق پاتا ہے اور زندگی کے مقررہ

Marfat.com

راستوں کو طے کرتا ہے۔ یہاں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود ہے اور وہ تخلیق کے ان مراحل سے بھی بخوبی آگاہ ہے جو نباتاتی، انسانی اور حیوانی زندگی کو درپیش ہیں کیونکہ یہ اُسی نے مقرر فرمائے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک کسان گندم بوتا ہے اللہ تعالیٰ اس گندم کے پودے کے ہر خوشے اور ہر خوشے کے اندر موجود گندم کے دانوں کی تعداد سے بھی مکمل باخبر ہوتا ہے آم کے پھل کو لیجئے اللہ تعالیٰ اس آم کی پیدائش کے مراحل اور ان کی تعداد سے بھی بخوبی آگاہ ہے۔ اس طرح چیونٹی سے لے کر عقاب تک اور انسان سے لے کر ہر حیوانی زندگی مثلاً بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے، بھینس، گھوڑے وغیرہ اور شیر چیتے، لومڑ، گیدڑ، ہرن اور ہر قسم کی جنگلی زندگی اور فضا میں نظر نہ آنے والے ان گنت کیڑوں مکوڑوں کے مراحل تخلیق سے پوری طرح آگاہ کیونکہ وہ خود اتنے زبردست نظام کا خالق و مالک ہے اس کا علم بھی لامحدود ہے اور یہ ہم انسانوں جیسا علم تو نہیں یہ تو اس پروردگار کا علم ہے کہ جسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ آتی ہے۔ جو نہ تھکتا ہے اور جسے کوئی کمزوری نہیں وہ زبردست اور غالب ہے اور اس کا علم بھی بے حد و حساب ہے۔

انسان کے انجام کے بارے میں سورۃ محمد میں ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مثوٰكُمْ ——

''یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے واپس لوٹنے اور آرام کرنے کی جگہ کو''۔

یہاں مجازاً جو معنی بھی لئے جائیں حقیقی معنی تو یہی ہیں کہ انسان کے اس دنیا سے واپس لوٹنے کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے واپس لوٹ کر آنے اور پھر پیوندِ خاک ہونے کی جگہ کو بھی اچھی طرح جانتا ہے یعنی انسان ہرگز اور ہر قیمت پر لازمی واپس لوٹے گا، زور دے کر اشارہ دیا جا رہا ہے۔ کہ جب وہ لوٹے گا تو پھر اس کا مقام کہاں ہوگا۔ یہاں دفن ہونے کی جگہ بھی مجازاً ہے حقیقی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اصلی مقام جنت اور دوزخ سے بھی اچھی طرح آگاہ ہے یہ اس کے لامحدود علم کی مثال ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے کسی فرد کا انجام پوشیدہ نہیں ہے اس کا لامحدود علم ایک ایک ذرے کو اپنے حصار میں لئے ہوئے ہے۔

سورۃ محمد میں اس طرح ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ

''اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔''

اس آیت میں ایک بار پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ وہ انسانوں کے تمام اعمال سے اچھی طرح واقف ہے اور ہر ایک کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہے اور انسانوں کے اچھے یا برے اعمال اس کی نظروں میں ہیں۔ اور وہ کسی سے بے خبر نہیں ہے۔

سورۃ الطلاق میں اسی طرح ارشاد ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْئٍ عِلْمًا

"تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے احاطہ کر رکھا ہے ہر چیز کو اپنے علم سے"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایک بار پھر انسان کو خبردار فرما رہا ہے کہ اس نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے اس نے ہی سب کچھ پیدا کیا ہے اور کائنات کے تمام تر نظام کو بھی اسی نے تھام رکھا ہے۔ ہر چیز اس کے دائرہ اختیار میں ہے کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے علم سے باہر ہو۔

سورۃ الملک میں اس طرح ارشاد ہو رہا ہے۔

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

"اور تم اپنی بات اس سے چھپاؤ یا ظاہر کرو تو بیشک اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں سے اچھی طرح باخبر ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ تم اپنی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ تو سینوں کے رازوں سے بھی اچھی طرح باخبر ہے وہ ان سب باتوں سے آگاہ ہے جو لوگ اپنی دانست میں سینوں میں چھپائے رکھتے ہیں وہ دلوں کے اندر چھپے ہوئے بغض حسد، کینہ، عناد اور منافقت سے پوری طرح آگاہ ہے۔ قیامت کے دن وہ سینوں میں چھپی ہوئی ان غلاظتوں کو انسان کے سامنے کر دے گا تاکہ انسان اپنا اصل چہرہ دیکھ سکے اور اسے کوئی شکوہ نہ ہو اور وہ لاجواب ہو جائے۔ اور اس طرح بعض سینوں کے اندر نیکی، شرافت اور محبت کے جذبات ہوتے ہیں بعض لوگ اپنی محدود نظر کے باعث ان لوگوں کے بارے میں عجیب و غریب خیالات قائم کرتے ہیں۔ مگر ایسے خوش نصیب جو اعمال صالحہ کے ساتھ نیک اور پر خلوص جذبات کے امین ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے سینوں کے اندر چھپی ہوئی خوبصورتی سے بھی پوری طرح آگاہ ہے اور اس کے مطابق ہی ان فرمانبرداروں کو اجر دیا جائے گا۔

سورۃ الاعلیٰ میں آیت ہے۔

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى

"بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہر ظاہر اور پوشیدہ چیز کو۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ وہ ہر ظاہر اور پوشیدہ چیز کو اچھی طرح جانتا ہے کسی انسان کا ظاہر و باطن اور کسی بھی سمندری و خشکی کی مخلوق کا کوئی ایسا عنصر نہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم سے مخفی ہو۔ بے شک وہ غالب ہے قادر ہے حکمت والا ہے۔ انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک سمجھے۔ وہی حقیقی محافظ، حقیقی رزاق اور قیامت کے دن کا محتسب اعلیٰ ہے۔

ارادہ الٰہی (امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی فکر کی روشنی میں)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

Marfat.com

"اس کا حکم تو ایسا ہے کہ جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کا تو فرماتا ہے کہ ہو جا اور پس وہ ہو جاتی ہے۔"

اللہ تعالیٰ جو کام کرتا ہے ارادے سے کرتا ہے۔ اور یہ بات نہیں کہ اچانک طور پر اس سے کام ہو جاتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ فرض کرو اللہ تعالیٰ نے آج زید کو پیدا فرمایا ہے حالانکہ زید کا اس سے پہلے پیدا ہونا ممکن تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ زید کی بجائے عمر پیدا کیا جاتا۔ تو اب یہاں کوئی ایسی چیز ضرور ہوگی جو زید کے خاص وقت میں پیدا ہونے کا سبب ہوگی جب ہم اُسے تلاش کرتے ہیں تو سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اسی وقت ہی زید کو پیدا کرنے کا ہوا ہے کوئی اور وجہ نہیں پاتے۔ یہاں یہ گمان بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت یا حکم کے بارے میں ہے لیکن قدرت کے حکم کی بجائے ارادہ کو بھی دخل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت کو تمام اشیاء سے ایک ہی نسبت ہے۔ جیسے اس کو اس وقت میں زید کو پیدا کرنے کی قدرت ہے ایسے ہی عمر وغیرہ کو پیدا کرنے کی بھی اسے قدرت حاصل ہے۔

علم میں بھی یہی بات ہے کیونکہ علم اور معلوم میں گہرا تعلق ہے۔ معلوم جس طرح بھی ہو علم بھی اس کے مطابق ہوتا ہے۔ علم کو اس بات سے کوئی دخل نہیں کہ وہ ایک چیز کا اگر آج کے روز پیدا ہونے کا باعث بنے تو آنے والے دن بھی اس کے پیدا ہونے کا باعث بن جائے۔ دنیا کی جس قدر چیزیں ممکن ہیں وہ زید کے ساتھ اس حکم میں برابر ہیں کہ زید کی بجائے کوئی بھی پیدا ہو جائے اور یہاں علم کی بجائے ارادہ ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس لمحے میں زید کی بجائے وہ جسے چاہے پیدا کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا تو ثابت ہوا کہ اس بات کا سبب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ایک کام کو ایک وقت میں کرنے کا ہوتا ہے تو اس کام کے طے ہونے کے ساتھ علم بھی فوراً متعلق ہو جاتا ہے ارادہ کسی چیز کے ایک خاص وقت میں پیدا کرنے کا سبب ہوتا ہے۔ اور علم اس کے ساتھ تابع کا حکم رکھتا ہے۔

یہاں پر بعض گمراہ فلاسفہ پر دو زبردست سوال وارد ہوتے ہیں۔ ایک تو اُن کا یہ دعویٰ کہ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ مخلوق ہے تو پھر اس کے سوا اور چیز کے ساتھ قائم ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے نظام عالم کو ایسے ارادہ سے پیدا فرمایا ہے جو کسی اور چیز میں پایا جاتا ہے تو یہ نہایت ہی عجیب و غریب بات ہے۔ یعنی جس کا ارادہ ہے وہ تو ارادہ سے خالی ہو اور اس کا ارادہ کسی اور چیز میں ہو یہ ایسی فضول بات ہے کہ اس پر بچے بھی ہنسیں گے اور ایک سوال بھی ان پر آتا ہے کہ اگر خاص وقت میں ارادہ کے وجود میں آنے کا باعث اگر کوئی اور ارادہ ہے تو اس کے بارے میں یہ سوال ہے کہ اس کے وجود میں آنے کا سبب کیا ہے؟ اگر اور ارادہ ہے۔ تو اس میں وہی کلام ہے۔ اگر اسی طرح ایک دوسرے کے بعد ارادہ سے ارادہ نکلتے گئے تو تسلسل لازم آئے گا اور یہ ایسی بات ہے کہ جس کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ جو لوگ فلاسفہ کے ہم خیال ہیں ان پر یہ اعتراض ہم کرتے ہیں۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ جو بقول آپ کے مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو تو ذاتِ حق پر مخلوق ہونے کا گستاخانہ اور مشرکانہ حرف آئے گا حالانکہ یہ محال ہے اصول یہ ہے کہ جو بھی چیز تخلیق کے لئے مقام ہو وہ ان سے پہلے

Marfat.com

آپ مخلوق ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جو دوسرا اعتراض فلاسفہ پر وارد ہوتا ہے ان کے ہم خیالوں پر بھی وارد ہوگا۔ اہل حق یہ کہتے ہیں کہ دنیا کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے موجود ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا ارادہ دونوں قدیم ہیں۔ ارادہ سے قدیم ہونے پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جب ارادہ قدیم ہے تو کیا وجہ ہے کہ دنیا کی چیزیں اپنے اپنے وقتوں میں موجود ہوئی ہیں۔ کیونکہ ارادہ قدیم کو سب کے ساتھ ایک نسبت ہے۔ یہ غلط فہمی ارادہ کے معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے اگر ارادہ کا مفہوم سمجھ میں آ جائے تو یہ غلط فہمی فوراً دور ہو سکتی ہے۔

ارادہ ایسی صفت کا نام ہے جو ایک چیز کا دوسری چیز سے فرق کر دے۔ یعنی اس کا ذاتی تقاضا ہو کہ یہ چیز فلاں وقت میں پیدا ہونی چاہئے۔ اور وہ فلاں وقت میں۔

اگر اعتراض کرنے والا یہ کہے کہ ارادہ بعض چیزوں کو بعض سے الگ کیوں کرتا ہے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ علم معلوم ظاہر ہو جانے کا باعث کیوں ہے۔ یا قدرت کیوں ہے۔ ارادہ کیوں ارادہ ہے جیسے یہ کہنا فضول ہے۔ ویسے ہی ارادہ کے فرق کے بارے میں سوال کرنا فضول ہے۔

ایک گروہ کو مجبور ہو کر ایسی صفت کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ جو دنیا کی چیزوں کے خاص خاص وقتوں میں پیدا ہونے کا باعث ہے اور وہ ارادہ ہے مگر جیسا کہ بعض مذاہب نے اس کو مخلوق قرار دیا ہے تو انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ حق بات اگر ہے تو اہل حق کو معلوم ہوئی ہے کہ ارادہ قدیم ہے اور باوجود قدیم ہونے کے کائنات عالم کے خاص خاص وقتوں میں موجود ہونے کا باعث ہے۔ اہل حق کے اس موقف سے تمام اعتراضات دور ہو جاتے ہیں۔ اور اصل اعتراض کا جواب بھی کامل طور پر مل جاتا ہے۔

نظام عالم میں جس قدر چیزیں ہیں سب کے ساتھ ارادہ کا تعلق ہے کیونکہ کوئی چیز بھی بغیر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے موجود نہیں ہو سکتی۔ اور قدرت تبھی اثر انداز ہو سکتی ہے۔ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کا ہو۔ پس ثابت ہوا کہ ہر ایک چیز کے ساتھ ارادہ لگا ہوا ہے حتی کہ نیکی، بدی اور پہاڑوں کی تشکیل، زمین کی تخلیق، تمام مخلوقات کی تخلیق غرض کہ کوئی چیز بھی اس کے ارادہ سے باہر نہیں۔

سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ

اور جب وہ فیصلہ کر لیتا ہے کسی چیز کا تو بس یہی کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی کام کرنے سے پہلے ارادہ فرماتا ہے۔ اور پھر اپنے ارادے کے مطابق حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ کام ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کے حکم کی ہر چیز منتظر ہے اور تمام اسباب وعوامل فوراً ہی حرکت میں آ جاتے ہیں اور بالآخر وہ کام ہو کر ہی رہتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ارادہ فرماتا ہے۔ اور اس کا ارادہ اس کے شایان شان ہوتا ہے۔ اس کی زبردست قدرت کو دیکھ لیجئے کہ جب وہ کسی بھی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کا پورا ہو جانا اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے لامحدود اختیارات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

سورہ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے۔

وَ كَانَ اَمْرُ للّٰه قَدَرَ مَّقْدُورًا

اور ہے حکم الٰہی ازل میں مقرر شدہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ازل سے ہی احکام مقرر فرما چکا ہے۔ اس آیت میں ہمارے اس موقف کی بھی تائید ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ہی ہمیشہ ہمیشہ تک ہونے والے تمام حالات و واقعات سے پوری طرح باخبر ہے۔ اور وہ ازل سے اپنے حکم مقرر فرما چکا ہے۔ اور اس کا حکم ہی غالب ہے۔ اس سے اس کائنات فطرت کی تخلیق کی طرف بھی واضح اشارہ مل رہا ہے۔ کہ اس کائنات کی پیدائش کا وقت وہ اپنے ارادہ کے تحت مقرر فرما چکا تھا۔ کیونکہ وہ قدیم ہے اور خالق ہے اور اس کائنات کی کسی بھی وقت پیدائش سے اس کی شان تخلیق پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ ہی یہ تصور آتا ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کو وہ اسباب مہیا نہ تھے۔ کہ کائنات کی تشکیل ہو پاتی۔ ایک فلسفی سے میری گفتگو ہوئی تو میں نے ان سے سوال کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اب پیدا کیا ہے۔ کیا وہ اس سے پہلے آپ کو پیدا کرنے پر قادر نہ تھا۔ اور اگر آپ کو پہلے پیدا کرنا چاہتا تو کیا اُس کو اسباب مہیا نہ تھے اور اس کا حکم غالب نہ تھا اور اب اگر آدم علیہ السلام کی روئے زمین پر آمد کے اتنے عرصے بعد آپ کو پیدا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی شان تخلیق اور اس کے بااختیار ہونے میں کونسا فرق آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ تو کسی کا پابند ہے اور نہ ہی ہم اپنے کسی خود ساختہ اصول سے کوئی بات اُس کے لیے کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ زبردست غالب لامحدود علم اور لامحدود قوت رکھنے والا پروردگار ہے اور وہ ہم انسانوں کی قیاس آرائیوں سے پاک ہے۔ نہ تو وہ ہمارے ادارک میں آ سکتا ہے۔ اور نہ ہی ہم اس کی صفات کا احاطہ کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ازل سے مقرر شدہ ہے۔ اور وہ ازل سے ہی انسانوں اور تمام مخلوقات کی پیدائش اور قیامت کے قائم ہونے کا وقت مقرر کر چکا ہے۔ وہ اس دوران پیدا ہونے والی ہر جان سے اچھی طرح واقف ہے۔ درختوں پر آنے والے پھلوں اور نباتات کے تمام پتوں سے بھی آگاہ ہے اس لئے کہ وہ تخلیق کار ہے اس کی زبردست قوت کا یہ عالم ہے کہ جب وہ کسی چیز کا حکم فرماتا ہے تو ہو کر رہتی ہے۔

وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا

اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہو کر ہی رہتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اس کا حکم ہر ایک پر غالب ہے اور بالآخر اللہ تعالیٰ کا حکم ہو کر ہی رہتا ہے انسان خواہ کتنی ہی اپنی طرف سے منصوبہ بندیاں کیوں نہ کرے ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے۔ ہم انسان اپنی طرف سے جو اندازے مقرر کرتے ہیں وہ اکثر غلط ثابت ہوتے ہیں۔ ایک حکمران اپنی سمجھ میں آخری سانس تک حکومت کے خواب دیکھتا ہے مگر نتیجہ الٹ

نکلتا ہے۔ تاجر یا کسان اپنے اپنے روزمرہ کاروبار کے ذریعے دنوں میں کروڑ پتی ہونے کے خواب دیکھتے ہیں۔ مگر ایسا بھی ہوتا ہے کہ تمام مال تجارت یا تو خسارے میں چلا جاتا ہے۔ یا حکم الٰہی سے وہ راستے میں ہی تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور ایک کسان کی فصل کو بعض اوقات آفات آسمانی و زمینی نیست و نابود کر دیتی ہیں۔ اسی طرح ایک غریب آدمی تھوڑے سے سرمائے سے دونوں میں امیر ترین آدمی بن جاتا ہے۔ اور ایک معمولی آدمی بادشاہ بن جاتا ہے یہ سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ اہل ایمان کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک قول اسی سمت اشارہ کرتا ہوا نظر آتا ہے وہ فرماتے ہیں۔

"کہ میں نے اپنے ارادہ کی شکست سے اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہے۔ (قول حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم)

سورہ القمر میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ

اور ہمارا حکم کا پورا ہونا تو ایسا ہی ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے زبردست اور غالب اور قادر ہونے کے بارے میں ارشاد فرما رہا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اس کا حکم ایسا غالب ہے اور وہ اتنا زبردست ہے کہ اس کے حکم کے پورے ہونے میں آنکھ جھپکنے کے برابر بھی وقت نہیں لگتا۔ اور لمحے کے بھی ہزارویں حصے میں پورا ہو جاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کے مقرر کردہ جامع ترین نظام کا مسلمہ اظہار ہے اہل ایمان کا تو یہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا حکم پورا کرنے کے لئے اسباب کی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ جب اس نے زمین و آسمان تخلیق کیے تو دیگر آلات و اسباب بظاہر نہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود اس کائنات میں اُسی کے مقرر کردہ اسباب اپنے اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ اُن سب اسباب پر بھی اس کا حکم غالب بھی ہے اور وہ نگہبان بھی ہے کیونکہ اگر اس کا حکم غالب نہ ہو اور وہ خود نگہبانی نہ فرمائے۔ تو یہ تمام اسباب دم توڑ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہی اسباب کی زندگی کا بھی باعث ہے۔

سورہ الطلاق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا

بے شک ٹھہرا رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کے لئے اندازہ۔

اس سے بھی ارادہ الٰہی کا مفہوم واضح ہوتا ہے اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف ارشاد فرما دیا کہ اس نے تمام اشیاء کی پیدائش اور ان کے تمام تر نظام کے لئے اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ اور اس کی تمام تر تخلیقات کا بلحاظ عمر، بلحاظ کام، بلحاظ حرکت و عمل، بلحاظ پیدائش، بلحاظ نشوونما اندازہ مقرر ہے۔ مثلاً انسان پیدائش سے لے کر موت تک تمام مراحل اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کے

مطابق طے کرتا ہے۔ ہر انسانی اور حیوانی و نباتاتی زندگی کی مقدار، مختلف موسموں میں بوئی جانے والی فصلوں کی مقدار انسانی و حیوانی ضرورتوں کے مطابق ہوتی ہے۔ آبی مخلوقات اور دیگر تمام تر مخلوقات کے لئے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ اندازے مقرر فرما رکھے ہیں۔ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے یقیناً اس کے مقرر کردہ اندازوں کے مطابق ہے مثلاً انسان کی پیدائش کے مراحل مقرر ہیں۔ اور انسان انہی مراحل سے گزرتا ہے۔ یہی کیفیت تمام نباتات، جمادات، حیوانات، چاند ستاروں، سورج اور کہکشاؤں، سمندروں، آسمانوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت تک یہ کارخانہ حیات اس کے مقررہ اندازہ کے مطابق جاری رہے گا۔ اور پھر بروز قیامت ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔ قیامت کے دن سے شروع ہونے والے ایک دوسرے جہاں کے لئے بھی اس نے اندازے مقرر فرما رکھے ہیں۔ اسی کے مقرر نظام کے مطابق وہ ابدی جہاں بھی قائم دائم رہے گا۔

جنت کی نعمتیں اور جہنم کے عذاب بھی اس کے مقررہ نظام کے مطابق رہیں گے۔ زمین میں انسانی تہذیب وارتقاء اور انسانی ترقی کے لئے بھی اس نے ہی اندازے مقرر فرما رکھے ہیں۔ یہ ہوائی جہاز، ٹیلیفون، راکٹ اور ٹیلی ویژن تمام کے تمام اس کے مقررہ اندازہ کے مطابق ہیں۔ کیونکہ اس نے ہوا میں نظام مقرر فرما رکھے ہیں۔ اگر ہوا کے اندر ہوائی جہاز کو اٹھانے، لہروں میں تصویریں اور آوازیں ریکارڈ کر کے آگے پہنچانے کی صلاحیت نہ ہوتی تو یہ سب کچھ بھی نہ ہو سکتا۔ اگر لوہے یا تانبے کی تاروں میں بجلی کی رو آگے پہنچانے کی صلاحیت نہ رکھی جاتی تو انسان کبھی بجلی سے فیض یاب نہ ہو سکتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا نظام اور اندازہ مقرر فرما دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ دیکھتا اور سنتا ہے

اللہ تعالیٰ سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے۔ اور اس کے لئے عقلی و نقلی دونوں قسم کے دعوے ہمارے پاس ہیں۔ نقلی دعوے تو یہ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِير

بیشک اللہ تعالیٰ دیکھتا اور سنتا ہے۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہے۔

اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

بیشک تو سننے والا اور علم والا ہے۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْلَمُوْنَ

اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

پھر ارشاد گرامی ہے۔

Marfat.com

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ
اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھتا ہے۔

قرآن مجید میں ایسی بے شمار آیات موجود ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے دیکھنے اور سننے کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ان آیات میں سمع اور بصر سے مراد علم ہے نہ کہ سننا اور دیکھنا تو اس کا جواب یہ ہے کہ الفاظ کے حقیقی معانی چھوڑ کر مجازی معنی صرف اس صورت میں اختیار کئے جا سکتے ہیں۔ جب اصلی معانی اختیار کرنے میں کوئی نقص لازم آئے۔ اور جہاں نقص کا امکان نہ ہو وہاں اصلی معنی چھوڑ کر مجازی معنی اختیار کرنا اہل لغت کے نزدیک سخت جرم ہوتا ہے۔ تو جب سننا اور دیکھنا (یعنی سمع و بصر) کے اصلی معنی اختیار کرنے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی تو ان لفظوں سے علم کا مفہوم لینا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ اس جگہ پر اعتراض کرنے والے دہریہ اس طرح شیخی بگھارتے ہیں کہ سمع اور بصر (سننا اور دیکھنا) اگر مخلوق ہوں تو ذات حق پر مخلوقات کا وارد ہونا لازم آئے گا۔ اور اگر قدیم ہو تو جب ازل میں نظام عالم موجود نہ تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کس کی آواز کو سنتا اور کس کو دیکھتا تھا۔ جب آواز اور دکھائی دینے والی اشیاء موجود نہ تھیں تو اللہ تعالیٰ کا سننا اور دیکھنا کس لئے قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ یہ وہ سوال ہے جو گمراہ فلسفی، کمیونسٹ اور دہریہ اہل حق پر کیا کرتے ہیں اور اب ان سب کے لئے جواب حاضر ہے۔ کئی فلاسفہ چونکہ نظام عالم کو مخلوق مانتے ہیں۔ اس لئے ان کو ماننا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو جانتا ہے۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ جب ازل میں نظام عالم موجود نہ تھا تو اللہ تعالیٰ کس چیز کا علم رکھتا تھا۔ اس کو کس طرح علم تھا کہ کسی وقت نظام کائنات میری قدرت سے وجود میں آئے گا۔ اگر اس کا یہ جواب دیں کہ ازل میں علم کی صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم تھی جس کی وجہ سے جب نظام عالم موجود نہ تھا تو وہ اس طرح جانتا تھا کہ میں اسے کب پیدا کروں گا۔ اور کیا کیا پیدا کروں گا۔ کونسی مخلوقات کیا کیا کام کریں گی۔ اور جب موجود ہوا ہے تو پوری طرح جانتا ہے کہ اب موجود ہے کیونکہ پیدا کرنے والا وہی ہے۔ سمع و بصر میں بھی یہ دلیل دی جا سکتی ہے تو اس کا انکار کیوں کیا جاتا ہے نام نہاد فلاسفہ کمزور علم، کمزور ذہن کی وجہ سے اس کھلی حقیقت کو اپنے گھڑے ہوئے تصورات کی وجہ سے تسلیم نہیں کرتے۔ کہ ذات حق کو مخلوقات کا اس طرح علم ہو کہ فلاں چیز ماضی میں ہوئی ہے۔ فلاں موجود ہے اور فلاں مستقبل میں ہوگی۔

عقلی دلیل اللہ تعالیٰ کے سمیع و بصیر ہونے کی یہ ہے کہ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ خالق کو مخلوقات سے تمام امور میں کامل و اکمل ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ دیکھنے والا اندھے سے اور سننے والا بہرے سے بہر حال بہتر ہوتا ہے۔ جب مخلوق میں دیکھنے اور سننے والی صفات موجود اور ثابت ہوں تو خالق میں یہ کیسے موجود نہیں ہوں گی۔ اس بات کا تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ خالق کو مخلوقات سے بدرجہا اعلیٰ ہونا چاہئے۔ باقی رہا دوسرا پہلو، یعنی دیکھنے والا اور سننے والا اندھے اور بہرے سے اچھا ہوتا ہے۔ یہ بھی

تجربے کی بات ہے اگر علم انسان کے لئے کمال ہے تو سننا اور دیکھنا بھی کچھ کم نہیں۔ ایک شخص اگر بغیر دیکھے ایک چیز کو جانتا ہے۔ مگر جب اس کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے تو اس کے علم میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس بات کا نچوڑ یہ ہے کہ جب دیکھنا اور سننا بھی کمال کی ایک قسم ہے تو مخلوق کے لئے اس کا موجود ہونا اور خالق کے لئے اس کا موجود ہونا ایک نہایت گھٹیا اور بے ہودہ مفروضہ ہے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔

مشرکانہ سوال

اس جگہ دہریہ اور گمراہ فلاسفہ سوال کرتے ہیں کہ اگر خالق دیکھتا اور سنتا ہے تو سونگھنا اور ٹٹولنا اور چکھنا بھی ایسا ہی ہے (استغفراللہ) کیونکہ جیسا کہ دیکھنا اور سننا مخلوق کے لئے باعث کمال ہے۔ سونگھنا ٹٹولنا اور چکھنا بھی کم نہیں۔ جو شخص خوشبو کو بذریعہ تعریف جانتا ہو اس سے خوشبو کو ذاتی طور پر سونگھنے والا شخص بہت آگے ہوگا۔

مشرکانہ سوال کا جواب

بے شک ذات اقدس کو سب علوم حاصل ہیں۔ وہ دیکھتا بھی ہے۔ سنتا بھی ہے۔ اور باقی صفات بھی اسے حاصل ہیں۔ مگر ہم میں اور اس میں فرق یہ ہے کہ ہمارے محسوسات کے لئے خاص اسباب پیدا فرمائے گئے ہیں۔ جن کے بغیر ہم کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتے۔ مثلاً آنکھوں کے بغیر ہم کسی شے کو نہیں دیکھ سکتے۔ کانوں کے بغیر سن نہیں سکتے۔ اس طرح زبان کے بغیر کسی چیز کے میٹھا یا کڑوا ہونے کے بارے میں معلوم نہیں کر سکتے۔ اور ہاتھوں کے بغیر ٹٹول نہیں سکتے۔ ناک کے بغیر خوشبو بدبو کا فرق نہیں کر سکتے۔ نیز جو اعضاء جس بھی غرض کے لئے مقرر کئے گئے ہیں ان سے ہم دوسرا کام نہیں لے سکتے۔ مثلاً کانوں سے ہم نہیں دیکھ سکتے۔ اور آنکھوں سے سن نہیں سکتے۔ مگر اللہ تعالیٰ ان اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ وہ اپنی خاص قوتوں سے دیکھتا اور سنتا ہے۔ اور خاص قوتوں سے اسے تمام صفات میں لامحدود حاصل ہے۔ چونکہ ان کئی صفات میں ہم اسباب کے محتاج ہیں۔ اس لیے ہم اپنی نسبت سے اللہ تعالیٰ کا بھی ایسا تصور باندھتے ہیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ میں تمام ادراکات موجود ہیں۔ مگر چونکہ شریعت میں علیم اور سمیع و بصیر کے بغیر کوئی دوسرا لفظ نہیں آیا۔ اس لیے ان صفات کے بغیر ذات حق کے لیے کسی اور لفظ کے استعمال کی اجازت نہیں۔ مگر جیسے ارشاد ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو جنت کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو خوشبو اور بدبو کا بھی پوری طرح ادراک ہے مگر اس کی یہ صفات تمام نقائص سے پاک ہیں اور مخلوق سے بہت بلند ہیں۔

ایک اور ملحدانہ سوال

اس موقع پر دہریہ ایک اور سوال کرتے ہیں کہ خالق ازل کو لذت اور درد کا بھی احساس ہوگا۔

Marfat.com

کیونکہ درد محسوس نہ ہونا بھی ناقص ہوتا ہے۔اس طرح دوسری کسی لذت بخش چیز سے لذت کا ادراک نہ ہونا بھی موجب نقص ہے۔(استغفر اللہ)

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ لذت اور تکلیف کا احساس عارضی ہونے کے سوا کوئی کمال کی بات نہیں۔ بلکہ یہ سراسر نقص اور کمزوری کی علامت ہے۔کون نہیں جانتا کہ تکلیف کا محسوس ہونا نقص ہے۔ اور ضرب کی محتاج ہے جو بدن میں تاثیر کرتی ہے اس طرح لذت نام ہے کسی تکلیف کے دور ہو جانے یا ایسی چیز کے حاصل ہونے کا جس کا حد سے زیادہ شوق ہو اور اس کے حاصل ہونے کی تمنا ہو۔شوق اور تمنا دونوں نقص ہیں اس طرح کسی بھی لذت بخش چیز کے معنی ہیں مناسب طبیعت چیز کو طلب کرنا اور کس چیز کا طلب کرنا تب ہی ہو سکتا ہے جب وہ خواہشمند کے پاس موجود نہ ہو۔اور ذاتِ حق میں نہ تو کسی چیز کی تمنا کا نام ونشان ہے اور نہ ہی اس کی ذات میں کوئی نقص ہے۔اور نہ ہی اس کے خزانوں میں کوئی کمی کہ جب مطلوبہ چیز ملے تو اسے خوشی ولذت حاصل ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کی تو وہ صفات ہیں کہ جن کے اندر لاکھوں کروڑوں بلکہ لامحدود خوبیاں ہی خوبیاں ہیں۔پس ثابت ہوا کہ ایسی بیہودہ اور فضول صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو موصوف گردانا سخت ہی بے حیائی اور بے ادبی ہے اور اللہ تعالیٰ لعنت کرے ایسے گمراہوں پر جو ایسے واہیات نظریات رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والے

اب بہتر ہے کہ ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کا انکار کرتے ہیں۔اور اس کی ذات کے بارے میں گستاخی اور کفر کے مرتکب ہوتے ہیں ان کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کے ارشادات ایک نظر دیکھ لیں۔

سورہ نساء میں ارشاد ہے

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَكَفٰى بِهٖ اِثْمًا مُّبِيْنًا

دیکھئے کہ کیسا گھڑتے کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور کافی ہے یہی کھلا گناہ۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ مشرکین، منافقین اور کفار کے بارے میں ارشاد فرما رہا ہے کہ یہ کیسے تنگ نظر اور جاہل اور ظالم ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے شکوک میں پڑے ہوئے ہیں۔اس کے بارے میں عجیب وغریب باتیں کر کے اس کی صفات اور طاقتوں کا بالواسطہ انکار کرتے ہیں۔لیکن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نہ تو گرفت سے بچ سکیں گے نہ ہی اللہ کریم کو ان کی بیہودہ بحثوں ہی کی کوئی پرواہ ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کسی کی تعریف کا محتاج ہے اور نہ ہی کوئی اس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں اور اس کے احکام کی بجا آوری کرتے ہیں۔اس کے احکام کے

Marfat.com

مطابق شب و روز گزارتے ہیں اس کی رضا اور وحدانیت کے پرچار کے لئے کوشاں رہتے ہیں درحقیقت وہ اپنا ہی بھلا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ہر عیب سے پاک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ تنہا ہر ایک پر غالب ہے۔ اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ قیامت کے دن جب ہر چیز تباہ و برباد کر دی جائے گی۔ تو اس تمام کائنات کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے بالکل مشکل نہ ہوگا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور اس کے احکام کی بجا آوری کرتے ہیں۔ وہی قیامت کے دن عزت دار ہوں گے۔ بہتان باندھنے والے اور قدم قدم پر اپنے تصورات اور عقل کے مطابق اللہ تعالیٰ پر بحث کرنے والے قیامت کے روز سخت ذلیل و نامراد ہوں گے۔ دیکھ لیجئے کہ یہاں ایسے اپنے آپ کو عقلمند کہنے والے مگر درحقیقت جاہلوں کی کمی نہیں۔ جو کائنات کا نظام اپنی آنکھوں سے دیکھتے بھی ہیں اور اس وسیع و عریض نظام کو دیکھ کر بھی ان کے اذہان وقلوب شیطانی وسوسوں کا شکار رہتے ہیں۔ دراصل یہ وہ لوگ ہیں جو اندھے، بہرے اور گونگے ہیں ان کے دل شیطانی خیالات کی اندھیر نگری بنے ہوئے ہیں سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف قدم بڑھانے والوں کو ہر قدم پر راہنمائی میسر آتی ہے۔ جو بدنصیب اپنی بے ہودہ تاویلات کا شکار ہو جاتے ہیں وہ یہاں بھی ذلیل و خوار رہتے ہیں اور قیامت کے دن تو اللہ تعالیٰ کے جس غضب اور عذاب کا نشانہ بنیں گے۔ اس کا تصور بھی اس جہان میں محال ہے۔

سورہ ہود میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے۔ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹے افتراء کرے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ وہ شخص کتنا ظالم اور جاہل ہے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا ہے اپنے خود ساختہ تصورات اور جاہلانہ عقائد گھڑ کر کے اللہ تعالیٰ کی بابرکت ذات پر باتیں بناتا ہے اگر انہیں ایسے جھوٹے نظریات سے توبہ کرنے کا کہا جائے اور ان کی بے سرو پا حماقتوں کا دلائل کے ساتھ کیوں نہ رد کیا جائے تب بھی ڈھٹائی کے ساتھ وہ اپنے غلط نظریات سے بال برابر پیچھے نہیں ہٹتے۔ ان میں ایسے افراد کی کثرت ہے۔ جو اپنے آپ کو بہت بڑا دانشور، فلسفی اور نظریہ ساز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ عقلی انتشار کا شکار ہیں ہم ان لوگوں کو فسادی، کم عقل ٹیڑھی نگاہ اور خارش زدہ ذہن رکھنے والے شیطان صفت کہیں تو یہ بالکل درست ہوگا۔ بلکہ ایسے ظالم لوگوں کے لئے یہ مکروہ ترین الفاظ بھی کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔

سورہ النحل میں اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ

بلاشبہ جھوٹ اور افترا وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔

Marfat.com

اس آیت میں اللہ تعالیٰ بہتان تراشنے والوں کے بارے میں ارشاد فرما رہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں ہے جو درحقیقت کفر و نفاق کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جن کی عادت ہی یہ ہے کہ وہ دلیل سے کوئی بات سنتے ہی نہیں۔ انہیں اگر کچھ سمجھانے کی کوشش کی جائے تو وہ انہیں سننے سمجھنے کی بجائے حقائق سے منہ موڑ لیتے ہیں اور پلٹ کر مذاق کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی کم عقلی اور جہالت ہے کہ اپنے جملہ نقائص کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف بھی اس قسم کی باتیں منسوب کرتے ہیں جو صریحاً ظلم ہے کیونکہ ان لوگوں کو جو اسباب ملے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ہی تخلیق اور عطا ہے۔ اور پھر انسان اپنے اسباب و اختیارات کے باوجود اتنا کمزور ہے کہ کائنات کے بارے میں کماحقہ آگاہی حاصل نہیں کر سکتا اس لئے کسی بھی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں مفروضے گھڑے اور پھر ان پر بحث کرے۔ جو خالق اس تمام نظام کا بنانے والا ہے اس کا علم لامحدود اس کی قدرت بے انتہا اور اس کی قوتیں بے حد و حساب ہیں۔ اور بلاشبہ وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بیہودہ بحث کرتے ہیں جو جاہل اور ظالم ہیں اور جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے حد درجہ گر چکے ہیں یا جن کے ذہن حقیقت کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ جو ہر لمحہ شیطانی تصورات کے تانے بانے بننے میں الجھے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفت کلام

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا اور ایمان لائے اس پر جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا۔ اور جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا اور حضور ﷺ سے پہلے دیگر انبیاء کرام پر بھی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے۔ کتب اور صحیفے اللہ تعالیٰ کے احکام دے کر انبیاء پر نازل کیے گئے۔ اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ مخلوق کے ساتھ ہمکلام ہوا۔ اپنے احکامات و ارشادات سے بنی نوع انسان کو ہدایت عطا فرمائی۔

سورہ یونس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ يُفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا بھی اسے اپنی طرف سے بنا لائے۔

اور سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا

پس کیا وہ غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر ہوتا وہ غیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو البتہ اس میں

Marfat.com

بہت اختلاف پاتے۔

سورہ البقرہ میں ارشاد ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ

اور اگر تمہیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے۔ تو اس جیسی ایک سورت تو بنا کر لے آؤ۔

سورہ حجر میں اس طرح ارشاد ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

بلاشبہ ہم نے ہی اتارا ہے یہ ذکر (قرآن) اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

سورہ الزمر میں ارشاد ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ

نازل کی گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

بعض لوگ دلیل بیان کرتے ہیں کہ تمام امت کا اجماع ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کلام فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال سے بھی تعالیٰ کے کلام فرمانے کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر جس گمراہ شخص کے نزدیک اللہ تعالیٰ متکلم نہیں اس کے نزدیک اجماع اور رسول ﷺ کے اقوال کیا حیثیت رکھتے ہوں گے۔ اجماع تو اس لئے کہ یہ رسول کے قول پر مبنی ہوتا ہے۔ اور جب رسول کے قول کو (معاذ اللہ) وہ گمراہ مانتا ہی نہیں تو اجماع کا کیا اعتبار ہوگا۔ اور قول رسول کا اعتبار اس کے نزدیک اس لیے نہیں ہوتا کہ رسول کو تو وہ تسلیم ہی نہیں کرتا۔ کیونکہ رسول کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے والا اور جب اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کلام ہی نہیں کرتا تو پھر رسول کس لیے؟ اللہ تعالیٰ کے کلام فرمانے کے ثبوت میں وہی طرف اختیار کرنی چاہئے جس کو ہم نے سمیع و بصیر کے سلسلے میں اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ کلام بھی دوسری عمدہ صفات کی طرح کمال کی ہی ایک قسم ہے اور جب مخلوق میں یہ صفت موجود ہو تو پھر مخلوق سے پہلے خالق میں ان صفات کا ہونا بطریق اولیٰ ہے۔ بلکہ خالق کا کلام بھی مخلوق کے کلام سے کئی درجہ اعلیٰ اور نہایت فصیح و بلیغ ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود میں مخلاق کو چیلنج بھی فرمایا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ

کیا کہتے ہیں یہ (کافر) کہ تو نے قرآن خود بنالیا ہے۔ کہہ دو تم بھی ایسی دس سورتیں بنالاؤ۔

سوال: ہم پر اس جگہ یہ سوال ہوسکتا ہے۔ وہ یہ کہ جس کلام کے لحاظ سے آپ نے اللہ تعالیٰ کو متکلم کہا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے۔ اگر آوازیں اور حروف مراد ہیں تو یہ عارضی ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں اللہ تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا۔ اور اگر کسی اور چیز کے ساتھ قائم ہے تو متکلم بھی وہی چیز ہو گی۔ کیونکہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کہ آوازیں اور حروف قائم تو کسی اور چیز کے ساتھ ہوں۔ اور متکلم ذاتِ

Marfat.com

حق ہو۔ اور اگر اس سے وہ قدرت مراد ہے۔ جو آوازوں اور حروف کو کلام کی صورت میں پیدا کرنے کی قدرت ہے۔ تو یہ بیشک ایک کمال ہے مگر کسی کو صرف آوازوں اور حروف کی ایجاد پر قادر ہونے سے متکلم نہیں کہا جا سکتا۔ جب تک اُسے اپنے آپ میں آوازیں اور حروف پیدا کرنے پر قدرت نہ ہو۔ بیشک کیوں نہ وہ دوسری اشیاء میں آوازیں وحروف پیدا کرنے پر قادر ہو مگر جب تک اپنے آپ میں آوازیں اور حروف پیدا نہ کرے اور ایسا کرنا حادث ہے جب کہ اللہ تعالیٰ محل حوادث نہیں۔ اس لئے اگر کوئی اور معنی مراد ہیں تو جب تک ہمیں ان کی خبر نہ ہو ہم ان کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جس کلام کے لحاظ سے ہم اللہ تعالیٰ کو کلام فرمانے والا کہتے ہیں۔ اس سے آوازیں وحروف مراد نہیں ہیں اور نہ ہی قدرت مراد ہے۔ بلکہ اس سے تیسرے معنی مراد ہیں۔ جن سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ انسان دو اعتبار سے متکلم کہلاتا ہے۔ ایک تو آوازوں اور حروف کے اعتبار سے اور دوم کلام نفسی کے لحاظ سے جو نہ آواز ہے اور نہ حرف ہے۔ اگرچہ کلام کی پہلی قسم بھی ایک کمال ہے۔ مگر کلام نفسی کمال ہونے میں اس سے آگے ہے۔ اور ذاتِ حق کریم میں اس کا پایا جانا ہرگز محال نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ مخلوق پر دلالت کرتا ہے۔

کلام نفسی کے وجود سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ محاورہ میں عام طور پر کہا جاتا ہے۔ فی نفس فلان کلام یرید ان ینطق بہ "فلاں شخص کے نفس میں وہ کلام ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اسے ظاہر کر دے۔" اس جواب بھی ایک اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ جو کلام نفسی انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ ہم غور وفکر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض چند علوم کا نام ہے جو ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ کلام کرنے سے پہلے انسان کے ذہن میں الفاظ اور معانی کو خاص طرز پر ترتیب دینے کا تصور آتا ہے۔ اور پھر ان کو کلام لفظی کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا ہے۔

ذہن میں تین چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ معانی۔ الفاظ کے معنی ہمیں معلوم ہوتے ہیں معانی اور الفاظ کو خاص انداز سے ترتیب دینا فکر کہلاتا ہے۔ اور ان کے ساتھ ساتھ ذہن میں ایک قدرت بھی ہوتی ہے۔ جس کے ذریعے انہیں ترتیب دیا جاتا ہے۔ اور اسے قوت مفکرہ کہا جاتا ہے۔ اگر کلام نفسی سے مراد علوم ہیں یا فکر اور قوت مفکرہ ہے۔ تو ان میں سے بعض ایسی چیزیں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ میں نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً آوازیں کیونکہ یہ حادث ہیں۔ اور ذاتِ اقدس میں کوئی مخلوقانہ صفت نہیں پائی جاتی ہے۔ اور جو اس میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً علم، ارادہ، قدرت تو ان کی مخلوق کی صفات کے ساتھ کوئی مماثلت نہیں ہے اور ہر ایک صفت اللہ تعالیٰ نے ہی مخلوق کو اُس کی کمزور بساط کے مطابق عطا فرمائی ہے۔

سوال: کلام یا حکم ہوتا ہے یا ممانعت یا اطلاع۔ کلام وہ ہوتا ہے جو خبر دینے والے کے حسب خواہش بیان پر دلالت کرتا ہے کہ جو شخص ایک چیز سے آگاہ ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس کو بیان

Marfat.com

کرنے کے لئے فلاں لفظ گرائمر نے مقرر کیا ہے۔ تو اپنے مقصود کو ظاہر کرنے پر اسے عبور ہوتا ہے۔ اور حکم یہ ظاہر کرتا ہے کہ کلام کرنے والا مخاطب سے کوئی چیز طلب کرتا ہے۔ اور ممانعت کو بھی اسی پر قیاس کر لیا جائے۔ الغرض اگر کلام نفسی سے مراد یہ چیزیں ہیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں تو ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ میں نہیں پائی جاتیں اور اگر کوئی اور چیز مراد ہے تو اس کا بیان کرنا ضروری ہے۔ تاکہ ہم اس پر کافی غور وفکر کر سکیں۔

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کلام نفسی سے جو کچھ ہم مراد لیتے ہیں۔ ان امور سے جو اعتراض کرنے والے نے بیان کئے ہیں الگ ہیں۔ اور ہم اس کو کلام کے قسم حکم کے سلسلے میں بیان کرتے ہیں۔ جب مالک نوکر سے کہتا ہے کھڑا ہو جا تو یہ صیغہ امر ایک ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ جو آقا چاہتا ہے۔ یہ معنی ان چیزوں سے بالکل الگ ہے۔ جو معترض نے طرح طرح کی لمبی لمبی تقسیموں کے ضمن میں بیان کی ہیں۔ اس کا نام کلام نفسی ہے۔ اور اسی کے لحاظ سے ہم اللہ تعالیٰ کو متکلم کہتے ہیں۔ صیغہ امر سے مراد اس کا معانی پر دلالت کرنا مراد نہیں ہوتا بلکہ اس کا کام صرف مقصد پر دلالت کرنا ہوتا ہے۔ جو حکم دینے والے کی مُراد ہوتا ہے۔ کیونکہ معنی پر دلالت کرنا ہر ایک لفظ کا ذاتی تقاضا ہوتا ہے۔ اس میں کلام کرنے والے کے ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔

حروف بیشک مخلوق ہیں اور کلام نفسی پر دلالت کرتے ہیں اور ذاتِ حق قدیم ہے اور حروف اور کلام نفسی آپس میں متحد نہیں۔ کیونکہ ایک دلیل دینے والا اور دی گئی دلیل دونوں الگ الگ ہیں۔ اور اگرچہ حروف کی دلالت کلام نفسی پر ذاتی دلالت ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو دی گئی دلیل کی صفات ہیں وہ دلیل دینے والے کی بھی ہوں۔ نظام عالم خلاق اکبر اور صانع حقیقی پر دلالت کرتا ہے اور اسے دیکھ کر ہمیں اس کا یقین ہو جاتا ہے مگر ذاتِ حق قدیم بالذات ہے اور نظام عالم فانی ہے اسی طرح اگر حروف کلام نفسی پر دلالت کرتے ہوں تو اس میں کونسی قباحت لازم آتی ہے۔ اصل میں غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ کلام نفسی کا سمجھنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں اس کے لئے بہت دماغی قابلیت چاہئے۔ جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی۔

گمراہ اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کے ساتھ ساتھ اعتراضات بھی کرتے ہیں۔ جن کا علیحدہ علیحدہ ذکر ضروری ہے۔ اور ہر اعتراض کا جواب بھی گمراہوں پر اعتراض کے ساتھ ہی دیا جائے گا۔

پہلا اعتراض: پہلا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام اگر آواز اور حروف کی صورت میں سنا ہے۔ تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں سنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام آواز اور الفاظ نہیں۔ اور اگر آواز و الفاظ کو نہیں سنا تو کچھ نہیں سنا۔ کیونکہ سننا اسی چیز پر بولا جاتا ہے جو آواز و حروف پر مشتمل ہو۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا جو قدیم ہے اور اللہ تعالیٰ کے

Marfat.com

ساتھ قائم ہے۔ اور جو آواز حروف پر مشتمل نہیں۔ اور معترض کا یہ کہنا کہ سننا اس چیز پر بولا جاتا ہے۔ جو آواز و حروف کی جنس سے ہو۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کو شاید سوال کرنے والا بھی نہیں سمجھ پایا۔ چونکہ سوال ہی درست نہیں اس لئے جواب کس طرح دیا جا سکے گا۔ کیونکہ سننا علم اور جاننے کی ایک قسم ہے۔ تو اب اعتراض کرنے والے کا یہ کہنا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں سنا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی یہ کہہ دے کہ تو نے زبان کے ذریعے کسی ذائقے کو کس طرح معلوم کر لیا ہے۔ اس سوال کا جواب دو طریقے سے ہو سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ پھل سائل کو دے دیا جائے اور اسے کہا جائے کہ وہ اسے زبان پر رکھ کر اس کی حلاوت معلوم کرے۔ اور پھر اس سے یہ بھی کہا جائے کہ جس طرح تو نے اس کی حلاوت کو معلوم کر لیا ہے۔ اس طرح میں نے بھی اس کی حلاوت کو معلوم کر لیا ہے۔ اور اگر پھل موجود نہ ہو یا سوال کرنے والے میں پھل کی حلاوت و ذائقہ معلوم کرنے کی قوت ہی نہ ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے پھل کی لذت اس طرح معلوم کی ہے۔ جیسے تو نے شہد کی لذت کو معلوم کیا ہے۔ مگر یہ جواب بوجہ درست ہے اور بوجوہ درست نہیں۔ درست تو اس لئے ہے کہ اس جواب میں پھل کی لذت کی تعریف اس چیز کے ساتھ کی گئی ہے۔ جو مٹھاس میں پھل کے ساتھ شریک ہے۔ اور غلط اس لئے کہ پھل کی لذت اور شہد کی لذت میں بہت فرق ہے۔ اور ان دونوں کا حلاوت و لذت میں ایسا ہی اشتراک ہے اگر سائل کو اپنی عمر میں کسی میٹھی چیز کے چکھنے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو اس کا جواب بھی مشکل ہو جائے گا۔ اس کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہو گی جو خود تو شکار کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ اور دوسروں سے اس کی کیفیت کے بارے میں دریافت کرتا رہتا ہے۔ مگر اس کا جواب پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شکار سے بھی ایسی لذت ملتی ہے۔ جو تمھیں کسی نفیس چیز کے کھانے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس جواب میں وجہ صحت تو یہ ہے کہ شکار اور کسی نفیس چیز میں مطلق لذت میں اشتراک ہے ورنہ شکار اور نفیس چیز میں لذت کے اعتبار سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس طرح جو شخص موسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے بارے میں سوال کرتا ہے اس کی پوری تسلی تو تب ہی ہو سکتی ہے جب ہم اس کو ذات حق کا کلام سنانے پر قادر ہوں اس وقت تو اسے اللہ تعالیٰ کے صاحب کلام ہونے کے بارے میں شبہ نہیں رہے گا مگر یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننا صرف موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ اور اس ناواقفیت کے اظہار کے بعد جواب اس کے سوا کوئی بظاہر نظر نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ایسا ہے جیسا تمہارا اور دوسرے آدمیوں کا کلام ہے۔ مگر یہ مثال دینا کسی بھی لحاظ سے درست نہیں کیونکہ آدمیوں کا کلام آوازوں اور حروف پر مشتمل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے بلند اور اعلیٰ و ارفع ہے۔ اگر کوئی بہرہ ہم سے سوال کرے کہ تم کس طرح آواز سن لیتے ہو تو اس کا جواب ہم نہیں دے سکتے۔ کیونکہ اگر یہ کہیں کہ جیسے اشیاء کو تم دیکھ لیتے ہو اسی طرح ہم آواز سن لیتے ہیں تو یہ بالکل غلط جواب ہو گا۔ کیونکہ کہاں کانوں سے سننا اور کہاں آنکھوں سے دیکھنا۔ آواز کو (دیکھنے) سے کسی قسم کی مشابہت

Marfat.com

نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں کیسے دیکھے گا تو ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہم دینے سے بالکل قاصر ہیں۔ کیونکہ وہ ایسی کیفیت کے بارے میں سوال کرتا ہے جس کی کوئی مثل اور شبیہ نہیں۔ اور یہ ایسا ہی سوال ہے کہ جیسے کوئی یہ پوچھ لے کہ (معاذ اللہ) ذاتِ حق کس چیز کی طرح ہے۔ تو جب اس کی مثل کوئی نہیں تو یہ سوال کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ یہ سوچا بھی جاسکے کہ ذات حق کس چیز کی طرح ہے۔ مگر اس سے قطعاً یہ لازم نہیں آتا کہ ذاتِ حق کا سرے سے کوئی وجود نہ ہو۔ اس طرح ذات حق کے کلام کی اصلیت معلوم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا کلام ہی کوئی نہ ہو۔ بلکہ ہمیں اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے۔ جیسے وہ خود بھی قدیم ہے۔ اور جیسے اس کی زیارت آدمیوں کی دیکھنے کی مانند نہیں ہے۔ ویسے اس کا کلام بھی آدمیوں کے کلام کی مانند نہیں ہے۔

دوم اعتراض: دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید انجیل اور تورات وغیرہ الہامی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کا کلام لکھا ہوا ہے یا نہیں۔ اگر لکھا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ کا کلام چونکہ قدیم ہے لیکن مصاحف میں جو کہ مخلوق ہیں کیونکر حلول کیا ہے۔ اور اگر دوسری بات ہے تو یہ اجماع کے خلاف ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور حفاظ کے دلوں میں محفوظ ہے اور کاغذات سیاہی آوازیں اور حروف وغیرہ سے مخلوق ہے۔ ہمارے اس کہنے سے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مصاحف میں لکھا ہوا ہے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی حقیقت بھی مصاحف میں موجود ہے۔ یہ کہنا بالکل درست ہے کہ آگ کا ذکر فلاں کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ مگر اس کے معنی نہیں ہوتے کہ آگ کا جسم کتاب میں موجود ہے۔ کیونکہ اگر آگ کتاب میں حلول کرتی تو کتاب کہاں رہتی۔ اس کو تو آگ جلا کر راکھ بنا دیتی۔ اسی طرح جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے آگ کے متعلق کچھ ذکر کیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے منہ میں آگ ہے آگ ایک ایسا لطیف جسم ہے۔ جس کا طبعی تقاضا حرارت ہے۔ اور آگ یا نار کا لفظ اس پر دلالت کرنے کے لئے لغت نے مقرر کیا ہے اس طرح حروف اور کلمات اور آوازیں وغیرہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ذریعہ اور آلہ ہیں۔ اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ اس کا کلام حقیقی صورت میں مصاحف میں موجود ہے جیسے آگ پر دلالت کرنے والا لفظ کتاب میں موجود ہوتا ہے اور مگر وجود موجود نہیں ہوتا۔ ویسے ہی مصاحف میں بھی اللہ تعالیٰ کے کلام پر دلالت کرنے والی چیزیں موجود ہوں گی نہ کہ مدلول اور واضح ہے کہ کلام الٰہی کی حقیقی صورت کو یہ کائنات برداشت نہیں کرسکتی۔

تیسرا اعتراض: تیسرا سوال وہ یوں کرتے ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن کو خاص حروف اور کلمات سے ہی پڑھا جاتا ہے۔

جواب: اس کو جواب یہ ہے کہ اس مقام پر تین لفظ ہیں۔ قراۃ، مقرو، قرآن مقرر تو اللہ تعالیٰ کے کلام کا نام ہے۔ جو ازل سے اس کے ساتھ قائم ہے۔ اور قرات کے معنی ہیں کسی چیز کو پڑھنا یہ قاری کا

Marfat.com

ایک فعل ہے۔ جس کو ایک وقت میں وہ شروع کر کے دوسرے وقت میں ختم کر دیتا ہے۔ قاری کا عمل ایک عارضی چیز ہے۔ کیونکہ عارضی وہ چیز ہوتی ہے۔ جس کا آغاز ہو یہ تعریف قراۃ پر بھی صادق آتی ہے۔ قرآن سے بھی مقرر مراد لیا جاتا ہے اور اس وقت قرآن کو غیر مخلوق اور قدیم کہنا پڑتا ہے کیونکہ مقرر جس کی تشریح ہم پہلے کر چکے ہیں۔ غیر مخلوق اور قدیم ہے۔ جنہوں نے قرآن کو غیر مخلوق اور قدیم کہا ہے۔ اور اس میں وہ حق بجانب تھے۔ اور کبھی قرآن سے قرات مراد لی جاتی ہے۔ ان معنی کے مطابق قرآن بے شک مخلوق ہے۔ اور جن علماء نے اس کے متعلق مخلوق ہونے کا فتوی لگایا ہے اگر انہوں نے قرآت کے معانی کے مطابق یہ قول لکھا ہے تو وہ بھی حق بجانب تھے۔ کیونکہ قرآت شروع ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔

چوتھا اعتراض: چوتھا اعتراض وہ یہ کرتے ہیں کہ تمام لوگوں کا اجماع ہے کہ قرآن نبی ﷺ کا معجزہ ہے۔ اور جب ہم قرآن کو گہری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ تو اس میں سورتوں اور آیتوں کے بغیر جن کا آغاز اور انتہا ہے اور کوئی چیز نہیں پاتے پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حروف اور کلمات پر مشتمل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کلام قدیم نہ سورتوں پر مشتمل ہے اور نہ آیات پر حاوی ہے۔ وہ معجزہ بھی نہیں بن سکتا کیونکہ معجزہ پیغمبر کے ایسے فعل کا نام ہے جو جو عمومی فطرت کے خلاف ہو اور افعال تو سب مخلوق ہوتے ہیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جب قرآن قرآۃ اور مقرر میں مشترک ہے۔ یعنی کبھی اس سے قرآۃ مراد ہو رہی ہے۔ اور کبھی مقرر پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جس کی وجہ سے سلف صالحین سے قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق کہنا ثابت ہوتا ہے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ حروف اور کلمات سب مخلوق ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مراد مقرر تھی۔ اور قرآۃ پر اس کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے۔

"جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قرآن میں حسن ترنم کی اجازت دی ہے اس طرح اور کسی چیز میں نہیں دی۔" (جملہ احادیث)

ترنم حروف اور کلمات ہی کی ایک صفت ہے نیز بعض علماء نے قرآن کو مخلوق تسلیم کیا ہے اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ کلام قدیم کو نہیں کہا جا سکتا بلکہ حروف اور کلمات پر مخلوق کا لفظ وارد ہو سکتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن قرآۃ اور مقرر دونوں میں مشترک ہے۔ ورنہ ان کے اقوال میں سخت اختلاف واقع ہوگا۔ جب قرآن و کلام دونوں میں اشتراک ثابت ہو گیا تو اعتراض بالکل دور ہو جاتا ہے کیونکہ جن لوگوں نے قرآن کو قدیم اور غیر مخلوق کہا ہے انہوں نے قرآن بمعنی مقرر ایسا کہا ہے اور جو قرآن سورتوں اور آیات پر مشتمل ہے اور جسے ہم مخلوق کہتے ہیں وہ قرآن بمعنی قراۃ کے ہے اور جہاں تک معجزہ کا تعلق ہے سورتوں اور آیات پر مشتمل کلام کو معجزہ کہہ لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ یہ بھی بمعنی قرآۃ کے ہے۔

پانچواں اعتراض: پانچواں اعتراض یہ کیا جاتا ہے ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا جاتا ہے اور ائمہ کا اس پر اجماع ہے جیسے قرآن کی بعض آیات بھی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جن میں مشرکوں کو مخاطب کیا گیا ہے کہ وہ قرآن کیسے سنتے ہیں۔

اور جب اللہ تعالیٰ کے کلام کا سنا جانا ثابت ہو گیا تو ظاہر ہے کہ سننا حروف اور کلمات پر مشتمل ہے۔ تو پھر یہ لازم آیا اس کا کلام نہ تو قدیم ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ قائم ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے بعض آیات سے مشرکین کا اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننا ثابت ہوتا ہے بات یہ ہے کہ اگر مشرک میں اس کلام کے سننے کی قابلیت ہے جو حضرت موسیٰؑ نے سنا تھا تو پھر تو کوئی بات نہ ہوئی۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے مقام پر حرف آیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس کلام کو موسیٰ علیہ السلام نے سنا تھا وہ اور کلام ہے اور مشرک جسے سن سکتا ہے وہ اور کلام ہے۔

قرآن ہدایت' عبرت اور نصیحت ہے

سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ

یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں اور متقی لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قرآن ایک ایسی بابرکت اور نورانی کتاب ہے کہ جس کی صداقت میں کوئی شک نہیں۔ درحقیقت قرآن کی حقانیت پر ایمان لانا بھی ایمان غیب میں سے ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ گواہی دے رہا ہے کہ قرآن کی صداقت اور اس کے کلام الٰہی ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں یہ ایسا کلام ہدایت ہے جو ایمان لانے والوں کو یقین کی دولت عطا کرتا ہے اور اس سے وہی لوگ ہدایت پاتے ہیں جو اس کے کلام الٰہی ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی چشمہ فیض سے اس وقت ہی سیراب ہوا جا سکتا ہے جب اس کی افادیت اور اس کے برحق ہونے پر کامل یقین ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اہل یقین کو متقی کے لفظ سے مخاطب کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ اس سے وہی لوگ ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ جو ڈرنے والے ہیں۔ جو گناہوں سے بچتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات اور اس کے برحق ہونے پر دل کی گہرائیوں سے ایمان رکھتے ہیں۔

سورۃ بقرہ کی آیات 96 میں یوں ارشاد ہے۔

وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ

اور ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں۔ ان کے لئے اس کتاب قرآن مجید میں ہدایت اور خوشخبری ہے یہ کتاب مبین جہاں ایک طرف ان نیک اور پاکباز

Marfat.com

لوگوں کی زندگی کے تمام امور میں راہنمائی فرماتی ہے۔ وہاں دوسری طرف یہ نیک لوگوں کو آخرت میں ملنے والے انعامات سے بھی آگاہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان انعامات کے بارے میں انکشاف فرماتا ہے جو اہل ایمان کو جنت میں ملیں گے۔ اور یہ خوش نصیب جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ لیکن جنت کے انعامات اور اس کی خوشیاں کبھی ختم نہ ہوں گی۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ

بے شک اس میں دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہے۔

قرآن مجید اہل ایمان کو عبرت بھی عطا کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ نافرمان قوموں کے انجام کے بارے میں آگاہ فرمایا ہے یعنی لوگ دیکھ لیں کہ جن قوموں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور چندروزہ دنیا کی مستی میں پھرتے رہے۔ ان کا کیا انجام ہوا۔ ان کے لشکر، خزانے اور ان کے جاہ وجلال ختم کر دیئے گئے۔ جن مقامات پر بیٹھ کر اتراتے تھے۔ اور انہیں محفوظ پناہ گاہیں سمجھتے تھے ان نافرمانوں کے کچھ کام نہ آسکے موت و ہلاکت نے ان کے تمام آثار اور ممالک تباہ کر دیئے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مثالیں دے کر واضح کیا کہ دنیا کی زندگی تو چندروزہ ہے۔ اور اصل زندگی آخرت کی ہے جس میں موت نہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا۔ ان کو دیئے جانے والے جہنم کے دردناک عذاب سے آگاہ فرمایا گیا۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

بیشک اس میں تمھارے لیے کافی دلیل ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ایمان والوں کے لیے اس سچی کتاب قرآن مجید میں پختہ دلیلیں موجود ہیں۔ جو ان کے ایمان کو مستحکم کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مثالیں دے کر ایک ایک ذرے پر اپنے اختیارات کا ذکر فرمایا ہے اپنی وحدانیت اور خالق و مالک ہونے کے بارے میں واضح تلقین فرمائی ہے۔ تاکہ ان صداقتوں کو دیکھ کر اہل ایمان کے دل یقین کی دولت سے بھر جائیں۔ اور ان روشن دلیلوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے خالق و مالک ہونے کا حقیقی ادراک کر سکیں۔

دراصل انسان ہر چیز عقل کی کسوٹی پر تولنے کا عادی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی توجہ ان عقلی نشانیوں کی طرف بھی دلائی ہے تاکہ ان کے ذہن میں اگر شکوک موجود ہوں تو وہ دور ہو جائیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اس کے وحدہ لاشریک اور خالق و مالک ہونے کے بارے میں مستحکم یقین نصیب ہو۔

سورۃ ال عمران میں ارشاد ہے۔

ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ یہ بیان ہے لوگوں کے لئے

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر احسان فرمایا اور ان کے لیے اس پاک کتاب کے ذریعے زندگی کے اصول مقرر فرمائے۔ انہیں آخرت میں درپیش حساب کے بارے میں مطلع فرمایا تاکہ انسان اپنے اعمال سنواریں۔ اور آخرت کے اس سخت دن کی تیاری کرلیں۔ جس دن کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ اور وہاں کسی کے پاس کوئی اختیار باقی نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان پر یہ خصوصی احسان فرمایا ہے۔ کہ اس نے لوگوں کی نصیحت کے لیے خوبصورت و بے مثال بیان نازل کیا۔

سورۃ ہود میں اس طرح ارشاد ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَۃِ

بیشک اس میں عبرت ہے اس کے لیے جو ڈرتا ہے آخرت کے عذاب سے۔

اس میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تخصیص فرما رہا ہے کہ قرآن مجید میں نازل شدہ نصیحت سے وہی فیض یاب ہوتے ہیں جن کے دل میں آخرت کے عذاب کا خوف موجود ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوکر جواب دہی کا یقین رکھتے ہوں۔ کیونکہ جس شخص کے دل میں یقین اور ایمان ہی نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوکر دنیا میں کیے گئے اعمال پر جواب دہ ہوگا وہ کب قرآن مجید کی نصیحتوں سے فیض یاب ہوسکتا ہے یہاں پر اللہ تعالیٰ نے صاف صاف اعلان فرما دیا ہے کہ نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے اور نافرمانی کی صورت میں عذاب آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔

سورۃ ہود میں اس طرح ارشاد ہے۔

اَلْحَقُّ وَمَوْعِظَۃٌ وَّذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ

حق بات اور نصیحت اور یاد دہانی ایمان والوں کے لئے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے بارے میں ارشاد فرما رہا ہے کہ یہ حق بات کہتا ہے اور نصیحت ہے۔ اور اس میں ایمان والوں کے لئے اعمال صالحہ کی ترغیب اور آخرت کی یاد دہانی موجود ہے۔ یہ پاک کتاب حق کے ساتھ نصیحت کرتی ہے۔ ایمان والوں کو قدم قدم پر یاد دہانی کراتی ہے کہ دنیاوی زندگی صرف چند روزہ ہے اور آخرت ہی اصل گھر ہے جو شخص بھی اس زندگی کے امتحان پر پورا اترے گا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کرے گا۔ وہی فلاح پائے گا۔ اہل ایمان کو قدم قدم پر خبردار کیا گیا ہے کہ وہ کسی لمحہ غافل نہ ہوں۔ اور کتاب اللہ کی نصیحتوں کو یاد رکھیں۔

سورۃ یوسف میں یوں ارشاد ہے۔

لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِھِمْ عِبْرَۃٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ مَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَتَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ

البتہ ہے ان کے احوال میں عبرت اہل عقل کے لئے۔ یہ قرآن ایسی بات نہیں جو خود گھڑی

Marfat.com

جا سکے اور لیکن یہ تصدیق ہے اس کی جو پہلے ہو چکیں۔ اور تفصیل ہر بات کی اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ قرآن مجید میں جو نصائح بیان کئے گئے ہیں۔ ان سے نصیحت تو اہل عقل ہی پکڑتے ہیں۔ یہاں اہل عقل سے مراد ایسے من گھڑت عقلمند نہیں۔ جو بات بات پر اپنی قیاس آرائیوں کو اہمیت دیتے ہیں۔ اور قدم قدم پر صرف اپنی جھوٹی من گھڑت باتوں کو دوسروں سے بھی منوانا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو ایسے لوگوں کو اہل عقل کہا ہے جو دل کی گہرائیوں سے حقیقت سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کوئی غلط بات نہیں سوچتے۔ بلکہ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ جو بات وہ سوچ رہے تھے وہ تو غلط ہے اور اصل تو بات یہ ہے پھر اپنی ذاتی انا کی تسکین کے لئے خود ساختہ مفروضوں پر اڑ نہیں جاتے۔ بلکہ سچی بات تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور نہ ہی قرآن ایسی کتاب ہے جو خود گھڑی گئی ہو۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ برحق کلام ہے۔ چودہ سو برس ہو چکے ہیں مگر اس کی زیر زبر میں بھی کوئی فرق نہیں آیا یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو انسانوں کی رہنمائی کے لئے اتارا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے انسانوں کو اس قابل سمجھا ان کے پاس اپنے رسول کتابیں دے کر بھیجے۔ یہودیوں عیسائیوں اور نصرانیوں نے ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں ردوبدل کر کے انتہائی نافرمان ہونے کا ثبوت دیا مگر قرآن مجید کا محافظ تو اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام اسلام دشمنوں کی ہر قسم کی سازشیں ناکام ہو گئیں۔ اور تمام یہود و نصاریٰ مل کر بھی قرآن مجید کو ایک ایسی کتاب ثابت کرنے میں مطلقاً ناکام رہے جسے خود بنا لیا گیا ہو۔ دنیا بھر کے کفار مل کر بھی آیات قرآن جیسی ایک آیت نہیں بنا سکے۔ اس کا انداز بیان ایسا الگ اور نرالا ہے جو انسان کے بس میں نہیں۔ جس میں ہر اس حکم کی وضاحت اور تفصیل موجود ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس میں نازل فرمایا ہے۔ اس کا بیان بنی نوع انسان کے لئے مکمل ہدایت اور رحمت ہے۔ اور اس کے احکام بنی نوع انسان کی بہتری کی بھرپور ضمانت ہیں۔ ان میں انسانیت کی بہتری اور فلاح و بہبود کے لئے ایسے ضابطے مقرر کئے گئے ہیں۔ جو خوشحالی، حقیقی آزادی، اتحاد اور امن و سلامتی کے ضامن ہیں۔ اگر تمام انسان ان ضابطوں پر عمل کریں تو یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے مگر کم عقل، جاہل اور شیطان صفت افراد ان ضابطوں کے خلاف روز اول سے ہی سرگرم ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ضابطے زبردستی نافذ فرما سکتا تھا۔ مگر اس نے انسان کو ایک حد تک دنیا میں خود مختاری دی ہے تا کہ وہ انسانوں کو آزمائے۔ اس کتاب ہدایت میں جو بھی احکامات ہیں درحقیقت وہ رحمت کے پیغام ہیں ان سے وہی لوگ آگاہ ہوتے ہیں جو یقین و ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں۔

سورۃ النحل میں اس طرح ارشاد ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ

Marfat.com

بلاشبہ اس میں غور کرنے والوں کے لئے نشانی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں عیاں کیا جا رہا ہے کہ وہ صاحب دل جو اس کائنات کے خالق کی جستجو میں ہیں۔ اور وحدہ لاشریک کے سامنے سربسجود ہونے کے لئے بے تاب رہتے ہیں ان کے لئے اس کتاب میں جگہ جگہ نشانیاں ہیں۔ جو ہر قسم کی عبادت اور تسبیح کا رخ اللہ وحدہ لاشریک کی طرف موڑ دیتی ہیں جو سعادت مند خالق کی محبت کا متلاشی رہتا ہے اسے یہی نشانیاں بلاشبہ اصل خالق و مالک کا پتہ بتاتی ہیں۔

سورۃ بنی اسرائیل میں اس طرح ارشاد ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور بلاشبہ یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری دیتا ہے ایمان والوں کو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایک بار پھر تاکید فرما رہا ہے کہ ایمان والوں کو ہی قرآن مجید بلاشبہ سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور کتاب مبین کا دکھایا ہوا راستہ ہی اصل میں صراط مستقیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو قوانین انسان کے لئے نافذ فرمائے ہیں ان میں ہی ایسا ضابطہ زندگی موجود ہے کہ جس میں انسان کی بھلائی ہے یہی راستہ ہدایت کا راستہ ہے۔ قرآن مجید ہی اس وقت پوری دنیا میں ایک ایسی کتاب ہے جو سراسر نور ہدایت کا پرچم بلند کیے ہوئے ہے اور قیامت تک کے آنیوالے انسان اس سے زندگی کے ہر قدم میں راہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔ اس کتاب میں ہدایت یافتہ لوگوں کو دنیا اور آخرت میں کامیابیوں کی خوشخبری دی گئی ہے انہیں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کوئی غم نہ کریں موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے ایسی آسائشیں موجود ہیں جو نہ تو کبھی ختم ہوں گی اور نہ ہی اہل جنت کو پھر کبھی تکلیف دہ حالات سے واسطہ پڑے گا۔

سورۃ الشعراء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

بے شک اس میں نشانی ہے (قدرت کی) اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ بے شک قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں اس کی قدرت و بڑائی کا بیان موجود ہے ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایمان و یقین کی دولت رکھتے ہیں اور تکبر اور غرور نہیں کرتے خود کو نکتہ دان اور سب سے بڑا عقلمند تصور نہیں کرتے۔ وہی اس سے ہدایت حاصل کرتے ہیں مگر جن لوگوں کے دل سیاہ ہو چکے ہیں جو بات بات پر اپنی من گھڑت دلیلوں کو ہی اہمیت دیتے ہیں اور انکار ان کی فطرت میں ہے وہ ان نشانیوں کو محسوس نہیں کر سکتے ہیں یہی لوگ عقل و دانش سے بالکل خالی ہیں۔ اور جو عقل و دانش سے کلی طور پر خالی ہو وہ کس طرح قرآن مجید کے معانی و

Marfat.com

تشریحات سے آگاہ ہو سکے گا۔ اس لئے تو اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا ہے کہ بے شک اس کی نشانیاں تو کھلم کھلا قرآن مجید میں موجود ہیں مگر اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ ایک مومن کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں کو خود بھی دیکھے دوسروں کو بھی ان کی تبلیغ کرے۔

سورۃ القمر میں ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ

اور ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے پس کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا۔ (القرآن)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو پڑھنے اور سمجھنے والوں کے لئے آسان کر دیا ہے اتنی آسان عبارت اور کھلے مفہوم کے بعد تو کوئی سمجھ میں نہ آنے والا مسئلہ باقی نہیں رہ جاتا جو اس سے نصیحت پکڑنا چاہے آسانی کے ساتھ نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔ اور پھر قرآن مجید کی آیات کو کھول کھول کر رسول اللہ ﷺ نے بیان فرما دیا ہے تمام احکام و واقعات کی پوری پوری تشریح کر دی ہے جس سے قرآن مجید کا سمجھنا نہایت آسان ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے قرآن نہیں پڑھا اس لیے میں جواب دہ نہیں ہوں تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ گلی گلی محلہ محلہ قرآن مجید کی تعلیم دینے والے موجود ہیں احادیث اور تفسیر پڑھانے والے نیک بخت بھی موجود ہیں۔ اور تفاسیر کی کتب بھی پوری پوری تفاصیل کے ساتھ ملتی ہیں۔ اتنی آسانیوں کے باوجود جو قرآن مجید نہیں سمجھتا تو وہ خود کو قیامت کے دن اس سے بری الذمہ نہ سمجھے۔ اسے غفلت اور جان بوجھ کر قرآن کریم سے دور رہنے پر عذاب ہوگا کیونکہ ہم اس عارضی زندگی کے لئے کتنی کوششیں کرتے ہیں لیکن قرآن و اسلام کے بارے میں جاننے کے لئے سنجیدگی سے نہ تو سوچتے ہیں اور نہ ہی اس طرف کوئی عملی قدم اٹھاتے ہیں اس لئے اب بھی موقع ہے کہ جن لوگوں نے قرآن مجید نہیں پڑھا اور نہیں سمجھا وہ جلدی سے اس طرف قدم بڑھائیں کہ زندگی کا وقت نہایت کم ہے۔ قیامت کے دن ایسا کوئی بہانہ قبول نہیں کیا جائے گا اور اس زمانے میں قرآن مجید کو پڑھنے اور سمجھنے کے لئے اتنے ذرائع ہیں کہ پہلے شاید کبھی نہ تھے اس لئے اب یہ کہنا کہ مجھے قرآن پڑھانے والا اور سمجھانے والا نہیں ملا۔ ایک ایسا بہانا ہے جو بالکل جھوٹ ہے کم سے کم سوجھ بوجھ والا آدمی بھی روزمرہ کے احکامات سے بخوبی آگاہ ہو سکتا ہے باقی رہے وہ لوگ جو فلسفہ کا سہارا لے کر قرآنی مطالب اور معانی کو الجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے آوارہ ذہن لوگ گمراہ اور شر پسند ہیں۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ "بھئی لوگ الجھا الجھا کر قرآن سمجھاتے ہیں اور ہر فرقہ الگ الگ معانی کرتا ہے اس لئے قرآن نہیں پڑھ سکا" تو یہ بہانہ بھی غلط ہے۔ اس لیے کہ کوئی بھی فرقہ کم از کم احکام شریعہ کی حد تک کسی خاص الجھاؤ کا شکار نہیں ہے۔ سوائے چند ایسے مسائل میں جن پر فروعی اختلاف گھڑ لیے گئے ہیں ان سے بچتے ہوئے اپنی عقل کے مطابق بھی اصل معانی کو سمجھا جا سکتا ہے اور کوئی بھی پڑھا لکھا

آیات کے واضح معانی اور ان کی واضح تفصیل کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم قرآن مجید کو سمجھیں، احادیث کا مطالعہ کریں اور اصول تفسیر و اصول حدیث کا علم سیکھیں۔ اگر اصول تفسیر و حدیث کا علم سیکھنے کی قابلیت نہ ہو تو ہمارے اسلاف نے صحیح احادیث کے جو مجموعے مرتب کئے ہیں ان کا مطالعہ کر کے قرآنی احکام و مسائل و عبادات اور جملہ ذمہ داریوں کو باآسانی سمجھنے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے

سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

وہی ہے جس نے پیدا کیا تمھارے لئے زمین میں جو ہے سب کچھ۔

اس آیت مبارکہ میں بنی نوع انسان سے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کے لئے زمین کی تمام نعمتوں کو پیدا فرمایا ہے اس کے بغیر نہ تو کوئی یہ قدرت رکھتا ہے اور نہ ہی زمین اس کے حکم کے بغیر کچھ پیدا کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اپنے حکم سے انسان کے تابع کر دیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے ہر جاندار کے لئے زمین میں رزق رکھ دیا ہے اور پھر زمین کو بھی جن چیزوں کی ضرورت ہے مثلاً روشنی، پانی، ہوا اور دوسری نعمتیں عطا فرما کر اُسے ایک خوبصورت اور مکمل گھر بنا دیا۔ قسم قسم کے پھل پھول، اناج، نباتات اور دھاتیں وغیرہ اس خالق و مالک نے پیدا کر دی ہیں وہی سب کچھ پیدا فرمانے والا اور حقیقی مالک ہے۔

سورۃ آل عمران میں اس طرح ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ

وہی ہے جو صورت بناتا ہے، تمھاری ماں کے پیٹ میں جیسی چاہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ انسان سے ارشاد فرما رہا ہے کہ تمہاری شکل و صورت تمہاری ماں کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ ہی بناتا ہے۔ وہی کارساز ہے۔ انسان کی صورت اور اس کے متناسب اعضاء کو وہی پیدا فرماتا ہے۔ اگر ہم پوری دنیا کے انسانوں کو دیکھیں تو ہمیں احساس ہوگا کہ سب کی صورتیں، آوازیں اور سوچ کا انداز مختلف ہے بذات خود یہ سب اتنا حیرت انگیز ہے کہ انسان اگر صرف اس بات میں ہی سوچ و فکر شروع کر دے تو اس کی حیرت کے مارے آنکھیں پتھرا جائیں۔ یہ عجائبات دیکھ کر ایک زبردست قوتوں والے خالق کی عظمت کا احساس ہوتا ہے صورتوں کے انداز مختلف ہیں اور اچھی شکل و صورت یا بدصورتی یہ دونوں امتحان ہیں۔ کئی صورتیں اتنی خوبصورت ہوتی ہیں کہ انسان انہیں دیکھتا ہی رہ جاتا ہے اور کئی صورتوں میں حسن نہیں ہوتا۔ لیکن اصل صورت قیامت کے دن اعمال کے

Marfat.com

مطابق عطا کی جائے گی۔ ان صورتوں کی تشکیل بھی اللہ تعالیٰ ہی کی قدرتِ تخلیق کی مرہون منت ہے اور عمدہ صورت بھی بلاشبہ اس کی نعمت عظمیٰ ہے۔

سورۃ الانعام میں اس طرح ارشاد ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ

اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو کمال حکمت کے ساتھ نہایت ہی مناسب انداز میں پیدا فرمایا ہے۔ اس کی شان تخلیق یہ ہے کہ کسی جگہ کوئی خامی نظر نہیں آتی ہر ایک چیز اپنی جگہ بہت نفع بخش اور کام آنے والی ہے ہم ستاروں سے لے کر زمین کے ذروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں تک دیکھیں تو ہمیں ایک غالب دانا اور لامحدود علم رکھنے والے خالق و مالک کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ اور بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے۔ اللہ اکبر آسمانوں کی بے کراں وسعتوں، ستاروں کے ان گنت نظاموں اور وسیع عریض اجسام فلکی کو دیکھ کر دل اس خالق و مالک کی عظمت و ہیبت سے کانپنا شروع کر دیتا ہے۔ اور دل کی گہرائیوں سے بندہ پکار اٹھتا ہے کہ بے شک عظیم خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے کائنات کے اس بے کراں نظام کو پھیلا کر تھام رکھا ہے۔

سورۃ الرعد میں ارشاد ہوتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ خٰلِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

(اے نبی) کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی زبردست ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ حضور (ﷺ) کے ذریعے اعلان کروا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ آپ کہہ دیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہی ہر ایک چیز کو پیدا فرمایا ہے وہی غالب و زبردست ہے وہ اتنی قوتوں والا ہے کہ انسانی سوچ و فکر اس کا طاقت و قدرت کے بارے میں حقیقی طور پر کچھ نہیں جان سکتی زمینوں اور آسمانوں کے عجائبات کو اس نے بغیر کسی تھکان کے اور بغیر کسی مشکل کے پیدا فرمایا ہے بیشک وہی سب کا محافظ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی خالق و مالک، زبردست اور غالب ہے۔

سورۃ الشوریٰ میں ارشاد ہے۔

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ

وہ پیدا کرتا ہے جو چاہے، اور جسے چاہتا ہے لڑکیاں بخشتا ہے اور جسے چاہے لڑکے بخشتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنی شان تخلیق کا یوں اظہار فرما رہا ہے کہ وہ جسے اور جب چاہے پیدا کر سکتا ہے اس کی قدرت میں کوئی کمی نہیں۔ چیزوں کو پیدا کرنا اور انہیں فنا کر دینا اسی کے اختیار میں ہے۔ اور وہ ہر چیز پیدا کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اسے کسی سے مشوروں کی ضرورت نہیں وہ خود لامحدود علم اور اپنے ارادوں کا مالک ہے جس کسی کو لڑکے عطا کرنا چاہے تو وہی عطا فرماتا ہے اور کسی کو

لڑکیاں دینا چاہے تو وہ بھی اسی کی بخشش وعطا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی میں یہ طاقت نہیں کہ وہ کسی کو لڑکے یا لڑکیاں عطا کر سکے بیشک اسی کی ذات ہی مالک ومختار ہے۔ سب لوگوں کو چاہئے کہ وہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ سے مانگیں کیونکہ بااختیار صرف اسی کی ذات ہے۔

سورۃ التین میں ارشاد ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ

بلاشبہ ہم نے ہی انسانوں کو پیدا فرمایا ہے اچھی صورت پر۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس نے انسان کو اچھی صورت پر پیدا کیا ہے جب ہم انسان کو دیکھتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نہایت خوبصورت شکل و صورت عطا فرمائی ہے اگر انسان کی چار ٹانگیں اور آٹھ ہاتھ ہوتے تو کتنا عجیب لگتا اور اگر اس ذی ہوش وصاحب عقل انسان کی ایک لمبی سی دم لگا دی جاتی تو بھی یہ کتنا بھدا نظر آتا اور اگر اس کے سینگ لگا دیئے جاتے تو بھی عجیب وغریب معلوم ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو منفرد اور بہترین صورت عطا فرمائی ہے خالق ومالک کا ہم انسانوں پر خاص طور پر بہت بڑا کرم ہے ورنہ وہ اگر ہمیں کسی بھی صورت پر پیدا کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا اس لئے اس رحیم وکریم خالق کل شئی کا کروڑوں بار شکر ہے۔

اللہ عزوجل غنی اور حلیم ہے

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے۔

وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ

اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بردبار ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ مخلوق پر واضح فرما رہا ہے کہ وہ بہت رحیم وکریم ہے گناہوں کو بخش دیتا ہے جو بھی اس کے دروازے پر گناہوں کی معافی کے لئے دستک دیتا ہے تو وہ خالی نہیں لوٹاتا۔ وہ بہت حلم والا ہے۔ انسان کو ممکن حد تک سنبھلنے کی پوری پوری مہلت دی جاتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی انسان بھی ایک گناہ کے بعد دنیا میں نہ رہ سکتا اور اسے جہنم میں جھونک دیا جاتا۔ لیکن اس کریم ورحمٰن پروردگار کو بخشش وعطا کی اتنی عادت ہے کہ وہ بار بار مہلت پر مہلت دیئے جاتا ہے تاکہ کسی لمحے بھی نافرمان شرمندہ ہو جائے اور گناہوں سے تائب ہو کر ابدی وسرمدی نعمتوں کا حق دار بن سکے۔ اللہ تعالیٰ کا حلم بھی اس کی لامحدود بخشش کا اظہار ہے۔ جب بھی کوئی سرکش اور گناہ گار اس کے دروازے پر مغفرت کے لئے سر جھکاتا ہے تو وہ رحیم وکریم اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ ہی کو سب تعریفیں زیبا ہیں وہی اس قابل ہے کہ اسے سجدہ کیا جائے اور اسے ہی اپنے ظاہر وباطن کا مالک تسلیم کیا جائے کیونکہ ظاہر وباطن اور ہر موجود ولیکن کا خالق ومالک حقیقی وہی تو ہے۔

Marfat.com

سورۃ بقرۃ میں اس طرح ارشاد ہے وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِيمٌ

"اور اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز اور حلم والا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اسے قطعاً اس بات کی حاجت نہیں کہ انسان اس کا کہا لازمی مانیں تو تب ہی وہ خالق و مالک کہلا سکتا ہے۔ جب انسان کا وجود نہیں تھا تو اس وقت بھی اس خالق و مالک کا رعب و دبدبہ اور عظمت وسطوت کا یہی عالم تھا۔ جب انسان فنا کو پہنچ جائے گا پھر بھی اس وحدہ لاشریک کی عظمت وسطوت کا یہی عالم رہے گا انسان اللہ تعالیٰ کا کہنا مان کر اپنے آپ پر احسان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے۔ اس کا حکم کائنات کا ذرہ ذرہ مانتا ہے اور اس کے حضور سجدہ ریز ہے نیک انسان بھی اس کے آگے گڑگڑاتے ہیں اور اس سے رحمت و مغفرت طلب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کسی انسان یا کسی بھی مخلوق کی تسبیح کا حاجت مند نہیں یہ اس کی لامحدود رحمت کا اظہار ہے کہ وہ ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہے اور اس کی دستگیری فرماتا ہے۔ اس کا حلم بھی اس کی شان عطا کی طرح لامحدود ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی زبردست اور غالب ہے اور کوئی اس کے دائرہ حکومت سے باہر نہیں جا سکتا کیونکہ جہاں اس تخلیقی کائنات کی سرحدیں ختم ہوتی ہیں وہاں بھی اللہ تعالیٰ کی حکومت اور عظمت قائم ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے۔

إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا

بلاشبہ وہ بڑی بخشش اور حلم والا! ہے

اس آیت مبارکہ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے انتہا بخشش اور حلم والا ہے اس کی بخشش کا یہ عالم ہے کہ جب وہ عطا کرنے پر آتا ہے تو پھر اس کی عطا کسی حساب کے بغیر ہوتی ہے اس کے غفور الرحیم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ ہاں البتہ توبہ کے لئے اس نے اصول وضوابط مقرر کر رکھے ہیں جن کے مطابق معافی مانگی جاتی ہے۔ اور جو امور بندوں کے ساتھ خاص ہیں مثلاً اگر کسی کا ناحق مال و متاع چھین لیا ہے تو وہ واپس دے کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی جائے اور جس کسی نے کسی شخص کو ناحق اذیت دی ہے اُس سے معافی مانگے۔ اس لئے شریعت نے معافی کے لئے جو حدود نافذ کی ہیں۔ ان کو پورا کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے مثلاً جھوٹی قسم کھا کر کفارہ ادا کیا جائے تو بھی قسم کی معافی ہو جاتی ہے ان امور سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی بخشش لامحدود ہے ہاں البتہ ایسے امور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں ان میں نافرمانی کے بعد اگر انسان کے دل میں ندامت اور شرمندگی کا احساس جاگ جائے اور وہ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے تو وہ غفور الرحیم معاف فرما دیتا ہے مگر جو امور بندوں کے ساتھ متعلق ہیں ان کی معافی کے لئے ان کی تلافی ضروری ہے مثلاً ناحق قتل، مال و متاع ناجائز طریقے سے چھین لینا، قرض لے کر واپس نہ کرنا یا کسی

Marfat.com

بندے کو ناحق اذیت دینا ان امور میں ان زیادتیوں کا ازالہ ضروری ہے۔ اگر ازالہ کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہو تو اللہ عزوجل معاف کر دے گا۔ جو شخص تمام زندگی ہر قسم کی زیادتیاں کرتا رہا ہو اور زندگی کے کسی موڑ پر بے دست و پا ہو جائے اور اس قابل نہ رہے کہ لوگوں کے مال و متاع اور قرضے واپس کر سکے۔ تو اسے بھی چاہیے کہ وہ متاثرین سے معافی مانگے اور اللہ تعالیٰ سے ناامید نہ ہو توبہ کے لئے ہر وقت دروازہ کھلا ہے باقی اللہ تعالیٰ جسے چاہے معاف کر سکتا ہے کیونکہ یہ اس کی اپنی رضا پر منحصر ہے مگر جن امور میں اس نے قوانین نافذ کر دیئے ہیں۔ ان کی پاسداری ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ قانون و آئین اٹل ہیں اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ ''لا تبديل لكلمات الله'' اللہ تعالیٰ کے کلمات و آیات یعنی آئین ناقابل تبدیلی ہیں۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو وہ غفور الرحیم اس کے لئے تمام راستوں کو آسان فرما دیتا ہے۔

سورۃ محمد میں یوں ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ

اور اللہ تعالیٰ تو بے پرواہ ہے اور تم ہی محتاج ہو۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے اور تم محتاج ہو یعنی اللہ تعالیٰ کو انسان یا کسی دوسری مخلوقات کی کوئی پرواہ نہیں ہے وہ زبردست ہے کوئی شرک کرنے والا مشرک یا ناشکرا یا منافق یا کافر اس عظمت والے مالک کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ان لوگوں کی یہ جہالت خود ان کے حق میں نقصان دہ ہے یہ خود اپنا برا کر رہے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی حکومت تو تمام تر طاقتوں، اختیارات اس کی لامحدود قدرت کے ساتھ قائم ہے۔ اس کی حکومت اس وقت بھی تھی جب زمین و آسمان نہ تھے اور اس کی حکومت اس وقت بھی قائم رہے گی جب زمین و آسمان نہیں رہیں گے اور اس وقت بھی اس کا غلبہ قائم ہو گا جب دوبارہ از سرنو ایک نیا جہان قائم ہو گا اور اس کے غلبے نے کائنات فطرت کا احاطہ کر رکھا ہے وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ تمام مخلوقات اس کی محتاج ہیں۔ اور اس کے دروازے سے رزق، عزت اور زندگی عطا ہوتی ہے اس لئے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ہی مانگنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش طلب نہیں کرتا وہ درحقیقت اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے نماز کے بعد دعا مانگنا تو الگ رہا ہر وقت دعا کرتے رہنا چاہئے اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور بخشش و عطا کا طلبگار رہنا چاہئے۔ کیونکہ ہم تو فقیر اور محتاج ہیں اس کے در کے گدا ہیں اور اللہ تعالیٰ اتنا کریم و سخی ہے کہ وہ اپنے در پر جھکنے اور مانگنے والوں کو خالی نہیں لوٹاتا۔

سورۃ التغابن میں اس طرح ارشاد ہے

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ

اور اللہ (تعالیٰ) بڑا قدردان اور حلم والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے دروازے پر جھکنے والوں کی قدر فرماتا ہے اور وہ اتنا کریم ہے کہ بندے کی خلوص نیت سے کی گئی عبادت کا اجر کئی گنا بڑھا کر عطا فرمائے گا۔ اس کے راستے میں اگر کوئی ایک پیسہ بھی خرچ کرتا ہے تو وہ اس کا اجر بھی کئی گنا بڑھا کر دیتا ہے۔ اس رحیم وکریم کا حلم اتنا لامحدود ہے کہ کوئی انسان اپنے تصور میں بھی اس کا اندازہ قائم نہیں کر سکتا اس کی صفات نہایت اعلیٰ اور عظیم ہیں۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی قدردانی اور حلم کے بارے میں سوچنے لگیں تو ہماری آنکھیں ندامت کے آنسوؤں سے بھری رہیں اور ہم ہر لحہ اس قدر دان اور حلیم پروردگار کا شکر ادا کرتے ہیں۔

زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے۔

رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ

میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں ارشاد ہے کہ بے شک زندگی عطا کرنا اور زندگی چھین کر موت سے ہمکنار کر دینا اسی قادر مطلق کا کام ہے وہ جسے زندگی دینا چاہے اسے کوئی موت نہیں دے سکتا اور جسے موت سے ہمکنار کرنا چاہے تو پھر اس شخص کو کوئی زندگی کی نوید نہیں دے سکتا۔ وہ کائنات فطرت کی ہر شے کو زندہ رکھے ہوئے ہے اور ایک ایک ذرہ اس کے رحم وکرم سے زندگی کی نوید سنتا نظر آتا ہے عارضی زندگی جس کی معیاد اس پروردگار نے قائم فرما رکھی ہے اس کے بعد انسان موت سے ہمکنار ہو کر رہے گا۔ یہی دنیا کا دستور ہے یہاں بڑی بڑی حکومتوں کے شہنشاہ آئے بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں بڑے بڑے امراء آئے بڑے بڑے صاحب اقتدار آئے لیکن موت کے پنجے نے صفحہ ہستی سے ان کا نام ونشان تک مٹا دیا گیا۔ آج ہم یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ کون کب تھا یہ ایک روشن حقیقت ہے جس سے کسی کو فرار نہیں ہم انسانوں کو یہ حقیقت نظر بھی آتی ہے مگر پھر بھی ہم اتنے نافرمان اور کوتاہ چشم ہیں کہ اس حقیقت کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اور آخرت کا سامان تیار کرنے سے مکمل غفلت برتتے رہے ہیں۔ ہر حیوان، ہر آدمی، تمام مخلوقات، تمام فضائی مخلوقات سب کو جان اور زندگی عطا کرنے والا مالک الملک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ سب کو زندہ رکھے ہوئے ہے اور جب چاہتا ہے جسے چاہتا ہے موت دے دیتا ہے۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے۔

وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ

اور کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں مر سکتا۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اس روشن حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کوئی بھی ذی روح اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے کوئی بھی وجہ کیوں نہ ہو خواہ بیماری ہو، حادثہ ہو،

Marfat.com

قتل وغارت ہو یا جنگ وجدل ہو کوئی سانپ وغیرہ ہی کیوں نہ کاٹ لے زندگی کا اختتام اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہوتا ہے۔ اور جس کسی کو موت آتی ہے بلاشبہ وہ قادر مطلق کے حکم سے ہی آتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو کسی بھی جان کو موت نہیں آ سکتی۔ موت کی وجہ کو ہی محض موت کا سبب قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ موت ایک ایسا امر ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ناممکن ہے مثلاً جن لوگوں کی موت کا ابھی وقت نہیں آیا ہوتا وہ بڑی بڑی بیماریوں سے بچتے ہیں بڑے بڑے حادثوں سے بچ نکلتے ہیں پانی میں ڈوب کر بھی کسی سبب سے باہر نکل آتے ہیں اور قدرت انہیں کسی نہ کسی طرح بچا لیتی ہے سانپ وغیرہ کے کاٹنے کے باوجود بھی زندہ رہتے ہیں یعنی جن لوگوں کی زندگی کے مقررہ سانس ابھی باقی ہوتے ہیں وہ بڑے بڑے خطرناک مراحل میں بھی زندہ رہتے ہیں اس سے بخوبی یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ زندگی اور موت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اس نے ہی تمام جانداروں کی موت کا وقت مقرر کر دیا ہے۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ

اور اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا اور موت دیتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر بنی نوع انسان کو آگاہ فرمایا ہے کہ زندگی اور موت تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں بعض دہریوں کا یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایک بادشاہ کسی سے ناراض ہو کر اچانک اس کی موت کا حکم صادر کر دیتا ہے تو وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ کیونکہ اس آدمی کی موت کا اچانک بادشاہ حکم دے رہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آدمی کی موت کا وہ انداز اللہ تعالیٰ ہی کا مقرر کردہ ہے۔ اگر ہم اس آدمی کی زندگی کو دیکھیں گے تو ہمیں احساس ہو گا کہ اسے تقدیر نے گھیر رکھا تھا اس کا بادشاہ کے پاس آنا اور پھر اس سے کسی قصور کا سرزد ہونا اور اس کی پاداش میں موت سے ہمکنار ہونا یہ اس کی مقررہ تقدیر کے مطابق تھا اس لئے کسی بھی شخص کو جو حادثہ پیش آتا ہے اور اس کی موت کا سبب بنتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہوتا ہے اس لئے یہ یقین کرنا چاہئے کہ وہی پاک ذات ہے جو زندگی اور موت کا مالک ہے۔

سورۃ الاعراف میں ارشاد ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ

نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے وہی زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی سب کو زندہ کرتا اور موت سے ہمکنار کرتا ہے اور وہ ایسا زبردست حکمران ہے کہ جس کے اقتدار کو کبھی زوال نہیں۔ زندگی اس کی عطا کردہ نعمت ہے اور اسی کی اطاعت میں امن، راحت، خوشحالی اور نجات ہے زندگی اور موت کا مالک بھی وہی قادر مطلق ہے۔

سورۃ یونس میں ارشاد ہے

وَهُوَ يُحْيِ وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

"وہی زندہ کرتا ہے وہی موت دیتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمار ہا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی کی وہ پاک ذات ہے کہ زندگی اور موت جس کے اختیار میں ہے۔ وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے زندگی اور موت دونوں پر اسی کا اختیار ہے اور ہر جان کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور دنیا میں مقررہ وقت گزارنے کے بعد بالاخر ہر انسان کو اپنے اعمال سمیت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے اور وہ دن ایسا سخت ہوگا کہ جس کی ہیبت سے ہر دل کانپ اٹھے گا۔ دنیا کو ہی مقصد حیات بنانے والے اس دن اللہ تعالیٰ کے رعب و دبدبہ اور عظمت سے کانپ رہے ہوں گے نافرمانوں کو اس دن احساس ہوگا کہ وہ زندگی کو کس برے طریقہ سے گزار آئے ہیں۔ ہر اہل ایمان کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ آخرت کے دن کی جوابدہی کو ہمیشہ ہمیشہ نظروں میں رکھے۔

سورۃ الحج میں ارشاد ہے۔

وَأَنَّهُ يُحْيِ الْمَوْتَىٰ

"اور بیشک وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ مردوں کو زندہ کرنا اسی کے اختیار میں ہے اور وہی اس امر کا مالک ہے۔ مردہ زمین سے زندہ درخت کو وہی نکالتا ہے مرنے کے بعد وہی زندہ کرے گا اور قیامت کے دن ہر ذی روح جس کی خاک بھی معدوم ہو چکی ہوگی اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو کر اٹھ بیٹھے گا۔ کسی بھی مردہ کو زندہ کر دینا پروردگار عالم کے لئے کوئی مشکل نہیں اللہ تعالیٰ ہی زندگی اور موت کا مالک ہے اور مردوں کو زندہ اور زندوں کو مردہ کر دینا صرف اسی کے اختیار میں ہے۔

سورۃ الروم میں اس طرح ارشاد ہے۔

إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتَىٰ

"بے شک وہی زندہ کرتا ہے مُردوں کو"

اس آیت مبارکہ میں بھی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ وہی ہے جو مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور کسی مُردے کو زندہ کرنا اس کے لئے بالکل مشکل نہیں اس کا صرف ایک حکم ہی مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ بے جان کو زندگی عطا کرنا اس کی قدرت اور صفت ہے وہ جب چاہے جس وقت چاہے اور جسے چاہے زندہ فرما سکتا ہے۔

ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

سورۃ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيْلًا

''اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے آپ ہرگز نہ پائیں گے اس کے لئے کوئی راستہ''

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ہدایت اور بھلائی کی طرف اللہ تعالیٰ ہی راہنمائی فرماتا ہے یہاں ایک ایسا مسئلہ جنم لیتا ہے جس کو بہت سے دہریہ اور دوسرے نافرمان ہمیشہ چٹخارے لے لے کر بیان کرتے ہیں یعنی جب ذاتِ حق (معاذ اللہ) خود گمراہ کرتا ہے تو پھر عذاب کس لئے۔ اس کا جواب ہم دیتے ہیں۔

اعتراض کا جواب

اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ اور اس نے انبیاء کرام بھیجے تو اس لئے کہ وہ تمام انسانوں کو نیکی اور بھلائی کی طرف بلائیں اور اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے کی تلقین کریں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی مقام پر ارشاد نہیں فرمایا کہ فلاں شخص کو تو میری اطاعت کی دعوت دو اور فلاں کو نہ دو۔ اللہ تعالیٰ نے قطعاً ایسی تخصیص نہیں رکھی۔ اب جو لوگ ہدایت پاتے ہیں تو ان کی اپنی فطرت صالحہ ہوتی ہے۔ اس اختیار کے تحت جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمایا ہے اور جو نافرمان ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی فطرت میں سرکشی ہوتی ہے اس اختیار کے تحت جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرما رکھا ہوا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو بھلائی کی دعوت ہے جیسا کہ سورۃ نساء کی آیت میں ارشاد ہے

''جو پہنچتی ہے تجھے بھلائی تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو پہنچتی ہے تجھے برائی کی قسم سے تو وہ تیرے نفس سے ہے''

اس آیت مبارک سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو چاہتا ہے کہ لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کا کہا مانیں۔ جس آیت مبارکہ میں ارشاد ہے کہ ''جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے تو وہ کوئی راستہ نہیں پائیں گے'' کا مفہوم حقیقی تو یہ ہے کہ وہ لوگ جو نافرمانی کرتے کرتے بہت دور نکل جاتے ہیں یا جن پر نصیحت وہدایت اثر نہیں کرتی اور مسلسل احکام الٰہیہ کا مذاق اڑاتے ہیں یا جن کے دلوں میں نفاق اور سرکشی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے تو پھر ایک خاص وقت میں اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو جاتا ہے اور ان پر عذاب مسلط کر دیتا ہے اور نافرمانوں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے مہر لگانا عین حق ہے۔ جیسا کہ ہم بحث کر چکے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ پھر ارشاد فرما رہا ہے کہ جب نافرمان، نہایت سرکش اور ظالم اور بدطینت لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے تو پھر وہ کوئی دوسرا راستہ نہیں پاتے۔ کیونکہ عذاب ان کے لئے مقدر کر دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے مہر کردہ لوگوں سے منہ پھیر لیتا ہے۔

Marfat.com

سورۃ الانعام میں یوں ارشاد ہے۔

مَنْ يَّشَاءِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

"جسے چاہتا ہے اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے۔

اس آیت میں بھی بدفطرت اور صالح فطرت لوگوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ جو سرکش ہوتے ہیں۔ یا جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور جوابدہی کا یقین باقی نہیں رہتا تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی جستجو ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان کے لئے اپنے راستوں کو آسان کر دیتا ہے اور ان لوگوں کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرماتا ہے لیکن اس کے لئے شرط صرف یہی ہے کہ آدمی کے دل میں جستجو اور تڑپ ہونی چاہیئے اور اللہ تعالیٰ تو ایسا رحیم و کریم ہے کہ وہ اپنی طرف اٹھنے والے قدموں کو لازمی اپنا راستہ دکھاتا ہے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتا ہے۔

یہاں دہریہ ایک سوال کرتے ہیں۔

سوال: جیسا کہ آپ کہہ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے اہل جنت اور اہل دوزخ کو جانتا ہے تو پھر کیا تھا کہ انسان کو زمین پر بھیجا ہی نہ جاتا اور جنت دوزخ میں بھیجنے کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ جب اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ کونسے لوگ اہل ایمان ہونگے اور کونسے نافرمان تو پھر انبیاء کرام کو مبعوث کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: یہ ایک فضول سوال ہے جس کا جواب حاضر ہے۔ اللہ تعالیٰ بے شک لامحدود علم کا مالک ہے اور اہل جہنم کو اور اہل جنت کو بخوبی جانتا ہے یہ اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ہر ذرے کا اور مستقبل کے لمحے لمحے کا علم رکھتے ہے۔ اب رہا انسان کے دنیا میں بھیجے جانے کا سوال تو اللہ تعالیٰ انسان کو کوئی ایسا موقع نہیں دینا چاہتا کہ یہ بہانہ کر سکے کہ اسے مہلت نہیں دی گئی۔ اور کبھی یہ نہ کہے کہ ناحق اسے جہنم میں بھیج دیا گیا ہے اس لیے اس حجت کا پورا کرنا ضروری تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیج کر آزمایا کہ وہ دل کھول کر چاہے تو اطاعت کرے اور چاہے تو نافرمانی کرے تاکہ آخرت کے دن انسان کو جب اس کا نامہ اعمال دیا جائے تو پھر کسی کو یہ اعتراض نہ رہے کہ اسے مہلت نہیں دی گئی اور انسان کو دنیا میں بھیج کر حجت پوری کر دی گئی۔ اب رہ گیا انبیاء کرام کو مبعوث کرنے کا سوال یہ تو عام آدمی بھی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایسا نظام مقرر فرمایا ہے جس سے اس نے انسان کی آزمائش کی ہے اسکے لئے غیب پر ایمان" کی شرط عائد فرمائی ہے۔ اب یہ امر تو طے ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے اس دنیا میں کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ہی اس کے فرشتے ہم انسانوں کے سامنے آئیں گے۔ اس لیے ہدایت اور اللہ تعالیٰ کا پیغام بنی نوع انسان تک پہنچانے کے لئے انبیاء کرام مبعوث فرمائے گئے۔ اس لئے کہ انسان اپنے درمیان میں ہی اس کے منتخب کردہ خاص بندوں سے اللہ تعالیٰ کے آئین وضوابط کے بارے میں سن لیں اور اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا

Marfat.com

آوری کرتے دیکھ کر خود بھی اس راستے پر عمل پیرا ہوں۔ اگر انبیاء کرام مبعوث نہ کئے جاتے تو پھر قیامت کے دن حضرت انسان یہ بہانہ کرسکتا تھا کہ یا اللہ ہماری طرف تیرا پیغام نہیں آیا تھا۔ اور پھر انسانوں میں سے ہی خاص بندوں کا انتخاب اس لئے کیا گیا کہ انسان ان کو دیکھ کر ان کی تقلید آسانی سے کرسکیں۔ اور قیامت کے دن کسی شخص کو کسی قسم کا اعتراض نہ رہے اور وہ دیکھ لے کہ جملہ بشری عوارض کے باوجود انبیاء کرام نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور ان احکامات کی بجا آوری دوسرے انسانوں کے لئے کوئی مسئلہ نہ رہے۔

سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ

"جسے راہ پر لائے اللہ تعالیٰ وہی ہے سیدھے راستے پر چلنے والا اور جسے بھٹکا دے بس وہی ہیں نقصان اٹھانے والے"

اللہ تعالیٰ اس آیت مبارکہ میں ارشاد فرما رہا ہے کہ وہی صالح اور نیک انسان صراط مستقیم پر چل سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ سیدھا راستہ دکھائے اور اس کے لیے نیکی و پارسائی کے راستے آسان فرمادے۔ اور نافرمانی کے سبب وہ جس کے دل پر مہر لگادے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے تو وہی لوگ اصل میں نقصان اٹھانے والے ہیں اور قیامت کے دن یہی نافرمان اللہ تعالیٰ کے عذاب میں داخل ہوں گے۔ یہ عذاب ان کے کرتوتوں کی وجہ سے پہنچے گا اور اس روز ان کا کوئی غمگسار نہ ہوگا۔ جہنم کی ہولناک آگ دلوں کو بھی جلا ڈالے گی۔ اور جو سیدھے راستے پر چلے گا اور اللہ تعالیٰ جس کی اپنے راستے کی طرف راہنمائی کرے گا وہی کامیاب لوگ ہوں گے اور جنت کی نہایت اعلیٰ اور بے نظیر و بے مثال نعمتیں ان کا استقبال کریں گی۔ اس لیے ہر لمحے اور ہر وقت ہمیں اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگنا چاہئے کہ وہ ہمیں اپنے سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرمائے۔ ہمارے لئے نیکی و پاکبازی کے لئے اسباب بھی مہیا فرمادے۔

سورۃ الرعد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ اَنَابَ

"بے شک اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور ہدایت کرتا ہے، اپنی طرف جو (اسی کی طرف) رجوع کرے"

الحمدللہ اس آیت مبارکہ سے ہمارے اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔ جو ہم نے اختیار کیا ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے راستے کی طرف اس کی راہنمائی فرماتا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ظاہر فرمادیا ہے کہ جو بھی اس کی خوشنودی کی خواہش کرتا ہے اور اس کی رضا کے لئے اپنے قدم بڑھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اور

Marfat.com

اپنی رحمت سے اس طلبگار کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔شرط یہ ہے کہ آدمی کو جو دنیا میں اختیارات دیئے گئے ہیں ان کے تحت وہ دنیا کے دوسرے کاموں پر اور اپنی معاشی ضروریات پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کو ترجیح دے۔اور جب کوئی خوش نصیب اس کے راستے کا طلب گار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے حسب خواہش اپنے راستوں سے آگاہ فرماتا ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل میں اس طرف ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآ مِنْ دُوْنِهٖ

''اور جسے ہدایت کرے اللہ تعالیٰ سو وہی ہے راہ راست پر چلنے والا اور جسے وہ گمراہ کرے سو آپ نہ پائیں گے ان کے لئے کوئی دوست اس کے سوا''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلب گار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس کو ہدایت نصیب فرماتا ہے اور جو بدنصیب اپنی بدبختی کے سبب اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلب گار نہیں ہوتا تو اس پر نافرمانی کے پردے پڑ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے، ان سے اپنی رحمت ہٹالیتا ہے اور وہ شیطان کے دوست بن کر رہ جاتے ہیں۔اور وہ اتنے اندھے اور بہرے ہو چکے ہوتے ہیں کہ وہ اس حقیقت کو سمجھنے کے قابل بھی نہیں رہتے کے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تو کوئی دوست ہے اور نہ مالک اور نہ ہی کوئی بنی نوع انسان پر رحم کرسکتا ہے۔

سورۃ الزمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ هَادٍ

''اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اسے کوئی راستہ نہیں دکھا سکتا''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہا ہے کہ اگر وہ کسی سے اپنی رحمت دور کردے اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دے تو کوئی بھی اس بدنصیب کو ہدایت و اطاعت کا راستہ نہیں دکھا سکتا اور ایسے شخص کے مال و دولت اور تمام دنیاوی عہدے اور دبدبے بیکار ثابت ہوتے ہیں۔دنیا کی زندگی میں وہ نافرمان بھٹکتا پھرتا ہے بالآخر ذلت اور لعنت کا طوق گلے میں ڈال کر موت کی دہلیز عبور کر جاتا ہے۔ہر لمحہ ایک مومن کو سوچنا چاہیے کہ کہیں اس سے کوئی ایسی لغزش تو سرزد نہیں ہو رہی جس کے باعث اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔

سورۃ الشوریٰ میں ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ

''اور جس اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اس کے لئے پھر کوئی راستہ نہیں رہتا''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ایک بار پھر آگاہ فرمارہا ہے کہ خبردار رہو اور ہر لمحہ آگاہ رہو کہ جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ چھوڑ دیتا ہے اور جس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے تو پھر اس کے سدھرنے کا کوئی

راستہ باقی نہیں رہ جاتا ذلت و تباہی کی ہولناکیاں اور شیطانی قوتیں چاروں طرف سے اسے گھیر لیتی ہیں اور ان میں وہ بُری طرح اُلجھ کر رہ جاتا ہے اور اسی عالم میں وہ اگلے جہان کو سدھارتا ہے سو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کا طلبگار رہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے

سورۃ بقرۃ میں ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ

"اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ یعنی اے بنی نوع انسان اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ یوم حساب دور ہے بس وہ تو لمحوں کی بات ہے۔ اور اس کے آنے میں پلک جھپکنے کی بھی دیر نہیں وہ دن اچانک سر پر آ پہنچے گا اور اس روز کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔ سب دوست رشتہ دار، ماں باپ چھوڑ جائیں گے۔ دوست اپنے دوستوں سے، رشتہ دار اپنے رشتہ داروں سے، اور ماں باپ اپنی اولاد سے اور اولاد اپنے ماں باپ سے منہ چھپاتے پھریں گے۔ اس روز قادر مطلق کی جلالت و عظمت اور سطوت کے سامنے سب زبانیں گنگ ہوں گی اور نافرمانوں کو جہنم گھیرے میں جکڑے گی کیونکہ قیامت کا دن اللہ تعالیٰ نے حساب کے لیے مقرر فرما رکھا ہے۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ

"اور بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تاکید سے پھر یاد دہانی فرمائی ہے! آگاہ رہو کہ یوم حساب دور کی بات نہیں۔ اور جیسے ارشاد ہے کہ اس روز دنیا کے بارے میں لوگ خیال کریں گے کہ ایک لمحہ بھی سے زیادہ دنیا میں نہیں رہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ ماہ و سال اور گردش دوراں بس لمحوں کا کھیل ہے۔ اور انسان کو اس روز کا خوف ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس دن جلال خداوندی سے ہر دل دہل جائے گا اور بنی نوع انسان کے اوسان خطا ہو جائیں گے۔ اس دن وہی سرخرو ہوں گے جنہوں نے دنیا کی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کو ہمیشہ مقدم رکھا ہوگا اور اس کے احکامات کی تعمیل کی ہوگی۔ ورنہ انسان جب موت کے دروازے کو عبور کرتا ہے تو قبر میں اس کے ساتھ معاملات شروع ہو جاتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ قبر کا عذاب بھی کچھ کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس ہولناکی سے محفوظ فرمائے (آمین) ہمارے پاس مہلت عمل بہت کم ہے جس میں ہم چاہیں تو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کر کے اس کی رضا کے حصول کے امیدوار بن سکتے ہیں۔ لیکن اس کی لئے یقین کامل کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

سورۃ نساء میں ارشاد ہے۔

وَكَفىٰ بِاللّٰهِ حَسِيبًا

''اور بے شک اللہ تعالیٰ حساب کے لیے کافی ہے''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ لامحدود علم، لامحدود قدرت، اور لامحدود طاقتوں کا مالک ہے وہ تنہا ہی ذرے ذرے سے حساب لے سکتا ہے۔ اتنا زبردست اور غالب ہے کہ اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ انسان اللہ تعالیٰ کے دائرہ حکومت میں اس طرح جکڑا ہوا ہے کہ کسی اور طرف فرار نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ انسان کے لمحے لمحے سے باخبر ہے وہ ایک ایک پیسے ایک ایک دانے کا حساب رکھتا ہے اور یہ صرف دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ قیامت کے دن عملی طور پر اللہ تعالیٰ انسانوں کو ان کے اعمال سے آگاہ فرمائے گا تو انسان کی مارے شرمندگی کے آنکھیں جھک جائیں گی۔ وہ غفور الرحیم بھی ہے جسے چاہے جنت میں داخل فرمائے اور جسے چاہے دوزخ کے مہیب عذاب میں مبتلا کر دے جس میں جہنم کی بغیر دھوئیں کی آگ اسے جلا کر راکھ کر دے گی لیکن موت نہیں آئے گی اور یہ سخت عذاب جاری رہے گا۔

سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ

''اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے کہ وہ بہت جلد حساب لے گا۔ اور دنیا کے یہ ماہ و سال پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے۔ آپ خود دیکھ لیجئے کہ دنیا کو بنے کتنا عرصہ گزر چکا ہے۔ اگر اس کائنات کو زبان دے کر پوچھا جائے کہ کتنا عرصہ گزرا تو یہی جواب ملے گا کہ لمحوں کی بات ہے اور اچانک جس دن قیامت کی زنجیر چاروں سمتوں کو لپیٹ لے گی تو وہ دن ایک ہولناک دن ہوگا جس کی دہشت سے دل پھٹ جائیں گے اور انسان کا کلیجہ منہ کو آ جائے گا۔ اصل میں وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے حق دار ٹھہریں گے۔ قیامت کے دن کا حساب کچھ دور کی نہیں بلکہ بہت قریب کی بات ہے۔

سورۃ الرعد میں ارشاد ہے۔

وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ

''اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ایک بار پھر ارشاد فرما رہا ہے کہ انسان کو ہر لمحہ ہوشیار رہنا چاہئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور اعمال کی جوابدہی بہت دیر بعد پیش آنے والا واقعہ نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دن ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ اور اس دن وہ لوگ جن کے بائیں ہاتھوں

میں نامہ اعمال دیئے جائیں گے ان کے چہرے مرجھائے ہوئے ہوں گے۔ اس دن ہر جان کو مالک حقیقی اللہ تعالیٰ وحدہ کی بارگاہ جلالت مآب میں حاضر ہونا ہے اور اس دن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا جنت عطا فرمائے گا اور جسے چاہے گا دوزخ کی بے کراں اور اذیت ناک آگ کی وادیوں میں داخل کردے گا جس سے انسان کبھی بھی بچ کر باہر نہیں نکل سکے گا۔ اس دن وہ لوگ جو دنیا کی خاطر ہی زندہ رہے اور دنیا کے حصول کو مقصد حیات بنائے رکھا ان پر سخت لعنت ملامت کی جائے گی۔ اور انہیں جہنم کی وادیاں پلک جھپکنے میں جلا کر راکھ کردیں گی۔ مگر زیادہ اذیت کی بات یہ ہے کہ راکھ ہونے کے باوجود انسان زندہ رہے گا۔ وہ پھر راکھ بنے گا۔ اذیت کا یہ سلسلہ اس طرح جاری وساری رہے گا اور ہر جان کانپ اٹھے گی اور نافرمان انسانوں کو احساس ہوگا کہ وہ کتنی بڑی بھول میں تھے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے کتنا بڑا جرم کیا ہے۔ مگر اس وقت یہ احساس کسی کام نہیں آسکے گا کیونکہ اس دن کسی بھی توبہ کرنے والے کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی توبہ اور ایمان قبول کرنے کے دروازے بند کردیئے جائیں گے۔ توبہ اور ایمان لانا صرف دنیا کی زندگی میں قابل قبول ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ سچا ہوتا ہے

سورۃ یونس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلَآ اِنَّ وَعْدَاللّٰهِ حَقّ ’’ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

’’سنو! بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے‘‘

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ سچا ہوتا ہے سچائی اس کی صفت ہے اور جھوٹ ایک عیب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں کوئی عیب نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو وعدہ فرماتا ہے وہ بالکل سچ ہے وہ اپنے وعدوں میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا۔ جھوٹ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف وہی کرتا ہے جس کا باطن شیطان کی آماجگاہ ہوتا ہے اور جس کی غلیظ فطرت میں کفر نمایاں ہوتا ہے۔ ورنہ مومن اور اہل ایمان کبھی بھی خالق و مالک اللہ تعالیٰ وحدہ کی طرف جھوٹ کی نسبت نہیں کرتے۔ جھوٹ وہ بولتا ہے جو کسی سے خوفزدہ ہو یا لالچی ہو، یا کسی کی ناجائز خوشامد کرکے اس کی خوشی حاصل کرنا چاہتا ہو۔ ایسا کوئی نقص اللہ تعالیٰ میں نہیں ہے اس کی ذات اعلیٰ اور ہر عیب سے پاک ہے وہ عظیم ہے اسے کسی کا خوف نہیں، بلکہ کائنات کا گوشہ گوشہ اس کے جلال سے کانپ رہا ہے۔ اسے کسی چیز کا لالچ نہیں کیونکہ جہاں بھر کے خزانوں کا خود خالق ہے اور اسے ان خزانوں کی قطعاً احتیاج نہیں۔ وہ کسی کیا خوشامد کرے گا تمام کائنات تو اس کی عبادت وخوشامد کر رہی ہے اور اسکے سامنے سجدہ ریز ہے کوئی اس کے لشکروں کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس کا حکم ہی غالب ہے۔ اس کا وعدہ بھی سچا ہے۔ وعدہ کرکے اسے پورا

کرنا یقیناً قابل عزت سمجھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ جو حقیقی طور پر صاحب عزت ہے اور عزت و مرتبہ کا حقیقی مالک ہے وہ وعدہ کیونکر پورا نہیں فرمائے گا۔ اس لیے اس کے تمام وعدے برحق ہیں اور قیامت کے دن حساب کا وعدہ بھی یقینی ہے۔ دنیا میں اس نے انسانوں کو رزق دینے اور دیگر معاملات کے جو وعدے فرمائے ہیں حرف بحرف پورے ہو رہے ہیں۔ جنت و دوزخ کا وعدہ بھی برحق ہے۔

سورۃ الروم میں ارشاد ہے۔

وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ

"وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ تاکید فرما رہا ہے کہ اے انسانو! خبردار رہو۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے وعدوں کو ضرور پورا فرمائے گا۔ کیونکہ وعدہ پورا فرمانا اس کی صفت ہے لہٰذا قیامت بھی آئے گی۔ جنت اور دوزخ کا معاملہ بھی ہوگا اور وہ تمام وعدے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے ذریعے دیئے ہیں ضرور پورے ہو کر رہیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ہر جان سے موت کا وعدہ بھی پورا ہو رہا ہے۔ رزق عزت اور حفاظت کے لئے اس کے وعدے پورے ہو رہے ہیں۔ ہر جاندار کو رزق مل رہا ہے۔ دنیا کے طلب گاروں کو دنیا مل جاتی ہے اور یہ بھی اسی کا وعدہ ہے۔ آخرت کے طلب گاروں کو آخرت ملے گی یہ بھی اسی کا وعدہ ہے۔ انتہائی نافرمان ذلت میں مر جاتے ہیں یوں دلوں پر مہر کا اس کا وعدہ بھی پورا ہو رہا ہے۔ اور آخرت کو اللہ تعالیٰ تمام وعدوں کی تکمیل فرمائے گا۔ اہل جنت قسم قسم کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوں گے اور اہل جہنم دوزخ کے مہیب اور ہولناک عذاب میں پھنس کر رہ جائیں گے۔

سورۃ لقمٰن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ

"بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ پس نہ دھوکا دے تمہیں دنیا کی زندگی اور نہ دھوکا دے تمھیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آخرت بالکل سچ اور حق ہے۔ یاد رکھو کہ دنیا کی زندگی کی عارضی رنگینیاں تمہیں دھوکا دے کر تباہ نہ کر دیں۔ کیونکہ دنیا کی زیب و زینت اور اس میں جاہ مرتبہ کی خواہش دل کے لئے بہت بڑی آفت ہے اور اہل ایمان کے لئے بہت بڑی آزمائش۔ دنیا چاروں طرف سے اہل توکل اور اہل ایمان پر حملہ آور ہوتی ہے تاکہ ان کے دل سے آخرت میں جوابدہی کا خوف مٹا دے۔ ان کے دلوں سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نور کو ختم کر دے مگر ان لمحات میں ہر وقت باخبر رہنے کی ضرورت ہے چاہیے کہ ایمان کی دولت دلوں میں یقین کے ساتھ قائم رہے اور انسان کو کبھی دنیا میں جاہ و مرتبہ کے حصول کی جھوٹی اور فانی خواہش اختیار کر کے جہنم کا ایندھن نہیں بننا چاہیے۔ جو آخرت کا طلب گار ہوا سے لمحہ لمحہ استغفار کرتے رہنا چاہئے تاکہ دل آلائشوں سے

Marfat.com

محفوظ رہے۔ دنیا کی زندگی کی محبت اسے ہلاکت میں مبتلا نہ کر دے۔ خواہشات دنیا کے ساتھ ساتھ شیطان ایسا خطرناک اور ملعون دشمن ہے جو انسان کا مرتے دم تک پیچھا نہیں چھوڑتا اور انسان کی تباہی اور ہلاکت کا خواہش مند رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان ایسے وسوسے پیدا کرتا ہے جو اسے ذہنی طور پر متزلزل کیے رکھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی لامحدود صفات پر ایمان کوئی اتنا الجھا ہوا مسئلہ نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آتا ہو۔ دیگر نشانیاں تو الگ رہیں انسان اپنی جسمانی ساخت، اس کے ارتقاء اور اپنے اندرونی نظام کو ہی دیکھ لے تو اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل کے لئے یہی کافی ہے۔ مگر اس کے لئے تسلیم و رضا والا دل ہو تو بات بنتی ہے۔ ہر اہل ایمان کو یہ یقین ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بالکل سچا ہوتا ہے اور موت کے بعد زندگی اور قیامت کے دن حساب کا وعدہ بھی بالکل سچا ہے۔

سورۃ المومن میں ارشاد ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

"پس صبر کیجئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو تسلی دے رہا ہے کہ کوئی کافر یا بدخواہ کیوں نہ کچھ کہتا پھرے ان سے گھبرائیں نہیں۔ ان کی یہ مستیاں بس دنوں کی بات ہے آخرت میں انہیں جو سزا ملے گی اس کے تصور سے ہی انسان کانپ اٹھے گا شروع دن سے ہی معرکہ خیر و شر جاری ہے۔ شیطانی قوتوں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ستایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ظلم کا نشانہ بنایا ہے حتیٰ کہ کفار کبھی بھی اہل ایمان و یقین سے اذیت ناک انداز سے پیش آنے سے باز نہیں آتے اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس طرح تسلی و تشفی فرما رہا ہے کہ اے اہل اطاعت فرمانبردار بندو! ان کے ہر قسم کے مظالم پر صبر کرو بس دیکھتے رہو وہ دن دور نہیں جب تم اپنے صبر کا پھل پاؤ گے اور تمہیں جنت کی دلکش اور پرفضا وادیوں میں داخل کر دیا جائے گا جہاں قسم قسم کی نعمتیں، اور حوریں تمہارا استقبال کریں گی۔ جو دنیا میں اتراتے پھر رہے ہیں اور اپنی جھوٹی انا کے لئے سچائی کے ہر راستے سے منہ موڑے ہوئے ہیں انہیں دردناک سزا ملے گی ایسی سزا کہ جس کے حصار سے نکلنا محال ہے یہ نافرمان کہیں بھی کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے اس لیے دنیا کی چندروزہ زندگی میں ان نافرمانوں کے کرتوتوں پر صبر کر لیا جائے تو بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے

سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو زندگی میں چند لمحوں کی' جو عمل کی مہلت عطا فرمائی ہے اس میں سب سے بڑا احسان یہ فرمایا ہے کہ گنہگاروں کے لئے توبہ کا دروازہ کھول دیا ہے توبہ کر کے انسان

ایک نئی پارسا زندگی شروع کر سکتا ہے۔ توبہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ تلقین فرمائی ہے اور صدق دل سے کی جانے والی توبہ کی قبولیت کا یقین بھی دلایا ہے۔ توبہ قبول کر کے انسان کو ایک نئی زندگی شروع کرنے کا حوصلہ دینا اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور مغفرت کی ایک روشن نشانی ہے اور اس کے رحیم و کریم ہونے کی ایک نہایت نورانی مثال ہے۔ وہ اپنے دروازے پر آنے والوں اور جھکنے والوں کو کبھی مایوس اور خالی واپس نہیں لوٹاتا اور اپنے حضور گڑگڑا کر رحمت اور بخشش طلب کرنے والوں کی جھولیاں بھر دیتا ہے اس سے اہل ایمان کو فائدہ اٹھانا چاہئے اور اس سے پہلے کہ وہ سخت لمحات آ جائیں جب کوئی کسی کا پرسان حال باقی نہیں رہے گا اللہ تعالیٰ کے حضور صدق دل سے توبہ کرنا چاہئے۔

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

''بے شک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ بخشش اور رحمت اس کی لامحدود صفات ہیں۔ وہ اپنے دروازے پر آنے والوں پر بے حد وحساب رحمت فرماتا ہے اور قیامت کے دن ان کی مغفرت بھی فرمائے گا۔ وہ اتنا رحیم ہے کہ اس کی رحمت دنیا میں بھی عام ہے دنیا میں نافرمانوں کو رزق ملنا بھی اس کے حلم کی مثال ہے۔ کیونکہ نافرمانوں کو جو وافر رزق دیا جاتا ہے درحقیقت وہ عذاب کی طرف ان کی گرفت ہوتی ہے اس لئے وہ رحمت کے زمرے میں نہیں آتا بلکہ گرفت کے زمرے میں آتا ہے۔ یعنی وہ دنیا کے طلبگاروں اور نافرمانوں کو مہلت دیتا ہے اور رزق کی فراوانی سے ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے اس لئے یہ رحمت نہیں بلکہ ناراضگی کا پہلو ہے اور نافرمانوں کو کثرت سے رزق دینا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے کہ وہ ان کی نافرمانیوں ایک خاص وقت تک مہلت دے فرما رہا ہے اور جس دن روز حساب آئے گا تو وہ اپنے وعدے کے مطابق نافرمانوں کو جہنم کی وسیع و عریض آگ کے شعلوں کے حوالے کر دے گا۔ جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور قیامت کے دن کی سختی سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کر کے ان پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ رَؤُفٌ بِالْعِبَادِ

''اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ظاہر فرما رہا ہے کہ جو لوگ اس پر ایمان لائے ہیں اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی رضا ہمیشہ مقدم رکھتے ہیں بلاشبہ ان پر وہ بہت مہربان ہے انہیں دنیا میں بھی امان میں رکھتا ہے اور آخرت میں تو جو انہیں انعامات دیئے جائیں گے ان کا احاطہ کرنا بھی مشکل ہے۔

Marfat.com

سورۃ نساء میں ارشاد ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفِرُ وااللّٰهَ وَاسْتَغْفَرلَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوااللّٰهَ تَوَّاباً رَّحِيْمًا

''اور اگر وہ لوگ جب انہوں نے ظلم کیا تھا اپنی جانوں پر، آجاتے، رسول کے پاس، پھر معافی مانگتے اللہ تعالیٰ سے اور بخشش مانگتے ان کے لئے رسول بھی۔ تو البتہ پاتے وہ اللہ تعالیٰ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا رحم والا''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ گنہگاروں اور عاصیوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہئے اور خود رسول اللہ ﷺ سے بھی عرض کرنا چاہئے کہ ہمارے لیے دعا فرمائیں۔ جب حضور ﷺ ان کی سفارش فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ یقیناً ان کی طرف رجوع فرمائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ حکم تو رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں تھا اور لوگ آپ ﷺ سے مغفرت و بخشش کی دعا کرواتے تھے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر کامل ایمان ہونا چاہئے اور حضور ﷺ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی بخشش طلب کرنی چاہیے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو وسیلہ کے قائل نہیں۔

سوال: اس موقع پر بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ خود سمیع وبصیر ہے اس لئے حضور ﷺ کے وسیلہ کی گنجائش نہیں کیونکہ وہ خود دیکھتا ہے اور سنتا ہے اور انسان کے ظاہر و باطن سے اچھی طرح واقف ہے پھر وسیلہ کیوں اختیار کیا جائے کیا وسیلہ اختیار کرنا ناجائز نہیں ہے۔

جواب: یہ سوال بہر حال اپنی جگہ اہم ہے اور اس کا جواب بھی ہم اس طرح دیں گے کہ پڑھنے والوں کو کوئی شبہ نہ رہے یہ نظام کائنات جو فانی ہے ایک مخصوص انداز پر چل رہا ہے مثلاً بادل آتے ہیں تو بارش آتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ بادل کے بغیر بھی بارش برسانے پر قادر ہے۔ سورج نکلتا ہے تو دھوپ آتی ہے اور روشنی ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ بغیر سورج کے بھی دھوپ نکالنے پر قادر ہے زمین میں بیج ڈالا جائے تو درخت یا پودا پیدا ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ درخت اور پودے پیدا کرنے کے لئے کسی بیج کے زمین ڈالے جانے کی ضرورت محسوس نہیں فرماتا اور کئی خودرو پودے اس کے گواہ بھی ہیں۔ انسان کو عورت اور مرد سے پیدا کرتا ہے حالانکہ اس کے لئے مرد اور عورت کے بغیر بھی پیدا کرنا اُس کے لیے آسان ہے۔ اسی طرح نظام ہدایت میں اس نے انبیاء کرامؑ مبعوث فرمائے ہیں اور ان کو زمین میں اپنا رسول یا نبی مقرر فرمایا ہے اور لوگوں کے ایمان کے یہ شرط مقرر کی ہے کہ ان رسولوںؑ اور نبیوںؑ پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور پھر ایمان کے اظہار کے لیے ایسا کلمہ عطا فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدت کے ساتھ ساتھ ان رسولوںؑ یا نبیوںؑ کی نبوت و رسالت کا بھی اعتراف موجود ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا

قائم کردہ نظام ہے۔ اگر تنہا اللہ کی وحدت پر ایمان لایا جائے اور ان انبیاء، رسولوں، کتابوں اور فرشتوں پر ایمان سے پہلوتہی کی جائے تو بھی اللہ تعالیٰ ایسا ایمان قبول نہیں فرماتا کیونکہ اس کا حکم ہے کہ انبیاءؑ پر اور کتابوں پر بھی ایمان لانا لازمی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدت کے اقرار کے ساتھ ساتھ رسولوںؑ اور انبیاءؑ کی نبوت و رسالت کا اعتراف ضروری ہے۔ اس حقیقت پر ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ بندے کا ایمان قبول فرماتا ہے (قرآن مجید کی آیات کے حوالہ سے)

اب رہا اللہ کے پاک بندوں کے وسیلہ کا معاملہ تو ان کے وسیلہ کے ساتھ دعا کرنا قطعاً شرک نہیں ہے کیونکہ اگر ایسے وسیلہ میں شرک کا پہلو نمایاں ہوتا تو کلمہ ایمان و اقرار توحید میں انبیاءؑ کی نبوت و رسالت کا ذکر نہ ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ قطعاً اہل ایمان کو یہ ہدایت نہ فرماتا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر بخشش و مغفرت کی دعا کی درخواست کرو۔ اور پھر یہ قطعاً ارشاد نہ ہوتا کہ "جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔" اب اس آیت کا مفہوم دلالت کرتا ہے کہ انبیاء کرام کی اطاعت و تقلید' دراصل صراط مستقیم ہے یعنی جو انبیاء کرامؑ طرز زندگی اختیار کرتے ہیں وہی قابل اطاعت ہے صحابہؓ دعا تو گھر میں خود بھی کر سکتے تھے۔ اور پھر وسیلہ میں یہ قطعاً نہیں ہوتا ہے کہ دعا کرنے والے یا کسی نیک آدمی ہی سے حاجت مانگنے لگیں بلکہ درحقیقت مانگا تو اللہ تعالیٰ سے جاتا ہے جس طرح اس نے ایک نظام عطا فرمایا ہے۔ ماں باپ کی دعا اور بددعا اولاد کے حق میں قبولیت کا درجہ رکھتی ہے۔ استاد کی دعا شاگرد کے حق میں خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بھی وسیلہ کے درست ہونے پر دلالت کرتا ہے کہ ایک دفعہ بارش کی دعا کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز استسقاء کے لیے مدینہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ (حضور ﷺ کے چچا محترم) کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگی جو قبول ہوئی (صحیحین) اللہ تعالیٰ کو حضور ﷺ کے دین کے سوا کوئی دین قبول نہیں' حضور ﷺ کے طریقے کے سوا کوئی دوسرا طریقہ قبول نہیں' اور پھر اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتا ہے اور آپ ﷺ کی تابعداری کو ایمان قرار دیتا ہے اور اسی سورۃ نساء میں ارشاد ہے کہ "جب تک لوگ آپ ﷺ کو اپنا حاکم نہ مان لیں اور آپ ﷺ کی تابعداری دل سے نہ کریں تو یہ مومن نہیں ہو سکتے۔" اسی سے آپ اندازہ کر لیں کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی اطاعت اور آپ پر غیر متزلزل ایمان کا حکم دے رہا ہے۔ اب ان امور کو سامنے رکھ کر اگر حضور ﷺ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی بخشش کی دعا کی جائے تو یہ یقینی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائے گا اس سے ثابت ہوا کہ وسیلہ نہ شرک ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی بلکہ اسلاف' صحابہ کرام اور علماء حق سے یہ ثابت ہے۔ کیونکہ مانگا تو اللہ تعالیٰ سے جاتا ہے شرک اس صورت میں ہوگا جب وسیلہ ہی کو حاجت روا سمجھ لیا جائے۔

دلیل

جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نماز سے مدد لو اور نماز سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرو تو نماز بھی وسیلہ ٹھہری جب کہ نماز بھی مخلوق ہے اور جیسے ہم حج کو گناہوں کی بخشش کا وسیلہ ٹھہراتے ہیں۔ لیکن حج بھی ایک عمل ہے اور اس میں کافی ارکان حج سابقہ انبیاء کرام کی نشانیاں ہیں حجر اسود کو ہم گناہوں کی بخشش کا وسیلہ ٹھہراتے ہیں اور اسے بوسہ دیتے ہیں جب کہ گناہوں کا معاف کرنا حجر اسود کے اختیار میں نہیں ہے کیونکہ یہ جنت کا ایک پتھر ہے اور حضور ﷺ کے غلاموں کو ایسی بے شمار جنتیں ملیں گی۔ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں تو کعبہ بھی نماز کی سمت کا وسیلہ ہوا۔ اور جب کہ کعبہ

Marfat.com

انسان خطا کا پتلا ہے۔ یقیناً اپنی زندگی میں وہ بڑے بڑے گناہ اور بڑے بڑے ظلم کرتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا دروازہ بے کراں وسعتوں کا حامل ہے ہر قسم کے گناہ گار کی توبہ کے قبول ہونے کا امکان ہے بشرطیکہ وہ انسان اسی دنیائی زندگی میں موت آنے سے پہلے صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب اور خواہش مند بن جائے پھر اللہ تعالیٰ بندے کے عیبوں کو چھپاتا ہے۔ اس کی رحمت ہر جھکنے والے کا استقبال کرتی ہے۔ جب کوئی بھی بندہ اپنے پروردگار کے حضور صدق دل سے ثابت قدم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہدایت کے راستے کھول دیتا ہے۔ تاکہ وہ بندہ اس فانی زندگی میں بھی اپنے ان جرائم کا ازالہ کر سکے کہ جن کے باعث لوگوں کو تکلیف پہنچی۔ اس لیے کسی بڑے سے بڑے مجرم کو یہ سوچ کر اللہ تعالیٰ کے دروازے سے قدم پیچھے نہیں ہٹانا چاہئے کہ نہ جانے وہ توبہ قبول کرے یا نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ بے حد مہربان ہے۔ زندگی فانی اور چند روزہ ہے اس لیے جس وقت بھی یہ سوچ آجائے اور دل میں توبہ کا ارادہ بن جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنے میں لمحے کی دیر نہیں لگانی چاہئے ہو سکتا ہے وہ دن زندگی کا آخری دن ہو اور وہ رات زندگی کی آخری رات ہو۔ توبہ کے بارے میں بہت سی قرآنی آیات نازل ہوئی اور بہت سی احادیث ہیں اور توبہ ہم گناہ گاروں کے لئے بہت بڑا سہارا ہے لیکن توبہ ایسے کی جائے کہ موت تک شیطانی قوتیں مل کر بھی اسے دوبارہ نہ بہکا سکیں۔

سورۃ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"بے شک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور قدرت والا ہے"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حد مہربان اور یقیناً معاف فرما دیتا ہے اور معاف کر دینا یا سزا دینا اس کی قدرت کے اختیار میں ہے اس لئے ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا طلبگار رہنا چاہئے۔ وہ بے حد مہربان لامحدود قوتوں کا مالک اور خالق ہے۔ اور اس آیت میں تاکید سے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ بے شک وہ بہت بڑا معاف فرمانے والا اعلیٰ و برتر ذات اقدس [illegible]

Marfat.com

''پس اللہ تعالیٰ ہی بہتر محافظ ہے اور وہی سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے''

اس آیت میں فیصلہ کن انداز میں ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ بیشک صرف اللہ تعالیٰ ہی حقیقی معنوں میں سب سے بڑا محافظ ہے اور اس سے زیادہ کوئی رحم کرنے والا بھی نہیں۔ وہ ایسا رحیم و کریم ہے کہ جس کی رحمت نے نظام عالم کو اپنے حصار میں لے رکھا ہے جس کا وہ محافظ ہو جائے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور جس پر وہ رحم فرمائے اسے کسی اور کے رحم کی تمنا باقی نہیں رہ جاتی۔ اور زمین کا گوشہ گوشہ اس کے لیے رحمت کی تصویر بن جاتا ہے۔

سورۃ الرعد میں یوں ارشاد ہے۔

وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَۃٍ لِلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ

شب رحمت کے مظاہرے اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کا مظہر ہیں۔ اور اس کی مغفرت عام ہے۔ بشرطیکہ کوئی صدق دل سے اس کی بارگاہ میں سر جھکا دے۔ اس کی رحمتوں کا احاطہ کرنا محال ہے۔

سورۃ الشعراء میں ارشاد ہے۔

وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمِ

اور بے شک آپ کا پروردگار ہی غالب اور رحم فرمانے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ بغیر کسی شک و شبہ کے اس بات پر ایمان رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا پالنے والا ہے اور ہر ایک ذرے پر غالب ہے لامحدود طاقت و لامحدود غلبہ کے باوجود اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے کہ وہ اپنے دروازے پر جھکنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔ اور اس کی رحمت بڑھ کر گناہ گاروں کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے اور انہیں رحمت و مغفرت کا مژدہ سناتی ہے۔ اس کا علم لامحدود ہے اس کی رحمت بھی لامحدود ہے اور اس رحیم و کریم اللہ تعالیٰ کے دروازے پر رحمت و مغفرت طلب کرنا ہی اصل دانش ہے بلاشبہ وہی بندے کامیاب ہیں۔ جو اس کی رحمت لامحدود وسعتوں میں پناہ تلاش کرتے ہیں۔

نفع ونقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

سورۃ الانعام میں ارشاد ہے۔

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

''اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف تو نہیں دور کرنے والا اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ اور اگر تجھے وہ بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اگر اس کی طرف سے کسی کو نقصان پہنچے تو

Marfat.com

منصوبے بنا سکتا ہے۔ کام کرسکتا ہے مگر ان کاموں میں نفع، نقصان دینا صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ محنت نہ کی جائے۔ محنت کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ اسباب کی دنیا ہے اور محنت کے بعد اس کا صلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر کسی کو آزمائشی طور پر نقصان دے اور بندہ ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ اس صبر کرنے والے بندے کو نوازتا ہے اور دوسری صورت میں نافرمانوں اور ناشکروں کو نقصان پہنچتا ہے جو عذاب کی ایک علامت ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے بھلائی اصل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے قلب و عقل میں اپنا نور ہدایت عطا فرمادے۔ اور اس بندے سے شیطانی وسوسوں اور مکروہ دنیاوی خواہشات کو دور فرمادے۔ قیامت کے دن جب سب دل دہل رہے ہوں گے۔ اور ہر انسان خوف کے مارے کانپ رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمانبردار کو جنت کی دلکش اور اعلیٰ وخوبصورت وادیوں

Marfat.com

ہوتی۔ بلکہ وہ ان خواہشات کی پرواہ کئے بغیر کماتے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہیں اور خرچ بھی اس کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔ ان کے اموال میں اللہ تعالیٰ کا حصہ ہوتا ہے اور ان کی پوری زندگی میں مرکزی اہمیت رضائے الٰہی کی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اگر دنیا میں نقصان پہنچے تو وہ قطعاً عذاب نہیں ہوتا بلکہ خالصتاً درجات بلند کرنے کے لئے آزمائش ہوتی ہے اس لئے اگر صاحبان ایمان و یقین کو دنیاوی تکلیف میں دیکھا جائے تو سمجھنا چاہئے کہ ان کا پروردگار انہیں آزمارہا ہے۔ اور اس کے بدلے میں ان کی اخروی مشکلات بھی انشاء اللہ تعالیٰ دور ہوں گی۔ اور آخرت میں انہیں ایسا فضل و کرم عطا ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ رزاق ہے

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَاب

اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا فرماتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کو رزق عطا فرماتا ہے کیونکہ تمام جہانوں کو وہی پالنے والا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ جسے وہ زیادہ سے زیادہ رزق دینا چاہے عطا فرما دیتا ہے۔ اور بے حساب عطا فرما دیتا ہے یہ بھی اس کے اختیار میں ہے کہ اس دنیا میں بھی نیک لوگوں کو بے حساب رزق عطا کر دے خزانے عطا فرمائے اور آخرت میں بھی بے حساب نعمتوں سے سرفراز فرما دے۔ حدیث قدسی میں ہے۔ اے ابن آدم تو میری راہ میں خرچ کر میں تجھے دیتا ہی چلا جاؤں گا۔ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے سے تنگی کا خوف نہ کرو اور قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے وما انفقتم من شئی فان الله يخلفه تم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ صحیح حدیث میں ہے ہر صبح دو

ہو گئیں۔ باقی اصل مال تو وہ ہے جو انسان نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا۔ جس کا بدلہ اسے قیامت کو کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا۔ باقی کا مال تو انسان دوسروں کے لئے چھوڑ کر چل دیتا ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے۔ دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو۔ دنیا اس کا مال ہے جس کا مال نہ ہو۔ اور دنیا کے لیے وہ جمع کرتا ہے جس کی عقل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی تو عادت ہے کہ جب عطا کرتا ہے تو دنیا کے پیمانے اسے ماپنے میں ناکام رہتے ہیں۔

سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

بے شک اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے رزق عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ صرف انسانوں کو ہی رزق نہیں دے رہا۔ جمادات، نباتات، سورج، ستارے۔ سمندر، زمین اور اس کی کل مخلوقات کو وافر رزق مل رہا ہے سمندروں میں تیرنے والی ہزاروں من وزنی مچھلیوں اور بھاری جانوروں کو دیکھئے ان کو بھی رزق مل رہا ہے۔ ایسے ایسے بڑے بڑے جانور جن کو انسان دو وقت کی خوراک نہیں دے سکتے۔ ایسے لاکھوں کروڑوں قوی الجثہ آبی جانوروں کو رزق مل رہا ہے اور جب سے ان کو تخلیق کیا گیا ہے ان کے رزق کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ شہد کی مکھی سے لے کر عقاب تک ہر ذی روح اپنی جگہ خوش اور مطمئن ہے سورج جیسے زمین سے لاکھوں گنا بڑے کرے میں حرارت کے رزق میں کمی نہیں آئی۔ جب سے تخلیق کیا گیا ہے چمک دمک کر زمین اور ارد گرد کے ماحول کو روشن کر رہا ہے اور حرارت پہنچا رہا ہے۔ سمندروں اور دریاؤں کو دیکھئے۔ غرض کہ ذرے ذرے کو رزق عطا کیا جا رہا ہے۔ خالق کائنات کی عظمت وجلالت کا یہ عالم ہے کہ اس کے رزق کے خزانوں میں قطعاً کمی نہیں آتی۔ آج کے دور کو لیجیے جب انسانوں کی آبادی چند لاکھ تھی تب بھی انہیں رزق ملتا تھا۔ جب کروڑوں تک پہنچی تب بھی انہیں رزق ملتا رہا۔ اور اب جب اربوں تک پہنچ چکی ہے تب بھی رزق مل رہا ہے اور سب انسانوں کو اللہ تعالیٰ رزق تقسیم فرما رہا ہے انسان ہی اپنی کم ہمتی اور غلط منصوبہ بندی کے باعث زمین سے بھرپور پیداوار لینے سے قاصر ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔

سورۃ ہود میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ زمین پر جو جاندار انسانوں کو نظر آتے ہیں ان سب کو رزق اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ مثلاً اکثر ایسے جاندار ہیں جن کا انسان سے کوئی واسطہ نہیں۔ سوائے چند ایک پالتو جانوروں کے اور ان پالتو جانوروں کو اگر انسان چارہ ڈالتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا

Marfat.com

پیدا کردہ ہے۔ اور اس چارے میں بھی وہ انسان کے محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ انسان ہی ان کو اپنے قبضہ میں رکھ کر ان سے بے شمار کام لیتا ہے وہ اپنے رزق میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ جنگلی حیات کو لیجئے، پرندوں کو لیجئے آبی زندگی کو دیکھئے یہ سب اللہ تعالیٰ کے دستر خوان پر رزق حاصل کر رہے ہیں۔ اور انسان ان مظاہر فطرت کو کیا رزق دے گا بلکہ انہیں بے رحمی سے اپنا نشانہ بنا ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رزق کے خزانے ہر وقت تقسیم ہو رہے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان ذخیروں میں کبھی کمی نہیں آتی۔ درخت کے ایک ایک پتے کو وہی قادر مطلق خوراک دے رہا ہے۔ بلکہ انسانوں کے لئے جو پودے خوراک تیار کرتے ہیں ان کو رزق بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہر ایک شے کا محافظ ہے۔ زمین کے اندر رہنے والے جاندار ہوں۔ یا فضا میں نظر نہ آنے والے ان گنت ہزاروں مخلوقات کی اقسام وہ سب کی سب زندگی اور موت کے مراحل بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے طے کرتی ہیں۔ اور انہیں حسب ضرورت ہر قسم کی خوراک اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عطا ہوتی ہے۔

سورۃ الرعد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ

اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہے رزق کھول دیتا ہے اور جس کا چاہے کم کرتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کسی بھی جاندار کے رزق میں اضافہ کر دینا یا کم کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کوئی انسان بھی خواہ وہ حاکم وقت ہی کیوں نہ ہو انسان کا رزق نہ تو بڑھا سکتا ہے اور نہ ہی کم کر سکتا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی رضا مندی شامل نہ ہو۔ اور دنیا کے تمام اسباب کو بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرما دیتا ہے۔ اور اس سے بندوں کو آزماتا ہے۔ بعض خوش نصیب تنگی رزق میں بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل کرتے ہیں اور اس شکر کے بدلے اللہ تعالیٰ ان پر رزق کے دروازے کھول دیتا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔

لئن شکر تم لازید نکم

تم میرے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں تمہارے رزق میں اضافہ کر دوں گا۔

اس لیے ایک صاحب یقین مسلمان کے لیے ہر حال میں شکر کرنا اسے دنیا اور آخرت میں کامیاب کامران رکھے گا۔

سورہ الروم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اولم یرو ان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر

کیا انہوں نے انہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ہی جس کا رزق چاہے کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہے کم کرتا ہے۔

Marfat.com

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ استفسار فرما رہا ہے۔ کہ کیا لوگ دیکھتے نہیں۔ یہ تو عموماً دیکھنے میں آتا رہتا ہے کہ کسی کے پاس بہت سی دولت آجاتی ہے اور کوئی دو وقت کی روٹی بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ آزمائش کا سلسلہ روز اول سے جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ جس کا رزق بڑھا دے۔ یا جس کا کم کر دے۔ لیکن اس کے باوجود اس نے غرباء کی امداد کے لیے اسلام میں ایک مکمل ایک اقتصادی نظام جاری و ساری فرمایا ہے جو زکوۃ، صدقہ و خیرات کے ذریعے ہے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے عام حالات میں بھی غریبوں کی امداد کا حکم صادر فرمایا ہے تاکہ اگر کسی پر غریبی کا وقت آجائے تو زندگی اس کے لئے عذاب ثابت نہ ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ضرورت سے زیادہ مال و دولت جمع کرنے سے منع فرمایا ہے اور ارشاد ہے کہ ایسے لوگ جو دولت کو تجوریوں میں بند رکھتے ہیں۔ اور اس سے کسی ضرورت مند کی امداد نہیں کرتے۔ قیامت کے دن یہی دولت دہکا کر ان کے جسموں پر لگائی جائے گی۔ سورہ الزخرف میں ارشاد ہے۔

نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُم مَّعِيشَتَهُمۡ فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا

اور ہم نے ہی تقسیم کیا ان کے درمیان دنیا کی زندگی کا رزق۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ دنیا میں تمام انسانوں کی زندگی کا رزق وہی تقسیم فرماتا ہے۔ اور انسانوں سمیت ہر قسم کی مخلوقات کو رزق عطا کرنا صرف اسی کے اختیار میں ہے یہ دنیا کی زندگی کا رزق بھی دنیا کی زندگی کی طرح عارضی اور فانی ہے۔ عقلمند وہ ہیں جو اس عارضی آسائش میں مبتلا ہو کر آخرت کو نہیں بھولتے۔ بلکہ ہر لمحہ آخرت کا خوفزدہ کر دینے والا دن ان کے پیش نظر رہتا ہے۔ اگر انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بہت سا عطا فرمائے تو وہ اسے آزمائش سمجھتے ہیں اور اس پر وہ قطعاً نہیں اتراتے۔ بلکہ ہر لمحہ شکر کرتے ہیں۔ ان کے دروازے پر اگر کوئی سوالی آجائے تو وہ اسے خالی واپس نہیں لوٹاتے۔ بلکہ ان کی حسب استطاعت امداد کرتے ہیں۔ یہ چند روزہ دنیاوی زندگی کا رزق ان بندگان الٰہی کو قطعاً دھوکے میں نہیں ڈالتا۔

سورہ الذریت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّةِ الۡمَتِيۡنُ

اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا۔ قوت بڑھانے والا اور غالب ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہی درحقیقت سب کو رزق دیتا ہے طاقت اور قوت بھی وہی عطا کرتا ہے اور وہی تمام کائنات پر غالب ہے اور اس کی حکومت سے کوئی باہر نہیں۔ وہ ایسا عطا کرنے والا ہے کہ اگر اس سے نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہو جاتا ہے۔ اور مانگنے والوں کو نوازتا ہے۔ وہی طاقت اور قوت عطا کرتا ہے اس کی عطا کردہ طاقت اور قوت سے ہم روزمرہ کے فرائض سر انجام دیتے ہیں۔ اس کی عطا کردہ قوت سے ہی نماز اور دیگر ارکان دین کی ادائیگی کرتے ہیں۔ ہماری

Marfat.com

زبانوں میں بولنے کی صلاحیت اس کے لطف و کرم کی بدولت ہے۔ ہماری آنکھوں میں دیکھنے کی قوت اس قادر مطلق کا انعام و عطا ہے۔ اور اس مقررہ زندگی میں یہ رزق اور قوت و طاقت بھی آزمانے کے لیے دی گئی ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس فانی زندگی میں آزمائے۔ اور جو اس امتحان میں کامیاب ٹھہرے گا وہی اس کی بے شمار رحمتوں اور بہشت کی ہمیشگی نعمتوں کا حق دار ہوگا۔

سورہ الطلاق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

اور رزق دے گا (بندے کو) اللہ تعالیٰ جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ بندے کی منصوبہ بندی تو بہر حال اس کا ایک عملی فعل ہے مگر اللہ تعالیٰ بعض اوقات اسے وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے۔ جس بارے میں اس نے سوچا بھی نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک جگہ اسے منافع کی امید ہوتی ہے۔ مگر وہاں اسے نقصان ہو جاتا ہے اور کسی ایسی جگہ سے اسے فائدہ پہنچ جاتا ہے جس کے بارے میں اس نے کبھی خیال بھی نہیں کیا ہوتا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ نفع و نقصان خالقِ کائنات کے ہاتھ میں ہے۔ جو اس سلسلے میں بھی اپنی نشانی عطا فرما رہا ہے۔ تاکہ جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔ ان کو یقین کی دولت حاصل ہو۔ اور وہ بآسانی سمجھ لیں کہ اس کارخانہ زندگی کے ذرے ذرے میں کسی لامحدود علم رکھنے والے اور لامحدود قوت رکھنے والے پروردگار کے احکامات جاری و ساری ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ان اشاروں کو بھی وہ لطیف اور پاک دل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے اور جوابدہی کا ایمان یقین کی حد تک قائم ہو۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کے چار احکام

(گمراہ فلاسفہ کے باطل تصورات کا جواب بحوالہ امام غزالی)

اللہ تعالیٰ کی جن صفات کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں۔ جیسے اگر کوئی یہ کہہ دے کہ عمر عالم ہے تو عمر ذاتی حیثیت اور علم الگ مگر بطور صفت ساتھ ہے۔ ویسے ہی اللہ تعالیٰ عالم ہے۔ یا قادر ہے یا حی ہے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ علم، قدرت اور حیات قائم ہیں۔

ملحدانہ اعتراض

مشرک اور گمراہ فلاسفہ اس سے انکار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی صفات بھی اللہ تعالیٰ کی مانند قدیم ہوں تو پھر کئی قدیم چیزوں کا وجود لازم آتا ہے۔ اور یہ محال ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عالم ہونا یا حی ہونا بے شک ثابت ہے مگر علم اور قدرت اور حیات کا وجود اس سے ثابت

Marfat.com

نہیں۔ (استغفر اللہ) (اے اللہ ہمیں طاقت دے کہ تیرے دشمنوں کو لاجواب کر دیں)

ہم علم پر بحث کر لیتے ہیں۔ علم کے بارے میں جو فیصلہ ہوگا باقی صفات کا وہی فیصلہ تصور کر لیں گے بعض فلسفی باقی صفات کا تو انکار کرتے ہیں۔ مگر ارادہ اور کلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ دونوں صفات اضافی ہیں۔ اور ارادہ کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ یہ ہے تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق مگر اس کے ساتھ قائم نہیں۔ اور قدیم بھی نہیں بلکہ مخلوق ہے۔ اور کلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس نے انسانوں میں بولنے کی قوت پیدا فرمائی اور ارادہ کے زائد ہونے کے قائل نہیں صرف کلام کو مانتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرامؑ کے دلوں میں کبھی بیداری اور کبھی خواب میں کلمات القاء کر دیتا ہے جن کا بیرونی طور پر میں کوئی وجود نہیں ہوتا۔ ان کی حالت ایسی ہوتی ہے۔ جیسے آدمی نیند میں طرح طرح کی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور بعض اوقات عجیب و غریب آوازیں بھی سنتا ہے۔ مگر ان چیزوں اور آوازوں کا وجود باہر میں نظر نہیں آتا۔ ایسا بھی کئی دفعہ اتفاق ہوا ہے کہ سوئے ہوئے شخص کو پاس کے آدمیوں کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ مگر وہ سخت ڈراونی آوازیں خواب کے عالم میں سن کر خوفزدہ ہو جاتا ہے۔

ان کا یہ خیال ہے کہ انبیاء کرام اپنی صفائی اور نورانی ذہنیت کی وجہ سے بعض اوقات بیداری میں نہایت عجیب و غریب مشاہدات کرتے ہیں۔ اور طرح طرح کی موزوں اور مرتب شدہ آوازیں سنتے ہیں اور پاس کے آدمیوں کو قطعاً خبر نہیں ہوتی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو لوگ نبوت کے درجہ کو نہیں پہنچے مگر شب و روز مجاہدات نفسانی میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ بیداری کی حالت میں تو اس قابل نہیں کہ ان کو عجیب آوازیں سنائی دیں۔ مگر خواب میں وہ ایسے عجائبات کا مشاہدہ کر لیتے ہیں اور اسی کو الہام کہا جاتا ہے۔

جواب: یہ بعض گروہوں کے عجیب و غریب عقائد کا نمونہ ہے۔ جس کا ذکر کیا گیا ہے اب اصل بات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر لفظ عالم کا اطلاق صحیح تسلیم کرتا ہے۔ اسے ضرور اقرار کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اپنی جگہ اور علم اُس کی صفت ہے الگ الگ ہیں۔ کیونکہ اہل لغت کے نزدیک عالم اور من له علم کے ایک معنی ہیں۔ اور من له علم کے تحت دو لفظ ہیں۔ مَن له عِلم میں من سے مراد ذات ہے۔ اور علم سے مراد وصف علم ہے۔ تو عالم کے تحت بھی دو چیزیں ہوں گی۔ جب یہ ظاہر کرنا مقصد ہوتا ہے کہ زید عالم ہے تو اس مطلب کو دو عبارتوں سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ ایک زید قام بـه العلم اور ایک زیدٌ عَالِمٌ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی عبارت طویل ہے۔ دوسری عبارت میں علمِ صرف کا قانون جاری کرنے کی وجہ سے مختصر ہے۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اگر علم کی صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو تو پھر اس کا قیام ایک اور حالت کو لازمی ثابت کر دے گا۔ جس کا نام عالمیت ہوگا۔ اور اس طرح جاتے جاتے تسلسل تک

نوبت پہنچے گی۔ یہ ان کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کیونکہ علم خود ایک حالت ہے۔اس کا قائم ہونا کئی ایک حالتوں کے وجود کو لازمی ثابت نہیں کرتا۔ کسی چیز کے عالم ہونے کے یہ معنی ہیں۔ کہ وہ چیز ایک خاص وصف اور حالت پر غالب ہے جس کا نام علم ہے۔ ہم ایسے فلسفیوں سے پوچھتے ہیں کہ عـــالـــم" موجود۔ ان دو لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ یا موجودٌ" کا لفظ ذات کے علاوہ ایک اور صفت وجود پر بھی دلالت کرتا ہے۔ جو عَالِمٌ سے نہیں سمجھی جاتی۔ اگر دونوں کے ایک ہی معنی ہیں تو جب ہمیں یہ ظاہر کرنا ہو کہ زید عالم ہے۔ تو اگر اس کی بجائے" زیـد" مـوجـود""ہی کہہ دیتے تو ہمارا مطلب ادا ہوسکتا تھا لیکن ایسا نہیں ہوسکتا۔ اور ان میں معنی کے لحاظ سے فرق ہے۔ تو اب ہمارا یہ سوال ہے کہ موجودہ لفظ جو زید کے ساتھ وصف وجود کو بھی ثابت کرتا ہے تو وصف وجود کے ساتھ زید مخصوص ہے۔ یا نہیں۔ اگر نہیں تو پھر وہ وصف ہی نہیں۔ کیونکہ صفت اپنے موصوف کے بغیر کہیں نہیں پائی جاتی۔ اور اگر وصف وجود مختص ہے۔ تو علم کے بارے میں بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ وصف اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم اور اسی کے ساتھ مختص ہے۔ الغرض موجود'' اور عَالِم" معنوی حیثیت میں دونوں برابر ہیں۔ تو جب لفظ موجود ذات کے ساتھ ساتھ وصف پر دلالت کرتا ہے تو عَـالِم" کا لفظ اس میں اپنے ہم جنس سے کس طرح پیچھے رہ سکتا ہے۔

اور فلاسفہ چونکہ وجود کو اللہ تعالیٰ کا عین مانتے ہیں۔ اس لئے ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ "اللّٰهُ قادر" اللّٰهُ عَالِم""ان دونوں جملوں کے معنی ایک ہیں یا الگ الگ۔ اگر ایک ہیں تو دوسرے جملے کی کوئی ضرورت تھی اور الگ الگ ہیں تو وہ یہ ہیں کہ پہلے جملے میں صفتِ قدرت کا پتہ چلتا ہے۔ اور دوسرے جملے میں وصفِ علم کا ثبوت ملتا ہے۔ اور یہی ہماری غرض وغایت ہے اور اللہ تعالیٰ تمام صفات کے ساتھ قائم ہے۔

سوال: اس مقام پر فلسفی سوال وارد کرتے ہیں وہ یہ کہ اللہ امرہ وفاہ و مخبر یہ تین جملے ہیں ان کے معنی الگ الگ ہیں۔ اگر ان کا معنی ایک ہے۔ تو پچھلے جملوں کے اور باقی جملوں کے کیا معنی ہیں؟ اور اگر الگ الگ ہیں۔ تو اللہ کے کلام میں تعدد لازم آئے گا۔ اسی پر ہی بات نہیں ٹھہرے گی بلکہ مختلف اعتبارات کے لحاظ سے ہزار ہا قسم کے تعدد کلام الٰہی میں لازمی آئیں گے۔ جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اسی طرح انه عَالِم" بالاعراض کے ساتھ وَانِهٖ عَالِم "بالجواهِرُ جواہر کے ساتھ یہ بھی دو جملے ہیں۔ ان کا مفہوم ایک ہے۔ یا ہر ایک کا الگ الگ ہے۔ اگر ایک ہے تو لازم آئے گا کہ جو شخص اعراض کا عالم ہو وہ اسی لحاظ سے جواہر کا بھی عالم ہو۔ حالانکہ یہ غلط ہے اور اگر ان کے معنی الگ الگ ہیں تو اللہ تعالیٰ کے غیر متناہی علوم لازم آئیں گے اور قدرت کے کلام وارادہ وغیرہ میں بھی یہی حال ہوگا مثلاً جتنی چیزوں پر اللہ قادر ہے ان میں سے ہر ایک کے مقابل الگ الگ قدرتیں ہوں گی۔ اسی طرح جس قدر اس کی معلومات ہیں اسی قدر علوم بھی ہوں گے۔ تو یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ اور اگر کوئی یہ سوال کرے

Marfat.com

کہ مثلاً قدرت صرف ایک صفت ہے۔ جو مختلف صفات کا سرچشمہ ہے اسی سے یہ سب اوصاف نکلے ہوئے ہیں۔ اور وہی ان کا مرکز ہے۔ اس کا جواب اب آپ کیا دیں گے۔

جواب: یہ ایک ایسا سوال ہے جس نے پوری دنیا کو حیرت میں ڈال رکھا ہے بڑے بڑے جلیل القدر علماء نے اِس میں غور و فکر فرمایا اور تنگ آ کر انہوں نے قرآن اور اجماع اُمت کو اپنی دلیل بنانا چاہا اس لئے تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ علم قدرت اور ارادہ وغیرہ اللہ کی صفات ہیں اور اس کے ساتھ قائم ہیں۔ اور قرآن واحادیث میں اللہ پر عَالِمُ، قَادِرُ، مُرِید" وغیرہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور سب مشتقات کے صیغے ہیں۔ جو ذات اور وصف پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر فلاسفہ کے نزدیک اجراء یا نحوی اختیارات کوئی وقعت نہیں رکھتے۔

اس کا جواب یوں ہے کہ یہ امر معترضین اور فلاسفہ کو ماننا پڑے گا کہ دلائل کی رو سے اور صفات کا بھی ثبوت ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔ اور انہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو عَالِمُ، قَادِرُ اور مُرِیدُ اور حَیّ کہا جاتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ صفات موجود نہ ہوتیں تو یقیناً ذاتِ اقدس کے لیے یہ بولی بھی نہ جاتیں۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ چند صفات کو خاص تعلق ہے۔ تو ان میں تین طبقے ہیں۔ جن میں سے دو انتشار کا شکار ہیں۔ اور ایک علماء حق کا طبقہ ہے جو نہایت درمیانی حیثیت کو لئے ہوئے ان جھگڑوں سے مطلقاً الگ ہے۔

انتشار کا شکار گمراہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بلا صفات تمام کاموں کا سرچشمہ اور مرکز ہے اس کی بلند ذات کے مقام میں نہ کوئی صفت ہے نہ موصوف ہے اور بعض معتزلہ اور کرامیہ بالکل افراط کی طرف جھک گئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مثلاً جتنی چیزوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق ہے اتنی اس میں قدرتیں موجود ہیں اور جس قدر امور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق ہوتا ہے اتنے اس کے ساتھ علوم قائم ہیں۔ اس طرح باقی صفات میں بھی وہ کثرت اور تعدّد کے قائل ہیں اور بھی گستاخی ہے۔

تیسرا طبقہ جو کہ متوسط کہلاتا ہے۔ اور افراط و تفریط سے یکسر خالی ہے وہ علمائے حق کا طبقہ ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ اختلاف کے کئی درجے ہیں۔ بعض چیزوں کا اختلاف ذاتی ہوتا ہے۔ جیسے حرکت اور ٹھہراؤ کا اختلاف اور قدرت اور علم اور جوہر وعرض کا اختلاف، اور بعض اشیاء کا اختلاف عارضی اور خارجی تعلقات کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ جیسے زید کے بالوں کی سیاہی اور بکر کے بالوں کی سیاہی وغیرہ وغیرہ، اختلاف کی ان دونوں سمتوں میں نمایاں فرق ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ قدرت اور علم میں جو اختلاف ہے وہ زید کے بالوں کی سیاہی کے علم اور بکر کے بالوں کی سیاہی کے علم کے اختلاف سے الگ ہے۔ بلکہ ان دونوں اختلافات میں فرق ذاتی ہے قدرت اور علم کے کسی مفہوم کے تحت نہیں آسکتے۔ اور ان دونوں سیاہیوں کے علوم قائم شدہ علم کے تحت ہیں۔ جن چیزوں میں ذاتی

Marfat.com

اختلاف ہوتا ہے اور اُن چیزوں کے لیے ایک ذات یا صفت کا منبع یا مرکز ہونا درست نہیں ہوتا۔ اور جن چیزوں میں ذاتی اختلاف سے ہٹ کر علیحدگی ہے ان کے لئے کسی دوسرے اشتراک کے بغیر منبع اور مرکز ہونا ضروری ہے سو اسی قاعدہ کے مطابق علم، قدرت اور ارادہ وغیرہ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں یعنی ذات اقدس اپنی نورانیت میں علیحدہ ہے اور صفات اُس کی تابع ہیں۔ اس لیے علم کے افراد کا مرکز علم اور قدرت کے افراد کا سر چشمہ قدرت ہوگی۔

جو لوگ قدرت کے قائل نہیں۔ اور ارادہ کو مانتے ہیں ان سے سوال ہے۔ کہ قدرت اور ارادہ میں فرق کس بنیاد پر کرتے ہیں اگر ان کے بقول معاذ اللہ ذات حق بغیر قدرت کے ہوسکتا ہے تو بغیر ارادہ ہونے میں کیا نقصان ہے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ قدرت اس کے ساتھ قائم ہے۔ کیونکہ وہ کسی بھی مدد کے بغیر جملہ اشیاء پر قادر ہے۔ اور اگر ارادہ اس کا عین ہو تو پھر تمام امور کا ارادہ کرنا اس کے لئے لازمی ہوگا۔ اور یہ بالکل نہیں ہوسکتا **بعض** امور میں ایسے امور بھی ہیں جو ایک دوسری کی ضدیں ہیں۔ جیسے کہ ہمارے لئے منہ اور دل کا ایک وقت میں ارادہ کرنا بالکل ناممکن ہوتا ہے۔ سوائے قدرت کے کیونکہ ضدوں کے ساتھ ایک وقت میں صرف قدرت کا متعلق ہونا جائز ہے لہٰذا اللہ قدرت بھی رکھتا ہے اور ارادہ بھی اس کی صفت ہے۔

بعض نکات

کئی فلاسفہ باقی صفات کو تو ذاتِ حق کا عین مانتے ہیں اور کلام کو اس سے الگ تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے دو اعتراضات وارد ہوں گے ایک یہ کہ انبیاء کرام کے دلوں میں الہام اور ارتقاء کے طور پر کلمات پیدا ہو جانے سے ذاتِ حق کو متکلم کہنا درست ہے تو ان کے یا کسی اور چیز کے حرکت کرنے یا بولنے سے ذات اقدس کو متحرک یا آواز کنندہ کہنا بھی درست ہوگا جو بالکل گمراہی کا عقیدہ ہے اب اس کی تردید کا نمایاں کرلیا۔ حاضر ہے جیسے کلمات انبیاء کرامؑ کے ساتھ قائم ہیں۔ اور ذاتِ حق کے ساتھ ان کو کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ ہی خارج میں ان کا کوئی وجود ہے۔ ویسے ہی حرکت یا آواز کنندہ کے ساتھ قائم ہے لیکن ذات اقدس کی طرف ایسی کوئی نسبت کرنا بے ادبی ہے۔ دوسرا اعتراض کا جواب یہ ہے کہ عالَمِ خواب میں جو چیزیں انسانی مشاہدے میں آتی ہیں۔ وہ محض خیالی ہوتی ہیں۔ نبوّت جیسے عظیم الشان منصب کا دارومدار اسے قرار دینا سراسر حماقت ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ذاتِ حق کی صفات اس سے بالکل علیحدہ ہیں۔ تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ نہ عین ہیں نہ ہٹ کر، کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کا اسم پاک زبان سے نکالتے ہیں تو اس سے قادرِ مُطلق اور اس کی صفات بھی مراد لیتے ہیں۔ نہ کہ صرف قادرِ مطلق۔ اس لئے کہ اس اسم پاک کا اطلاق بغیر اس کی صفات کے درست نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نہ یہ کہنا درست ہے کہ علم فقہہ عین فقہیہ ہے اور نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ اس

Marfat.com

سے علیحدہ ہے۔ اس طرح زید کے ہاتھ کو زید کا عین نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی علیحدہ اصلی بات یہ ہے کہ جو چیز کسی کے نام میں شریک ہو وہ نہ اس کا عین کہلا سکتی ہے اور نہ ہی علیحدہ، مثلاً خطاط کی ذات الگ ہے۔ خطاطی الگ صفت ہے۔ خطاط کا اپنا وجود بالکل علیحدہ ہے اور خطاطی کا علیحدہ۔ لیکن خطاطی خطاط کے ساتھ قائم ہے۔ جب خطاط کہا جائے گا تو اُس میں صفتُ خطاطی خود بخود موجود ہوگی۔ ان دونوں الفاظ کا اس پر اطلاق درست نہیں ہوتا۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ علم فقہ انسان سے دور ہے۔ تو کسی حد تک یہ کہنا تو درست ہوگا۔ مگر یہ کہنا ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ کہ فقہ فقیہ سے علیحدہ ہے۔ کیونکہ انسان کے مفہوم میں فقہ، خود نہیں ہے۔ اس لئے اگر فقہ کو اس سے علیحدہ کہا جائے تو یہ کہنا درست ہے مگر فقیہ کے مفہوم میں فقہ موجود ہے لہٰذا فقہ کو فقیہ سے علیحدہ کہا جائے تو یہ کہنا درست نہ ہوگا۔

فلاسفہ کے کئی اور اعتراضات اور ان کے جوابات

کئی فلاسفہ کے نزدیک چونکہ ارادہ وقتی ہے اور ذات اقدس محل حوادث نہیں۔ اس لئے ان کے نزدیک ارادہ مستقل علیحدہ وجود رکھتا ہے۔ یعنی کسی چیز کے ساتھ قائم نہیں۔ کیونکہ اگر کسی اور وجود کے ساتھ بھی ارادہ قائم ہوتا تو اسے بھی مرید کہا جائے گا نہ کہ ذات باری کو اور کلام کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ ذات حق کے ساتھ قائم نہیں۔ کیونکہ یہ بھی ارادہ کی مانند پیدا شدہ ہے۔ بلکہ یہاں تک لاف زنی کرتے ہیں کہ یہ جمادات کے ساتھ قائم ہے اور ان کے ساتھ اس کا قیام ذات حق مع متکلم کہنے کا ذریعہ ہے۔ ذاتِ حق کے ساتھ صفتوں کے قیام کی دلیل ہماری گزشتہ تحریروں سے بخوبی معلوم ہو چکی ہے کیونکہ جہاں دلائل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو ثابت کیا ہے وہاں اس کی صفات کو بھی زبردست دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اور اس کے صفات کے ساتھ موصوف ہونے کے معانی یہ ہیں کہ یہ اس کے ساتھ قائم ہیں۔ اور یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اللّٰهُ عَالِم" اور قام به علم کے معنی اور اسی طرح اللّٰهُ مرید اور قام به ارادة کے معنی اور اللّٰه لیس بمرید اور لم یقم به ارادة کے معنی ایک ہی ہیں۔

جس کے ساتھ ارادہ قائم نہ ہو اس کو مرید کہنا ایسا ہے جیسا کسی چیز کو متحرک کہا جائے۔ اور حقیقت میں حرکت کسی اور کا فعل ہو۔ اس طرح متکلم اس کو کہا جاتا ہے۔ جو کلام کر سکے۔ کیونکہ ھو متکلم اور قام به التکلم میں معانی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ اور اس ھو الیس بمتکلم اور لم یقم به التکلم کے ایک ہی معنی ہیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ پر لم یقم به التکلم کا اطلاق درست ہے۔ تو لیس بمتکلم کا اطلاق بھی جائز ہوگا۔

Marfat.com

تیسرا نکتہ

اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ مخلوق ہوں تو ذاتِ حق کے ساتھ قائم ہونگی یا نہیں۔ جواب عرض ہے کہ اگر بطور مخلوق قائم ہونگی تو اس کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا۔ اور اگر بطور قدیم قائم نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کا ایسی صفات کا ساتھ موصوف ہونا لازم آئے گا جو اس کے ساتھ قائم نہیں ہیں جو محال ہے حیات اور قدرت کو تو سب قدیم کہتے ہیں۔ صرف علم اور ارادہ وکلام کو بعض لوگ حادث کہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ صفات باری تعالیٰ کا قدیم ہونا اُس کے محل حوادث ہونے کو ظاہر کرے گا۔ لہٰذا ہم اس سوال کے جواب میں تین دلائل قائم کرتے ہیں۔

پہلی دلیل

جو مخلوق ہوتا ہے وہ ممکن الوجود ہوتا ہے اور ذاتِ حق واجب الوجود ہے۔ اب اگر اس کی صفات حادث ہوں تو ان کا مخلوق ہونا اس کے وجوب میں ضرور خلل انداز ہوگا۔ کیونکہ امکان اور وجوب دونوں ایک دوسرے کی ضدیں ہیں۔ جن کا ایک جگہ جمع ہونا محال ہے۔

دوسری دلیل

ذات حق اگر محل حوادث ہو تو کئی باتوں سے ایک بات ضرور ہوگی یا تو حوادث میں ایک ایسا مرتبہ نکلے گا۔ جس کے پہلے کوئی اور حادث نہ ہوگا۔ اور یا یہ کہ سلسلہ حوادث غیر متناہی مراتب تک چلتا چلا جائے گا۔ اگر سلسلہ حوادث میں غیر متناہی مراتب نکلتے گئے تو لازم آئے گا کہ حوادث کے لئے کوئی آغاز متصور ہو۔ اور یہ محال ہے کیونکہ حادث وہی چیز ہوسکتی ہے جس کے وجود کا آغاز ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ماہیت میں یہ بات داخل ہے کہ حوادث کے ساتھ وہ متصف ہو ہی نہیں سکتا۔ یعنی اس کا حوادث کا ساتھ متصف ہونا ایک وقت محال ہو تو کسی دوسرے وقت میں بھی اس کا حوادث کا متصف ہونا محال ہوگا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو امر محال ہے۔ وہ ہمیشہ محال ہی رہتا ہے اور جو ممکن ہوتا ہے وہ ہمیشہ اس صفت پر قائم رہتا ہے سب متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ رنگوں کو قبول نہیں فرماتا مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کسی دوسرے وقت میں رنگوں کو قبول کر لیتا ہے۔ الغرض جو صفات اس میں پائی جاتی ہیں وہ ہمیشہ کے لئے پائی جاتی ہیں۔ اور جن جن امور کا اللہ میں پایا جانا محال ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ محال ہے۔

دلیل پر ممکنہ اعتراض اور اس کا جواب

اگر کوئی یہ کہے کہ اس دلیل سے جہان کی پیدائش کی نفی کا بطلان ثابت ہوتی ہے کیونکہ جس وقت سے عالم کا وجود ہوا ہے اس سے پہلے بھی یہ موجود ہوسکتا تھا۔ اور اس طرح اس وقت سے پہلے

وقت میں اس کا پایا جانا جائز تھا۔ غرضیکہ ایسا کوئی وقت نہیں جس میں کائنات کا وجود ہونا ناممکن ہو۔ پس اس سے ثابت ہو کہ عالم قدیم ہے تو اس کا نمایاں جواب پھر یہ ہے کہ عالم کا قدیم ہونا تب لازم آتا کہ ذاتی طور پر جہان کی پیدائش سے پہلے کوئی حقیقت ہوتی۔ جو قبول یا عدم قبول حدوث کے ساتھ متصف ہوتی۔

مگر ہمارے نزدیک یہ کائنات اللہ تعالیٰ کا ایک فعل ہے۔ جس کی تخلیق سے پہلے کوئی ہستی یا حقیقت نہیں تھی۔ ہاں البتہ معتزلہ پر یہ اعتراض وارد ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک وجود اور عدم میں ایک درجہ ثبوت ہے۔ اور اس بنیاد پر ہی وہ کہتے ہیں۔ کہ یہ جہان ازل میں درجہ ثبوت میں تھا۔ اور پھر اور جو ثبوت سے منتقل ہو کر عالم وجود میں آیا ہے۔ اب اس بارے کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ (بحوالہ رسائل غزالیؒ)

تیسری دلیل

اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی معرضی وجود میں آنیوالی چیز کا قیام فرض کیا جائے تو خیال رہے کہ اس سے پہلے یا اس کے ساتھ قائم ہوگی یا پھر اُس کے ساتھ قائم نہیں ہوگی۔ یعنی ایک ہی وقت میں حادث یعنی معرض وجود میں میں آنیوالی چیز کا قیام اور عدم قیام قدیم ہوں گے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ حادث اگر قدیم ہیں۔ تو ان کا معدوم ہونا اور ساتھ ہی ساتھ ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہونا بالکل ہی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ قدیم پر کبھی فنا طاری نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ میں سے کلام اور علم کے بارے میں ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ سے متکلم ہے۔ آگے ذرا ان گمراہوں کی یہ لن ترانی ملاحظہ کیجئے یعنی گمراہ اور بے ادب کہتے ہیں کہ وہ اپنے اندر کلام کو پیدا کرنے پر قادر ہے اور جب کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو پہلے اپنے اندر کلمہ کن پیدا کر لیتا ہے۔ اور پھر اس کے ذریعہ مطلوبہ چیز کو پیدا فرماتا ہے۔ مگر ان کے نزدیک کلمہ کن پیدا کرنے سے پہلے وہ ''لاحول ولاقوۃ'' ساکت ہوتا ہے۔ اور سکوت قدیم ہے۔ اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ علم بھی حادث ہے۔ (معاذ اللہ) فلاسفہ کا ایسا گروہ یقیناً نہایت گمراہ ہے۔ اور اُن کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ (یقیناً ایسا کہنا کفر کے درجہ میں آتا ہے)

ہم ان دونوں گمراہ طبقوں کو جواب دیتے ہیں کہ اگر سکوت وغیرہ قدیم ہیں تو پھر ان کا معدوم ہونا اور ان کی جگہ علم اور کلام کا آنا محال ہوگا کیونکہ یہ ثابت ہے کہ قدیم پر کبھی فنا نہیں آسکتا یعنی کوئی دوسری حالت اُس پر قابض نہیں ہوسکتی۔

عِلم اور ارادہ کے بارے میں معترضین کے جوابات

اِعتراضات:

علم کو حادث کہنے والے طبقہ کی دلیل یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ جہان اس وقت موجود ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ازل میں اس کو علم تھا کہ جہان پہلے موجود تھا۔ اور اگر اس وقت اس کو یہ علم نہ تھا بلکہ اب یعنی جہان کے بعد اس کو یہ علم حاصل ہوا ہے تو ثابت ہوا کہ علم حادث ہے۔

جو لوگ ارادہ کو حادث کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر ارادہ قدیم ہو تو جہان کا قدیم ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب قدرت اور ارادہ دونوں موجود ہوں تو جس چیز کا ساتھ ارادہ متعلق ہوتا ہے۔ وہ فوراً موجود ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ قدرت اور ارادہ دونوں قدیم ہیں۔ لیکن نظامِ عالَم بعد میں پیدا کیا گیا ہے۔ اسی لیے معتزلہ کہتے تھے کہ ارادہ حادث ہے۔ اور اپنے آپ موجود ہے۔ اور کرامیہ کہتے تھے کہ یہ حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے اور "کلام" کہ یہ بعض اسی اشیاء پر مشتمل ہوتی ہے جو زمانہ ماضی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً انا ارسلنک نوحا الی قومه اب اگر کلام قدیم ہو تو اللہ تعالیٰ کا نوح کو مخاطب کرنا کیسے صحیح ہوگا۔؟ جب کہ نوح اور اس کی قوم کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اس طرح اگر یہ قدیم ہو تو اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کو اخلع نعلیک کے ساتھ خطاب کرنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ حالانکہ ازل میں نہ موسیٰ اور نہ اس کے نعلین تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے کلام میں بعض احکامات ہیں اور بعض ممانعت، سو اگر اس کا کلام قدیم ہو تو ازل میں ہی اس کا امر و ناہی ہونا ماننا پڑے گا۔ اور یہ ہر ایک کو معلوم ہے آمر و ناہی کے لیے مامور اور منہی کا ہونا ضروری ہے۔ تو جب ازل میں امور اور منہی نہیں۔ تو وہ امر و ناہی کس طرح ہوگا۔

جواب: اس کا جواب ہم اس طرح دیں گے کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ ایک وقت میں جہان پیدا فرمائے گا۔ اور یہ ایسا عِلم ہے۔ جس میں جہان کے وجود سے پہلے اور اس کے موجود ہونے کے وقت اور اس کے پیچھے کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ ایک صفت ہے۔ جس کے ذریعہ جب جہان موجود نہیں تھا۔ تب بھی اللہ تعالیٰ کو علم تھا۔ جیسے عِلم الٰہی میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ مستقبل میں وہ پیدا کرے گا۔ اور جب یہ موجود ہوا ہے تو چونکہ اس نے پیدا فرمایا ہے۔ اس لیے وہ کما حقہٗ جانتا ہے کہ یہ موجود ہے۔ اور جب یہ جہان ختم ہو جائے گا تو اس کا ابھی سے اسے علم ہے۔ اور اس وقت بھی اسے علم ہوگا کہ جہان ختم ہو چکا ہے۔ الغرض کائنات میں زمانہ کے ختلافات کے اعتبار سے تبدیلیاں پیدا ہوتی رہتی ہے مگر اس کا علم جوں کا توں باقی رہتا ہے اس کو جیسا کائنات کے موجود ہونے کے بعد اس کا عِلم ہے بالکل اسی طرح پہلے بھی تھا۔

Marfat.com

اس کی مثال یہ ہے کہ فرض کرو ایک شخص کو معلوم ہے کہ زید سورج کے طلوع ہوتے ہی اس کے پاس آئے گا۔ اور اب علم بھی اس کو سورج کے نکلنے سے پہلے حاصل ہوا ہے۔ اور یہ علم زید کے آنے سے پہلے اور اس کے آنے کے عین وقت اور اس کے بعد برابر باقی رہا ہے۔ ایسا نہیں ہوا کہ زید کی ان تین حالتوں کے ساتھ ساتھ علم میں بھی تغیر و تبدل واقع ہوتا رہے۔ تو جس طرح اس صورت مفروضہ میں ایک ہی علم ہے جس کے ذریعہ زید کی تینوں حالتوں کا انکشاف ہو رہا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل سے وصفِ علم قائم ہے۔ جس میں زمانہ کی تبدیلیوں سے کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اور اسی صفت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو ہر حال میں کائناتِ عالَم کا احساس رہتا ہے۔ اور اس کائنات میں خواہ ہزاروں تبدیلیاں کیوں واقع نہ ہوں۔ اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں۔ سننے اور دیکھنے کو بھی اس پر قیاس کرنا چاہئے کیونکہ یہ دونوں صفات بھی ایسی ہیں جس کے ذریعے مرئی اور مسموع کا انکشاف ہوتا ہے مگر اس میں حدوث کو کوئی دخل نہیں۔ بلکہ وصفِ علم کی مانند یہ دونوں بھی قدیم ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک چیز کا اختلاف جو مختلف زمانوں میں متحقق ہونے کے لحاظ سے اس کو لاحق ہو۔ وہ اس اختلاف ذاتی سے زیادہ نہیں ہوتا۔ جو اشیاء کی ذاتوں میں ہوتا ہے۔ ایک اور طبقہ گمراہ کے نزدیک یہ عقیدہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی معلومات متعدد اور مختلف ہیں مگر ان تمام کو اللہ تعالیٰ ایک ہی صفت علم سے ادراک کرتا ہے۔ تو اس امر کے تسلیم کرنے میں کیوں بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ کہ وہ صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جہان کو خواہ وہ کن کن انقلابات کا شکار کیوں نہ ہو اسے جانتا ہے۔

نیز اس طبقہ پر ایک اور زبردست اعتراض بھی ہم کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ "اگر ہر حادث کے ساتھ اس کے علم کا حادث ہونا ضروری ہے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ یہ علم بھی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ نہیں۔ اگر نہیں تو اس پر ایک زبردست قباحت یہ لازم آئے گی کہ یہ اگرچہ مخلوق ہے مگر اللہ تعالیٰ کو اس کا علم نہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ وصف علم کو اللہ کی ذات کے ساتھ ایک قرب حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ہمیشہ ہمیشہ سے اُس کے ساتھ ہے۔ اُسے اپنے علم کے لیے کسی اور کی احتیاج نہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم پر ایسی باتیں وارد کرتے ہیں اور علم کو حادث کہتے ہیں تو اِس سے علوم کا غیر متناہی سلسلہ لازم آئے گا جب کہ اللہ تعالیٰ کا علم اتنا زبردست ہے کہ ماضی، حال اور مستقبل سب کو وہ جانتا ہے اس لیے ہم گمراہوں سے سوال کرتے ہیں کہ اس بات کو کیوں تسلیم نہیں کرتے کہ اسی ایک وصف ہی کہ ذریعہ اللہ تعالیٰ جہان کو پہلے بھی جانتا تھا اور اب بھی جانتا ہے اور آئندہ بھی اس کو ایسا ہی علم رہے گا۔

کئی فلاسفہ ارادہ کو حادث کہتے ہیں۔ ان سے ہمارا سوال ہے کہ کیا اس کے حدوث سے پہلے کوئی اور ارادہ بھی تھا۔ جس کے ذریعہ یہ پیدا ہوا ہے۔ یا یہ بلا ارادہ پیدا ہوا ہے۔ دوسری بات تو بالکل غلط ہے کیونکہ کوئی حادث بغیر ارادہ کے حادث نہیں۔ اور اگر اس سے پہلے کوئی اور ارادہ تھا تو اس سے

پہلے بھی کوئی ارادہ ہوگا۔ یہ ایک تسلسل بنتا ہے جو محال ہے۔

اب کرامیہ پر ایک اعتراض کرتے ہیں کرامیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو پیدا کرنے لگتا ہے تو پہلے اپنے اندر کوئی چیز پیدا کر لیتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ مطلوبہ چیز کو پیدا کرتا ہے اب سوال یہ ہے کہ خاص وقت میں اپنے اندر ایک چیز کو پیدا کرنے کی کونسی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ علت کوئی اور شے ہوگی پھر اس میں بھی جب سلسلہ کلام چلے گا۔ تو تسلسل پر بات ختم ہوگی۔ بعض کرامیہ جو یہ کہتے ہیں کہ وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے جہان کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے اندر پیدا کیا ہے۔ کلمہ کن ہے اور یہ تین وجوہ سے نا قابل تسلیم ہے۔

ایک یہ کہ کلمہ کن ایک آواز ہے اور آوازوں کا قیام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ناجائز ہے اور ایک یہ کہ کلمہ بھی جہان کی مانند حادث آیا تو اس کے لئے کسی اور قول کی ضرورت ہوگی یا نہیں۔ اگر نہیں تو وہ بھی اس کی طرح حادث ہے۔ اس کے لئے کسی اور قول کا ہونا ضروری ہوگا پھر اس کو کسی تیسرے قول کی اور اسے چوتھے قول کی ضرورت ہوگی۔ اس طرح سلسلہ احتیاج کے باعث تسلسل لازم آئے گا۔ اور یہ بالکل محال ہے۔

میرے خیال میں ایسے عقل کے اندھوں کے ساتھ کس طرح بات کی جا سکتی ہے کہ جن کا نظریہ یہ ہو کہ ہر ایک حادث کے مقابل کلمہ کُن ہے۔ کیونکہ جب حادث غیر متناہی ہیں۔ تو غیر متناہی آوازوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہونا بھی تسلیم کرنا پڑے گا اور ایسا تسلیم کرنے والا اہل ایمان سے کس طرح ہوگا؟

تیسرے ہمارا ان سے سوال ہے کہ جب کن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جہان کو اپنا مخاطب بنایا تھا اس وقت جہان نہیں تھا یا موجود تھا۔ اگر نہیں تھا تو مخاطب کسے کیا۔ مخاطب تو وہ چیز ہو سکتی ہے۔ جو ذی شعور اور موجود ہو اور اگر جہان موجود تھا تو موجود کو موجود کرنے کے کیا معنی ہوں گے؟۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول اذا اردناہ ان نقول لہ کن فیکون سے صرف قدرت کاملہ کا اظہار مقصود ہے اور بس۔

کلام بھی ارادہ اور علم کی طرح قدیم ہے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول اخلع نعلینک انا ارسلنا نوحاً سے اس کا حدوث ثابت کیا ہے۔ انہوں نے کلام لفظی اور کلام نفسی میں فرق نہیں کیا۔ یا وہ کلام نفسی سے بے خبر ہیں۔ ان دو جملوں سے کلام لفظی کا حدوث بیشک ثابت ہوتا ہے۔ مگر کلام نفسی کا حدوث ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت نوحؑ کو نبی بنا کر بھیجنے کی خبر قائم ہے۔ جس کی تعبیریں مختلف ہیں۔ جب حضرت نوحؑ پیدا نہیں ہوئے تھے اور عہدہ نبوت کیساتھ ممتاز نہیں کئے گئے تھے۔ اس وقت اس کی تعبیر انا نرسِلُہ کے ساتھ کی جاتی تھی۔ اور جب نبی بن کر دنیا میں آئے تو انا ارسلنا کے ذریعے اس کی تعبیر کی گئی۔ غرض اعتبارات اور تعبیرات مختلف ہیں۔ اور معتبر عنہٗ میں کوئی تغیر نہیں۔ کیونکہ وہ صرف حضرت نوحؑ کے نبی بنا کر بھیجنے

کی خبر ہے۔ جو ان کے نبی ہونے سے پہلے اس کی تعبیر ان نرسلہٗ سے اور ان کے نبی ہونے کے بعد انا ارسلنا سے کی گئی ہے۔ مگر عنوانات کے اختلافات سے معنوں میں اختلاف نہیں واقع ہوتا۔

اس طرح اخلع نعلیک امر پر دلالت کرتا ہے۔ اور امر کے معنی ہیں اقتضاء اور طلب، جو امر کی ذات کے ساتھ قائم ہونے کے لیے مامور کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ مامور کے موجود ہونے سے پہلے ہی خواہش اور طلب کا آمر کے ساتھ قائم ہونا جائز ہے اور جب مامور موجود ہوتا ہے تو اس پہلی اقتضاء اور طلب کے سبب وہ مامور ہوتا ہے اور دوبارہ صیغہ امر کے ذریعہ اقتضاء اور طلب کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جس آدمی کے گھر میں بیٹا نہ ہو اس کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ اگر میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو میں اسے علم پڑھاؤں گا۔ وہ اپنے دل میں بیٹے کا خیال کر کے کہتا ہے۔ اطلب العلم تو اگر اس کے گھر لڑکا پیدا ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ عقل و شعور بھی رکھتا ہو تندرست بھی ہو اور اس کو معلوم بھی ہو جائے کہ میرے باپ کی خواہش ہے کہ میں پڑھوں۔ تو صرف اتنی سی بات سے ہی وہ سمجھ لے گا کہ میں باپ کی طرف سے پڑھنے پر مامور ہوں۔ اور اس بات کو معلوم کرنے کے لیے اسے اس امر کی ضرورت نہ ہوگی کہ اس کا باپ صیغہ امر کے ذریعہ اپنی خواہش ظاہر کرے۔ مگر چونکہ عموماً لڑکے ایسے لفظوں کے بغیر جو ان کے باپوں کی خواہشات کو ظاہر کریں ان کے بارے میں نہیں جان پاتے۔ لہٰذا انہیں اس علم کے لئے الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح امر اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے اور قدیم ہے لیکن اس پر دلالت کے الفاظ حادث ہیں۔ مگر مامور کا وجود ہونا ضروری نہیں۔ صرف اس امر کے لئے مامور کا تصور کافی ہے۔ ہاں بے شک مامور (جسے امر کیا جائے) کا ممکن ہونا امر کے لئے شرط ہے، اگر وہ مستحیل الوجود ہو تو مامور نہیں بن سکتا۔ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے افعال کی اقتضاء اور طلب بھی قائم ہے جن کا وجود محال ہے۔

سوال وجواب

اگر معترض یہ سوال کرے کہ کیا تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ ازل سے ہی حکم دینے والا اور منع کرنے والا ہے۔ اگر کہا جائے تو پھر اس وقت مامور (جنہیں حکم دیا گیا) اور منہی (جنہیں روکا گیا) نہیں تھے۔ تو وہ آمر و ناہی کس چیز کے لئے تھا۔ تو معلوم ہوا کہ اس کا آمر و ناہی ہونا حادث ہے۔ اس کا جواب ہم اس طرح دیں گے کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ اقتضاء اور طلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں۔ اور ان کے قیام کے لیے مامور کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ تو اس سوال کی اصل غرض و غایت یہ ہے۔ کہ مامور اور منہی کے وجود سے پہلے لفظ آمر و ناہی کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے یا نہیں۔ یہ ایک لفظی بحث ہے۔ جس سے نفس مطلب پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ اور نہ ہی ایسے لفظی جھگڑوں کے درپے

Marfat.com

ہونا اہل علم کے شایان شان ہے۔ تاہم اس کے متعلق کچھ نہ کچھ بات کرنا ضروری ہے۔

مامور اور منہی کے وجود سے پہلے آمر ناہی کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے حضور جائز ہے۔ جیسے مقدور کے موجود ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ پر لفظ قادر کا اطلاق جائز ہے۔ اس لفظ کے اطلاق کے لیے ان کے نزدیک مقدور کا موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کا ممکن اور متصور ہونا کافی ہے۔ اس طرح آمر وناہی کے اطلاق کے لیے بھی انہیں مناسب تھا یعنی کہہ دیتے کہ مامور اور منہی کا وجود ضروری نہیں۔ بلکہ اس کا ممکن اور متصور ہونا کافی ہے۔ اور جیسے موجود شے کے ساتھ علم متعلق ہوتا ہے ویسے ہی معدوم سے لاتعلق ہوسکتا ہے۔ بلکہ ایک اور بات ہے۔ وہ یہ کہ جیسے لفظ آمر مامور کا تقاضا کرتا ہے ویسے ہی مامور بہ کا بھی تقاضا کرتا ہے اور مامور بہ موجود نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا معدوم ہونا شرط ہے۔ دیکھئے کہ جب ایک شخص اپنے لڑکے کو مرتے وقت کسی اچھے کام کی وصیت امر کرتا ہے جب وہ لڑکا اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی وصیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ تو کہا جاتا ہے کہ اس نے پہلے باپ کے حکم کی بجا آوری کی۔ حالانکہ اَب نہ حکم دینے والا ہے اور نہ حکم اور وصیت کے وقت مامور بہ کا وجود نہیں تھا۔ مگر باوجود اس کے یہ کہنا جائز ہوتا ہے کہ وہ باپ کے امر بجالایا ہے۔ تو جب آمر کا اطلاق مامور بہ کے وجود کا متقضی نہیں ہوتا۔ اسی طرح مامور کا بجالانا آمر اور امر کے وجود ہونے کا تقاضا نہیں کرتا۔ تو مامور بہ کے موجود ہونے کا تقاضا کیوں کرے گا۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ ہمیشہ سے موجود اور اُس نے اپنے علم کے مطابق آئندہ آنیوالی مخلوقات کے لیے احکام عطا فرمائے اور اس کے لیے اُس وقت مخلوقات کا ہونا ضروری نہ تھا۔

چوتھی دلیل

جن صفات میں صیغے مشتق ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ صفات متعارف کرانے کے طور پر محمول ہوتے ہیں۔

☆ یعنی اللہ تعالیٰ زندہ ہے۔
☆ قدرت والا ہے۔
☆ جاننے والا ہے۔
☆ سننے والا ہے۔
☆ دیکھنے والا ہے۔
☆ متکلم ہے۔

اور جو صیغے اس کے افعال سے مشتق ہوتے ہیں مثلاً رزق دینے والا، پیدا کرنے والا، عزت دینے والا، ذلت دینے والا، اور دوسرے الفاظ میں رزاق، خالق، معز، ان کے محمول ہونے میں مختلف

Marfat.com

آراء ہیں اصل بات ہے کہ جس قدر مشتقات اللہ تعالیٰ پر محمول ہوتے ہیں وہ چار قسم کے ہیں۔

1۔ جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتے ہیں جیسے مَوجُود "اس قسم کے مشتقات کا اللہ تعالیٰ پر محمول ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔

2۔ جو اللہ تعالیٰ پر بھی دلالت کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ اس کے دائمی وصف بھی سمجھے جائیں۔ جیسے 'قدیم' باقی' واحدُ اور غنی'۔ کیونکہ قدیم کے معنیٰ ہیں وہ ذات جس سے پہلے عدم نہ ہو اور باقی کے معنی ہیں جس پر عدم طاری نہ ہو۔ اور واحد کے معنی ہیں جس کا کوئی شریک نہ ہو۔ اور غنی کے معنی ہیں جو کسی کا محتاج نہ ہو۔ یہ مشتقات بھی ازلاً وابداً محمول ہوتے ہیں۔

3۔ جو اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اور وجودی صفات پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ جیسے حی، قادر، متکلم، مُرید، سمیع، بصیر عالم، آمر، ناہی وغیرہ۔ جن افراد کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں ان کے نزدیک اس قسم کے مشتقات بھی ازل سے ابد تک اس پر محمول ہیں۔

4۔ جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر بھی دلالت کرتے ہیں اور اس کے افعال پر بھی جیسے رَزّاق، خالق، مُعز، مُذِل وغیرہ اس قسم کے مشتقات میں فرق ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ پر ازل میں محمول تھے۔ کیونکہ اگر اس وقت ان کا محمول ہونا ناجائز ہو بلکہ بعد میں محمول ہو تو (معاذ اللہ) ذاتِ اقدس میں تغیر لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ازل میں اللہ پر یہ مشتقات محمول نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ خالق کے محمول ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو پیدا کیا ہے اور جب ازل میں کسی شے کو اس نے پیدا ہی نہیں کیا تھا تو پھر وہ خالق کیسے کہلا سکتا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تلوار جب اپنی میان میں ہوتی ہے۔ تو اس وقت بھی اس پر صارم (یعنی کاٹ دینے والی) کا اطلاق درست ہوتا ہے۔ اور جب اس سے کسی چیز کو کاٹا جاتا ہے تو بھی صارم اس پر وارد ہوتا ہے۔ مگر دونوں صورتوں میں فرق ہوتا ہے۔ جب تلوار میان میں تھی صارم بالقوۃ تھی اور جب اس سے کوئی چیز کاٹی گئی ہے۔ تو صارم بالفعل ہے اس طرح جب پانی کوزہ میں ہوتا ہے۔ تو بھی اور جب پیا جاتا ہے تو بھی اس پر مروی (پیاس بجھانے والا) صادق آتا ہے۔ پانی جب کوزہ میں ہوتا ہے۔ تو مروی بالقوت ہوتا ہے اور دوسری صورت میں بالفعل۔ تلوار جب وہ میان میں ہوتی ہے اور پانی جب وہ کوزہ میں ہوتا ہے۔ ان پر صارم اور مروی کے اطلاق کے یہ معنی ہیں کہ تلوار اور پانی میں کاٹنے اور سیراب کرنے والی صفت موجود ہے۔ حالانکہ تلوار سے کاٹنا اور پانی سے سیراب کرنا ابھی وقوع پذیر نہیں ہوا۔ تو اس میں تلوار یا پانی کا کوئی قصور نہیں۔ جس اعتبار سے تلوار جب وہ میان میں ہوتی ہے۔ صارم کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی اعتبار سے ازل سے ہی اللہ تعالیٰ کو خالق کہا جاتا ہے اور اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ پر جب کہ اس نے جہان کو پیدا کیا ہے۔ خالق کا اطلاق ہوتا ہے غرض یہ کہ ازل میں اللہ تعالیٰ

Marfat.com

خالق بالقوۃ تھا۔ اور اب خالق بالفعل ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر ازل میں اس قسم کے مشتقات کا اطلاق ناجائز قرار دیا ہے انہوں نے عجیب قسم کے معانی مراد لئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے

سورہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ونحن اقرب الیہ من حبل الورید

اور ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ یہ صفاتی اعتبار سے ہے۔ بعض نے اس سے علم الٰہی مراد لیا ہے۔ اس سے ان کی غرض یہ ہے کہ حلول اور اتحاد لازم نہ آئے۔ اور اللہ تعالیٰ اس قسم کی کسی بھی حالت سے پاک اور منزہ ہے۔ لیکن لفظ کا معنی یہ نہیں ہے۔ کیوں کہ اَنَا نہیں کہا بلکہ ونحن کہ ہے۔ یعنی میں کی بجائے ہم ارشاد فرمایا ہے یہی لفظ اس شخص کے بارے میں بھی کہے گئے ہیں کہ جس کی موت قریب آ گئی ہو اور وہ نزع کے عالم میں ہو۔ فرمان ہے۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ یعنی ہم سب سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ لیکن تم نہیں دیکھتے۔ یہاں بھی مراد فرشتوں کا قریب ہونا ہے۔ جیسے فرمان بھی ہے نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ یعنی ہم نے اس ذکر کو نازل فرمایا ہے۔ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ فرشتے ہی ذکر قرآن کریم کو لے کر نازل ہوئے ہیں۔ اور یہاں بھی مراد فرشتوں کی اتنی نزدیکی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں قدرت بخش رکھی ہے۔ جیسا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ دو فرشتے دائیں بائیں بیٹھے ہیں وہ تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں۔ ابن آدم کے منہ سے جو فقرہ نکلتا ہے۔ اسے محفوظ رکھنے والے اور اسے نہ چھوڑنے والے اور فوراً لکھ لینے والے فرشتے مقرر ہیں۔ حضرت حسن اور قتادہؒ کہتے ہیں یہ فرشتے ہر نیک و بد لکھ لیا کرتے ہیں۔ ابن عباس کے دو قول ہیں۔ ایک تو یہی ہے دوسرا آپ کا قول ہے۔ کہ ثواب و عذاب لکھ لیتے ہیں۔ لیکن آیت کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ فرمان ہے جو لفظ نکلتا ہے۔ اس کے لئے محافظ تیار ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک کلمہ آدمی اپنی رضامندی سے کہہ تو دیتا ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ یہ بہت بڑا اجر کا سبب ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اسے قیامت تک کے لئے لکھ دیتا ہے۔ اور ایسا بھی کوئی فقرہ منہ سے نکل جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی ملاقات کے دن تک کے لئے لکھ دیتا ہے۔ احنف بن قیس کہتے ہیں کہ دائیں طرف والا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے۔ اور بائیں طرف پر امین ہے جب بندے سے کوئی خطا ہوتی ہے تو یہ کہتا ہے کہ ٹھہر جا۔ اگر اس نے اسی وقت توبہ کر لی۔ تو اسے لکھنے نہیں دیتا اور اگر اس نے توبہ نہیں کی تو وہ لکھ لیتا ہے۔ (ابن ابی حاتم) حسن بصری جب اس

Marfat.com

آیت کی تلاوت فرماتے تھے۔ تو کہتے تھے کہ اے ابن آدم تیرے لئے صحیفہ کھول دیا گیا ہے۔ اور بزرگ فرشتے تجھ پر مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ دائیں طرف والا نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں طرف برائیاں۔ اب جو تیرا دل چاہتا ہے عمل کر جب تو مرے گا تو یہ تیرا دفتر لپیٹ دیا جائے گا۔ اور تیرے ساتھ تیری قبر میں رکھ دیا جائے گا۔ اور قیامت کے دن تو جب اٹھے گا تو یہ تیرے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ہر انسان کی شامت اعمال ہم نے اس کی گلے لگا دی ہے اور ہم قیامت کے دن اس کے سامنے نامہ اعمال کی ایک کتاب ڈال دیں گے۔ جسے وہ کھلی ہوئی پائے گا۔ پھر اس سے کہیں گے کہ یہ کتاب پڑھ لے۔ آج تو خود ہی اپنا حساب کر لے۔ اس موقع پر حسنؒ کہتے ہیں۔ کہ اس نے بڑا عدل فرمایا۔ جس نے تجھے خود ہی تیرا محاسب بنا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو بھی تو اچھا یا برا لفظ زبان سے نکلتا ہے۔ وہ لکھا جاتا ہے۔ اور پھر جمعرات کے دن یہ سب اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ خیر و شر رکھ لیا جاتا ہے، باقی مٹا دیا جاتا ہے۔ تو ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں کا مقرر ہونا تو ایک الگ بات رہی۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے بغیر بھی ہر شخص کے ہر لمحہ کے اعمال و افعال سے واقف ہے۔ اور صفت علم کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا واقف حال ہے کہ آدمی کے دل میں ہر لمحہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے واقف ہوتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ میرے تحت الشعور میں جو خیال رہے کیا اللہ تعالیٰ اس سے واقف ہے تو فوراً اس یقین اور ایمان کے ساتھ تسلیم کر لینا چاہئے۔ کہ بیشک وہ خیال جو بھی انسان کے تحت الشعور میں جنم لے رہا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی واقف ہوتا ہے۔ اس لئے ہر لمحہ انسان کو محتاط رہنا چاہئے اور اسی میں فلاح ہے۔

اچھے اور برے اعمال کے نتائج

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ

اور پورا پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو اس نے عمل کیا ہے اور ان پر ذرا برابر ظلم نہ ہوگا۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی دنیا میں آیا ہے اس کا نامہ اعمال لکھا جا رہا ہے جب وہ قیامت کے دن اٹھے گا۔ تو اس کے ہاتھ میں اس کے اعمال کا حساب دے دیا جائے گا جو مجرم ہوگا اور جس نے فقط اپنی دنیاوی زندگی کے لئے ہی کوشش کی ہوگی اور آخرت کو بالکل بھلا دیا ہوگا تو ایسے بدنصیب کے لئے وہاں آگ کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ یہ اس کے اعمال کا صلہ ہوگا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو کسی پر ظلم نہیں فرماتا۔ جو نیک ہوں گے۔ وہاں ان کے لیے انعامات کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ انہیں انعامات و اکرام سے نوازتا رہے گا۔ لیکن اس کے لیے انسان

کو ہر وقت خود ہی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

سورہ النسا میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ وَاِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْھَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظلم نہیں فرماتا ذرہ برابر۔ اگر نیکی ہو تو اسے دُگنا کر دے گا۔ اور اپنے پاس سے بہت بڑا اجر دے گا۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ پھر ایک بار واضح فرما رہا ہے کہ اے بنی آدم، یہ خیال بھی دل میں نہ لانا۔ کہ اللہ تعالیٰ ظلم کرتا ہے اس کی یہ شان نہیں۔ وہ تو رحیم و کریم ہے اور کسی پر بھی ذرہ برابر ظلم نہیں فرماتا۔ ہاں اگر کوئی بدنصیب دہکتی ہوئی آگ کا شکار بنے گا تو محض اپنے کرتوتوں کی وجہ سے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے نیکی اور برائی، ایمان اور کفر کے راستوں کو ظاہر کر دیا ہے یہ معاملہ کوئی ڈھکا چھپا نہیں۔ اب یہ انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ کس راستے کو اپناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خواہش کر کے آخروی نعمتوں کا حق دار بنتا ہے۔ یا پھر شیطانی راستہ اختیار کر کے دوزخ کی آگ کا ایندھن بنتا ہے۔ تو جو شخص نفسانی خواہشات کے لیے ہی کوششیں کرتا رہا ہو وہاں اسے سوائے ذلت کے اور کیا ملے گا۔ اور جو شخص نیکی کرے گا۔ اللہ وحدہ لاشریک اس کی نیکیوں کو دگنا کر کے بڑھا چڑھا کر ان کا اجر دے گا۔ اور اگر اس کے باوجود آگ کی گھاٹیوں میں وہ گرے تو بتائیے کہ پھر یہ کس کا کیا دھرا ہے۔

سورہ النساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ یَّکْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَکْسِبُہٗ عَلٰی نَفْسِہٖ

اور جو کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ اپنے ہی لیے کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو مجرم گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ وہ یہ گناہ اپنے لیے ہی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اور اس کے جملہ نظام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا نہ ہی یہ انسان کے بس میں ہے۔ اس کی تمام برائیاں اور گناہ قیامت کے دن اس کے گلے میں لعنت کا طوق بن جائیں گے۔ اور ایسے انسان کا اس اذیت ناک طوق سے پیچھا چھڑانا نہایت مشکل ہوگا۔ بلکہ بالکل ہی ناممکن ہوگا۔ قیامت کے دن تمام فیصلے اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے قانون وضع فرما دیے ہیں۔ یہ قوانین بالکل تبدیل نہیں ہونگے معلوم ہوا کہ جو شخص گناہوں کی دلدل میں دھنسا ہوا ہے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ خود اپنے لیے مصیبت کھڑی کر رہا ہے۔

سورہ انساء میں ایک اور جگہ ارشاد پاک ہے۔

مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً یُّجْزَ بِہٖ وَلَا یَجِدْ لَہٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرً ''

اور جو کوئی برا کام کرے گا تو اس کی سزا پائے گا۔ اور نہ پائے گا اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست۔ اور نہ ہی کوئی مددگار۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی برا کام کرے گا تو جب تک دنیا میں تائب نہ ہو جائے اس کی قیامت کے دن سزا ضرور پائے گا۔ اور روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات اٹل ہیں۔ اس دنیاوی زندگی میں ہی موقع ہے کہ اپنے گناہوں سے تائب ہو کر نئے سرے سے ایسی زندگی شروع کر لی جائے جو تابعداری اور فرمانبرداری کا نمونہ ہو۔ اگر بدنصیبی سے کوئی نہ سنبھلے تو پھر قیامت کے دن جو اصول وضوابط مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے مطابق دردناک اور اذیت ناک عذاب وہاں منتظر ہوگا جس سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔ انسان کے لیے اب موقع ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں بھی حقیقی مددگار تصور کرے۔ اس کی اطاعت میں زندگی کے شب و روز گزارے۔ میرا ذاتی ایمان ہے کہ میں اب بھی یہ کہتا ہوں کہ لوگ آخرت میں اللہ تعالیٰ سوا کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔ میں خورشید عالم گوہر اللہ کی رحمت کا ایسا طلب گار ہوں کہ اس دنیا کی زندگی میں بھی اُس کے سوا کوئی ہمدرد اور مددگار نہیں پاتا۔ اور اس کی رحمت کا امیدوار ہوں۔ اور قیامت کے دن بھی اُس کی رحمت اور مغفرت کا محتاج ہوں گا۔ اس کا ادنیٰ سا فقیر ہوں۔ وہی حاکم کل ہے اور غنی ہے۔ میں اس کی کائنات میں پڑا ہوا ایک ایسا بے وقعت ذرہ ہوں کہ اگر اس کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو اب تک لوگ اس دنیا سے میرا نام ونشان بھی مٹا چکے ہوتے۔ مجھے اللہ کی ذات پر کامل یقین ہے کہ قبر میں، حشر میں اور بوقت موت وہ میرے اوپر اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا۔ امین۔

سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا

اگر نیکی کی تم نے تو نیکی اپنے لئے۔ اور اگر برا کیا تو تم نے برا کیا اپنے لئے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر تم نے نیکی کی ہوگی تو یہ نیکی تمھارے اپنے کام آئے گی۔ اس سے کسی دوسرے کو آخرت میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ جتنی زیادہ نیکیاں ہوں گی۔ جنت میں اس خوش نصیب کے درجات اتنے ہی اونچے ہوں گے۔ وہاں اسے قسم قسم کے انعامات عطا ہوں گے۔ کوئی شخص جتنا بڑا نیک، پرہیزگار اور کتنے ہی زبردست تقوی کا مالک کیوں نہ ہوگا اس کی تمام تر نیکی، تقویٰ اور پرہیزگاری اُسی کے کام آئے گی اور اللہ تعالیٰ اس کی ان نیکیوں، تقویٰ اور پرہیزگاری کا انعام کئی گنا بڑھا کر عطا فرمائے گا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ نیک آدمی کی نیکی اسی کے کام آئے گی۔ اور بُرے آدمی کی نافرمانی اور برائی اس کے ذمہ دار آدمی کا اثاثہ ہوگی۔ نیک آدمی کی نیکی کسی دوسرے کے کوئی کام نہیں آئے گی۔ اور بُرے آدمی کی برائی سے کوئی دوسرا دوزخ کا ایندھن

نہیں بنے گا۔ یہ تو ہر انسان کے افعال ذاتی ہیں۔ نیک آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا اپنے لیے حاصل کرتا ہے اور برا آدمی ناراضگی بھی اپنی لیے حاصل کرتا ہے۔ اس سے بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ انسان جو بھی نیک و بداعمال کرے گا۔ اس کو ان کے مطابق قیامت کے دن اجر دیا جائے گا وہاں کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ اور کوئی کسی کے حصے کا عذاب برداشت نہیں کرے گا۔ یعنی ہر آدمی اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے بالکل تنہا ہوگا۔ اور اس کے دنیاوی خود ساختہ اعتقاد چکنا چور ہو جائیں گے۔ کوئی بڑے سے بڑا حکمران، سلطان یا کوئی بھی دوسرا آدمی اور کوئی بھی نیک سے نیک آدمی یا بُرے سے بُرا آدمی اپنے نامہ اعمال کے خود ذمہ دار ہوں گے۔ اور انعام وسزا کے بھی خود مستحق ٹھہریں گے۔ اسی لیے انسان کو توبہ و استغفار کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔

اس ضمن میں سورہ حم السجدہ میں ایک اور آیت کریمہ وارد ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا

جس نے عمل کیا نیک۔ سو اس نے اپنے لیے ہی کیا۔ اور جس نے برا کیا سو اس نے اپنے لیے کیا۔

اس آیت مبارکہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو نیک عمل کرے گا۔ تو اپنے آپ پر بھلا کرے گا۔ اس سے کسی دوسرے کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اور جو بُرائیاں کرتا ہے تو اس کے گناہ اور برائیاں اسی نافرمان کے گلے میں عذاب کا طوق بن کر لٹک جائیں گی اس لیے نیکی کرنے والا اور عبادت وریاضت کرنے والا اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ انسانوں کی کسی عبادت کا محتاج بھی نہیں ہے۔ اسی طرح جو برائیاں کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں کرتا تمام انسان مل کر بھی اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اس لیے نیک کی نیکی اپنے لیے اور بُرے کی برائی اس کے اپنے لیے ہیں۔ اور قیامت کے دن ان کے اعمال کے مطابق فیصلہ بھی کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کسی کا اجر ضائع نہیں فرماتا

سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ

بے شک اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ ایسا رحیم و کریم اور مہربان ہے کہ ذرہ برابر نیکی کو بھی کئی گنا بڑھا کر اجر عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے اور اس کی عطا کرنے کی صفت اتنی زیادہ ہے کہ وہ جب عطا کرتا ہے تو پھر انسان کا اپنا ظرف کم پڑ جاتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے خزانے تو لامحدود و لاتناہی ہیں۔ قیامت کے دن وہ نیکو کاروں کو ایسا اجر عطا فرمائے گا۔ کہ یہ نیک اور پرہیز گار بھی کہہ اُٹھیں گے کہ یہ سب کچھ تو ہمارے تصور وخیال سے بھی زیادہ ہے۔ اور ان نعمتوں کے مقابلے میں انہیں

اپنی عبادات حقیر نظر آئیں گی۔ وہ سجدہ شکر بجالائیں گے۔اور خوشی و مسرت سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے لگیں گے۔اور جس کسی نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مشکل سے مشکل تکلیف کاٹی ہوگی۔تو اسے یہ اذیت ناک تکلیف بھی وہاں کے آرام اور انعامات کے سامنے کمزور ترین دکھائی دے گی۔یعنی انسان تصور بھی نہیں کرسکتا۔ جو وہاں اسے اجر ملے گا۔اور اللہ تعالیٰ قدر دان ہے۔وہ بندے کی ایک ایک خلوص نیت سے کی گئی نیکی کی قدر فرماتا ہے۔اور ہر نیکی کرنے والے کی نیت سے آگاہ ہے۔ جو لوگ دنیا میں نیک اور سخی کہلانے کے لئے نیکی نہیں کرتے۔ بلکہ ان کے پیش نظر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے تو کل قیامت کے دن وہ جن باغات میں داخل کئے جائیں گے۔اور جو نعمتیں انہیں وہاں عطا ہوں گی اُن کے حسن و جمال بارے کوئی اندازہ قائم کرنا کسی انسان کے بس میں نہیں۔

سورہ یوسف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ

پس اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اس آیت مبارکہ میں ارشاد ہے۔کہ اللہ تعالیٰ ایسا رحیم و کریم اور رحمٰن ہے کہ اس کے لئے اگر ایک پیسہ بھی خرچ کیا جائے تو وہ اس کی بھی قدر فرماتا ہے۔اور سات سو گنا تک اجر بڑھا کر دیتا ہے۔ بشرطیکہ یہ عبادت و ریاضت اور سخاوت خالصاً اسی کی رضا کے لئے ہو۔اگر کسی کے ذہن میں کوئی دنیاوی مقصد ہو۔یا ذہن میں یہ خیال پرورش پا رہا ہو کہ عبادت و ریاضت سے لوگ اُسے برگزیدہ سمجھنے لگیں اور اس کی عزت کریں گے اس کے ہاتھ اور قدم چومیں گے اور اس کی بے حد تعظیم و توقیر کریں گے۔تو پھر ایسے آدمی کو سمجھ لینا چاہئے کہ دنیاوی توقیر تو شاید اسے مل جائے۔ مگر آخرت میں دکھاوے کی پاداش میں بھیانک عذاب اسے دیا جائے گا۔اور عبادات کا خلوص یہ ہے کہ یہ خالصاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو۔ اور اگر اس عبادت کے صلے میں اللہ تعالیٰ کوئی مرتبہ عطا کردے۔تو پھر ایسے کام نہ کرے کہ لوگ اس کو مافوق الفطرت سمجھ کر اس کی پوجا کرنے لگیں۔انسان کو اپنی عبادت و ریاضت میں ہر لحہ عاجزی کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔اور تکبر و غرور سے مکمل بچنا چاہئے۔خود کو عام انسانوں سے بلند مرتبہ ثابت کرنے کی قطعاً کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا تو یہ فیصلہ ہے کہ وہ اکڑنے والوں، تکبر کرنے والوں اور فخر کرنے والوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔جو خالص اللہ کی رضا کے لئے عبادت کرتے ہیں۔اور ہر لحہ ڈرتے ہیں۔خود کو عاجز اور کمزور سمجھتے ہیں۔اور کسی کو اپنے لئے ایسی تعظیم کرنے کی اجازت نہیں دیتے جو ذاتی انا کی تسکین کا باعث بنتی ہو۔اور جن کے دل میں ایک ہی ذوق و شوق ہو اللہ تعالیٰ کی رضا تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔بہشت میں اعلیٰ ترین نعمتیں ان کی منتظر ہیں۔ایسے بے لوث اور مخلص اہل ایمان کی اللہ تعالیٰ قدر فرماتا ہے قیامت کے دن ان کو عزت بھی عطا ہوگی۔شہرت بھی ملے گی اور ان کی پذیرائی بھی کی جائے گی۔اللہ تعالیٰ خود ان کا میزبان ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے قوانین نا قابل تغیر ہیں

سورہ الانعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ

اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا قانون اور اس کا نظام پکا ہے۔ انسان اگر یہ تصور کرتا پھر رہا ہو۔ کہ وہ قیامت کے دن اپنے برے اعمال کی سزا سے پیچھا چھڑا لے گا تو یقیناً یہ اس کی بھول ہے اور سخت غلط فہمی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوانین اور اصول وضوابط مقرر کر دیئے ہیں۔ ہر کام ان کے مطابق ہو رہا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ اس کے کسی قانون میں کوئی لچک موجود نہیں اگر ہم اللہ تعالیٰ کے قوانین میں مصلحت کے پہلو تلاش کرنے شروع کر دیں گے۔ تو پھر تاویلات ہی باقی رہ جائیں گی۔ اصل ضوابط وقوانین سے بالکل ہٹ جائیں گے۔ انسان ہمیشہ سے پابندیوں سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور فطری طور پر اپنے ذاتی فائدے کی حفاظت کا خواہش مند رہا ہے اپنے آرام اور معمولات میں بھی خلل نہیں چاہتا اور جنت کے حصول کا بھی متمنی ہے ایسا ہونا محال ہے۔ انسان کو ہر قیمت پر اللہ تعالیٰ کے نا قابل تبدیل قوانین کے تحت زندگی گزارنا ہوگی تبھی وہ اس کی رحمتوں کا حق دار بن سکتا ہے کائنات کے ایک ذرے ذرے پر نظر ڈالئے تو آپ کو ہر نظام مکمل اور مستحکم دکھائی دے گا۔ جس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ مثلاً سورج سے بارش نہیں ہو سکتی۔ سورج اپنے کام میں لگا ہوا ہے یعنی حرارت اور روشنی پہنچانا، بادل حرارت نہیں پہنچا سکتے۔ ان کا مقصد ہے بارش برسانا۔ کیکر کے درخت پر آم نہیں لگیں گے۔ اور آم کے درخت پر انگور نظر نہیں آئیں گے۔ پانی آگ کا کام نہیں دے سکتا۔ اور آگ پانی کا کام نہیں دے سکتی۔ موت کا قانون اٹل ہے۔ کوئی جاندار اپنی مقررہ معیاد سے ایک سانس بھی زیادہ زندہ نہیں رہتا۔

سورج، چاند، ستاروں اور آسمانوں کے جب بے شمار نظام نہایت مضبوط، ٹھوس اور اٹل ہیں تو انسان نے یہ کیسے سمجھ لیا ہے کہ اس کے معاملے میں قوانین محض برائے گفتگو ہیں۔ اور یہ اس پر نافذ نہیں ہوں گے۔ انسان کی پیدائش بھی اللہ تعالیٰ کے پختہ تر قانون کے تحت ہے جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ موت کے بعد ان سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔ یا وہ بغیر حساب دیئے بخش دیئے جائیں گے۔ تو اس کی ان کے پاس ایسی کونسی ٹھوس دلیل ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہر انسان کے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا۔ سورہ آل عمران کی یہ آیت کتاب میں پہلے بھی دی جا چکی ہے۔

"اور پورا پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو اس نے عمل کیا ہے۔ اور ان پر ذرا برابر ظلم نہ ہوگا"

اس سے ثابت ہوا کہ نامہ اعمال تو ہر انسان کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور اس کے اعمال کے مطابق فیصلہ بھی ہوگا۔ باقی رہا بخشش کا سوال تو یہاں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہے۔ اب جس

Marfat.com

شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی کوششیں کی ہوں گی اور اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے منافقانہ روگردانی نہیں کی ہوگی۔ تو پھر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور مغفرت اُسے عطا کی جائیں۔ اب منافقت کی علامات کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ منافقانہ روگردانی کیا ہے۔

منافقانہ روگردانی کی علامات یہ ہیں۔

(1) اللہ تعالیٰ کی بات اور اس کی نصیحت قرآن مجید یا حدیث سے سنائی جائے تو سننے والے کو سخت ناگوار گزرے بجائے اسکے کہ اسے ندامت ہو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اختیار کرے۔ خود ساختہ تاویلوں سے وہ آدمی اللہ تعالیٰ حکموں کے خلاف دلائل دے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں بے ہودہ بحث کرنے والا ہو۔

(2) اللہ تعالیٰ کی رضا سے زیادہ دنیا کی طلب اور خواہش رکھتا ہو۔

(3) ظلم، سود اور لوٹ کھسوٹ کے ذریعہ مال و دولت جمع کرنے والا ہو۔

(4) اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور اہل ایمان کو ناحق ستانے والا ہو۔

(5) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں سے گہرے تعلق رکھنے والا ہو۔

(6) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل سے کام لے۔

(7) دوسروں کے لئے دل میں بغض، حسد، کینہ اور منافقت رکھتا ہو۔

(8) نماز اور دوسرے افعال اسلامی میں ریاکاری کرنے والا ہو۔

(9) نماز، روزہ، اور جملہ ارکان اسلام کا اس طرح تارک ہو۔ کہ کوئی نصیحت اور کوئی کوشش اس کے لئے کارگر ثابت نہ ہو۔

(10) پتھر دل ہو اور غریب قرابت داروں سے ترک تعلق کرنے والا ہو۔

(11) اسلامی قوانین اور ضابطوں میں تاویلات کا عادی ہو۔

اگر ان میں سے چند ایک علامات بھی موجود ہوں۔ تو پھر سمجھ لینا چاہئے کہ یہی منافقانہ روگردانی ہے اور اللہ تعالیٰ کو ایسے افعال سے سخت نفرت ہے۔ ایسے مکروہ ترین خیالات و اعمال رکھنے والے منافقوں کو کتاب اللہ (قرآن) میں سخت اور دردناک عذاب کی خبر سنا دی گئی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی قباحت بھی اگر دل میں نظر آئے تو بندے کو یہ فعل قبیح سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سچے دل سے رجوع کرنا چاہئے اور کثرت سے استغفار ہی نجات کا واحد راستہ ہے۔

سورہ الانعام میں پھر ارشاد ہے۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ

نہیں کوئی بدلنے والا اللہ تعالیٰ کی کسی بات کو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس کے احکامات اور اس کے فرمانوں کو کوئی بھی تبدیل نہیں کرسکتا۔

Marfat.com

کسی میں یہ ہمت جرأت اور طاقت نہیں کہ وہ ان احکامات میں تبدیلی کے بارے سوچے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار اور منافقوں کے لئے ابدی جہنم کا اعلان فرمایا ہے۔ تو ہر قیمت پر کفار اور منافق جہنم میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کا اعلان فرمایا تو قیامت ضرور قائم ہوگی۔ اور ہر شخص سے وہاں باز پرس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ تو سود ہر صورت میں حرام ہے اور کوئی تاویل اسے جائز قرار نہیں دے سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے متمول افراد کو صدقہ، زکوٰۃ دینے اور یتیموں کا مال کھانے سے منع فرمایا ہے تو کوئی بھی تاویل ان کھاتے پیتے لوگوں کے لئے صدقہ، زکوٰۃ اور یتیموں، مسکینوں کا مال حلال نہیں کر سکتی۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ ہمارے ہاں نظام زکوٰۃ میں سے بہت سے متمول افراد زکوٰۃ کا پیسہ کھا جاتے ہیں۔ جو قطعی طور پر حرام ہے۔ زکوٰۃ نہ دینا ایک کبیرہ گناہ ہے۔ کوئی تاویل بھی کیوں نہ کر لی جائے۔ زکوٰۃ کی معافی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح کسی کو ناحق قتل کر دینا بہت بڑا گناہ ہے کوئی بڑی سے بڑی تاویل قتل ناحق کے قصاص یا دیت کو ختم نہیں کر سکتی۔ ضرورت سے زیادہ مال و دولت جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور کوئی تاویل اسے پسندیدہ نہیں کر سکتی۔ غرض کہ اللہ تعالیٰ نے جو قوانین نافذ فرمادیئے ہیں۔ وہ اپنی جگہ ناقابل تبدیلی ہیں۔ انسان اگر یہ تصور کرتا ہے کہ وہ ان قوانین کی پرواہ کئے بغیر بخشا جائے گا۔ تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کو تغیر نہیں ہے۔ اس کا نظام اٹل اور پختہ ہے۔ اور وہ ان قوانین کے خلاف ورزی پر معاف نہیں کرے گا۔ دنیا میں توبہ ایک بہت بڑا سہارا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ جن امور میں انسان احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو رہا ہے انہیں چھوڑ کر صدق دل سے توبہ کرے تو اس کے لئے رحمت و بخشش کے بند دروازے کھل جائیں گے۔ اس سے پہلے کہ دل پر نافرمانی کی مہر لگا دی جائے اور اللہ تعالیٰ بندے کو مسلسل گناہوں کو اختیار کرنے کے باعث ناپسندیدہ قرار دے کر ذلت کے گڑھوں میں پھینک دے۔ بلاتاخیر توبہ کر کے اپنا محاسبہ کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنے ناقابل تغیر قوانین کی بجا آوری کرنے اور نافرمانی و نفاق سے پوری طرح تائب ہو کر پکا اور سچا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سورہ بنی اسرائیل میں اسی طرح ارشاد ہے۔

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا

اور آپ ہمارے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ اس کے اٹل قانون میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ اس نے جو احکامات نازل فرمادیئے ہیں۔ وہ پختہ تر ہیں۔ اس دنیا میں بھی اور یوم آخرت میں بھی تمام معاملات اس کے مقررہ قوانین و ضوابط کے مطابق انجام پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہی کے مطابق فیصلہ فرمائے گا۔ اور اسی کے نافذ کردہ قانون کے مطابق ہر ذی روح نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور ہر ذی روح نے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر جواب دہ ہونا ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کو کسی مدد

Marfat.com

کی ضرورت نہیں۔ وہ زبردست قوتوں والا اور غالب ہے۔ اور اس کے مقررہ قانون کے مطابق ہی قیامت برپا ہوگی جہاں کوئی کسی کا مددگار نہ ہوگا۔ اور یہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے۔ نافرمان قومیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ اور یہ بھی اس قادر مطلق کا ناقابل تبدیلی اصول ہے۔

ایک ذی ہوش تبھی عقل مند کہلانے کا حق دار ہو سکتا ہے۔ جب وہ صدق دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جائے۔ اور شیطان کے بہکانے کے باوجود نہ بہکے۔ اور توبہ میں دیر نہ کرے۔ شیطان کا ایک بہت بڑا ہتھیار یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ورغلاتا ہے کہ تمھارے اتنے گناہ ہیں۔ اب توبہ کر کے کیا کرو گے۔ اور آدمی شیطانی چالوں میں آ کر توبہ سے دور رہتا ہے حتی کہ اس حالت میں موت سے ہمکنار ہو کر ہلاکت میں جا گرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دروازہ تو ہر وقت کھلا ہے۔ یہاں آنے والا کوئی خالی واپس نہیں جاتا اس لئے اگر دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ توبہ کیسے قبول ہوگی۔ تو فوراً استغفار کرنا چاہئے۔ اور انسان اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرے یا نہ کرے وہ تو ہر انسان کے کاموں سے باخبر ہے اس لئے شرمندگی محسوس کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جانا ہی عقلمندی ہے اور توبہ قبول کرنا یہ نہ کرنا اللہ کا کام ہے۔ لیکن بندے کو فوراً توبہ کر لینی چاہئے۔ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے دروازے پر صدق دل سے جھکنے والا ناکام و نامراد واپس نہیں جاتا۔

جب ہمارے پاس توبہ کا راستہ ہے تو ہمیں باقی خود ساختہ تمام تصورات ختم کر کے یہ یقین کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین اٹل اور ٹھوس ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی فوراً صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں جھک جانا چاہئے۔ اور پھر اس کے احکامات کی بجا آوری اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت پر مکمل عمل پیرا ہونا چاہئے۔ بس صرف یہی ایک راستہ نجات کا ہے۔

سورۃ الروم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ کی عادت میں کوئی ردو بدل نہیں۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس کے قوانین اور احکامات ٹھوس ہیں۔ اس نے جو قوانین مقرر فرمائے ہیں۔ تمام کائنات انہیں ضوابط پر مقررہ زندگی گزار رہی ہے۔ اس نے تخلیق کا جو سلسلہ شروع فرما رکھا ہے وہ قیام قیامت تک یونہی جاری و ساری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی اور ناراضگی کے اصول مقرر کر رکھے ہیں۔ اور انہی کے مطابق قیامت کے دن فیصلے ہوں گے۔ شیطانی قوتیں دنیا میں کیوں نہ فساد برپا کر لیں۔ آخرت میں ان کا ٹھکانا دوزخ کی وہ دہکتی آگ ہے کہ جس کی حدت و تباہ کاریوں کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

ہم تو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں ایسی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ ہم ہر روز اپنی آنکھوں سے بے شمار افراد کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتے دیکھتے ہیں۔ پھر بھی ہمیں وہاں جا کر جواب دہ ہونے کی فکر نہیں ہوتی۔ بے شمار انسان آئے انہوں نے اپنی فانی زندگی کے دن پورے کئے اور پھر واپس لوٹ گئے۔ یہ دنیا کے مال واسباب، یہاں کی حکومتیں، یہاں کی مملکتیں، یہاں کی عزتیں یہیں رہ جاتی ہیں اور آدمی تنہا اپنے اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔ موت اس کے تمام دنیاوی رشتے اور اسباب ختم کر دیتی ہے۔ یہ مال و دولت' یہ جاگیریں' کاروبار اور عظیم الشان عمارتیں مرنے والے کے کسی کام کے نہیں رہتے۔ وہ ایک کفن کی چادر دے کر بے بسی کے ساتھ قبر میں لٹا دیا جاتا ہے۔ ایمان والوں کی علامات ہی یہ ہیں کہ وہ ہر وقت اس یقینی سفر آخرت کے لئے تیار رہتے ہیں۔ ہر وقت توبہ واستغفار کرتے ہیں۔ اور دل سے دنیا کے طلب گار نہیں ہوتے۔ ان کے پیش نظر آخرت کی کامیابی ہوتی ہے اور جو اس حقیقت کو تسلیم نہ کرے حاضر تو انہیں بھی اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہونا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا ناقابل تبدیل قانون ہے کہ کوئی اس سے بچ نہیں سکتا اور وہ جان جو دنیا میں آئی ہے اسے بہر حال موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور سب کچھ یہیں چھوڑ کر چل دینا ہے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرِ

اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سب کام رجوع کیے جائیں گے۔

یہ جہان ایک فانی جہاں ہے جسے بہر حال فنا کے گھاٹ اترنا ہے انسان' چرند' پرند' حیوانات وجمادات' سورج چاند' ستارے ایک بھیانک تباہی سے دوچار ہوں گے۔ اس وقت انسان کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر دیا جائے گا۔ اگر انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش نہیں ہوگا۔ تو یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ ورنہ انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے دوٹوک فیصلہ فرما دیا ہے کہ اس کے تمام اعمال وافعال اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ضرور پیش ہوں گے اس لئے انسان کو اپنے ہر کام کے بارے میں ضرور سوچنا ہوگا کہ اس کا یہ کام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونے والا ہے۔

Marfat.com

سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واللہ عندہ حسن الماب

اور اچھا ٹھکانا تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ دنیا تو دکھوں اور مصیبتوں کا گھر ہے اہل ایمان کے لئے قدم قدم پر کانٹے ہیں۔ اور جگہ جگہ ان کی مخالفت کی جاتی ہے کبھی انہیں دیوانہ کہا جاتا ہے کبھی انہیں ترقی کا مخالف کہا جاتا ہے اور کبھی کچھ۔ یعنی شیطان مردود ہر جگہ اور ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ستانے کی کوشش کرتا ہے ان کے راستے میں کانٹے بچھاتا ہے مگر یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا فنا کا گھر ہے نہ تو یہاں ستائے جانے والے رہیں گے اور نہ ہی ستانے والے۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ جو نیک لوگ ہوں گے ان کے لئے سکون اور راحت کا گھر بھی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے جہاں پر وہ تصور سے بھی بالاتر نعمتیں حاصل کریں گے۔ وہاں پر کسی قسم کی لغو اور بے ہودہ بات نہیں سنیں گے۔ انہیں ہر قسم کا آرام اور سکون حاصل ہوگا۔

سورہ آل عمران میں پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرِ

اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں ایک بار پھر انسان کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ ان کی یہ زندگی چند سانسوں کا کھیل ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جانا کچھ زیادہ دیر بعد کی بھی بات نہیں۔ بلکہ پلک جھپکنے کی دیر ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا جائے اور اس کے احکامات کی دل و جان سے اطاعت کی جائے۔

سورہ الشوریٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرِ

یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتے ہیں سب امور۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ سب امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتے ہیں۔ کیونکہ وہی خالق و مالک اور سب سے بڑھ کر حساب لینے والا ہے اور ہر امر میں فیصلے کا اختیار صرف اسی کو حاصل ہے۔ ہم سب انسان اس کے سامنے کمزور اور بے بس ہیں اور ہمارے یہ اموال اور عہدے اس کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ کائنات بھی تو کچھ عرصہ کے لیے ہے ایک دن اسے فنا کے گھاٹ اتر جانا ہے۔ اس کے بعد حشر قائم ہوگا۔ اور وہاں کسی کو دم مارنے کی جرات نہیں ہوگی۔ ذرے ذرے پر اللہ کا اختیار ہے قیامت کے دن ہر ایک امر کا وہ فیصلہ فرما دے گا۔ ہر شخص دیکھ لے گا کہ اللہ تعالیٰ کی جلالت اور عظمت سب کو گھیرے ہوئے ہوگی۔ اور انسان سمیت کسی مخلوق کے لئے وہاں سے

بھاگ جانا ممکن نہیں ہوگا۔ ظالم، جابر، منافق، شیطان صفت انسان اور جن سزا پائیں گے۔ جب کہ نیک صفت اور پاکباز لوگ بہشت کے مزے اٹھائیں گے۔

سورہ الزخرف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اور بلاشبہ ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی علامت بیان فرما رہا ہے کہ انہیں کا ہر لحہ یقین ہوتا ہے کہ کسی بھی لمحے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جائیں گے۔ اور اپنے مہربان اور رحمٰن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ کسی سفر پر تشریف لے جاتے تھے۔ تو یہ پوری آیت تلاوت فرماتے تھے۔ اور ایک صاحب ایمان کی علامت ہی ہے کہ وہ ہر لحہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لئے تیار رہتا ہے۔ یہ دنیا اور اس کے لوازمات ان پرہیز گار لوگوں کی نظر میں کچھ وقعت نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ کا خوف

اللہ تعالیٰ کا خوف ہی نیک اعمال و افعال کی بنیاد ہے۔ جیسے کہ مقام تبوک میں خطبہ دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ رَاسُ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہُ یعنی دانائی کی بنیاد ہی اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہی ایمان کی اصل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں۔ جو اس سے ملاقات کا یقین رکھتے ہیں۔ آخرت کی جوابدہی پر صدق دل سے ایمان لاتے ہیں۔ اور ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہیں۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہے۔ تو ہر برائی سے بچ جاتا ہے اس کے اعمال میں پاکیزگی اور صفائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کی زندگی میں ایک نکھار سا آ جاتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کا خوف دل مین نہ ہو۔ انسان کے اعمال و افعال میں نورانیت پیدا ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ ڈر اور خوف ہی اسے غلط سمتوں میں جانے سے روکتا ہے۔ مثلاً اگر انسان کو بجلی کے کرنٹ کا خوف نہ ہو تو بجلی کے تاروں سے کھیلتا رہے گا۔ جس طرف سے اسے جانے سے آپ منع کریں گے جب تک اس کے خطرات سے نہیں ڈرائیں گے انسان اُدھر جانے سے باز نہیں آئے گا۔ زہر سے موت کا خوف نہ ہو تو انسان زہر کھاتا رہے گا۔ اس طرح جب انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈر، آخرت کی جوابدہی کا خوف اور جہنم کے بھیانک دہشت ناک عذاب کا خدشہ نہیں ہوگا۔ وہ گناہوں کو بالکل نہیں چھوڑے گا۔ اس لئے اللہ سے ڈر اور خوف ہی انسان کے لئے اُخروی

نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوْنِ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ

اے عقل والو! مجھ سے ڈرو۔

اہل ایمان کا کہنا ہے کہ اپنی قبر میں اللہ تعالیٰ کا خوف لے کر جاؤ۔ ملباس التقوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ پرہیزگاری کا لباس بہتر ہے۔ یعنی انسان خشوع وخضوع، اور تقویٰ کے باطنی لباس سے خالی نہ رہے بلکہ یہ لباس ظاہری لباس سے کہیں زیادہ بہتر اور نفع دینے والا ہے اور حدیث نبوی ﷺ کے مطابق کہ دنیا میں نیک اعمال کا بدلہ تو آخرت میں ہی ملے گا۔ ایک مسکین صحابی نے حضور ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے پاس تو کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اتنا ہونا چاہئے کہ کسی سے سوال کی نوبت نہ آئے اور بہترین خزانہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ عقل مند وہی ہیں۔ جو میری گرفت سے ڈرتے ہیں اور میری سزاؤں سے خوف زدہ ہیں۔ اور میرا حیا کرتے ہیں۔ اور ایک خوف یہ بھی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندہ ہونے سے خوف کھائے۔ اور شرمندگی سے خوفزدہ رہے۔ درحقیقت ڈر اور خوف کی اعلیٰ قسم یہی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا حیا کرے۔ اور اس کے حضور حاضری کے وقت شرمندگی سے بچے۔ دل وجان سے اس کی عظمت و جلال اور غلبہ دائمی پر ایمان لائے۔

سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم شکر کرو۔

اس آیت مبارکہ میں ارشاد ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہی انسان کو شکر بجالانے کی طرف آمادہ کرتا ہے۔ انسان کو جب اللہ تعالیٰ کے جلال اس کی عظمت اور لامحدود قدرت کا ادراک ہوتا ہے جو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کے رحیم و کریم ہونے کا خیال کروٹیں لینے لگتا ہے ــــ جب وہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود قوتوں کو دیکھتا ہے اور پھر اپنی کم مائیگی اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی طرف دیکھتا ہے تو دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے اس کا ارشاد ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ اس کا شکر بجالاؤ۔

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى

دنیا کا مال ومتاع تو بہت تھوڑا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے آخرت بہتر ٹھکانا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ دنیا کا مال بہت کم ہے۔ کیونکہ یہ سب کچھ فنا

Marfat.com

ہونے والا ہے۔ اور انسان کی استعداد بھی بہت کم ہے اس کو بہت سے عوارض لاحق ہیں۔ اور ان کے سبب وہ دنیا کے بہت سے اموال ولذات سے بھی اچھی طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دنیا میں دل لگانا یا اس کے مال و دولت کے حصول کی کوشش کرنا، احمقانہ عمل ہے۔ اصل آرام و آسائش اور انعامات آخرت کے ہیں۔ کہ جس کے بعد نہ کوئی موت ہے۔ نہ ہی کوئی عارضہ لاحق ہوگا۔ اور نہ ہی انسان کی استعداد میں کوئی کمی آئے گی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔ اور اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ تو انہیں خوشخبری ہو کہ آخرت کا گھر ان کے لئے بے مثال نعمتوں اور ہمیشہ ہمیشہ کی راحتوں کا گھر ہے۔ جہاں انہیں ہر قسم کا آرام و آسائش میسر ہوگی۔

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ

اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے۔ جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کے احکامات کی تعمیل کرنا اور اُس کے سامنے سر جھکانا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے سبب ہی انسان نیک اعمال اور پاکیزہ زندگی کا مالک بن سکتا ہے۔ تقویٰ وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اپنا خاص کرم فرماتا ہے۔ اور تقویٰ کی بنیاد بھی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کا یقین ہے۔

سورہ الاعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ

اور آخرت ہی کا گھر بہتر ہے۔ ان کے لئے جو ڈرتے ہیں۔

اس آیت میں ایک بار پھر ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ کہ اصل انعامات اور نوازشات تو وہی ہیں۔ جو آخرت میں اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ اور جو پاکباز اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ ان کے لئے آخرت کا گھر بہتر ہے۔

سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فاللّٰه احق ان تخشوہ ان کنتم مومنین

پس اللہ تعالیٰ ہی زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم ڈرو اس سے اگر تم مومن ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ تم دنیاوی حکمرانوں سے تو ڈرتے ہو صاحب دوست لوگوں سے بھی ڈرتے ہو۔ یہ ڈر تو بالکل عارضی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ خود عاجز ہیں۔ اور موت خود ان کے دروازوں پر ان کی گھات لگا کر بیٹھی ہے دنیا کے بڑے بڑے محلات کے کھنڈرات گواہی دے رہے ہیں اور دنیا کے ان بادشاہوں اور حکمرانوں کے فنا کی داستان سنا رہے ہیں۔ کہ کبھی جو حکم دیا کرتے

تھے۔ اور جن کو اپنی دولتوں پر بڑا ناز تھا نہ ان کی سلطنتیں باقی رہیں، اور نہ ہی ان کے بڑے بڑے لشکر۔ ان کے بڑے بڑے دربار عبرت کی تصویر بن گئے۔ اور جو اُن کا حکم بجالاتے اور انہیں خواہشات کا مرکز جانتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سخت شرمندہ ہوں گے۔ کیونکہ ان کے وہ دنیاوی آقا اور بادشاہ، اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان کی کچھ بھی مدد نہیں کرسکیں گے۔ وہاں ہر بات کا فیصلہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اس لئے ارشاد ہے کہ ان دنیاوی حکمرانوں سے ڈرنے کی بجائے اللہ وحدہ لاشریک سے ڈرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا خوف ہی حقیقی خوف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قوت اور حکومت کو کبھی زوال نہیں۔ اس کی گرفت سے کوئی بچانے والا نہیں۔ اور اس کی عطا کا کوئی حساب نہیں۔ تو جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اور اپنی زندگی کو سنوارے گا۔ پس وہی آدمی قیامت کے دن کامیاب اور سرخرو ہوگا اور وہاں پر سب کو احساس ہوگا کہ اصل سرمایہ تو اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی لامحدود قدرت اور عظمت وجلال کا مالک ہے زندگی دینا یا واپس لینا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے لہٰذا آیت کا مفہوم ہمیں یہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرنا حقیقی ایمان کی علامت ہے اور ایماندار ہر معاملے میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ

کیا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی خوف الٰہی پر اور اس کی خوشنودی پر وہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی وادی کے اس کنارے پر جو نیچے سے کھوکھلا ہو کر گرنے کو ہے دوزخ کی آگ میں۔

نہایت خوبصورت مثال کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نیک وبد کے فرق کو واضح فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ ایک وہ شخص جس کی زندگی کے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کا خوف موجود ہو عمارت سے زندگی مراد لی جائے تو پھر احساس ہوگا کہ انسانی زندگی بھی اعمال کے اعتبار سے ایک عمارت ہی ہے۔ اور وہ شخص جو زندگی کے ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہو اور اسے ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہو اور اس خوف کے باعث اس کے تمام اعمال اللہ کے احکامات کے تابع ہو جائیں تو۔ وہ بہت بہتر ہے۔ وہ شخص بہت بدنصیب ہے کہ جس نے اپنی زندگی میں نافرمانی ہٹ دھرمی اور نفاق کو اختیار کیا۔ تو اس شخص کی مثال ایسی ہی ہے۔ کہ اس نے دوزخ کی وادی میں اپنا گھر بنالیا ہو اور اب جہنم کی آگ اسے اپنی لپیٹ میں لینا چاہتی ہے۔ یعنی نافرمان انسان کو اس کی نافرمانی کے سبب جہنم کی آگ اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بے حد کریم ہے۔ اور وہ قدم قدم پر انسان کو موقع عطا فرماتا ہے اور اس بات کی طرف راہنمائی فرماتا ہے کہ دنیا کی چندروزہ زندگی میں گناہوں سے تائب ہو کر ایک فرمانبرداری کی سی

Marfat.com

زندگی کا آغاز کر لیا جائے۔ کیونکہ عمل کی مہلت بہت کم ہے اس لئے اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ بالواسطہ طور پر ظاہر فرمارہا ہے کہ نیکی اور ایمان وتقویٰ کا راستہ ہی نجات کا راستہ ہے۔ اور بدی ونفاق اور کفر کا راستہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی بے دھوئیں کی سخت تکلیف دہ آگ کا راستہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی انسان صاحب عزت ہے جو واطاعت گزار ہے۔ اور جو نافرمان ہے تو بلاشبہ وہ شیطان کا ساتھی ہے۔ اور شیاطین کے لئے جہنم کے جو وسیع اور گہرے گڑھے آگ سے دہک رہے ہیں۔ وہ شیطان کے ساتھیوں کا بدترین ٹھکانا بنیں گے۔ عمل کے لئے جو مہلت ہمیں حاصل ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور توبہ میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔

سورہ النحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَفَغَیْرَ اللّٰہِ تَتَّقُوْنَ

پس کیا تم غیر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم فنا ہونے والے حکمرانوں اور ارباب دولت وسلطنت سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ ان کی اور تمہاری زندگی بھی لمحوں کا کھیل ہیں اور اصل وحقیقی حکمران اللہ تعالیٰ ہے۔ کہ جس کے دربار میں دوبارہ زندہ ہو کر ہر عمل کا حساب دینا ہے۔ وہاں موت بھی نہیں ہے تاکہ تمہاری جان چھوٹ جائے۔ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کو جان بوجھ کر ایک سخت اور بھیانک آگ کی نذر کرنا کونسی عقل مندی ہے اور حق تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رہے اور انسان کے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کا خوف شامل ہو تو ایسا نیک بخت انسان یقیناً نجات حاصل کر کے انعام حاصل کرنے والوں میں سے ہوگا۔

سورہ الحجرات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

بے شک تم میں زیادہ عزت والا ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ یہ دنیاوی عہدے بادشاہت اور حکمرانی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ دنیا کا بڑے سے بڑا دولت منداور صاحب مرتبہ بھی اس کے دروازے کا فقیر ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور اس کے احکام کے تیر چاروں طرف چل رہے ہیں۔ اسے دنیا و اہل دنیا کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے انسان اس کے کسی ایک لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور اس کے نزدیک عزت والا وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار رہے ڈرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم بجالاتا ہے۔ اس کے شب وروز آخرت کی فکر میں گزرتے ہیں اور اس کے ہر کام میں رضائے الٰہی کا حصول ہمیشہ اولیت رکھتا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم تقویٰ اور پرہیزگاری کو اپنا مقصد حیات بنائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہمیں حاصل ہو سکے۔

Marfat.com

سورہ القلم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ

بلاشبہ پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے یہاں نعمتوں کے باغ ہیں۔

جولوگ نیکی اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ اصول وضوابط کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ ماں باپ کی فرمانبرداری کرتے ہی۔ دوسروں پر ظلم نہیں کرتے، قتل و غارت گری نہیں کرتے۔ چوری اور ڈاکہ زنی سے دور رہتے ہیں۔ کوئی اگر انہیں تکلیف بھی دے تو صبر کرتے ہیں۔ نماز، روزہ کے پابند ہیں اور زکوۃ وصدقات ادا کرتے ہیں۔ کسی کے سامنے تکبر نہیں کرتے۔ جھوٹ نہیں بولتے۔ خود کو دوسروں سے بڑا نہیں سمجھتے۔ ہر لمحہ دل کی گہرائیوں سے عبادت الٰہی وخدمت بندگان میں مصروف رہتے ہیں۔ اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو ندامت کے ساتھ توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ برائیوں سے بچتے ہیں۔ اسلام دشمنوں کا کسی بھی مرحلے میں ساتھ نہیں دیتے۔ اور گمراہوں سے راہ ورسم نہیں بڑھاتے۔ اپنا محافظ ورازق اللہ تعالیٰ کو سمجھتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کے لئے اس فانی زندگی کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جو نعمتیں موجود ہیں۔ وہ بدرجہا بہتر ہیں۔ اور جنت کی نہایت دلکش اور بہت ہی خوبصورت وادیاں ان کی ملکیت ہوں گی۔ جہاں قسم قسم کی نعمتوں کے ساتھ نہایت خوبصورت اور پاکیزہ کردار رکھنے والی حوریں ان کی خدمت کے لئے موجود ہوں گی۔ اور غلمان ہاتھ باندھ کر ان کے احکامات بجالانے کے لئے منتظر ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے دن سات سو گنا اجر کی عطا

سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

(ترجمہ) جولوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان کی مثال اس دانہ جیسی ہے جس میں سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے۔ اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔

اس آیت میں بیان فرمایا جارہا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے مال کو خرچ کرے اسے بڑی برکتیں اور بہت بڑے ثواب ملیں گے۔ اور نیکیاں سات سو گنا کر کے دی جائیں گی۔ جولوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد میں یا غریبوں کی مدد میں یا کسی حاجت مند کی حاجت دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے خرچ کرے۔ تو اس کے بدلے کی مثال بیان فرمائی جا رہی ہے۔ اور یوں فرمادینا کہ ایک کے بدلے سات سو گنا اجر ملے گا۔ صفت رحمت کا یہی شان امتیاز

ہے۔اس کلام میں بہت زیادہ لطافت ہے۔اور پھر یہ بھی اشارہ ہے کہ نیک اعمال اللہ کے ہاں بڑھتے رہتے ہیں۔جس طرح کھیتوں میں فصلیں اور دیگر اناج وغیرہ بڑھتے ہیں۔مسند رحمت میں حدیث ہے۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔جوشخص کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیتا ہے اسے سات سو گنا کا ثواب ملتا ہے۔مسند احمد کی ایک اور حدیث بھی آخرت کے بدلے کی مثال کی طرف واضح اشارہ کرتی ہے۔رسول اللہ نے ارشاد فرمایا۔کہ جوشخص ایک نکیل والی اونٹنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کرے گا تو قیامت کے دن سات سو نکیل والی اونٹنیاں پائے گا۔اس سے بالکل ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو کوئی جو کچھ بھی خرچ کرے گا۔تو سات سو گنا اجر اس کا منتظر ہوگا۔ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ جوشخص جہاد میں کچھ مالی مدد دے۔مگر خود نہ جائے تاہم اسے ایک کے بدلے سات سو خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے اور خود بھی شریک ہو تو ایک درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کا ثواب ملتا ہے ابن مردویہ میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ تعالیٰ میری امت کو کچھ اور زیادتی عطا فرما۔تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا اور اہل اسلام کے لئے اپنی رحمت وعطا کے دروازے کھول دیئے۔اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنا دراصل اپنے آپ پر احسان کرنا ہے۔قیامت کے دن جب ہر شخص خوف میں گھرا ہوا ہوگا۔اور وہاں اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تو کوئی مددگار ہوگا اور نہ پرسان حال ہوگا۔اتنے بڑے اجر کا وہاں مل جانا انسان کے لئے کتنی خوشی کا باعث ہوگا۔اس لئے کوشش کرنی چاہئے بلکہ یہ فرض عین سمجھ لینا چاہئے کہ دل کھول کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے۔تاکہ جب انسان آخرت میں پہنچے تو اس کے لئے بہت سا بخشش کا سامان تیار ہو۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا دراصل غریبوں محتاجوں،فقیروں اور بے بس لوگوں کی مالی مدد کرنا اور پھر جہاد میں مالی مدد کرنا دراصل اسلام کی تحریک کو تقویت دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بلاشبہ یہ صدقہ جاریہ ہے قیامت کے دن تک اس کے انعامات میں متواتر اضافے ہوتے رہیں گے۔

فلسفہ وجود ذاتی،حسّی،خیالی،عقلی اور شبہی

بعض مسائل سمجھنے کے لئے فلسفہ کی اصلاحات پیش کی جارہی ہیں۔

وجود کے لئے پانچ مراتب ہیں۔اور انہیں پانچ مراتب سے غافل ہونے کے سبب مختلف فرقوں نے ہر دوسرے فرقے کو جھٹلایا ہے۔حالانکہ وجود ذاتی بھی ہے۔حسی بھی ہے۔خیالی بھی ہے۔اور عقلی وشبہی بھی ہے۔پس جوشخص ان پانچوں میں سے کسی کا اعتراف اس بنیاد پر کرے کہ جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے تو وہ جھوٹا نہیں ہے۔

Marfat.com

وجود ذاتی

یہ وہی وجود حقیقی ہے کہ جو حواس اور عقل کے ساتھ موجود ہے لیکن حس اور عقل اسے اخذ کرتی ہے اور اس اخذ کرنے کو ادراک کہتے ہیں۔ آسمان، زمین، حیوانات اور نباتات کا وجود جو کہ ظاہر ہے حس اور عقل اس کا ادراک کرتی ہیں۔ وجود کے لئے یہی معانی صادق آتے ہیں۔ اور اس کے سوا کوئی دوسرا معنی وجود پر صادق نہیں آتا۔

وجود حسی

ایسا وجود جو کہ آنکھ کی دیکھنے کی قوت میں متمثل (شکل پذیر) ہوتا ہے اور جس کے لئے آنکھ سے باہر میں کوئی وجود نہیں۔ تو ایسا وجود حس خیال میں موجود ہوتا ہے اور خیالی قوت ہی اس کے ساتھ ہوتی ہے اور جس کے ساتھ کوئی دوسری چیز اس کے وجود میں شرکت نہیں رکھتی۔ جس طرح کہ سویا ہوا شخص خواب دیکھتا ہے۔ یا کبھی مریض بیداری کی حالت میں کوئی دوسرا واقعہ دیکھتا ہے کیونکہ کبھی کبھار مریض کی آنکھ میں کوئی صورت ظاہر ہونے لگتی ہے۔ کہ جس کے لئے مریض کے خیال میں وہ موجود ہوتا ہے جب کہ بظاہر کوئی واقعہ نہیں ہوتا۔ لیکن وہ اسے اس طرح دیکھ رہا ہوتا ہے۔ جیسے خارج میں وہ دیگر اشیاء کو دیکھتا ہے کبھی کبھی انبیاء کرام کے لئے بھی حالت بیداری اور خواب میں ایسی صورتیں ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ جو ملائکہ کے مشابہ ہوتی ہیں۔ اور انہی کی وساطت سے ان کی طرف الہام اور وحی پہنچائی جاتی ہے۔ انبیاء اکرام ان امور غیبیہ کو بھی باطنی صفائی کے باعث بیداری کی حالت میں دیکھتے ہیں۔ جن کو دوسرے لوگ کبھی کبھار خواب میں دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت مریمؑ کے سامنے جبرائیلؑ کا انسانی صورت میں شکل پذیر ہونا اور رسول اللہ ﷺ کا جبرائیل امینؑ کو اکثر حالات میں دیکھنا۔ جب کہ جبرائیل کو اصل صورت میں حضور ﷺ نے دو دفعہ دیکھا۔ لیکن حضور ﷺ کا جبرائیلؑ کو مختلف صورتوں میں متمثل دیکھنا اور خود رسول اللہ ﷺ کی زیارت اہل ایمان کو خواب میں ہونا۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا تو اس نے واقعی ہی خواب میں مجھے دیکھا۔ اس لئے کہ شیطان میری صورت کے ساتھ متمثل نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ حضور ﷺ کا خواب میں دکھائی دینا اس طرح نہیں ہوتا کہ حضور ﷺ کا عکس مثل مدینہ منورہ کے روضہ مبارک سے خواب دیکھنے والے کے مقام خواب میں منتقل ہو کر آتا ہو۔ بلکہ حضور ﷺ کا دکھائی دینا اس طرح ہوتا ہے کہ خواب دیکھنے والے کی فقط حس میں رسول اللہ ﷺ کی صورت مبارکہ موجود ہو جاتی ہے پس اگر کوئی اس بات کو تسلیم نہ کرتا ہو تو اپنی آنکھ کی تصدیق کرے۔ اس لئے کہ وہ آگ کی چنگاری کو جب دیکھتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک نقطہ ہے اور پھر اس کو تیزی سے حرکت دی جائے تو آگ کا خط دکھائی دیتا ہے۔ اور اگر اسے دائرے کی صورت میں گھما دیا جائے تو آگ کا دائرہ نظر آئے گا۔ اور

Marfat.com

یہ آگ کا دائرہ اور آگ کا خط دونوں دکھائی دیتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں کا وجود دیکھنے والے کے خیال میں ہے نہ کہ ظاہر میں ہے۔ اس لئے کہ ہر حالت میں موجود خارجی طور پر صرف ایک نقطہ ہے لیکن اس نقطہ کا خط ہو جانا مختلف اوقات میں ہوتا ہے لہٰذا خط کا وجود ایک ہی حالت میں ثابت نہیں ہو گا۔ حالانکہ وہ دیکھنے والے کے مشاہدہ میں ایک ہی حالت میں موجود نقطہ ہے۔

وجودخیالی

یہ بھی انہی محسوسات کی صورت ہے جبکہ وہ حس سے غائب ہو جاتی ہیں۔ اس لئے کہ انسان کو اس امر کی قدرت ہے کہ وہ اپنے خیال میں کسی جانور یا کسی بھی شے کی صورت کا تصور کر کے آنکھوں کو بند کر لے۔ اور بعض دفعہ جب کوئی شخص کسی شے کا تصور کر کے آنکھیں بند کرتا ہے تو اسے وہ صورت نظر آنے لگتی ہے حالانکہ وہ خیالی صورت دماغ میں موجود ہوتی ہے۔ جب کہ باہر تو اس وقت اس شے کا وجود نہیں ہوتا۔

وجودعقلی

یعنی کسی چیز کے لئے روح یعنی حقیقت و معانی جدا ہوں اور صورت جدا۔ لیکن عقل صرف اس چیز کے مجرد معنی بتائے۔ اور اس کی صورت کو خیال، حس یا خارج میں ثابت نہ کرے۔ جیسے ہاتھ۔ کہ اس کے لئے ایک صورت بھی ہے کہ جو محسوس بھی کی جا سکتی ہے اور متخیل بھی ہے اور اس کے لئے ایک معنی بھی ہے کہ جو اس کی حقیقت اور روح ہے اور وہ حقیقت کیا ہے یعنی پکڑنے کی قدرت کہ جو ہاتھ کی عقلی صورت ہے اور جیسے قلم اس کے لئے ایک جدا صورت موجود ہے لیکن اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے الفاظ لکھے جاتے ہیں۔ اور یہ معانی ہی عقل کو حاصل ہوتے ہیں

وجودشبہی

اس کے معانی ہیں کہ نفس شے صورت کے اعتبار سے موجود ہو۔ نہ کہ حقیقت کے اعتبار سے، نہ خارج میں اور نہ حس میں اور نہ خیال میں اور نہ عقل میں۔ لیکن حقیقت میں کوئی دوسری چیز موجود ہو۔ جو کہ اول شے کے ساتھ کسی ایک بات یا صفت میں مشابہت رکھتی ہو وجود اشیاء کے یہی مراتب ہیں۔

اب ان پانچوں درجوں کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

امثال وجودذاتی

یہ بالکل تاویل کی محتاج نہیں اور یہ وہی وجود ہے جو اپنے ظاہر پر طاری رہتا ہے اور تاویل نہیں کیا جا سکتا اور یہ بھی وجود مطلق حقیقی ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کا عرش، کرسی اور ساتوں آسمانوں کی خبر دینا۔ اس لئے کہ یہ اجسام فی نفسہ موجود ہیں۔ بیشک حس اور خیال ان کا ادراک کر سکتے ہوں یا نہیں۔

Marfat.com

امثال وجود حسی

وجود حسی کی مثالیں تاویلات میں کثرت سے ہیں۔لیکن دومثالیں حاضر خدمت ہیں۔

1- ایک تو یہ کہ جیسے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے دن موت کو ایک خوبصورت مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا اور جنت و دوزخ کے درمیان اس کو ذبح کر دیا جائے گا لیکن جس آدمی کے سامنے دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ موت عرض ہے یا غیر عرض اور عرض کا جسم ہونا محال ہے اور دیکھا نہیں جا سکتا تو وہ شخص اس حدیث کی یوں تاویل کرتا نظر آئے گا کہ اہل قیامت کو وہ مینڈھا دکھایا جائے گا اور ان کو یہ یقین دلایا جائے گا کہ یہی موت ہے اور یہ مینڈھا ان کی حس میں موجود ہوگا۔بغیر اس کے کہ وہ ظاہری طور پر موجود ہو۔اور اس کا ذبح کیا جانا ان کی موت سے ناامیدی کا باعث بنے گا۔اس لئے کہ جو ذبح کیا جاتا ہے اس کی پھر آنے کی امید قطعی طور پر ختم ہو جاتی ہے اور جس شخص کے نزدیک یہ دلیل قائم نہیں ہے تو وہ اعتقاد کرلے گا کہ نفس موت فی الواقع مینڈھا بن جائے گی اور پھر اسے ذبح کیا جائے گا۔

2- دوسری مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جنت اس دیوار کی پہنائی میں میرے سامنے کیا گیا۔پس جس شخص کے نزدیک اس امر پر برہان ثابت ہے کہ اجسام میں کوئی دوسرا جسم داخل نہیں ہو سکتا۔اور بڑی چیز چھوٹی چیز میں نہیں سما سکتی۔تو وہ شخص اس حدیث کے یہ معنی و مفہوم سمجھ لے گا کہ جنت کا اصلی وجود تو اس دیوار کی طرف منتقل نہیں ہوا تھا۔لیکن جنت کی صورت دیوار میں اس طرح متمثل ہوگئی کہ گویا جنت دکھائی دے رہی تھی۔اور یہ کوئی انہونی بات نہیں۔کہ بڑی چیز کسی مثال ایک چھوٹی چیز میں دکھائی دے۔جیسے کہ آسمان ایک چھوٹے سے آئینے میں دکھائی دیتا ہے اور یہ دکھائی دینا صورت جنت کے مجرد تخیل کے لحاظ سے اس سے جدا ہے۔کہ جو آئینہ میں آسمان دکھائی دیتا ہے۔اس لئے ان صورتوں میں فرق کیا جا سکتا ہے کہ آسمان کا آئینہ میں دکھائی دینا الگ ہے اور آنکھوں کو بند کر کے آسمان کی صورت کا تخیل کے طور پر ادراک کرنا بالکل الگ چیز ہے۔عام طور پر کیمرے سے کئی کئی میل پر پھیلی وادیاں ایک چھوٹے سے کاغذ پر متمثل ہو جاتی ہیں اور تصور بن جاتی ہے۔

امثال وجود خیالی

وجود خیالی کی مثال جیسے حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ میں گویا یونس بن متی کی طرف نظر کر رہا ہوں۔کہ وہ دو عبائیں اوڑھے ہوئے کلمہ اللھم لبیک کہہ رہے ہیں۔اور پہاڑ ان کو جواب دیتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لبیک یا یونس۔حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ قول مبارک بظاہر اسی پر مبنی ہے کہ حضور ﷺ کے خیال مبارک میں یہ صورت متمثل ہوئی۔اس لئے کہ یونسؑ کی اس حالت کا

Marfat.com

وجود حضور ﷺ کے وجود مبارک سے پہلے ہو کر ختم بھی ہو چکا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے وقت موجود نہ تھا۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس حالت کا تمثل ہونا تصور کیا جاتا ہے اور یہ تمثل مشاہدہ ہو جاتا ہے۔

امثال وجود عقلی

وجود عقلی کی یوں تو بہت سے مثالیں ہیں۔ لیکن اس ضمن میں بھی دو مثالیں پیش خدمت ہیں۔

1- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے آخر میں جس شخص کو جہنم سے نکالا جائے گا اس کو دنیا سے کئی گناہ بڑا بہشت دیا جائے گا۔ اس لئے کہ اس قول سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنت طول وعرض اور سفر کے اعتبار سے دس گنا ہوگا۔ حالانکہ یہ ایک حسی اور خیالی فاصلہ ہے۔ پھر کبھی کہا جاتا ہے کہ بہشت تو حسب دلالت روایات آسمان میں ہے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ آسمان میں اس سے دس گنا بڑی چیز سما سکے۔ حالانکہ آسمان بھی تو دنیا ہی میں سے ہے۔ اور کبھی تاویل کرنے والا اس تعجب کو قطعی سمجھ کر کہتا ہے کہ اس فاصلہ سے معنوی اور عقلی فاصلہ مراد ہے نہ کہ حسی اور خیالی فاصلہ۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ یہ موتی اس جانور سے دس گنا بڑا ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی مالیت دس گنا ہے۔ کہ جو عقلاً ادراک کیا جاتا ہے نہ کہ جسم کے اعتبار سے کہ جو حس اور خیال سے ادراک کی گئی ہے۔

2- دوم جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے چالیس روز تک خمیر کیا۔ پس گویا بظاہر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہونا ثابت کیا گیا۔ لیکن جس شخص کے نزدیک یہ امر دلیل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے ہاتھ ہونا محال ہے جو عضو محسوسہ یا متخیلہ ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اختیاری اور عقلی ہاتھ ثابت کر سکتا ہے۔ جو کہ اس ارشاد گرامی کا اصل معنی اور حقیقت ہے نہ کہ صورت۔ اس لئے کہ ہاتھ کی روح اور معنی وہ شے ہے کہ جس کے ساتھ قدرت کے ذریعے پکڑتا اور عطا کرتا ہے اور دوسرے امور ہیں۔ جیسے کہ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے عقل کو پیدا کیا۔ اور پھر اسے کہا کہ میں تیرے ہی واسطہ سے دوں گا۔ اور تیرے ہی واسطہ پھیر لوں گا۔ امام غزالیؒ کے بقول ممکن نہیں کہ اس سے وہ عقل مراد ہو کہ جو ایک عرض ہے جیسے کہ علم کلام والوں کا اعتقاد ہے۔ کیوں کہ ممکن نہیں کہ سب سے پہلے عرض کی پیدائش ہو۔ بلکہ اس عقل سے مراد فرشتوں میں سے اس ایک فرشتہ کی ذات ہے جس کا نام عقل ہے۔ کیونکہ کہ یہ فرشتہ کل اشیاء کا تعقل اپنی جوہر اور اپنی ذات کے ساتھ کرتا ہے۔ بغیر اس کے کہ ہر کسی سے کچھ سیکھے۔ اور اسی فرشتہ کو قلم بھی کہتے ہیں۔ اسی لحاظ سے کہ اس کے واسطہ سے انبیاء اور اولیاء باقی ملائکہ کے دل میں وحی اور الہام کے طریقہ سے علوم نقش کیئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ دوسری حدیث میں یہ وارد ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا۔ اگر اسے عقل کی طرف نہ پھیرا جائے تو ان دونوں احادیث میں ایک دوسرے سے ضد لازم

Marfat.com

آ ئے گی۔ پس یہ جائز ہے کہ ایک شے کے لئے مختلف اعتبارات کے لحاظ سے کئی نام ہوں۔ چنانچہ عقل، تو خود اپنی ذات کے حوالے سے ہو اور فرشتہ اس حوالے سے ہو کہ اسے اللہ تعالیٰ اور مخلوقات کے درمیان واسطہ ہونے کی نسبت ہے۔

اور قلم اس طرح کہ اسے ایسے نقش علوم کی طرف نسبت ہے کہ جو اس سے بواسطۂ الہام اور وحی صادر ہوتا ہے جیسے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو روح باعتبار ان کی ذات کے پکارا جاتا ہے۔ اور امین اس اعتبار سے کہ اسرار ربانی ان کے پاس بطور امانت رکھے گئے ہیں۔ اور ذومرہ ان کے اختیارات کے حوالے سے اور شدید القویٰ طاقت کے حوالے سے اور مکین عند ذی العرش انہیں قرب کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ اور مطاع اس اعتبار سے کہ فرشتے ان کی پیروی کرتے ہیں۔ پس جس نے قلم اور ہاتھ کو عقلی ثابت کیا ہے۔ نہ کہ حسی اور خیالی اور اس طرح اس شخص نے کہ جس نے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے قدرت ہو یا کوئی دوسری صفت جیسے کہ اس کے بارے میں اپنی اپنی دلیلیں دیتے نظر آتے ہیں۔

اشال وجود شبہی

وجود شبہی جیسے غضب اور رضامندی اور حلم وغیرہ کہ جو ذات باری کے حق میں وارد ہوئی ہیں اس لئے کہ غضب کی حقیقت یہ ہے کہ ارادہ تشفی کے لئے غصہ آنا۔ لیکن یہ معنی نقصان اور غم سے الگ نہیں ہیں۔ پس جس شخص کے نزدیک اس امر پر دلیل قائم ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نفس غضب کا ثبوت ذاتی اور حسی اور خیالی اور عقلی محال ہے۔ تو وہ اس کی تاویل ایک دوسری صفت کے ثبوت پر کرتا ہے کہ جس سے وہی شے صادر ہو رہی ہے کہ جو غضب سے صادر ہو رہی ہے جیسے عذاب کا ارادہ کرنا۔ حالانکہ ارادہ کا غضب سے حقیقت ذاتیہ میں کوئی مناسبت نہیں۔ بلکہ ایک صفت میں ہے کہ جو اس سے قریب قریب ہے اور ایک اثر میں جو اس سے صادر ہوتا ہے۔ اور وہ کیا ہے ایلام یعنی دکھانا پس یہ سب تاویلات ہیں۔

افعال الٰہی (امام غزالیؒ کے فلسفہ کے حوالے سے)

اس عنوان کے تحت اللہ تعالیٰ کے سات اختیار ثابت کئے جائیں گے۔

(1) جائز تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندگان کو عبادت کی تکلیف ہی نہ دیتا؟

(2) ایسے کاموں کی بھی تکلیف دے سکتا تھا جو ان کی طاقت سے باہر ہوں؟

(3) اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بھی حق ہے کہ بغیر کسی وجہ کے بندوں کو عذاب دے؟

(4) اللہ تعالیٰ کے لیے ضروری نہیں کہ بندوں کے لئے جو فائدہ مند امور ہیں ان کی رعایت فرمائے؟

Marfat.com

(5) نیکی کے عوض ثواب اور بدی کے عوض عذاب دینا اس پر لازم نہیں؟

(6) بندوں پر صرف عقل سے کوئی چیز واجب نہیں ہو رہی بلکہ شریعت کے ذریعہ امور واجب ہوتے ہیں؟

(7) اللہ تعالیٰ کے لئے انبیاء کا بھیجنا ضروری نہیں؟

فلاسفہ نے ان معاملات میں عجیب وغریب باتیں کی ہیں بہر حال ہم اس سلسلے میں کما حقہٗ جواب دیں گے۔ مغرب زدہ ذہن روشن خیالی کے نام پر ایسے افکار کا پرچار کرتے ہیں۔ اور پھر جواب طلب کرتے ہیں۔ جو عام آدمیوں کے بس کا روگ نہیں ہوتا۔ اور اسی سے وہ گمراہی پھیلاتے ہیں۔ امید ہے کہ ہم آپ کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

ان سات دعوؤں کا بنیادی دارومدار واجب، حسن اور قبح کے معانی سمجھنے پر ہے اور جب تک ان تینوں معانی کے ہر پہلو کو اچھی طرح نہ پرکھ لیا جائے ان دعووں کا ثابت کرنا بہت مشکل ہے۔ چند ایک فاضل علماء کرام نے اس بحث میں ''کہ کیا عقل کسی چیز کے حسن اور قبح کو معلوم کر سکتی ہے یا نہیں۔ اور اس امر میں کہ عقل شریعت کے بغیر آدمیوں پر کچھ امور لازم کر سکتی یا نہیں'' زیادہ حصہ لیا ہے۔ لیکن حسن، واجب اور قبح کے معانی اور اس کی اصطلاحات کے فرق کے باعث کسی صحیح اور متفق نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ صحیح تو یہی ہے کہ ان کے معانی واصطلاحات کے بارے میں واضح کیا جائے تاکہ ہمیں اپنی اصل غرض ثابت کرنے میں آسانی رہے۔ اس جگہ ہم ان چھ لفظوں کے معانی بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

واجب، حسن، قبیح، عبث، سفہ، حکمت۔

واجب (لازم، ضروری)

واجب کی معنی ہیں ضروری۔ یعنی جس کا کام کرنا ضروری ہو۔ اور قدیم چیز کو ہی واجب کہا جاتا ہے سورج جب غروب ہو جاتا ہے تو پھر اس پر واجب کا اطلاق ہوتا ہے۔ محض ایسے کاموں کو واجب نہیں کہا جا سکتا کہ جن کا کرنا نہ کرنے پر اہمیت رکھتا ہو۔ مگر ایک خاص قسم کی اہمیت کے سبب ہی اسے واجب کہا جا سکتا ہے۔ عمومی اہمیت کی وجہ سے اسے واجب نہیں کہا جا سکتا۔ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ بعض ایسے اہمیت بھی ہیں کہ ان کے نہ کرنے پر نقصان ہوتا ہے۔ یا نقصان کا خوف ہوتا ہے۔ خواہ نقصان دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ کہ جس کا برداشت کرنا ممکن ہوگا۔

جس کام کے نہ کرنے پر معمولی سا نقصان ہوا اسے لازم واجب نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ جس شخص کو پیاس ہو اور وہ جلد پانی نہ پئے تو اس کے بیمار ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ جلد پانی پینا اس کے لئے واجب ہے۔ بالکل اسی طرح جن کاموں کے نہ کرنے پر نقصان نہیں ہوتا۔ لیکن انکے کرنے سے بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے تو بھی انہیں واجب نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً تجارت کرنے

Marfat.com

اور نفل پڑھنے میں فائدہ ہے۔ مگر ان کو چھوڑنے میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ تو ثابت ہوا تجارت کرنا اور نفل پڑھنا واجب نہیں۔ واجب وہی کام ہوتا ہے جس کے نہ کرنے پر واضح نقصان ہو۔ اگر نقصان عاقبت میں ہو اور ہمیں شریعت کے ذریعہ اس بات کی اطلاع بھی دی گئی ہو تو پھر اس کو لازم کہیں گے۔ اور اگر دنیا کا معاملہ ہو اور ہم نے عقل کے ذریعہ یہ اندازہ لگا لیا ہو کہ اس کے نہ کرنے سے نقصان ہوگا۔ تو اسے بھی لازم کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جو شخص شریعت کو نہیں مانتا اگر کسی کو بھوکا مرتا دیکھے گا تو کہے گا کہ اگر اس کو روٹی مل جائے تو روٹی کھا لینا اس کے لئے ضروری ہے۔ اس وضاحت کے بعد آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ واجب کے دو معانی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے چھوڑنے پر دنیا میں لازمی طور پر نقصان برداشت کرنا پڑے۔ لفظ واجب جب بھی تیسرے معنی پر بولا جاتا ہے یعنی وہ بات جو ہر حالت میں ہو کر رہتی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ فلاں چیز فلاں وقت میں واقع ہوگی اب اس کا اس وقت میں موجود ہونا واجب ہے۔

حسن، قبیح سفہ (غلط)، عبث (فضول)،

فعل تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(1) جو فاعل کی خواہش کے موافق ہوں۔

(2) ان کے کرنے پر کوئی نقصان نہ ہو۔

(3) ان کو چھوڑ دینے پر کوئی فائدہ نہ ہو۔

جو کام کرنے والے کی خواہش کے مطابق ہو وہ اس کے حق میں حسن کہلاتا ہے۔ اور جو طبیعت کے خلاف ہو وہ قبح۔ جو نہ مخالف ہے اور نہ موافق وہ عبث (فضول) کہلاتا ہے۔ عبث کے فاعل کا نام عابث ہے قبح کو سفہ بھی کہا جاتا ہے۔ قبیح کے فاعل کا نام سفہ ہے۔ قبیح کا لفظ اگرچہ عابث کے معانی میں بھی کہا جاتا ہے۔ مگر یہ ایک ہی فاعل کی نسبت تحقیق ہے۔ اور بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی فعل (کام) ایک ہی شخص کو اچھا معلوم ہو۔ اور دوسرے شخص کو برا لگے۔ اب وہ کام پہلے شخص کی نسبت حسن (اچھا) اور دوسرے کی نسبت قبیح (ناپسندیدہ) کہلائے گا۔ کیونکہ حسن اور قبیح دونوں اضافی امور ہیں۔ جن میں طبیعتیں الگ ہیں ایک ہی شخص ایک وقت میں ایک کام کا اپنے لئے مستحسن خیال کرتا ہے۔ اور دوسرے اعتبار سے اسے قبیح سمجھنا شروع کر دیتا ہے تو وہ فعل حسن بھی ہوگا اور قبیح بھی۔ بدنیت شخص زنا کو حسن سمجھتا ہے۔ اور اسے اپنی کامیابی تصور کرتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس کا راز ظاہر کر دے تو اسے چغلی خیال کرتا ہے۔ مگر ایک نیک شخص زنا کو بُرا کام سمجھتا ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص کسی حکمران کو قتل کر دے تو بادشاہ کے دشمن اس کے اس اقدام کو اچھا کہیں گے۔ اور بادشاہ کے دوستوں کے نزدیک یہ بہت بُرا کام ہوگا۔

Marfat.com

بعض آدمی گندمی رنگ کو خوبصورتی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور بعض کو سفید اور سرخی مائل پسند ہوتا ہے۔ گندمی رنگ کے دلدادہ گندمی کو پسندیدہ اور سفید رنگ کو ناپسندیدہ کہیں گے۔ اور دوسرے لوگ سفید سرخی مائل کو پسندیدہ اور گندمی کو ناپسندیدہ کہیں گے۔ پس ثابت ہوا کہ حسن اور قبیح اضافی امور ہیں۔ جب یہ بات عیاں ہوگئی تو اب ہم وضاحت کرتے ہیں کہ لفظ حسن میں تین اصطلاحات ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک حسن وہ فعل ہوتا ہے جو طبیعت کے موافق ہو۔ دنیا سے تعلق رکھتا ہو یا خواہ آخرت سے۔ اور بعض کے نزدیک وہ فعل ہے۔ جو طبعیت کے مطابق اور آخرت سے تعلق رکھتا ہو۔ اہل حق کے نزدیک یہی حسن ہوتا ہے۔ حسن کا پہلا معنی دوسرے معنی سے عام ہے۔ اور پہلے معنی کے لحاظ سے بعض کم عقل لوگ جب اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنی خواہش کے مطابق نہیں پاتے تو کفر بکنے لگ جاتے ہیں۔ اسی لئے بعض ناشکرے اور نافرمان آسمان اور زمانہ کو گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آسمان اور زمانہ کو کچھ دخل نہیں۔ بنیادی طور پر تو ہر کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

تیسری اصطلاح میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال حسن ہیں۔ جو وہ کرتا ہے ضرور اس میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اور جس طرح چاہتا ہے۔ کائنات میں تصرف فرماتا ہے۔ اور اسے کوئی روک ہی نہیں سکتا اور یہی اہل حق کا عقیدہ ہے اور یہی ایمان کی بنیاد ہے۔

Marfat.com

حکمت

حکمت کے دو معانی ہیں۔

(1) جملہ امور کے نظم و نسق اور ان کے چھپے ہوئے رازوں کا احاطہ کرنا۔ اور یہ خیال کرنا کہ ان کو کس طرح ترتیب دیا جائے۔ تاکہ اپنے مقصد تک پہنچا جا سکے۔

(2) احاطہ مذکورہ کے باوجود تمام امور کی ترتیب اور ان کے نظم و نسق اور ان میں انتظام کا سلسلہ قائم کرنے کے لئے قدرت کا ہونا، جب کسی شخص کو حکیم کہا جاتا ہے تو کبھی پہلے معانی کے لحاظ سے کسی پر حکیم کا اطلاق ہوتا ہے۔ تو اس وقت حکیم بمعنی علم سے مشتق ہوتا ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے محمول ہوتے وقت حکمت، بمعنی ترتیب اور نظم و نسق سے مشتق کیا جاتا ہے۔

آپ کو ان لفظوں کے معنی اور ان کی اصطلاحات معلوم ہوگئی ہیں۔ تو یہاں پر چند غلط فہمیوں کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ جو اگر معلوم ہوں تو بہت سے شکوک و شبہات سے بچا سکتا ہے۔ جو اکثر لوگوں کے ذہنوں میں ابھرتے رہتے ہیں۔ اور وہ ایسے ذہنی اضطراب میں پھنس جاتے ہیں کہ اصلیت کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔

پہلی غلط فہمی

انسان کبھی ایسی چیز کو قبیح کہہ دیتا ہے جو اس کی طبیعت کے خلاف ہو۔ بیشک وہ کئی طبیعتوں کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اسے قبیح کہنے میں دوسروں کے تقاضوں کا خیال نہیں کرتا اور وہ ایسا کرنے میں مجبور ہوتا ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ہر انسان اپنے ذہن میں الجھا ہوا ہے اور وہ اپنی ہی مرضی کو اچھا سمجھتا ہے اور دوسروں کی خواہشات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ بعض اوقات ان کو قبیح کہہ دیتا ہے اس کا سبب یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ چیز طبیعت کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کے نزدیک قبیح ہوتی ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ جو چیز میری طبیعت کے خلاف ہے وہ سب لوگوں کی طبیعتوں کے بھی خلاف ہے۔ چونکہ اس کی فطرت میں قبح ہے اسی وجہ سے اس کو قبیح کہہ دیتا ہے یہ شخص اسے قبیح کہہ دینے میں تو حق بجانب ہوتا ہے مگر اس کو بنیادی طور پر قبح قرار دینے میں اس سے غلطی سرزد ہوگئی ہے اور اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس نے دوسروں کی طبیعتوں کو نظر انداز کر کے صرف اپنی طبیعت کی خواہش پر اپنی نظر کو محدود کر لیا ہے بلکہ اس نے اپنے بعض حالات کو بھی نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ یہ ایک وقت میں اسے قبیح خیال کرتا ہے تو دوسرے وقت میں اسی کو حسن سمجھتا ہے۔

دوسری غلط فہمی

انسان ایسی چیز کو جو عام طور پر اس کی طبیعت کے مخالف ہے برملا قبیح کہہ دیتا ہے حالانکہ وہ شے کئی صورتوں میں اپنانا پڑتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام حالات کا اس کی طبیعت پر غلبہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کبھی کبھی واقع ہونے والی حالتوں کی طرف سے اسے بالکل بیگانگی ہو جاتی ہے۔ مثلاً جھوٹ چونکہ عام طور پر انسانی اعلیٰ قدروں کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لئے عام طور پر اسے قبیح کہا جاتا ہے۔ لیکن بعض موقع پر جھوٹ بول دینا نہایت مصلحت پسندی خیال کی جاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسا موقع آ جائے تو جھوٹ کو اپنانے سے جھجکتا ہے۔ کیونکہ بچپن سے والدین، اساتذہ کرام اور علماء کرام اس کے دل میں سچائی کا اعلیٰ معیار اور جھوٹ کے لئے نفرت دل میں بٹھا دیتے ہیں۔ اور انسان جھوٹ کو گھٹیا درجہ کا قابل نفرت عمل سمجھنے لگتا ہے اور سمجھنا بھی چاہیے یہ محض ایک مثال ہے کہ بعض دفعہ انسان جھوٹ بول کر جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

تیسری غلط فہمی

عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ قوت وہم عقل کے خلاف ہوتی ہے۔ اور عموماً عقل پر غالب رہتی ہے۔ مثلاً سانپ کا ڈسا ہوا جب سانپ کی طرح کسی رسی کو دیکھتا ہے تو اسے سانپ سمجھ کر ڈرتا ہے حالانکہ وہ رسی ہے۔ سانپ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے سانپ کو بھی رسی کی طرح دیکھا

Marfat.com

تھا اور جب وہ رسی کو دیکھے گا تو قوت وہمیہ سے سمجھے گا۔ کہ یہ وہی سانپ ہے۔ حالانکہ عقل اسے تسلیم نہیں کرتی۔ مگر وہموں میں آنے والے خیالات اس کی پیش نہیں چلنے دیتے۔ بالکل اسی طرح کالے لوگوں کے نام سفید فام لوگوں کے نام پر رکھ دیئے جائیں۔ تو ان سفید فاموں پر بھی سیاہ فام ہونے کا شک ہونے لگے گا۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ محض نام سے حسن یا قباحت پیدا نہیں ہوسکتی۔ مگر یہاں بھی قوت وہمیہ اپنا کام کر جاتی ہے۔ غرض کہ قوت واہمیہ کا غالب آ جانا مشاہدات میں سے ہے۔ اور کئی ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔ جن میں قوت واہمیہ کے غلبہ کے سینکڑوں نمونے نظر آ جاتے ہیں۔ اس سے کوئی بھی عقل رکھنے والا انکار نہیں کرسکتا۔ عقل کا کہنا مان لینا اور قوت وہمیہ کا کہنا نہ ماننا اللہ تعالیٰ کی خاص مدد سے ہی ممکن ہے۔ ورنہ عام طور پر لوگ وہموں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر عقیدوں کے بارے میں نظر دوڑائی جائے تو قوت واہمیہ کا بہت کچھ عمل دخل دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً اگر کسی مخالف فرقہ کے آدمی سے یہ پوچھا جائے کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہے اور جواب سن کر اسے بتایا جائے کہ یہی بات تمہارے مخالف عالم نے کہی ہے تو فوراً اس بات سے پھر جائے گا اور معذرت کر کے کہے گا کہ غلطی سے اور بھول کر میں نے ایسا جواب دے دیا ہے۔ ایسا وہ اس لئے کہے گا کہ اس کا مخالف عالم بھی یہی کہتا ہے۔ صرف عوام ہی نہیں بلکہ عام طور علماء بھی اس مرض میں جکڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ وہ سب سے بڑا کام جو زیر نظر رکھتے ہیں اپنے عقیدوں درست ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کے بہانے تراشنا ہیں اگر ان کو اپنے دعوے کی درستگی کے لئے کوئی بھاری دلیل نظر آ جائے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر اپنے تعین کردہ عقیدوں کے خلاف کوئی دلیل دیکھتے ہیں تو ناجائز دلیلوں سے بھی اس کی تردید کرنا شروع کردیتے ہیں۔

اعتراض

یہاں پر ایک اعتراض مخالفین کرسکتے ہیں کہ آپ کے نزدیک حسن وقبح کی بنیاد موافقت یا طبیعت کی مخالفت پر ہے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک عاقل اور سمجھ دار آدمی کبھی ایسی چیز کو مستحسن خیال کرتا ہے جس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور نہ ہی وہ کسی فائدے کو سامنے رکھ کر اسے انجام دیتا ہے۔ اور بعض دفعہ ایسی شے جس میں اسے فائدہ کی توقع ہوتی ہے قبیح سمجھنے لگتا ہے۔ جو بظاہر بے فائدہ کاموں کو اچھا سمجھتا ہے اس کی مثال ایسا شخص ہے جو کسی آدمی یا حیوان کو ہلاک ہوتے ہوئے دیکھتا ہے اور اسے بچاسکتا ہے۔ اب یہ شخص اس کے بچانے کو مستحسن سمجھتا ہے۔ حالانکہ یہ نہ کسی شریعت کو مانتا ہے کہ آخرت میں ثواب کی امید پر اسے یہ نیک کام کرنے کا خیال پیدا ہوا ہے اور نہ ہی اسے کوئی لالچ ہے اور نہ ہی اسے کوئی دیکھ رہا ہے۔ جس سے یہ خیال پیدا ہو کہ ناموری کے لئے اور بہادری دکھانے کے لئے اس کام کی طرف راغب ہوا ہے۔ اور جو فائدہ مند کو قبیح سمجھتا ہے۔ اس کی مثال وہ شخص ہے جس

Marfat.com

کے سر پر تلوار کھینچی ہوئی ہے۔ اور کلمہ کفر کو زبان پر لانے کے لئے اسے مجبور کیا جا رہا ہے۔ اب ایسے شخص کو شریعت کی طرف سے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ مگر وہ اسے قبیح سمجھتا ہے حالانکہ اس میں اس کی زندگی بچ سکتی ہے یا وہ ایسا آدمی ہے جو کسی شریعت کا تو معتقد نہیں اور تلوار کے نیچے اسے کوئی وعدہ توڑنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اب اگر یہ عہد توڑ دے تو اس کا فائدہ ہے مگر وہ اسے قبیح سمجھتا ہے۔ اور قتل ہو جانے کو بہتر سمجھتا ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کا کسی ذی روح کو ہلاکت سے بچانا اس کی فطرت کا تقاضا ہے جب آدمی کسی انسان یا حیوان کو مظلومانہ حالت میں دیکھتا ہے تو بے اختیار اس کے دل میں ایک چوٹ سی محسوس ہوتی ہے اور جب تک اسے بچا نہ لے وہ چوٹ اسے سکون نہیں لینے دیتی۔ اگر کوئی ایسا پتھر دل اور شقی القلب انسان ہو جسے اس کی افسوسناک حالت پر ذرا بھی رحم نہ آئے تو وہ انسان نہیں بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر ہے۔ اول تو ایسا انسان کوئی نہیں۔ اور اگر فرض بھی کر لیا جائے۔ تو اس کو اس کام پر آمادہ کرنے والی بات لوگوں کی تعریف وتوصیف ہوگی اور اگر اس نے ایسی جگہ پر کسی کو بچایا ہو جہاں اسے کوئی دیکھنے والا نہ تھا تو بھی یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ ایسے موقعوں پر اس کی تعریف وتوصیف کی جائے۔ چونکہ عموماً ایسے کاموں میں ایک جانباز بہادر کی تعریف ہونا یقینی بات ہے۔ لہٰذا اس خیال کے پیش نظر ہی وہ شخص اس کو بچانے کی کوشش کر گزرے گا۔

غرض کہ جب انسان لوگوں کی عادات اور اخلاق پر نظر ڈالتا ہے تو ایسے ہزاروں امور نظر سے گزرتے ہیں۔ جن سے انسان کے فطری جذبات اور فطری تقاضوں کے باعث بعض کاموں کے لیے مجبور ہونے کے ثبوت ملتے ہیں ان پر غور وفکر نہ کرنے کی وجہ سے ہی اکثر لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے اور وہ نہیں سمجھ پاتے کہ لوگ ایسے مواقع پر اپنے اور فطری جذبات کی وجہ سے اس قسم کے کام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ نفس کے قویٰ اوہام اور تخیلات کے ماتحت ہوتے ہیں۔ مثلاً جب انسان کسی لذیذ کھانے کا دل میں خیال کرتا ہے یا کسی سے سنتا ہے تو اس کا دل للچاتا ہے۔ اور کھانے کو دل چاہتا ہے حالانکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں اس وقت روزہ دار ہوں۔ یا اسے کھانے سے کوئی اور بات منع کرتی ہے غرض کہ ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ جیسے قوئ نفسی کے توہمات اور تخیلات کا ہونا اور ان کا محکوم ہونا ثابت ہے کلمہ کفر زبان سے نہ نکلنا اور تلوار کا لقمہ بن جانا اس کو مستحسن اور قبیح خیال کرنے پر مبنی نہیں بلکہ جو آدمی ایسا کرتا ہے وہ اگرچہ اُسے اچھا سمجھتا ہے مگر صبر کرنے پر جو اس کو شہادت کا درجہ عطا ہوتا ہے۔ اس کو زندگی کی نسبت اپنے لیے زیادہ پسندیدہ سمجھتا ہے یا اس خیال پر کلمہ کفر منہ سے نہیں نکالتا کہ لوگ اس کی پرہیزگاری اور اس کے ایفائے عہد کی تعریف کریں۔ غرض کہ کوئی نہ کوئی امر ہوتا ہے جس سے انسان اس آڑے وقت میں کلمہ کفر زبان سے نہیں نکالتا اور موت قبول کرنے کو پسند کرتا ہے۔ مگر بہتر یہی ہے کہ مخلوق کی ہر تعریف سے بے نیاز ہو کر صرف خالق کی رضا کو مدنظر رکھا جائے۔

Marfat.com

پہلا دعویٰ

جائز تھا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا نہ فرماتا اور جب پیدا کیا ہے تو اسے تکلیف نہ دیتا۔ غرض کہ مخلوق کو پیدا کرنا اور پیدا کر کے اسے اعمال کی تکلیف دینا اللہ تعالیٰ کے لئے ضروری نہیں۔ معتزلہ کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ معاذ اللہ ذاتِ حق پر یہ دونوں واجب ہیں۔ اہل حق کی دلیل یہ ہے۔ کہ واجب وہ چیز ہے جس کے نہ کرنے سے دنیا یا آخرت میں نقصان کا اندیشہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے پیدا نہ کرنے پر کوئی نقصان نہیں ہوسکتا تھا اور اب مخلوق پیدا کر کے اُسے اعمال کا مکلف بنانے پر کوئی محال بھی لازم نہیں آتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس امر کو معتزلہ واجب کہتے ہیں اس پر واجب کی اصطلاح پوری نہیں اترتی اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ازل میں مخلوق کے پیدا کرنے کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے۔ تو مخلوق کا پیدا ہونا مقدر ہو چکا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کا مخلوق کا پیدا کرنا ضروری تھا تو اس قسم کے ارادی واجب کا قائل ہوا جاسکتا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ فرمالے تو پھر وہ ضرور موجود ہو کر رہتی ہے۔ مگر معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ، واجب کے پہلے معانی میں مخلوق کو پیدا فرمانے اور اس کو اعمال کا مکلّف بنانے پر (معاذ اللہ) مجبور ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے ساتھ مجبوری کا لفظ لگانا سخت بے ادبی اور گمراہی ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ضروری ہے۔ کہ اس میں مخلوق کے لئے فائدہ ہے لیکن ذات اقدس کو اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ پہلے وجوب کے معنی ظاہر کرنا ضروری ہیں۔ کیونکہ وجوب کے جو معنی ہم نے بیان کئے ہیں ان کے مطابق کسی بھی معنی میں ذات اقدس کے لئے مخلوق کو پیدا کرنے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

یہ مانتے ہیں کہ مخلوق کا اس کے پیدا ہونے اور اعمال کا مکلّف بننے میں فائدہ ہے مگر جب اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے فائدہ سے کوئی نفع نہیں تو اس پر مخلوق کو پیدا کرنا اور اسے مکلّف بنانا کس طرح واجب ہوسکتا ہے۔ نیز اگر کوئی مخلوق کو فائدہ ہے تو کسی قدر اس کے پیدا ہونے میں ہے۔ مکلّف بالاعمال ہونے میں تو بظاہر سراسر تکلیف ہے۔ اگر حقیقت پر نظر دوڑائی جائے تو اس فانی دنیا میں مخلوق کے لئے کوئی فائدہ نہیں۔ فائدہ تو تب تھا جب جنت میں مخلوق کو پیدا کیا جاتا۔ اور یہ وہاں مزے اڑاتی کوئی کسی قسم کا خدشہ نہ ہوتا۔ نہ بیماری' نہ بھوک' نہ غم' اور نہ ہی کسی قسم کی تکلیف ہوتی دنیا کی تو یہ حالت ہے کہ عقل مند لوگ موت کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ انبیاء کرام اور اولیاء کرام کے حالات پڑھے جائیں تو احساس ہوتا ہے کوئی کہتا تھا کہ میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ کوئی پرندے کو دیکھ کر خواہش ظاہر کرتا تھا کہ کاش میں پرندہ ہوتا تو جہنم کی آگ کا خوف ہی نہ ہوتا۔ غرض ہم جس بھی بصیرت رکھنے والے کو دیکھتے ہیں۔ موت کی تمنا لئے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ اور ان لوگوں پر بہت حیرانگی ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مکلّف بننے میں مخلوق کو فائدہ ہے۔ لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ مکلّف بننا ہی تمام تکالیف اور مصیبتوں کی وجہ ہے۔

اگر کہا جائے کہ دنیا میں مخلوق کو پیدا کرنے اور مکلف بنانے میں انسان کو یہ فائدہ ہے کہ آخرت میں جنت کے اعلیٰ درجے اسے ملیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر عبادت کے بھی یہ مراتب عطا فرما سکتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بیشک بغیر عبادت کے بھی مراتب عطا کر سکتا ہے۔ مگر عبادت کرنے سے استحقاق کے طور پر جو ملے وہ زیادہ پرتاثیر ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عبادات سے اس کا کوئی استحقاق نہیں بنتا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقابلے میں کسی چیز کا کوئی استحقاق نہیں۔ ایسے لوگوں سے زیادہ بیوقوف کون ہوگا جن کے دلوں میں شیطانی وسوسوں کا قبضہ ہو جائے اور وہ اصل راستے سے ہٹ کر بہت دور جا پڑیں۔ یہ ایک عجیب سا دعویٰ ہے کہ بغیر عبادت اور اطاعت کے جنت میں رہنا اور اس میں داخل ہونا ناممکن ہے۔ جنت میں داخلہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ہوگا وہ کریم ہے۔ ہاں اُس کا حکم ماننا مخلوق پر واجب ہے اور حکم نہ ماننے والا شخص وہ سزا کا مستحق ہے۔

یہ تو خیال کریں۔ کہ جس عبادت کو استحقاق جنت کی وجہ کہتے ہیں کیا اسباب کے بغیر انسان کو عبادت پر اختیار حاصل ہے اور سلامتی اعضاء کے بغیر کوئی اور بھی ذریعہ ہے تو اُس کا جواب ہوگا کہ ہرگز نہیں۔ یہ سب اسباب اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ وہ چاہے تو ایک پل میں ہم سے سب کچھ چھین سکتا ہے۔ جب عبادت میں استعمال ہونے والے تمام اعضاء بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں۔ تو عبادت سے کونسا استحقاق بنتا ہے۔ ہاں امور شریعہ کی پابندی اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالانا ہے۔ اور مومن کے لئے یہی راستہ بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل ہی نجات کا باعث ہے۔

دوسرا دعویٰ

جائز ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے اعمال کے مکلف ہوتے جو ان کی طاقت سے باہر ہوتے ہیں۔ معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ علماء حق کا کہنا ہے کہ مکلف ہونے کے لئے صرف کلام اور اس کے لئے کسی صحیح مخاطب کا ہونا شرط ہے اور مخاطب کے صحیح ہونے کے لئے صرف کلام کا سمجھنا اور اس کی اصل غرض و غایت تک پہنچنا ضروری ہے۔ چنانچہ عرف میں جمادات یا پاگلوں کے ساتھ جو کلام کیا جائے۔ اُسے کو خطاب یا تکلیف نہیں کہا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ متکلم ہے اور انسان اس کا مخاطب ہیں ان کے مخاطب ہونے کے لئے صرف اس کے کلام کو سمجھنا ضروری ہے۔ خواہ اس کا وقوع ممکن ہو یا محال۔

نیز اگر ملا یطاق مکلف بنانا محال ہوا تو اس اعتبار سے ہوگا کہ جس طرح سیاہی اور سفیدی کا ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ جمع ہونا بالکل ناممکن ہے۔ ویسے ہی اس کی ذات کا ذہن میں اترنا ناممکن ہے اور محال ہے۔ پہلی صورت باطل ہے کیونکہ سیاہی اور سفیدی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ مگر تکلیف دیئے جانے کا مفہوم ذہن میں اترنا محال نہیں۔ کیونکہ کسی کے نزدیک تکلیف صرف لفظ کا نام ہے اور

Marfat.com

جیسے ہم ایک آدمی کو چارپائی پر چڑھنے کا حکم دے سکتے ہیں۔ اسی طرح اس کو بلندی پر چڑھنے کا حکم دینا ہمارے لئے محال نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کے مفہوم کا اُس کے ذہن میں اترنا محال ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انسان بغیر کسی خاص سبب کے بلندی پر نہیں چڑھ سکتا اور ہمارے نزدیک مکلّف بنانے سے مراد ایک تقاضا ہے جو نفس یا ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے جیسے اختیار رکھنے والے شخص کا کسی بات کے حکم کرنے کا ایک تقاضا ہوتا ہے ویسے اس کے کرنے سے جو شخص عاجز ہو تو اُسے بھی حکم تو دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً آقا اپنے نوکر کو کھڑے ہونے کا حکم دے اور فرض کریں کہ نوکر فوراً ہی بہرہ ہو گیا ہے۔ مگر آقا کو اس بات کی خبر نہیں۔ اب اس صورت میں نفس کے ساتھ تقاضا تو قائم ہے۔ مگر مامور یعنی نوکر کھڑا ہونے سے عاجز ہے۔ اور اگر بعد میں آقا کو معلوم بھی ہو جائے۔ تو بھی اس کے حکم میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ اور تکلیف مالا یطاق کا اس لئے محال ہونا کہ عجیب حکم ہے۔ صحیح نہیں۔ مگر اس کے عجیب سمجھنے سے ذات حق کے نزدیک اُس حکم کا غلط ہونا ہونا لازم نہیں آتا ہے۔

اعتراض

اگر یہ کہا جائے کہ ایسے امور کی تکلیف دینا بے سود اور بے فائدہ ہے اور جب بے فائدہ ہو وہ عبث ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس وقدرت عبث اور لغو کاموں سے پاک ہے۔

اعتراض کے دعوے

یہ اعتراض ان دعوؤں پر مشتمل ہے۔

(1) یہ بے فائدہ بات ہے۔

(2) جو بے فائدہ ہو وہ عبث ہوتی ہے۔

اور ذات حق بلا شبہ لغو اور بے فائدہ باتوں سے پاک اور بلند ہے۔

جواب: ان دعوؤں کا گہری نظروں سے جائزہ لیں۔ ممکن ہے کہ تکلیف مالا یطاق میں بندوں کے لئے بہت سے فوائد ہوں جن کی خبر بندوں کو نہ ہو اللہ تعالیٰ ان سے واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس پر ثواب ملنا ہی فائدہ نہیں۔ بلکہ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ کا حکم دینے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص ان امور پر اعتقاد رکھے گا یا نہیں۔ کئی امور کو عملی صورت میں لانے سے پہلے ہی منسوخ کیا جاتا رہا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ اسلام کو اُن کے صاحبزادے حضرت اسماعیل کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا مگر جب وہ اپنے لخت جگر کو ذبح کرنے لگے تو یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔ اس لئے پہلا اعتراض کا دعویٰ غلط معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے فائدہ بات ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کو ایمان لانے کا حکم دیا اور خود ہی یہ بھی اطلاع فرما دی کہ وہ ایمان نہیں لائے گا۔ دوسرا دعویٰ اعتراض اس لئے غلط ہے۔ کہ بے فائدہ اور عبث کے ایک ہی معنی ہیں

Marfat.com

تو پھر یہ محض تکرار ہے۔ تیسرا دعویٰ اعتراض اس لئے غلط ہے کہ عبث سے مراد وہ بے فائدہ فعل ہے جو ایسے شخص کی طرف منسوب ہو جس کے کام اعراض پر مبنی ہوں اور وہ ان کو کرنے پر مجبور ہو۔ اور ذاتِ حق اس سے مبرا اور پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کام مجبوری پر مبنی نہیں ہیں۔ انہیں معاذ اللہ عبث کہنا ایسا ہی ہے جیسے ہوا کو عابث کہا جائے جب وہ اپنے جھونکوں سے درختوں کو حرکت دے رہی ہو۔ یا دیوار کو غافل کہہ دیا جائے۔ حالانکہ نہ تو ہوا عابث ہے اور نہ دیوار غافل۔

غرض کہ تکلیف مالا یطاق کا جواز ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اس دلیل کے ساتھ ایک اور زبردست دلیل یہ ہے کہ ابوجہل کو ایمان کی دعوت دینا تھا جب کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ مشرف باسلام نہیں ہوگا حضور ﷺ کو اس بات کی خبر بھی دے دی۔ یہ تکلیف ملا یطاق کی ہو بہو مثال ہے۔ بعض لوگوں کا جو یہ خیال ہے کہ کفار میں سے جو ایمان نہیں لائے وہ مامور اور مکلف نہیں تھے۔ یہ شریعت سے صرف انکار ہی نہیں بلکہ اس کے سفید چہرے پر داغ لگانے کے مترادف ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ابوجہل اپنی بدبختی کے سبب ایمان سے محروم رہا۔ مگر ایمان لانا اس کے لئے محال نہیں تھا۔ بلکہ وہ اس پر قادر تھا پھر تکلیف مالا یطاق کی یہ مثال کس طرح صحیح ہوگی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک کسی کام کے کرنے سے قبل اس کی قدرت موجود نہیں ہوتی۔ اور جب وہ ایمان نہ لا سکا۔ تو معلوم ہوا کہ اس کو قدرت ہی نہ تھی۔ جب اللہ تعالیٰ کو ابوجہل کے ایمان نہ لانے کا علم تھا تو ثابت ہوا کہ ابوجہل ایمان لانے پر قادر ہی نہ تھا اور اس کی بنیادی وجہ ابوجہل کی ازلی بدبختی تھی اور اُس کے اندر وہ نقائص تھے کہ جن سے صرف اللہ تعالیٰ واقف تھا۔

تیسرا دعویٰ

جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بے قصور انسان یا حیوان کو عذاب دے۔ بعض فلسفی اور لوگ اُسے نہیں مانتے تھے۔ اسی بنا پر ان کو یہ کہنا پڑتا کہ مچھر اور پسو کو دنیا میں جو تکالیف ہوں گی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو ضرور پیدا کر کے ان کو بدلہ دے گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی روحیں بطور تناسخ کے دوسرے ابدان میں منتقل ہو کر ان تکالیف کے عوض عیش کرتی ہیں۔ تو یہ عقیدہ بالکل لغو مہمل اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ دنیا میں آئے دن ہم دیکھتے ہیں کہ حیوانوں، بچوں اور پاگلوں کو طرح طرح کی تکالیف اور مصائب ملتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل بے گناہ اور بے قصور ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے بے گناہ انسانوں یا حیوانوں کو آرام و راحت پہنچانا واجب ہوتا تو مویشیوں، بچوں اور پاگلوں کے امراض کا دنیا میں نام و نشان نہ ہوتا۔ نیز پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی امر واجب نہیں ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ایسا کرنا اس کے عادل ہونے کے منافی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے عادل ہونے کے معنی ہیں سلسلہ کائنات کو خاص قسم کے نظم و نسق کے ساتھ چلانا۔ اور اس کے لئے قسم قسم کے اسباب مہیا کرنا۔

Marfat.com

اگر کوئی یہ کہے کہ پھر خالق ازل ظالم ہوگا (معاذ اللہ) حالانکہ وہ فرماتا ہے۔ وما ربک بظلام للعبید تیرا رب بندوں پر ظلم نہیں فرماتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم اللہ تعالیٰ سے سلب محض کے طور پر مسلوب اور منفی ہے۔ جیسے دیوار سے غفلت اور ہوا سے عبث کام کرنا مسلوب اور منفی ہے۔ تو پھر ذات حق کا یہ فعل ظلم کیوں ہوگا۔ اس پر ظلم کا لفظ صرف اس صورت میں صادق آ سکتا ہے۔ جب بندوں سے یا دوسری مخلوقات سے کوئی چیز اس کی ملکیت سے باہر ہو یا اس پر کوئی اور زبردست طاقت حکمران ہو معاذ اللہ اور ایسا ہر گز نہیں ہے ہر شخص جانتا ہے۔ کہ انسان اپنی مملوکہ چیز میں جس طرح چاہے۔ تصرف کرے۔ مثلاً کپڑے پھاڑ دے یا آگ میں جلا دے یا کسی اور کو دے دے۔ تو کوئی بیوقوف سے بیوقوف آدمی بھی اسے ظالم نہیں کہہ سکتا۔ ہاں اگر کسی غیر کی چیز میں دخل اندازی کرے یا خلاف شرع کوئی کام کر بیٹھے تو بیشک اسے ظالم کا خطاب دیا جائے گا۔ غرض کہ ظلم کے معنی ذاتِ حق میں نہیں پائے جاتے۔ اس کی بارگاہ میں چون وچراں کی مجال نہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے حکمران، سلطان اور بادشاہ اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اور قرآن مجید میں اس کا یہ ارشاد بھی ہے کہ قیامت کے دن کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ وہاں ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق جزا پائے گا۔

چوتھا دعویٰ

اللہ تعالیٰ پر بندوں کے بہبود اور رعایت واجب نہیں۔ بلکہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ گمراہ اور غلط لوگ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ پر یہ واجب ہے ان کے عقیدے کے جھوٹا ہونے کے لئے اول تو یہی کافی ہے جو ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ دوم مشاہدہ اور تجربہ بھی اس دعوٰے کو جھوٹا ثابت کرتے ہیں۔ فرض کرو کہ تین لڑکے ہیں۔ جن میں سے ایک بچپن میں اسلام کی حالت میں مرا' ایک بلوغت تک پہنچا اور مسلمان ہو کر بڑی بڑی نیکیاں کرتا رہا اور مر گیا۔ اور ایک سن بلوغت میں پہنچ کر کافر ہو کر مرا اب پہلا جنتی ہے۔ دوسرا بھی قابل مغفرت ہے۔ مگی بہ نسبت پہلے کے اعلیٰ مراتب کا حامل ہے۔ اور تیسرا کافر ہے اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ فرض کرو پہلا لڑکا سوال کرتا ہے کہ کیا میں مسلمان نہیں تھا مجھے کم مراتب کیوں ملے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ جواب دے گا کہ یہ سن بلوغت کو پہنچ کر طرح طرح کی نیکیاں کرتا رہا ہے۔ وہ کہے گا کہ اگر میں بھی زندہ رہتا اور جوان ہوتا تو اس سے زیادہ نیکیاں کرتا مجھ کو قبل از وقت موت دے کر میری حق تلفی کی گئی۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ یہ فرما دے کہ تجھے بچپن میں اس لئے موت دی کہ میں جانتا تھا اگر تو زندہ رہتا تو جوان ہو کر کافر ہو کر مرتا۔ اور ہمیشہ کے لئے تجھے جہنم کے عذاب میں رہنا پڑتا۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ تجھے لڑکپن میں ہی مار دیا جائے۔ کہ کم از کم تجھے جنت میں رہنے کا استحقاق تو حاصل ہو۔ اب ان کے ساتھ کا تیسرا جو جوان ہو کر مرا اگر اس طرح عرض کرے کہ یا اللہ اگر میری نسبت بھی تجھے علم تھا کہ میں

Marfat.com

بالغ ہو کر کافر ہوں گا تو مجھے بچپن میں ہی موت دی ہوتی۔ اس سے کم از کم دوزخ کی آگ سے رہائی مل جاتی۔ اب بتایئے کہ اگر آدمیوں کی بہتری ذات حق پر واجب ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کیا جواب دے گا۔؟ تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی میں مختار ہے اور نہ وہ کسی کے سامنے جوابدہ ہے اور نہ ہی اسے کوئی چیلنج کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی اُس پر ایسے کسی واجب کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور وہ جو چاہے کر کے عدل ہے اُسی کی رضا مندی ہی حق و سچ ہے۔

پانچواں دعویٰ

فرض کرو کہ جائز ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نیکوں کو جہنم میں ڈال دے اور بروں کو بخش دے مثلاً اگر چاہے تو ایک دفعہ بندوں کو فنا کر کے پھر دوبارہ نہ اٹھائے (لیکن اُس نے لازم فرما دیا ہے کہ اُٹھائے جائیں گے)۔ اسے اس بات کی کچھ پرواہ نہیں کہ تمام کافروں کو بخش دے۔ اور ان کے عوض نیک بندوں کو ہمیشہ کے لئے آگ میں ڈال دے غرض یہ امور نہ محال ہیں اور نہ ان کے وقوع سے اللہ تعالیٰ کی صفات میں کوئی نقص لازم آتا ہے۔ کیونکہ بندوں کو عبادات کا مکلف کرنا اور چیز ہے اور ان کو اچھے یا برے اعمال پر جزا و سزا دینا اور امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ان میں سے کوئی بھی واجب کے تین معنوں کے مطابق واجب نہیں۔ ہاں اگر وجوب کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ نیکوں کو جنت میں اور بروں کو دوزخ میں داخل کرے گا اور وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا تو اس کے ساتھ ہم مکمل متفق ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ بندوں کو اعمال پر مجبور کرنا اور باوجود قدرت کے ان کو اعمال کے مطابق جزا اور سزا نہ دینا کیا قبیح نہیں ہے۔ تو اس کو جواب یہ ہے کہ قبیح کے معنی ہیں جو کام غرض کے خلاف ہو تو اگر قبیح سے مراد اللہ تعالیٰ کی غرض کے خلاف ہے تو وہ اغراض سے پاک ہے اور اگر بندوں کی غرض کے خلاف مراد ہے تو بندوں کی اغراض کے خلاف ہونے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا قبیح ہونا لازم نہیں آتا۔ نیز ہر ایک شخص جانتا ہے کہ آقا پر اپنے غلام کو اس کی بہتر خدمات پر انعام عطا کرنا واجب نہیں۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز معتزلہ اور گمراہ فلاسفہ کا یہ دعویٰ تھا۔ کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلہ میں شکر واجب ہے یہاں تک تو درست ہے لیکن یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ پر شکر کا بدلہ دینا واجب ہوگا۔ اور اس شکر پر اللہ تعالیٰ کو ایک نیا بدلہ دینا واجب ہوگا۔ یہ سلسلہ غیر متناہی ہو جائے گا۔ اور یہ محال ہے۔ اس سے بڑھ کر ان کا دوسرا لغو دعویٰ تو یہ ہے کہ مرتکب گناہ کبیرہ کو جو توبہ کرنے سے پہلے مر جائے گا ہمیشہ دوزخ میں رکھ کر عذاب دینا اللہ پر واجب ہے۔ ان کا یہ بے سروپا دعویٰ اللہ تعالیٰ کے کرم، فیاضی اور اُس کی بخشش اور شریعت محمدیہ ﷺ سے ان کی ناواقفیت پر دلالت کرتا ہے۔ سبھی جانتے ہیں کہ گناہ پر سزا دینے سے معاف کرنا بہتر ہوتا ہے۔ اور معاف کرنے کے باعث جو لوگ تعریف کرتے ہیں۔ وہ انتقام لینے پر نہیں کرتے۔ اور اللہ تعالیٰ تو غفور الرحیم ہے۔ یہ حیرت انگیز عقیدہ ہے کہ

Marfat.com

جو شخص گناہ کرے اور توبہ سے پہلے مر جائے تو اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ عذاب دینے پر مجبور ہے جب کہ دنیا کے بادشاہ اور بڑے لوگ تو جس کی چاہتے ہیں بڑی بڑی خطائیں معاف کر دیتے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر ایک کو یہ صفات عطا فرمانے والا خالق ہے۔ خود اس صفت سے محروم ہو۔ وہ تو بہت بڑا مہربان اور رحمٰن و کریم ہے۔ انتقام کا لازمی لیا جانا وہاں ہوتا ہے جہاں کسی کو کوئی نقصان پہنچا ہو یا اس نے کوئی ایسا کام کیا ہو جس سے دوسرے کی عزت میں فرق آیا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اگر تمام مخلوقات شب و روز اس کی عبادت میں لگ جائیں یا خدانخواستہ تمام کے تمام انسان مرتد ہو کر نافرمان ہو جائیں۔ تو بھی اللہ تعالیٰ کی نورانی ذات اور اس کے اوصاف عالیہ میں کسی قسم کا فرق نہیں آئے گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے ضرور گناہوں کا بدلہ لینا ہے۔ اور وہ بقول معتزلہ (معاذ اللہ) اِس امر میں مجبور ہے تو سزا کی مقدار گناہ کی مقدار کے برابر ہونا چاہئے کیونکہ ایک لمحے کے گناہ کے لئے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رکھنا عجیب معاملہ ہے ایک اور وجہ بھی ہے جس سے معتزلہ کا جھوٹ ثابت ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ تو درکنار انسان کو ہی ہم دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو صورتوں کے بغیر کسی گناہ اور خطا پر سزا دینا اچھا نہیں سمجھتا۔ ان دو صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ سزا دینے میں آئندہ کے لئے اس شخص کی بہتری مقصود ہو یعنی یہ غرض بھی ہو کہ اب اسے سزا دی گئی تو آئندہ یہ ایسی ناپسندیدہ حرکت نہیں کرے گا۔ اور اگر یہ غرض نہ ہو تو اس سزا کو ہر ایک قبیح سمجھے گا کیونکہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا ہے اور آئندہ ایسی حرکت کے ارتکاب کا موقع نہیں رہا۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی آدمی کو کسی نے نقصان پہنچایا ہو جس کی وجہ سے اُسے سخت غصہ ہو۔ اس صورت میں نقصان اٹھانے والے آدمی کے لئے انتقام لیا جائے۔ جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے یہ دو صورتیں ہیں جن میں انتقام قبیح نہیں ہوتا مگر جب ہم غور کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ میں ان دونوں میں سے کوئی بھی صورت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ قیامت کے بعد نہ کسی بات کی تکلیف ہے۔ اور نہ ہی آدمی اس کی عبادت پر مجبور ہوں گے تاکہ پہلی صورت سامنے آئے ہو۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو بندوں کے گناہوں سے نقصان پہنچتا ہے تاکہ دوسری صورت کا احتمال ہو۔ قیامت کے دن گناہوں پر سزا دینا یا معاف کرنا مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہوگا۔ وہ کسی قسم کے فیصلہ میں مجبور نہیں ہے۔ ہاں گناہ اور کفر پر سزا کے لئے اس کا وعدہ ضرور ہے اور یہ مقام عدل میں آتا ہے۔ اور کُفر کے باعث اگر وہ کسی کو ہمیشہ جہنم میں رکھے تو یہ بھی عدل ہے۔ انتقام نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صاف فرما دیا ہے کہ انسان کو جو عذاب ہو گا وہ اُس کے اپنے ہاتھوں کا باعث ہو گا اور اللہ تعالیٰ قطعاً ظلم نہیں کرتا۔ لیکن جو شخص شرک کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کو للکارے گا اِس لیے اُس کی بخشش نہیں ہو گی۔

چھٹا دعویٰ

اگر شریعت نہ ہوتی یعنی پیغمبروں کے ذریعہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی معرفت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا پہچاننا اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا ہم پر واجب نہ ہوتا۔ معتزلہ فلاسفہ یہ کہتے تھے کہ عقل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت واجب ہوتی تو ان باتوں سے خالی نہیں یعنی کسی فائدہ کو جو اس کی معرفت پر مرتب ہونے والا ہے مدنظر رکھا گیا ہو یا بغیر فائدہ کے عقل اس کی معرفت پر مجبور ہو اگر بغیر کسی فائدہ کے ہے تو عقل کا یہ فعل فضول ہوگا۔ جو اس کی شان کے خلاف ہے۔ اور کسی فائدے کا خیال ہے تو وہ فائدہ یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگا اور یا انسان کی طرف۔ اللہ تعالیٰ کو تو اپنی معرفت سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور اگر انسان کے لئے ہے تو یہ فائدہ دنیا میں ہوگا یا آخرت میں۔ دنیا میں بظاہر تو اس کی عبادت کے لئے اپنی جان کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے کے سوا کوئی دوسرا پہلو نظر نہیں آتا۔ اور آخرت میں ہے تو ہم سوال کرتے ہیں کہ آپ نے یہ کہاں سے معلوم کر لیا ہے کہ عقلی اعمال صالحہ سے ضرور بہشت ہی ملے گا۔ کیونکہ اس مفروضہ عقلی صورت میں نہ کوئی شریعت ہے اور نہ نبی کہ جس کی زبانی ہمیں علم ہو گیا ہو۔ یعنی اگر نبی نہ آتے تو عقل کے لئے اعمال صالح کے بدلے بہشت کا کونسا معیار ہوگا۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ ہر ایک شخص کا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا خالق ہے۔ اس کے بہت سے حقوق میرے ذمہ ہیں اگر میں اس کی نعمتوں کا شکر ادا کروں گا تو وہ مجھے اعلیٰ مراتب عطا کرے گا اور اگر ناشکری کروں گا تو عذاب دے گا اور کوئی عقلمند اطاعت اور فرمانبرداری پر عذاب اور گناہوں پر ثواب کا قائل نہیں ہے۔ تو اس کا جواب حاضر ہے' اس میں کوئی شک نہیں کہ عقلمند آدمی کو اس کی فطرت ضرور مجبور کرتی ہے کہ وہ پیش آنے والے نقصان سے بچنے کی کوششیں کرے۔ مگر صرفِ عقل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا ثبوت اس بات پر موقوف ہے کہ کوئی ایسا پیغام ہو جو انسانوں کو اچھے اور بُرے اعمال سے آگاہ کرے اور بُرے اعمال سے روک دے۔ جس سے یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا جائے تو وہ راضی ہوتا ہے اور ناشکری سے ناراض۔ بہرحال وہ کسی واجب کے بغیر شکر کرنے والے بندوں کی قدر فرماتا ہے اور یہ اس کا ذاتی اختیار ہے اور یہ خالصتاً اُس کی اپنی رضامندی پر منحصر ہے۔

تو جو شخص اس کی معرفت کا طلبگار ہے اور اس کی صفات اور افعال میں غور وفکر کرتا ہے اس کی حکمتوں اور رازوں کے ہر پہلو پر تحقیق کرنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقام آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ تو پھر اس معرفت کا اصلی معیار کیسے مقرر کیا جائے۔ ثابت ہوا کہ انبیاء کرام کی آمد کے بغیر یہ مسئلہ حل ہونا ممکن نہیں تھا اس لیے انبیاء کرام کو بھیجا گیا۔

سوال: اس پر یہ سوال وارد ہوا ہے کہ اگر عقل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عبادت کا

Marfat.com

وجوب ثابت نہیں ہوسکتا تو پھر انبیاء کرام کا بھیجنا بھی بے فائدہ ہوگا کیونکہ جب انہوں نے معجزات دکھائے تھے تو یہ کہنا درست تھا۔ کہ اگر ان معجزات کی طرف دیکھنا واجب نہیں۔ تو ہمیں ان کو دیکھنے اور ان میں غور کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اگر واجب ہے تو عقل کے ذریعہ وجوب ثابت نہیں ہو سکتا۔ پھر شرع سے ثابت ہوگا۔ مگر شرع کا ثبوت معجزہ پر موقوف ہے اور معجزہ کو دیکھنے کا وجوب بغیر شرع کے ثابت نہیں ہوسکتا۔ یہ ایسا دور ہے جو محال ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ واجب کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور انبیاء کرام علیہ السلام بندوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرائض عائد کرنے کے لئے بھیجے گئے اور وہ اپنی طرف سے کوئی چیز بندوں پر واجب نہیں کرتے تھے اور کہہ دیتے تھے کہ اگر اس راستے پر چلو گے تو بچ جاؤ گے۔ اور اگر اس راستہ کو اختیار نہیں کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو تو انسانوں کی نجات کی یا ہلاکت کی کوئی پرواہ نہیں۔ اور اگر تمہیں ہماری نبوت میں کوئی شک ہے۔ تو یہ معجزے ہیں انہیں دیکھو اور غور کرو۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی حکیم بیمار کو کہتا ہے۔ کہ یہ دو چیزیں ہیں۔ جن میں ایک زہر ہے اگر تم اسے کھاؤ گے تو فوراً ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور دوسری تمہاری دوا ہے اگر کھاؤ گے تو شفا پاؤ گے۔ اب مریض کو اختیار ہے کہ چاہے تو زہر کھائے۔ یا وہ دوا استعمال کرے جس سے اسے شفا ملے۔ غرض معجزات دیکھ کر شریعت کا اقرار ایسا پختہ امر ہے۔ کہ جس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔

ساتواں دعویٰ

انبیاء کرام کی بعثت نہ محال تھی نہ واجب' بلکہ جواز کے درجہ میں تھی کچھ اس کو واجب اور ایک طبقہ اس کو محال اور ناممکن کہتا ہے۔ واجب کہنے والوں کی تردید تو اس بات سے ہوسکتی ہے۔ جسے ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں۔ کہ ذاتِ حق پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اور موخر الذکر کے جواب میں ہم بعثت انبیاء پر دلیل قائم کریں گے تو محال کہنے والوں کی بھی تردید ہو جائے گی۔ کہ جو چیز محال اور ناممکن ہوتی ہے وہ جائز اور ممکن نہیں ہوسکتی۔

یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم اور قادر ہے۔ اور اس کے متکلم ہونے کے یہی معنی ہیں کہ وہ اپنے کلام کو بعض ایسے اشخاص کے دلوں میں پیدا کر دے جو دوسرے بندوں کی نسبت اس کے حضور خاص درجہ کے حامل ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ انہیں ہم کلامی (حضرت موسیٰؑ) اور اس کی مناجات کرنے کا مرتبہ انہیں حاصل ہو۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام ان لوگوں کو پہنچا دیں کہ جنہیں یہ درجہ حاصل نہیں ہے۔ انبیاء کرام کی بعثت کا محال ہونا اس صورت ہوتا جب اللہ تعالیٰ متکلم اور قادر نہ ہوتا۔ جب یہ دونوں صفات اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں تو پھر بعثت کے جواز میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اور یہ بھی ہر آدمی جانتا ہے کہ بعثت کوئی قابل تنقید امر نہیں۔ تاکہ اسے بہانہ بنا کر بعثت کو ناممکن کہہ لیا

Marfat.com

جائے۔ اس سے بڑھ کر انبیاء کرام کی بعثت کا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ معتزلہ بھی باوجود یہ کہ ہر ایک امر میں قباحت کی رٹ لگاتے تھے۔ لیکن اسے وہ بھی تنقید و بحث کا نشانہ نہیں بناتے تھے بلکہ تجاوز کرتے ہوئے "واجب" کہتے تھے۔

ہمارے علم میں تین ایسی وجوہات ہیں۔ جن سے انبیاء کرام کی بعثت کے منکرین کے نزدیک بظاہر بعثت کا امکان نہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے۔ کہ ان تین وجوہات کی وجہ سے بعثت کو ناممکن کہنے والے گمراہ پیدا ہوگئے ہوں۔ پہلے ہم ان تین معترضہ وجوہات کو بیان کریں گے اور اس کے بعد ان کے جوابات پیش کریں گے۔

بعثت کے بارے میں معترضین کے تین مفروضہ اعتراضات اور ان کے جوابات

پہلا اعتراض

اگر انبیاء کرام ایسے احکام بیان کرنے کے لئے مبعوث فرمائے گئے ہیں جو ہماری سمجھ میں آسکتے ہیں۔ تو پھر انبیاء کی کیا ضرورت ہے۔ ہماری عقلیں ہی ان کا کھوج لگانے کے لئے کافی تھیں۔ اور اگر ایسی باتیں کرنے کے لئے آئے ہیں۔ جو ہماری عقلوں کی صلاحیت سے باہر ہیں۔ تو ان کا آنا بے فائدہ ہوا۔ کیونکہ جن باتوں سے ہم واقف نہیں تو ہم ان کی تصدیق کس طرح کریں گے۔ کیونکہ تصدیق بھی عقل ہی کا کام ہے۔

جواب: انبیاء اکرام ایسے احکام کو بیان کرتے ہیں جو ہماری سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اور ہمارے حقوق کے مطابق ہوتے ہیں۔ مگر انبیاء کرام کے بتانے اور ان کی طرف توجہ دلانے سے پہلے انسان ان سے غافل ہوتے ہیں۔ بلکہ اگر توجہ کریں تو بھی ہماری عقلیں ہر قسم کے امور مثلاً اعمال، اقوال اور اخلاق و اطوار کو معلوم نہیں کرسکتیں۔ مگر ان میں اتنی استعداد بہرحال ہوتی ہے کہ انبیاء کرام ہمیں سمجھا سکتے ہیں۔ اور اس کے بعد کسی انکار کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

اس کی مثال یہ ہے جیسے کسی طبیب یا ڈاکٹر کے بتانے سے پہلے ادویات کی خوبیاں معلوم نہیں ہوتیں۔ مگر جب وہ بتادیتے ہیں تو پھر ہمیں ان کی مکمل تصدیق ہوجاتی ہے۔ اور معلوم ہوجانے کے بعد ہم انہیں استعمال میں لاسکتے ہیں۔ طبیب یا ڈاکٹر کی بات پر اعتبار کرنے کے لئے اس کا مستند اور تجربہ کار ہونا ضروری ہے۔ جس کا پتا لگانا کوئی مشکل نہیں۔ ویسے ہی انبیاء کرام کے اقوال پر اعتبار کرنے کے لئے کئی اسباب موجود ہیں۔ اور وہ معجزات ہیں۔ اور ان کے ذریعہ انبیاء کرام کی تصدیق ہوسکتی ہے اور ان کے اقوال کی پیروی سے ہی نجات ابدی حاصل ہوسکتی ہے۔

Marfat.com

دوسرا اعتراض (فلاسفہ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں)

یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں کے ساتھ کلام فرماتا۔ اور انبیاء کرام کے بغیر تمام امور سے ان کو خود ہی آگاہ فرما دیتا۔ جب یہ بات ممکن تھی۔ تو پھر انبیاء کرام محض عبث اور بے فائدہ ٹھہرے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ بے فائدہ کاموں سے مبرا اور پاک ہے۔ اور اگر اس کا بالمشافہ کلام کرنا محال اور ناممکن بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی معجزوں کے سوا انبیاء کرام کی تصدیق ناممکن ہے اور معجزہ' جادو اور طلسمات وغیرہ میں فرق ناممکن ہے یہ کیسے معلوم ہو سکے گا کہ وہ معجزہ ہے اور جادو یا شعبدہ نہیں ہے۔

جواب: معجزہ اور جادو وغیرہ میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ مُردوں کو زندہ کرنا' ایک سوکھی لاٹھی کا سانپ بن جانا۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا' دریا کا پھٹ جانا' جذام اور برص کے مریضوں کا اچھا ہو جانا وغیرہ یہ ایسے امور ہیں۔ کہ جنہیں کو دیکھ کر جادو کا خیال تک نہیں آ سکتا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ ہمیں دیکھنا ہو گا کہ کیا ہر ایک ممکن چیز کا جادو کے ذریعہ حاصل کرنا ممکن ہے۔ دوسری صورت یہ دیکھنا ہو گا کہ بعض ایسے امور بھی ہیں۔ کہ جن کا وقوع جادو یا شعبدوں کے اصول سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طاقت ان میں اثر نہ کرے اگرچہ ساری دنیا کے جادوگر اپنی تمام تر قوت ان پر کیوں نہ صرف کر دیں۔ ان کا وقوع محال ہے۔ پہلی شق تو محال ہے۔ کیونکہ کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہر امر جادو کی قوت سے اثر پذیر ہو سکتا ہے۔ اور نہ جادو کے علم کے اصول اس کا تقاضا کرتے ہیں۔ تو اب دوسری شق صحیح ہو گی۔ یعنی بعض امور ایسے بھی ہیں۔ جن کا وقوع جادو وغیرہ کے ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ اس سے انبیاء کرام کی تصدیق کی صورت بخوبی نکل آتی ہے۔ کیونکہ معجزات کے ذریعہ امور پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اُن کا جادو کے ذریعہ وقوع ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اہم بات یہ ہے کہ انبیاء کرام کے ان معجزوں کی حیثیت کا ملاحظہ کیا جائے اور معجزات کا جادو کے کے ساتھ موازنہ کیا جائے۔ غور کیا جائے کہ انبیاء کرام نے جو معجزات دکھائے ہیں۔ کیا جادو وغیرہ کے ذریعے ان کا وقوع پذیر ہونا ممکن ہے۔ یا نہیں۔ اگر معلوم ہو جائے کہ جادو وغیرہ کی طاقت سے یہ باہر ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ معجزات ہیں اگر کسی قسم کا شک ہو تو اسے دور کرنے کے لئے ہمیں دیکھنا ہو گا کہ کسی نبی نے جادوگروں کو عام طور پر چیلنج دیا ہو کہ اگر تمہیں میری نبوت میں شک ہے اور ان معجزوں کے بارے میں اگر تمہارا خیال ہو کہ یہ جادو ہیں تو پھر آؤ اور مجھ سے مقابلہ کرو۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا تو اس سے معجزے اور جادو وغیرہ میں نہایت آسانی کے ساتھ فرق ہو سکتا ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا بندوں کے ساتھ براہ راست کلام کا تعلق ہے۔ تو یہ قیامت کے دن کے لئے اس نے ٹھہرا لیا ہے۔ اور ہر شخص اپنے رب کا کلام سن لے گا۔

Marfat.com

تیسرا اعتراض

سوال: گمراہوں کے ایک طبقہ کا کہنا ہے کہ اگر معجزہ اور جادو وغیرہ میں فرق کا امکان بھی تسلیم کرلیا جائے تو بھی دریافت کرنا کہ انبیاء کرام کی بعثت میں ہمارا فائدہ ہے ناممکن امر ہے۔ خاص طور پر جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ وہ جسے چاہے ہدائیت دے اور جیسے چاہے گمراہ کرے یا؟

جواب: اُس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کرام وہی واجب کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور جیسے معجزے اور جادو میں فرق ہے بالکل ویسے ہی اور عام آدمی میں فرق ہوتا ہے۔ اور انبیاء کرام صرف اُسی امر کا حکم کرتے ہیں کہ جن سے نجات ہوتی ہے اور دنیا میں انبیاء کرام کی مخالفت کرنے والی اقوام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے عذابوں نے ثابت کردیا ہے کہ نبی کی اطاعت میں ہی فائدہ اور اُس کی مخالفت میں سراسر نقصان ہے۔ جس سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ انبیاء کی بعثت میں ہمارا بھرپور فائدہ ہے اگر اُن کی اطاعت کی جائے۔

جواب: جب معجزہ کی حقیقت معلوم ہو جائے اور پھر معجزہ کا مشاہدہ بھی کرلیا جائے۔ تو کسی کے دل میں یہ خیال نہیں گزرتا۔ کہ ذات حق کی غرض (معاذ اللہ) ہمیں گمراہ کرنا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی بادشاہ کے روبرو اس کی فوج کو اس طرح مخاطب کرتا ہے کہ بادشاہ نے تمہارے انتظام میرے سپرد کردئے ہیں۔ تمہاری تنخواہیں اور تمہاری ہر قسم کی حرکات وسکنات اب میرے ماتحت ہوں گی۔ تم پر میری پیروی واجب ہے۔ اب کسی بات میں میری مخالفت نہ کرنا بادشاہ خاموشی سے اس کی تقریر سن رہا ہے اور پھر وہ کہتا ہے کہ بادشاہ اگر میں اپنے قول میں سچا ہوں۔ اور تو نے مجھے فوج کا سردار بنایا ہے۔ تو میری تصدیق کے لئے اپنے تخت پر بیٹھے بیٹھے تین بار ہاتھ ہلاؤ۔ بادشاہ کے ہاتھ ہلانے سے اب ہر شخص جان لے گا کہ اس سے بادشاہ کی غرض دھوکے میں ڈالنا نہیں ہے۔ بلکہ اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ واقعی اس نے مقررہ شخص کو فوج کا سردار مقرر کردیا ہے اور بادشاہ کا خاموشی کی حالت میں مذکورہ شخص کے لئے تین دفعہ ہاتھ ہلانا شخص مذکورہ کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔

اس طرح جب انبیاء کرام بنی آدم کو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں اس کے احکامات بتانے آئے ہیں۔ اور اگر تمہیں شک ہے تو ان معجزات کو دیکھو۔ یہ ایسے معجزے ہیں جو انسانی طاقت سے باہر ہیں۔ اگر ہم جھوٹے ہوتے تو ہمارے ہاتھوں پر ان کا ظہور ہرگز نہ ہوتا۔

یہ دیکھ کر کسی شخص کے دل میں ایسا مکروہ خیال نہیں گزر سکتا۔ کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کی غرض ہمیں گمراہ کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وجہ سے کسی شخص نے انبیاء کرام کو نہیں جھٹلایا اور ان کے پیش کردہ معجزات کو جادو اور شعبدہ بازی نہیں کہا۔ اللہ تعالیٰ کے متکلم، آمر وناہی ہونے اور ضرورت نبوت سے انکار نہیں کیا اور کسی احمق سے احمق آدمی نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح اور اعلانیہ بعثت انبیاء کرام پر حرف گیری کی جرات نہیں کی۔

Marfat.com

اگر یہ کہا جائے کہ کیا کسی جھوٹے شخص کے ہاتھ پر بھی معجزے کا ظہور ممکن ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بالکل نہیں۔ کیونکہ معجزہ وہ خلاف عادت امر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ نبی یا رسول اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور واقعی اسے اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور اگر جھوٹے شخص کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ یہ شخص سچا بھی ہے اور جھوٹا بھی ہے اور یہ محال ہے۔ کیونکہ جب معجزے نے یہ بیان کر دیا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کا رسول اور اپنے دعوے میں سچا ہے۔ تو پھر اسے جھوٹا کس طرح کہا جائے گا اور جھوٹا ہونے کے دو معنی ہیں کہ یہ رسول نہیں اور اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ غرض کہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزے کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ یعنی جھوٹ اور معجزہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور یہ ایک جگہ بالکل جمع نہیں ہو سکتے۔

علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین

علم الیقین

ان آیات ونشانات کے ظاہر ہونے سے مراد ہے جو حق تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں اور ان نشانیوں کے مشاہدے کو کائنات کی سیر کہتے ہیں۔ لیکن ذاتی مشاہدہ صرف اپنی ذات پر غور و فکر ہے۔۔ ناصر الدین خواجہ عبید اللہ قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ سیر دو قسم پر ہے ایک سیر مستطیل، دوسری سیر مستدیر۔

سیر مستطیل بعد در بعد (دوری اور دوری) ہے اور سیر مستدیر (قرب در قرب) پس وہ تجلیات جو خیالی یا موجود صورتوں میں ہوں یا انوار کے پردوں میں ہوں۔ خواہ کوئی صورت ہو یا کوئی نور ظاہر ہو وہ رنگین ہو یا بے رنگ۔ متناہی ہو یا غیر متناہی۔ کائنات کا احاطہ کرے یا نہ کرے سب علم الیقین میں داخل ہیں۔

عین الیقین

حق تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھنے سے مراد ہے یہ علم الیقین کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ شہود راہ حق کے طلبگار کی ذات کو فنا لازم کرتا ہے۔ اور اس مرحلے میں سالک کا تعین بالکل گم ہو جاتا ہے اور سالک کے دیکھنے کے مشاہدے میں اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور اس مشاہدے میں اُس کی اپنی ذات گم ہو جاتی ہے۔ یہ شہود اولیائے کرام کے گروہ کے نزدیک ادراک سے تعبیر کیا گیا ہے اور معرفت بھی اسے ہی کہتے ہیں۔ اس ادراک میں خاص و عام شریک ہیں۔ لیکن فرق صرف یہ ہے کہ اولیائے حق کا مخلوق میں موجود ہونا اُن کے لیے حق تعالیٰ کے مشاہدے میں رکاوٹ نہیں بنتا بلکہ ان کے دل و نگاہ میں حق جل شانہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور عوام اس سے قاصر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس شہود سے

Marfat.com

غافل اور اس ادراک سے بے خبر رہتے ہیں اور یہ عین الیقین، علم الیقین کا پردہ ہے۔ جیسے کہ علم الیقین، عین الیقین کا پردہ ہے۔ اس مشاہدے کے دوران سراسر حیرت ہے علم کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ اس شخص کی علامت جس نے اللہ تعالیٰ کو جیسے پہچاننے کا حق ہے پہچان لیا یہ ہے کہ اس کے بعض انوارات سے واقف ہو جاتا ہے لیکن اس کا اسے علم نہیں ہو پاتا۔ اور بعض نے فرمایا کہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والا وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ حیران ہے۔

حق الیقین

حق تعالیٰ کے شہود سے مراد ہے۔ یہ بھی اپنی ذات کو راہ حق میں گم کر دینے اور ذات حق کی جستجو میں ہر دنیاوی طلب کو چھوڑ کر دینے کے بعد ہوتا ہے۔ لیکن یہ شہود حق تعالیٰ سے حق تعالیٰ کی طرف ہے۔ اور یہ شہود ذات اقدس کی رضا میں خود کو فنا کر کے بقا باللہ میں حاصل ہوتا ہے۔ اور کبھی سالک کو فنائے مطلق کے ساتھ ثابت ہونے کے بعد جو ذات وصفات کی فنا ہے حق تعالیٰ محض اپنی عنایت سے اپنے نزدیک سے ایک وجود عطا کرتا ہے اور خود فراموشی اور بے خودی سے ہوشیاری میں لے آتا ہے اور اس وجود کو وجود موہوب حقانی یعنی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا وجود کہتے ہیں۔ اس مقام میں علم ومشاہدہ ایک دوسرے کا حجاب (پردہ) نہیں ہوتے۔ عین الیقین میں علم کے شہود کا اور علم الیقین میں دیکھنے کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جس کو عارف اس مقام میں عین حق پاتا ہے۔ نہ کہ مخلوق کے تعین کے ساتھ کیونکہ اس کے دیدہ شہود میں اس کا کوئی اثر نہیں رہتا۔ اور ان صورتوں کی تجلیات سے جن میں اپنے تعینات اور صورتوں کو حق تعالیٰ معلوم فرماتا ہے۔ مراد تعینات کونیہ کہتے ہیں۔ جن کی طرف فنا نے راہ نہیں پایا۔ تجلی صوری میں انا کا عکس صورت پر پڑتا ہے اور حق الیقین میں حقیقت پر اور نیز تجلی صوری میں بندگان خدا حق کو اپنے آپ سے دیکھتے ہیں۔ اور حق الیقین کے مقام میں حق کو حق سے دیکھتے ہیں اور یہ حق الیقین کا مرتبہ ہے۔ (مجدد الف ثانیؒ)

اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے

سورہ بقرہ میں ارشاد ہے

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ تمام جہانوں پر بڑے فضل والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس کا فضل وکرم عام ہے اور کوئی سا بھی جہان کیوں نہ ہو۔ انسان جب نظر دوڑائے گا تو اسے ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل احاطہ کیے ہوئے نظر آئیں گے اور نہ صرف انسان بلکہ ہر قسم کی زندگی اس کے فضل وکرم سے قائم ہے روز محشر کا قائم ہونا بھی اس کے خاص فضل وکرم سے ہے۔ اس دنیا میں قدم قدم پر اس کے فضل وکرم کے مظاہر

Marfat.com

بکھرے پڑے ہیں۔ انسان کو قدم قدم پر اس کی عنایات کے آثار بخوبی نظر آتے ہیں۔ اہل نظر اور سعادت منداس کے فضل و کرم کی ان واضح علامت پر غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہیں درخت کے ایک معمولی سے پتے سے لے کر آسمان کی بے شمار وسعتوں تک سب کے سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی نشانیاں ہیں اور آخرت میں بھی وہ بندوں پر اپنا خاص فضل و کرم فرمائے گا درحقیقت اس دنیا میں اور آخرت میں فضل و کرم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ تمام مخلوق اور تمام ذی روح اس کے فضل و کرم کے باعث زندگی کے ایام بسر کر رہے ہیں۔ چاند اور سورج بھی اس کے فضل و کرم کے آثار ہیں۔ ستارے' پھل' پھول اور آخرت میں جنت کی سدا بہار نعمتیں اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کے فضل و کرم کے گراں قدر انعامات ہیں۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہے۔

اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ

بے شک فضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ فضل و کرم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اور علماء متقدین کے نزدیک فضل کی اصطلاح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لئے استعمال کرنا شرک ہے۔ یعنی یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بادشاہ کا فضل ہے یا فلاں حاکم کا فضل ہے۔ کیونکہ کوئی بھی دنیاوی بادشاہ یا حاکم یا کوئی دوسرا فضل کی صفت کا اہل ہی نہیں ہے۔ فضل و کرم فرمانا خالصتاً اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور اس کے حقیقی و تمام معانی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ حالانکہ بعض صفات کا مجازاً استعمال بھی ہوتا ہے۔ مثلاً فلاں بادشاہ رحمدل ہے یا فلاں آدمی سخی ہے۔ فلاں آدمی مجرم کو معاف کر دیتا ہے۔ لیکن صفت فضل کو مجازاً استعمال کرنے کی بھی ممانعت ہے۔ مثلاً ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں آدمی فضل کرنے والا ہے۔ یا فلاں بادشاہ فضل کرنے والا ہے اصل میں رحمت اور سخاوت اور بخشش کی صفات بھی اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ اور ان صفات کا اصل مالک وہی ہے اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ بخشش و عطا کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کے دروازے پر سر نیاز خم کریں۔

سورہ آل عمران میں پھر یوں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمُ

اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فضل تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ سب سے بڑا فضل فرمانے والا ہے زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ اس کے قبضے میں ہے وہی دینے والا ہے۔ وہ اپنی مرضی کا خود مالک ہے اس کے تمام امر حکمت سے بھرپور ہیں اور وہ لامحدود وسعت و علم رکھتا ہے جسے چاہے اپنی رحمت کے

Marfat.com

ساتھ خاص فرما دے۔ وہ بڑے فضل والا ہے اس نے انسانوں پر بے حد وحساب احسانات فرمائے ہیں۔ اور اس نے اپنے فضل وکرم سے رسول اللہ ﷺ کو تمام انبیاء کرام پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اور ہر لحاظ سے مکمل ضابطہ حیات اسلام عطا فرمایا اور وہ اہل ایمان کو اپنے فضل وکرم سے برزخ یعنی عالم قبر میں بھی آرام سے رکھے گا۔ اور آخرت مین بھی جنت کی سرمدی وابدی نعمتوں سے بہرہ ور کرے گا۔ زمین وآسمان کا تمام تر نظام اور تمام مخلوقات کی زندگی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے باعث ہے۔

سورہ آل عمران میں مومنوں پر فضل وکرم کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْمُؤْ مِنِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر بڑے فضل وکرم والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ارشاد فرما رہا ہے کہ اہل ایمان پر اس نے یقیناً کرم فرمایا ہے دنیاوی نعمتیں تو اپنی جگہ بجا ہیں لیکن اس کا اصل کرم یہ ہے کہ اس نے انہیں ایمان کی دولت نصیب فرمائی اور انہیں اپنے دائمی فضل سے نوازا۔ اگر اللہ تعالیٰ ایمان کی ہدایت نصیب نہ فرماتا تو یہ بہت بدبختی اور بدنصیبی ہوتی کیونکہ دوزخ کے عذاب سے بڑھ کر کوئی مصیبت اور کوئی اذیت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہی حقیقی نقصان ہے۔ لیکن اس فانی دنیا میں چند روزہ مزے اڑانے والے اس حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ انہیں کبھی کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔ اور وہ اسی طرح ہمیشہ مزے اڑاتے رہیں گے اور جب مرجائیں گے تو مر کر مٹی میں ہو جائیں گے اور کوئی حساب نہیں ہوگا۔ یہ ان لوگوں کی بھول ہے کیونکہ موت کے بعد برزخ اور پھر قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہو کر حساب کی مصیبت اٹھانا ہوگی۔ جو لوگ اس دن خالی ہاتھ ہوں گے۔ اور جن کے نامہ اعمال میں سیاہ کاریاں ہوں گی اور کفر کے طوق جنہوں نے گلے میں ڈالے ہوں گے۔ وہ دیکھ لیں گے کہ اصل اور بھاری مصیبت تو جہنم کا دردناک عذاب ہے۔ کہ جس سے پیچھا چھڑانا ممکن نہ ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صاحب ایمان ہوں گے۔ وہ بھی دیکھ لیں گے کہ جنت سے بڑھ کر کسی نے راحت وآرام کا تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دنگ رہ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے منکروں کو دوست نہ بناؤ

سورہ آل عمران میں ارشاد ہے۔

يَـٰٓاَيُّهَا الَّـذِيْنَ آمَنُوْ اَلَا تَتَّخِذُوْ ابِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَا تُوْ نَكُمْ خَبَا لًا وَدُّوْ امَا عَنِتُّمْ قَدْبَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَ اهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُوْرُ هُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ

Marfat.com

"اے ایمان والو تم ایمان والوں کے سوا اور کسی کو دوست نہ بناؤ۔ تم نہیں دیکھتے کہ دوسرے (اللہ تعالیٰ کے منکر) تمہاری تباہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم دکھوں میں پڑو۔ ان کی دشمنی تو ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے بہت زیادہ ہے۔ ہم نے تمھارے لئے آیات بیان کر دی ہیں اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو کفار اور منافقوں کی دوستی اور اُن کے ساتھ راز و نیاز سے منع فرما رہا ہے کہ یہ تمہارے دشمن ہیں۔ ان کے ورغلانے والی باتوں میں نہ آنا۔ اور ان کے مکر میں نہ پھنسنا۔ ورنہ جونہی موقع ملے گا یہ تمہیں ضرور نقصان پہنچائیں گے۔ اور اپنی اندرونی دشمنی اور دلی بغض نکالیں گے۔ تم انہیں راز دار نہ سمجھنا۔ اور راز کی باتیں انہیں نہ بتانا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ یہاں پر حیرہ کا ایک شخص ہے۔ جو بہت پڑھا لکھا ہے۔ آپ اسے محرر مقرر کر لیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں غیر مسلم کو کیسے راز دار مقرر کر سکتا ہوں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم اگر ذمی بھی ہوں تو انہیں اپنے خاص کاموں میں نہیں لگانا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ مسلمانوں کے پوشیدہ رازوں سے غیر مسلموں کو آگاہ کر دیں۔ کیونکہ کافر بہر حال کافر کا دوست ہوتا ہے۔ ازہر بن راشد کہتے ہیں کہ لوگ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے احادیث سنتے تھے۔ اگر کسی حدیث کا مطلب سمجھ نہ آتا تو حضرت حسن بصری سے جا کر مطلب پوچھتے تھے۔ ایک دن حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ مشرکوں کی آگ سے روشنی طلب نہ کرو اور اپنی انگوٹھی میں عربی نقش نہ کرو۔ اس کی تشریح خواجہ حسن بصری نے اس طرح کی کہ مشرکوں سے اپنے کاموں میں مشورہ نہ لو۔ اور انگوٹھی پر پاک اسماء نہ کھدواؤ۔ اور کتاب اللہ میں بھی ہے کہ اے ایمان والوں اپنے سوا دوسروں کو ہم راز نہ بناؤ (ابو یعلی) مشرکون کی بستی میں بھی نہیں رہنا چاہئے اور وہاں سے ہجرت کر جانا بہتر ہے۔ مشرکوں کے شہروں اور ان کے پڑوس سے بھی بچنا چاہئے۔ ابوداؤد میں ہے کہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان لڑائی کی آگ کو تم نہیں دیکھتے۔ اور حدیث مبارک میں یہ بھی ہے کہ جو مشرکوں سے میل جول کرے۔ یا ان کے ساتھ رہے وہ بھی انہی جیسا ہے۔ مشرکوں کے چہروں سے خباثت دور ہی سے واضح نظر آ جاتی ہے۔ کفار کے دل میں جو سازشیں ہیں۔ اہل ایمان ان سے کما حقہ آگاہ نہیں ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ان سے پوری طرح آگاہ ہے۔ عقلمند اہل ایمان ایسے مکاروں کی مکاری میں نہیں آتے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ مومن تو تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔ مگر کافر اس میں شک و شبہ کا شکار ہیں۔ مومنوں کا یہ فرض ہے کہ وہ کفار کی حرکتوں کو کڑی نظروں سے دیکھیں۔ اور ان سے پوری طرح خبردار رہیں۔

اور منافق ایسے دوغلے ہیں کہ سامنے آتے ہیں تو اہل ایمان کی حمایت کرتے ہیں۔ اور جب ذرا پرے ہوتے ہیں۔ تو سازشوں کے تانے بانے بنتے ہیں۔ ہم آج کے دور میں بآسانی دیکھ سکتے

Marfat.com

ہیں۔ کہ مغربی ممالک عالم اسلام کے خلاف کس طرح کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ بظاہر تو یہ مسلمانوں کی حمایت میں بیان دیتے ہیں۔ لیکن درحقیقت مسلمانوں کے قتل عام کے خواہش مند ہیں۔ مسلمانوں کو نہایت کمزور، مقروض اور بے بس دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے جدید ایٹمی ٹیکنالوجی کے حصول کے سلسلے میں یہ ممالک سب سے زیادہ دشمن مسلمانوں کے ہیں مسلمانوں کو خوشحال دیکھ کر کفار اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اسلام کو ترقی دے رہا ہے جیسے کہ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اور روس کے خاتمے کے بعد اسلامی ریاستوں کی آزادی بھی قابل ذکر پہلو ہے اور اب امریکہ و مغربی ممالک کا مسلمانوں کے ساتھ نہایت غلط رویہ سب کے سامنے ہے۔ یہ ممالک مسلمان ملکوں کے خلاف جنگیں کر کے اُنہیں تباہ کر دینا چاہتے ہیں۔ افغانستان اور عراق اُس کی تازہ اور واضح مثال ہیں۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ مشرکوں اور کافروں کی دوستی سے دور رہیں۔

اللہ تعالیٰ چاہے تو ایک کے بدلے دوسری قوم لے آئے

سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اے لوگو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ لے آئے دوسروں کو اور اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

لوگوں سے ارشاد ہے کہ تم خواہ مخواہ کسی غلط فہمی میں نہ رہو۔ اور نہ سمجھے رکھو کہ علاقے، زمینیں، باغات اور یہ شہر تمہاری ملکیت رہیں گے۔ انسان تو اس دنیا میں گنتی کے سانس دے کر بھیجا جاتا ہے۔ اصل خالق و مالک تو اللہ تعالیٰ ہے یہ سب کچھ چھین لینا اس کے لئے قطعاً مشکل نہیں ہے۔ دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ بڑے بڑے شہر بنے لیکن قائم رہنے کے بعد اس طرح مٹ گئے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا۔ بڑی بڑی سلطنتیں تباہ و برباد ہو گئیں۔ موجودہ انسان اگر یہ سمجھتا ہے کہ وہ جدید ٹیکنالوجی اور جدید منصوبہ بندی کے تحت خود کو قائم رکھ لے گا۔ تو یہ اس کی بہت بڑی بھول ہے کیونکہ ہر دور کا انسان سمجھتا رہا ہے کہ وہ پچھلے مٹنے والوں سے زیادہ عقل مند ہے اور اب کے بار اس کی یہ تہذیب کبھی ختم نہیں ہوگی۔ رواں صدی کی ابتدائی دنیا کا نقشہ لیجئے۔ یہ بہت نزدیکی بات ہے۔ تو آپ کو احساس ہوگا کہ کتنی سلطنتیں تہہ خاک ہو رہی ہیں اور کتنے ہی شہر تباہ برباد ہوئے۔ حالانکہ یہ بہت قریب کا عمل ہے آنے والے لمحات اپنے دامن میں ایسے انقلاب لا رہے ہیں۔ کہ دنیا کو اپنی بقا کا مسئلہ لاحق ہے۔ یاد رہے کہ اس کا حل صرف اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ اصول و ضوابط پر عمل سے ہی ممکن ہے ورنہ انسان ایک وسیع تباہی کا مقابلہ کیسے کر لے گا۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے نافرمان قوموں کو اس طرح مٹا دیا کہ نئے آباد ہونے والوں نے انہیں عبرت کی تصویر سمجھ لیا۔ اور ان کی داستانیں تباہی کی باقی داستانوں میں تحریر ہو گئیں۔

تمام عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے

سورہ النساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا

پس بیشک تمام عزت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ عزت دوسروں کے دروازے پر تلاش کرتے ہیں۔ وہ خبردار ہو کر سن لیں کہ عزت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور عزت اللہ تعالیٰ کے دروازے سے ہی خیرات کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے آگے دل و جان سے سر جھکا دیتا ہے۔ اس کے احکام پر اپنی کوئی تاویل قائم نہیں کرتا۔ اس کے احکام کے بارے میں شکوک کا شکار نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں اپنی جائیداد' اموال اور ہر چیز حقیر سمجھتا ہے جس کا اخلاق دوسرے بندگان الٰہی کے لیے تسکین کا باعث ہوتا ہے جو کافروں کے مقابلے میں اہل ایمان کو عزیز رکھتا ہے۔ منافقوں' مشرکوں سے کنارہ کش رہتا ہے اور تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو اولین سمجھتا ہے۔ لیکن جو بدنصیب صرف دنیاوی عزت کا خواہش مند ہے۔ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا کی عزت بھی دنیا کی طرح فانی ہے اور آخرت کی عزت بھی آخرت کی طرح پائدار ہے عزت کے حصول کے خواہش مندوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ حقیقی عزت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ دوسری صورت میں جب پوری دنیا کی تاریخ دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں ایک حقیقت کا واشگاف انکشاف ہوتا ہے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے نافرمانی کی انہیں تمام انسان مجموعی طور پر شرارتی اور شیطان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بے شک ان لوگوں کا ان کی زندگیوں میں بہت دبدبہ تھا۔ مثلاً

- فرعون کو کوئی اچھا نہیں کہتا۔
- نمرود کی کوئی بھی تعریف نہیں کرتا۔
- ہامان اور شداد کی قطعاً کوئی عزت نہیں۔
- ابوجہل کو سب لعنتی کہتے ہیں۔
- شیطان ہر طبقہ اور ہر مذہب کے لئے مکروہ ترین نام ہے۔
- قوم نوح اور قوم لوط کو دنیا بھر میں غلیظ اور نافرمان تصور کیا جاتا ہے۔
- تاتاری دہشت کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔

غرض کہ جتنے بھی نافرمان اور بدخصلت انسان ہوئے ہیں۔ دنیا بھر میں ان کے ہم مذہب

بھی انہیں اچھا نہیں کہتے۔ یعنی مشرک اور کافر بھی ان سے نالاں ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ یہی دیکھ لیجئے کہ انبیاء کرام اور اولیا کرام اور صالحین کو ہر طبقہ میں عزت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے ان کی قبریں بھی مرجع خلائق ہیں۔ جو مسلمان حکمران عزت امریکہ، یورپ اور اشترا کی ممالک کے حکمرانوں کے دروازے پر تلاش کرتے ہیں سن لیں کہ عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے دروازے پر عطا ہوتی ہے باقی موجودہ مسلمان حکمران اپنے سے پہلے اُن مسلمان حکمرانوں کو یاد رکھا کریں کہ جو اُن سے زیادہ اِن اسلام دشمنوں کے وفادار تھے اور عبرتناک انجام کا شکار ہوئے اور اُن کا نام ایک غدار کے طور پر لیا جاتا اس لیے عزت کی خواہش ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھنا ہوگا۔

اگر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو ہلاک کرنا چاہئے

تو اسے کون روک سکتا ہے؟

سورہ المائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

اور یقیناً کفر انہوں نے کیا جنہوں نے کہا کہ الٰہ تو عیسیٰ ابن مریم ہی ہے۔ اے نبی آپ کہہ دیجئے کون قدرت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم میں سے کہ کوئی چیز روک دے۔ (یعنی) اگر وہ ارادہ کر لے کہ ہلاک کر دے عیسیٰ ابن مریم کو اس کی ماں کو اور جو کچھ بھی زمین میں ہے اس سب کو۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سخت الفاظ میں تنبیہ فرما رہا ہے کہ جو انبیاء کرام کو الٰہ کا درجہ دے دیتے ہیں۔ اگر چہ بظاہر یہ خطاب اُن عیسائیوں کو ہے کہ جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔ لیکن اس میں وارننگ قیامت تک آنے والے لوگوں کو دی جا رہی ہے۔ خبردار کیا جا رہا ہے کہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کا پیغام لیکر آئے ہیں اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف راغب کیا اور انہیں شرک سے دور ہونے کی نصیحت کی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اگر انہیں الٰہ کہا جائے تو یہ ایک واضح اور کھلا ہوا شرک ہوگا۔ اور ایسا کہنے والا نہ صرف یہ کہ صریحاً کافر ہو جائے گا۔ بلکہ بذات خود یہ انبیاء کرام کی بھی توہین ہوگی۔ کہ انہوں نے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پیغام دیا مگر ان کے ماننے والوں نے بجائے اللہ تعالیٰ کی وحدت کا اقرار کرنے کے نبیوں کو ہی شان خداوندی کا مالک کہنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں اور دوسرے مشرکوں کی اس دریدہ ذہنی اور مشرکانہ طرز عمل سے ناراض ہو کر یہ فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو بھی موت دے دے تو پھر کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے انہیں بچائے گا۔ یہ ایک مثال ہے اس میں کہنا یہ مقصود ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام طاقتوں کا مالک ہے اور کسی دوسرے کے پاس اللہ

تعالیٰ کی قدرت کا اختیار نہیں۔ زندہ کرنا اور موت دینا تو صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے رزق دینا' زندگی دینا' عزت دینا' تکلیف دینا' آرام دینا یہ سب صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ اور انبیاء کرام تو اس کے برگزیدہ بندے ہیں۔ پاکباز لوگوں کی یہ جماعت ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔ اس لئے انسانوں کو چاہئے کہ وہ قطعاً انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں نہ تو شامل کریں۔ اور نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کی ان خاص صفات سے متصف کریں جو صرف شان باری تعالیٰ کا خاصا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہر انسان اور ہر مخلوق کو جو کچھ بھی زمین و آسمان میں ہے ہلاک کرنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے کیونکہ وہ بااختیار ہے۔ اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کی کسی کو مجال نہیں۔

عیسائیوں کے ساتھ ساتھ نصرانیوں اور یہودیوں کو بھی مخاطب کیا جا رہا ہے۔ کہ جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں۔ اور اپنی کتاب سے مختلف تاویلیں نقل کرتے تھے۔ جب کہ ان کے عقلمند ہم مذہب انہیں سمجھاتے تھے کہ ایسا نہ کہو۔ عیسائیوں کو دیکھیے کہ بعض جملوں کا غلط مطلب نکال کر شرک کے مرتکب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں مخاطب کر کے ارشاد فرما رہا ہے کہ اگر بفرض محال ایسا ہوتا تو وہ تمہارے گناہوں پر سزا کیوں دیتا۔ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو بھی یہی ارشاد فرماتا ہے کہ تم بھی عام انسان ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں تمام زمین و آسمان اور تمام مخلوق ہے۔ وہی حساب لینے کا اختیار رکھتا ہے۔ اسی کے فیصلے جاری و ساری ہیں۔ اور اس کا ہر ایک حکم حق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں وسیلہ تلاش کرو

سورہ المائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

اے ایمان والو ں ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جد جہد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اصل میں اس آیت کے معنی ہیں کہ ایسے احکام کی بجا آوری کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ایسے نیک افعال اختیار کئے جائیں جو اللہ تعالیٰ سے قرب کا باعث بنیں۔ اور انبیاء کرام اور صدیقین کا راستہ ہی رضائے الٰہی کا راستہ ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسول کریم ﷺ کی مکمل اطاعت سے ہی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ اور شریعت محمدیہ ﷺ کی مکمل پاسداری اور رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع ہی اللہ تعالیٰ کی راہ کا ایک تسلیم شدہ وسیلہ ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کی اطاعت کو شعار بنا لیا جائے۔ اور تمام آئمہ اور مفسرین کا اس پر اجماع ہے۔ امام ابن جریرؒ نے اس پر ایک عربی شعر بھی وارد کیا ہے جس میں

وسیلہ قربت اور نزدیکی کے معانی لئے گئے ہیں وسیلہ کے معنی اس چیز کے ہیں جس سے مقصود حاصل کرنے کی طرف پہنچا جائے۔ اور وسیلہ جنت کی اس اعلیٰ اور بہترین منزل کا بھی نام ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کی جگہ ہے۔ اور عرش سے بہت قریب ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب تم اذان سنو تو وہی کہو جو مؤذن کہہ رہا ہے۔ پھر مجھ پر درود بھیجو اور پھر اللہ سے میرا وسیلہ طلب کرو۔ وہ جنت کا ایک درجہ ہے جو صرف ایک آدمی کو دیا جائے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ پس جس نے میرے لئے وسیلہ طلب کیا میری شفاعت اس پر واجب ہوگی۔ (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بطور وسیلہ صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع ہے اور اللہ تعالیٰ ترغیب فرما رہا ہے کہ تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی کوشش میں رہنا چاہئے۔ کیونکہ دنیا اور آخرت کی تمام کامیابی و کامرانی صرف رضائے الٰہی کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

سورہ المائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ

بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو حکمران اور صاحب اختیار انصاف کرتے ہیں۔ تو بیشک یہ بہت عمدہ کام ہے۔ اور انصاف سے مظلوم اور بے بس لوگوں کا بھلا ہوتا ہے اور جرائم کی بھی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ جرائم تو شیطانی کام ہیں۔ اس لئے انصاف کو جرائم کے آگے ایک مضبوط دیوار بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جس معاشرے میں انصاف ملنا شروع ہو جائے وہاں انسانی زندگی پر سکون اور محفوظ ہو جاتی ہے۔ رحیم و کریم اللہ تعالیٰ انسان کو پُر سکون اور محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ تاکہ ذہنی یکسوئی سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو سکے۔ انصاف ہی اس سلسلے میں ایک مضبوط ضمانت کی حیثیت رکھتا ہے۔ جن قوموں سے انصاف اٹھ جاتا ہے۔ وہاں کا معاشرہ بے لگام ہو جاتا ہے حتی کہ وہاں امیر ہو یا غریب کوئی بھی محفوظ نہیں رہتا۔ انسانی زندگی پوری طرح ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے۔ ایک مجرم کو رعایت دینا درحقیقت تمام مجرموں کو رعایت دینا ہے اور اسی سبب کئی سر پھرے جرائم کا راستہ آسان سمجھ کر اختیار کر لیتے ہیں۔ قصہ مختصر ناانصافی درحقیقت ایک بہت قابل مذمت اور مکروہ عمل ہے۔ جو بھی صاحب اختیار یا منصف ناانصافی کرے گا تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ ضوابط کو چیلنج کرے گا۔ اور شرمناک مجرمانہ امور کو عام کرنے کا باعث بنے گا۔ کیونکہ انصاف عین فطرت ہے اور ناانصافی غیر فطری امر ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ایک امت بنا دیتا

سورہ مائدہ میں ارشاد ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو بنا دیتا تم سب کو ایک امت لیکن آزمانا چاہتا ہے تمہیں اس چیز میں جو اس نے تمہیں دی ہے پس آگے بڑھو نیکیوں کی کوشش میں۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر وہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ ایک ہی شریعت دی جاتی۔ ایک ہی کتاب دی جاتی۔ اس آیت مبارکہ میں اختیار الٰہی کے بارے میں صریحاً وضاحت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ہو سکتا تھا۔ نہ کوئی عیسائی ہوتا اور نہ یہودی۔ سب ایک ہی دین کے ماتحت ہوتے۔ لیکن حضور ﷺ کے تشریف لانے کے بعد اب قیامت تک ایک ہی دین قابل قبول ہے اور ایک ہی امت ہدایت یافتہ ہے اور وہ ہے حضور ﷺ کی امت۔ باقی شریعتیں اور نظام منسوخ ہو چکے ہیں۔ لیکن تمام انبیاء کرام پر ایمان لانا ایمان کا بنیادی رکن ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ جو سابقہ شریعتیں دی گئیں اور کتابیں نازل کی گئیں۔ اگر ان کی بجائے ایک ہی شریعت دی جاتی اور ایک ہی امت بنا کر ایک ہی نظام قائم فرما دیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا کرنا ممکن تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے عیسائی' یہودی' اور نصرانی بنانا کوئی واجب اور ضروری امر نہیں تھا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اختیارات میں مکمل با اختیار ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ اس نے باقی امتیں اس لئے بنائی ہیں۔ تاکہ سب کو آزمائے۔ اور دیکھے کہ کون اس کی وحدانیت پر ایمان لاتا ہے اور کون اس کی رضا کا زیادہ سے زیادہ خواہش مند ہے۔ تمام اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ دنیا کی دولت اکٹھی کرنے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کی بجائے۔ نیکیوں' عبادات اور مخلوق کی خدمت میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

لعنت ہو یہود پر' اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ فراخ ہیں

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ

اور کہا یہود نے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جکڑا ہوا ہے۔ جکڑے جائیں ان کے ہاتھ اور پھٹکار ہو ان پر بوجہ ان کی گستاخی کے۔ لیکن اللہ کے ہاتھ تو فراخ ہیں۔ اور خرچ کرتا ہے جیسے چاہے۔ (مائدہ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ یہود اگر یہ کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جکڑا ہوا ہے۔ تو یہ ان کی سخت بھول ہے کیونکہ اس کائنات کا خالق و مالک وہی ہے۔ سب کو رزق

Marfat.com

دیتا ہے۔ ہر خزانہ اسی کے اختیار میں ہے زمین و آسمان کے پوشیدہ تمام خزانے اسی کی ملکیت ہیں۔ بے کراں کائنات کے ذرے ذرے کو وہ رزق دے رہا ہے اور ہر روز اس کے دستر خوان سے اس پوری کائنات کا ذرہ ذرہ رزق حاصل کر رہا ہے لیکن پھر بھی اس کے خزانوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اس کے ہاتھ فراخ ہیں کی جو مثال دی گئی ہے اس کے معنی ہیں کہ اس کے پاس کسی چیز کی کوئی کمی نہیں۔ اگر یہود اللہ تعالیٰ کی نسبت ایسا گمان رکھتے ہیں تو یقین رکھیں کہ ان کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بدترین بدلہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمادی۔ اور ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ اور ان میں سے ایک قوم کو بندر اور سور بنا دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ وہی بندر اور سور ہیں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے اس کی نسل ہی نہیں ہوتی۔ ان سے پہلے بھی بندر اور سور تھے۔ یہ روایت صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ اور ملعون یہودی اللہ تعالیٰ کو فقیر بھی کہتے تھے (معاذ اللہ) جیسے کہ فنخاص نامی یہودی نے کہہ دیا تھا اور پھر شاس بن قیس یہودی نے بھی یہی بکواس کی تھی۔ جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم وسیع ہے۔ اور اس کے دروازے پر ہاتھ پھیلانے والے کبھی ناکام و نامراد واپس نہیں لوٹتے۔

باقی رہا امیری غریبی کا مسئلہ جب یہ طے ہے کہ اس دنیا کی زندگی فانی اور بطور آزمائش ہے اور آخرت میں اعمال کے لحاظ سے مراتب ملیں گے۔ تو پھر یہ بحث ہی فضول ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے دولت دے کر آزماتا ہے اور جسے چاہے غریبی دے کر۔ سب اس کے اختیار میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حیوانی زندگی "جنگلی حیات" کا تحفظ

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْ الَيَبْلُو نَّكُم اللّٰهِ بِشَيْيِ مِنَ الصَّيْدتَنَا لَهٗ اَيْدِ يْكُمْ وَرِمَا حُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ فَمَنَ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

اے ایمان والو! خبردار آزمائے گا تمہیں اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ شکار سے۔ پہنچ سکتے ہیں جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے۔ تاکہ پہچان کرا دے اللہ تعالیٰ اس کو جو ڈرتا ہے۔ اس سے بن دیکھے۔ پس جو شخص حد سے بڑھے گا اس وارننگ کے بعد تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (مائدہ)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جنگلی زندگی کا تحفظ فرما رہا ہے۔ بے شک یہ جانور بھی اس کی مخلوق ہیں۔ اور اسی کی رحمت و کرم کے امیدوار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنگلوں کو ان کا گھر بنایا ہے۔

اور ان کے لئے اس نے ہر قسم کے پودے پیدا فرمائے ہیں۔ جن سے یہ اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔ اور جنگل میں یہ جانور حسن اور زیبائش کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان

Marfat.com

تخلیق کے مظہر ہیں۔ اور اس کریم وحدہ لاشریک نے انسانوں پر ان کے بارے میں حد بھی قائم فرمادی ہے۔ اور ان جانوروں کا بے دریغ شکار کرنا ایک سنگین جرم قرار دیا ہے اور پھر آخرت میں ایسا کرنے والوں کے لئے دردناک سزا کی خبر بھی دے دی ہے۔ تاکہ انسان ان جانوروں کا بے رحمی سے شکار کر کے ان کی نسلوں کو ختم ہی نہ کر دیں۔ اور اگر انسان ان جانوروں کا بے دریغ شکار کرتا ہے تو وہ فطرت کے ساتھ سنگین مذاق کرتا ہے۔ شکار کی شرح صرف یہ ہو کہ مجبوری کے عالم میں حسب ضرورت ہی شکار ہو۔ اور شکار بغرض تفریح سخت جرم ہے۔ اسلام میں اس کی سنگین ممانعت ہے ہر جاندار کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ اور ایک زندگی کو محض اپنی تفریح کے لئے ختم کرنا سنگین زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے والوں کو سخت ترین عذاب جہنم کی خبر سنائی ہے۔ اس لئے جو لوگ تفریح کے لئے شکار کرتے ہیں۔ تو انہیں چاہئے کہ وہ اپنے اس قبیح فعل سے باز آ جائیں۔ توبہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کی شدید گرفت سے بچ سکیں۔

اللہ تعالیٰ قبر سے اٹھا کر سوال کرے گا

سورہ الانعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَو تَرٰی اِذْوُقِفُوا عَلٰی رَبِّهِمْ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ

"اور اگر آپ دیکھیں کہ جب وہ قبروں سے کھڑے کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کیا قبروں سے اٹھنا حق نہیں"۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ قبروں سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا حق ہے۔ اور انسان جہاں بھی ہوگا۔ اگرچہ دفن کیا گیا ہو یا جل کر راکھ ہو زندہ ہو جائے گا۔ اور انہیں اجزاء کے ساتھ جو مٹی یا راکھ بنے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتے ہی زندہ ہو جائے گا۔ قبر سے مراد ایک تو وہ قبر ہے جہاں انسان دفن کئے جاتے ہیں۔ اور دوسری مراد وہ جگہیں ہیں جہاں کفار اپنے مردوں کو جلا کر ان کی راکھ بہا دیتے ہیں۔ اپنی دانست میں تو یہ سمجھتے ہیں کہ بس اب یہ زندہ نہیں ہوگا۔ یہ ان کی بھول ہے۔ کیونکہ انسان مٹی میں دفن ہو کر بھی مٹی بن جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کوئی شرط نہیں کہ صحیح سلامت مردہ ہی زمین میں دفن کیا جائے تو وہ زندہ ہوگا۔ انسان سمندروں کی تہوں میں مچھلیوں اور دوسرے آبی جانوروں کی خوراک کیوں نہ بن گیا ہو۔ جنگلی جانوروں نے اسے کیوں نہ کھا لیا ہو۔ صحراؤں میں بھٹک کر مرنے کے بعد چیل وکوؤں کا نوالہ کیوں نہ بن چکا ہو۔ آگ میں جل کر راکھ کیوں نہ ہو چکا ہو۔ ہوائی حادثوں میں ہلاک ہو کر ریزہ ریزہ ہو کر کیوں نہ بکھر جائے۔ پہاڑوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گر کر کیوں نہ مر جائے۔ قیامت کے دن زندہ ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہوگا۔

جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ انہوں (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندے ذبح کر کے ٹکڑے کر دیئے اور پھر ان کا گوشت ایک دوسرے میں ملا کر انہیں دور دور پھینک

Marfat.com

دیا۔ اور پھر بلانے کی دیر تھی کہ پلک جھپکنے میں زندہ ہو کر سامنے موجود تھے۔ بالکل اسی طرح جب اللہ تعالیٰ بظاہر نیست و نابود ہو جانے والے انسانوں کو آواز دے گا۔ تو تمام انسان جہاں بھی بکھرے ہوئے ہوں گے۔ لبیک کہتے ہوئے اسی صحیح سالم جسم کے ساتھ دوبارہ کھڑے ہو جائیں گے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھیں گے۔ تو یہ ان کی بھول ہے۔ اگر مرنے کے بعد زندگی نہ ہو تو یہ تمام نظام بے معنی ہو کر رہ جاتا۔ موت کے بعد زندگی لازمی ہے۔ اسی لئے تو۔

- گناہ کے بعد ندامت کا احساس ہوتا ہے۔
- دل میں انجانا خوف پیدا ہوتا ہے۔
- گناہ سے روح پر مایوسی چھا جاتی ہے۔
- انبیاء کرام اور نیک لوگوں نے دنیا کی مصیبتیں برداشت کیں۔
- ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی آگ میں چھلانگ لگائی۔
- عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔
- یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں استغفار کیا۔
- فرعون مرتے وقت ایمان لانے کے لئے تیار تھا۔ مگر اس کے لئے توبہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔
- ہامان کی دولت زمین میں دھنس گئی اور وہ عبرت کا نشان بن گیا۔
- نیک کاموں سے انسان کے باطن میں مسرت کی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔
- اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انسان کا باطن پرسکون ہو جاتا ہے۔
- سرور کائنات ﷺ نے سلطانی میں بھی فقر کو ترجیح دی۔
- صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) اللہ تعالیٰ کی راہ میں سر کٹانے کے لئے بے قرار رہتے تھے۔
- اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینا ایک نہایت آسان عمل معلوم ہونے لگتا ہے۔
- نیک آدمی کا چہرہ روشن ہوتا ہے۔
- برے آدمی کے منہ پر ایک قابل نفرت قسم کی کراہت چھا جاتی ہے۔
- سورج کے غروب ہونے کے بعد اس کا طلوع ہونا۔ چاند کے غروب کے بعد اس کا نکل آنا' موسم کے جانے کے بعد اس موسم کا دوبارہ پلٹ آنا یہ سب دوبارہ زندگی پر کھلے ثبوت ہیں۔

اللہ تعالیٰ پرندوں اور جانوروں کو بھی قیامت کے دن اٹھائے گا

سورہ الانعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي

الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ

"اور نہیں کوئی جانور زمین پر چلنے والا۔ اور نہ کوئی پرندہ اڑتا ہے اپنے دو پروں سے۔ مگر وہ تمہاری طرح امتیں ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب میں کسی چیز کو نظر انداز نہیں کیا۔ پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ ہر جانور اور پرندہ جو اس زمین میں پیدا ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو انسان کی طرح قومیں اور امتیں بنایا ہے۔ اور ان سب سے بھی اللہ تعالیٰ پوری طرح واقف ہے۔ اور قیامت کے دن جب ہر انسان دوبارہ زندہ ہوگا تو یہ جانور اور پرندے بھی زندہ ہوں گے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پرندے ایک امت ہیں۔ اور انسان و جنات بھی ایک ایک امت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک سے آگاہ ہے۔ وہ سب کو رزق دے رہا ہے۔ جانور خواہ زمینی ہوں یا خشکی کے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مقامات اور ان سب کو انفرادی طور پر پوری طرح جانتا ہے۔ اور ان کی حرکات و سکنات سے پوری طرح آگاہ ہے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک سال ٹڈی دل نہیں آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ چونکہ ان کی بابت جاننا چاہتے تھے اس لئے عراق اور شام کی طرف بھی لوگوں کو بھیج کر دریافت کرایا کہ آیا وہاں

ٹڈی دل آیا ہے یا نہیں۔ تو یمن کی طرف جانے والے آدمی نے چند ٹڈیاں نکال کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آگے رکھیں۔ تو انہوں نے تین بار اللہ اکبر کہا۔ اور کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزار مخلوقات پیدا کی ہیں۔ جن میں سے چھ سو سمندری ہیں۔ اور چار سو خشکی پر ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اس ٹڈی والی مخلوق کو ہلاک کرے گا۔ پھر پے در پے مخلوقات کی ہلاکت کا سلسلہ ایسا قائم ہو جائے گا۔ جیسا کہ تسبیح کے دانے ٹوٹتے ہیں۔ ان جانوروں کے بارے میں قول یہ ہے کہ سب کے سب قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو بکروں کو دیکھا کہ ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ تو ارشاد فرمایا ابوذر جانتے ہو کہ ان میں سے جو ظالم ہے اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے اور قیامت کے دن ان میں بھی فیصلہ ہوگا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اڑتے ہوئے پرندے تک کا علم دیا ہے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ بغیر سینگ والی بکری سینگ والی بکری سے انتقام لے گی۔ واذا الوحوش حشرت کے معنی ہیں کہ یہ تمام مخلوقات حشر میں ائیں گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو پیدا کرے گا۔ تاکہ ایک دوسرے سے بدلہ لیں۔ پھر فرمائے گا کہ تم سب مٹی بن جاؤ۔ چنانچہ کافر بھی اس وقت یہ کہیں گے کہ کاش ہم بھی مٹی بن جائیں۔ (ابن کثیر)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ درختوں کے پتوں سے لے کر ایک دانہ تک کا علم رکھتا ہے

سورہ الانعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ "اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور خشک چیز مگر وہ لکھی ہوئی روشن کتاب میں (موجود ہے)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ اتنا باخبر ہے اور اس کا علم اتنا لامحدود ہے کہ وہ درختوں کے ایک ایک پتے کا علم رکھتا ہے اور کوئی دانہ اگر زمین کی تہہ میں ہو اور وہاں وہ حیات نو کی منزلیں طے کر رہا ہو یا پیوند خاک ہو۔ وہ ہر ایک ذرے کا ہر ایک دانہ تک کا علم رکھتا ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم خشکی اور سمندری مخلوقات کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں۔

حرصری نے کیا خوب کہا

فلا نخفی علیہ الذر اما
ترائی للنو ظرا وتوری

"یعنی اللہ تعالیٰ سے کوئی ذرہ بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ خواہ دیکھنے والے سے کوئی چیز کھلی رہے یا ڈھکی رہے"۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ جمادات کی بھی حرکت تک کو جانتا ہے۔ تو انسان اور جنوں کی حرکات و اعمال سے وہ کس طرح واقف نہیں ہوگا۔ جب کہ یہ سب اعمال کے مکلف ہیں۔ ارشاد ہے۔ یعلم خائنة الاعین وما تخفی الصدور بحر و بر کے ہر درخت پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔ جو پتوں کے گرنے کی بھی یادداشت رکھتا ہے۔ اور کتاب لوح محفوظ میں ہر ذرے کے بارے میں درج ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی کسی فرشتے یا کتاب کا محتاج نہیں۔ بلکہ فرشتوں کا علم بھی اسی نے عطا کیا ہے۔ اور کتاب میں بھی اسی کے احکامات درج ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں کہ وہ کتاب دیکھ کر حکم دیتا ہے۔ یا کتاب دیکھ کر اسے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ فلاں چیز وہاں ہے یا یہاں ہے۔ بلکہ اس کتاب میں فرشتوں کے لئے ہدایات درج کر دی گئی ہیں۔ اور یہ کتاب بھی اس کے حکم سے معرض وجود میں آئی ہے۔ لوح محفوظ کی صورت کیا ہے۔ اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ایک جسم کی صورت میں موجود ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کے احکام درج ہیں۔ (جملہ ائمہ و محدثین)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور الواح کو پیدا فرمایا۔ اور دنیا میں ہونے والے تمام امور کو درج کیا۔ کہ کیسی مخلوق پیدا ہوگی۔ نیک ہوگا یا بد۔ عمرو بن العاص رضی اللہ

Marfat.com

عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم مہریں ثبت ہیں۔ کہ ہر مہر پر ایک فرشتہ مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ ہر روز ایک فرشتہ کو بھیج کر فرماتا ہے کہ جو حکم تیرے حوالے ہے اس کی حفاظت کر۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی دانہ زمین میں پھٹ کر پودے کو نکالتا ہے اور درختوں کے پتوں کا عمل بھی اس کے حکم سے جاری و ساری ہے اللہ تعالیٰ درختوں کے پتوں اور زمین کی تہوں میں چھپے ہوئے دانوں سے اتنا باخبر ہے تو پھر انسان یہ کس طرح تصور کر سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لامتناہی اور لامحدود قوت بصارت سے بچ سکتا ہے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کے حضور استغفار ایمان کا بلند درجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نجات دہندہ نہیں

سورہ الانعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُم مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ

''آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کون نجات دیتا ہے تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں جسے تم پکارتے ہو۔ گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آہستہ۔ اور کہتے ہو کہ اگر نجات دی اللہ تعالیٰ نے تو ضرور ہو جائیں گے اس کے شکر گزار بندے۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب انسان کسی مصیبت میں گھر جاتا ہے غربت' پریشانی' بیماری یا کوئی دوسری مصیبت اسے گھیر لیتی ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے سوا اس وقت کون مددگار ہوتا ہے۔ خشکی ہو یا سمندر ہر جگہ انسان پریشانی اور مصیبت میں بے بس ہو جاتا ہے۔ اسے جب اپنی موت نظر آنے لگتی ہے۔ تو پھر اس کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ اور زیر لب یا بلند آواز سے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارنا شروع کر دیتا ہے۔ روتا ہے آہ وزاری کرتا ہے چلاتا ہے۔ واسطے دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ کہنا شروع کر دیتا ہے۔ کہ اب اگر میں اس پریشانی یا مصیبت سے نکل گیا۔ تو پھر تیرا شکر گزار بندہ بن جاؤں گا۔ اور میرے روز و شب تیرے لئے وقف ہو جائیں گے۔ آئندہ کوئی ایسا کام نہیں کروں گا کہ جس سے تو ناراض ہو جائے۔ اور نہ ہی تیرے ناشکرے اور نافرمانوں سے کوئی تعلق رکھوں گا۔ یعنی جب انسان کو کوئی تدبیر سجھائی نہیں دیتی تو اس کی نظریں آسمان کی طرف بھٹکنے لگتی ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کو پکارنا شروع کر دیتا ہے۔ اور اس کا دل یہ گواہی دے رہا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا میرا کوئی مددگار نہیں۔ اور اگر اب وہ میری مدد نہیں کرے گا۔ تو ہلاکت یقینی ہے۔ اور پھر انسان کی ناشکری اور نافرمانی کی انتہا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اسے ان پریشانیوں اور مصائب سے نکال لیتا ہے تو پھر وہ اترانے لگتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے اور وہ لمحات جن میں انسان کی جان پر بنی ہوئی

Marfat.com

تھی۔ جن میں وہ صفحہ ہستی سے بھی مٹ سکتا تھا اور اس کا خون خشک ہو رہا تھا ایک ایڈونچر کے طور پر مزے لے لے کر ان واقعات کو اس انداز سے سناتا ہے کہ لوگ اسے بہادر کہیں۔ اور اس تمام قصے میں وہ کسی ایک جگہ یہ کہنے کو تیار ہی نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نجات دی اور اللہ تعالیٰ نے اُسے موت کے منہ سے بچالیا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بیماری کو دور کر دیا ہے یا اللہ تعالیٰ نے اس کی غربت کو تونگری میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور سننے والے محض واقعات بن کر بسا اوقات داد بھی دیتے ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ اس نام نہاد بہادر کی اس وقت کیا کیفیت تھی کہ جب یہ مصیبت کے ہاتھوں زندگی سے بھی مایوس تھا۔ نہ اسے پانی کا ہوش تھا اور نہ گفتگو کا حوصلہ۔ عملی زندگی میں جائزہ لیں کہ اگر فضا میں خدانخواستہ جہاز کا انجن بند ہو جائے تو پھر سوائے استغفار اور کلمہ طیبہ کے کوئی دوسری بات سنائی نہیں دیتی۔ اور ہر آدمی سب کچھ بھول جاتا ہے سب رو رو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑاتے ہیں اور پھر جہاز جب صحیح سلامت اتر جائے تب وقتی طور پر سجدہ شکر ادا کریں گے۔ مگر کتنے لوگ ہیں جو ایسے واقعات سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ یہی سمندر کے سفر میں آزمائش میں مبتلا ہونے والوں کا حال ہے اور مریض بھی بیماری کے دوران خوب اللہ تعالیٰ کو یاد کریں گے۔ مگر ایسے سینکڑوں ہی نہیں بلکہ لاکھوں واقعات ہیں۔ کہ صحت یاب ہونے کے بعد وہ لوگ عبادات کی طرف بھول کر بھی نہیں دیکھتے۔ اس لئے یہ کہا گیا ہے کہ تکلیف کے وقت تو انسان کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی دروازہ نہیں دکھائی دیتا۔ مگر دنیاوی کام اسے پھر سے غافل کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے ہودہ بحث کرنیوالوں سے بچو

سورہ الانعام میں ارشاد ہے۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ

"اور اے سننے والے! اگر تو دیکھے انہیں (گمراہوں کو) کہ بیہودہ بحث کر رہے ہیں ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لے ان سے" (الانعام)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار فرمایا ہے کہ ایسے بہت سے نافرمان موجود ہیں۔ جو اپنی من گھڑت عقلی دلیلوں سے اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں بے ہودہ بحث کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان کی سرکشی کا یہ عالم ہے کہ وہ ان آیات اور اللہ تعالیٰ کی روز روشن کی طرح واضح وحدانیت اور اس کی طاقت وغلبہ کے بارے میں بے سروپا اور بے تکی ہانکتے ہیں۔ گدھوں کی طرح ہنہنانے کو وہ عقل ودانش کا نام دیتے ہیں۔ ان کی جہالت کا ثبوت یہ ہے کہ اپنی انتہائی محدود عقل کو ہی تمام تر دانش کی بنیاد تصور کرتے ہیں۔ اپنی کوتاہ نظری اور منتشر ذہنیت کو فلسفہ وحکمت کا نام دیتے ہیں۔ ایسے لوگ جب بات کر رہے ہوں۔ اور اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کے بارے میں کھلی گمراہی کا ارتکاب کر رہے ہوں۔ تو ایسے افراد سے بچ جانا ہی بہتر ہے۔ ان لوگوں کی باتیں سننا اور ان پر کان دھرنا بھی گناہ ہے۔ مقامِ تعجب ہے کہ ایسے دعویداروں کے پاس اپنے دعوؤں کے لیے نہ تو کوئی منطقی دلیل ہوتی ہے اور نہ ہی وہ حق و صداقت کی کوئی دلیل سننا چاہتے ہیں۔ ان کا شیطانی ذہن ہر وقت خارش زدہ مفروضے سوچتا ہے۔ اور ان جاہلانہ مفروضوں پر وہ اتراتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی وحدانیت اور خالق و مالک ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ شیطان صفت لوگوں کا وکام ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اہل ایمان کے سامنے ایسے مفروضوں اور خودساختہ تاویلوں کو بیان کرتے ہیں۔ تاکہ انہیں گمراہ کر سکیں۔ مگر جن دلوں میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے خالق و مالک ہونے کا ایمان راسخ ہو چکا ہے وہ کب ایسی باتوں میں آتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایسے افراد سے منہ پھیر لینا فرض ہے۔ خصوصاً جب وہ اس قسم کی بے سروپا اور بے ہودہ بحث کر رہے ہوں۔

ارسطو اور اس کے مقلدین کا گمراہ کن نظریہ

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے ہودہ بحثوں میں نہ پڑو"۔ ایسے افراد کی فکری تردید ہم پر فرض ہے کہ جن کی تحریریں بگاڑ پیدا کر رہی ہیں۔ ارسطو کو ایک خاص مکتبہ فکر کے لوگ اپنا امام مانتے ہیں۔ اور اس کے فلسفہ کو حکمت و دانائی کا نام دیتے ہیں۔ حالانکہ تخلیق کائنات کے مسئلے پر ارسطو کا موقف نہایت کمزور ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کائنات کی تخلیق اور اللہ وحدہ لاشریک کی حکمت اور صفات کے بارے میں غور ہی نہیں کیا۔ محض اپنی تصورات کو الفاظ کے زور پر لوگوں اور خصوصاً اپنے پرستاروں پر مسلط کرنے کی کوشش کی ہے اس مسئلہ میں ارسطو کے افکار میں ایک الجھاؤ اور واضح تضاد اس قدر زیادہ ہے کہ بجائے اس کے کہ اس بارے میں اس کا فلسفہ کچھ سمجھ میں آسکے۔ ذہنوں کو مزید منتشر کر دیتا ہے۔ ارسطو کے مقلدین فارابی، ابن سینا اور ابن رشد بھی صرف ارسطو کے افکار کی تقلید میں اصل راستے سے بہت دور جا گرے ہیں۔ ان کے افکار لوگوں کو ان کی طرف راغب کرنے کی بجائے ان کے پاؤں کی زنجیر بن گئے ہیں۔ ابن رشد خود کو جتنا بھی فلسفی ثابت کرنے کی کوشش کیوں نہ کرے بہر حال یہ ایک واضح امر ہے کہ حقیقت توحید یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی جامع صفات پر ایمان لانا صاحب ایمان ہونے کی شرط اول ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں مفروضہ خیالات کا شکار ایک آدمی پکا مسلمان اور حقیقی معنوں میں دانش ور کیسے ہو سکتا ہے۔ آیئے ہم ذرا ارسطو اور اس کے مقلدین کا جائزہ لیں۔ ارسطو کا منفی نظریہ بالکل واضح ہے۔ ارسطو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سرے سے فعل و تخلیق کے اوصاف سے اتصاف پذیر ہی نہیں (معاذ اللہ)۔ کیونکہ وہ عقل بحت اور عقل بحت کی سرشاریوں میں مصروف ہے (معاذ اللہ) اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کو محرک اول بھی

قرار دیتا ہے۔ ان نظریات میں ارسطو کے فلسفہ کا تضاد کھل کر سامنے آ گیا ہے اور ایک طرف تو وہ گمراہی میں مبتلا ہو کر صفات الٰہی کا انکار کرتا ہے تو دوسری طرف ''محرک اول'' کہہ کر صفات الٰہی کا اقرار بھی کرتا ہے ظاہر ہے کہ محرک اول وہی ہوتا ہے جو علم' ارادہ اور قدرت کا مالک ہو۔ اور تخلیق جس کا اعجاز ہو۔ ارسطو کے اس طرح کے جملہ نظریات بھی انتشار کا شکار ہیں۔ اس لئے قدم عالم کے بارے میں ارسطو کی فکر نا قابل اعتبار ہے۔ ہم گزشتہ صفحات میں صفات الٰہی کو پوری طرح ثابت کر چکے ہیں۔

ابن رشد ارسطو کا ترجمان ہے اور اس کے نظریات کی تشریح کرتا ہے۔ اس لئے ابن رشد کے افکار بھی ان اختلافات کا بری طرح شکار ہیں۔ اور کافی طول وطویل بحث کے بعد وہ یہ نہیں بتا سکا۔ کہ باری تعالیٰ کو وہ کن معنوں میں ارادہ فرمانے والا اور مختار مطلق مانتا ہے۔ یا جب وہ اللہ تعالیٰ کو محرک اول تسلیم کرتا ہے۔ تو یہ عمل حرکت اس کے نزدیک فعل تخلیق و آفرینش کے فعل سے کن معنوں میں مختلف ہے۔ ابن رشد نے اگر ارادہ الٰہی کو بطور مجاز لیا ہے تو اس نے بہت بھاری ٹھوکر کھائی ہے۔ کیونکہ انسانی صفات کو مجازی صفات کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات مجازی نہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو مجاز قرار دینے والے صدیوں پہلے تہہ خاک ہو کر بے نام ونشان ہو چکے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اب بھی قائم ہے۔ زندہ ہے۔ اور اس کی تمام صفات کا اظہار ہو رہا ہے۔ مجاز اً معانی اس جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ جہاں کوئی مددگار ہو۔ ہر چیز فنا کے جس عمل سے دوچار۔ اس سے یہ کیسے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مجاز اً ہیں۔ اور پھر اس کائنات کے شب و روز مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ کائنات اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر اپنے اندر ارتقا کی کوئی صفت نہیں رکھتی۔

ابن رشد کا یہ اعتراض ایک منتشر خیال ہے کہ کائنات ایک خاص وقت میں کیوں قائم ہوئی۔ اس بارے میں ہم تفصیل سے بات کر چکے ہیں۔ اور ہمارے اس جواب کی روشنی میں آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ یہ خیال بن رشد کا محض شیطانی وہمہ ہے۔ اس سے زیادہ اس کے نظریہ کی اور کوئی حیثیت نہیں ہے۔

ارادہ الٰہی کو مجاز اً کہنے والوں اور صفات الٰہی کا انکار کرنے والوں سے یہ سوال ہے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ محض محرک اول ہے تو

(1) سورج کی حرکت اور اس کی جملہ افعال کا ذمہ دار کون ہے؟

(2) چاند کے جملہ امور کا ذمہ دار کون ہے؟

(3) زمین کے جملہ انتظامات کس کے ذمہ ہیں؟

(4) ستاروں کے افعال کیا ہیں۔ اور ان ستاروں کے نظاموں کے الگ الگ ذمہ دار اور کون سے عوامل ہیں؟

(5) انسانی تخلیق اور اس کے مدارج کس کے ذمہ ہیں۔

Marfat.com

(6) زندگی کے لئے رزق کس کے کھاتے میں ہے۔

ارسطو اور ابن رشد سے یہ سوال ہے کہ ایک مختصر سا گروہ تو بغیر سردار کے اپنے امور طے کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ یہ کائنات ایک زبردست اور طاقتور غلبہ والے برسر اقتدار حکمران کے بغیر کس طرح ایک درست نہج پر صدیوں سے کام کر رہی ہے۔ ارسطو اور اس کے ماننے والے ذرا اس کی وضاحت تو کریں۔ اور پھر ارسطو اور اس کے مقلدین جو محض عقل انسان کو ہی اہمیت دیتے ہیں۔ تمام عمر گز بھر کا ایسا پہیہ ایجاد نہ کر سکے۔ جو خود بخود بغیر کسی مدد کے حرکت کر سکتا ہو اور ہوا پانی اور دیگر عوامل کے بغیر اسے فضا میں کھڑا کر کے متحرک کر سکیں۔ تو یہ کیسے انہوں نے سوچ لیا کہ اتنی بڑی کائنات جس کا حجم بے کراں ہے۔ خود بخود حرکت کر رہی ہے۔ اور محرک اول کو بھی انہوں نے صفت ارادہ کا مجازی مالک قرار دے کر ایک قسم کی چشم پوشی اختیار کر لی ہے۔ ارسطو نے اللہ تعالیٰ کی صفات فعل وتخلیق کا انکار کر کے اس مسئلے کو اور الجھانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت وطاقت اور شان تخلیق کوئی الجھا ہوا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ بالکل عیاں اور صاف ستھری حقیقت ہے کہ۔

(1) اللہ تعالیٰ ایک ہے۔

(2) وہ ارادہ، علم اور قدرت کا مالک ہے۔

(3) تخلیق اس کی صفت ہے۔

(4) کائنات کا نظام صرف اللہ تعالیٰ کا مرہون منت ہے۔

(5) وہ تمام اعلیٰ ترین صفات سے متصف ہے۔

(6) کائنات کو وہ کبھی کسی بھی وقت پیدا کر سکتا تھا۔ لیکن جب ارادہ فرمایا پیدا کیا۔

(7) ابن رشد کو ارسطو سے پہلے پیدا کر سکتا تھا۔ مگر جب مناسب سمجھا اسے پیدا کیا۔

(8) اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس کائنات کو ختم کر دے گا۔

نکتہ

اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو یہ کائنات ابھی ختم ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب کائنات پیدا کر لی تو اسے ختم کرنا کونسا مشکل ہے۔ قیامت ارسطو کے وقت بھی آ سکتی تھی۔ ابن رشد کے وقت بھی آ سکتی تھی۔ ہمارے دور میں بھی آ سکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے بھی وقت مقرر فرما لیا ہے۔ جیسے کہ ارشاد ہے کہ قیامت کا وقت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ تو گویا اس لمحے کا تعین ہو چکا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جب کائنات کی تشکیل کا تعین فرمایا تھا۔ تو اسے پیدا کر دیا۔ اب اسی اصول کے تحت اگر کوئی یہ کہے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ موجودہ وقت میں قیامت برپا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اور اسے وہ آلات واسباب مہیا نہیں ہیں۔ تو یہ بیہودہ بات ہوگی۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نئے افراد اور

نئے ستارے جنم لیتے ہیں۔ اور انسان و جملہ جاندار اور ستارے موت کے گھاٹ بھی اترتے ہیں۔ جیسا کہ خود ابن رشد اور ارسطو موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فنا کرنے پر قادر ہے اور اس کے مظاہر بھی ہم دیکھتے ہیں تو قیامت کا جو لمحہ اس نے مقرر فرمالیا ہے اس کے ارادہ کے مطابق قیامت برپا ہوگی۔

یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ مجازاً کے معانی فنا ہونے والوں کے لئے اور محکوموں کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ باقی رہنے والے اور تخلیق کرنے والے اور ہر چیز کی حقیقی ملکیت کا حق رکھنے والی ذات جل وعلا کے لئے مجازاً کی اصطلاح استعمال کرنا کمزور تر ذہن پر دلالت کرتی ہے۔

فلاسفہ کی تین اقسام

مناسب ہوتا ہے کہ فلسفہ کے بارے میں کچھ باتیں کرلی جائیں۔

اگرچہ فلاسفہ کے افکار کے لحاظ سے ان کے بہت سے طبقے ہیں۔ مگر ان سب کی اصل میں تین اقسام ہیں۔ یہ تین اقسام دہریہ، طبعیہ اور الہیہ ہیں۔ ان کی تفصیل پیش خدمت ہے۔ تاکہ اہل ایمان اِن سے آگاہ ہوں اور ان کے پھندے میں نہ آئیں۔

دہریہ

فلاسفہ کا اولین گروہ سے ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ اس جہان کا خالق عالم اور قادر نہیں ہے (معاذ اللہ) اور یہ عالم ہمیشہ سے اپنے آپ ہی موجود چلا آرہا ہے۔ اور ہمیشہ حیوان نطفہ سے اور نطفہ حیوان سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا ہے اور اسی طرح ہوتا رہے گا۔ یہ لوگ راستے سے بھٹکے ہوئے اور زندیق ہیں۔

طبعیہ

ان لوگوں نے علم طبعیات اور عجائبات وحیوانات اور نباتات پر زیادہ بحث کی ہے۔ اور انہوں نے حیوانات کی زندگی میں زیادہ غور کیا ہے اس لئے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے آثار حکمت موجود ہیں۔ یہ دیکھ کہ انہیں مجبوراً اعتراف کرنا پڑا کہ ضرور کوئی حکمت وتدبر والا قادر مطلق ہے۔ جو ہر امر کا علم رکھتا ہے اور قدرت والا ہے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ جو بھی آثار کائنات کا مطالعہ کرے گا۔ وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا چونکہ ان لوگوں نے زیادہ تر بحث قوائے حیوانی پر کی ہے اس لیے یہ معتدل مزاج ہیں لیکن اس کے باوجود ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ انسان کی عقلی قوت بھی انسانی مزاج کے تابع ہے۔ اور مزاج کے ختم ہوجانے سے یہ قوت بھی ختم ہوجاتی ہے۔ اور جب وہ ختم ہوگئی تو پھر مٹنے والے کا دوبارہ زندہ ہونا ممکن نہیں۔ اس لئے انہوں نے یہ فرض کرلیا ہے کہ روح مرجاتی ہے اور پھر پلٹ کر واپس نہیں

آتی۔ اس لئے انہوں نے یوم آخرت' حساب کتاب کا اور جنت و دوزخ کا انکار کیا ہے۔ غرض کہ ان کے نزدیک نہ کسی اطاعت کا ثواب ہے اور نہ گناہ پر عذاب' اور اس لئے وہ بے لگام ہو گئے ہیں۔ اور حیوانوں کی طرح فحاشی میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ راستہ سے بھٹکے ہوئے اور گمراہ ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر یقین ہی سے ایمان کامل کیا ہوتا ہے۔ یہ لوگ اس لئے گمراہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر تو ایمان لاتے ہیں مگر آخرت اور دوبارہ زندہ ہونے کے منکر ہیں۔

الٰہیہ

یہ لوگ فلاسفہ کے متاخرین گروہ سے ہیں۔ ان میں ہی سقراط ہے جو افلاطون کا استاد تھا۔ اور افلاطون ارسطو کا استاد تھا۔ ان سب فلسفیوں نے پہلے دونوں فرقوں طبعیہ اور دہریہ کی تردید کی ہے۔ اور اس قدر ان کے خیالات کا رد کیا ہے کہ کسی اور کو ان کے رد کی ضرورت نہیں رہی اس کے بعد ارسطو نے اپنے ہی استاد سقراط اور افلاطون کے افکار کو اس قدر جھٹلایا ہے کہ اس نے کوئی کسر باقی نہیں رہنے دی۔ اور ان سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے ایسے رذیل افکار چھوڑے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تردید کی مہلت ہی نہیں دی اور اسے موت آ گئی۔ بوعلی سینا' فارابی اور ابن رشد نے اس کے افکار سے پوری طرح اکتساب کیا ہے۔ اور ارسطو کے مذموم اور خلاف اسلام فلسفہ کو اسلام میں داخل کرنے کی قابل ملامت کاوشیں کی ہیں اس لئے امام غزالیؒ اور علمائے حق نے ان کی تکفیر کی ہے۔ (المنقذ مِنَ الضلال)

فلاسفہ کے علوم کی قسمیں اور ان کی تفصیل

جیسا کہ ایک مومن کے لئے یہ فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت پر بلا دلیل ایمان لائے اور اس میں ایمان بالغیب شرط ہے۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ عوام الناس کو آگاہ کر دیں کہ یہ فلاسفہ کن اطراف سے حملہ آور ہیں۔ اور ان کی فکر کا رخ کیا ہے۔

علوم فلسفہ کی چھ قسمیں ہیں۔

(1) ریاضی' (2) منطق' (3) طبعیات' (4) الٰہیات' (5) سیاست و تمدن' (6) علم اخلاق

(1) ریاضی

یہ حساب و ہندسہ اور دنیا کی کیفیات سے متعلق ہے۔ اور اس کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی واضح شرعی حکم موجود نہیں ہے۔ بلکہ یہ امور استدلالی ہیں۔ اور ان علوم کو جاننے کے بعد بظاہر اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر اس سے دو تضادات نے جنم لیا ہے۔

Marfat.com

پہلا تضاد

اس کا پہلا تضاد تو یہ ہے کہ جو شخص ان علوم میں غور کرتا ہے۔ وہ ان علوم کی باریکیوں اور ان کی روشن دلیلوں سے حیران ہوتا ہے اور اس سبب سے فلاسفہ کو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔ اور اس کو یہ گمان ہو جاتا ہے کہ فلسفیوں کے دیگر علوم اور مباحث بھی دلیل کے اعتبار سے اسی طرح مضبوط ہیں۔ پھر چونکہ یہ شخص پہلے سے سن لیتا ہے کہ یہ لوگ گمراہ تھے اور اور امور شریعت میں اختلاف کرتے تھے۔ اس لئے وہ محض تقلید کا انکار شروع کر دیتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ اگر دین اسلام سچ ہوتا تو ایسے لوگوں پر جنہوں نے اس علم میں ایسی باریکیاں پیدا کی ہیں ان سے کس طرح پوشیدہ رہتا۔ پس جب وہ ان کے کفر اور انکار کی بابت سن لیتا ہے دین کا انکار کرنا شروع کر دیتا ہے۔ بہت سے جدید افکار کے مالک لوگ محض اس لئے بھٹکے ہوئے ہیں۔ کہ ان کے پاس سوائے ان مفروضہ اور خود ساختہ تاویلوں کے نہ تو کوئی سند ہے اور نہ ہی جواز۔ اور جب انہیں کو یہ بتایا جائے کہ ضروری نہیں جو شخص ایک صفت میں بہتر ہو تو دوسری میں بھی اس کا وہی مقام ہو۔ مثلاً جو شخص ایک اچھا ڈاکٹر ہو ضروری نہیں کہ وہ اچھا انجینئر بھی ہو۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو فلسفہ کا ماہر ہو وہ نجوم کا بھی عالم ہو۔ عموماً ہر آدمی میں کوئی نہ کوئی ایک خوبی ہی زیادہ تر دیکھنے میں آتی ہے۔ لیکن دوسرے شعبوں میں ان کی واقفیت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ پس ان اوائل فلاسفہ کا کلام علوم ریاضی کے سلسلے میں استدلالی ہے۔ اور الہیات کے سلسلے میں صرف خیال کی حد تک اور اس میں کامیابی اس کو حاصل ہو سکتی ہے۔ جس نے اس کا تجربہ کیا ہو اور خوب غور و خوض کیا ہو۔ جب ایسے شخص کے ساتھ جس نے گمراہوں کی تقلید اختیار کی ہے اسے یہ دلیل دی جاتی ہے۔ تو وہ اس دلیل کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ خود کو عالم اور فاضل اور دانشور کہلانے کی خواہش اسے اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ اُس کے جھوٹے عقائد کو اچھا کہے اور فلسفیوں کی پرزور حمایت کرے۔ اس لئے یہ بہت بڑی گمراہی ہے اور ایسے افراد کی حوصلہ شکنی لازمی ہے کیونکہ وہ اگرچہ یہ علوم دین سے تعلق نہیں رکھتے۔ لیکن دیگر علوم کی بنیاد اسی کو بتاتے ہیں۔ اس لئے ان کی خود ساختہ تاویلات سے نوجوان اور خود کو فکر جدید کا نمائندہ کہنے والے بھٹک جاتے ہیں۔ اور دین سے دور ہو جاتے ہیں۔

دوسری ضد

یہ ضد بھی خود کو دانشور کہنے والے جاہل دوستوں سے پیدا ہو گئی ہے اور ان کا خیال یہ ہے کہ دین کی فتح اسی میں ہے کہ جو علوم فلاسفہ کی طرف منسوب ہوں اس سے انکار فرض ہے اس لئے انہوں نے جملہ علوم فلاسفہ کا انکار کیا ہے۔ اور ان کی جہالت نے ان کو یہاں تک آمادہ کیا کہ جو کچھ فلسفیوں نے سورج گرہن اور چاند گرہن کے بارے میں لکھا ہے اس سے بھی انکار کر گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ ان کے یہ افکار بھی خلاف شرع ہیں۔ جب یہ بات ایسے شخص کے کان میں پڑتی ہے کہ جس کو یہ امور دلیل

Marfat.com

کے ساتھ قطعی طور پر معلوم ہو چکے ہیں تو اسے اپنی دلیل میں تو کوئی شک پیدا نہیں ہوتا لیکن وہ یہ یقین کر لیتا ہے کہ علماء اسلام کا اس دلیل قطعی سے انکار جہالت پر مبنی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ فلسفہ کی محبت اور اسلام سے بغض رکھنے والے پیدا ہو گئے۔ اس لئے جس شخص نے یہ گمان کیا کہ ان علوم کے انکار سے اسلام کی مدد ہوگی اس نے حقیقت میں دین اسلام پر سخت ظلم کیا ہے۔ شریعت میں ان علوم کے انکار یا اقرار سے کچھ بھی اعتراض نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی ان علوم میں کوئی ایسی بات ہے کہ جو دینی امور سے متصادم ہوں۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ چاند اور سورج اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ جن کا خسوف نہ تو کسی کی موت کا باعث ہوتا ہے۔ اور نہ ہی زندگی کا باعث اور جب تم اُنہیں اس حالت میں دیکھو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور نماز کی طرف متوجہ رہو یہ کوئی ایسا ارشاد نہیں ہے کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ ان کا انکار واجب ہے۔

(2) منطق

اس علم کا کوئی مسئلہ بطور انکار یا اقرار دین سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ منطق کا مفہوم ہے کہ دلیلوں اور خیالات پر غور کرنا۔ اور یہ بھی غور کرنا کہ مقدمات و دلائل کی کیا کیا شرائط ہیں اور وہ کس طرح مرتب ہوتے ہیں۔ حد صحیح کی شرائط کیا ہیں۔ اور ان کی ترتیب کس طرح ہوتی ہے اور نیز یہ امور کہ علم یا تصور ہے یا تصدیق۔ یعنی جس کی معرفت حد پر ہے یا دلائل پر۔ اور ان امور میں کوئی بھی ایسی بات نہیں کہ جن کا انکار واجب ہو۔ بلکہ یہ تو ایسی باتیں ہیں۔ جو خود علماء متکلمین اور اہل نظر نے اس کے دلائل میں بیان کی ہیں۔ اور اگر فرق ہے تو صرف عبارتوں اور اصطلاحوں کا ہے۔ یا اس بات کا کہ انہوں نے تعریفات میں زیادہ مبالغہ کر لیا ہے۔ اور بہت تقسیمیں کی ہیں۔ اس بارے میں ان کے کلام کی مثال یہ ہے کہ جب ثابت ہو گیا کہ ہر الف ب ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے بعض ب الف ہے یعنی جب یہ صحیح ہے کہ ہر انسان حیوان ہے تو پھر یہ لازم آئے گا کہ بعض حیوان انسان ہیں اور اس مطلب کو اہل منطق اپنی اصطلاح میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزیہ ہوا کرتا ہے۔ تو پھر ثابت ہوا کہ ان امور کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ کہ اس کو چھوڑ دیا جائے یا اس کا انکار کر لیا جائے۔ اگر انکار کریں گے تو اس انکار سے سوائے اس کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا کہ بعض لوگ اہل منطق کے انکار کرنے والوں کی عقل کا ماتم کرتے ہوئے اُن سے بلکہ اس کے دین کی نسبت بھی جو ان کے زعم میں انکار پر مبنی ہے بدعقیدہ ہو جائیں گے۔

اب اہل منطق کے بارے میں غور کریں اہل منطق تاریکی میں گھرے ہوئے ہیں۔ اور وہ دلائل کے لیے چند شرائط کا جمع ہونا بیان کرتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ مذکورہ شرائط سے لامحالہ یقین پیدا ہوگا۔ لیکن مقاصد دین پر پہنچ کر وہ ان شرائط کو نہ نبھا سکے۔ بلکہ اس بارے میں انہوں نے

Marfat.com

انتہائی درجے کی غفلت کا مظاہرہ کیا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو شخص منطق کا مطالعہ کرتا ہے تو اسے پسند کرنے لگتا ہے۔ چونکہ یہ ایک علم واضح ہے تو اسے بھی یہ گمان ہوتا ہے کہ فلاسفہ نے جو کفریات بکے ہیں ان کی تائید میں بھی اس قسم کے دلائل ہوں گے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طالب علم علوم الٰہیہ تک پہنچتے سے پہلے کفریہ عقائد کا حامل بن جاتا ہے اور یہ آفت منطق کی ہے۔

(3) طبعیات

اس علم میں اجسامِ عالَمِ آسمانی و ستارے اور اجسامِ مُفردہ کرہ ارض مثلاً پانی' آگ' ہوا اور اجسامِ مرکبہ' مثلاً حیوانات' نباتات' معدنیات کی بحث ہوتی ہے۔ اور اس امر پر بھی بحث کی جاتی ہے۔ کہ وہ کیا اسباب ہیں جن سے ان اجسام کی صورت و حالت تبدیل ہوتے ہیں۔ اس کی مثال بالکل طبیب کی سی ہے جو جسم انسانی اور اس کے اعضاء رئیسہ اور اعضاء خادمہ اور مزاج کی تبدیلی کے اسباب کی نسبت بحث کرتا ہے اور جس طرح علم طب کا انکار کرنا دین کی شرط نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی دین کی شرط نہیں ہے۔ کہ علم طبیعیات کا انکار کیا جائے سوائے چند خاص مسائل کے۔ اصول تو یہ ہے کہ آدمی اس بات کو اچھی طرح جان لے کہ طبیعت (فطرت) اللہ تعالیٰ کی تسخیر میں ہے۔ اور کوئی کام فطرت سے خود بخود سرزد نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود اس سے کام لیتا ہے۔ چاند' سورج اور ستارے اور دنیا و کائنات کی ہر ایک چیز اس کے قبضہ قدرت میں مسخر ہے۔ اور فطرت کا کوئی فعل بذات خود انجام نہیں پاتا۔

(4) الٰہیات

اس بارے میں فلاسفہ نے زیادہ غلطیاں کی ہیں۔ منطق میں جن دلائل کو انہوں نے بطور شرط قرار دیا تھا۔ انہیں ثابت نہ کر سکے۔ اسی لئے فلاسفہ میں ان مباحث میں بہت اختلاف پیدا ہو گیا۔ حقیقت میں ارسطو نے فلسفہ کو مذہب کے قریب پہنچانے کی کوشش کی ہے جیسا کہ فارابی اور ابن سینا نے کیا ہے۔ لیکن جن مسائل میں انہوں نے غلطی کھائی ہے ان کی تعداد بیس ہے اور ان میں تین مسائل تو ایسے ہیں کہ جن میں ان کی تکفیر بھی واجب ہوتی ہے۔ اور سترہ مسائل میں انہیں بدعتی قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہ تین مسئلے جن میں ان کی تکفیر واجب ہے یہ ہیں۔

(1) قیامت کو اجسام کے ساتھ حشر نہیں ہوگا۔ اور ثواب و عذاب کا مرکز فقط تنہا روحیں ہی ہوں گی۔

(2) وہ یہ کفریہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کلیات کا علم ہے جزئیات کا نہیں۔ (استغفر اللہ)

(3) یہ جہان قدیم اور ازلی ہے۔ مخلوق نہیں۔

یہ تین دعوے ان فلاسفہ کے مطلقاً غیر اسلامی اور شریعت کے مخالف ہیں۔ حالانکہ یہ بات

Marfat.com

عیاں ہے کہ قیامت کے دن انسان کا حشر مع الجسد ہوگا۔ اور اس بارے میں ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔ اور علمِ جزیات کے بارے میں ہمارا موقف ہے کہ جب ہم کُل کہتے ہیں۔ تو اس میں یہ قطعاً شرط عائد نہیں ہوتی کہ جُز اس سے الگ ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ میں شربت صندل کو جانتا ہوں۔ تو اس کے مطلب یہ ہوگا کہ وہ اس کے بنانے کی ترکیب بھی جانتا ہے۔ اور جانتا ہے کہ کن اجزاء سے اس کا وجود بنا۔ اس لئے ہمارا دعویٰ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز ذرہ بھر بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے۔ اور جہاں تک جہان کے ازلی اور قدیم ہونے کے بارے میں ان کا بے بنیاد دعویٰ ہے تو اس بارے میں ہم تفصیل سے بات کر چکے ہیں۔ علماءِ اسلام میں ایک شخص بھی ایسا نہیں گزرا جس نے ذرہ برابر بھی ان مسائل کو تسلیم کیا ہو اور جب یہ جہان ختم ہوگا تو سب کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ جہان، ازلی اور قدیم نہیں تھا۔

(5) سیاستِ مُدن

اس علم میں جو کچھ ہے فلاسفہ نے کلام کیا ہے اس کا تعلق تدبر و اصلاحی امور اور امور سلطنت سے ہے۔ اور یہ سب کچھ فلاسفہ نے کتب مقدسہ سے لیا ہے۔ یا اولیاءِ سلف کی افکار سے ان کو نقل کیا ہے۔

(6) علم اخلاق

اس علم میں فلاسفہ کا حاصل کلام یہ ہے کہ انہوں نے صفات و اخلاق نفس کا احاطہ کیا ہے اور ان کے احوال و اقسام اور ان کے معالجات اور کاوشوں کی کیفیات کو بیان کیا ہے اس علم کو فلاسفہ نے صوفیاء کے کلام سے اخذ کیا ہے۔ جو دنیاوی لذات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مشغول رہے۔ اور خواہشات دنیا سے بیزار اور راہ خدا پر چلتے رہے صوفیاء کرام کو مجاہدات کرتے کرتے کئی اخلاق نفس اور ان کی کے نقائص اور ان کے آفات و اعمال کا انکشاف ہوا ہے اور انہوں نے اس کا بیان کیا ہے فلاسفہ نے ان امور کو ان سے اخذ کر کے اپنے کلام میں ملا لیا تا کہ ان عمدہ باتوں کے ذریعہ سے وہ اپنے جھوٹے خیالات کو فروغ دے سکیں۔

ان فلاسفہ کے زمانہ میں بلکہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کو ماننے والے بزرگ بھی موجود رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی دنیا کبھی ایسے نیک و پاک لوگوں سے خالی نہیں رہی۔ یہ لوگ رہتے ہیں۔ اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی بدولت اہل زمین پر رحمت نازل ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں بھی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ کہ ان کی برکت سے ہی اہل زمین پر بارش ہوتی ہے اور ان کی برکت ہی سے رزق ملتا ہے۔ اور اصحاب کہف بھی انہی لوگوں سے تھے۔

ابتداء میں تو بعض فلاسفہ نے اپنی فکر کو درست قرار دیا لیکن چونکہ انہوں نے کلامِ نبوت اور

Marfat.com

کلام صوفیا کو اپنی کتابوں میں شامل کر لیا۔ اور اس سے دو مصیبتیں پیدا ہوئیں یعنی ایک آفت تو اس شخص کے لئے پیدا ہوئی جس نے مسائل مذکورہ کی تردید کی جو آفت تردید کرنے والوں کے حق میں پیدا ہوئی اور وہ ایک عظیم آفت تھی۔ کیونکہ کمزور عقل کے لوگوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ چونکہ یہ کلام ان فلاسفہ کی کتابوں میں درج ہے۔ اور ان کی جھوٹی باتوں میں شامل ہے اس لئے اس سے علیحدگی اختیار کر لینا ہی لازم ہے۔ اور ان کا ذکر تک بھی زبانوں پر نہیں آنا چاہئے بلکہ ذکر کرنے والے پر منکر عمل کا الزام لگا دیا جائے۔ اور اس کی وجہ محض یہ بنی کہ انہوں نے پہلے یہ کلام سنا نہیں تھا۔ اور جب سنا تو سب سے پہلے ان فلاسفہ سے سنا اس لئے اپنی کمزور عقل و بصیرت کی بنا پر انہوں نے یہ طے کر لیا کہ چونکہ اس کلام کا قائل جھوٹا ہے۔ اس لئے یہ کلام بھی غلط ہے۔ بیوقوفوں کی تو یہ عادت ہے کہ جو حق کی شناخت کی بنیاد عام لوگوں کی شخصیات پر رکھتے ہیں۔ اور یہ نہیں کرتے کہ حق کے ذریعے لوگوں کی شناخت کریں۔ لیکن اہل عقل حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم کے اس قول کی پیروی کرتے ہیں کہ حق کی شناخت آدمیوں کے ذریعے مت کرو۔ بلکہ پہلے حق کی شناخت کرو۔ اس کے بعد اہل حق کی شناخت خود بخود ہو جائے گی۔ پس صاحب عقل حق کی پہچان حاصل کرتے ہیں اور پھر نفسِ قول پر نظر کرتے ہیں۔ اگر وہ بات حق ہو تو خواہ اس کا قائل جھوٹا ہو یا سچا بات کی حقانیت کی وجہ سے اسے قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن اِس وقت معاملہ کچھ یوں ہے کہ اکثر لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ انہیں سچ و جھوٹ اور حق و باطل میں فرق کرنے کے لئے کمال درجہ کی عقل مندی حاصل ہو گئی ہے۔ جو صرف اور صرف محض خوش فہمی ہے۔ جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ صلاحیت ہر آدمی کے بس کا روگ نہیں۔

گمراہ فلاسفہ کی کتب سے اجتناب

اس لئے جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو گمراہ فلاسفیوں کی کتابوں کے مطالعہ سے روکنا چاہئے۔ یہ اصل میں ایک فریب ہے۔ جس کے ذریعہ آدمی آہستہ آہستہ جھوٹ کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور ان فلاسفہ کی کتب میں بہت سی خطرناک باتیں اور دھوکے ہیں۔ جس طرح اس شخص کو جو کہ تیرنا نہ جانتا ہو۔ اسے دریا کے کناروں کی پھسلن سے بچانا ضروری ہے۔ اس مخلوق کو ان کتابوں کے مطالعہ سے بچانا بھی ضروری ہے۔ اور ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ جو اذہان و قلوب ان گمراہ فلاسفہ کا شکار بن رہے ہیں ان کی اصل راستے کی طرف راہنمائی کریں اور ان کو خود ساختہ تاویلوں اور وہموں سے بچانے کی کوشش کریں کہ جن کی نہ کوئی ٹھوس بنیاد یا فکری اساس نہیں ہے۔ اور ان کو یہ ذہن نشین کرانا چاہئے کہ خالص عطر اور جعلی عطر کے ایک جگہ مل جانے سے بھی یہ نہیں ہو سکتا کہ جعلی خالص بن جائے۔

مختصراً یہ کہ حق و باطل کے ایک جگہ جمع ایک ہونے سے ہرگز حق باطل نہیں ہوتا اور بالکل اِسی طرح باطل کا حق ہو جانا بھی محال ہے۔ یہ ہے فلاسفہ کے افکار کی تباہ کاریوں کا تذکرہ۔ اور حق تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر دل و جان سے ایمان لایا جائے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال کا پیش کیا جانا

ابن مبارک رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ حدیث بیان کیجئے جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے یہ سوال کرنا تھا کہ معاذ رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا۔ وہ اتنا روئے کہ محسوس ہونے لگا کہ خاموش نہیں ہوں گے۔ کچھ دیر بعد خاموش ہوئے۔ اور پھر بیان کرنا شروع کیا۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا معاذ میں تجھے وصیت کرتا ہوں۔ اگر یاد رکھے گا تو تجھے اس سے فائدہ ہوگا۔ اور اگر اسے ضائع کرے گا یا بھول جائے گا تو پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس غفلت کی دلیل پیش نہیں کر سکے گا۔ اے معاذ زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے قبل اللہ تعالیٰ نے سات فرشتوں کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کو ایک ایک آسمان پر دربان مقرر فرمایا جو فرشتے انسانی اعمال کی تحریر پر مقرر ہیں۔ وہ صبح سے شام تک ہر شخص کے اعمال کو آسمان پر لے جاتے ہیں۔ تو آسمان اول کا دربان کہتا ہے۔ کہ اس عمل کو صاحب عمل کے پاس ہی لوٹا کر لے جاؤ۔ میں صاحب غیبت ہوں مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے۔ کہ جو شخص دوسروں کی غیبت کرتا ہے اس کے اعمال کو روک دوں۔ پھر یہ فرشتہ دوسرے شخص کے نیک اعمال کو لے کر تعریف کرتے ہوئے آسمان پر جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ دوسرے آسمان تک پہنچتے ہیں۔ تو وہاں کا دربان کہتا ہے کہ میں فرشتۂ فخر ہوں۔ مجھے ایسے شخص کے اعمال آگے بڑھانے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ اس شخص نے یہ اعمال صرف دنیاوی فائدے کے لیے کئے ہیں۔ اور یہ شخص اپنے اعمال کے گھمنڈ پر مجلسوں میں فخر کرتا تھا۔ پھر فرشتہ ایک اور شخص کے اعمال صدقہ وصلوٰۃ صوم لے کر تیسرے آسمان تک پہنچے گا تو وہاں کا دربان کہے گا کہ میں فرشتہ اکبر ہوں۔ مجھے حکم ہے کہ متکبرین کے اعمال آگے نہ جانے دو۔ یہ شخص متکبر تھا۔ اس کے اعمال اس کے پاس واپس لے جاؤ۔ اس کے بعد ایک اور شخص کے اعمال اسی طرح فرشتہ بڑے فخر کے ساتھ آسمان چہارم تک لے جائے گا مگر چوتھے آسمان کا فرشتہ کہے گا کہ میں صاحب عجب (غرور) ہوں۔ اس کے شخص کے اعمال میں عجب یعنی غرور شامل ہے اور مجھے ایسے شخص کے اعمال آگے گزرنے کی اجازت دینے کا حکم نہیں۔ اسی طرح ایک اور شخص کے بارے میں فرشتہ کہے گا کہ اس کے اعمال کو واپس لے جاؤ۔ کہ لوگوں سے حسد کیا کرتا تھا۔ پھر ایک فرشتہ ایک اور شخص کے نیک اعمال لے کر چھٹے آسمان تک پہنچ جائے گا۔ تو وہاں کا فرشتہ کہے گا کہ میں صاحب رحمت ہوں۔ یہ شخص کسی مصیبت زدہ اور پریشان حال پر رحم نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اس کی عادت تھی کہ ایسے لوگوں کو دھتکارتا تھا۔ لہٰذا مجھے ایسے شخص کے اعمال آگے گزارنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کے اعمال واپس لے جاؤ۔ پھر اسی طرح ایک شخص کے اعمال ساتویں آسمان تک پہنچ جائیں گے۔ تو وہاں کا متعین فرشتہ کہے گا۔ کہ مجھے شرم آتی ہے۔ کہ ایسے شخص کے اعمال کو آگے گزرنے دوں کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے نہیں کئے گئے صرف علماء اور فقہا کے پاس بلند مرتبہ

Marfat.com

کے لئے کئے گئے ہیں۔ اور اس سے فقط شہرت مقصد تھا۔ بہر حال جو عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت کے لئے نہ ہو وہ دکھاوا ہے اور ریا کاری اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ اس کے بعد ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ جن کے اعمال ان تمام آسمانوں سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جائیں گے۔ اور ملائکہ بھی اس نیک عمل کی گواہی دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جائیں گے۔ اور ملائکہ بھی اس نیک عمل کی گواہی دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ارشاد ہوگا کہ تم تو صرف اعمال کے محافظ ہو اور میں اس کے اعمال سے پوری طرح باخبر ہوں۔ مجھے اس شخص کے دلی ارادہ کا علم ہے اس نے یہ خاص عمل محض میری رضا کے لئے نہیں کیا۔ بلکہ دوسروں کو دکھانے کے لئے کیا ہے۔ اس لئے میں اس شخص پر لعنت بھیجتا ہوں۔ یہ سنتے ہی تمام فرشتے لعنت کریں گے۔ بلکہ آسمان و زمین میں رہنے والے فرشتے بھی اس پر لعنت کریں گے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ آپ ﷺ تو اللہ تعالیٰ کے رسول (ﷺ) ہیں۔ اور میں معاذ (رضی اللہ عنہ) ہوں۔ میری نجات کس طرح ممکن ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری پیروی کرو۔ اے معاذ غیبت سے اپنی زبان کو بچاؤ۔ دوسروں کی مذمت کر کے خود کو رسوا نہ کرو۔ اعمال دنیا کو آخرت میں شریک نہ کرو۔ ریا کاری نہ کرو۔ تکبر چھوڑ دو۔ لوگوں کو دشنام مت دو۔ تاکہ دوزخ کے کتے تمہیں نہ کاٹ کھائیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ والنشطت نشطاً اے معاذ (رضی اللہ عنہ) تم جانتے ہو۔ کہ شیطان کیا ہے۔ تو معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان ہوں یا رسول اللہ (ﷺ) آپ (ﷺ) ارشاد فرمائیں۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے معنی دوزخ کے کتے ہیں۔ جو ہڈیوں سے گوشت کو جدا کرتے ہیں۔ یہ سن کر معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) ایسی عادات کا اختیار کرنا تو بہت مشکل ہے۔ معلوم نہیں کہ نجات کیسے ہوگی۔ تو ارشاد ہوا کہ معاذ (رضی اللہ عنہ) اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سب کچھ آسان ہے مگر انسان کو اس قدر لحاظ ضروری ہے کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہ غیر کے لئے بھی پسند کرے۔ اور جو اپنے لئے ناپسند کرے وہ دوسروں کے لئے بھی ناپسند کرے۔ اگر یہ بات ہو تو سلامتی ہے۔ (بحوالہ ہدایت الہدایت)

اللہ تعالیٰ کا احاطہ کرنا انسانی نظروں کے بس کا روگ نہیں

سورہ الانعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ

"اسے نظریں نہیں گھیر سکتیں مگر وہ سب نظروں کو گھیرے ہوئے ہے۔"

اس آیت میں بیان فرمایا جا رہا ہے کہ نظریں اسے نہیں پا سکتیں۔ اس مسئلہ میں ائمہ سلف کے

کئی اقوال ہیں۔ایک تو یہ ہے کہ اگرچہ آخرت میں آنکھیں اسے دیکھ سکیں گی۔مگر دنیا میں اسے دیکھنا ممکن نہیں۔اور حضور ﷺ کی احادیث سے بالتواتر تو یہی ثابت ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رویت باری تعالیٰ کو مطلق رکھا ہے۔اس بارے میں تفصیل سے بات کر چکے ہیں۔قیامت کے دن دیدار الٰہی کے قول سے ثابت ہوتا ہے۔کہ ایماندار لوگوں کے چہرے اس دن شگفتہ ہوں گے اور وہ اپنے رب کی طرف نظریں اٹھائے ہوئے ہوں گے۔نیز کافروں کے بارے میں ارشاد ہے کہ وہ اپنے رب کو دیکھنے سے عاجز ہوں گے۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دیدار الٰہی اس دن مومنوں کے لئے پردے میں نہیں ہوگا بعض کہتے ہیں کہ ادراک دیکھنے سے افضل ہے۔کیونکہ ادراک احاطہ کر لینے کو کہتے ہیں۔اور کسی کا احاطہ نہ کرنے سے نہ دیکھنا لازم نہیں اتا۔جیسے تمام علم کا احاطہ نہ کرنے کے سبب یہ لازم نہیں آتا کہ اُسے مطلق علم ہی نہیں۔ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔کہ کسی کی نگاہ اللہ تعالیٰ کو پوری طرح نہیں دیکھ سکتی۔عکرمہؓ سے کہا گیا کہ لاتدرکه الابصار کے کیا معنی ہیں تو انہوں نے جواب دیا کیا تم آسمان کو نہیں دیکھ سکتے۔لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں دیکھ سکتے ہیں۔پھر انہوں نے پوچھا کہ ایک نظر میں پورا آسمان دیکھ لیتے ہو غرض کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند تر ہے کہ اس پر نظریں پڑ سکیں اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کے ساتھ تجلی فرمائے تو آنکھیں اُسے نہیں دیکھ سکتیں اللہ تعالیٰ نہ سوتا ہے اور نہ ہی اسے اونگھ آتی ہے۔اور وہ میزان قائم رکھے ہوئے ہیں۔اس کا حجاب اگر اٹھ جائے تو اس کی ایک تجلی سے تمام جہان جل جائے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب پہاڑ پر تجلی فرمائی تو وہ جل گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔

پھر اسی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کی آنکھوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔کیونکہ وہ لطیف وخبیر ہے۔زمین وآسمان کا ذرہ ذرہ اور ہر انسان وحیوان اور جن اس کی نظروں میں ہیں۔وہ ہر ہر لمحہ اور ہر ہر گھڑی پوری طرح ہر موجود کو دیکھ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا

سورہ الاعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ

"آپ کہہ دیجئے کہ بیشک اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا"۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی یہ سوچے کہ ہم برائی اس لئے کرتے ہیں۔کہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دی ہے تو صریحاً جھوٹا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں ہر انسان کو نیکی اور سچائی کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔اور کوئی ایک ایسا حکم نہیں ملتا کہ جس میں کسی بھی بے حیائی کے لئے کوئی گنجائش موجود ہو۔جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی پاک اور نورانی ذات کے طرف کوئی ایسی

Marfat.com

تہمت منسوب کرے گا تو دوزخ کی اتھاہ اور تکلیف دہ گہرائیاں اس کا مقدر بنیں گی ایسا بدنصیب دنیا میں بھی ذلیل ہوگا اور آخرت میں بھی۔ اور آخرت میں دوزخ کی آگ اور اس کا عذاب اتنا بھیانک ہے کہ اُس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ بھلائی اور نیکی کا حکم دیتا ہے قرآن مجید کی تمام آیات دیکھ لیجئے اور تمام کتب مقدسہ اور صحائف کا مطالعہ کر لیجئے۔ آپ کو تمام احکامات بھلائی اور نیکی کے بارے میں دکھائی دیں گے۔ یہود ونصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کی کتب میں ردو بدل کر کے لعنت کا طوق جس طرح گلے میں ڈال لیا ہے تمام اہل ایمان اس سے خوب واقف ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کو مدنظر رکھو

سورہ الاعراف میں ارشاد ہے۔

اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ

تو کیا یہ بے خوف ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے سوائے اس قوم کے جو نقصان اٹھانے والی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو تنبیہ کر رہا ہے کہ انہیں بداعمالیاں کرتے وقت یہ کیوں یاد نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات جاری وساری ہیں۔ نافرمان اور بے ہودہ لوگ خود کو تباہی کی اندھی وادیوں میں گرا دیتے ہیں۔ انسان اقتدار کی کرسی پر ہوتا ہے تو سوچتا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کرتا رہے اب کوئی اس کا محاسبہ نہیں کر سکتا تو یہ اس کی جہالت اور بھول ہے دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ نافرمان خود ہی اپنے پھیلائے ہوئے جالوں میں اس طرح پھنسے کہ بربادی نے ان کے تمام مال ومتاع تباہ کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے نافرمان اور بے ہودہ لوگوں کے محاسبہ کے لئے ایسے ضوابط جاری فرمار کھے ہیں کہ جو بھی ان کی لپیٹ میں آتا ہے اس کا بچنا محال ہو جاتا ہے۔ اس لئے انسان کو اپنے دل سے یہ غلط فہمی نکال دینی چاہئے اور وہ کسی بھی پوشیدہ جگہ کیوں نہ چھپا ہو۔ یہ ضرور یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی نظروں کے سامنے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حصار آہستہ آہستہ اس کا گھیرا تنگ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کو علم بھی نہیں ہو پاتا اور اچانک ایک عبرتناک تباہی اسے صفحہ ہستی سے مٹا دیتی ہے۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو عقل مند ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کو کبھی فراموش نہیں کر پاتے بلکہ ہر وقت ڈرتے اور استغفار کرتے ہیں۔ جن قوموں نے نقصان اٹھانا ہو۔ اور جو اپنی مسلسل نافرمانیوں سے تباہی کے دہانے پر آ گئی ہوں تو وہی ان روشن حقیقتوں کو جھٹلاتی ہیں۔ اور پھر ان کے شہر ان کے اموال اور ان کے اقتدار دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں ۔اور ان کے باقی رہ جانے والے عبرتناک آثار دیکھنے والا شخص کانوں کو ہاتھ لگا کر استغفار کرتا ہے۔

Marfat.com

ایک ایمان دار کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نافرمانی کا مرتکب نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے ہمیشہ خوفزدہ رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی زمین پر جسے چاہتا ہے وارث بناتا ہے

سورہ الاعراف میں ارشاد ہے۔

اِنَّ الۡاَرۡضَ لِلّٰهِ يُوۡرِثُهَا مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ

بلاشبہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ اور اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے وارث بناتا ہے۔

یہ نصیحت صرف موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے ہی نہیں کی۔ بلکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے ایک مستقل اصول ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان اور ہر چیز کا مالک ہے۔ اور اس کے ان گنت ثبوت ہم کھلی آنکھوں سے روزانہ دیکھتے ہیں۔ یعنی ایسے حکمران جنہوں نے اِلٰہ ہونے کے دعوے کئے ان کے نام ونشان بھی مٹ گئے اور عبرت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے تباہ شدہ آثار کو باقی قوموں کے لیے چھوڑ دیا۔ تا کہ قیامت تک آنے والے انسان ایسے نافرمانوں کی بے بسی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جنہوں نے طاقت کے گھمنڈ میں اللہ تعالیٰ کی زمین کو اپنی ملکیت قرار دے لیا تھا کیسے صفحہ ہستی سے معدوم ہو گئے۔ اور ہلاکت کی عریاں تصویر بن گئے نمرود وشداد اور فرعون کی مثالیں موجود ہیں۔ سرکار دو عالم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں خسرو پرویز اور قیصر روم کی مثالیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ خسرو پرویز کو اپنی طاقت پر بہت ناز تھا۔ اور اس نے رسول اللہ ﷺ کے نامہ مبارک کو چاک کر دیا تھا۔ آج اسی متکبر ومغرور پرویز کا نام ونشان تک موجود نہیں ہے انسان تو فنا ہونے کے لئے ہی دنیا میں آتا ہے۔ اور چند دن کے اقتدار میں اپنی حقیقت بھول جاتا ہے دور حاضر میں شہنشاہ ایران کی مثال لیجئے۔ اپنے ہی ملک کی مثالیں لیں۔ حکمران چند دن خود کو اِلٰہ سمجھتے ہیں اور پھر ذلیل وخوار ہو کر راہی ملک عدم ہو جاتے ہیں۔ حکمرانوں اور مقتدر لوگوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں چند دن طاقت دے کر آزمائے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ اس کے احکام کی پاسداری کریں۔ یہاں اقتدار اور وراثت تو اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ واضح رہے کہ انسان بطور وارث بھی مجازی ہے۔ کیونکہ انسان فنا ہونے والی مخلوق ہے اور فنا ہونیوالوں پر حقیقی ملکیت کے مفہوم کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جسے چاہے چند روز کے لئے وارث بنا دیتا ہے یہ سلسلہ تو یونہی جاری وساری رہتا ہے۔ اس لئے کسی قسم کی حقیقی ملکیت کا دعویٰ جہالت ہے کیونکہ اس کائنات کا حقیقی مالک تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ورنہ ہم خود کو ہی دیکھ لیں اور یہ سوچیں کہ ہم سے پہلی نسلیں کہاں ہیں۔ یقیناً وہ فنا کے گھاٹ اتر چکی ہیں۔ جب کہ زمین تو قیامت تک موجود رہے گی اور نہ جانے اللہ تعالیٰ کتنے افراد اور کتنی قوموں کو مجازی طور پر اس کا وارث بنائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے نافرمان حیوانوں سے بھی بدتر ہیں

سورہ الاعراف میں ارشاد ہے۔

اولٓیکَ کَالْاَ نعَامِ بَلْ ھُوْ اَضَلُّ اُولٰئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ

وہ حیوانوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہی لوگ تو غافل اور بے خبر ہیں۔

اس آیت مبارک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات سمجھنے سے عاری ہیں۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے کہ وہ حیوانوں سے بھی عقل وشعور کے لحاظ سے کمزور ہیں۔ اور ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔ اور ان کے دماغ و دل زنگ آلودہ ہو چکے ہیں۔ کیونکہ ان کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف دنیا اور اس کی لذتوں کا حصول ہے۔ وہ دنیا کی لذتوں میں ہی گم رہنا چاہتے ہیں۔ ان کا واحد مقصد جائز و ناجائز طریقے سے صرف اور صرف دولت جمع کرنا اور جائیداد میں اضافہ کرنا ہوتا ہے۔ اگر انہیں اللہ تعالیٰ کے احکامات سنائے جائیں تو نا سمجھ بن کر مکر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ نافرمانی کے لئے انہوں نے بے شمار تاویلیں گھڑ رکھی ہیں۔ ایسے لوگوں کی سطحی سوچ فقط حیوانات کی طرح ہے۔ یہی لوگ تو ہیں جو دیدہ دانستہ غافل اور بے خبر بنے ہوئے ہیں۔ اور آنے والے خوفناک دن یعنی قیامت کی ہولناکی سے آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں۔ اور اس احتساب سے مطلقاً بے نیاز ہیں جو قریب ہی آ لگا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو

سورہ الانفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا الَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ

اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ مومنو! کثرت سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرو۔ ہر وقت اس کو یاد کیا کرو بیٹھتے اٹھتے، کھاتے پیتے، اس کو اچھے اچھے ناموں سے یاد کیا کرو۔ اس کی عظمت بیان کرنے کی مجالس منعقد کیا کرو۔ تا کہ اس کے پاک ذکر کی بدولت تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ اور وہ تمھارے لئے کامیابی و کامرانی کے راستے کھول دے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی دلوں کو اطمینان اور یقین سے سرشار کرتا ہے اور اسے یاد کرنے والوں کی روحیں جھوم جھوم جاتی ہیں۔ انہیں سرشار کر دینے والا سکون ملتا ہے۔ ان کے کام خود بخود سنور جاتے ہیں۔ اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے ذکر کثیر کا حکم فرمایا ہے یعنی بہت زیادہ ذکر۔ لوگوں کو قرآن کے معانی بتانا اور اللہ تعالیٰ احکامات کی تشریح کرنا بھی یاد الٰہی ہے زیر لب اس کے سامنے گڑگڑانا اور اس سے رحمت و مغفرت طلب کرنا بھی یاد الٰہی ہے۔ اس کی توحید و غلبہ اور طاقت و علم کا بیان بھی ذکر الٰہی ہے غرض کہ کسی نہ کسی اچھی اور شایان شان صورت میں اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کے احکامات بیان کرنا اور اس کے سامنے عجز و نیاز سے جھکنا بھی یاد الٰہی ہے مومن کی تو یہ صفت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کثرت سے یاد کو ہی زندگی کا معمول بنا تا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو سب سے زیادہ محبوب نہ رکھنے والوں کا انجام!

سورہ توبہ کی آیت 24 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اے نبی کہہ دیجئے ان سے۔ کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں۔ اور وہ کاروبار جس کے مندے کا تم اندیشہ کرتے ہو۔ اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو۔ اگر وہ زیادہ پیارے ہیں تمھیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد سے تو انتظار کرو کہ یہاں تک لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم۔ اور اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو ہدایت نہیں دیتا جو نافرمان ہو۔

اس آیت مبارک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ سے سب سے بڑھ کر محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا مومنوں کا فرض ہے۔ اگر کوئی بدنصیب جہاد نہ کرنے کے لئے کوئی تاویل کرتا ہے تو وہ ظلم کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ یہ کاروبار اور مکانات اور تمہاری دنیاوی خواہشات اگر تمہیں اللہ اور اُس کے رسول کی محبت اور جہاد سے روکتی ہیں۔ تو یوں سمجھ لو۔ کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ پسند ہیں۔ جو اس کی رضا کے لئے جہاد کو اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کے احکامات کی مکمل پیروی کرتے ہیں۔ کوئی بڑی سے بڑی دنیاوی خواہش اور لالچ انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے سے نہیں روک سکتی۔

آ ک کل بہت سے لوگوں نے ترک جہاد کے سلسلے میں خود تاویلات بنا رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے واضح حکم کے مقابلے میں تاویل اختیار کرنا منافقوں کا کام ہے اور ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ یہاں جس جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے اس کے معنی ہیں کفار کے ساتھ قتال کرنا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال دینا۔ ایک مومن کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ بوقت ضرورت اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان بھی دیتا ہے اور مال بھی اور اُس کے دین کی سربلندی کے لیے سرتوڑ کوششیں کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ زمین و آسمانوں میں نور ہے

ارشاد ہے کہ

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں نور ہے۔

Marfat.com

نور کی تعریف

اصل میں تو حقیقی نور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور دوسروں کی جانب اس کی نسبت محض مجازی ہے۔ پہلے اس نور کے معنی جاننے کی ضرورت ہے جو عوام سمجھتے ہیں۔ دوسرے معنی وہ ہیں جو خاص لوگوں کے نزدیک ہیں اور تیسرے معنی کے خاص الخاص افراد قائل ہیں خواص جس نور کے قائل ہیں۔ اس کے درجات و حقائق کے بارے اچھی طرح غور و خوض کی ضرورت ہے جس سے یہ وضاحت کی جاسکے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی نور اعلیٰ ہے اور وہی سچا اور حقیقی نور ہے۔

عمومی: عوام کے نزدیک نور کی حقیقت یہ ہے کہ نور ظہور کا اشارہ ہے ظہور بھی نسبتی امر ہے کیونکہ ہر چیز اپنے غیر کے لئے ظاہر بھی ہوتی ہے اور اس سے پوشیدہ بھی ہے۔ اس لحاظ سے وہ نسبتاً ظاہر اور نسبتاً چھپا ہوا ہے۔ اس کے ظہور کو ادراکات سے منسوب کرنا ضروری ہے۔ اور عوام کے نزدیک کسی پہچان کے لئے سب سے طاقتور آلات حواس خمسہ ہیں۔ اور پھر ان میں سے زیادہ طاقتور دیکھنے کی قوت ہے۔

محسوس کرنے کے اعتبار سے چیزوں کی تین اقسام ہیں۔ پہلے نمبر پر وہ چیزیں جو ذاتی طور پر دیکھی نہ جاسکتی ہوں۔ جیسے کالا جسم' دوسرے نمبر پر وہ چیزیں جو دیکھی تو جاسکتی ہیں۔ لیکن ان کے ذریعہ کوئی دوسری چیز دیکھنے سے بندہ عاری رہتا ہے۔ مثلاً روشن جسم' تارے' اور بجھی ہوئی آگ یعنی انگارے؛ اور تیسرے نمبر پر وہ چیزیں کہ جنہیں ذاتی طور پر بھی دیکھا جاسکتا ہے اور ان کے سبب دوسری چیزیں بھی نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر چاند' شعلہ مارتی ہوئی آگ' سورج' چراغ اور بجلی کے بلب وغیرہ' نور یعنی روشنی اسی تیسری قسم کو کہتے ہیں۔ کبھی نور ان شعاعوں کو بھی کہا جاتا ہے جو روشن جسموں سے تاریک جسموں پر گزرتی ہیں۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ زمین روشن ہوگئی۔ یا سورج کا نور جو زمین کو روشن کرتا ہے۔ یا چراغ کا نور جو گھر کو روشن کر دیتا ہے۔ ان سب کو بھی ہم نور کہتے ہیں۔ کبھی نور کی نسبت ان چیزوں سے بھی کی جاتی ہے۔ جو ذاتی طور پر روشن ہیں۔ اس تمام بحث سے نور کا مطلب یہ نکلا ہے کہ جسے ذاتی طور پر خود بھی دیکھا جاسکے۔ اور ان کے ذریعے دوسری اشیاء بھی نظر آنے لگیں۔ جیسا کہ سورج کا نور۔ اس کی تعریف قسم اول کے لحاظ سے یعنی عوام کے عقل و شعور کے مطابق ہے۔

خواص کا نکتہ

نور کی اصل حقیقت تو ادراک اور ظہور ہے اور نور کے وجود کا ادراک کر لینا یہ دیکھنے والی آنکھ پر منحصر ہے کیونکہ نور کا کام ظاہر ہونا اور پھر ظاہر کرنا ہے لیکن جو اندھا ہوتا ہے وہ نوری جسم اور پھر اس نور کے ذریعے کسی اور چیز کو دیکھنے کی صلاحیت سے مکمل محروم ہوتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دیکھنے والی قوت روح ظاہری کے برابر ہے۔ جو نور کو معلوم کرنے کے لئے ایک ضروری رکن ہے۔ پھر دیکھنے

Marfat.com

کی روح یعنی طاقت اور دیکھنے کے حواس کو اسی طرح اولیت حاصل ہے۔ کہ اسی طاقت کے ذریعہ نور کا ادراک کیا جاتا ہے۔ اور یہی نور کو محسوس کرتی ہے ورنہ ذاتی طور پر نور نہ تو دریافت کرتا ہے۔ نُور ادراک کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے اور نور کا نام نور رکھنے سے زیادہ بہتر ہے کہ اس نور کے دیکھنے والے کو نور کہا جائے۔ اس لئے محققین نے دیکھنے والی آنکھ کا نام بھی نور رکھ دیا اندھے کے بارے میں کہتے ہیں۔ کہ اس کے دیکھنے کا نور کمزور ہے۔ سیاہی کے بارے میں قول ہے کہ وہ دیکھنے کے نور کو جمع کرتی اور طاقتور بناتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس لئے پلکوں کو سیاہ بنایا۔ اور اس نے نگاہ کو ڈھانپ دیا۔ تاکہ آنکھ کی روشنی جمع رہے جب کہ سفیدی آنکھ کے نور کو پھاڑتی اور کمزور کر دیتی ہے۔ حتیٰ کہ تیز روشنی اور سورج کی جانب دیکھنے سے بھی آنکھ کا نور ختم ہو سکتا ہے۔ خواہ یہ کیفیت عارضی طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ طاقتور کے سامنے کمزور باقی نہیں رہتا ثابت ہوا کہ دیکھنے کی قوت کو بھی نور کہتے ہیں۔

یہ بھی جاننا چاہئے کہ آنکھ کا نور کئی قسم کے نقصانات کا حامل ہے مثلاً وہ دوسروں کو دیکھتا ہے۔ لیکن خود کو آئینے کے بغیر نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح یہ نور زیادہ دور کی چیز کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ نہ ہی یہ پس پردہ چیز کو دیکھ سکتا ہے۔ آنکھ کا نور ظاہری اجسام کو دیکھتا ہے لیکن باطن میں جھانکنے کی قوت نہیں رکھتا۔ موجودات میں سے بعض کو دیکھتا ہے اور بعض کو نہیں دیکھتا۔ متناہی چیزوں کو دیکھ سکتا ہے۔ غیر متناہی اشیاء اس کے احاطے میں نہیں آ سکتیں۔ پھر دیکھنے میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے۔ اکثر بڑی چیزیں چھوٹی' دور کی ٹھہری ہوئی چیزیں حرکت کرتی اور حرکت کرتی ہوئی چیزیں ٹھہری ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ نقائص بہر حال جو نگاہ میں موجود ہیں۔ نور تو ان تمام عیوب سے پاک ہوتا ہے۔

انسان کے دل میں ایک آنکھ ہے اور یہ وہی آنکھ ہے جسے عقل و روح اور نفس سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے عقل کا نام نور رکھنا ظاہری آنکھ کی نسبت زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ وہ ان نقائص سے کافی حد تک پاک ہے۔

عقل اور آنکھ میں فرق

(1) آنکھ خود کو نہیں دیکھ سکتی لیکن عقل جیسے دوسروں کو دیکھتی ہے خود کو بھی دیکھ سکتی ہے اپنی صفات بھی معلوم کر لیتی ہے کیونکہ خود کو عالم سمجھتی ہے۔ اپنے نفس کے علم کو بھی جانتی ہے اور عمل کو بھی اور حواس کے ذریعہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ان کے سوا اور بھی کئی راز ہیں۔

(2) آنکھ بے حد قریب اور بہت دور دیکھنے سے قاصر ہے لیکن عقل کے نزدیک دور اور قریب سب برابر ہیں۔ لمحوں میں وہ تمام آسمانوں کی سیر کرتی ہے۔ ایک دم اپنے تخیل کے اعتبار سے زمین کی تہہ تک پہنچتی ہے بلکہ اجسام میں جو حقیقی قربت اور دوری ہے وہ عقل کے قریب بھی نہیں پھٹکتے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سمندروں کا ایک نشان اور نمونہ ہے اور نمونہ اپنے اصل سے ملتا جلتا ہے۔ ہو بہو ہونا شرط

Marfat.com

نہیں۔اس سے ہی اسی حدیث کا راز ظاہر ہوتا ہے۔ ان اللّٰہ خلق ادم علی صورتہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔کیونکہ علماء کرام نے صورت سے صفات مراد لی ہیں۔اللہ تعالیٰ تو صورت سے پاک ہے۔ نیز یہ بھی غور طلب نکتہ ہے۔کہ صورت کی ضمیر کس طرف اشارہ کر رہی ہے آدم کی طرف یا اللہ تعالیٰ کی طرف' اور قاعدہ تو یہ ہے کہ اسم ضمیر قریب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اور قریب آدم واقع ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ۔اس صورت میں تو حدیث کے معانی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت میں پیدا فرمایا اور کوئی دوسری صورت انسان کے مساوی نہیں۔

(3) آنکھ پس پردہ چیز کو نہیں دیکھ سکتی اور عقل بعید ترین مقامات کو بھی اس طرح محسوس کرتی ہے جیسے قریب ترین میں، بلکہ کوئی حقیقت بھی عقل سے نہیں چھپ سکتی۔عقل کا حجاب اس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی قریبی صفت کے باعث از خود پردے میں نہ ہو جائے۔

(4) آنکھ اشیاء کی ظاہری صورت کو دیکھ سکتی ہے لیکن اندرونی حصے نہیں دیکھ سکتی۔عقل اشیاء کے اندرونی حصوں اور اس کے حقائق کو معلوم کر لیتی ہے۔

(5) آنکھ بعض موجودات کو تو دیکھتی ہے۔لیکن تمام محسوسات کو دریافت کرنے سے قاصر ہے۔ لیکن عقل ان موجودات کو معلوم ومحسوس کر لیتی ہے۔ مثلاً آواز' خوشبو' ذائقہ' حرارت' سونگھنا' خوشی اور غم' درد اور آرام' علم اور جہالت وغیرہ

(6) آنکھ بڑی چیز کو چھوٹا محسوس کرتی ہے۔ جیسے کہ سورج اور ستارے یہاں سے چھوٹے چھوٹے نظر آتے ہیں۔لیکن عقل جانتی ہے۔کہ یہ ستارے اور سورج وغیرہ زمین سے کئی گنا بڑے ہیں۔آنکھ بظاہر بچہ کو ایک سا دیکھتی ہے۔لیکن عقل جانتی ہے کہ بچہ بڑھتا رہتا ہے۔اور ستارے گردش کر رہے ہیں۔

اعتراض کا جواب

اگر یہ سوال کیا جائے کہ بہت سے اہل عقل دیکھے ہیں۔کہ وہ اپنی رائے میں غلطی کرتے ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے خیالات و وہم اور کبھی اعتقادات کی غلطی ہے۔اور عقل جب کہ محض وہم سے پاک ہو تو اس میں غلطی متصور نہیں ہو سکتی۔ بلکہ وہ تمام چیزوں کو اصلی حالت پر دیکھتی ہے۔لیکن اس کا اکیلے ہونا مشکل ہے۔ہاں موت کے بعد وہ ان جھگڑوں سے پاک ہو گی۔اسی وقت پردے کھل جائیں گے اور تمام اسرار ظاہر ہو جائیں گے۔جبکہ ہر شخص اپنے اعمال وافعال سے آگاہ ہو جائے گا۔ اس حال میں ان سے کہا جائے گا۔

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَ كَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ

آج ہم نے تیری آنکھ سے پردہ اٹھالیا ہے اور تیری آنکھ تیز ہے۔

Marfat.com

عقل کا دیکھنا ایک جیسا نہیں

اگر چہ عقل دیکھتی ہے۔لیکن وہ تمام اشیاء جنہیں دیکھتی ہے ایک جیسی نہیں۔ بلکہ بعض تو اس کے نزدیک حاضر ہیں۔ جسے علوم ضرور یہ مثلاً یہ کہ ایک ہی چیز قدیم اور حادث پیدا ہونے والی نہیں ہو سکتی۔کوئی چیز بیک وقت معدوم اور موجود نہیں ہوسکتی۔ایک ہی بات سچی اور جھوٹی نہیں ہوسکتی۔ جب کسی چیز کے لئے حکم ثابت ہوگا تو اس کی مثل کے لئے بھی لازماً ثابت ہوگا۔ جہاں خاص پایا جائے گا وہاں عام ضرور پایا جائے گا۔ جب بھی سیاہی پائی جائے گی تو رنگ ضرور پایا جائے گا۔ جب بھی انسان کا وجود ہوگا تو حیوان کا وجود ضرور ہوگا۔لیکن اس کا عکس ضروری نہیں۔اس لئے ضروری نہیں کہ جب بھی رنگ کا وجود ہو تو سیاہی بھی پائی جائے جیسا کہ یہ ضروری نہیں کہ جب بھی حیوان پایا جائے تو انسان بھی موجود ہو۔

بعض ایسے امور بھی ہیں جو کہ ہر وقت عقل کے پیش نظر نہیں ہوتے۔ بلکہ عقل تو اس بات کی محتاج ہوتی ہے کہ اسے بیدار کیا جائے۔اور اسے روشن دکھائی دے جیسا کہ نظریاتی امور اس جانب عقل کو حکما کا کلام متوجہ کرتا ہے۔پس نور حکمت کی روشنی کے وقت انسان فعل کے اعتبار سے بینا ہوتا ہے اور اس سے قبل اس کی بینائی قوت کے اعتبار سے تھی۔

سب سے بڑی حکمت تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔اور اس کے کلام خاص طور پر قرآن مجید کا عقل کی آنکھ کے نزدیک وہی مقام ہے۔ جیسے سورج کے نور کا ظاہری آنکھ کے نور کے مقابل کیونکہ آنکھیں صحیح طور پر اسی کے مقابل کام کرتی ہیں۔اس لحاظ سے مناسب یہی ہے کہ قرآن مجید کو نور کہا جائے۔قرآن مجید سورج کے نور کی طرح ہے۔اور عقل آنکھ کے نور کی طرح۔اسی یقین کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سمجھ میں آتا ہے۔

فَاٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا

پس اللہ پر اس کے رسول پر اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آچکی اور ہم نے تمہاری طرف نور نازل کیا۔

اس سے جب یہ امر ظاہر ہوگیا کہ دو قسم کی دیکھنے کی قوت ہے ظاہری اور باطنی' ظاہر نگاہ کا تعلق عالم محسوسات و مشاہدہ سے ہے۔اور نگاہ باطنی کا تعلق آخرت سے ہے۔عالم آخر عالم ملکوت ہے اور دونوں آنکھوں میں سے ہر ایک کے لئے آفتاب اور نور ہے۔جس کے باعث آنکھ دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔اور سورج بھی دو ہیں۔ایک ظاہر اور ایک باطن ظاہری سورج تو وہ ہے۔جو کہ نظر آتا ہے۔ اور باطنی سورج قرآن پاک اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہے۔

Marfat.com

نکات:

جب ہم ایسی چیز کا نام چراغ رکھ سکتے ہیں۔ جس سے نظریں فائدہ حاصل کرتی ہوں۔ تو جس سے یہ چراغ خود نور حاصل کر رہا ہے تو اس کے لیے آگ کی طرف اشارہ کرنا زیادہ قریب ہے۔ یہ زمینی چراغ دراصل انوار علیا سے نور حاصل کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے۔ جس کے ستر ہزار چہرے ہیں۔ اور ہر چہرے میں ستر ہزار منہ ہیں۔ اور ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں۔ وہ ان تمام زبانوں سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے اور وہ اکیلا تمام فرشتوں کے مقابل ہے۔ پھر کہا گیا کہ جس دن روح اور ملائکہ صفت باندھ کر کھڑے ہوں گے۔ اور اگر ان کا اس طرح لحاظ کیا جائے کہ زمینی چراغ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں تو اس کی مثال سوائے آگ کے اور کچھ نہ ہوگی۔ اور یہ سوائے کوہ طور کے ظاہر نہ ہوگی۔

وہ آسمانی انوار جن سے زمین چراغ روشنی حاصل کرتے ہیں۔ اگر تو ان کی ترتیب یہ ہو کہ بعض سے بعض انوار حاصل کرتے ہیں۔ تو منبع اول کے جو زیادہ قریب ہوگا وہی نور کی تعریف کا زیادہ حقدار ہوگا۔ کیونکہ اس کا اعلیٰ مرتبہ ہے ملکوت میں ایسے عجائبات ہیں کہ ظاہری جہان ان کے سامنے حقیر ہے۔ اور جس شخص نے جہد و عبادت کے ساتھ ملکوتی جہان کا تصور نہ کیا ہو اور ذہنی اعتبار سے موجودہ جہان کی پستیوں میں مبتلا ہے۔ تو وہ ایک حیوان ہے بلکہ حیوانات سے بھی بدتر۔ اس لئے کہ حیوانات کے پاس اس ملکوتی جہاں کی طرف رجوع کرنے کی خاصیت ہی نہیں اس لئے ایسے غافل انسانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُوَ اَضَلّ

یہ چوپائیوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔

یہ بات ہر وقت ذہن نشین رہنی چاہیے۔ کہ عالم ظاہری ملکوتی عالم کے مقابلے میں اس طرح ہے جیسے کہ مغز کے مقابلے میں چھلکا یا روح کے مقابلے میں صورت و شکل۔ نور کے مقابلے میں تاریکی۔ یا اونچائی کے مقابلے میں نیچا پن۔ اسی لئے اس عالم ملکوتی کو عالم روحانی، عالم نورانی اور عالم علوی بھی کہتے ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں سفلی عالم کو عالم جسمانی اور عالم ظلمت بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ تصور نہ کیا جائے کہ اعلیٰ جہان سے ہماری مراد آسمان ہیں۔ کیونکہ وہ صرف شہادت و حس کے مقابلے میں بلند ہیں اور ان کو دریافت کرنے میں تو حیوانات بھی شریک ہیں۔ کیونکہ حیوانات بھی آسمانوں کو دیکھتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے بندے کا یہ حال ہے کہ اس کے لئے ملکوت کے دروازے اس وقت کھولے جاتے ہیں اور وہ اسی وقت ملکوتی بنتا ہے۔ جب کہ اس کے حق میں اس زمین کے بدلے

Marfat.com

اور زمین اور اس آسمان کے بدلے اور آسمان ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ جو چیز اس کے نیچے ہے وہ زمین ہے' اور جو اس سے بلند ہے وہ اسمان ہے۔ بلکہ جو چیز جس سے بالاتر ہو وہ اس کا آسمان ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے قرب کی تلاش میں اس راستے پر گامزن ہوتا ہے۔ تو اس کی یہ پہلی معراج ہوتی ہے۔ انسان تو پستیوں میں گھرا ہوا ہے۔ اور اس سے عالم اعلیٰ کی جانب ترقی کرتا ہے۔ لیکن فرشتے عالم ملکوت میں داخل ہیں۔ کیونکہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے ہے۔ ان میں سے بعض عالم ظلمات کی طرف بھی جھانکتے ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو ظلمت میں پیدا فرمایا اور پھر اس پر اپنا نور ڈالا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں۔ جو لوگوں کے اعمال سے زیادہ واقف ہیں۔ انبیا کرام کی عالم ملکوت تک معراج ہوتی ہے وہ تو اعلیٰ درجہ پر فیض یاب ہوتے ہیں۔ اور عالم غیب سے آگاہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو بھی عالم ملکوت میں ہوگا۔ اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ یعنی اس کے پاس سے عالم شہادت میں موجودات کے اسباب نازل کئے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ عالم شہادت کے آثار دنیا میں ہیں۔ اس ترتیب کی مثال اس طرح ہے۔ کہ چاند کی روشنی کو کسی گھر کے سوراخ میں سے ایسے آئینہ پر آتے ہوئے دیکھے جو ایسی دیوار پر رکھا ہے۔ جس کی روشنی دوسری دیوار پر پڑتی ہو جو اس آئینہ کے مدمقابل ہو پھر وہ روشنی اس دیوار سے ٹکرا کر زمین پر پڑے گی تو زمین روشن ہو جائے گی یوں اس زمین پر جو نور ہے۔ وہ دیوار کے نور کے تابع اور چاند کا نور سورج کے نور کے تابع ہے۔ کیونکہ چاند سورج سے یہ نور حاصل کرتا ہے۔ اور یہ چاروں نور ترتیب وار ہیں۔ بعض ایک دوسرے سے اعلیٰ ہیں۔ اور ہر ایک کے لئے علیحدہ مقام و درجہ ہے۔

یہ بھی جان لینا چاہئے کہ دل کی آنکھ رکھنے والوں کو معلوم ہے کہ انوار ملکوت اسی ترتیب پر پائے جاتے ہیں اور قرب خاص ہی نور اعلیٰ کے زیادہ قریب ہے۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ کسی فرشتے کا مقام حضرت جبرائیلؑ سے بڑھ کر ہو اور ان فرشتوں میں کوئی اتنا قریب ہو کہ جس کا مقام بلحاظ قرب مقام ربوبیت یعنی منبع انوار سے زیادہ قریب ہو۔ فرشتوں میں بھی چھوٹے بڑے بے شمار درجات ہیں۔ ان کے بارے میں تو ہم صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ وہ بہت زیادہ ہیں۔ اور اپنی صفوں کے بارے میں خود فرشتوں کی زبانی سنئے!

وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ

(ترجمہ) اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں۔ جس کا مقام متعین نہ ہو۔ اور ہم ہی صفیں بندھے ہوئے ہیں۔ اور ہم تسبیح کرنے والے ہیں۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ انوار کے لئے بھی ترتیب ہے۔ تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سلسلہ غیر متناہی نہیں۔ بلکہ وہ پہلے منبع تک ہے۔ جو اپنی ذات کے لئے ہے۔ اور اپنی ذات سے قائم ہے۔ اس کا

نور کسی غیر کی جانب سے نہیں آتا۔ بلکہ ذاتِ حق سے تمام انوار سب کو عطا ہوتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہو گیا ہے کہ اس ذات کو نور کہنا ہی درست ہے۔ جو اپنی ذات میں بھی روشن ہے۔ اور سب کو روشن بھی کرتا ہے۔ اور یہ بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ نور اعلیٰ کو نور کہنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس کے اوپر کوئی نور نہیں۔ بلکہ اس کی طرف سے اوروں کو نور عطا ہوتا ہے۔

فی الحقیقت نور

یہاں یہ بات بہت اعتماد و وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ نور کا لفظ نور اعلیٰ کو چھوڑ کر اوروں کے لئے بولنا مجازاً ہے کیونکہ جب نور اول کو چھوڑ کر دوسروں کا لحاظ کیا جائے گا تو وہ اپنی ذات کے حوالے سے بے نور ہیں کیونکہ ان کا نور مانگا ہوا ہوگا اور ادھار لی ہوئی نورانیت کا ذاتی طور پر کوئی وجود نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے نور کے لئے غیر کا محتاج ہوتا ہے۔ ادھار لینے والے کی ادھار دینے والے سے نسبت مجازی ہوتی ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے کپڑے، گھوڑا اور زین وغیرہ عارضی طور پر مانگے اور اسی وقت سوار ہو کہ جب حقیقی مالک سوار ہوتا تھا۔ تو کیا ان عادات کی وجہ سے وہ حقیقی طور پر مالک ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اصل میں عارضی طور پر دینے والا ہی مالک ہوگا اور جس نے مانگ رکھا ہے۔ یہ اب بھی اسی طرح فقیر ہی ہوگا کہ جیسے پہلے تھا۔

جس سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ دراصل نور تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ کہ جس کے ہاتھ میں پیدائش ہے اور جو حکم کرنے پر غالب ہے اور وہی نور اول ہے۔ اور اس اسم کی حقیقت اور اس کے استحقاق میں کوئی دوسرا قطعی طور پر شریک نہیں ہے۔ اور اسے تمام کائنات پر ایسی فضیلت حاصل ہے۔ جیسے مالک کو اپنے غلام پر ہوتی ہے مثال کے طور پر کیوں نہ مالک غلام کو مال دے کر اس کا نام مالک رکھ دے۔ مگر جب غلام کو اصل حقیقت معلوم ہو جائے گی تو وہ یقیناً سمجھ لے گا کہ اس کا یہ مال صرف مالک کی ملکیت ہے۔ اور اس میں قطعی طور پر کوئی دوسرا شریک نہیں۔

اگر یہ بات سمجھ چکے ہیں کہ نور ہی ہر ایک کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ بھی سمجھ لو کہ مٹ جانے کی ظلمت سے بڑھ کر کوئی ظلمت نہیں۔ کیونکہ اندھیرا کرنے والے کو اس لیے باعث ظلمت کہا جاتا ہے۔ کہ وہ دو آنکھوں کے لئے ظاہر نہیں ہے حالانکہ وہ ذاتی طور پر موجود ہے لیکن جو چیز نہ تو اپنے لئے موجود ہو اور نہ غیر کے لئے وہ انتہائی ظلمت ہے اور اس کے بالمقابل جو وجود ہے وہی نور ہے۔ جو چیز اپنی ذات میں ظاہر نہ ہوگی وہ دوسرے کے لئے بھی ظاہر نہیں ہوگی۔ اور وجود کی بھی دو قسمیں ہیں۔

1- وجود ذاتی۔

2- غیر کی طرف سے آیا ہوا وجود۔

جس کا وجود غیر سے آیا ہوا ہے۔ وہ مانگا ہوا وجود ہے اور اسے اپنی ذات میں کوئی خصوصی

اہمیت حاصل نہیں۔ بلکہ جب اس کی ذات پر اس کی ذات کی حیثیت سے غور کیا جائے گا تو وہ محض نہ ہونے کے برابر ہوگا۔ کیونکہ اس کا وجود کسی اور کا عطا کردہ ہے حقیقی نہیں۔ معلوم ہوا کہ حقیقتاً وجود اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ حقیقی نور بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اس پہچان کی وجہ سے اہل حق حقیقت کی بلندیوں تک پہنچے ہیں۔ اور انہوں نے باطنی طور پر جان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی حقیقی طور پر قائم نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے یعنی یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کس وقت فنا ہوگی بلکہ صرف یہ طے ہے کہ ہلاک ہونے والی ہے۔ اور اُس کا وقت خاتمہ صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اس بے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے سوا ہے۔ جب اس کا ذاتی حیثیت سے خیال کیا جائے گا تو وہ نہ ہونے کے برابر ہوگی۔ اور جب تخلیق پانے والے وجود کا ملاحظہ اس اعتبار سے کیا جائے گا اُسے پہلے قدیم حقیقی وجود نے ہی وجود عطا فرمایا ہے تو ظاہر ہونے والا وجود بیشک موجود نظر آئے گا لیکن ذاتی طور پر نہیں۔ بلکہ وہ اپنے موجود کرنے والے سے ملا ہوا ہے اس بنیاد پر تو موجود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی۔

ہر چیز میں دو قسم کی نسبتیں ہوتی ہیں۔ ایک نسبت اس کی ذات کی جانب ہوتی ہے اور دوسری اُس کے پروردگار کی جانب اپنی ذات کے اعتبار سے تو وہ موجود نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ کی نسبت سے موجود ہے۔ جس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ و افضل ذات کے سوا کوئی موجود نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ اور باقی مخلوق کی دنیا میں ہلاکت یقینی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مشغول نیک افراد قیام قیامت کے محتاج نہیں کہ یہ آواز سنیں لمن الملک الیوم کہ آج کون بادشاہ ہے اور یہ کس کا ملک ہے۔ یہ آواز اللہ سے ڈرنے والوں سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتی۔ اور اللہ اکبر سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ ہر چیز کو اس سے وجود حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی عظمت و بلندی کا کوئی بھی اندازہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہر شناخت کی ہوئی چیز عارف کے اندازہ میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے جلال و کبریائی کی کوئی حد بندی نہیں کر سکتا۔

حقیقت کا اندازہ کرنے کے بعد عارفان اس نکتہ پر پہنچے ہیں کہ انہوں نے وجود میں سوائے ایک ذات کے کسی کو نہیں دیکھا۔ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں۔ کہ ان کی یہ حالت عرفانِ حق سے اور علمی ہے۔ بعض ذوق اور حال کے سبب اس فیصلہ پر پہنچتے ہیں وہ کثرت کو فراموش کر دیتے ہیں اور محض احدیت میں غرق ہو جاتے ہیں ان کی عقلیں ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔ اور وہ ہکا بکا رہ جاتے ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو چھوڑ کر کسی اور ذکر کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ اپنے آپ کو بھی بھلا دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی باقی نہیں رہتا۔ ان پر اس احساس اور جذب و مستی کا اتنا نشہ چھا جاتا ہے کہ عقل و شعور جواب دے جاتے ہیں۔ جیسے کہ ایک عاشق نے غلبہ عشق میں کہہ دیا۔

انا من اھوی ومن اھوی انا

(ترجمہ) یعنی میں وہ ہوں جسے چاہتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں میں وہ ہوں۔ یہ بھی کچھ عجیب نہیں۔ کہ انسان آئینہ میں اپنی صورت کو اچانک دیکھے تو اسے اپنی صورت نظر آئے۔ اور اس نے اگر آئینہ کبھی نہ دیکھا ہو۔ اور وہ یہ خیال کرے کہ جو صورت اس نے آئینے میں دیکھی ہے وہ آئینہ ہی کی صورت ہے جب یہ حالت غالب ہو جائے تو اصل حال کی نسبت فنا کہلاتی ہے بلکہ فنا الفناء ہے کیونکہ وہ اپنے نفس کے فنا ہونے سے بھی پہلے فنا ہو چکا ہے۔ وہ اس حالت میں خود سے بھی واقف نہیں رہتا اور نہ ہی اسے یہ علم ہے کہ میں خود سے واقف نہیں۔ اگر اسے اپنے نفس کے بے شعور ہونے کا علم ہوتا تو وہ کم از کم خود کو پہچانتا اور اس حالت کو جس میں وہ غرق ہو چکا ہے۔ مجازی اصطلاح میں اسے اتحاد اور حقیقت کی اصطلاح میں توحید کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نور کی زمین و آسمان سے نسبت دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ذاتی طور پر آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس بات کا پوشیدہ رہنا بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ جب طے ہو گیا کہ وہ سب کے لیے مجموعہ انوار ہے۔ تو وہی نور کلی ہے۔ کیونکہ نور اسے کہا جاتا ہے کہ جس سے چیزیں ظاہر ہوں۔ اور اعلیٰ درجہ کا نور اسے کہتے ہیں کہ جس کے سبب اور جس کے لئے اور جس سے ظہور ہو۔ اور حقیقی نور اسے کہتے ہیں کہ اسی کے سبب اور اسی کے لئے ہو اور اسی سے انکشاف ہو۔ اس سے بڑھ کر کوئی نور نہیں۔ جس سے سب کا نور نکلتا ہو۔ یہ نور اس کے لئے اپنی ذات سے فی ذات ہے اور اپنی ذات کے نور کے لئے کسی دوسرے کا مرہون منت نہیں۔

جب یہ بات ہمیں معلوم ہو گئی کہ نور اول کے سوا یہ امر کسی کے لئے نہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا ان صفات کا حامل ہو سکتا ہے۔ زمین و آسمان دونوں قسم کے نور سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور دونوں نور جو دیکھنے اور عقل کی جانب نسبت کئے جاتے ہیں۔ دیکھنے والا نور تو وہ ہے جس کا ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ یعنی سورج' چاند' ستارے اور جیسے ہم زمین میں دیکھتے ہیں یعنی شعائیں جو کہ پوری زمین پر پھیلی ہوئی ہیں اگر وہ نہ ہوتیں تو رنگوں کا وجود ہی نہ ہوتا۔ پھر جس کے لئے جو مقداریں اور صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ تو ان سے رنگت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ اس کے ادراک کا تصور انہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

جہاں تک انوار عقلیہ اور معنویہ کا تعلق ہے تو ان سے تمام عالم اعلیٰ دمک رہا ہے۔ اور وہ جواہر ملائکہ یعنی فرشتے ہیں اور یہ تاریک عالم (زمین) بھی بھرا بھرا ہے۔ اس کا مظہر انسان اور جنگلی زندگی ہے۔ انسان سفلی کے نور سے اس سفلی عالم کا نظام ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرشتوں کے نور سے عالم اعلیٰ کا نظام ظاہر ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات عالیہ کا مفہوم یہی ہے۔

وھو الذی انشاء کم من الارض واستعمر کم فیھا.

Marfat.com

اور وہ ذات ہے۔ جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں زمین میں آباد کیا۔ اور فرمایا۔

يَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ

وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت دے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ

اور تمہیں زمین میں خلافت عطا کرتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً

میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔

جب یہ معلوم ہوا تو یہ امر بھی سمجھ میں آ گیا ہے۔ کہ تمام جہان انوار ظاہریہ اور بصریہ اور باطنیہ، عقلیہ سے معمور ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ زمین والے ایک دوسرے سے فیضان حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ انہی کے اجزاء ہیں۔ جس طرح کہ چراغ سے نور کا فیض حاصل ہوتا ہے۔ جملہ زمین کی مخلوقات نور نبوی اور ارواح نبویہ وقدسیہ اور ارواح علویہ سے اسی طرح نور حاصل کرتی ہیں۔ پھر علویات (ملائکہ) بھی ایک دوسرے سے نور حاصل کرتے ہیں۔ پھر یہ سب نور الانوار اور اصل معدن ومنبع سے نور حاصل کرتے ہیں۔ اور یہی اصل وحقیقی نور سرچشمہ طاقت وسرچشمہ حیات وحدہ لاشریک ہے صرف اسی کا نور حقیقی ہے اور باقی تمام انوارات اس کے عطا کردہ ہیں۔ اور ان کا اصل مالک وہی ہے وہ ان انوارات کو جسے چاہے عطا کرے اور جس سے چاہے واپس لے لے۔ اسی کے نور سے یہ سب انوار نکلتے ہیں۔ اس لئے وہی (خالق) کل ہے۔ وہی حقیقی ہے اور دوسرے کے لئے مجاز کے سوا کچھ نہیں۔ صرف اس کا نور اصل نور ہے۔ اور بقیہ تمام انوار اسی کے باعث قائم ہیں۔ کہ وہ اس سے متصل ہیں اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے سوا حقیقی طور پر کوئی دوسری ذات موجود نہیں۔ اب ہر آدمی اور ہر مخلوق کے متوجہ ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات کافی ہے اور جدھر بھی منہ کرلو۔ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

اور جدھر بھی منہ کرلو۔ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور معبود کی تعریف ہی یہ ہے کہ عبادت کے تمام راستے اسی کی طرف جاتے ہوں۔ اور اس کے تابع ہوں۔ اور چہرہ سے مراد دلوں کے چہرے ہیں۔ کیونکہ وہ انوار و ارواح ہیں۔ ذات اقدس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے علاوہ حقیقی طور پر کوئی دوسرا موجود بھی نہیں کیونکہ وہ اسے کہتے ہیں کہ جس کی طرف اشارہ کیا جائے اور اس کے سوا کسی کی جانب اشارہ نہیں بلکہ

Marfat.com

جب بھی تو اشارہ کرے گا تو حقیقی طور پر اسی کی طرف اشارہ ہوگا اگر چہ تو ان مذکورہ اشیاء کے حقائق کو حقیقت سے غفلت کے باعث نہیں پہچانتا۔ جیسے سورج کے نور کی طرف اشارہ نہیں ہوتا بلکہ سورج کی طرف ہوتا ہے۔ جتنی چیزیں موجود ہیں۔ ان کی اس کی طرف نسبت ظاہری کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کہ نور کی سورج کی طرف۔ لا الٰہ الا اللہ عوام کی توحید ہے اور اِلّا ھُوخواص کی توحید ہے۔ کیونکہ وہ عمومی توحید کا اثبات کرنے والا عام آدمی ہے اور خصوصی طور پر توحید کا اثبات کرنے والا خاص آدمی ہے۔

فردانیت کی مملکت کے سات طبقات ہیں۔ اس کے بعد عقل عرش وحدانیت پر مستوی ہوتی ہے اور وہاں سے حکم کی تدبیر آسمانوں کے تمام طبقات تک کرتی ہے۔ اور اکثر دیکھنے والا یہ کہہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ لیکن اس عبارت پر غور کے بعد وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ تو تاویل ہے۔ جیسے کہ حدیث کے اقوال میں ''کہ میں بیمار ہوا مگر تو نے میری عیادت نہ کی۔'' اور پھر حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ میں اس کے کان آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں''۔ یہ تاویلات ہیں۔

مثلاً اگر ہم اللہ تعالیٰ کے آسمانوں اور زمین کا نور ہونے کے معانی ظاہری طور پر لیں۔ یعنی آنکھوں والا نور۔ مثلاً جب فصل ربیع کی سبزی اور رنگوں کو دن میں دیکھتے ہیں۔ تو بعض اوقات یہ وہم ہونے لگتا ہے کہ ہم رنگوں کے سوا کچھ نہیں دیکھتے۔ ایک گمراہ طبقہ نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ نور کے کوئی معنی نہیں۔ اور یہ رنگوں کے ساتھ رنگوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اُنہیں واضح طور پر جواب دے رہا ہوں کہ نور ایک ایسی روشن حقیقت ہے کہ تمام اشیاء میں جو سب سے زیادہ ظاہر ہے وہ نور ہے اور یہ اس طرح ظاہر کیوں نہ ہو کہ جب تمام اشیاء اُسی کے باعث نظر آتی ہیں۔ وہ اپنی ذات کو بھی دیکھتا ہے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی دیکھتا ہے لیکن سورج کے غروب ہونے کے بعد چراغ کے بجھ جانے کے بعد اور سایہ ڈھل جانے کے وقت وہ محل سایہ اور روشنی کے درمیان جب فرق محسوس کرتے ہیں۔ تو مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ نور ایک ایسی چیز ہے کہ جو رنگوں سے ہٹ کر ہے اور رنگوں کے ذریعہ اس کا ادراک ہوتا ہے حتیٰ کہ ان سے زیادتی اتحاد کے باعث محسوس نہیں ہوتا اور ہر ایک سے بڑھ کر ظاہر ہونے کی وجہ سے چھپا ہوا ہوتا ہے کیونکہ کبھی شدت بھی پوشیدگی کا باعث ہوتی ہے۔ جب کوئی شے حد سے بڑھ جاتی ہے تو اپنی ضد پر لوٹ آتی ہے۔

جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو پھر یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اہل عقل نے جس چیز کو بھی دیکھا ہے تو معنوی طور پر اس کے ساتھ ذات حق کو دیکھا ہے۔ (یعنی ہر مقام پر اس کی قدرت اور غلبہ نظر آیا) اور بعض اس سے بڑھ جاتے ہیں۔ کہ ہم نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر صرف اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ یعنی خالق کا تصور ان کے ذہن میں اولین طور پر ابھرا۔ بعض پہلے اشیاء کو دیکھتے ہیں اور اس کے بعد خالق کا

Marfat.com

تصور کرتے ہیں پہلے تخیل کی جانب یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔

اولم یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدًا

کیا تیرا رب ہر چیز پر گواہی کے لئے کافی نہیں۔

اور دوسرے تصور کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔

سنریھم اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ

عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق اور ان کی جانوں میں دکھادیں گے۔

پہلا شخص صاحب مشاہدہ اور دوسرا اس کے ساتھ صاحب استدلال ہے۔ پہلا درجہ صدیقین کا ہے۔ دوسرا علماء حق کا اور ان دونوں کے بعد سوائے غافلین کے اور کوئی درجہ نہیں۔ جس طرح ہر چیز آنکھوں کے لئے نور ظاہری سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس طرح عقل باطنی کے لئے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی جانب سے ظاہر ہوتی ہے۔ پس وہ ہر چیز کے ساتھ ہے اس سے جدا نہیں اور اسی سے ہر ایک چیز ظاہر ہوتی ہے۔ اور نور حقیقی کا غروب محال ہے۔ اور وہ تمام اشیاء کے ساتھ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

اللہ ہر ایک چیز کے ساتھ ہے۔ جیسے کہ اشیاء کے ساتھ نور ہے۔ بلاشبہ وہ ہر جگہ ہے لیکن وہ اس چیز سے پاک ہے کہ کسی مکان کی طرف اس کی نسبت کی جائے۔ ہم جو کہتے ہیں کہ وہ ہر شے کے ساتھ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر کرنے والا ظاہر شدہ سے پہلے موجود ہوتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ہوتا ہے اور جس شخص کا سینہ اس کی معرفت کے لئے کھلا نہ ہو اسے اس تلاش کی راہ چھوڑ دینی چاہئے۔

مشکوٰۃ ومصباح اور زجاجہ کا مفہوم

ان کے بیاں سے قبل دو مراتب پر بات ہوگی۔

قطب اول

ہم ذکر کرتے ہیں کہ اس مثال میں کیا ہے اور معانی کو مثال کے طور پر بیان کرنے کی وجہ کیا ہے؟ اور عالم شہادت کہ جس سے مثالیں پیش کی جاتی ہیں اور عالم ملکوت کی آپس میں نسبت کیا ہے اور اس موازنہ کی کیا حقیقت ہے۔

قطب دوم

اس میں ارواح بشریہ اور اس کے انوار کے طبقات کا بیان ہے کہ یہ مثال کس کے بیان کے لئے دی گئی ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ مثل نورہ فی قلب المومن کمشکوٰۃ فیھا یعنی مومن کی دل میں اس کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے کہ اس کے دل میں چراغ روشن ہو۔

Marfat.com

قطب اول، تمثیل اور طرز تمثیل

جہان کی دو اقسام ہیں۔ روحانی اور جسمانی، جسے حسی اور عقلی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ تمام الفاظ معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب ہیں محض عبارات مختلف ہیں اگر ان کا بحیثیت ذات اعتبار کیا جائے تو یہ جسمانی و روحانی ہیں۔ اور اگر آنکھ کے اعتبار سے ان کا لحاظ کیا جائے کیونکہ وہ انہیں دیکھتی ہے۔ تو یہ بصری و حسی ہیں۔ اور اگر ان کو عقلی اعتبار سے ملاحظہ کیا جائے کیونکہ وہ انہیں دیکھتی ہے تو یہ عقلی و حسی ہیں۔ اور اگر ان کو ایک دوسرے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ علوی و سفلی ہیں۔ بعض اوقات ایک کو عالم الملک والشہادۃ اور دوسرے کو عالم الغیب الملکوت بھی کہتے ہیں۔ جو شخص الفاظ کی حقیقت پر غور کرتا ہے۔ تو وہ ان کی کثرت سے حیران ہوتا ہے۔ اور جس شخص پر حقائق ظاہر ہو جاتے ہیں۔ وہ معانی کو اصل اور الفاظ کو ان کے تابع سمجھتا ہے۔ لیکن کمزور شخص کا حال اُلٹ ہوتا ہے۔ اور وہ حقائق کو الفاظ کے ذریعے تلاش کرتا ہے۔ اور ان دونوں طبقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرما رہا ہے۔

افمن یمشی مکبًا علٰی وجھہ اھدیٰٓ اَمَن یَّمشِی سَوِیًّا علٰی صِرَاطٍ مُّستَقِیمٍ

کیا وہ شخص جو اوندھے منہ گرا ہوا ہو وہ زیادہ ہدایت پر ہو سکتا ہے یا وہ شخص جو سیدھی راہ پر چل رہا ہو۔

جب ہر دو جہان کے معنی ظاہر ہو گئے تو یہ بھی جان لینا چاہئے کہ عالم ملکوتی وعلوی کو عالم غیب کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ اکثر لوگوں کی نظروں سے غائب ہوتا ہے۔ اور عالم حس کو عالم شہادت و ظہور کہتے ہیں۔ عالم حس عقل کی سیڑھی ہے اور اگر ان کی آپس میں نسبت نہ ہوتی تو اس کی طرف ترقی کی راہ ختم ہو کر رہ جاتی۔ اور اگر یہ مشکل امر ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا قرب مشکل ہوتا بلکہ ناممکن ہوتا۔ جب تک عالم قدس کے بڑے بڑے میدان طے نہ کر لئے جاتے۔ عالم ادراک اور حس وخیال سے بلند عالم قدس کہلاتا ہے اور جب اس مجموعے کو دیکھتے ہیں یعنی وہ عالم جس سے کوئی چیز باہر نہ نکلے اور نہ اس میں کوئی ایسی چیز داخل ہو جو اس سے اجنبی ہو تو اسے خطیر القدس یا بہشت بھی کہتے ہیں۔ اور بعض اوقات ہم ایسے مقام کو جو ان روشنیوں کی گزرگاہ ہو وادی مقدس بھی کہتے ہیں پھر ان میں بہت سے بہشت ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض معانی ہی قدس میں داخل ہیں لیکن خطیرہ کا لفظ تمام طبقات کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

تو جب یہ عالم شہود (یعنی عقلی وحسی عالم) عام ملکوت (یعنی نورانی عالم) کی سیڑھی ہے۔ تو اس کا مقصد صراط مستقیم پر چلنا ہے۔ اسی کو دین اور ہدایت کی منزلیں بھی کہتے ہیں۔ اگر ان دونوں میں کوئی مناسبت نہ ہوتی تو ایک سے دوسرے کی جانب ترقی کرنا متصور بھی نہ ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رحمت خاص سے جہان شہود کو جہان ملکوت کے مقابل بنایا ہے۔ اس اعتبار سے اس جہان میں کوئی چیز ایسی

Marfat.com

نہیں۔ جو اُس جہانِ ملکوت کی کسی شے کی مثال نہ ہو اور بعض اوقات جہانِ ملکوت کی ایک چیز کے لئے ہمارے مشاہدے کے جہان میں بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اور مثال میں مطابقت اور مشابہت کا ہونا شرط ہے۔ ان مثالوں کا شمار انسانی طاقت سے باہر ہے اور بشری قوت اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ اور انسان کی عمر تو بہت ہی کم ہے۔ جہانِ ملکوت جو جواہر نورانیہ ہیں۔ انہیں فرشتے کہتے ہیں۔ اور ان سے ہی انسان پر انوار گرتے ہیں۔ نورانیت میں ان کے مختلف مراتب ہیں۔ اور ظاہری جہان میں جیسے کہ ان کی مثال چاند، سورج اور ستارے ہیں۔ اور اس راستے پر چلنے والا ستاروں کے درجات تک ترقی کرتا ہے۔ تو اس پر نور کی چمک ظاہر ہوتی ہے پھر اس کے بعد وہ چاند کا مرتبہ معلوم کرتا ہے پھر سورج کو دیکھتا ہے اور آخر میں وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ نورِ حقیقی واز لی اور چیز ہے۔

معانی وتشریح

اگر دیکھنے والی روح کی خاصیت کی جانب دیکھا جائے تو اس کے انوار کو چند سوراخوں سے خارج ہونا پائیں گے۔ جیسے کہ دو آنکھیں، دو نتھنے وغیرہ اور عالَمِ مثال میں اس کی زیادہ مثال مِشکوٰۃ ہے۔ روحِ خیال کے تین خواص ہیں۔

1- یہ کہ وہ عالَمِ کشف سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ خیالی چیز کے لئے مقدار، صورت اور مخصوص جہت ہوتی ہے۔ اور خیال کرنے والے سے قریب یا دور ہوتی ہے اور کشف احساس کے اوصاف میں سے ہے۔

2- خیالی کشف جب شفاف اور مہذب و مضبوط ہو تو وہ عقل کے قائم کردہ اُن معنوں کے زیادہ قریب ہوتا ہے جو ان کے مقابل اور اس کے نور کے چمکنے میں حائل نہیں۔

3- خیالی ابتدائی طور پر اس کا محتاج ہوتا ہے کہ اس کے لئے عقلی شناخت محفوظ ہو سکے۔ اس لئے پریشان نہیں ہونا چاہے کہ کہیں وہ حافظہ سے نکل نہ جائے۔

عام شہادت میں یہ تینوں خواص انوار دیکھنے والوں کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور یہ ذجاجہ (شیشہ) کے سوا کہیں نظر نہیں آئیں گے۔ اس لئے کہ اگر چہ زجاجہ بذاتِ خود تو کثیف ہے لیکن شفاف ہے۔ حتیٰ کہ چراغ کے نور کو بھی نہیں چھپاتا۔ بلکہ اسے بالکل اصل حالت میں باہر پہنچا دیتا ہے۔ اسے تیز ہواؤں اور سخت حرکات سے محفوظ اور امن میں رکھتا ہے۔

تیسری وہ روح عقلیہ ہے جس میں معانی شریفہ کا ادراک ہوتا ہے۔ یہ انبیاء کے روشن چراغ ہونے کے بارے میں مذکور ہو چکی ہے۔

چوتھی روح فکری ہے۔ اسکی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک جڑ سے شروع ہو کر دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ پھر ہر شاخ سے مزید دو شاخیں نکلتی ہیں۔ اور بہت سے شعبے اس عقلی تقسیم سے بن جاتے ہیں۔

یہاں تک کہ آخر میں ظاہری نتائج تک پہنچ جاتے ہیں۔اور پھر ہم جنسوں کے لئے درمیانی فیض رسانی کا کام دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اثر پذیر ہوں۔اس جہاں میں اس کی مثال شجرہ ہے۔ جب اس کے فوائد اور برکات زیادہ اور مستقل و باقی ہونے کے لئے مادہ ہیں۔تو یہی بہتر ہے کہ زیتون کے سوا مثال کے طور پر دوسرے پھل ناشپاتی' انار اور سیب پیش نہ کئے جائیں۔ کیونکہ اس کے پھل کا مغز زیت ہے کہ جو چراغ کا مادہ ہے اور تمام تیلوں میں چمک کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے اور پھر اس درخت پر پھل بھی کثرت سے آتا ہے۔اس لئے اس کو مبارک درخت کہتے ہیں۔ وہ درخت کہ جس کے پھل میں کوئی کمی نہ ہو اسے بھی مبارک درخت کہتے ہیں۔اور چونکہ عقلی ادراک کے شعبے سمتوں اور نزدیکی اور دوری سے بلند ہیں۔تو وہ اس بات کو زیادہ لائق ہیں کہ نہ وہ شرقی ہوں اور نہ غربی ہوں اور یہ انورات کی مثالیں بیان کی گئی ہیں تاکہ نورِ ایمان حاصل ہو اور بندے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط محبت کا تعلق پیدا کریں اور اُسی کی ذات کو ہر خیر و بھلائی کا مرکز سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ کا دروازہ نہ چھوڑو

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ہمیشہ دور رہو۔اس کے دروازے کی چوکھٹ کو مضبوطی سے تھام لو۔ اور آپس کی تمام تر طاقتوں کو اس کو اس کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگاتے ہوئے ہمیشہ نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ اپنی حاجتوں کے ساتھ اس سے معافی مانگتے رہو۔ نہ تو کبھی مخلوق پر نظر ڈالو نہ ہی اپنی خواہشات کو ہی مخلوق کے تابع کردو نہ ہی دین و دنیا میں کسی معاوضہ کے طلب گار بنو اور نہ ہی کسی بلند مقام کی تمنا کرتے ہوئے تمام خواہشات کو ختم کرو۔ کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے غلام ہو۔ اور غلام کی پوری ملکیت آقا کے لئے ہوتی ہے۔اس وجہ سے غلام کو اپنی ملکیت پر کسی قسم کا حق حاصل نہیں ہوتا اور ادب کو سامنے رکھ کر اپنے آقا کے بارے میں کچھ مت کہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز ایک اندازہ کے مطابق ہوتی ہے۔ جسے وہ اولیت دے اسے کوئی آخر نہیں کر سکتا اور جسے آخر کردے اسے کوئی اولیت نہیں دے سکتا۔اس نے جو چیز تمھارے لئے مقدر کردی ہے وہ اپنے مقررہ وقت پر تمہیں ضرور حاصل ہو کر رہے گی خواہ چاہو یا نہ چاہو۔ جو چیز دوسروں کے لئے مقدر کردی گئی ہے اس پر افسوس کا اظہار نہ کیا کرو یاد رکھو کہ جس چیز کا تمھارے پاس وجود نہیں ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ تمہارے مقدر کی ہوگی یا دوسرے کے مقدر کی۔اگر تو وہ تمہارے مقدر کی ہے تو تمہیں ضرور ملے گی اور تم تک پہنچ کر رہے گی لیکن جو چیز تمہارے لئے نہیں ہے۔اور اسے تم سے یا تمہیں اس سے روک دیا گیا ہے تو اس صورت میں بھلا وہ کس طرح میسر آ سکتی ہے۔لہٰذا جس چیز کی تم خواہش رکھتے ہو تو اس کے حاصل کرنے کے لئے مانگنے کے آداب ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے۔اور اپنی حالت پر قائم رہتے ہوئے اللہ

تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف رہنا چاہئے۔ اپنے سر کو نہ تو بلند کرو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کی جانب متوجہ ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے۔ "اے نبی ان چیزوں پر بھی نظر ڈالو جو ہم نے کفار کو دنیاوی آسائش کے لئے عطا کی ہیں۔ تاکہ انہیں فتنے میں مبتلا کر کے ان کی آزمائش کریں، اور آپ (ﷺ) کے رب کا رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے" اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی جملہ اہل ایمان کو کسی دوسرے کی جانب رخ کرنے سے منع فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ تمہارا رزق بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے۔ جو تمہیں اپنے فضل سے اپنے خزانوں سے عطا فرماتا رہے گا۔ اور تمہیں آگاہ کیا جاتا ہے کہ یہ دنیاوی مال و دولت و اقتدار و مرتبے و عہدے ایک فساد ہیں۔ جن کے ذریعہ تمہاری آزمائش کی جاتی ہے۔ لہٰذا تمہارے لئے اس کی تقسیم پر راضی رہنا بہتر ہے۔ اور باعث خیر و برکت ہے لہٰذا چاہئے کہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنی واپسی کا مرکز، ظاہر و باطن کی علامت اور اپنی خواہش و مراد کا مقصد بنالو۔ اور اسی راستے سے اپنا مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح تم اپنی منزل پر پہنچ سکتے ہو۔ اور اسی کی وجہ سے تمہیں ہر قسم کی خیر و برکت، نعمت و تازگی اور عزت کی جانب ترقی دے کر پہنچا دیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کسی ہستی کو یہ علم نہیں کہ اس کے عمل کی جزا دینے کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک سے کس شے کو مخفی رکھا گیا ہے۔ لہٰذا خواہشات کی پوجا اور گناہوں کو چھوڑ دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ کوئی عمل نہیں" (فتوح الغیب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ)

اللہ تعالیٰ کے لئے محبت و بغض اختیار کرو

جب اپنے دل میں کسی شخص سے بغض یا محبت محسوس کرنے لگو تو اسکے اعمال کا کتاب وسنت کی روشنی میں محاسبہ کرو۔ اگر تو اس کا کردار واقعی قابل نفرت ہے تو اسے چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر خوشی محسوس کرو۔ اگر کتاب وسنت کے مطابق اس کا عمل اچھا ہو لیکن اس کے باوجود آپ اس سے نفرت کریں گے تو یہ عمل ظالمانہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نافرمان کہلائیں گے۔ لہٰذا آپ کو چاہئے کہ اپنے اس فعل سے اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی محبت کے ساتھ ساتھ اس کے نیک بندوں کی محبت اور صالحین کی محبت بھی طلب کریں۔ تاکہ ان کی محبت میں شامل ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے طلبگار بنیں۔ بالکل یہی صورت اس شخص کے سلسلے میں اختیار کریں جو آپ سے محبت کرتا ہے یعنی اس کے اعمال کا اسوہ حسنہ کی روشنی میں محاسبہ کریں۔ اگر تو وہ اس کے مطابق محبوب بندہ ہے تو آپ بھی اس سے محبت کرو۔ اور اگر اس پر غضب ہو رہا ہے تو پھر اس سے آپ بھی بغض اختیار کرو تاکہ آپ کے بغض و محبت میں ذاتی خواہش کا مطلقاً دخل نہ رہ جائے اس لئے کہ آپ کو خواہشات کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "کہ خواہشات کی پیروی نہ کرو ورنہ یہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ کر دیں گی۔" (فتوح الغیب)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی محبت میں کسی کو شریک نہ کرو

اکثر یہ کہتے ہیں کہ ہم جس سے محبت کرتے ہیں تو محبت پائدار نہیں ہوتی۔ اور ہماری محبت کے درمیان ضرور کچھ حائل ہو جاتا ہے۔ یا تو وہ شخص کہیں غائب ہو جاتا ہے یا پھر اسے موت آجاتی ہے۔ یا کسی نہ کسی طرح دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اگر ہم مال سے محبت کرتے ہیں یا تو یہ خرچ ہو جاتا ہے یا ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ لہٰذا اگر تم علم رکھتے ہو تو تمہیں یہ علم ہونا چاہئے کہ "اللہ تعالیٰ غیور ہے۔" جس نے تمہیں صرف اپنے لئے پیدا کیا ہے۔ لیکن تمہاری نظریں تو دوسروں پر پڑتی رہتی ہیں۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ وہ بھی ان کو محبوب رکھتا ہے۔ جو اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ ایک اور فرمان میں یہ بھی ارشاد ہے کہ "ہم نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا فرمایا ہے۔ پھر اگر وہ صبر سے کام لے تو اس کو اللہ تعالیٰ اپنے یہاں محفوظ فرمالیتا ہے"۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ محفوظ کر لینے کا مفہوم کیا ہے؟۔ تو ارشاد فرمایا کہ نہ تو اس بندے کا مال چھوڑتا ہے اور نہ اس کی اولاد کو چھوڑتا ہے۔ کیونکہ جب بندہ مال و دولت کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی محبت کم ہو کر اللہ تعالیٰ کے اور اس کے غیر کے مابین مشترک ہو جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غیور اور ہر چیز پر غالب ہونے کی وجہ سے شرکت غیر کو ہرگز قبول نہیں کر سکتا۔ اور اپنے شریک کو ہلاک و معدوم کر دیتا ہے۔ تاکہ بندے کے دل میں اس کے غیر کی شرکت کو چھوڑ کر صرف خالص اللہ تعالیٰ کی ہی محبت قائم رہے۔ پھر درحقیقت اللہ تعالیٰ کا یہ قول پختہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔ جو اس سے محبت کرتے ہیں حتیٰ کہ جب دل ہر ایک خواہش اور ہر ایک طلب مرتبہ سے خالی ہو جاتا ہے۔ تو پھر دل میں نہ کوئی ارادہ باقی رہتا ہے اور نہ ہی کوئی تمنا۔ اور اس کی مثال سوراخوں والے برتن کی سی ہو جاتی ہے۔ کہ جس میں پانی نہ ٹھہر سکتا ہو۔ اس طرح دل بھی اللہ تعالیٰ کے خیال سے شکستہ ہو جاتا ہے۔ اور جس وقت بھی اس کا ارادہ یا تمنا جنم لیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی غیرت اور اس کا فعل اس کو کچل کر پھینک دیتے ہیں۔ اور دل کے اطراف میں عظمت و جبروت اور ہیبت کے پردے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اور ان کے پیچھے سطوت و کبریائی کی خندقیں کھود دی جاتی ہیں۔ پھر کسی چیز کا ارادہ بھی دل کے نزدیک نہیں پھٹکتا۔ اور اس وقت مال و اولاد میں سے کوئی بھی سبب ان اصحاب محبت کی عبادت کے لئے نقصان دہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ تمام اشیاء دل سے خارج کر دی جاتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کے پاس ان چیزوں کے وجود سے غیرت نہیں فرماتا۔ بلکہ یہی اشیاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لئے لطف و کرم اور اس کے پاس آنیوالوں کی نعمت و رزق کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اور اس کے پاس آنے جانے والے بھی رحمت و کرم اور اس کی حفاظت کے مستحق ہو جاتے ہیں اور وہی بندہ دنیا و آخرت میں ان کی حفاظت اور شفاعت کرنے والا بن جاتا ہے۔ (بحوالہ فتوح الغیب)

یہودیوں کا پادریوں اور راہبوں کو الٰہ بنانا

سورۃ التوبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

''انہوں (یہودیوں نے) اپنے پروردگار کو چھوڑ کر اپنے پادریوں اور راہبوں کو اپنا الٰہ بنالیا''۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہودیوں نے ظلم کیا۔ جو شرک کے مرتکب ہوئے اور اپنے مذہبی رہنماؤں کو ہی اپنا حاجت روا سمجھنے لگے اور ان کے ذہن اس روشن حقیقت کا اندازہ کرنے سے قاصر رہے کہ کوئی کتنا ہی نیک ہی کیوں نہ ہو وہ اپنے لئے ہے۔ اور تمام عمر کتنا ہی جہد و ریاضت سے عظیم مقام کیوں نہ حاصل کرلے۔ ایک بندہ ہی رہتا ہے۔ آقا نہیں بن سکتا۔ کیونکہ انسان کو علّو مراتب میں کسی بھی مقام پر ربوبیت کے اختیارات نہیں دیئے گئے۔ اور نہ ہی بندہ الٰہ بن سکتا ہے۔ بطور بشر اور فنا کی صفت کے ساتھ موصوف ہونے کی وجہ سے انسان کو نہ ہی صفات میں اور نہ ہی زندگی میں ہمیشگی حاصل ہے' انسان ہر معاملے میں زندگی کے آخری سانس تک ہر مسئلے میں ایک دوسرے کا محتاج رہتا ہے۔ اور جو خوش نصیب نیک اور پارسا ہوگا تو یقیناً وہ انعام یافتہ ہوگا اور جنت میں اس کی توقع سے بڑھ کر اس کے لیے جزاء ہے یہ سخت ظلم ہے کہ کسی مذہبی رہنما کو اپنا پروردگار تسلیم کیا جائے۔ اور ہمارے ہاں بھی توہم پرستی نے قدم پوری طرح جمائے ہوئے ہیں۔ اور ہمیں کوئی بھی نیک آدمی نظر آجائے تو ہم اسے اپنا حاجت روا سمجھنے لگتے ہیں۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو اس وقت عدی کی گردن میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی اور رسول اللہ ﷺ اس آیت کریمہ اتخذوا کی تلاوت فرمارہے تھے جس پر عدی نے عرض کی کہ یہود و نصاریٰ نے تو اپنے علما اور درویشوں کی عبادت نہیں کی۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بالکل انہوں نے ایسا ہی کیا۔ کیونکہ یہودیوں نے اپنے ان مذہبی راہنماؤں کے حلال کردہ امور کو حلال کیا اور حرام کردہ امور کو حرام کیا اور یہی ان کی عبادت تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عدی! کیا تم اس سے انکار کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا ہے کیا تمہارے خیال میں اللہ تعالیٰ سے بڑا اور کوئی ہے؟ کیا تم اس سے انکار کرتے ہو کہ معبود حقیقی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں اور کیا تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت لائق ہے؟ عدی کے ایمان لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور نصرانی گمراہ ہوگئے ہیں۔

اسی آیت کی تشریح میں سعدیؒ فرماتے ہیں کہ یہودیوں نے بزرگوں کی ہر بات ماننی شروع کردی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب ایک طرف ہٹادی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انہیں تو صرف یہ حکم

Marfat.com

تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں وہی جسے حرام کر دے حرام سمجھیں اور جسے حلال فرمادے حلال سمجھیں اسی کے فرمان ہی شریعت ہیں اسی کے احکام کی پابندی لازمی ہے۔ اور اسی کی ذات عبادت کی مستحق ہے۔ اور وہ لوگوں کے ہر قسم کے شرک سے اور شریک سے پاک ہے۔ (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے جنت کے بدلے ان کی جانیں اور اموال خرید لئے ہیں

سورۃ التوبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَنَّ اللّٰہ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡ مِنِیۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ وَ اَمۡوَ الَھُمۡ بِاَنَّ لَھُمُ الۡجَنَّۃ

یقیناً اللہ تعالیٰ نے خرید لئے ہیں۔ ایمانداروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس کے عوض کہ ان کے لئے جنت ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں۔ انہیں ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ ان کی جانیں اور اموال فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان کے اموال اور ان کی جانوں کی ضرورت پڑ جائے تو پھر اہل ایمان کو اس میں پس و پیش نہیں کرنا چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں دل کھول کر خرچ کرنا چاہئے بچا بچا کر رکھنے والے درحقیقت ایمان کی یقینی کیفیت سے سرشار نہیں ہوتے۔ جب جہاد کا وقت آجائے تو اہل ایمان تاویلات کا سہارا لے کر اپنی جانوں کا تحفظ نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کر دینا ہی باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اموال خرچ کرنے سے اور اپنی جانیں قربان کرنے سے قطعاً دریغ نہیں کرتے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ یہی لوگ دنیا اور آخرت میں فلاح پاتے ہیں۔ اور اس ایثار کے عوض اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمیشہ ہمیشہ قائم رہنے والی اخروی نعمتوں کی خوشخبری سنائی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیائے سلف کی روشن مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان و مال کی ضرورت درپیش آئی تو انہوں نے کبھی منہ نہ موڑا۔ جس طرح تبوک کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا تمام مال حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ دل کھول کر اموال پیش کئے اور اپنی جانیں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتے ہوئے تمام غزوات میں ذاتی طور پر حصہ لیا۔ بعد میں مسلم اُمّہ میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں۔ کہ مخلص مومنین اپنی جانیں اور اموال کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتے رہے اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ مومن

Marfat.com

کبھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی جانیں اور اموال دینے سے گریز نہ کریں۔ اگر کوئی اس حکم کو تسلیم نہیں کرے گا تو پھر قیامت کے دن اسے اپنی نافرمانی کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ ریز ہے

سورۃ الرعد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ

اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہی سجدہ ریز ہے۔ ہر چیز جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ بعض خوشی سے اور بعض مجبوراً اور ان کے سائے بھی سجدہ ریز ہیں۔ صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ اسی کی حکومت ہے اور وہی معبود برحق ہے۔ ہر مخلوق اس بات سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اب سجدہ کرنے کے لئے ہر مخلوق کے مختلف آداب ہیں۔ اگر کوئی یہ (سوال) کرے کہ زمین کے ذرے اور چٹانیں اور ٹھوس دھاتیں کس طرح سجدہ ریز ہیں۔ یہ ستارے، سورج اور دوسرے اجسام فلکی و نباتات کس طرح سجدہ کر رہے ہیں۔ جب کہ بظاہر سجدے کی جو کیفیت ہے۔ اس میں پورے جسم کی حرکت لازمی ہے۔ جبکہ ٹھوس ذرات ساکن ہیں۔ تو اس کا (جواب) یہ ہے کہ انسان کو مخصوص انداز میں سجدے کا حکم ہے۔ اور انسان اپنے اختیاری افعال اور مختلف حرکات و سکنات کا حامل ہے۔ اس لئے اس کے فعل سجدہ کو نمایاں کرنے کے لئے اسے ایک مخصوص انداز کا پابند کر دیا گیا۔ سجدہ کے اصل معنی ہے۔ دل و جان سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرنا اور اللہ تعالیٰ کی حضور جھکنا ذرات اور دوسرے اجسام فلکی اور دیگر دھاتیں وغیرہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی ہر وقت پابند ہیں۔ ان کے پاس کوئی اختیاری فعل نہیں ہے۔ ان تمام اشیاء کا ہر وقت اللہ تعالیٰ کے تعمیل میں کاربند رہنا ہی سجدہ ہے۔ چونکہ انسانی عقل محدود ہے اور اشیاء کے سجدے کی کیفیت کو معلوم کرنا اس کے بس میں نہیں ہے۔ ورنہ کائنات میں پانی کا ایک ایک قطرہ، درختوں کا ایک ایک پتہ، دھاتوں کا ایک ایک ذرہ اور زمین و آسماں کی ایک ایک مخلوق اور ہوائیں و بادل، خلا اور ستارے و کہکشائیں سب کے سب اللہ وحدہ لاشریک کے حضور بصد خوشی سجدہ ریز ہیں بعض مجبوراً سجدہ کرنے والوں میں انسان اور جنات ہی ہو سکتے ہیں۔ باقی تو کسی چیز میں یہ جرات نہیں کہ وہ مجبوراً سجدہ کرے۔ جنوں اور انسانوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ وہ مجبوراً سجدہ کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یہاں صبح و شام سے دو وقت مراد نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے ہمیشگی مراد ہے۔ کہ یہ اشیاء صبح ہو یا شام ہر وقت سجدہ ریز ہیں۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے وعدے پورا کرنے والے عقلمند ہیں

سورۃ الرعد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الاَلبَابِ الَّذِیْنَ یُوفُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ

(ترجمہ) نصیحت صرف وہی قبول کرتے ہیں۔ جو عقل مند ہیں۔۔ اور جو پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کیساتھ کئے ہوئے وعدوں کو اور نہیں توڑتے پختہ وعدے کو۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اچھی بات اور نصیحت تو صرف وہی قبول کرتے ہیں جو عقل مند ہیں۔ اور عقل مند کون لوگ ہیں اس بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہا ہے کہ عقل مند وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کتنی عظمت والی ذات ہے اور اس کی قوتیں لامحدود ہیں۔ اس کے سوا باقی سب کو فنا ہے۔ اس لئے وہ اس معیار کو سامنے رکھ کر وعدہ کرتے ہیں۔ پھر ان کی زندگی کا آخری سانس بھی اسی عہد کی پاسداری میں صرف ہوجاتا ہے۔

کوئی بڑے سے بڑا نقصان۔ بڑی سے بڑی آزمائش اور بڑے سے بڑا بھی ذہنی و مالی دباؤ انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے بال برابر بھی ادھر ادھر نہیں کرسکتا۔ یہی بصیرت رکھنے والے ہیں۔ اگر ان سے اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم بیان کیا جاتا ہے یا انہیں کوئی نصیحت کی جاتی ہے تو یہ مذاق نہیں اڑاتے۔ بلکہ نہایت توجہ سے سنتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے ایفائے عہد سے خوش ہوکر قیامت کے دن ان کو ایسے باغات انعام میں دئے جائیں گے۔ کہ جنہیں دیکھ کر یہ فرمانبردار بندے مسرت اور خوشی کی کیفیت سے سرشار ہوجائیں گے۔ وہاں یہ اپنے اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں گے۔ اور ہر قسم کی تعریف تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اس جہاں میں صرف اسی کو غلبہ حاصل ہے آخرت میں اس کے سوا کوئی بھی بااختیار نہیں ہوگا۔ دنیا میں انسان کو جو مجازی اختیار حاصل ہے۔ قیامت کے دن بوقت حساب اسے یہ بھی حاصل نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ چاہے تو سب کو ہلاک کر کے نئی مخلوق لے آئے

سورۃ ابراہیم میں ارشاد خداوندی ہے۔

اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ

(ترجمہ) "اور اللہ تعالیٰ چاہے تو تم سب کو ہلاک کردے اور لے آئے کوئی نئی مخلوق۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل نہیں" اس آیت مبارک میں انسان کو اس کی بے ثباتی سے آگاہ کیا جارہا ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ اپنے اختیار سے بھی روشناس فرمارہا ہے۔ کہ اے انسان تو اتراتا پھرتا ہے جب کہ

Marfat.com

تیری زندگی تو عارضی ہے۔ لیکن تیرے دعوے اور تیرے اندر نافرمانی کے جذبات پھر بھی ماند نہیں پڑتے۔ اصل ملکیت تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس وسیع کائنات کا تنہا اور بلا شرکت غیرے مالک ہے۔ اسی کا حکم غالب ہے۔ وہی ہر ایک کو زندہ رکھنے اور فنا کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس کے اختیارات کے سامنے ایک ایک ذرہ سرنگوں ہے۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ وہ نافرمانی کا خیال تک دل میں لا سکے۔ مگر حضرت انسان جو کچھ کرتا پھر رہا ہے۔ ایک خاص دن تک اسے مہلت دی گئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ باوجود قدرت ہونے کے انسان کی بداعمالیوں پر فوری گرفت نہیں فرماتا بلکہ اس نے ایک خاص دن تک مہلت عطا فرما دی ہے جس کا علم صرف وہی رکھتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسان کو تنبیہہ کے طور پر ارشاد فرما رہا ہے کہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ جب چاہے جس وقت چاہے اور جسے چاہے مٹا سکتا ہے قیامت برپا کر دینا یا بنی نوع انسان کو فنا کے گھاٹ اتار دینا اللہ تعالیٰ کے لئے قطعاً مشکل نہیں۔ انسان اگر یہ خیال کرتا پھر رہا ہے کہ اس کی نافرمانیوں اور خودغرضیوں کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ تو یہ سراسر حماقت اور جہالت ہے۔ یہ جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بنی نوع انسان کو گرفت میں لینا ذرا بھی مشکل نہیں۔ بلکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انسان کے اعضا ہاتھ پاؤں اور آنکھیں ہی انسان کا حکم تسلیم نہ کریں اور یہ اعضا باوجود کہ انسانی جسم کا حصہ ہیں انسان کا ساتھ چھوڑ جائیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اس کائنات میں فنا کی چکی بھی زندگی کے دھارے کے ساتھ ساتھ موجود ہے یہ تو مقدر ہو چکا ہے کہ یہ جہان اور اس کا نظام بالآخر پاش پاش ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد ایک دائمی جہان پیدا کیا جائے گا اور انسان کو اسی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی کوشش کرنی چاہئے ورنہ پھر نہایت دردناک عذاب کا منتظر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہدوں کو نہ بیچو

سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا

اور مت بیچو اللہ تعالیٰ کے عہدوں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ ایسے لوگ جو ایمان لاتے ہیں۔ ہر صورت حال میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا عہد کرتے ہیں۔ ان کو یہ مناسب نہیں کہ کسی دنیاوی فائدے کے لئے ان وعدوں کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں۔ اور یہ ان لوگوں کے لئے نہایت نقصان دہ ہوگا۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جس دنیا کے چند روزہ فائدے کے لئے وہ اس نافرمانی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ تو یہ بہت کم فائدہ ہے۔ اور اس زندگی لئے ہے جو فنا ہونے والی ہے اور اس کی

Marfat.com

بے ثباتی کا یہ عالم ہے کہ کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ وہ کب یہاں سے کوچ کر جائے گا۔ اس لئے ہر صاحب ایمان کے لئے ضروری ہے کہ اسے خواہ کتنا ہی مال و دولت کیوں نہ دیا جائے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں کا قطعی طور پر ساتھ نہ دے کیونکہ دنیا بھر کا مال کیوں نہ مل جائے تو پھر بھی یہ اللہ تعالیٰ کے انعام کے مقابلے میں نہایت ہی حقیر ہے۔ اس لئے "تھوڑی سی قیمت" سے اس کی مثال دی گئی ہے ایک طرف تو دنیا کی دولت بھی بہت کم ہے۔ اور دوسرا یہاں انسان کی زندگی بھی نہایت ہی کم ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اس مال سے فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتا اور یہ سب کچھ چھوڑ کر تنہا مٹی کے ڈھیر میں جا لیٹتا ہے۔ اس لئے دنیا کے اس دھوکہ میں نہیں آنا چاہئے خواہ کتنی ہی تکلیف کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے اللہ تعالیٰ کے راستے سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے کیونکہ یہ تکلیف بھی اصل میں آزمائش ہوتی ہے اور اس کے بعد ابدی خیر و برکت صاحب ایمان کی منتظر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے صرف گمراہ ناامید ہوتے ہیں

سورۃ الحجر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ

"حضرت ابراہیم نے کہا کہ کون ناامید ہوتا ہے اپنے رب کی رحمت سے سوائے نافرمانوں کے"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کو یہ جواب دیا تھا کہ جب فرشتوں نے انہیں بڑھاپے میں اولاد کی خوشخبری سنائی تھی۔ پیغمبر کا یہ جواب قیامت تک آنے والے اہل ایمان کے لئے ایک توکل و اُمید کی مضبوط دلیل بن گیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صرف وہی مایوس ہوتے ہیں۔ جو نافرمان ہوتے ہیں یا جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات واحد پر مکمل ایمان و یقین نہیں ہوتا۔ جو ہمیشہ شکوک میں پڑے رہتے ہیں۔ شیطان ان کے دلوں میں سوسوے ڈالتا ہے ان کی جہالت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ کامیابی کو اپنی ذات کا کارنامہ سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر ان کا یقین نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے یہ کامیاب ہوں تو پھولے نہیں سماتے۔ اور ناکام ہو جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور طرح طرح کی کفریہ باتیں ہانکتے ہیں۔ اہل ایمان کا یہ خاصا ہے کہ وہ کسی بھی حالت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا اور الٰہ ہوتے تو کیا عرش پر غالب نہ آتے

سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا

"اور آپ (علیہ السلام) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی الٰہ (معبود) ہوتے۔

Marfat.com

جس طرح کہ کافر کہتے ہیں۔ تو ان معبودوں نے مل کر تلاش کر لی ہوتی عرش کے مالک پر غالب آنے کی کوئی راہ"۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اقدس ایک اور وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ اپنی مرضی کا خود مالک ہے۔ یہ نظام کائنات اسی کا پیدا کردہ ہے۔ جس طرح یہ کافر اور مشرک اللہ تعالیٰ پر بہتان عائد کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود ہیں۔ تو ان کے یہ خود ساختہ معبود کہاں ہیں۔ ان کی حکومتیں کہاں پر قائم ہیں اور یہ کونسے نظام چلا رہے ہیں۔ کونسے لشکر لئے بیٹھے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس تمام کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے کہ سب حکومت اس کی ہے۔ سب لشکر اسی کے ہیں۔ اور سب بزرگی و عظمت اسی کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کافروں سے سوال فرماتا ہے کہ اگر اور بھی الہ ہیں تو کیا وہ سب مل کر ایک الہ پر ابھی تک غلبہ حاصل نہیں کر سکے۔ یہاں یہ بیان فرمایا جارہا ہے کہ مشرکوں کا عقیدہ بالکل باطل اور جھوٹ ہے انہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی دوسرا اس کائنات کا نہ تو خالق ہے اور نہ کوئی دوسرا حکمران اور نہ ہی اس کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے جو ایسا خیال بھی دل میں رکھتا ہے تو اسے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ جہنم کی اتھاہ گہرائیوں میں گر رہا ہے اور اسے فوراً مشرکانہ خیالات سے بھی توبہ کر لینا چاہئے۔

تمام سمندر روشنائی بن جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف نہیں لکھی جا سکتی ہے

سورۃ الکھف میں ارشاد ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا

"اے نبی (ﷺ) فرمادیجئے کہ اگر ہو جائے سمندر روشنائی کہ میری رب کی تعریف لکھے۔ تو ختم ہو جائے گا سمندر اس سے پہلے کہ ختم ہوں میرے رب کے کلمات (تعریفیں) اور اگر ہم لے آئیں اتنی اور روشنائی اس کی مدد کو۔ تب بھی (اللہ تعالیٰ کی تعریفیں) احاطہ تحریر میں نہ آ سکیں گی"۔

اس آیت مبارکہ میں ارشاد ہے کہ اگر تمام زمین کے سمندروں کا پانی روشنائی بن جائے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات اس کی تعریفیں اس کی قدرتوں کی تعریف اس کی حکمتوں کا بیان اس کی حکومت و غلبہ کے احوال اس کی شان تخلیق اس کی صفت رحمت و مغفرت کا بیان اس کی تجلیات کا ذکر خیر اس کی عفو و درگزر کی تعریف اور اس کی عظمت و عزت پر لکھنا شروع کریں۔ تو یہ سمندروں بھری روشنائی ختم ہو جائے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی تعریفیں ختم نہیں ہوں گی۔ ان سمندروں کی روشنائی جب ختم ہو تو اتنی اور روشنائی آ جائے۔ اور پھر جب یہ روشنائی ختم ہو تو اتنی اور آ جائے۔ یعنی اگر یہ سلسلہ لامتناہی بھی قائم ہو جائے تو

Marfat.com

بھی کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی عزت وحکمت اور اپنے غلبہ و قدرت کے بارے میں خود ہی بہتر جانتا ہے۔ تمام انسانوں کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں صرف اتنا ہے کہ اگر زمین وآسمان کی حدود کے برابر سمندر ہو۔ اور پھر ایسے سمندر کے پانی کے ایک قطرے کے برابر بھی انسانی علم نہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان صفات الٰہی کے بارے میں زیادہ آگاہ نہیں ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کا پروردگار اور معبود کتنی عظیم قوتوں اور کن صفات کا مالک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان کریمی دیکھئے کہ اس نے اتنی طاقت وغلبہ اتنی عظیم صفات اور اتنی عظمت کا مالک ہو کر بھی انسان پر اپنا لطف وکرم فرمایا ورنہ انسان بے چارہ کیا حیثیت رکھتا ہے بنی نوع انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے مالک کی قدر پہچانے اور بندگی کا حق ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا خواہش مند شرک نہ کرے

سورۃ کہف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا

"تمہارا پروردگار صرف اللہ وحدہ ہے۔ پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور شریک نہ کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو"۔

اس آیت مبارک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وحدہٗ لاشریک صرف وہی ہے اور جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے ساتھ نہایت مہربانی اور رحمت سے پیش آئے۔ تو اسے چاہئے کہ وہ ہر قسم کے شرک سے بچے۔ کیونکہ شرک خفی ہو یا جلی۔ شرک بہرحال شرک ہے اور مشرک کی سزا جہنم ہے جب آدمی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنا لیتا ہے اور اپنی خواہش اور حاجات دوسروں کے دروازوں پر پیش کرتا ہے تو یہ بات اللہ تعالیٰ کو ناگوار گزرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ غیور ہے اور وہ قطعاً پسند نہیں فرماتا کہ اسے چھوڑ کر اپنی حاجتوں اور خواہشوں کی تکمیل کے لئے دوسروں کو الٰہ بنا لیا جائے۔ جو بھی شرک کرے گا۔ وہ یقین رکھے۔ کہ آخرت میں اس کے لئے سوائے ذلت کے اور کچھ نہیں۔ مشرکین سے میل جول رکھنے والا بھی آخرت میں مشرکوں سے ہی اٹھے گا۔ اس لئے شرک اور اہل شرک دونوں سے بچنا مومن کا فرض ہے۔

اور جو شخص شرک سے بچے گا یا کسی بھی دوسرے کو الٰہ کا درجہ نہیں دے گا۔ اور اس کے شب و روز شرک خفی وشرک جلی سے پاک ہوں گے۔ تو قیامت کے دن اسے بے حد وحساب انعامات سے نوازا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کمال مہربانی کے ساتھ اس خوش نصیب سے ملاقات فرمائے گا۔ اور اسے وہ مرتبہ حاصل ہوگا۔ کہ جس کا وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے

سورۃ مریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ

"یہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہی نہیں۔ کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ اور وہ پاک ہے"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو چھوڑ کر اُس کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ اور دریدہ ذہنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں۔ تو یہ سخت گمراہ اور کافر ہیں۔ ان کی ہٹ دھرمی ان کو جہنم میں لے جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی نقص اور حاجت سے پاک ہے اور اس کی شان اتنی بلند ہے کہ اس کے شایان شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے نہ تو اس کی کوئی بیوی ہے اور نہ بیٹا اور نہ اسے ایسی کوئی حاجت ہے وہ تنہا اور لاشریک ہے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھالئے جانے کے چند سو برس بعد متفقہ طور پر انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا تھا (معاذ اللہ)۔ وہ شرک کے ایسے کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے جو ہر لحاظ سے ناقابل معافی ہے عیسائیوں اور یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی اس قدر نافرمانیاں کی ہیں۔ کہ انہیں احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے لیکن سب سے زیادہ جس گناہ وجرم کا انہوں نے اظہار کیا وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنا ہے۔ اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی نسبت کا اظہار کرتا ہے تو وہ سخت ظلم کا مرتکب ہوتا ہے درحقیقت یہ کفر بھی بت پرستی کے زُمرے میں آتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بندہ قرار دینا لازمی اور واجب امر ہے۔

اور بعد ازاں آج بھی کوئی شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں یا اس کی صفات ربوبیت اور حاکمیت کل میں شریک سمجھتا ہے تو وہ بھی مشرک اور کافر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا نہ تو کوئی شریک ہے اور نہ ہی اسے کسی سے مشورہ لینے کی کوئی ضرورت ہے کیونکہ اس کا علم لامحدود اور اس کی قدرت بھی لامحدود ہے وہ ہر ایک کو بصیرت عطا کرتا ہے اور تمام تر اعلیٰ صفات صرف اُسی کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے سے کہیں زمین وآسمان نہ پھٹ جائیں

سورۃ مریم میں ارشاد ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا

(ترجمہ) "قریب ہے کہ آسمان شق ہو جائیں (اس خرافات سے) اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ گر پڑیں لرزتے ہوئے کیونکہ وہ (عیسائی) کہہ رہے ہیں۔ کہ رحمٰن کا ایک بیٹا ہے"۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ سخت ناراضگی کا اظہار فرما رہا ہے ان مشرکین سے کہ جو کہتے

Marfat.com

ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ایک بیٹا ہے یہ اتنا بڑا گناہ اور اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس گناہ اور ظلم کی شدت سے کہیں آسمان نہ پھٹ جائے اور زمین نہ شق ہو جائے اور پہاڑ اس ہیبت ناک بہتان سے لرز کر گر نہ جائیں۔ اور ہر چیز اس گمراہ کن اور مشرکانہ عقیدہ سے سکتہ میں ہے۔ جو بھی ظالم اور بد بخت کسی کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتا ہے تو وہ بہت بڑا ظلم کرتا ہے۔ یقیناً قیامت کے دن وہ جہنم کے ان گڑھوں میں جا گرے گا کہ پھر وہاں سے نکلنا اس کے مقدر میں نہیں ہوگا۔ جو کسی کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہے تو وہ صریحاً کافر اور مشرک ہے اور اسے اہل کتاب نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے عیسائیوں اور یہودیوں نے چونکہ مقدس کتابوں کو ہی تبدیل کر دیا ہے اور جب بنیادی طور پر وہ کتابیں ہی موجود نہیں رہیں۔ تو انہیں اہل کتاب کیونکر کہا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد طلب کرنا حرام ہے
(بحوالہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے سوال کرنا جہالت وضعیف ایمان کی دلیل ہے۔ اور معرفت ویقین اور صبر نہ ہونے کی علامت ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے سوال نہیں کرتے۔ ان کا ایمان ویقین مستحکم ہوتا ہے اور وہ ہر لمحہ اور ہر روز اللہ تعالیٰ کا حیا کرتے ہیں۔

فتوح الغیب تینسواں مقالہ شیخ عبدالقادر جیلانی

دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو جگہ نہ دو

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کہتے ہیں کہ نفسانی خواہشات سے پرہیز کرتے ہوئے اس سے جان چھڑالو۔ پھر اپنی ملکیت سے معزول ہو کر سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو۔ اور اپنے دل کے دروازے پر اس طرح پہرہ دو کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے سوا اور کچھ بھی داخل نہ ہو سکے۔ اور ہر اس چیز کو دل میں بسا لو کہ جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اور ہر اس چیز کا داخلہ بند کر دو کہ جس سے تمہیں روکا گیا ہے۔ اور جن خواہشات کو تم نے اپنے دل سے نکال پھینکا ہے۔ ان کو دوبارہ کبھی داخل نہ ہونے دو۔ اور خواہشات کو نکال دینے کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی پیروی چھوڑ کر کسی بھی حالت میں ان کی پیروی نہ کرو۔ اور دل میں خواہشات کو داخل نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی مطابقت وموافقت نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ارادے کے سوا اور کسی بھی قسم کا ارادہ دل میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ اور اس مقام سے جو لوگ دور ہیں۔ وہ تکالیف کی ایسی بستی میں آباد ہیں۔ جس کا نتیجہ تباہی اور ہلاکت کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اور ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر کر اسکے عتاب کا باعث بنتے ہیں۔ اس لئے تمہارا یہ فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرو۔ اور جس چیز سے اس نے منع کیا

Marfat.com

ہے۔ان سے جہاں تک ممکن ہو بچتے رہو۔اور مخلوقات میں سے کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناؤ۔اور اچھی طرح اس امر پر یقین کرلو کہ تمہاری ہر خواہش اور ہر ارادہ اللہ تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ ہے۔لہٰذا تم نہ کوئی خواہش کرو۔اور نہ ہی اپنی طرف سے کوئی ارادہ قائم کرو۔ایسا نہ ہو کہ تمہیں مشرکین میں شمار کیا جانے لگے۔اس لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے رب کے دیدار کی خواہش رکھتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نیک اعمال کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔شرک صرف بتوں کی پوجا کا نام نہیں بلکہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے پیچھے لگے رہنا بھی شرک ہے۔اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو غیر اللہ کہتے ہیں۔اس لئے جب تم غیر اللہ کی خواہش کرو گے تو یقیناً تمہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والا قرار دیا جائے گا۔لہٰذا اس سے بچتے ہوئے اس قسم کے شرک سے خوفزدہ رہ کر بھی خود کو محفوظ نہ سمجھو اور ہمیشہ اپنے احوال کو دیکھتے رہو اور کسی حال و مقام کو بھی اپنے نفس کی جانب منسوب کرتے ہوئے ہرگز اس کے دعویدار نہ بنو اور جو حال و مقام تمہیں عطا کیا گیا ہے اس کے بارے میں زبان نہ کھولو۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہر روز نئی شان ہوتی ہے جو اس کے بندے اور بندے کے دل کے درمیان حائل ہوا کرتی ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ جس حال و مقام کی تم نے دوسروں کو خبر دے دی ہے وہ تم سے چھین لی جائے۔اور جس مقام کے تم دعویدار تھے وہ مقام و مرتبہ ہی ختم کردیا جائے۔اور تمہیں خواہ مخواہ ان سے شرمندہ ہونا پڑے جس کو تم نے اپنے مقام کی خبر دی تھی۔ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لہٰذا اس کی قدرت و غلبہ کا یقین رکھو۔اور اس کی تقدیر و تدبیر پر شک نہ کرو۔اور نہ ہی اس کے وعدوں پر کوئی شک وشبہ کرو۔اس کے بعد ہی تم رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں داخل ہوسکو گے۔(بحوالہ فتوح الغیب)

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انعام

حضرت شیخ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب تمہیں اللہ تعالیٰ دولت عطا فرمادے۔اور تم اس کے مشغلوں میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے قرب سے محروم کر کے دنیا اور آخرت میں شرمندہ فرمائے گا۔اور یہ بہت ممکن ہے کہ وہ دولت ہی تم سے چھین کر تمہیں ایسی حالت کا شکار کردے کہ تم محتاج اور فقیر بن جاؤ۔کیونکہ حقیقی منعم سے منہ موڑ کر مال و دنیا کی محبت کی یہی سزا ہوتی ہے۔اور اگر دولت مند ہونے کے باوجود تم اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں مصروف رہو گے۔تو یہی دولت تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختص ہو جائے گی۔اور اس میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔پھر تم دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خادم بن کر پرسکون زندگی بسر کرو گے۔آخرت میں بھی تمہیں خوشحال اور صاحب عزت رکھتے ہوئے صدیقین شہداء اور صالحین کا ساتھ عطا کیا جائے گا۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے فرشتے نہ تو سرکش ہیں اور نہ ہی تھکتے ہیں

سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے۔

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ

(ترجمہ) اور اس کے فرشتے ذرا نافرمانی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہ ہی تھکتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی عظمت والا ہے۔ فرشتے ہر وقت اس کی عبادت میں مشغول ہیں۔ یہ بذات خود فرشتوں کے لئے ایک اعزاز ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہے۔ اور فرشتے اس طرح اس کے فرمانبردار ہیں کہ سرکشی کا خیال تک دل میں نہیں لاتے اور اس سے قربت رکھنے والے بزرگ ملائکہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تھکتے ہیں اور نہ ہی گھبراتے ہیں حتی کہ سستی اور غفلت بھی ان کے قریب نہیں آتی۔ دن ہو یا رات اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں، اس کی عبادت و تسبیح و اطاعت میں، ہر وقت مصروف ہیں۔ حسن نیت اور عمل دونوں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قطعاً نافرمانی نہیں کرتے۔ اور نہ ہی کسی حکم کی اطاعت سے رُکتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگو! جو میں سنتا ہوں کیا تم بھی سنتے ہو۔ سب نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم کچھ بھی نہیں سن رہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں آسمانوں کی چرچراہٹ سن رہا ہوں۔ اور حق بھی یہ ہے کہ اسے چرچرانا چاہئے۔ اس لئے کہ اس میں بالشت بھر بھی ایسی جگہ نہیں جہاں کسی نہ کسی فرشتے کا سر سجدے میں نہ ہو۔ عبداللہ بن حارث بن نوفل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت میری عمر کم تھی۔ میں نے ان سے اس آیت کا مطلب پوچھا کہ بولنا اور اللہ کا پیغام لے کر جانا بھی انہیں تسبیح سے نہیں روکتا۔ میرے اس سوال پر انہوں نے تعجب سے فرمایا کہ یہ بچہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ بنو عبدالمطلب سے ہے تو انہوں نے میری پیشانی چوم لی اور فرمایا بچے! تسبیح ان فرشتوں کے لئے ایسے ہے جیسے ہمارے لئے سانس لینا۔ یوں سمجھ لو کہ جس طرح چلتے پھرتے اور بولتے چالتے تمہارا سانس آتا رہتا ہے بالکل اسی طرح فرشتوں کی تسبیح بھی جاری رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی الٰہ ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے

سورۃ انبیاء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا

''اگر اور بھی معبود ہوتے اللہ تعالیٰ کے سوا تو یہ زمین و آسمان دونوں برباد ہو جاتے''

اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کو بتایا جا رہا ہے جو شرک کرتے ہیں اور اہل ایمان کے لئے دلیل دی جا رہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو یہ زمین و آسمان کا نظام کس طرح قائم رہ سکتا۔ مشرکوں کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا الٰہ بنا رکھا ہے ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ طاقت نہیں کہ وہ مردوں کو زندگی عطا کرے۔ اور یہ سب مل کر بھی ایسا نہیں کر سکتے تو پھر ان بے اختیار اور فانی اجسام کو الہ العالمین کے برابر سمجھنا جو قدرت والا اور غلبے والا ہے اور جس کا حکم اٹل ہے کس قدر ناانصافی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یہ دلیل دے رہا ہے کہ اگر اور معبودوں کا وجود ممکن ہوتا تو کیا زمین و آسمان برباد نہ ہو جاتے۔ اگر اور معبود ہوتے تو کیا ہر معبود اپنی الگ مخلوق لے کر نہ پھر رہا ہوتا اور یہ سب معبود ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ مشرکین کی ان تہمتوں اور ان کے خود ساختہ مفروضات سے پاک اور بلند ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ کسی امر میں کسی کا محتاج نہیں۔ وہ بے مثل اور بے مثال اور زبردست ہے۔ اس کے سامنے کسی کی طاقت و ہمت کی کوئی حیثیت نہیں۔ حکمران حقیقی فقط وہی ہے۔ سب اس کے غلبے اور اختیار کے نیچے ہیں۔ اس کی کبریائی' عظمت و جلال اور حکومت' علم و حکمت' لطف و رحمت لامتناہی ہیں کوئی اس کے سامنے دم مارنے کی جرات نہیں کر سکتا سب کے سب عاجز اور اُس کا محتاج ہیں۔ وہی سب کا خالق ہے اور یہ نظام کائنات اسی لئے ایک دھارے پر چل رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اسی ایک کا حکم جاری و ساری ہے۔ تمام انوارات کا منبع و سرچشمہ اسی کی ذات ہے۔ اور ہر ایک کے اعمال کی وہی باز پرس کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی گرفت سے کوئی مجرم کسی بھی جگہ بچ کر نہیں چھپ سکتا کیونکہ ذرے ذرے پر اللہ تعالیٰ کا حکم جاری و ساری ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں مشرکین کے پاس کوئی دلیل نہیں

سورۃ انبیاء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَمِ اتخذوا مِنْ دُوْنِهٖ اٰلِهَةً قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

(ترجمہ) جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود بنا رکھے ہیں ان سے کہہ دو لاؤ اپنی دلیل پیش کرو!

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کفار اور مشرکین پر ظاہر فرما رہا ہے کہ ان کے پاس ایسی کوئی دلیل موجود نہیں کہ جس سے وہ یہ ثابت کر سکیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود ہیں۔ یہ مشرکوں کے بنائے ہوئے محض بت اور گھڑے ہوئے جعلی تصورات ہیں اور معبود حقیقی تو صرف وہ ہے اور یہ اختیار انسانوں کو تو قطعاً حاصل نہیں کہ وہ جسے چاہیں اپنا معبود کہہ لیں۔ اور اس کو اپنی زندگیوں کا مالک قرار دے لیں۔ انسان تو خود بے بس اور مجبور ہے۔ اور اس کا علم بھی کمزور ہے اور گمراہوں کے گھڑے ہوئے تصورات

Marfat.com

محض جہالت ہیں اس لئے انسانوں کے بنائے معبود سوائے شرک اور جہالت کے کیا حیثیت رکھے ہیں۔ یہ معبود خواہ بتوں کی صورت میں ہوں یا خواہ انسانوں نے اپنے جیسے انسانوں کو ہی معبود کا درجہ دے رکھا ہو بلاشبہ شرک اور ظلم عظیم ہے۔ اور جو لوگ ان بے اختیار اور بے بس معبودوں کی پوجا کرتے ہیں ان کے پاس ان عاجز ولاچار موزیتوں کی عبادت کی کوئی دلیل نہیں جو لوگ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں۔ وہی سچے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں ہی اللہ کی طرف سے آئی ہوئی سچی دلیل کلام اللہ موجود ہے۔ اور اس سے پہلے نازل ہونے والی کتابیں بھی اس دلیل کے لئے شاہد (گواہ) ہیں۔ ان کتابوں میں بھی واضح طور پر بیان کر دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ مشرکین تو مکمل طور پر حق سے غافل ہیں ان کے پاس اپنے شرک کے حق میں کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ ہی وہ کوئی دلیل رکھتے ہیں۔ جتنے انبیاء کرام بھی تشریف لے آئے انہوں نے برملا یہ اعلان فرمایا کہ ہر ایک ذرے کا اور تمام جہانوں کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ہر ایک چیز پر اسی کو غلبہ حاصل ہے۔ یہ تمام نظام کائنات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے قدرت و غلبہ کی ایک روشن دلیل ہے۔ جو پتھر کے بت انسانوں نے خود بنائے ہوں یا جو انسان خود فنا کے گھاٹ اتر جاتے ہیں وہ کیسے معبود کا درجہ حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ سب خیالات باطل اور خود ساختہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات ان بیہودہ تصورات وعقائد سے برتر پاک اور بلند ہے۔

اجل کے بارے میں ایک عقلی مسئلہ

سوال: ایک شخص کو قتل کر دیا گیا ہے کیا اس کی نسبت یہ کہنا درست ہے کہ یہ اپنی اجل مقررہ پر مرا ہے اور اگر اسے قتل نہ کیا جاتا تو خاص اسی وقت میں کسی اور سبب سے اس کا مرنا ضروری تھا؟۔

جواب: اس سوال کے جواب میں امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ جس کے ماننے یا نہ ماننے پر ایمان کا دارومدار نہیں ہے۔ اور دنیا کی جو بھی چیزیں دو صورتوں سے باہر نہ ہوں یا تو ان میں کوئی خاص قسم کا رابطہ اور لازمی امر نہیں ہو گا یا پھر ہو گا۔ اس قسم کی دو چیزیں جن کا آپس میں کوئی تعلق نہ ہو اگر ان میں سے ایک فنا ہو جائے تو ایک کی نفی سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی۔ اگر دونوں فنا ہو جائیں تو بھی ایک کا فنا دوسرے کے فنا کو لازم نہیں کرے گا۔ مثلاً زید اور عمر ایسے دو شخص ہیں۔ جن کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ زید اور عمر اگر دونوں مر جائیں اور زید کے مرنے سے ہم لاتعلق ہو جائیں تو اس سے نہ تو عمر کی وفات کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی زندگی کا، اسی طرح زید کی وفات اور چاند گرہن بھی اس قسم کی دو چیزیں ہیں۔ اگر ہم زید کی وفات سے لاتعلق ہو جائیں تو پھر گرہن کا نہ ہونا لازم نہیں آتا اور اگر گرہن واقع ہو تو اس سے پھر زید کے مرنے کا علم نہیں ہوتا۔ جن دو اشیاء میں کسی قسم کا تعلق ہو اور رابطہ ہو تو وہ تین اقسام پر ان کی ترتیب لگاتے ہیں۔

Marfat.com

پہلی قسم یہ ہے کہ ان میں تضائف کا علاقہ ہو (یعنی ان میں سے ہر ایک کی موجودگی دوسرے پر موقوف ہو) مثلاً شمال اور جنوب۔ اس قسم کی ہر دو چیزوں میں سے ایک چیز کا ثابت ہونا یا فنا ہونا دوسری چیز کے ثابت ہونے یا فنا ہونے کو لازم نہیں کرے گی۔ دوسری قسم میں اس قسم کی چیزیں شامل ہیں کہ جن میں تضائف کا تعلق تو نہ ہو مگر ان میں سے ایک کے لئے بہ نسبت دوسرے کے اولیت کا درجہ حاصل ہو۔ جیسے شرط اور مشروط اور شرط کی نفی مشروط کی نفی کو سے متعلق ہوتی ہے۔ مثلاً انسان کے صاحب علم ہونے کے لئے زندگی کا ہونا اور اس کے ارادے کے لئے عالم ہونا شرط ہے تو زندگی کے فنا سے علم کی فنا اور علم کی فنا سے ارادے کی فنا کا لازم آنا ضروری ہوگا۔ تیسری قسم کہ جس میں سبب اور نتیجہ کا تعلق ہو۔ تو اگر کسی حاصل شدہ ثمرہ کے لئے بہت سے اسباب ہیں تو کسی ایک سبب کی نفی سے اس کی نفی لازم نہیں آئے گی۔ بلکہ اس کی نفی کے لئے تمام اسباب کی نفی ضروری ہوگی۔

جب یہ بات ہم سمجھ چکے ہیں تو پھر اب اصل مسئلہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ اس متنازعہ مسئلہ میں دو چیزیں زیر بحث ہیں۔ قتل اور موت، قتل کے معنی ہیں گردن کو دھڑ سے اڑا دینا۔ یا جان کو ہلاک کرنا۔ یہ فعل کئی فعلوں کے ملنے سے وقوع میں آتا ہے۔ مثلاً قاتل کے ہاتھ اور آلہ قتل کی حرکات، اور مقتول کے اجزاء کا ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جانا۔ ان کے ساتھ ایک اور چیز بھی آملتی ہے جس کو موت کہتے ہیں۔ اگر موت اور قتل کے درمیان کسی قسم کی نسبت نہ ہو تو ایک کی نفی سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آئے گی۔ اور اگر قتل موت کا سبب ہو اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ موت کا سبب صرف قتل ہے تو قتل کی نفی سے موت کی نفی ضرور لازم آئے گی مگر اس میں سب لوگ متفق ہیں کہ قتل سے ہٹ کر اور بھی سینکڑوں بیماریاں اور باطنی اسباب موت کے اسباب ہیں۔ تو جب تک قتل کی نفی کے ساتھ باقی اسباب کی نفی نہ فرض کی جائے صرف قتل کی نفی سے موت کی نفی لازم نہیں آئے گی۔

علمائے حق میں سے جن کا یہ اعتقاد ہے کہ مخلوق کی پیدائش کا سبب صرف اللہ تعالیٰ ہے اور مخلوق میں سے کوئی چیز ایک دوسرے کا سبب نہیں تو ان کے نزدیک موت ایک ایسی چیز ہوگی جس کو اور قتل کو اللہ تعالیٰ نے اتفاقی طور پر جمع کر دیا ہے۔ اور قتل کی نفی سے موت کی نفی ضروری نہیں۔ اور حق بات بھی یہی ہے۔ اور جن لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ قتل موت کا سبب ہے۔ کیونکہ بظاہر قتل کے سوا اور کوئی موت کی وجہ نہیں پائی گئی۔ ان کے نزدیک اگر اس وقت قتل کا وجود نہ ہوتا اور اس کے سوا اور کوئی سبب بھی نہ ہوتا تو یقیناً موت بھی نہ ہوتی۔ مخلوق کے ایک دوسرے کی اسباب معلوم ہونے کی نسبت جو ان لوگوں کا اعتقاد ہے۔ اگر وہ درست ہو اور یہ بھی یقیناً معلوم ہو جائے کہ موت کے اسباب صرف اس قدر ہیں جو قتل کے عدم فرض کرنے کے وقت پہلے ہی موجود نہیں۔ تو ان کا یہ اعتقاد درست ہے۔ مگر اس مسئلہ کو اس قانون کے مطابق کرنا چاہتے ہیں جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت وسیع و عمومی ہے اور اس کے سوا مخلوق کے لئے کوئی بھی اور سبب موجود نہیں ہے۔ اس قانون پر اگر گہری نظر ڈالی

Marfat.com

جائے تو بخوبی علم ہوتا ہے کہ یہ شخص اپنی مقررہ اجل پر ہی مرا ہے۔ کیونکہ اجل اس وقت کا نام ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کا مرنا مقدر کر دیا ہے خواہ اس وقت اس کی گردن اڑانا ثابت ہو یا گرہن ہو یا بارش وطوفان اور سیلاب یا پھر ان میں سے کوئی چیز نہ ہو۔ اس قسم کے امور ہمارے نزدیک اتفاقیہ ہیں جیسے اگر کسی کے مقتول ہونے کے وقت' بارش ہو رہی ہو تو اس کو اتفاقی امر سمجھا جاتا ہے ہمارے نزدیک قتل بھی اسی قبیل سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

(ترجمہ) بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہے۔

علما ربانی نے تقویٰ کے معانی اور متقی کی حقیقت کے بارے میں مختلف آراء قائم فرمائی ہیں۔ مکمل تقویٰ تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۤئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۤءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ

(ترجمہ) بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل' احسان اور قرابت داروں کو مال دینے کا حکم دیتا ہے اور تمہیں بدکاری' بے حیائی اور نافرمانی سے منع کرتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ متقی وہ شخص ہے جو کسی دوسرے شخص کو دیکھے تو یہ کہے کہ تو مجھ سے بہتر ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے تقویٰ کے بارے میں کچھ بتاؤ تو انہوں نے کہا کہ کیا آپ کبھی خاردار راستے سے گزرے ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ہاں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اس وقت آپ کیسے گزرے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ دامن سمیٹتے ہوئے گزرا ہوں۔ جس پر حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہی تقویٰ کی حالت ہے۔ ایک شاعر نے اس بارے میں ایک مضمون کو ان شعروں میں درج کیا ہے۔

خل الذنوب صغيرها وكبيرها فهوا التقىٰ

چھوڑ دے گناہوں کو خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔ اور اس کو تقویٰ کہتے ہیں۔

واصنع كماش فوق ار ض الشوك يخذر مايرىٰ

جس طرح چلنے والا زمین پر احتیاط سے قدم رکھتا ہے ان کانٹوں سے جو کہ اسے نظر پڑتے ہیں۔

Marfat.com

لاتحقرن صغیرۃ ان الجبالَ من الحصیٰ

کسی چھوٹے گناہ کو حقیر نہ سمجھ کیونکہ بیشک پہاڑ چھوٹے سنگریزوں سے بنا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دن کو روزہ رکھنا' رات کو نمازیں ادا کرنا اور ان کے درمیان نامناسب اعمال کا ارتکاب کرنا تو تقویٰ نہیں ہے۔ تقویٰ تو یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس سے بچے اور جو فرض کیا ہے اس پر عمل کرے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ تجھے جو رزق عطا فرمائے وہ خیر ہی خیر ہے۔ روایات میں ہے کہ طارق بن حبیب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ تقویٰ کیا ہے اس کے بارے میں آگاہ کیجئے تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق ثواب کی امید پر اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی اطاعت اور ان پر دل و جان سے عمل کرنا تقویٰ ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نور کے مطابق اس کے عذاب کے خوف کے باعث گناہوں کو مطلقاً چھوڑ دینے کا نام تقویٰ ہے۔ بکر بن عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ انسان اس وقت تک پرہیز گار نہیں ہوسکتا جب تک اس کا کھانا ہر قسم کے حرام سے پاک نہ ہو اور وہ غضب سے بچنے کی بھرپور کوشش نہ کرے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا پرہیز گار کو لگام دی گئی ہے۔ جس طرح حرم میں احرام باندھنے والے کو۔ حضرت شہر بن موشیبؒ نے فرمایا کہ متقی وہ ہے جو ایسے کام کو چھوڑ دے کہ اگرچہ جس کے کرنے میں کوئی نقصان نہ ہو مگر اس کا یہ چھوڑ دینا اس خوف کے باعث ہو کہ وہ کسی خطرہ والے کام میں نہ پڑ جائے۔

حضرت محمد بن علی ترمذیؒ نے فرمایا متقی وہ ہے کہ جس سے جھگڑا کرنے والا کوئی نہ ہو۔ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا۔ متقی وہ ہے جو اپنے نفس سے بغض رکھتا ہو۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ متقی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ محمد بن حنیفؒ کہتے ہیں کہ وہ چیز جو تجھے اللہ تعالیٰ سے دور کردے اس سے کنارہ کش ہونے کا نام تقویٰ ہے۔ قاسم بن قاسمؒ نے فرمایا کہ آداب شریعت کی مکمل پاسداری کا نام تقویٰ ہے۔ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تمام شبہات سے بچنے کا نام تقویٰ ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جو کچھ تو کہے اللہ تعالیٰ کے لئے کہے اور جب خاموش ہو تو اللہ تعالیٰ کے لئے خاموش ہو۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ بندہ اس وقت تک پرہیز گاروں میں سے نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کے دشمن بھی اس سے اسی طرح امن و امان میں نہ ہو جائیں جیسے کہ اسکے دوست۔ حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ پرہیز گار وہ ہے جو اپنے وجود کی طاقت اور قوت سے بے پرواہ ہو جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے جگہ نہ دیکھے جس جگہ کے لئے تجھے منع کیا گیا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا نام تقویٰ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ غفلتوں سے دل کو' خواہشات سے نفس کو' لذتوں سے خلق کو اور بری باتوں سے اعضاء کو بچانا اور محفوظ رکھنا تقویٰ ہے۔ مالکؒ کہتے ہیں

Marfat.com

کہ مجھ سے وہب بن کیہانؒ نے کہا کہ مدینہ کے کسی فقیہہ نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اہل تقویٰ کی چند علامتیں ہوتی ہیں۔ اور ان کے ذریعہ ان صاحبان تقویٰ کی شناخت کی جاتی ہے۔

(1) مصیبت پر صبر کرنے والے

(2) نعمتوں پر شکر کرنے والے

(3) اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والے۔

حضرت ابوترابؒ کہتے ہیں کہ منزل تقویٰ سے پہلے پانچ گھاٹیاں آتی ہیں۔ اور جب تک ان کو عبور نہیں کرے گا پرہیز گار نہیں بن سکے گا۔ نعمتوں پر فقر کو ترجیح' بقدر کفایت روزی کو کثیر رزق پر ترجیح' کمتر درجہ کو عزت و مرتبہ پر ترجیح' رنج کو راحت پر ترجیح' اور موت کو زندگی پر ترجیح۔

ابی ہرمز نافع بن ہرمز رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے انہوں نے کہا کہ کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ آپ کی آل کون ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر مومن پرہیز گار میری آل ہے۔ غرضیکہ تقویٰ تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ اور تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ اس کے عذاب سے بچا رہے۔ تقویٰ کا اصل شرک سے بچنا' گناہوں سے بچنا' شبہات سے بچنا' اور فضول و بیکار باتوں کو چھوڑ دینا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اتقو اللہ حق تقاتہ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے کہ ڈرنے کا حق ہے''۔ سہلؒ فرماتے ہیں کہ جو چاہتا ہے کہ اس کا تقویٰ درست ہو جائے۔ اس کو چاہئے کہ تمام گناہوں کو چھوڑ دے۔ اور آخرت میں فلاح پانے والے تو متقی ہیں جیسے ارشاد ہے۔

وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ

''اور بیشک آخرت کا گھر بہتر ہے۔ ان کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ سے کبھی شکوہ نہ کرو

تمہارے لئے ہرگز اچھا نہیں ہے کہ اپنے رب کے بارے میں شکوے کرتے پھرو اور دنیاوی آزمائشوں کو ظلم کہہ کر اس سے منسوب کرو کیونکہ تمہیں یہ علم ہے کہ ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔ اور بلا یا مصیبت کی ایک انتہا ہے جس میں اول و آخر کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی ان مصیبتوں کا وقت تبدیل ہو سکتا ہے اور نہ ہی یہ تکالیف آرام میں بدل سکتی ہیں اور نہ ہی غربت ومحتاجی امارت سے تبدیلی ہو سکتی ہے اس لئے خاموشی کے ساتھ آداب کو پیش نظر رکھ کر صبر و رضا سے کام لے کر اپنے رب کی موافقت اختیار کرو اور اس کے افعال میں بہتان طرازی اور شکوہ سے توبہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کی طرح ایک دوسرے سے بدلہ لینے اور بغیر گناہ کے انتقام لینے کا جذبہ رائج نہیں ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ازل سے ہی تنہا اور تمام طاقتوں کی مالک ہے۔ اور اس نے تمام اشیاء کو بعد میں

پیدا فرمایا ہے۔ اور ان کے نفع و نقصان کی بھی بعد میں تخلیق فرمائی ہے۔ اور وہی ابتداء و انتہا کا علم رکھتا ہے۔ اور اپنے افعال میں وہ اتنا صاحب حکمت ہے کہ اس کے افعال میں نہ تو کوئی نقص ہوتا ہے اور نہ ہی وہ بلاوجہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا تمہارے لئے یہ کسی طرح جائز نہیں کہ اس کے افعال میں نقص تلاش کرنا شروع کر دو۔ اور فراخی کا اس وقت تک انتظار کرتے رہو جب تک کہ تم اس کی موافقت و رضا کے لئے عاجز نہ ہو جاؤ۔ اور مقررہ معیاد پوری نہ ہو جائے۔ کیونکہ ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونا یا زمانہ کا گزرنا اور مدت کی تکمیل خود تبدیلی حالات کے آئینہ دار ہیں۔ جس طرح گرمیوں کے خاتمے سے سردی کا موسم شروع ہو جاتا ہے۔ یا رات کا ختم ہونا صبح کی آمد کا پتہ دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر تم دن کی روشنی کو مغرب و عشا کے درمیان تلاش کرو گے تو یہ ناممکن ہو گا بلکہ رات کی تاریکیوں میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ حتیٰ کہ جس وقت تاریکیاں دم توڑ دیں گی تو دن کے وقت اگر اندھیرے کی تمنا کرو گے تو وہ بھی حاصل نہیں ہو سکے گا کیونکہ یہ چاہت نامناسب وقت میں ہو گی اور تم اپنی فضول خواہش کی وجہ سے مایوس نظر آنے لگو گے۔

لہٰذا تمہاری بھلائی اس میں ہے کہ ایسی چیزوں کا تصور دل سے نکال کر اپنے رب سے موافقت اور حسن ظن اختیار کرو۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ جو چیز تمہارے نصیب میں ہے وہ تم سے ہرگز نہیں لی جائے گی۔ اور جو چیز تمہارے مقدر کی نہیں ہے وہ تمہیں کبھی نہیں ملے گی۔ یہ دعائیں مانگنا اور گڑگڑانا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و انکساری کرنا عبادت و تعمیل حکم میں داخل ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا"۔ ایک اور جگہ اس طرح ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سے فضل طلب کرو۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات و احادیث اس سلسلے میں موجود ہیں لیکن دعا کی قبولیت کا ایک وقت مقرر ہے جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرمالے۔ دعا کرنے سے یا تو دین و دنیا میں تمہارے لئے بھلائی ہو گی یا پھر یہی دعا قضائے الٰہی اور اس کے معینہ وقت کے موافق ہو جائے گی اس لئے دعا کے قبول نہ ہونے پر بھی اللہ تعالیٰ کی ناشکری نہ کرو اور نہ ہی دعا کرنے میں سستی اختیار کرو کیونکہ تمہاری دعاؤں کے نتیجہ میں اگر کوئی فائدہ نہ بھی ہوا تو نقصان بھی تو نہیں ہو گا اور اگر قبولیت میں جلدی نہیں ہوئی تو اس کا اجر آخرت میں ضرور ملے گا۔ جیسے کہ ایک حدیث میں ہے کہ بندہ اپنے نامہ اعمال میں بہت سی نیکیاں دیکھے گا کہ جس کا اسے علم بھی نہ ہو گا۔ چنانچہ اسے وہاں بتایا جائے گا کہ ان نیکیوں کا اضافہ تمہاری دعاؤں کے نتیجہ میں ہے جن کی تکمیل دنیا میں ممکن نہ تھی۔ دوسری افضل بات یہ ہو گی کہ تم اپنے رب کو واحد تسلیم کر کے اس سے مانگو گے تو یہ اس طرح ہو گا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ اگر تو مقدر میں امارت ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔ اور اگر تنگی ہو تو پھر اس فرمان مبارک کے تحت کہ "اگر تم کو مزید عطا کیا جائے تو توفیق الٰہی کے ساتھ صبر اور موافقت اختیار کر۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں ثابت قدمی کی وجہ سے نصرت و امانت اور اپنے فضل کے قابل بنا دے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی اعانت کرتے رہو گے تو تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔ لہٰذا جس وقت اپنے نفس و خواہش کی مخالفت میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم کرو گے تو پھر تمہیں چاہئے کہ اس کے بارے میں شکوہ نہ کرو اور نہ ہی اس کے افعال پر رنجیدہ خاطر ہو بلکہ تمہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے نفس کے دشمن بن کر اس کے سر پر تلوار لئے ہوئے اس طرح کھڑے رہو کہ جس وقت بھی وہ کفر و شرک کی طرف حرکت کرے تو اس کا سر کچل دو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ضرور تمہاری اعانت فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم فرمانا اس کے قول کے مطابق ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل و رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (ماخوذ فتوح الغیب' شیخ عبدالقادر جیلانیؒ)

جعل بسیط اور مرکب

جعل بسیط کا شے میں اثر خود بخود ہوتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کی ذات باطل اور معدوم ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ چیز بھی ہے کہ خالق کو اپنی تخلیق کی نسبت ایک خصوصیت ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے جاعل (خالق) ہی اس کے ظہور کا سبب ہوتا ہے۔ اس طرح مصنوع کو اپنے صانع کے ساتھ خصوصیت ہوتی ہے اس لئے وہی اس سے صادر ہوتا ہے دوسرے الفاظ میں یہ سمجھا جائے کہ جاعل (پیدا کرنے والا) ایک ایسی جہت ہے جو مجعول (تخلیق) کے ظہور میں آنے کی بنیاد ہے۔ اس لئے عالم تحقق اور عالم فعلیت میں خواہ کسی قسم کا تحقق اور کسی قسم کی فعلیت ہو کسی ایسی چیز کا ظہور میں آنا ناممکن ہے جس کی حیثیت ایجاد کی بنیاد واجب الوجوب جل مجدہ کی ذات اقدس میں نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی تقدیس کے اظہار کا طریقہ یہ ہے کہ وہ غیر متناہی ہے اور اس کا احاطہ لامتناہی ہے۔ اور یہ بات کہنے میں کوئی ممانعت نہیں کہ تمام ممکنات (یعنی تمام مخلوقات) اپنی بہتری میں اس کی محتاج ہیں عقل نے بیشک اس بارے میں کوئی سا تصور بھی فرض کر رکھا ہو۔ یہ تو عین تقرر ہے اس طرح یہ بھی نہیں کہنا چاہئے ۔ کہ ذات اقدس کے سوا مفہومات میں کوئی مفہوم ہے یا فعلیات میں سے کوئی فعلیت ہے۔ کیونکہ ہر وہ چیز جس کی حیثیت ذات اقدس میں نہ ہو اس کا موجود ہونا ناممکن ہے۔

عالم تحقیق - ثابت شدہ جہاں   عالم فعلیّت - کارِ جہاں

اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کل اور جز سے بری ہے

اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کلی اور جزی ہونے سے بری ہے۔ کلی کا اطلاق تو اس لئے نہیں ہو سکتا کہ فنا اور نقص کو اس کی ذات میں قطعاً دخل نہیں اور کلی سراسر فنا اور نقص ہے۔ فنا اور نقص ایسی امور ہیں کہ جنہیں عقل نے پیدا کر رکھا ہے۔ بعض اوقات وہ ایسی چیز کا تصور کرتی ہے۔ جو کبھی وقوع میں نہ آئے۔ یعنی جہاں تک عقل اور علم کا تعلق ہے اگر کسی صانع کی طرف منسوب نہ ہوں تو انہیں فنا اور نقص

Marfat.com

سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی طرح ہم اس ذات کو جزئی بھی نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ جزئی کو عموم نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی چیز کسی بھی امر میں اس کے ساتھ شامل ہو سکتی ہے۔ واحد صرف حق جل جلالہ ہے اور جو ہر ایک صفت اور حیثیت سے واحد ہے اور کل اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ پھر ثابت کرنا پڑے گا کہ کل کتنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ انسانی سوچ وفکر سے بہت بلند پاک ہے۔

معرفت الٰہی

حکمت ربانی کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کی معرفت اسی کی ذات کے ساتھ کرنا ہے اس کے بعد اس کے اسماء پاک کی صفات و برکات اور احکام کی تعمیل کے ساتھ معرفت حاصل کرنا ہے۔ اس کے بعد دوسرے جہاں کی حقیقت کا علم حاصل کیا جائے۔ اور یہ کہ اسماء باری تعالیٰ نے کن خاص خاص حیثیات سے ظہور کیا ہے۔ اس کے بعد اسمائے عوذیہ کے احکام کی تعمیل سے معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ اگرچہ یہ اتنا آسان نہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس کسی کو یہ علم اور ذوق عطا فرما دے اُس کی عطا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کا کوئی اپنے عقل وعلم سے ہرگز احاطہ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ صرف تجلی ذات ہے کہ جس کا ہرگز ادراک نہیں ہو سکتا بلکہ سراسر حیرت ہی حیرت ہے۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کو کسی بھی اعلیٰ متعینہ صفت کے ساتھ موصوف تصور کر لیا جائے مگر وہ تو اطلاق محض ہے اور لفظ اطلاق سے ہمارا مقصد کلی ہونا نہیں کیونکہ اصطلاح کلی کی تو ہم نفی کر چکے ہیں۔ لیکن اطلاق اس لئے بولا جاتا ہے کہ تمام صفات واعتبارات اور سمتیں اس کی ذات اقدس میں شامل ہو کر ختم ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ نہ تو کوئی کلمہ باقی رہتا ہے اور نہ ہی حرف۔ اور وہ کائنات پر تصرف فرماتے ہوئے ایک سرے س دوسرے تک غالب ہے اور تمام کائنات کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اسی طرح وحدت سے ہماری وہ مراد نہیں کہ جس کے مقابلہ میں کثرت ہے۔ سب نے متفقہ طور پر یہ اصطلاح متعین کی ہے۔ کہ جو ذات اقدس وحدت اور کثرت دونوں کے مفہوم سے بالاتر ہے وہی واحد حق کہلاتی ہے۔ اور اس کی ذات پاک تمام اضداد سے بلند اور پاک ہے۔ (خیرہ کثیر' شاہ رحمتہ اللہ علیہ ولی اللہ)

اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات

اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات انسانی سوچ وفکر اور مشاہدات سے بہت بلند ہے۔ اللّٰہ لا الٰہ الا ھو کا اسم مقدس اس لحاظ سے واضع فرمایا گیا ہے کہ وہ لا متناہی ہے۔ اور اعتبار کی اصلیت عنوان

میں ہوا کرتی ہے اور لا اله الاهو کو اس مرتبہ کے لئے وضع کیا گیا ہے تا کہ اعتبار کیا جائے کہ اسے من حیث "ھی" لیا گیا ہے۔ اور ذات اقدس کی معرفت سب سے زیادہ اس خوش نصیب کو حاصل ہوتی ہے جو اطاعت گزار دل رکھتا ہو اور نہایت درجہ قربت الٰہی رکھتا ہو اور اسے اسم مطلق کی حمایت حاصل ہو جس کا بدعا اس کا سینہ مبارک ہے تو یہ ہستی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو خاتم النبین اور امام المرسلین ہیں۔ اور دوسرے انبیاء کرام کو یہ دولت ان کی صلاحیت و مرتبہ کے مطابق نصیب ہوئی۔ اور اولیاء اپنی صورت مزاجیہ کے مطابق اس سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

دوسرا مرتبہ الحی القیوم الحق النور کا ہے۔ سب سے پہلی اور سب سے بڑی عظیم تجلی کا مظہر بھی یہ اسمائے گرامی ہیں۔ اور سب سے سادہ اور بسیط ہیں۔ اور ذات اقدس کے مرتبہ کا یہ لازم کل اور اس کی پوری شرح و تفصیل ہیں۔ بہت سے لوگوں نے غلطی سے عین ذات سمجھ لیا ہے لیکن یہ وسیلہ کی شرح ہے جو تفصیلی صورت کے ساتھ اسے نمایاں کر دیتی ہے۔ اور یہ تقرر کا وہ عنوان ہے جو کہ کیفیات تجلی کی اول ترین مثال ہے اور ہر ایک قسم کے خیر کا اسی سے صدور ہوتا ہے۔

تیسرا مقام و مرتبہ المجید' العظیم' العلی' الکبیر' الجلیل کا ہے۔ یہ عالم تقرر کی مختلف جہات میں سے ایک جہت کی شرح اور تفصیل ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمتوں اور بزرگی کبریاء کی اس میں خصوصیت پیدا ہوگئی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی چادر بتایا ہے۔

اور چوتھا مقام اَلغنی' اَلوَاسع' اَلقَوی' ذُوالجَلَالِ والاکرام ہے یہ بھی جہات میں سے ایک جہت کی شرح اور تفصیل ہے۔

پانچواں مرتبہ اَلرَّحمٰن' الرَّحِیم' اَلبر' اَلقَادِر کا ہے۔ اس میں افاضت کی شکل کو غناء کی صورت میں بتایا گیا ہے۔

چھٹا اسم پاک مرید ہے۔ جس کی جزئیات اَلبَاری' اَلرَّزاق' اَلمصوِّر' اَلھَادی' اَلغفار' اَلقَابض' اَلبَاسط' اَلخَافض' اَلرَّافع' اَلمبدِی' اَلمعِیدُ' اَلمحی اور اَلممِیت ہیں۔

مختصر یہ کہ ہر ایک اختیار و غلبہ وصفت کی ایک مقدس حیثیت ہوتی ہے۔ کہ جس پر کوئی اسم مبارک اُس صفت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اور یہ سب کے سب ایسے اسم پاک کے جز ہیں۔ جو اس سب کا جامع ہے۔ یعنی اَلمرِید' اَلحی اَلقیُوم مثلاً تمام اطوار سے اَلعَلی اَلعَظِیم اس کی شرح ہے۔ بلکہ یہ اس کی صفات سے کسی ایک صفت کی شرح اور تفصیل ہے۔ لیکن عقل کی آنکھ اس کی اہمیت اور حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے۔ اور اس کی ذات کو تمام اعتبار سے نہیں سمجھ سکتی۔ تمام اسماء گرامی کو ان کے طبقات کے مطابق اسی نکتے پر قیاس کرنا چاہئے اور مقام علم میں ثابت قدم رہ کر سمجھنا چاہئے کہ کسی بھی ایک اسم کی اس کے مقدمے لحاظ سے خصوصی شرح اور تفصیلی کیفیت ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ تقرر جسے حیات سے تعبیر کیا گیا کہ جس کے معنی بغیر کسی قسم کے تعدد کے اسی کی ذات کے لئے ذات کے ساتھ حضور ذاتی

Marfat.com

کے ہیں۔ اور جسے صوفیا کی زبان میں علم حضوری کہا جاتا ہے۔ اور حکماء اسے تقویم اور تحقق سے یاد کرتے ہیں۔ کہ جس کے معنی و مفہوم ظاہر ہونا ہے یہ مرتبہ ذاتیہ کی مثال اور اس کی شرح ہے۔ دونوں ایک دوسرے پر یکسر دلالت کرتے ہیں۔ باوجود بہت مختصر ہونے کے ثابت شدہ معانی کے سوا اور ان میں کوئی فرق نہیں۔ اور یہاں آ کر تمام حیثیات اور اعتبارات مکمل طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔

اور وہ امر کہ جس کا عنوان عظمت علو اور کبریا ہے۔ اسم پاک (الحی) کی ایک ہی حیثیت کی مثال ہے۔ اس کا اطلاق ایک خاص حیثیت کے ساتھ عظمت اور ذات اقدس کی بزرگی کی صورت میں متمثل اور ظاہر ہوتا ہے۔ اس طرح وہ صفات جن کو غنیٰ رحمت' برکت اور عطاء سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ اسم عظیم کی صفات میں سے ایک صفت کی شرح اور تفصیل ہے۔ اور اس کا مفہوم بذاتِ خود شامل ہے کہ جس سے عطا اور برکت متشکل ہوتی ہے۔ اگرچہ غنا اور برکت اس قسم کے فیض کا منبع اور اس کے مختلف احوال کا مجموعہ ہے۔ لیکن اس کا منبع ہونا شمولیت میں آ کر مٹ جاتا ہے۔ اور رحمت اور قدرت یہ دونوں "المتبارک" کی صفات میں سے ایک صفت کی شرح اور تفصیل کرنے والی ہیں اور یہ کمالات افاضیہ کے لئے بمنزلہ ہیت استعدادیہ کے ہیں جو کہ ملکہ کی صورت میں رحمت و قدرت واحد ہیں۔ اور ہر ایک چیز پر قادر ہونا یہ رحمت کا نتیجہ ہے۔ وَرَحْمَتِي وُسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اس کے بعد اس کی مثال کے حق کو سامنے رکھتے ہوئے اس چیز کو ان لوگوں کے لئے جو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے ہیں متعین کر دیا۔ اس کے علاوہ تمام چیزوں کو قدرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تو فرق اور اطلاق میں کوئی فرق نہیں۔ اور پھر جب رحمت میں افاضہ بالفعل کی شکل نمودار ہوتی ہے۔ تو اسے ارادہ کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے۔ اور یہ ایک ہیت وحدانیہ ہے۔ جو انتہا اور اطلاق کے لئے ختام مسک ہے۔ کسی بلند ارادہ کی شان نہیں کہ وہ پہلے اور ذاتی طور پر کسی دوسری طرف نظر اٹھائے۔ اس کے لئے مناسب یہی ہے۔ کہ تمام امور کا مرجع مقصد اول ہی کو قرار دے۔ جس میں اسماء حسنیٰ کی صورتوں کا عکس نظر آتا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ اسماء گرامی میں اطلاق کی بے پناہ صلاحیت اور لامتناہی پھیلاؤ نظر آتے ہیں۔ اس کی مثال صاف و شفاف آئینہ کی طرح ہوتی ہے۔ کہ اس میں تمام مافوق نفوس اور صلاحیت ظاہرہ وغیرہ سامنے آتی ہیں۔ اور تمام اسماء گرامی کے لئے یہ مثال نہایت مضبوط ہے۔ لیکن لوگوں کی معرفتیں ان کے اپنے تک ہی محدود رہتی ہیں جو ارادہ میں منعکس (ظاہر) ہوتی ہیں۔

اگر اطلاق اور اس کی حقیقت ذہن نشین ہو جائے تو پھر اس کا سمجھنا بہت آسان ہے۔ کیا نفس واقع میں کاتب (لکھنے والا) کے مفہوم میں وہ تمام صورتیں ظاہر نہیں ہوتیں کہ جن کے ساتھ اسے اصیلت کی نسبت ہے۔ چنانچہ کاتب ہی کی صورتوں میں سے ناطق حیوان' جسم اور جوہر' ضاحک اور ماشی وغیرہ ہیں کہ جن پر اس کا اطلاق ہوتا ہے حالانکہ ان میں سے ہر ایک کا مفہوم ایک مستقل حقیقت ہے اور کاتب کے مفہوم کے ساتھ جو اسے اتحاد حاصل ہے وہ اتحاد عرضی ہے۔ تو اس وجہ سے اطراف کی اقسام صادر

Marfat.com

ہو گئیں۔ اور انہیں کا نام اعیان صابتہ رکھا گیا ہے۔ اور ہر ایک جہت (طرف) کے مقابلے میں ایک اسم جزئی ہے جو کہ صفات فعلیہ (کوئی کام کرنے کی صفات) کہلاتی ہیں۔ جیسا کہ بیان کر دیا گیا ہے کہ جو صفات پہلے بیان کی گئی ہیں ان کو بہت زیادہ تعلق کے سبب صفاتِ ذاتیہ کہتے ہیں۔ اور ان کا مفہوم بالکل ذات اقدس پر منطبق ہوتا ہے۔ یہ ایجاد کی اصل اور حکمت کی بنیاد ہے۔ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات پر ہر طرح محیط (احاطہ رکھنے والا غالب) ہے۔ خواہ کائنات کے ظہور کو پیش نظر رکھا جائے یا جہان کے معنی کو، غرض کہ یہ سب کچھ ازلی وابدی حقیقتوں کا نتیجہ ہے جو اَنیاتِ عَودِیَہ کہلاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی کے طبقات

پہلے طبقہ میں اَلعَلِیۡمُ' اَلسَّمِیۡعُ' الخبیر اَلبَصِیۡرُ اَلشَّھِیۡدُ ہے اور ان کی حقیقت یہ ہے کہ تمام کائنات اپنی تخلیط' احکام اور آثار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم میں حاضر ہیں۔ اور وہ سب پر محیط (غالب) ہے۔

دوسرا طبقہ اَلۡمَلِکُ' اَلۡمُتَعالِیۡ' اَلصَّبُوۡرُ: اَلشَّکُوۡرُ' اَلۡحَکِیۡمُ' اَلرَّشِیۡدُ' اَلۡحَمِیۡدُ' اَلۡبَاقِیۡ' اَلۡوَاحِدُ' اَلۡوَارِثُ کا ہے۔ ان کی حقیقت طبقہ عکس ہے کہ جس میں تعری کا پہلو ملحوظ ہو۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ وہ اپنے پہلے اطلاق اور تعری پر باقی ہوں۔ اس لئے کہ یہ تو بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسماءِ بدایہ ہیں۔

تیسرا طبقہ ان اسماء حسنیٰ کا ہے۔ اَلۡقُدُّوۡسُ' اَلسَّلَامُ' اَلصَّمَدُ' اَلسُّبُوۡحُ ان کی حقیقت تقدس نام اور فائدے بے پناہ ہیں۔ اور ان کے بعد ذات اقدس سبحانہٗ وتعالیٰ کا مقام ہے۔

پہلا طبقہ کائنات کی مختلف صورتوں کا جامع ہوتا ہے اور یہ دو مرتبہ ہوتا ہے۔ ایک اضافی فیض پہنچانے کے وقت جس کا لقب کلام ہے۔ دوسرا اس وقت جب کہ وہ نظام انعکاس کے طور پر ظاہر ہو' جس کی ترتیب اس اسم گرامی میں کہ جو لوح محفوظ پر تحریر ہے۔ ہم اسے علم انفعالی بھی کہتے ہیں۔ اور اسم گرامی قدوس کے تمثیل کی حقیقت یہ ہے کہ جو تمثلات الحی القیوم کے ضمن میں (پیچیدہ) تھیں ان سب سے اس کی تجرید (علیحدگی) کی گئی ہو۔ اور الملک الدائم (ہمیشہ کا بادشاہ) کا مفہوم مراتب مختلف کے مطابق ہی ایک مرتبہ میں القدوس کی شرح ہے حکمت کی ابتداء ذات اقدس کی معرفت میں حیرانی سے ہوتی ہے۔ یہ کہ اسماءِ عَودِیَہ کی طرف عاجزی سے رجوع کیا جائے کہ کبریائی اللہ تعالیٰ کی صفت اور عاجزی بندے کا شعار ہے کیونکہ کائنات کا خاتمہ قریب ہے۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ کبھی تو آغاز کو ملحوظ رکھ کر اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ کو اسم اعظم بناتے اور کبھی حالت عودیہ کو پیش نظر رکھ کر اَلۡاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیۡ لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ کو اسم اعظم قرار دیتے۔ چنانچہ یہ نظر آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اکثر دعاؤں میں اسماء عودیہ کی جانب انکسار پایا جاتا ہے اور آپ کی تسبیح و تہلیل میں بھی یہ اسمائے عودیہ رہتے تھے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حادثہ (تخلیق)

اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء حادث ہیں۔ جو کہ نظام حوادث (تخلیق) کا سبب ہیں۔ اور اس قول کی حقیقت یہ ہے کہ قرب کی اقسام میں سے ایک قسم قرب بالفرائض ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے بندوں کو جس وقت قرب وجود حاصل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندوں کی آنکھوں میں اپنی تجلی فرماتا ہے۔ اس تجلی کے بعد ایک قسم کا تحقق ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تحقق کی اصلیت اور اس کی بنیاد ہے اور اس تحقق کی تمثل کا انحصار عالم غیب میں عین پر ہوتا ہے اور عالم شہادت میں نفس ناطقہ پر جیسا کہ روح انسانی کے یقین کا دارومدار جسم میں داخل ہونے پر ہوتا ہے اس اسم پاک کی مثال بعینہ نفس انسانی کے بدن کے ساتھ تعلق رکھنے کی ہے تو جیسے کہ نفس مجرد اور بسیط ہے لیکن اس کا یہ تجرد اور بساطت بدن سے تعلق پیدا کرنے میں رکاوٹ نہیں۔ اسی طرح یہ اسم پاک باوجود کہ امر الٰہی غیبی ہے مگر یہ عین ثابت اور نفس ناطق سے تعلق پیدا کرنے میں رکاوٹ نہیں۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے سے تقدس میں فرق نہیں آتا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ

اس آیت کی معنی کے مطابق یہی اسم گرامی ہے کہ جس کی ابھی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

فرشتوں کی حقیقت

فرشتوں کی نورانی حقیقت تو یہ ہے کہ ان کے نفوس کامل تر ہوتے ہیں اس لئے ان میں اسماء گرامی کا تمثل اور ظہور کامل تر ہے اور ان کا مادہ تخلیق انسان کے مادہ تخلیق سے لطیف تر ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ سراپا علم اور وحی میں اور اپنے اصول کی مکمل طور پر پیروی کرنے والے ہیں۔ بعض فرشتے ان میں سے کلیین ہیں۔ جو کلی تدبیر کو انجام دینے پر مقرر ہیں۔ اور اس تاثیر کلی کا اظہار کبھی تو نشاۃ طبعیہ میں ہوتا ہے اور کبھی نشاۃ علمیہ میں۔ اور بعض ملائکہ ان میں جزئیین ہیں۔ جو پہاڑوں، دریاؤں، بادلوں اور ہر قسم کی اشیاء پر موکل ہیں۔ مختصر یہ کہ جب ان کی حقائق میں وسعت پائی جاتی ہے اور انہیں ذات اقدس سے قرب حاصل ہے اس لئے ان اسمائے گرامی کے بعد جن کا ظہور ان کے سینوں میں ہوا ہے انہیں کائنات کی تدبیر سپرد کر دی گئی ہے۔

فرشتوں کا مقام قرب اور ان کے اسماء گرامی

فرشتوں کی ایک جماعت کو قرب وجود کا درجہ حاصل ہوا ہے اور ان کے اعیان میں کمال آ گیا تو انہوں نے قرب فرائض کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تجلی فرمائی اور اس کی الوہیت متحقق ہوئی۔ پس تحقق نے ایجاد کرنے اور اثر انداز ہونے کا تقاضا کیا جس کے سامنے

ان کے نفوسِ مجردہ اور ان کی جسم پذیر روحیں طاعت کے طور پر جھک گئیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس تحقق کے ذریعہ نفوس اور ارواح کو پیدا فرمایا۔

ان فرشتوں میں ایک میکائیل علیہ السلام ہیں جن کے ذمہ ہر قسم کی پیدائش اور رزق پہنچانے کا کام سونپا گی اہے۔ اس شعبے مین بہت سے فرشتے ان کے مطیع ہیں۔ ماں کے پیٹ میں بچے کی صورت بنانے اور درخت وغیرہ اگانے کے کام ان کے سپرد ہیں۔ اور عزرائیل علیہ السلام جان قبض کرنے پر مقرر ہیں۔ اور اسرافیل علیہ السلام کے کام ان دونوں سے عام ہیں۔ گویا ان دونوں کے کام کی شرح اور تفصیل یہ ہے اور اسی سے ایجاد کلی اور خاتمہ کلی دونوں ان کی طرف منسوب ہیں۔ پہلا صور پھونکنا فنا کے لئے اور دوسرا صور پھونکنا ایجاد کے لئے ہے۔

اور جبرائیل علیہ السلام کے سپرد تربیت کمالیہ کے کام کئے گئے ہیں۔ ان کے لشکر میں بہت سے فرشتے ہیں۔ جو لوگوں کے دلوں میں کلمات خیر القاء کرتے رہتے ہیں اور تمام رسولوں کے لئے ایک اسم پاک ہوتا ہے جو اُن کے دل پر تجلی انداز ہوتا ہے۔ غرضیکہ یہ تمام اسی سے فیض یاب ہیں اس اسم پاک کے دامن عاطفت میں تمام انبیاء کرام پناہ گزین ہوئے۔ جس کا سبب اس نام مبارک کا عموم اور اطلاق ہے۔

وَحدَتُ الشُّھُود، وَحدَت الوُجُود

پر عمومی اور غیر جانبدار بحث

یہ مسئلہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے متنازعہ ہے۔ اس لئے خواہش یہی ہے کہ اس میں اختلاف کو کم سے کم کیا جائے۔ یہ ایک مخلصانہ کوشش ہے۔ یہاں کسی بزرگ کی تردید مقصود نہیں۔ مگر منزل سب کی ایک ہے۔ مسئلہ وحدت الوجود کے بارے میں ایک حکیم کے مطابق جو مطلب ہے وہ دوسروں سے مختلف ہے۔ چنانچہ حکیم کے نزدیک ہر ایک ممکن خواہ وہ موجود ہو یا فرض کردہ ہو بہر حال ایک واقع ہونے والا کام اور ایک صورت ہے فعلیت سے مراد اس کا تقرر اور صُورت ہے اسی حیثیت سے نفس الامر میں فنا صرف بسیط سے امتیاز حاصل کر لینا ہے۔ اور ماہیت کا مفہوم وہ امر ہے جس کو ملحوظ رکھ کر انسان کی ظلمانی قوت واہمہ ایسے یقین سے دور بھاگنے کا تصور باندھتی ہے جس کی بنا پر وہ دوسروں سے الگ ہو جاتا ہے حکیم کا فیصلہ ہے کہ ماہیت میں ثبات نہیں اور نہ ہی واقع کے مطابق ہے اس لئے وہ اسے پس پشت ڈال دیتا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ جس فعلیت کے واقع ہونے کی حیثیت اور اس کی ایجاد پر قدرت رکھنے کی اصل واجب اگر اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس میں نہ ہو تو وہ وجود میں آ ہی نہیں سکتا۔ اور فعلیت کے دائرہ سے خارج ہوگا۔ اور اسے ایک ایسی چیز کی طرح کہا جاسکتا ہے۔ جس سے اس کی تمام ذاتیات ہٹالی جائیں۔ مختصر یہ ہے کہ ہر ایک فعلیت کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس میں ہے۔

Marfat.com

پھر اس میں بھی شک نہیں کہ اس مقام پر تین باتیں ہیں ایک تو وہ امر مشترک ہے کہ جو اس حیثیت اور اس واقع ہونے والی چیز کا جامع ہوتا ہے۔ صادر اگر مخلوق ہے تو اس وجہ جامع کو نفس رحمانی کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ صادر باری تعالیٰ کا کوئی اسم پاک ہے۔ تو اس کو نفس عینی کہتے ہیں۔

دوسرا وہ امر جو اس حیثیت کے ساتھ اس لئے مخصوص ہے کہ وہ حیثیت تمثل سے پاک ہے کیونکہ اس امر کا کوئی خاص حکم نہیں تو اس لئے اسے کسی خاص نام کے ساتھ موسوم نہیں کرتے۔ اور تیسرا وہ امر ہے جو اس واقع کے ساتھ مخصوص ہے کہ جس سے اس اَمر کی طے شدہ صورت کا ظہور ہوتا ہے۔ اس امر خصوصی کو ہم خصوصیات موطن کے ساتھ موسوم کرتے ہیں۔ کائنات کے ظہور کی حیثیتیں اس لئے کئی ہیں کہ اسمائے حسنیٰ بے شمار ہیں۔ اور یہ مقدس حقائق ہیں۔ اس لئے ان کی جہات مختلف ہیں۔ لیکن تمام لوازم ایک ہی لازم پر انجام پذیر ہوتے ہیں؛۔ اور بالکل اسی طرح تمام جہات کی انتہا ایک ہی جہت پر ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو بھی ہے جھوٹ ہے اور باطل ہے اسی حکمت سے تجلی ذات کا ظہور ہوتا ہے۔ (شاہ ولی اللہؒ 'خیر کثیر)

وحدت الوجود کے بارے میں شیخ صدرالدین قونوی کا نظریہ

شیخ صدرالدین قونوی فرماتے ہیں۔ کہ ذاتِ اقدس کے وحدت وجود کو ملحوظ رکھ کر ہم اس بات کے قائل ہیں کہ واحد حق سے واحد ہی صادر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ واحد کی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ تصور کرنا ناممکن ہے۔ کہ اس سے سوائے واحد کے کچھ صادر ہو۔ اس واحد حق کا مفہوم ہمارے نزدیک وجود عام ہے۔ جو اعیان کائنات پر فائز فرمایا گیا خواہ وہ موجود ہو گئے ہوں یا ابھی تک موجود نہ ہوئے ہوں۔ وحدت وجود کا وہ مفہوم نہیں جس کا ذکر فلاسفہ نے کیا ہے کیونکہ محققین کے نزدیک سوائے واحد حق شانہٗ کے اور کوئی بھی اس نظام ہستی میں جلوہ گر نہیں اور جہان کا مفہوم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ وہ پہلے اللہ تعالیٰ کے علم میں داخل تھا پھر دوبارہ اسے وجود عطا فرمایا گیا۔ خلاصہ کلام یہ کہ پھر اس کے بعد اس نے اس چیز کو مٹا دیا کہ ماہیات کو فی نفسہا جعولیت سے موصوف کیا جاتا ہے اور اس کے کلام کا حاصل یہ ہے۔ کہ وجود کا مفہوم عام تمام موجودات کے درمیان مشترک ہے۔ اور یہ کائنات کی حقیقت واجب تعالیٰ کے تمثل اور اسی حیثیت سے صادر ہوتی ہے۔

مولانا عبدالرحمٰنؒ نے اس مسئلہ پر بہت تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ وجود عام کہ جس کا مفہوم تمام کائنات پر مشتمل ہے۔ وہ واجب جل مجدہ کی صفات کا ظہور ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ صوفیا وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ جس وقت ان کے سامنے یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ واجب تعالیٰ ہی

Marfat.com

وجود مطلق ہے۔ تو پھر انہیں اس بات کی حاجت پیش نہیں آئی کہ وہ اس کی وحدانیت اور نفی شریک پر دلائل قائم کرتے۔ اس لئے دو اور تعدد کے تصور کا بھی امکان نہیں۔ سوائے اس کے کہ تعین اور تاکید کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس لئے جس چیز کا بھی تم مشاہدہ کرتے ہو جو عقل اور خیال میں آسکتی ہے۔ اور جس کے تصور سے ذہن میں تعدد کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ تو ایسی چیز وجود اضافی کے ساتھ موجود ہے۔ لیکن اس کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کے کرم سے قائم ہے ورنہ ذاتی طور پر تعدد کا کوئی وجود نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ وجود عام کا مفہوم تمام کائنات میں مشترک ہے اور وہ حقیقت واجب تعالیٰ کا کرم اور اس کی ذات کی صفات کا مظہر ہے۔ علماء کرام کے متعلق یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ذات باری تعالیٰ کو کلی سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کی مراد اس سے یہ ہے کہ وہ اپنی قدرت سے تمام کائنات کے افعال کو گھیرے ہوئے ہے اور یقینی سلطنت کو ہر طرف سے احاطہ میں لئے ہوئے ہیں۔ یعنی یقین اور اس کا وجود اولاً ذات اقدس کی طرف ہی منسوب ہے پس ذات باری کے اختیار میں ایجاد اور اس کے پیدا کرنے کی قدرت' بالفعل واجب تعالیٰ کی حقیقت میں موجود ہیں۔ اور اس کا تحقق باری تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ اس میں کسی شک کرنے والے کے لئے شک کی گنجائش نہیں۔

عالم ثبوت کی اصل اور اس کا منبع واجب تعالیٰ کی ذات ہے۔ صرف اس طور پر ہی نہیں کہ تمام ثابت شدہ جہان اس کی عظمت کی گواہی دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور وہ کبریائی کی چادر اوڑھے ہوئے ہر قسم کی مثال سے پاک ہے۔ تمام تمثلات اس کے کمال کے مظاہر ے اور اس کے جمال کے آئینے اور اس کی عظمت اور جلال کی شرح اور تفصیل ہیں۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس میں کوئی فلسفی بھی اختلاف نہیں کرتا۔

وجود اور ماہیت ایک ہیں

اصل بات تو یہ ہے کہ وجود اور حقیقت ایک ہی چیز ہے۔ اور حقیقت اسی طرح مقرر کردہ ہے۔ جیسے قونوی نے تشریح کی ہے۔ کیونکہ وجود کا مفہوم بلحاظ اس کے عمومی استعمال کے واجب تعالیٰ کی لامتناہی کو شامل ہے۔ جس سے انہیں یہ غلطی ہوئی۔ کہ وہ عین واجب ہے۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے پر کلی طور پر منطبق ہیں۔ لیکن اس نکتہ کو نہ سمجھ سکے۔ کہ تمام جہان کلی طور پر متعین ہے اس میں ہر چند کہ اطلاق کا تصور کیا جائے مگر واجب تعالیٰ کے اطلاق سے صرف اتنی سی نسبت ہے کہ اس کے علم کے مطابق اور پیدا کرنے سے جہان معرضِ وجود میں آیا۔ اور جس شخص کا یہ خیال ہے کہ یہ پیدا شدہ جہان عین واجب ہے تو اسے بہت دھوکا ہوا ہے۔ کہ جس سے وہ ظاہر اور مظہر میں فرق نہیں کر سکا۔ اے اللہ تعالیٰ تیری بارگاہ میں التجا ہے کہ تو ہماری راہنمائی فرما۔ ہمارے سینے کو کھول دے۔ ہمیں حقائق کو سمجھنے کی توفیق دے ہماری غلطیوں پر گرفت نہ فرما۔ ہم صدق دل سے تیری صفات سمجھنا چاہتے ہیں۔ ہماری آنکھوں سے پردے اتار دے اور اگر تیری صفات بیان کرنے میں مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو معاف کر دے اور مواخذہ نہ فرما۔ آمین

Marfat.com

مسئلہ وحدت الوجود کے محرک اول

مسئلہ وحدت الوجود کے محرک اول شیخ اکبر محی الدین محمد بن علی الحاتمی الاندلسی الدمشقی ہیں۔ یہ قبیلہ بنی طے سے ہیں اور حاتم طائی کی اولاد سے ہیں۔ ان کا مزار دمشق میں ہے۔ یہ مزار محلہ صالحہ میں ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کے مزار کے پاس ہی قاسون پہاڑ ہے۔ جس پر اہل کہف کا غار ہے۔ شیخ محی الدین نے جو کتب تصنیف کیں ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

عقلہ المستوخرہ عقیدہ مختصرہ عنا قائے معرب القول النفیس، کتاب تاج الرسائل، کتاب الجلالہ کتاب النقبا، مجموعہ رسائل ابن عربی مراتب الوجود مواقع النجوم فتوحات مکیہ نقش النصوص، کی شرح مولانا جامیؒ نے کی ہے۔ فصوص الحکم کی شرح کرنے والوں میں شیخ موید الدین بن محمود الجندی، شیخ صدر الدین القونوی، داؤد بن محمد الرومی، نور الدین محمد عبدالرحمٰن جامیؒ، عبدالغنی النابلسی اور الکاشانی وغیرہ شامل ہیں۔

عمومی طور پر شارحین کا کہنا ہے کہ لوگوں میں شیخ کے حیرت انگیز انداز سے واقف نہ ہونے کے سبب بڑی بڑی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ بعض صوفیاء ان کو قطب معرفت سمجھتے ہیں وہ قرآن شریف کی آیات کی تو تاویل کرتے ہیں مگر شیخ کے اقوال میں تاویل نہیں کرتے۔ اور بعض ان کے برعکس شیخ کی تکفیر میں دیر نہیں لگاتے۔ بعض جاہل یورپ زدہ شیخ کے فلسفہ کو افلاطون کا فلسفہ سمجھتے ہیں۔ مگر کم علمی کے باعث وہ لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ اُن کی تمام کتابیں تو جنید بغدادی، ابو یزید بسطامی، سہل بن عبداللہ تستری کے اقوال اور آیات قرآن مجید و احادیث شریف سے بھری ہوئی ہیں۔ اور ان کتابوں میں کسی جگہ پر بھی افلاطوں سمیت کسی یونانی فلسفی کا ذکر نہیں ملتا۔

محی الدین ابن عربی کے بارے میں مجدد الف ثانی کا نظریہ

عقیدہ وحدت وجود کے اختلاف کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی محی الدین ابن عربی کو مقبول بارگاہ جانتے ہیں۔ اور حضرت مجدد الف ثانی کا شیخ اکبر سے اختلاف مسائل شرعیہ پر ہے۔

مکتوب نمبر 266 میں ساتواں عقیدہ کے اندر حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔

"شیخ محی الدین ابن عربی کے حق میں فقیر کا اعتقاد خاص یہی ہے۔ کہ اس کو مقبولوں میں سے جانتا ہے۔ اور اس کے مخالف علوم کو خطا دیکھتا ہے"

اس طائفہ میں بعض لوگ شیخ کو طعن و ملامت بھی کرتے ہیں۔ اور اس کے علوم کو پر خطا جانتے ہیں۔ اور بعض لوگ شیخ کی پیروی اختیار کر کے اس کے تمام علوم کو بہتر ثواب جانتے ہیں۔ اور ان علوم کی حقیقت کو دلائل کے ساتھ ثابت کرتے ہیں۔ اور شک نہیں کہ ان دونوں طبقوں نے افراط و تفریط کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اور راہ اعتدال سے دور رہے ہیں۔ شیخ کو جو مقبول اولیاء میں سے ہیں۔ خطائے

Marfat.com

کشفی کے باعث کس طرح رد کیا جائے؟۔ اور اس کے علوم کو جو اہل حق کی آراء کے مخالف ہیں۔ تقلید سے کس طرح قبول کئے جائیں؟۔

ہاں مسئلہ وحدت الوجود میں اسی گروہ میں سے بہت سے لوگ (صوفیاء کی کثیر تعداد) شیخ کے ساتھ شریک ہیں۔ اگر چہ شیخ اس مسئلے میں ایک خاص طرز رکھتے ہیں۔ لیکن اصل بات میں سب کے سب باہم شریک ہیں۔ یہ مسئلہ بھی اگر چہ بظاہر اہل حق کے مخالف ہے۔ لیکن توجہ کے قابل ہے۔ اس فقیر نے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے حضرت (خواجہ باقی باللہؒ) قدس سرہ کی رباعیات کی شرح میں اس مسئلہ کو اہل حق کے معتقدات کے ساتھ جمع کیا ہے اور فریقین کو نزاع لفظی کی طرف توجہ دلائی ہے اور دونوں اطراف کے شکوک و شبہات کو اس طرح حل کیا ہے کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا (مجدد الف ثانیؒ)

مسئلہ وحدت الوجود پر حضرت مجدد الف ثانی کی بحث

مکتوب نمبر 234 میں حضرت مجددؒ فرماتے ہیں۔

اور چونکہ شیخ اجل محی الدین ابن عربیؒ نے ان کی شرارت اور نقص اور فساد کی حقیقت پر نظر نہیں ڈالی اور ممکنات کے حقائق کو حق جل وعلا کی علمیہ صورتیں مقرر کی ہیں کیونکہ ان کی صورتوں نے حضرت تعالیٰ وتقدس کے آئینہ میں انعکاس پیدا کر کے خارجی نمود وظہور حاصل کیا ہے کیونکہ وہ خارج میں اس کے سوا کچھ موجود نہیں جانتے اور ان علمیہ صورتوں کو واجب تعالیٰ کی صفات کی صورتوں کے غیر نہیں سمجھا ہے۔ اس لئے وحدت وجود کا حکم کیا ہے۔ اور ممکنات کے وجود کو واجب تعالیٰ وتقدس کے وجود کا عین کہا ہے۔ شر ونقص کو اضافی اور نسبتی کہہ کر شرارت مطلق اور نقص محض کی نفی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی چیز کو فی نفسہ قبیح نہیں جانتے۔

توحید وجودی اور شہودی کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی کا موقف

حضرت مجدد الف ثانی مکتوب 272 میں تحریر کرتے ہیں۔

واجب الوجود کی ذات پاک اور اس کی تمام صفات کے ساتھ غیب سے ایمان لانا انبیاء کرام پر اور ان کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اور ان اولیاء پر جو کلی طور پر مخلوق کی طرف رخ کئے ہوئے ہیں۔ اور ایمان شہودی عام صوفیا کرام کا حصہ ہے۔ خواہ وہ گوشہ نشین ہو یا لوگوں میں رہنے والے ہوں۔ کیونکہ یہ ارباب اگر مرجوع ہیں لیکن انہوں نے پوری طرح دنیا کی طرف رجوع نہیں کیا ہے۔ ان کا باطن اسی عظمت کی طرف دھیان رکھے ہوئے ہے۔ یعنی ظاہر میں خلق کے ساتھ اور باطن میں اللہ جل

Marfat.com

شانہ کے ساتھ۔اسی لئے ایمان شہودی ہر وقت انکے نصیب میں ہے۔

انبیاء کرام جب مقام دعوت سے فارغ ہو جاتے ہیں اور عام بقا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور رجوع کی مصلحت مکمل ہو جاتی ہے۔تو بڑے شوق سے الرفیق الاعلی کی ندا لگا کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔اور مراتب قرب میں ناز وادا کی حالت میں آجاتے ہیں فقیر کے نزدیک کمال یہ ہے کہ عروج کے وقت کثرت بالکل نظر سے دور ہو جائے۔اور احدیت مجردہ کے سوا کچھ مشاہدے میں نہ رہے۔اور رجوع کے وقت تمام نظر کثرت پر پڑے۔اور عامہ مومنین کی طرح خلق کے سوا اور کوئی امر مشہود نہ ہو۔اور مخلوق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کے سوا اسے کوئی کام نہ ہو۔اور جب دعوت کا کام پورا کر لے۔اور عالم فانی کو وداع کرے۔تو پورے طور پر جناب قدس کی طرف متوجہ ہو کر اپنا سامان غیب سے شہادت کی طرف لے جائے۔اور معاملہ گوش سے آغوش تک پہنچ جائے۔

آگے چل کر مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔

تشبیہ اور تنزیہ کے جمع کرنے والوں میں سے بعض کہتے ہیں کہ تنزیہیہ کے ساتھ ایمان تمام مومنوں کو حاصل ہے اور عارف وہ ہے جو ایمان بہ تشبیہ کو بھی اس کے ساتھ جمع کرے۔اور خلق کو خالق کا ظہور دیکھے۔اور کثرت کو وحدت کا لباس جانے۔صانع اور مصنوع میں اظہار دیکھے۔اس کے بعد یوں تشریح کرتے ہیں۔

انبیاء کرام آفاقی و انفسی لوگوں کے خود ساختہ معبودوں کی نفی کرتے ہیں۔اور ان کے جھوٹا ہونے کی دعوت فرماتے ہیں۔اور اس واجب الوجود کی طرف جو بالیقین ہے راہنمائی کرتے ہیں۔کبھی کسی نے نہیں سنا کہ کسی پیغمبر نے ایمان تشبیہہ کی طرف دعوت کی ہو۔اور خلق کو خالق کا ظہور کہا ہو۔تمام انبیاء کرام واجب الوجود کے کلمہ میں متفق ہیں۔اور حق تعالیٰ کے سوا تمام معبودوں کی نفی کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

انبیاء کرام نے وحدت وجود کی طرف دعوت نہیں دی۔اور نہ ہی وجود کہنے والوں کو مشرک کہا ہے۔بلکہ ان کی دعوت وحدت معبود کی طرف ہے اور انہوں نے حق تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کو شرک کہا ہے۔ان میں سے بعض متاخرین جہان کو حق تعالیٰ کا عین نہیں جانتے اور عینیت سے کنارا کرتے ہیں۔اور عینیت کے قائلوں کو طعن و تشنیع کرتے ہیں۔اور شیخ محی الدین اور ان کے ماننے والوں کا انکار کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ لوگ کائنات کو حق تعالیٰ کا غیر بھی نہیں جانتے۔بلکہ نہ ہی حق تعالیٰ کا عین اور نہ ہی حق تعالیٰ کا غیر جانتے ہیں۔یہ بات بھی سمجھ میں آنے والی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اور کسی دوسرے کو قدم اور ازلیت حاصل نہیں

مکتوب 266 میں تحریر کرتے ہیں۔

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حق تعالیٰ قدیم وازلی ہے اور اس کے سوا کسی کے لئے قدم اور ازلیت ثابت نہیں ہے۔ جو کوئی حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کے قدیم اور ازلی ہونے کا قائل ہو۔ وہ کافر ہے۔ امام غزالی نے ابن سینا اور فارابی کی تکفیر اسی لئے کی ہے کہ وہ عقول اور نفوس کے قدم کے قائل ہوئے ہیں۔ اور صورت وہیولی کے قدیم ہونے کا گمان کیا ہے۔ اور آسمانوں کو بمعہ ان کی اشیاء کے قدیم سمجھا ہے۔ اور ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ محی الدین ابن عربی کاملین کی ارواح کے قدم کے قائل تھے۔ اس بات کو صرف تاویل ہی سمجھنا چاہئے تا کہ اہل سنت کے اجماع کے مخالف نہ ہو۔

توحید وجودی وشہودی اور ان سے متعلقہ معارف (بحوالہ مکتوب 291)

ایک گروہ کے لئے توحید وجودی کا مفہوم مراقبات توحید کی کثرت، مشق اور ممارست اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کا سمجھنا اور ورد کرنا ہے۔ توحید کی اس قسم کا ظہور خیال کے غلبہ کے باعث حیلہ اور غور وتخیل کی وجہ سے ہے۔ اس کے معنی توحید کی کثرت مشق کی وجہ سے خیالات میں نقش ہو جاتے ہیں۔ اور چونکہ یہ توحید ایجاد موجد سے وجود میں ائی ہے اس بنا پر وہ سبب سے خالی نہیں۔ ایسی توحید والے ارباب احوال میں سے نہیں ہیں کیونکہ ارباب احوال ارباب قلوب ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ اس وقت مقام قلب سے کچھ خبر نہیں رکھتے۔ یہ توحید حالی نہیں محض علمی ہے۔ لیکن علم کے اوپر بھی اور نیچے بھی درجات ہیں۔

اور ایک دوسرے گروہ کی توحید وجودی کا مقصد جذب کرنا اور محبت قلبی ہے۔ جو ابتدا میں اللہ تعالیٰ کے اذکار کے ساتھ جو توحید کے معانی کے تخیل سے خالی ہوتے ہیں مشغول رہتے ہیں۔ اور سخت محنت اور یا حرف عنایت ازلی سے مقام قلب میں پہنچتے ہیں۔ اور جذب پیدا کرتے ہیں۔ اس مقام میں اگر ان پر توحید وجودی کا جمال ظاہر ہوتا ہے۔ تو اس کا سبب محبوب کی محبت کا غلبہ ہوگا کہ جس نے محبوب کے سوا سب کچھ ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیا اور چھپا لیا۔ اور جب محبوب کے سوا نہیں دیکھتے اور نہیں پاتے۔ تو لازمی طور پر محبوب کے سوا کسی کو موجود بھی نہیں جانتے۔ توحید کی قسم یہ احوال سے ہے اور کسی خیال اور وہم کی ملاوٹ سے پاک اور بلند ہے اور اگر ارباب قلوب کی اس جماعت کو اس مقام

Marfat.com

سے جہان کی طرف واپس بھیج دیں تو اپنے محبوب کو عالم کے ذرات میں سے ہر ذرے کے اندر مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور موجودات کو محبوب کے حسن و جمال کے آئینے اور جلوہ گاہیں جانتے ہیں۔ یہ جماعت کیوں نہ اگر محض فضل خداوندی جل شانہ سے مقام قلب سے باہر نکل کر جناب قدسی کی طرف متوجہ ہو جائے تو یہ توحیدی معرفت جو دل میں پیدا ہوتی تھی۔ زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ لوگ عروج کی سیڑھیاں چڑھتے جاتے ہیں۔ تاہم اپنے آپ کو اس معرفت کے ساتھ بہت بے مناسب پاتے ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت تو ایسی معرفت والوں پر انکار اور اعتراض کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔

فقیر ان معرفت والوں کا انکار نہیں بھی کرتا اور ان پر اعتراض نہیں کرتا۔ انکار اور اعتراض کی اس وقت گنجائش ہوتی ہے جب کہ ایسا حال رکھنے والوں کے لئے اس حال کے ظہور میں ارادہ اور اختیار کا دخل ہو۔ ان کے ارادے کے بغیر ہی ان میں یہ معنی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ وہ حال کے مغلوب ہوتے ہیں۔ لہٰذا معذور قرار پاتے ہیں۔ اور مجبور و معذور پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ لیکن فقیر اتنا جانتا ہے کہ اس معرفت سے اوپر بھی ایک معرفت ہے اور اس حال کے اوپر ایک دوسرا حال بھی ہے۔ اس مقام پر رک جانے والے بہت سے مقامات سے روک دیئے جاتے ہیں۔ اور بے شمار مقامات سے محروم رہتے ہیں۔

ارباب توحید کا ایک گروہ وہ ہے جس نے اپنے ظاہر میں پورے طور پر فنا اور متوجہ ہونا پیدا کیا ہے۔ اور انکی ہمت یہ ہے کہ ظاہر میں ہمیشہ فنا اور مٹے رہیں۔ اور ان کے لازم وجود کا کچھ اثر ظاہر نہ ہو۔ یہ لوگ کلمہ انا (میں) لوٹنے کو اپنے لئے کفر جانتے ہیں۔ عالم میں شہود حق کو بھی گرفت میں خیال کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض فرماتے ہیں کہ ایسا مٹ جانا چاہتا ہوں کہ کا پھر کبھی وجود نہ ہو۔ یہ لوگ محبت کے مقتول ہیں۔ اس کے بعد حضرت تحریر کرتے ہیں۔

"مثلاً حق تعالیٰ موجود ہے۔ اور عالم بھی موجود ہے۔ اگرچہ فی الحقیقت ان دونوں وجودوں کے درمیان کچھ مناسبت نہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ علم والا' سننے والا' دیکھنے والا' حق اور قادر اور مرید ہے اور عالم کے بعض افراد بھی ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں۔ اگرچہ واجب تعالیٰ کی صفات اور ممکن کی صفات ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ لیکن چونکہ وجود امکانی کی خصوصیت اور پیدا شدہ اشیاء کی صفات کے نقائص کو ان کی نگاہ سے (بعض حکمتوں کے تحت) پوشیدہ کر دیتے ہیں۔ لہٰذا واجب اور ممکن کے درمیان اگر اتحاد کا حکم کریں تو گنجائش ہے۔ اور توحید کی یہ قسم' اقسام توحید کے آخر میں سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ بلکہ حقیقت میں اس معرفت والے حال کے مغلوب نہیں ہیں۔ بلکہ ان پر اس حال کا وارد ہونا مصلحت کے لئے ہے اور یہ بات ملحوظ و مطلوب ہے۔ کہ اس معرفت کے وسیلہ سے انہیں سکر سے صحو کی طرف واپس لائیں۔ اور تسلی دیں۔

Marfat.com

محی الدین ابن عربی کے مسلک پر حضرت مجدد الف ثانی کا موقف

مکتوب نمبر 1 دفتر دوم حصہ اول میں تحریر فرماتے ہیں۔

وجود ہر چیز کا کمال و آغاز ہے۔ اور نہ ہونا نقص و شرارت اور زوال کی علامت ہے۔ پس وجوب واجب تعالیٰ جل شانہ، کے لئے ثابت ہے۔ اور فنا ممکن کا حصہ ہے تا کہ خیر و کمال واجب تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ اور ہر طرح کا شر و نقص ممکن سے منسوب ہو۔ ممکن کے لئے وجود کا ثابت کرنا اور خیر و کمال کو اس سے منسوب کرنا فی الحقیقت ممکن کو حق جلا شانہ کی مِلک اور مُلک میں شریک کرنا ہے (استغفر اللہ) اور اس طرح ممکن کو عین واجب تعالیٰ شانہ کہنا نیز ممکنات کی صفات اور افعال کو اس بلند ذات کی ذاتی صفات اور افعال کا عین قرار دینا بے ادبی اور کج روی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں ایک کمینے جھاڑو دینے والے کو جو نقائص کا مجموعہ ہے۔ کیا مجال ہے کہ اپنے آپ کو عظیم شان رکھنے والے سلطان کا عین جانے۔ جو خیرات و کمالات کا منشا ہے۔ علماء ظہور نے ممکن کے لئے وجود ثابت کیا ہے۔ اور واجب تعالیٰ کے وجود اور ممکن کے وجود کو مطلق وجود میں سے شمار کیا ہے۔ الغرض کلی مشکک کے طور پر واجب تعالیٰ کے وجود کو ممکنات کے وجود سے ہر اعتبار سے بہت بلند اور قدیم کہا ہے۔ اور یہ معنی ممکن کو واجب کے ان کمالات و فضائل میں شریک کرنا ہے۔ جو اس کے وجود اقدس سے ظاہر ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے حدیث قدسی میں ہے۔

الکبر .. ردائي والعظمة ازاری

بڑائی میری چادر اور عظمت میرا تہہ بند ہے۔

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔

اس بارے میں جو کچھ فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے اسے تفصیل سے ظاہر کرتا ہے۔ پہلے شیخ محی الدین ابن عربی کا اس مسئلے میں نظریہ کا بیان ہے۔ اس کے بعد جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے۔ تحریر میں لاتا ہے۔ تا کہ دونوں عقائد کے درمیان فرق معلوم ہو جائے۔ اور باریکی اور نہایت پوشیدگی کی وجہ سے ایک دوسرے سے غلط ملط نہ ہو۔

شیخ محی الدین اور اس کے پیرہ کار فرماتے ہیں۔ کہ باری تعالیٰ جل وجلالہ کے اسمائے صفات واجب تعالیٰ وتقدس کا بھی عین ہیں۔ ایک دوسرے کا بھی عین ہیں۔ پس اس مقام میں کسی بھی اسم اور نشان کے اعتبار سے کثرت یا تعداد نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی امتیاز اور فرق ہے۔ مختصراً یہ ہے کہ ان اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات نے حضرت علم میں تمائز اور فرق اجمالاً اور تفصیلاً پیدا کیا ہے۔ اگر اجمالی تمیز ہے۔ تو اسے تعین اول سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اگر تفصیلی تمیز ہے۔ تو اس کا نام تعین ثانی ہے

تعین اول کا نام احدیت رکھتے ہیں۔ اور اسے حقیقت محمدی جانتے ہیں۔ تعین ثانی کو وحدت کہتے ہیں۔ اور تمام ممکنات کے حقائق گمان کرتے ہیں۔ اور ان حقائق ممکنات کو اعیان ثابتہ جانتے ہیں۔ ان دو علمی تعینوں یعنی وحدت اور احدیت کو مرتبہ وجوب میں ثابت کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ ان اعیان ثابتہ نے وجود خارجی کی بو بھی نہیں پائی۔ اور خارج میں تنہا احدیت کے سوا کچھ بھی موجود نہیں۔ اور یہ کثرت جو خارج میں دکھائی دیتی ہے۔ اعیان ثابتہ کا عکس ہے۔ جو ظاہر وجود کے شیشوں میں منعکس ہوا ہے۔ اور خیالی وجود پیدا کیا ہے۔ جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں۔ جس طرح ایک شخص کی صورت آئینے میں منعکس ہو اور خیالی وجود پیدا کرے۔ اس عکس کا وجود صرف خیال میں ثابت ہے۔ اور آئینے میں کسی شے نے حلول نہیں کیا ہے۔ اور اس شیشے میں کوئی چیز منقش نہیں ہوئی ہے۔ اگر انتقاش ہے تو صرف خیال ہے جو شیشے کی سطح پر وہم میں آتا ہے اور یہ خیالی وہمی شے اللہ جل شانہ کے فعل سے پیدا ہوئی۔ جو درست اور ٹھیک صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ وہم اور خیال کے زوال سے زائل نہیں ہوتی۔ آخرت کا دائمی ثواب وعذاب اس پر مرتب ہوتا ہے۔ یہ کثرت جو خارج میں دکھائی دیتی ہے تین اقسام پر مشتمل ہے۔

(1) قسم اول تعین روحی ہے

(2) قسم دوم تعین مثالی ہے

(3) قسم سوم تعین جسدی ہے، جو عالم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔

ان تینوں کو تعینات خارجیہ کہتے ہے۔ اور مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں۔ تنزلات خمسہ ان ہی پانچ تعینات سے عبارت ہیں اور ان تنزلات خمسہ کو حضرات خمس بھی کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ شیخ اکبر اور ان کے رفقاء کا یہ نظریہ بھی ہے کہ علم اور خارج میں سوائے ذات باری تعالیٰ اور سوائے واجب جل شانہ کی اسماء صفات کے اور کوئی چیز ثابت نہیں۔ اور انہوں نے صورت علمیہ کو ذی صورت کا عین گمان کیا ہے۔ شے کا شبہیہ ومثال گمان نہیں کیا۔ نیز اسی طرح اعیان ثابتہ کی صورت منعکسہ کو جس نے ظاہر وجود میں نمود پیدا کیا ہے ان صورتوں کا عین تصور کیا اور لازماً اتحاد کا حکم لگا کر ہمہ اوست کا نعرہ بلند کر دیا۔

مسئلہ وحدت الوجود میں شیخ محی الدین ابن عربی کے مذہب کا اجمالی بیان یہی اور اسی طرح کے دیگر علوم ہیں جنہیں شیخ موصوف خاتم الولایت کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں۔

مختصر یہ کہ شیخ موصوف سے پہلے گروہ صوفیا میں سے کسی نے ان علوم واسرار کے بارے میں لب کشائی نہیں کی۔ اور اس مسئلے کو اس انداز سے بیان نہیں کیا۔ اگرچہ غلبات سکر میں ان سے توحید و اتحاد کی باتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ اور انا الحق اور سبحانی کے الفاظ صادر ہوئے ہیں۔ پس شیخ اس گروہ سے اعتقاد رکھنے والوں اور اس گروہ کے متاخرین کی حجت اور دلیل بنے ہیں۔ تاہم ابھی تک اس

مسئلے کے بہت سے حقائق چھپے ہوئے ہیں۔ اور اس بارے میں مشکل راز ابھی تک ظاہر نہیں ہو سکے۔

واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی صفات جو اہل حق کے نزدیک کائنات میں موجود ہیں۔ ظاہر میں ذات تعالیٰ و تقدس سے اور بے چونی کی صفات کے ساتھ ایک دوسرے سے نمایاں اور جدا ہوں گی۔ کیونکہ ذات حق انسانی عقل و فہم سے بالاتر اور لامتناہی وسعت کے ساتھ واسع ہے۔ اور وہ شناخت جو ہمارے فہم و ادراک میں آ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کیونکہ بعض ہونا اور جز ہونا وہاں متصور نہیں ہو سکتا۔ اور تحلیل و ترکیب کو حضرت جل شانہ میں کچھ دخل نہیں۔ اور حالیت (اس کا کسی میں سرایت کرنا) اور محلیت (اس میں کسی کا سرایت کرنا) کی بھی وہاں کچھ گنجائش نہیں۔

لیکن فقیر کے نزدیک کسی شے کا ظل اس کا عین نہیں ہے۔ بلکہ اس کا شبح اور مثال ہے۔ اور ایک کا ثبوت دوسرے کے لئے ممتنع ہے۔ پس فقیر کے نزدیک ممکن واجب کا عین نہیں ہے۔ اور ممکن اور واجب کا ایک دوسرے پر محل کرنا ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن کی حقیقت موجود نہیں ہے۔

اور اسماء و صفات کا جو عکس اس عدم میں منعکس ہوا ہے ان صفات کا عین نہیں بلکہ ان اسماء و صفات کا صورت اور مثل ہے۔ لہٰذا "ہمہ اوست" کا مقولہ درست نہیں ہو گا۔ کیونکہ جو چیز اپنی ذات میں ممکن ہے وہ موجود نہیں ہے۔ نقص اور خرابیوں سے عبارت ہے۔ اور کمالات کی جنس سے جو کچھ ممکن سے پیدا ہوا ہے۔ جیسے وجود اور اس کے باقی ماتحت۔ تو یہ سب اسے حضرت ذات جل شانہ سے حاصل ہوا ہے۔ اور اس ذات سبحانہ کا پرتو ہے۔ اس لئے لازماً وہی ذات سبحانہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ اور اس کے سوا سب ظلمت اور تاریکی ہے۔ ظلمت اور تاریکی کیونکر نہ ہو۔ کیونکہ فنا تمام ظلمتوں سے بڑھ کر ظلمت ہے۔

تمام عالم شیخ محی الدین ابن عربی کے نزدیک اسماء اور صفات سے عبارت ہے جس نے خانہ علم میں امتیاز پیدا کیا ہے اور خارج میں ظاہر وجود کے آئینے میں نمود اور ظہور حاصل کیا ہے۔ اور فقیر کے نزدیک عالم عدمات سے عبارت ہے۔ کہ واجب تعالیٰ کے اسماء و صفات خانہ علم سے اس میں منعکس ہوئے ہیں۔ اور خارج میں حق سبحانہ کی ایجاد سے وہ عدمات ان عکوس کے ساتھ وجود ظلی کے ساتھ موجود ہیں۔ پس عالم میں جملہ خرابیاں ثابت ہو گئیں۔ اور خیر و کمال سب کا سب جناب قدس و علا کی طرف رجوع کر گیا۔ جیسے کہ آیت قرآنی ہے۔

ما اصابک من حسنة فمن اللّٰہ و ما اصابک من سیٸة فمن نفسک

اے بندے تجھے جو بھلائی پہنچتی ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور تجھے جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تیرے نفس سے ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ عالم خارج میں موجود ہے لیکن ظلی وجود کے ساتھ۔ جس طرح حق تعالیٰ خارج میں وجود اصلی کے ساتھ موجود ہے۔ بلکہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے۔ مختصر یہ کہ خارج بھی وجود و صفات کی طرح اس خارج کا ظل ہے لہٰذا جہان کو ہم جل و علا شانہ کی طرح ہو بہو نہیں کہہ

Marfat.com

سکتے۔ کیونکہ حقیقت میں دونوں کے درمیان فرق موجود ہے۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ شیخ محی الدین اور اس کے پیروکار بھی عالم کو حق تعالیٰ کی مثل ہی مانتے ہیں۔ تو پھر کس فرق کی آپ بات کرتے ہیں؟ اس کا جواب ہم یہ دیں گے۔ کہ وہ اس ظل کے وجود کو وہم ہی گمان کرتے ہیں۔ اور اس کے حق میں وجود خارجی کی بو بھی جائز نہیں مانتے۔ مختصر یہ کہ خیال کثرت کو وحدت موجود کے سایہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور خارج میں صرف اسی ایک ذات تعالیٰ کو ہی موجود مانتے ہیں۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ پس اصل پر ظل کی مثال کا مقصد اور اس کا محمول نہ ہونا ظل کے لئے وجود خارجی کا اثبات ہوا۔ اور اس وجود کا انکار وہ لوگ کرتے ہیں جو کہ ظل کے لئے وجود خارجی ثابت نہیں کرتے۔ اس لئے لازماً اصل پر محمول کرتے ہیں۔

اس کے بعد شیخ مجدد الف ثانیؒ ایک اہم نکتے پر یوں اظہار خیال فرماتے ہیں۔

"ظل سے وجود اصلی کی نفی میں فقیر اور وہ شریک ہیں۔ اور وجود ظلی کو صرف وہم اور تخیل میں گمان کرتے ہیں۔ اور خارج میں احدیت مجردہ کے سوا موجود نہیں جانتے۔ اور صفات ثانیہ کو بھی جن کا وجود علماء حق کی آرء کے مطابق خارج میں ثابت ہو چکا ہے۔ صرف علم میں ثابت کرتے ہیں۔ ظاہری علماء کے ساتھ ساتھ انہوں نے میانہ روی کی دو اطراف کو اختیار فرمایا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان اعتدال اس فقیر کو نصیب ہوا ہے۔ اور توفیق ملی ہے اگر وہ لوگ بھی اسی خارج کو خارج کا ظل پاتے تو عالم کے وجود خارجی کا انکار نہ کرتے۔ اور وہم و تخیل پر اکتفانہ کرتے۔ اور واجب الوجود کی صفات کے وجود خارجی کا بھی انکار نہ کرتے۔ اور اگر ظاہری علماء بھی اس راز سے آگاہ ہو جاتے تو ہرگز ممکن کے لئے وجود اصل کا اثبات نہ کرتے اور وجود ظلی پر اکتفا کرتے۔ اور جو فقیر نے لکھا ہے کہ ممکن پر وجود کا اطلاق حقیقت کے طور پر ہے مجاز کے طور پر نہیں تو یہ بات اس تحقیق کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن خارج میں وجود ظلی کے ساتھ وہم اور تخیل کے طور پر نہیں بلکہ بطریق حقیقت موجود ہے۔

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک سوال کے جواب میں یوں فرماتے ہیں۔

ایک جہت عدم خارجی کے واسطے عدم سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ اعیان نے ان کی بو بھی نہیں سونگھی۔ اور عدم جو اس تحقیق میں درج ہوا ہے دوسری حقیقت رکھتا ہے۔ اس طرح جہاں اور عبارتوں میں عدم کا اطلاق ممکن پر ہوا ہے۔ اس سے معدوم خارجی مراد ہے۔ اور وہ بلند ذات ان اسماء اور صفات سے جنہوں نے علم میں تفصیل اور امتیاز حاصل کیا ہے اور عدمات کے آئینوں میں منعکس ہو کر حقائق ممکنات قرار پائے ہیں۔ ان سے بہت بلند ہے۔ پس عالم کے ساتھ اس ذات سبحانہ کو ایسے اتحاد کی کوئی نسبت نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے۔

حجابات کا اٹھنا شہود کے اعتبار سے ہے

مکتوب نمبر 40 دوم حصہ اول میں مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے اسماء وصفات واعتبارات کے حجابات کا ازالہ دو قسم کا ہے ایک ازالہ شہود کے اعتبار سے اور دوسرا وجود کے اعتبار سے۔ ازالہ وجودی محال ہے اور ازالہ شہودی ممکن بلکہ واقع ہے۔ اگرچہ بہت ہی قلیل اور خاص الخاص لوگوں کا حصہ ہے۔ اور جیسا حدیث مبارکہ میں آیا ہے۔

ان اللّٰہ سبعین الف حجاب من نور و ظلمة لو کشفت لا حرقت سجات وجهه ما انتهى اليه بصره من خلقه

بے شک اللہ تعالیٰ کے لئے نور اور ظلمات کے ستر ہزار پردے ہیں۔ اگر وہ اٹھا دیئے جائیں۔ تو اس کے انوار سے ہر چیز جل جائے جہاں تک وہ دیکھ سکتا ہے۔ (اور اللہ تعالیٰ کی قوت بصیرت تو لامحدود ہے)

اس حدیث میں موجود کشف وازالہ سے مراد وجودی کشف وازالہ ہے۔ اور جو کچھ اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے۔ کہ حضرت حق تعالیٰ وسبحانہ سے تمام حجابات کا ازالہ ہو جاتا ہے تو اس ازالہ سے مراد ازالہ شہودی ہے۔ چنانچہ حضرت حق تعالیٰ وسبحانہ کسی شخص کو ایسی بصارت عطا فرماتا ہے۔ جس سے وہ حجابات اور پردوں کے پیچھے پوشیدہ چیزیں دیکھتا ہے۔ یہاں حجابات وپردوں کا ازالہ شہود کے اعتبار سے ہے۔

فنا اور بقا

حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوب نمبر 50 دفتر دوم حصہ اول میں تحریر فرماتے ہیں۔

''جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حق کے سوا سب کچھ کلی طور پر ہٹ گیا اور دیکھنے میں اغیار کا نام ونشان باقی نہ رہا تو فنا حاصل ہوگئی۔ اور مقام طریقت سے اپنے انجام کو پہنچ گیا تو سیر الی اللہ مکمل ہوگی۔ اس کے بعد مقام ثبات کا آغاز ہوتا ہے۔ جو سیر فی اللہ سے عبارت ہے اور یہی مقام بقا ہے۔ جسے مقامِ حقیقت کہتے ہیں۔ اور یہی ولایت کا مقصد ہے۔ اس طریقت وحقیقت سے جو فنا اور بقا سے تعبیر کیا جاتا ہے سالک پر ولایت کا نام صادق آتا ہے۔ اور نفس سرکش نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔ اور اپنے کفر وانکار سے باز آجاتا ہے۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ کا جائزہ

صوفیاء کے درمیان وحدت الوجود کا یہ اختلاف پوری شدت سے جاری رہا ہے بعض حضرات وحدت الوجود (ہمہ اوست) کے قائل تھے اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اس نظریہ کے بانی ہیں۔ اور حضرت مجدد الف ثانی نے وحدت الشہود (ہمہ از اوست) کے نظریہ کو پوری صراحت کے ساتھ پیش فرمایا۔ جس کے چند اقتباسات ہم آپ کے خدمت میں پیش کر چکے ہیں۔ اور حضرت مجدد

Marfat.com

الف ثانیؒ نے ابن عربی کے نظریہ کو شریعت کا جامہ پہنانے کی کوشش کی۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی جلد اول مکتوب 260 میں فرماتے ہیں۔

هو سبحانه وراء الوراء ثم وراء ثم وراء الوراء

حضرت شاہ ولی اللہ کے زمانے میں بھی ان اختلافات کا عمومی طور پر چرچا تھا۔ کافی غور و خوض کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے۔

وقد وقع عند نا ان المكشوفين صحيحيان جمعيا

میرے نزدیک ان دونوں مکشوفات کے مابین کوئی قابل ذکر فرق نہیں ہے۔ اور دونوں صحیح ہیں۔

حضرت شاہ وہی اللہ اس جھگڑے کو لفظی اختلاف قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ آگے جا کر دونوں مشائخ ایک نکتہ پر جمع ہو جاتے ہیں۔ اور دونوں مشائخ شیخ محی الدین ابن عربی اور مجدد الف ثانی کے نظریات میں مطابقت دینے کے لئے حضرت شاہ صاحب نے نفس کلیہ کا نظریہ پیش کیا۔ جس کے معانی یہ ہیں کہ زید' بکر اور عمر بظاہر ایک دوسرے سے غیر ہیں۔ کیونکہ زید اپنی جگہ زید ہے اور بکر اپنی جگہ بکر ہے۔ لیکن ایک اعتبار سے ایک دوسرے کی طرح ہیں۔ اس لئے کہ انسانیت کی صفت ان میں مشترک ہے۔ اور اس کائنات کی تمام کثرتیں اس ایک وحدت نفس کلیہ سے صادر ہوتی ہیں۔ اگرچہ ابن عربیؒ کا یہ خیال ہے کہ یہ کائنات عین ذات باری ہے۔ تو اس سے ان کی مراد نفس کلیہ ہے۔ جو اصل میں الوجودا المنسبط علیٰ هی ا کل الموجودات ہے۔ جو قائم بالذات اور تمام موجودات پر طاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وجود اسی وجود منبسط سے بہت ہی بلند ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ وجود منبسط (نفس کلیہ) اور ذات الٰہی کے درمیان کونسی نسبت ہے تو اس کا جواب ہے۔

نسبته است معلوم الحقیقة ومجهول الکیفیت (الطاف القدس)

یعنی ایسی نسبت جس کی حقیقت تو ضرور معلوم ہے۔ لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں۔

مکتوب مدنی میں شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

''اس جگہ پر دو اقوال ہیں۔ اور دونوں صحیح ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ ممکنات کے حقائق وہی اسماء اور صفات ہیں۔ جو مرتبہ علم میں خاص تھے۔ یعنی ممکنات کے حقائق اس وجود منبسط کے اسماء اور صفات ہیں۔ (یہ ابن عربی کا قول ہے) دوسرا قول حضرت مجدد الف ثانی کا ہے۔ کہ ممکنات کے حقائق ان اسماء اور صفات کے عکس اور مثالیں ہیں۔ جو عدمات میں منطبع تھے۔ اور ان دونوں تحریروں کے درمیان اتنا کمزور فرق ہے۔ کہ کسی محقق کو ان کی طرف توجہ بھی نہں کرنی چاہیے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی تشریحات اور ان کے پیش کردہ ''نفسی کلیہ'' کے تصور کو سمجھ لینے کے بعد دونوں نظریات وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا فرق صرف لفظی رہ جاتا ہے۔

Marfat.com

عقیدہ وحدت الوجود کی حیثیت

"تشریح میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریر"

اور حضرت مُجدّد کا فرمان کہ صرف نزاع لفظی ہے۔ اور ہمہ اُوست سے ان کی مراد یہی "ہمہ ازاوست" ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا یہ تجزیہ کہ عقیدہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں نزاع لفظی ہے۔ حضرت مجدد الفِ ثانی بھی اس بات میں ایک خاص نتیجہ پر پہنچ چکے تھے۔ اور چونکہ صوفیائے کرام کے درمیان نزاع ہے۔ اس لئے اس بارے مصنف کوئی رائے دینے کی حیثیت میں نہیں ہے۔ ان جید اور معروف اولیاء اللہ ہی کی زبان سے ہم اس نزاع کا حل چاہتے ہیں۔ جہاں ایک طرف حضرت والا مرتبت مجدد الف ثانی ہمہ اُوست کے بارے میں اشکال کو دور کرنے کے لئے وضاحت بھی فرما رہے ہیں۔ اور جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کسی جگہ بھی' شیخ اکبر ابن عربی کو مقبولین سے خارج قرار نہیں دیا۔ بلکہ ہر جگہ آپ نے انہیں مقبول بارگاہ کے خطاب سے سرفراز فرمایا ہے۔ اور یہاں بھی وحدت الوجود کے بارے میں جو گمراہ کن معانی عام لوگ کرنے لگے تھے۔ حضرت والا نے ان کی توجہ شرعی امور کی طرف دلائی۔ اور وحدت الوجود کا نزاع لفظی دور کر کے اس تصور ہمہ اوست کو بے عمل اور جاہل ہاتھوں میں جانے سے روک لیا۔ آیئے اب حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ کا ایک مکتوب دیکھتے ہیں۔ مسئلہ وحدت الوجود کو اسی تناظر میں دیکھنے بعد کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

مکتوبات دفتر دوم حصہ اول کے مکتوب نمبر 44 میں جو محمد صادق ولد محمد مومن کی طرف لکھا گیا۔ وحدت الوجود کے بارے میں حضرت والا نے ان کے سوال کا اس طرح جواب دیا ہے۔

"آپ نے پوچھا تھا کہ صوفیاء کرام وحدت وجود کے قائل ہیں۔ اور علماء کرام سے کفر جانتے ہیں۔ حالانکہ دونوں گروہ فرقہ ناجیہ سے ہیں۔ اس مسئلے کی میرے نزدیک حقیقت کیا ہے۔ اس بحث کی تحقیق فقیر نے اپنے مکتوبات و رسائل میں لکھ دی ہے۔ اور فریقین کے اختلافات کو نزاع لفظی قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود جب آپ نے پوچھا ہے۔ تو سوال کا جواب ضرور دینا چاہئے۔ اس لئے ضرورتاً چند کلمات لکھے ہیں۔ جان لیں کہ صوفیہ میں سے جو وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ اور اشیاء کو حق تعالیٰ کا عین دیکھتے ہیں۔ اور ہمہ اوست کا حکم لگاتے ہیں۔ ان کی مراد یہ نہیں کہ اشیاء حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں۔ اور تنزیہہ تنزل کر کے تشبیہہ ہوگئی ہیں۔ اور واجب ممکن بن گیا ہے۔ کیونکہ یہ نظریہ کفر و الحاد اور زندقہ ہے۔ وہاں نہ اتحاد ہے نہ عینیت نہ تنزل ہے۔ اور نہ تشبیہہ۔ سبحانہ وتعالیٰ بیشک پاک ہے جو نہ اپنی ذات میں متغیر ہو سکتا ہے نہ صفات میں وہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی اس صرافت اطلاق پر ہے۔ اس نے وجوب کی بلندی سے امکان کی پستی کی طرف میلان نہیں فرمایا۔

Marfat.com

بلکہ ہمہ اوست کے معنی یہ ہیں کہ حقیقی معنی میں اشیاء نہیں ہیں اور وہ تعالیٰ وتقدس موجود ہے۔
منصور نے جو انا الحق کہا اس کی مراد یہ نہیں کہ میں حق ہوں اور حق کے ساتھ متحد ہوں۔ کہ یہ کفر ہے اور اس کے قتل کا سبب بنا۔ بلکہ اس قول کے معنی تھے میں نہیں ہوں۔ حق سبحان موجود ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ صوفیاء اشیاء کو حق تعالیٰ وتقدس کے ظہورات جانتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ سبحانہ کے اسماء وصفات کا جلوہ گاہ قرار دیتے ہیں۔ تنزیل اور تغیر وتبدل کے خیال کے بغیر جس طرح سایہ شخص کے ساتھ ہوتا ہے لیکن نہیں کہہ سکتے کہ وہ سایہ اس کے ساتھ متحد ہے۔ اور عینیت کی نسبت رکھتا ہے۔ یا وہ شخص تنزل کر کے سایہ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ بلکہ اس شخص کی حقیقت برقرار ہے۔ اور سایہ اس سے وجود میں آیا ہے۔ تنزل وتغیر کے بغیر اگرچہ بعض اوقات ایک جماعت کو جس نے اس شخص کے وجود کے ساتھ کمال محبت کر لی ہوتی ہے۔ ان کی نظر سے سایہ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور شخص کے سوا کوئی چیز انہیں دکھائی نہیں دیتی ہم کہہ سکتے ہیں کہ سایہ معدوم ہے اور شخص موجود ہے بس۔

اس تحقیق سے لازم آیا کہ صوفیا کے نزدیک اشیاء حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں نہ کہ حق جل شانہ کا عین۔ ان کے اس کلام ہمہ اوست کا معنی ہمہ از اوست ہے۔ جو علماء کرام بیان کرتے ہیں۔ اور علماء کرام وصوفیائے عظام کے درمیان فی الحقیقت کوئی نزاع ثابت نہیں ہوتا۔ اور دونوں باتوں (ہمہ اوست وہمہ از اوست) کا نتیجہ وانجام ایک بن جاتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صوفیاء کرام اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات کہتے ہیں اور علماء کرام اس لفظ سے پرہیز کرتے ہیں۔ محض حلول اور اتحاد کے وہم سے بچنے کے لئے۔

سوال: صوفیاء اشیاء کو ظہورات قرار دینے کے باوجود معدوم خارجی جانتے ہیں۔ اور حقیقت میں حق سبحانہ کے سوا کسی کو نہیں جانتے۔ اور علماء اشیاء کو موجودات خارجہ کہتے ہیں۔ لہٰذا فریقین میں اختلاف تو ہے۔

جواب: صوفیہ اگرچہ عالم کو معدوم خارجی جانتے ہیں۔ لیکن ظاہر میں اس کا وہمی وجود ثابت کرتے ہیں۔ اور اسے ارادہ خارجی کہتے ہیں۔ اور وہ خارجی کثرت کا انکار نہیں کرتے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس وہمی وجود نے خارج میں جو نمود پیدا کیا ہے۔ اس قسم کے وجودات خارجیہ میں سے نہیں کہ جو وہم کے زوال سے زائل ہو جائیں اور قائم نہ رہیں بلکہ یہ وہمی وجود اور یہ خیالی نمود چونکہ حق سبحانہ کے فعل اور اس بلند ذات کی قدرت کاملہ کے انتقاش سے ہے۔ اس لئے زوال اور خلل سے محفوظ ہے۔ اور اس جہان اور اس جہان کا معاملہ اس سے وابستہ ہے۔ سوفسطائی جو جہان کو اوہام وخیالات جانتا ہے۔ اشیاء کا زوال وہم کے زوال سے متعلق کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اشیاء کا وجود ہمارے اعتقاد کے ہیں وہ نفس امر میں وجود وثبوت نہیں رکھتے۔ اگر آسمان کو زمین اعتقاد کریں تو زمین ہے۔ مختصر یہ کہ بے عقل لوگ صانع مختار جل شانہ کی ایجاد کا انکار کرتے ہیں۔ اور اشیاء کو اس بلند ذات کے ساتھ قائم نہیں جانتے۔ تو

خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا ایسے جاہلوں سے اللہ بچائے۔

پس صوفیاء کرام اشیاء کے لئے خارج میں وجود وہمی کو جو قیام واستقرار رکھتے ہیں اور وہم کے ارتفاع سے مرتفع نہیں ہوتے اور اس جہان کو جو دائمی و ابدی ہے اس وجود سے وابستہ رکھتے ہیں۔ علما اشیاء کو خارج میں موجود جانتے ہیں۔ اور احکام خارجی وابدی اس پر مرتب کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اشیاء کا وجود حق جل وعلا کے سامنے نحیف ونزار تصور کرتے ہیں اور ممکن کو واجب تعالیٰ کے وجود کی نسبت عدم سمجھتے ہیں۔ پس فریقین کے نزدیک اشیاء کا وجود خارج میں ثابت ہو گیا۔ کیونکہ اس دنیا اور آخرت کے احکام اس سے وابستہ ہیں۔ اور وہم وخیال کے ابھرنے سے اس کا زوال نہیں ہوتا۔ تو اختلاف ختم ہو گیا اور مخالفت دور ہو گئی۔ صرف اتنی بات ہے کہ صوفیاء کرام اسے وجود وہمی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ عروج کے وقت اشیاء کا وجود ان کی نظر سے چھپ جاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کے سوا ان کی نظروں میں کچھ نہیں رہتا۔ علماء کرام اس وجود پر وہم کے اطلاق سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور وجود وہمی نہیں کہتے۔ تاکہ کوئی اس کے زوال کا اعتقاد نہ کر لے۔ اور اس طرح ثواب وعذاب ابدی سے انکار کر بیٹھے۔

سوال: صوفیاء کرام جو اشیاء کا وجود وہمی ثابت کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے۔ کہ یہ وجود قیام واستقرار کے باوجود نفس امری نہیں ہے۔ صرف وہم میں ہے۔ اور نمود کے سوا اس کا کچھ حصہ نہیں۔ اور علماء اشیاء کو خارج میں نفس امری وجود کے ساتھ موجود مانتے ہیں۔ لہٰذا پھر نزاع واختلاف باقی نہیں رہتا۔

جواب: وجود وہمی اور نمود خیالی جب کہ وہم وخیال کے زوال سے زائل نہیں ہوتا۔ تو نفس امری ہو گیا۔ اس لئے کہ اگر تمام وہم کرنے والوں کے وہم کا زوال فرض کر لیں۔ تب بھی یہ وجود ثابت رہتا ہے۔ ان کے زوال سے ہرگز زائل نہیں ہوتا۔ اور واقع اور نفس الامر کے یہی معنی ہیں۔ البتہ جو نفس الامر ممکن کے وجود میں ثابت کیا جاتا ہے۔ اس نفس الامر کے سامنے جو واجب تعالیٰ کے وجود میں ثابت ہے۔ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور نزدیک ہے۔ کہ اسے وہموں اور خیالوں میں سے شمار کیا جائے۔ جس طرح ممکن کا وجود کہ واجب تعالیٰ کے وجود کی نسبت لاشئی (کچھ نہ ہونے کے) کا حکم رکھتا ہے اور نزدیک ہے کہ اسے عدمات میں شمار کریں۔ لہٰذا فی الحقیقت کوئی نزاع اور اختلاف نہیں۔

سوال: جب سب اشیاء کا وجود نفس الامری ہو گیا تو لازم آیا کہ نفس الامر میں اشیاء متعدد ہوں۔ اور نفس الامر میں ایک موجود نہ ہو۔ یہ وحدت وجود کے منافی ہے۔ جو صوفیہ وجودی کے ہاں طے شدہ امر ہے۔

جواب: یہ دونوں اشیاء نفس امری ہیں۔ وحدت وجود بھی نفس امری ہے۔ اور تعدد وجود بھی نفسی امر ہے۔ لیکن جب کہ جہت اور اعتبار مختلف ہے۔ ضدوں کے اجتماع کا وہم بھی مرتفع ہے۔ یہ بحث ایک

Marfat.com

مثال سے واضح ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ زید کی صورت جو آئینہ میں دکھائی دیتی ہے۔ درحقیقت آئینے میں کوئی صورت نہیں ہے اس لئے کہ وہ صورت نہ آئینہ کے حجم میں موجود ہے۔ اور نہ ہی آئینہ کی سطح میں۔ بلکہ آئینہ میں اس صورت کا وجود وہم کے اعتبار سے ہے اور آئینہ میں رویت خیالی سے زیادہ اس کا ثبوت نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے زید کی صورت آئینے میں دیکھی ہے اسے اب کلام میں سچا جانتے اور حق پر گمان کرتے ہیں۔ اور جب کہ قسموں کا مبنی حق پر ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص قسم کھائے اور کہے کہ اللہ کی قسم میں نے آئینہ میں زید کی صوت دیکھی ہے۔ تو چاہے قسم نہ توڑے۔ پس اس صورت آئینہ میں صورت زید کا عدم حصول بھی نفس امری ہے اور تخیل و توہم کے اعتبارات سے آئینے میں اس کا حصول بھی نفس امری ہے اور لیکن پہلا نفس امر مطلقاً نفس امر ہے۔ اور یہ دوسرا نفس امر خیال اور وہم کے واسطہ سے عجب معاملہ ہے۔ وہم اور خیال کا اعتبار جو نفس امر کے منافی ہے۔ یہاں وہی نفس امری کا محصل بن گیا ہے اس لئے کہ اگر توہم و تخیل کا اعتبار نہ ہوتا تو یہاں نفس امر کا حصول و ثبوت نہیں ہوتا۔

دوسری مثال: نقطہ جوالا جس نے توہم و تخیل کے اعتبار سے خارج میں دائرے کی صورت پیدا کرلی ہے۔ یہاں خارج میں دائرے کا عدم حصول بھی نفس امری ہے۔ اور توہم و تخیل کے اعتبار سے خارج میں اس کا حصول بھی نفس امری ہے۔ لیکن دائرے کا عدم حصول مطلقاً نفس امری ہے۔ اور اس کا حصول توہم و تخیل کے لحاظ سے نفس امری ہے۔ تو پہلا مطلق اور دوسرا مقید ہے جب ہماری اس بحث میں وحدت وجود مطلق نفس امری ہے۔ تو تعدد وجود توہم و تخیل کے اعتبار سے نفس امری ہوا پس اطلاق و تقلید کے ملاحظہ سے ان دونوں کے نفس الامر میں اختلاف نہ رہا اور ضدوں کا جمع ہونا ثابت نہ ہوا۔

سوال: جب سب وہم کرنے والوں کے وہم کا زوال فرض کرلیا جائے تو جود وہمی اور نمود خیالی کیسے ثابت ہوسکتا ہے۔

جواب: یہ وہمی وجود محض اختراع و وہم سے حاصل نہیں ہوا۔ کہ وہم کے زوال سے زائل ہو جائے بلکہ حق تعالیٰ جل وعلا کے فعل سے مرتبہ وہم سے حاصل ہوا۔ اور استحکام پیدا کیا ہے۔ اس بنا پر ناچار وہم کے زوال سے خلل پذیر نہیں ہوتا۔ اور وجود وہمی اس اعتبار سے کہتے ہیں۔ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اسے مرتبہ حس و وہم میں پیدا فرمایا ہے۔ اور جب اس بلند ذات کا فعل خلق ہے۔ تو جس مرتبہ میں بھی ہوگا یقیناً زوال وخلل سے محفوظ ہوگا اور حق سبحان وتعالیٰ نے جب اسے پیدا کیا ہے۔ تو ناچار نفس امری بھی ہوا۔ جس مرتبہ میں بھی اس نفس کو پیدا کیا گیا ہے اگرچہ وہ نفس امری نہ ہو صرف اعتبار ہو۔ لیکن اس مرتبہ میں بھی اسکی پیدائش نفس امری ہے اور اس بارے کہ مرتبہ میں بھی اسکی پیدائش نفس امری ہے اور اس بارے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے مرتبہ حس و وہم میں پیدا کیا ہے۔ یعنی اشیاء کو ایجاد فرمایا ہے کہ اس مرتبہ کے لئے حصول و ثبوت نہیں ہے۔

پس جھگڑے کی صورت میں حضرت حق وسبحانہ تعالیٰ نے جس کے سوا خارج اور نفس امر میں

Marfat.com

کوئی موجود نہیں ہے نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے ناموں اور صفاتی کمالات کو ممکنات کی صورتوں کے پردے میں حس و وہم کے مرتبے میں ظاہر کیا ہے۔ اور وجود وہمی اور ثبوت خیالی سے ان کمالات کو اشیاء کے آئینوں میں ظاہر کیا ہے۔ یعنی اشیاء کو ان کمالات کے مطابق مرتبہ حس و وہم میں ایجاد فرمایا۔ تو انہوں نے نمود وہمی اور ثبوت خیالی حاصل کیا۔ لہٰذا اشیاء کی ہستی نمود خیالی کے اعتبار سے ہے۔ لیکن جب حضرت حق نے اس نمود کو قائم کیا اور اثبات عطا فرمایا ہے اور اشیاء کی پیدائش میں استواری اور استحکام رکھا ہے اور ابدی معاملات کو ان سے جوڑ کر دیا ہے اس وجہ سے اشیاء کا وجود وہمی اور ثبوت خیالی نفس الامری اور خلل سے محفوظ ہو چکا ہے لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ اشیاء خارج میں نفس الامر کے اعتبار سے موجود بھی ہیں اور نہیں بھی۔ لیکن دو مختلف اعتبار سے جیسے کہ بات ہو چکی ہے۔

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی وحدت الوجود کے بارے میں اس طرح حتمی فیصلہ دیتے ہیں۔

"پس جو صوفیاء کرام وحدت وجود کے قائل ہیں حق پر ہیں۔ اور کثرت وجود کے معتقدین علماء کرام بھی صحیح ہیں۔ لیکن صوفیائے کرام کے حالات کے قابل وحدت ہے اور علماء کے حالات کے مناسب کثرت۔ کیونکہ شریعت کی اتباع اور انبیاء کرام کی دعوت کثرت پر ہے۔ وحدت وجود کا معاملہ اگرچہ حقیقت کی مانند ہے۔ اور اس کی نسبت کثرت کا معاملہ مجاز کی طرح۔ اس طرح آنیوالے جہان کو عالمِ حقیقت کہتے ہیں۔ اور موجودہ جہان کو عالَم مجاز۔

حضرت مجددِ الف ثانیؒ کے مزید ملفوظات

(وحدت کے ساتھ فنا و بقا کا خوبصورت اظہار)

(1) اور ہر شخص جو اشارہ لفظ اَنَا سے اپنی ذات کی طرف کرتا ہے۔ وہ اشارہ فی الحقیقت اس ایک ذات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جس کے ساتھ قائم ہے۔ (مکتوب 45۔ دفتر دوم حصہ اول)

(2) توحید وجودی والے سوائے ایک بلند اور پاکیزہ ذات کے کچھ موجود نہیں جانتے۔ (مکتوب 45)

(3) اور جب اس کی حقیقت نے اس اشارہ کو قبول نہ کیا تو لازماً وہ اشارہ اس حقیقت کے قائم کرنے والے کی طرف رجوع کر گیا۔ (مکتوب 45)

(4) پس ان اشیاء کا قیام اپنی ذات سے نہیں۔ بلکہ حق وسبحانہ کے ساتھ قائم ہیں۔ (مکتوب 45)

(5) حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ جو کچھ دیکھا گیا' سنا گیا یا جانا گیا سب غیر ہے۔ (مکتوب 42 دفتر دوم حصہ اول)

(6) جو ان کی نظر میں اور بصیرت میں ماسوا کا نام ونشان باقی نہیں چھوڑتا اور غیر غیریت کے اسم و

Marfat.com

رسم کو نیست اور لاشے کر دیتا ہے۔ اس وقت ناچار سکر اور غلبہ حال کے باعث ماسوا کو معدوم جانے گا۔ اور حق تعالیٰ کے سوا کسی کی موجود نہ دیکھے گا۔ (مکتوب 42' بنام خواجہ جمال الدین حسین)

(7) لیکن چونکہ وجود امکانی کی خصوصیت اور صفات محدثات کے نقائص کو ان کی نگاہ سے (بعض حکمتوں کے تحت) پوشیدہ کر دیتے ہیں۔ لہٰذا واجب اور ممکن کے درمیان اگر اتحاد کا حکم کریں تو گنجائش ہے۔ (مکتوب نمبر 291 دفتر اول حصہ پنجم' بجانب مولانا عبدالحی)

(8) میں کہتا ہوں کہ یہ قلب چونکہ انوار قدم کی تجلی کا محل بن چکا ہے۔ بلکہ قدیم ذات کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے۔ اس لئے عرش و مافیہا اگر اس پر آ گریں تو بالکل ختم ہو جائیں۔ اور ان کا کچھ اثر ونشاں باقی نہ رہے۔ جیسے کہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ محدث (فانی) کو جب قدیم کے ساتھ ملایا جائے تو فانی اور محدث کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا (مکتوب 287 دفتر اول بنام میاں غلام محمد)

(9) لیکن وہ روحی توجہ جو منتہی حضرات کو نصیب ہوتی ہے۔ روح کو فنا اور حقانی وجود کے ساتھ بقا حاصل کرنے کے بعد ہوتی ہے۔ اور اس بقا کو بقا باللہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ (مکتوب 287 دفتر اول)

(10) لیکن تجلی صوری میں حق کو اپنے آپ سے دیکھتے ہیں۔ اور اس مقام میں حق کو حق سے دیکھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اپنے آپ سے نہیں دیکھ سکتے۔ یہ حق یقین کا مرتبہ ہے۔ (مکتوب 277 بجانب ملا عبدالحی)

(11) فقیر جب دنیا کو پورے طور پر ملاحظہ کرتا ہے تو محض خالی پاتا ہے۔ اور مطلوب کی کچھ بو اس کے دماغ میں نہیں پہنچتی۔ (مکتوب 263 بجانب میاں تاج الدین)

(12) فقیر کے نزدیک کمال یہ ہے کہ عروج کے وقت کثرت بالکل نظر سے دور ہو جائے۔ حتیٰ کہ اسماء وصفات بھی ملحوظ نہ رہیں اور احدیت مجردہ کے سوا اور کچھ مشہود نہ ہو۔

(13) شبہیہ اور تنزیہ کے جمع کرنے والوں میں سے بعض کہتے ہیں۔ کہ تنزیہیہ کے ساتھ ایمان سب مومنوں کو حاصل ہے۔ عارف وہ ہے جو ایمان بہ شبہیہ کو بھی اس کے ساتھ جمع کرے اور خلق کو خالق کا ظہور دیکھے۔ اور کثرت کو وحدت کا لباس جانے۔ اور صانع کا صنع میں مطالعہ کرے۔ (مکتوب 272 دفتر اول حصہ پنجم)

(14) جیسے وحدت الوجود کا قائل ہونا۔ کیونکہ وحدت وجود کا اصل سکر اور غلبہ محبت ہے اس طور پر کہ اس کی نظر میں محبوب کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ اور ماسوا نفی کا حکم لگاتا ہے۔ (مکتوب 290 بنام مُلّا ہاشم)

Marfat.com

اب کچھ محی الدین عربی کی عبارات وعقائد

مقام شہود

محی الدین ابن عربی فصوص الحکم میں باب فص حکمت کلمہ شیثیہ میں لکھتے ہیں۔

''واضح ہو کہ بعض اولیاء کی نظر شہود پہلے یقین پر پڑتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عین ثابتہ آئینہ ہے اور اس میں اسمائے الٰہیہ کا ظہور ہے۔ اور بعض کی نظر وجودِ حقیقی پر پڑتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ ائینہ وجود میں اعیانِ ثابتہ کا ظہور ہوتا ہے۔ جیسے اُجلے اور صیقل شدہ جسم کے مقابل کوئی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ تو کیا شخص و عکس جُدا جُدا ہیں۔ ہر گز نہیں۔ مگر محل یعنی عالَمِ شہادت کا عالَمِ فعال کہ جس میں وہ شخص دیکھتا ہے۔ اس صورت کو منعکس کر دیتا ہے۔ مگر صورت میں بھی ایک قسم کا تغیر ہو جاتا ہے۔ یہ تغیر اس مقام و صورت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جیسے بڑی چیز کا عکس چھوٹی چیز میں چھوٹا اور مستطیل میں مستطیل۔ اور متحرک میں متحرک معلوم ہوتا ہے''۔

اس کے بعد شیخ لکھتے ہیں۔

''جس حضرت و مقام میں شہود ہو رہا ہے یہ اس کا اثر ہے۔ اس مقام کو جس میں مشاہدہ ہو رہا ہے ہم نے بمنزلہ آئینہ کے ٹھہرایا ہے''۔

اسمائے الٰہیہ' لامتناہی ہیں

اسمائے اللہ تعالیٰ لامتناہی اور بے حد ہیں۔ کیونکہ اسمائے الٰہیہ آثار وافعال الٰہیہ پر دلالت کرتے ہیں۔ اور افعال و آثار غیر متناہی ہیں۔ جو اسما سے نمایاں ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسماء الٰہیہ بھی غیر متناہی ہوں گے۔ مگر ان غیر متناہی اسماء کا مرجع اور ان کے اصول متناہی ہیں۔ ان اصول اسماء کو اُمہات الاسماء اور حضرات الاسماء بھی کہتے ہیں۔ اور وہ حیات' علم' سمع' بصر' قدرت' ارادہ اور کلام ہیں۔ اور حقیقت و نفس الامر و منشاء میں صرف ایک حقیقت الحقائق حقیقت حقہ و ذات واجبہ ہے۔ اسمائے الٰہیہ نسبتیں و اضافتیں ہیں۔ (باب فص حکمت کلمہ شیثیہ)

اللہ تعالیٰ کا عِلم قدیم ہے اور انسان کا عِلم حادث ہے

یہ ظاہر ہے کہ علم ایک حقیقت ہے اور حیات بھی ایک حقیقت ہے اور علم و حیات کو عالَمِ وحی سے ایک ہی نسبت ہے۔ اس کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ عِلمِ حق قدیم ہے۔ اور عِلمِ انسان حادث ہے۔ (فص آدمیہ' فصوص الحکم)

حق تعالیٰ وراء الوراء ہے

اور وجود ذاتی جو حق تعالیٰ کا خاصہ ہے اس میں ممکن کو کوئی حصہ نہیں ملا۔ لہٰذا حق تعالیٰ وراء الوراء ہے اور رہے گا۔ اور ممکن کبھی تنزیہ ذات حق کا ادراک نہیں کر سکے گا۔ پس ممکن کو دائماً ابداً حق جل جلالہ بحیثیت تنزیہ معلوم اور ذوق وشہود نہ ہوگا۔ کیونکہ میزان تنزیہ میں حادث کی رسائی نہیں۔

(باب فیص آدمیہ فصوص الحکم)

لایزال وابدی وقدیم حق تعالیٰ

تجلی ذاتی وغیبی وفیض اقدس سے عین ثابتہ اور قلب عارف کو استعداد ملتی ہے۔ اس تجلی کی حقیقت اور اصل کیا ہے۔ وہی ہُویّت ذاتِ حقہ ذَاتِ الٰہیہ ہے۔ جس کی نفس سے تعبیر کی گئی ہے۔ یہ تجلیٰ غیبی لَایَزَال وابِدی وقدیم حق تعالیٰ کے لئے ہے۔ بہر حال قلبِ عارف تجلی حق کو دیکھتا ہے۔ پھر اپنی استعدادِ کلی کے موافق ہی تجلی الٰہی اور صورت (صفات) کو دیکھتا ہے۔

(فص قلبیہ کلمہ شعیبیہ) (فصوص الحکم ابن عربیؒ)

صاحب ایمان انبیاء کی تقلید کرتے ہیں

جو صاحب ایمان ہیں۔ انبیاء ورسل جو کچھ فرماتے ہیں اس کی تقلید کرتے ہیں۔ نہ کہ فکر وعقل کے بندے ہیں کہ جو اخبار ورسل (رسولوں کی تعلیمات) کی دلائل عقلیہ کے مطابق تاویل کر لیتے ہیں۔ ان انبیاء ورسل کے مقلدین کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ او القی السمع و ھو شھید جس نے کان جھکایا۔ اور اس کا دل حاضر ہے۔ جو کان لگا کر سنتے ہیں۔ اور پوری توجہ سے سنتے ہیں۔

(فص قلبیہ۔ کلمہ شعیبیہ)

(فصوص الحکم ابن عربیؒ)

تخلیق اللہ تعالیٰ ہی کا خاصا ہے

پس تعلق قدرت کے وقت جو علم وذوق وتجلی ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے خاص ہے پس ایسی تجلی وکشف کسی بندے کو حاصل نہیں ہے کیونکہ قدرت تخلیق واعطائے وجودٗ اللہ تعالیٰ سے خاص ہے۔ قل من خلق السموات والارض لیقولن اللہ ذرا ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا۔ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ۔ کیونکہ وجود مطلق۔ جو کسی قید سے مقید نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔

(فص حکمت قدریہ)

(فی کلمۃ عزیزیہ) (فصوص الحکم از ابن عربیؒ)

اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا کوئی ثانی نہیں' حوادث اللہ تعالیٰ میں حلول نہیں کر سکتے

فتوحات مکیہ میں ابن عربی یوں تحریر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ایک ہے الوہیت میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ وہ بیوی بچوں سے پاک اور منزہ ہے۔ سب کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہ ہے اس کا کوئی وزیر نہیں۔ صانع ہے۔ اسے کوئی تدبیر سکھانے والا نہیں۔ وہ بذاتہ موجود ہے۔ اور کسی موجد کا محتاج نہیں۔ پس تمام عالم اس سے موجود ہے۔ وجود بالذات و بنفسہ سے صرف وہ موصوف ہے۔ وہ عرض نہیں ہے کہ اس کی بقا محال ہو۔ وہ جسم نہیں کہ اس کے لئے جہت اور مقابلہ ہو۔

اس کے بعد شیخ لکھتے ہیں۔

دنیا بھی اسی کی ہے اور آخرت بھی اسی کی ہے۔ اول و آخرت سب اسی کا ہے۔ اس کا مثل معقول نہیں۔ اس کے بینظیری مجہول نہیں۔ زمانہ اس کو محدود نہیں کر سکتا۔ مکان اس کو بلند نہیں کر سکتا۔ وہ اس دم بھی تھا جب مکان نہ تھا۔ وہ جیسا تھا۔ ویسا ہی رہا اور رہے گا۔ مکان اور متمکن دونوں کو اسی نے پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس سے اعلیٰ ہے کہ حوادث اس میں حلول کریں۔ یا اسکی صفات اس کے بعد وجود پذیر ہوئی ہوں۔ وہ قیم ہے اس پر سب کے قیا کا دارومدار ہے۔ وہ کبھی نہیں سوتا۔ اس کی عزت تک کسی کی رسائی نہیں۔ اس نے لوح وقلم کو پیدا کیا اور روز قیامت تک جو پیدا ہونے والا ہے قلم سے لکھوایا۔

اس کے بعد ابن عربی لکھتے ہیں۔

پس وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ جن چیزوں سے لوگ شرکت کرتے ہیں۔ ان سے وہ ارفع واعلیٰ ہے۔ اسکی قدرت کسی شے سے جب متعلق ہوتی ہے تو اس سے پہلے اس کا ارادہ متعلق ہوتا ہے۔ بغیر اللہ تعالیٰ کے ارادے کے کوئی بھی ارادہ نہیں کر سکتا۔ بندے کسی کام کا لاکھ ارادہ کریں جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے گا وہ کام نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ازلی ہے حال بالذات معدوم ہے غیر موجود فی الخارج ہے۔

اس کے بعد شیخ فرماتے ہیں۔

میں گواہ بناتا ہوں نیز اس کے فرشتوں کو اور تمام خلق اور تم کو اپنے نفس پر کہ میں توحید الٰہی کا قائل و معتقد ہوں۔ نیز اللہ وسبحانہ کو گواہ بناتا ہوں اور فرشتوں کو اور تم کو اپنے نفس پر کہ میں حضرت مصطفیٰ مختار و مجتبیٰ برگزیدہ خلائق و موجودات حضرت محمد عربی ﷺ پر کامل ایمان رکھتا ہوں۔ میں ایمان رکھتا ہوں کہ وقت مقررہ پر موت برحق ہے۔ میں ایمان رکھتا ہوں کہ قبر میں منکر نکیر کا سوال برحق ہے۔ اجسام کا قبروں سے زندہ اٹھنا حق ہے۔ اعمال ناموں کا ہاتھ میں آنا حق ہے۔ جنت بھی حق ہے۔ دوزخ بھی

حق ہے۔ بروز قیامت بعض لوگوں پر کرب و بے قراری بھی حق ہے۔

فتوحات مکیہ: (محی الدین ابن عربی جلد اول 36)

احدیث کے بارے میں آیات واحادیث

سورہ حدید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

هُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ

(ترجمہ) یعنی اللہ تعالیٰ ہی اول و آخر اور ظاہر و باطن بھی وہی ہے۔

اور مسلم شریف' ابن ابی شیبہ اور ابویعلی وغیرہ حدیث پاک روایت کی گئی ہے ذرا ملاحظہ فرمایئے۔

اللھم انت الاول فلیس قبلک شئی و انت الاخر فلیس بعدک شئی و انت الظاھر فلیس فوقک شئی و انت الباطن فلیس دونک شئی

(ترجمہ) یا اللہ تو ہی اول ہے۔ اور تیرے سوا کوئی شے نہیں۔ تو ہی آخر ہے تیرے بعد کوئی شے نہیں۔ تو ہی ظاہر ہے۔ تیرے اوپر کوئی شے نہیں ہے۔ تو ہی باطن ہے تیرے سوا کوئی شے نہیں ہے۔ (جملہ کتب احادیث)

علامہ اقبال اور وحدت الوجود

علامہ اقبال کی شاعری اور فکر کے مختلف ادوار ہیں۔ اور ان کی فکر میں وقت کے ساتھ ساتھ نمایاں تغیر برپا ہوتا رہا۔ ہم علامہ اقبال کے آخری اور اس جاندار دور کو دیکھیں کہ جس میں انہوں نے فکر وتعمق کی گہری پرچھائیاں بطور ورثہ چھوڑی ہیں۔ ان میں مولانا روم کی فکر سے انہیں ایک خاص نسبت ہے۔ اور مولانا روم وحدت الوجود کے علمبرداروں میں سے تھے۔ اور مثنوی کے اندر اس فلسفہ وفکر کا وافر ذخیرہ موجود ہے اس لئے اگر ہم وحدت الوجود کی طرف اقبال کی تنقید ثابت کریں گے۔ تو اس سے مولانا روم کے ساتھ ان کی عقیدت میں نقص لازم آئے گا۔ کیونکہ علامہ اقبال نے رومیؒ کی فکر کو گہری نظروں سے دیکھا ہے اور اسی میں غواص رہے ہیں۔ اور پھر انہوں نے نہایت عقیدت سے تمام متقدمین کو چھوڑ کر خاص طور سے مولانا روم کو اپنا پیر و مرشد تسلیم کیا ہے جس کا اظہار انہیں نے جا بجا اپنے کلام میں بھی کیا ہے۔ اس لئے اگر ہم نے علامہ اقبال کی فکری اساس کو مولانا رومؒ کی فکر کے متضاد تصور کیا۔ تو اقبالیات میں واضح تضاد لازم آئے گا۔ اور پھر اقبال کے کلام میں ایسے اشارے وافکار بھی موجود ھیں۔ جو بطور خاص وحدت الوجود کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور پھر مجدد الف ثانیؒ کی اس تائید کے بعد کہ ہمہ اوست کا مقصد دراصل ہمہ از اوست ہے۔ اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ علامہ اقبال کی ایک رباعی ملاحظہ فرمایئے۔ جو وحدت الوجود کی عکاسی کرتی ہے۔

Marfat.com

"وہی اصل مکان و لامکان ہے
مکان کیا شے ہے انداز بیاں ہے
خضر کیونکر بتائے کیا بتائے
گر ماہی سے پوچھے دریا کہاں ہے"

ایک اور رباعی ملاحظہ کیجئے:

مٹا دیا میرے ساقی نے عالم من و تو
پلا کے مجھ کو مے لا الہ الا ھو
میں نو نیاز ہوں مجھ سے حجاب ہے اولیٰ
کہ دل سے بڑھ کے ہے میری نگاہ بے قابو

غرض کہ علامہ اقبالؒ شدت عشق و محبت سے تمام حجابات طے کر لینا چاہتے ہیں۔ اور پھر عقل کی موشگافیوں کو ابولہب قرار کی مثال دیتے ہیں۔ جیسے کہ وحدت الوجود والوں کے نزدیک عشق عقل سے افضل ہے۔ بالکل اسی طرح اقبال عشق کو محمد عربی ﷺ سے اور عقل کو ابولہب کہنے سے ذرا نہیں ہچکچاتے۔

تازہ میرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب

اس کے بعد اقبال عقل و خرد سے جان چھڑا کر "صاحب جنوں" بننے کی یوں دعا مانگتے ہیں۔

عطا اسلاف کا جذب دروں کر
شریک زمرہ لایحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
میرے مولا! مجھے صاحب جنوں کر

علامہ اقبالؒ اللہ تعالیٰ کی طلب و رضا کے سوا ہر چیز سے رخ موڑ لینے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور مال و دولت کو اور اسباب کو وہم و گمان کے سوا کچھ خیال نہیں کرتے۔ اور وہ اصل میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی قائم محسوس کرتے ہیں۔

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم و گمان لا الہ الا اللہ

عشق و عقل کے درمیان علامہ اقبال موازنہ کرتے ہیں۔ اور بتاتے ہیں۔ کہ عشق کو تو اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود نظر آتا ہے اور عقل ہزار بہانے تراشتی ہے۔ اور جگہ جگہ تاویلات و دلائل کے بہانے تلاش کرتی ہے جب کہ عشق کو اس کی موجودگی کا عین الیقین ہوتا ہے اس لئے عشق ہر آزمائش پر پورا اترتا ہے۔

Marfat.com

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

علامہ اقبال دوران زمان کو ایک مسلسل اور متصل رو جانتے ہیں۔ زمان بسیط نا قابل تقسیم ہے۔ اور اس میں ماضی و حال کی وہ اس طرح نفی کرتے ہیں۔ اور ایک ہی زندگی ایک ہی دور کا اس طرح تذکرہ کرتے ہیں۔

زمانہ ایک' حیات ایک' کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم

اور پھر ہر ایک چیز کی وہ حقیقت ایک ہی تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ اس میں قطعاً یہ معنی پوشید نہیں ہیں کہ صانع اور مصنوع کی حقیقت ایک ہے بلکہ وہ خاکی و نوری اشیاء کا خالق ایک ذات کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور ایک ہی سمت سب مخلوقات کا سفر تصور کرتے ہیں۔

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

نزاع لفظی پر پیر مہر علی شاہؒ کی تحقیق

اس نزاع لفظی پر حضرت پیر مہر علی شاہؒ گولڑہ شریف نے بھی محققانہ انداز میں بحث فرمائی ہے جس میں پیر صاحبؒ نے بھی ہمہ اوست کو ہمہ از اوست ہی ثابت فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے "ملفوظاتِ مہریہ"

بحث کا خاتمہ

وحدت الوجود اور وحدت الشہودکی اس بحث کو ہم اس امید پر اختتام پذیر کر رہے ہیں۔ کہ اصل میں وحدت الوجود کی بات ہو یا وحدت الشہود کی۔ بقول مجدد الف ثانیؒ مقصود و مطلوب سب کا ایک ہے اور بات ہمہ از اوست ہی کی ہے۔ نزاع لفظی کو اس طرح اب آگے نہیں بڑھانا چاہئے۔ کہ یہ امت پھر کسی نئے فتنے میں مبتلا ہو جائے۔ شریعت و طریقت کے احباب وحدت الشہود کی طرف اور غلبہ سکر و محبت کے صوفیاء وحدت الوجود کا نظریہ اپنائے ہوئے ہیں۔ محی الدین ابن عربیؒ کے جملہ عقائد کی تشریح کے بعد اب کوئی ایسا راستہ باقی نہیں رہ جاتا۔ کہ جس کی غلط تاویل کر کے لوگ گمراہ ہوں۔ مقصود دونوں کی اطاعت و اتباع ہے اور دونوں کا مقصود قرب الٰہی کا حصول ہے۔ اس جملہ تشریح کے بعد کوئی ایسا پہلو نہیں رہ جاتا کہ مزے لے لے کر ان مسائل کو بیان کیا جائے اور احکام الٰہی سے رو گردانی کی جائے۔

وحدت الشہود والے

اللہ تعالیٰ کے احکام شرعیہ کے پوری طرح پابند ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو ہر ایک چیز سے مقدم جانتے ہیں۔ اور منہیات سے مکمل دور ہوتے ہیں۔ اور اخروی جوابدہی ہمیشہ ان کے پیش نظر ہوتی ہے۔

وحدت الوجود والے

جو ایک سانس بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونے کو کفر شمار کرتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز معدوم ہے۔ اور جو تجلیات الٰہیہ کے مشتاق ہوتے ہیں۔ اور جنت دوزخ کو بھی اللہ تعالیٰ کی رضا پر قربان کرتے ہیں۔

تو اب خود فیصلہ کر لیں

کہ اگر آپ اس مسئلے میں بات کرنا چاہتے ہیں تو پہلے یہ دیکھیں کہ دونوں مقامات میں سے آپ کس مقام پر فائز ہیں۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے پابند نہیں ہیں۔ شرعی امور کو آپ نے اختیار نہیں کیا۔ اور رضائے الٰہی کو مقدم نہیں رکھتے۔ تو پھر آپ کو کوئی حق نہیں کہ ان مسائل پر بات کریں۔ کیونکہ پھر صرف آپ اپنی بداعمالیوں کو چھپانے کے لئے ایسا کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نیتوں کا جاننے والا ہے۔ یہ مقامات خاص الخاص کے ہیں۔ کہ جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم جانتے ہیں۔ اور جو اگر بات کرتے بھی ہیں تو یقین اور قرب کی منازل حاصل کرنے کے لئے۔

اللہ تعالیٰ نے پہاڑ اس لئے بنائے تاکہ زمین قائم رہے

سورہ الانبیاء میں ارشاد ہے

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ

(ترجمہ) اور ہم نے بنا دیئے زمین میں بڑے بڑے پہاڑ تاکہ زمین لرزتی نہ رہے۔ ان کے ساتھ۔ اور بنا دیئے ہم نے ان پہاڑوں میں کشادہ راہیں۔ تاکہ وہ اپنی منزل مقصود کا راستہ پاسکیں۔

پہلے بھی تفصیل گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے ذریعہ زمین کو مضبوطی عطا فرمائی ہے باقی یہ حکمت والے پروردگار کے علم میں ہے۔ کہ پہاڑ زمین کو قائم و مضبوط رکھنے کے لئے کن

بنیادوں پر اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ابھی تک اس بارے میں یقینی حد تک کھوج نہیں لگایا جا سکا۔ انسان صرف الہامی کتب کے انکشاف پر اسی دعویٰ کی تائید کر رہا ہے۔ ورنہ ابھی اس کے رازوں کا انکشاف باقی ہے۔

اللہ تعالیٰ جلد باز انسانوں کو خود نشانیاں دکھائے گا

سورہ الانبیاء میں ارشاد ہے۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُورِیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنَ

(ترجمہ) ''انسان کی سرشت میں ہی جلد بازی ہے۔ میں عنقریب تمہیں خود ہی نشانیاں دکھاؤں گا۔'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ عیاں فرما رہا ہے کہ انسان کی فطرت میں جلدی ہے۔ اور وہ ہر کام میں جلدی کرتا ہے۔ یہ اس کی عادت ہے کہ وہ ہر ایک چیز کے بارے میں جلد از جلد جان لینا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں، یومِ آخرت اور تمام امور غیب کے بارے میں فوری طور پر جاننے کا خواہش مند ہے۔ انسان جلدی کرے یا نہ کرے وہ وقت قریب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی جلالت کے ساتھ ایسی تمام نشانیاں حضرت انسان کو دکھائے گا کہ جس کے لئے یہ جلدی کا تقاضا کرتا ہے لیکن اس کے بعد انسان کے پاس عمل کا کوئی اختیار باقی نہ رہے گا۔ اور انسان کے سامنے وہ حقیقتیں عیاں ہو جائیں گی۔ کہ جن بارے میں وہ جاننا چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ رائی کے برابر عمل کا بھی صاحب فرمائے گا

سورہ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَا

اور اگر کسی کا عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا۔ تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کسی انسان نے اگر رائی کے دانے کے برابر بھی عمل کیا ہوگا۔ وہ قیامت کے دن روبرو کر دیا جائے گا۔ اور انسان آگاہ ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ سے کسی انسان کا کوئی عمل مخفی نہیں رہا۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کی پردہ پوشی فرمانا چاہے اس کی پردہ پوشی کرے گا اور جس منافق و کافر کو ذلیل فرمانا چاہے تو اس کی بداعمالیوں کو تمام بنی نوع انسان کے سامنے عیاں فرما دے گا۔ انسان کی کوئی حرکت اور کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے۔

Marfat.com

آسائش میں عبادت کرنے والے اور آزمائش میں منہ موڑنے والے

سورہ الحج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ

(ترجمہ) اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی کنارہ پر (کھڑے کھڑے) پھر اگر پہنچے اسے بھلائی (اس عبادت سے) تو مطمئن ہو جاتا ہے اس سے۔ اور اگر اسے کوئی آزمائش ہو تو فوراً دین سے منہ موڑ لیتا ہے۔

اس آیت مبارک میں موقع پرستوں اور کمزور اعتقاد کے لوگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ جو صرف خوشحالی چاہتے ہیں اور وہ صرف یہ خواہش رکھتے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں تو اس کے بدلہ انہیں صرف خوشی اور نفع حاصل ہو۔ اور ان کا طریق عبادت بھی سرسری ہوتا ہے۔ یعنی کسی رنج و پریشانی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان و اعتقاد سے منہ موڑنے میں دیر نہیں لگاتے۔ ان لوگوں کا ایک عقیدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ چونکہ وہ عبادت کر رہے ہیں۔ اس لئے انہیں کوئی تکلیف پہنچ ہی نہیں سکتی۔ یہ خیال گمراہ کن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بہر حال انسانوں پر دن پھیرتا رہتا ہے اور ہر فرد پر آزمائش کے لمحات بعض دفعہ آجاتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے۔ کہ اعرابی جب حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوتے۔ اسلام قبول کرتے۔ اور واپس جا کر گھروں میں اگر برکت دیکھتے تو تعریف کرتے کہ اچھا دین ہے۔ اور اگر اس کے خلاف دیکھتے تو جھٹ سے کہہ دیتے کہ اس دین میں نقصان ہی نقصان ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے سخت پکڑ رکھی ہے۔ اور ایسے لوگ ہی تباہ کن خسارے سے دوچار ہوں گے۔ حق تو یہ ہے کہ جتنا نقصان بھی کیوں نہ ہو اسے آزمائش سمجھ کر برداشت کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ایسے صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر سے نوازے گا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آزمائش میں نہ ڈالے ہم آزمائش کے قابل نہیں۔

آسمان کو اللہ تعالیٰ نے روک رکھا ہے

سورہ الحج میں الہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَن تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ

(ترجمہ) اور اس نے روکا ہوا ہے آسمان کو کہ گر نہ پڑے زمین پر بجز اس کے فرمان کے۔ (القرآن)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آسمان کو اس نے اپنی حکمت عملی اور حکم سے روک رکھا

ہے۔ باقی تمام اشیاء اور نظام کی طرح آسمان بھی اس کے حکم سے قائم ہے اگر وہ آسمان کو نہ سنبھالے۔ اور اپنی قدرت کاملہ سے نہ تھامے تو جو اجسام اور کُرّے بھی آسمان کے نیچے ہیں۔ بمعہ زمین کے وہ اُس کی زد میں آ کر زبردست تباہی سے دوچار ہو جائیں۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ آسمان ٹھوس ہے۔ جیسے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ زمین اور آسمان اور دیگر اجسام اور کُرّوں کا مادہ جب ایک ہے۔ تو پھر یہ بات طے ہے کہ زمین کا وجود ایک خاص انداز میں اگر ٹھوس ہو سکتا ہے سورج، چاند اور ستارے بھی اسی مادہ سے ظہور میں آئے ہیں۔ وہ ٹھوس ہو سکتے ہیں تو پھر آسمان کے ٹھوس تسلیم کرنے میں کیا مضائقہ ہے ظاہر ہے کہ ٹوٹ کر گرتی ہی وہ چیز ہے جو ٹھوس ہو۔ ورنہ ہوا نہیں گرتی، بادل نہیں گرتا۔ یہ آیت مبارکہ آسمان کی ٹھوس حیثیت پر بھی دلالت کر رہی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

اللہ تعالیٰ کے دین کی جو مدد کرے گا اللہ اس کی مدد کرے گا

سورۃ الحج میں ارشاد ہے۔

وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ

(ترجمہ) ''اور اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرمائے گا۔ جو اس کے دین کی مدد کرے گا''۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے کام کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی بھرپور سرپرستی فرمائے گا۔ اور اس کی حاجات کو پورا کرے گا۔ یہاں بندے کی مدد سے مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کرتے ہوئے دین کے کاموں کی طرف رغبت کرنا اور اس کے دین کی تبلیغ کرنا۔ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے نظام کے احیاء اور اس کے احکامات کے فروغ کے لئے نکلے گا۔ یا لٹریچر شائع کرے گا، یا مساجد اور گلیوں گلیوں جا کر تبلیغ کرے گا۔ یا اس کے راستے میں تلوار اٹھا کر جان کا نذرانہ پیش کرے گا۔ یا دین کا علم حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلے گا یا اپنے گھر کی مجالس میں احکام الٰہی کو بیان کرے گا یا کسی ایسے گروہ میں شامل ہو کر اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرے گا جو صالحین اور متقی افراد کا گروہ ہو تو ضرور اللہ تعالیٰ ان کاموں میں بھی اس کی مدد کرے گا۔ اور اس کے دنیاوی امور بھی بحسن وخوبی انجام پائیں گے اور اسے اس دنیا میں بھی کسی قسم کی تنگی احساس نہیں ہوگا اور آخرت میں بھی اسے انعامات واکرام بے حد حساب عطا ہوں گے۔

انسان کی تخلیق کے مدارج

سورۃ المومنون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنسَانَ مِن سُلٰلَةٍ من طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ثُمَّ

خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ

(ترجمہ) اور بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے جوہر سے پھر ہم نے رکھا اسے پانی کی بوند بنا کر ایک محفوظ مقام میں پھر ہم نے بنا دیا نطفہ کو خون کا لوتھڑا۔ پھر ہم نے بنا دیا اس لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی پھر ہم نے پیدا کر دیں اس بوٹی سے ہڈیاں۔ پھر ہم نے پہنا دیا ان ہڈیوں کو گوشت۔ پھر روح پھونک کر ہم نے اسے دوسرے مخلوق بنا دیا۔ پس بڑا بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں انساں کی تخلیق کے مدارج تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ یہ تفصیل اس وقت بنی نوع انسان کو بیان کی گئی تھی۔ کہ جب نہ تو جدید سائنسی آلات تھے اور نہ ہی ایسی کوئی دوسری تحقیق سامنے تھی۔ سرزمین عرب میں جہاں لوگوں میں تعلیم کا تناسب بھی بہت کم تھا۔ اور لوگ ان حقائق سے بالکل بے خبر تھے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی اس حقیقت کو بیان نہیں کر سکتا تھا۔ یہ آیت انسان کی تخلیق کے مدارج کے بارے میں سند کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا فرمایا گیا۔ پھر ماں کے رحم میں اس مخصوص بوند سے خون کا لوتھڑا بنتا ہے۔ خون کا یہ لوتھڑا گوشت کی ایک بوٹی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس بوٹی سے ہڈیوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ اور ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا جاتا ہے بعد ازاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس میں روح آتی ہے۔ اور اس کی جس متعین ہوتی ہے اعضاء سنوارے جاتے ہیں صورت ترتیب پاتی ہے۔ آج تک انسان تخلیق کے مراحل کے بارے میں حیران و سرگرداں تھا۔ اور سے اس بارے کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ علق بلحاظ معنی بہت وسیع ہے اس کے کماحقہ مفہوم سے انسان آہستہ آہستہ روشناس ہوں گے۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کے معنی و مفاہیم زیادہ وضاحت کے ساتھ سامنے آئیں گے۔

تفسیر ابن کثیر کے مطابق اللہ تعالیٰ انسانی پیدائش کی ابتدا بیان کرتا ہے کہ ادم کی اصل تو مٹی سے ہے۔ جو کیچڑ اور بجنے والی مٹی تھی۔ پھر حضرت آدم سے ان کی اولاد پیدا ہوئی۔ جیسے کہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کر کے انسان بنا کر زمین پر پھیلا دیا۔ مسند احمد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو خاک کی مٹھی سے پیدا کیا۔ جسے تمام زمین پر سے لیا گیا تھا۔ پس اسی اعتبار سے اولاد آدم کے مختلف رنگ و روپ ہیں۔ کوئی سرخ ہے۔ کوئی سفید ہے۔ کوئی سیاہ ہے اور کوئی کسی اور رنگ کا ہے۔ ان میں اچھے بھی ہیں اور برے بھی ہیں۔ انسان کے لئے ایک متعین مدت تک ماں کا رحم ٹھکانا ہوتا ہے۔ جہاں ایک حال سے دوسری حالت کی طرف اور ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ پھر نطفے کو جو ایک اچھلنے والا مادہ ہے جو مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے سے نکلتا ہے جیسے ارشاد

Marfat.com

بھی ہے بین الصلب والترائب شکل تبدیل کر کے سرخ رنگ کی بوٹی میں بدل جاتا ہے۔ پھر اسے گوشت کے ایک ٹکڑے کی صورت میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ جس میں کوئی شکل نہیں ہوتی۔ پھر ان میں ہڈیاں بنا دی جاتی ہیں۔ سر، ہاتھ، پاؤں، ہڈی، رگ اور پٹھے وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ پیٹھ کی ہڈی بنائی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان کا تمام جسم بعد از موت گل سڑ جاتا ہے۔ سوائے ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اسی سے پیدا کیا جاتا ہے اور اسی سے ترکیب دی جاتی ہے۔ پھر ان ہڈیوں کو وہ گوشت پہنایا جاتا ہے۔ تاکہ وہ پوشیدہ اور طاقتور رہیں۔ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ جس سے وہ حرکت کرنے اور چلنے پھرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اور ایک جاندار انسان بن جاتا ہے پھر دیکھنے سننے اور سمجھنے کی قوت اور حرکت وسکون کی قدرت اُسے عطا فرماتا ہے وہ بابرکت پروردگار سب سے اچھا واحد تخلیق کار ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جب نطفہ پر چار ماہ گزر جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے جو تین تین اندھیروں میں اس میں روح پھونکتا ہے۔ یہی معنی ہے کہ ہم اسے دوسری مخلوق بنا دیتے ہیں۔ پس ماں کے پیٹ میں بتدریج ارتقا کے تحت دوسری اور تیسری حالت میں ہی بچے کو نا سمجھ پیدا فرما دیا جاتا ہے پھر اس کی نشوونما ہوتی ہے۔ اور حتی کہ وہ جوان بن جاتا ہے پھر اس پر ادھیڑ پن آتا ہے اور آخر کار بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ یہ قوتیں بالکل ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔ بینائی جاتی رہتی ہے، بات کرنے اور اُٹھنے بیٹھنے کی سکت ختم ہو جاتی ہے۔ بندہ جان رکھنے کے باوجود لاچار اور بے بس ہو کر موت کا منتظر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے زندگی فانی میں ہی دنیا کی بے وفائی اور بے ثباتی کا منظر دکھا دیتا ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش چالیس دن اس کی ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی ہے پھر چالیس دن تک وہ خون بستہ کی صورت میں رہتا ہے۔ پھر چالیس دن تک وہ گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے چار باتیں لکھی جاتی ہیں۔ روزی، اجل، نیک وبد عمل، اچھائی یا برائی۔ پس قسم اس ذات کی کہ جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ کہ ایک شخص جنتی کا عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جنت سے صرف ایک ہاتھ دور رہ جاتا ہے۔ لیکن تقدیر کا لکھا غالب آتا ہے اور خاتمہ کے وقت دوزخی کا کام کرنے لگتا ہے۔ اور اسی پر مرتا ہے۔ اور جہنم رسید ہوتا ہے اسی طرح ایک انسان برے کام کرتے کرتے دوزخ سے ہاتھ بھر کے فاصلے پر رہ جاتا ہے۔ لیکن پھر تقدیر کا لکھا آگے بڑھ جاتا ہے اور جنت کے اعمال پر خاتمہ ہو کر داخل جنت ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ نطفہ جب رحم میں پڑتا ہے تو وہ ہر ہر بال اور ناخن کی جگہ پہنچ جاتا ہے۔ پھر چالیس دن کے بعد اس کی شکل جمے ہوئے خون کی طرح ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تمام نظام اتنا جامع اور مکمل ہے کہ اس میں کسی جگہ ردوبدل کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور نہ ہی کسی بھی مقام پر کوئی خامی نظر آتی ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا بادل اٹھالاتی ہے

سورۃ الاعراف میں ہے۔

''اور وہی اللہ تعالیٰ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری سناتے ہوئے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے۔ یہاں تک کہ جب وہ اٹھالاتی ہیں بھاری بادل تو ہم لے جاتے ہیں اسے کسی ویران شہر کی طرف پھر ہم اتارتے ہیں۔ اس سے پانی' پھر پیدا کرتے ہیں اس کے ذریعہ ہر قسم کا پھل۔ اس طرح ہم نکالیں گے مردوں کو تا کہ تم نصیحت قبول کرو۔'' (الاعراف 57)

دنیاوی زندگی کی حقیقت

سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا

(ترجمہ) بیان فرمایئے ان سے دنیاوی زندگی کی ایک اور مثال اس پانی کی طرح ہے جسے ہم نے اتارا ہے آسمان سے پس گنجان ہوکر اگتی ہے اس پانی سے زمین کی انگوریاں پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ خشک بوسیدہ گھاس ہو جاتا ہے۔ اڑاتی پھرتی ہیں اسے ہوائیں۔

اس آیت میں بیان فرمایا جا رہا ہے کہ دنیا اپنے زوال' فنا اور خاتمے کے لحاظ سے زمین کی اس پیداوار کی مانند ہے کہ آسمانی بارش یا بارش کے توسط سے دوسرے ذرائع آب مثلاً دریا' نہروں وغیرہ کے ذریعے ہزاروں پودے اگتے ہیں۔ موسم کے اعتبار سے فصلیں لہلہانے لگتی ہیں۔ اور یہ فصلیں جنہیں انسان بہت شوق اور ذوق سے دیکھ دیکھ کر اتراتا پھرتا ہے کچھ دنوں بعد چورا چورا ہو کر ہواؤں کے ساتھ اڑتی پھرتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جوان کو سرسبز اور ہرا بھرا کرنے پر قادر ہے چورا چورا کرنے پر بھی قادر ہے۔ یہ مثال دینے کا مقصد انسان کو اس دنیا کی بے ثباتی سے آگاہ فرمانا ہے۔ انسان روزانہ ہزاروں جانوں کو موت کے گھاٹ اترتے دیکھتا ہے لیکن اتنا خود غرض اور سخت دل ہے کہ مال و دولت اور دنیا کی محبت پھر بھی اس کے دل سے نہیں جاتی یہ دنیا کی محبت میں دیوانہ بنا پھرتا ہے۔ کہ یہ بھی بنالوں۔ وہ بھی بنالوں۔ اسے قطعاً یہ فکر نہیں ہوتی کہ وہ آخرت کے لئے کیا توشہ تیار کر رہا ہے۔ اور اپنے پروردگار کو کیا منہ دکھائے گا پھر بڑھاپے میں اس پر ایک ایسا وقت آ جاتا ہے جب یہ مال و دولت اولاد دوست' رشتہ دار حتیٰ کہ انسان کا اپنا جسم بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے اور دنیا میں ہی مجبور و بے بس ہو کر موت کی راہ دیکھنے لگتا ہے اور فنا و موت کو اپنا نجات دہندہ کہنا شروع کر دیتا ہے اس لئے نہیں کہ وہ دنیا کے مشاغل سے کنارہ کش ہو جاتا ہے یا آخرت کو پسند کرنے لگتا ہے بلکہ ایسی خواہش دنیا و اہل دنیا کے

Marfat.com

دھتکارنے کے باعث پیدا ہوتی ہے دیکھ لیجئے کہ انسان کتنا سمجھ، کم عقل اور جاہل ہے جو صحت اور جوانی میں اپنے بھرپور وسائل اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف نہیں کرتا۔ یہ دنیا اتنی بے وفا ہے کہ مرنے والے کو چند روز بعد خود اس کے گھر والے بھی بھول جاتے ہیں۔ اور سالہا سال اس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے بھی کوئی نہیں آتا۔

مثال کے طور پر اگر آپ کسی شہر میں جائیں۔ اور دیکھیں کہ وہاں بہت رونق ہے۔ ہر آدمی وہاں اپنے روزمرہ امور میں مصروف ہے۔ تو یہ خیال کیوں نہیں کرتے۔ کہ جب آپ یہاں نہیں ہیں اور آپ کے بغیر کتنی رونق ہے اور جب دنیا سے چلے جاؤ گے تو اس کی رونقوں اور اس کے احوال پر کیا فرق پڑے گا۔ جب دنیا اپنی رونقوں کے لئے آپ کو کوئی اہمیت نہیں دیتی تو دنیا کے حریص کیوں بنتے ہو اور آخرت کو اس بے وفا دنیا کے لئے کیوں برباد کرتے ہو ایسا شخص جو دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو دوزخ کا ایندھن بنتا ہے خود ہی جان لیں کہ دنیا کی محبت کے باعث جہنم کا ایندھن بننے والے سے زیادہ جاہل اور احمق کون ہو سکتا ہے۔

انسان کی دنیاوی زندگی کے مدارج

سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوٓا اَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا

(ترجمہ) "پھر ہم نکالتے ہیں تمہیں بچہ بنا کر پھر پرورش کرتے ہیں تمہاری تاکہ تم پہنچ جاؤ اپنے اسباب کو اور تم میں سے کچھ پہلے فوت ہو جاتے ہیں۔ اور تم میں سے بعض کو پہنچا دیا جاتا ہے نکمی عمر تک تاکہ وہ کچھ نہ جانے ہر چیز کو جاننے کے بعد"

یہ آیت مبارک انسانی عمر کے درجوں کو بے نقاب کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو پہلے ناسمجھ بچے کے طور پر پیدا فرماتا ہے پھر وہ والدین کی آغوش میں اور بعض حالات میں والدین کے بغیر بھی انسان کی مختلف ذرائع سے پرورش فرماتا ہے حتیٰ کہ یہ بچہ تنومند جوان بن جاتا ہے اور عالم شباب کی خوبصورت عمر میں قدم رکھ دیتا ہے۔ اور پھر یہ اتراتا پھرتا ہے لیکن اسے احساس نہیں ہو پاتا کہ وقت کا پہیہ تیزی سے گھوم رہا ہے مگر جب اس کے شعور کی آنکھ کھلتی ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ وقت بیت گیا ہے اور اس کے چہرے پر شباب کی تازگی کی جگہ جھریاں پڑ چکی ہیں۔ ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو رہا ہے اور وہ کام سے جلدی تھکنے لگا ہے یہ کیفیت بتدریج بڑھتی چلی جاتی ہے کچھ تو اسی اثناء میں موت کی آغوش میں پہنچ جاتے ہیں اور کچھ بڑھاپے کی اس عمر کو پہنچ جاتے ہیں۔ کہ جہاں ان کے اعضاء جواب دے جاتے ہیں۔ نہ تو وہ کوئی بات سمجھ سکتے ہیں۔ اور نہ ہی کوئی سمجھا سکتے ہیں۔ خبطی بن جاتے ہیں۔ ان

Marfat.com

کی اولاد بھی بات کرنے سے کترانے لگتی ہے اور کسی بات میں بھی اس بوڑھے کو اس کے گھر والے شریک نہیں کرتے۔ وہی جن کے لئے اس نے زندگی بھر غفلت کا مظاہرہ کیا ہوتا ہے اس کا مال و دولت، صحت، بینائی سب ہی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ عموماً آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب ایسا بوڑھا آدمی مرتا ہے تو اس کا اظہار تعزیت بھی اس طرح کیا جاتا ہے"کہ چلو اچھا ہوا بے چارے کی کوئی زندگی تھی دھکے کھاتے پھر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سمیٹ لیا" تو پھر کیوں نہ کہیں۔ کہ دنیا کی زندگی محض دھوکے اور فریب کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو کر دنیا کی طلب میں مصروف رہنے والوں سے بڑھ کو کوئی جاہل اور غافل نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ تقدیر

حضرت شاہ ولی اللہ اس بارے میں تحریر کرتے ہیں۔ کہ تقدیر کی دو اقسام ہیں۔ مبرم اور معلق تقدیر معلق کا موجب استعداد شخصی ہے۔ اور اس میں دعا اور تدبیر فائدہ مند ہوتی ہے۔ اور تقدیر مبرم کا باعث تمام عالَم کی مجموعی استعداد ہے۔ کہ اس میں کسی قسم کا تخلف واقع نہیں ہوتا۔

عمومی بحث

قدرت کے باب میں اگر چہ انسان کے اختیارات پر بات کر چکے ہیں۔ اور اب اس سلسلے میں مزید بحث پیش خدمت ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ انہیں نے حضرت امام جعفر بن محمد باقر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا اور عرض کی۔ کہ اے اولادِ رسول اللہ ﷺ کیا اللہ تعالیٰ نے اختیار بندوں کے سپرد کر دیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند ہے۔ کہ ربوبیت کو انسان کے حوالے فرمادے۔ پھر امام ابو حنیفہ نے عرض کی کیا اللہ تعالیٰ نے بندوں کو مجبور کر کے دنیا میں بھیجا ہے۔ تو امام جعفر صادقؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے۔ اور وہ مجبور پیدا کر کے عذاب میں ڈالنے سے پاک ہے اس کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ نے عرض کی کہ پھر اس معاملے کی حقیقت پر مطلع فرمائیے۔ تو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا فرمایا کہ یہ معاملہ اختیار اور جبر کے درمیان ہے۔ کہ نہ تو انسان قطعی طور پر مجبور ہے اور نہ ہی مکمل اختیار کا مالک ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر کوئی جبر ہے۔ اور نہ ہی کوئی بات خواہ مخواہ انسان پر مسلط کر دی گئی ہے شاید اس وجہ سے علماء حق نے فرمایا ہے کہ انسانوں کے اختیار یہ خلق بلحاظ ایجاد اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہیں۔ اور دوسرے اعتبار سے کسب اور اکتساب کے لحاظ سے انسانوں کی قدرت کے تحت ہیں۔ تو بندے کی حرکت کو حق تعالیٰ کی قدرت کی طرف نسبت کے اعتبار سے خلق اور ایجاد کہتے ہیں۔ اور بندے کی قدرت کے ساتھ ربط اور تعلق کے اعتبار سے کسب و اکتساب کہتے ہیں۔

اہل سنت میں سے امام ابوالحسن اشعریؒ نے جو موقف اختیار کیا ہے۔ اس کے مطابق بندوں کے اختیار کو ان کے افعال میں کچھ دخل نہیں۔ ہاں البتہ اتنی بات ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی صفت کے مطابق ان کے اختیار کے پیچھے ان کے فعل کو ایجاد فرما دیتا ہے اس لئے اشعری کے نزدیک فانی کی کچھ تاثیر نہیں۔ اور یہ نظریہ جبر کی طرف مائل ہے۔ اس لئے اسے جبرِ متوسط کے ساتھ بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

استاذ ابواسحاق اسفرائنی کہتے ہیں۔ کہ کام کے ارادہ اور کام کے کرنے میں بندے کو قدرت حاصل ہے۔ اور انسان کا فعل دو قدرتوں سے وجود میں آتا ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی قدرت اور دوسری بندے کے اختیار سے انہوں نے دو مختلف طریقوں سے ایک اثر پر دو موثروں کے اجتماع کو جائز قرار دیا ہے۔ حضرت امام غزالی وصف قدرت کے سلسلے میں اسی نظریہ سے متفق ہیں۔ قاضی ابوبکر الباقلانیؒ اس بات کے قائل ہیں کہ بندے کی قدرت کام کرنے میں اس انداز سے اثر کرتی ہے کہ اُس کام کو طاعت یا نافرمانی کے ساتھ موصوف کر دیا جاتا ہے۔ اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ یہ ہے کہ کسی حرکت کی بنیاد اور کسی کام کرنے میں بیک وقت بندے کو (عطا کردہ) اختیار کی تاثیر کا دخل ہے اس لئے کہ اصل میں، تاثیر کے بغیر صفت میں تاثیر کا کوئی معنی نہیں اس لئے کہ صفت کا اثر اصل پر متفرع ہوتا ہے لیکن وہ اصل فعل کی تاثیر پر ایک زائد ہوتا ہے۔ اور بندے کی تاثیر کے قائل ہونے میں کوئی خرابی نہیں۔ اس لئے کہ قدرت میں تاثیر بھی اللہ سبحانہٗ کی ایجاد سے ہوتی ہے جس طرح نفس قدرت اللہ کی ایجاد سے ہے اور تاثیر قدرت کا قائل ہونا درستگی کے قریب ہے۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ اشعری کا موقف بھی فی الحقیقت دائرہ جبر میں داخل ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک بندے کو کوئی اختیار حاصل نہیں اور نہ ہی ان کے نزدیک بندے کے فانی اختیار کو تاثیر حاصل ہے۔ مگر اتنی بات ہے کہ جبریہ کے نزدیک فعل اختیاری کی نسبت فاعل کی طرف حقیقتاً نہیں بلکہ مجازی ہوتی ہے۔ اور اشعری کے نزدیک فاعل کی طرف نسبت حقیقی ہوتی ہے اگرچہ بندے کے لئے حقیقتاً کچھ اختیار ثابت نہ ہو۔ اس لئے کہ فعل بندے کی قدرت کی طرف حقیقتاً منسوب ہوتا ہے چاہے یہ قدرت تھوڑی بہت موثر ہو یا مدار محض ہو۔ اور اس فرق کے ساتھ بہرحال اشعری کا موقف غلط موقف رکھنے والوں سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور فعل کی فاعل سے حقیقتاً نفی اور مجازی طور پر اس کا بندے کے لئے ہونا کفر محض ہے جیسا کہ جبریہ کا موقف ہے۔

ابوالمعین معمون بن محمد النسفی الحنفی فرماتے ہیں کہ جبریہ میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ فعل کا انسان سے سرزد ہونا صرف ظاہراً اور مجازاً ہوتا ہے۔ حقیقت میں اسے کوئی استقامت اور قدرت حاصل نہیں بلکہ بندہ درخت کی طرح ہے کہ جب ہوا اسے حرکت دیتی ہے تو وہ حرکت میں آتا ہے۔ بالکل اسی طرح بندہ بھی مجبور محض ہے۔ تو یہ کفر کا قول ہے اور جو یہ اعتقاد رکھتا ہو وہ صریحاً کفریہ اعتقاد رکھتا ہے۔ اور جبریہ کا یہ قول کہ حقیقت میں بندوں کے اپنے کاموں کا وجود ہی نہیں ہے نہ خیر میں اور نہ شر میں اور جو کچھ بندہ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے فی الحقیقت اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے تو

Marfat.com

اس نظریہ سے تمام جرائم اور نافرمانیوں کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہو جاتی ہے اور عذاب ایک ظلم کے طور پر سامنے آتا ہے اور آخرت کا حساب بے معنی ہو جاتا ہے اور یہ نظریہ کفر ہے۔ اور جبریہ کا نظریہ تقدیر بالکل کفر ہے۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ جب بندے کے لئے افعال میں کچھ تاثیر نہیں اور اسے حقیقتاً کچھ اختیار نہیں تو پھر امام اشعریؒ کے نزدیک بندے کی طرف حقیقتاً افعال کی نسبت کے کیا معنی ہیں؟

جواب: حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ بندے کی قدرت کو افعال کی حدود میں کچھ تاثیر نہیں تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندے کی قدرت کو وجود افعال کا کی بنیاد ضرور قرار دیا ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے مطابق بندوں کے افعال کی طرف اپنی قدرت اور اختیار صرف کرنے کے متصل بعد افعال کو پیدا کرتا ہے اور بندے کی قدرت وجود افعال کے لئے سبب بن جاتی ہے تو اس طرح عادتاً کاموں کے ہونے میں قدرت کے لئے دخل ثابت ہوتا ہے کیونکہ عمومی کام قدرت کے بغیر وجود میں نہیں آسکتے اگرچہ قدرت کے لئے افعال میں کچھ تاثیر ثابت نہیں تو عام سبب کے اعتبار سے حقیقتاً بندوں کے افعال کی نسبت ان کی طرف ہوتی ہے اشعری کے موقف میں تصحیح کی یہ انتہائی کوشش کی ہے لیکن اب بھی اس کلام میں غور وفکر کی گنجائش ہے۔

اہل حق تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں اور اس امر کے قائل ہیں کہ خیر وشر (کڑوی ومیٹھی) اور (خوشگوار ناخوشگوار) تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔ کیونکہ قدر وتقدیر کے معنی تخلیق وایجاد کے ہیں۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ تخلیق فرمانے والا اور موجد صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات اقدس ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہی ہر ایک شے کا خالق ہے۔ اور عبادت کے لائق وہی ذات ہے۔

''معتزلہ اور قدریہ'' اس فرقہ کے لوگ قضا اور قدر کے منکر ہیں اور ان کا گمان ہے کہ بندوں کے افعال صرف بندوں کی قدرت سے وجود میں آتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ بندوں کے لئے شر اور برائی کا فیصلہ کر لیتا اور پھر ان کو عذاب دیتا ہے تو یہ اس ذات سبحانہٗ کی طرف سے (معاذ اللہ) ظلم قرار دیا جانا ہے۔ لیکن یہ شبہ ان لوگوں کی جہالت کا باعث ہے۔ کیونکہ قضائے الٰہی بندے کی قدرت اور اختیار کو سلب نہیں کرتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قضا اس طرح مقرر کی ہے کہ بندہ اپنے اختیار سے یہ کام کرے گا یا چھوڑے گا۔ مختصر یہ ہے کہ قضا اختیار کو واجب اور لازم کرتی ہے اور یہ چیز اختیار کو ثابت کرتی ہے اختیار کے منافی نہیں۔

نیز ان جبریہ وقدریہ کا قول اللہ تعالیٰ کے افعال کی رو سے بھی مردود قرار پاتا ہے۔ کیونکہ قضا کے اعتبار سے اللہ سبحانہ کا فعل یا تو واجب ہے یا ممتنع اس لئے قضا کا تعلق اگر وجود سے ہوگا تو واجب ہے اگر عدم سے ہوگا تو وہ ممتنع ہوگا۔ وجوب فعل بالاختیار اختیار کے منافی ہو ہی نہیں سکتا اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ بندے کے کاموں کی ایجاد میں بندے کی قدرت کے کمزور ہونے کے باوجود اسے

Marfat.com

مستقل تسلیم کرنا نہایت افسوسناک بات ہے اور سخت حماقت ہے۔ اس لئے تو مشائخ کرام نے قدریہ و جبریہ کو گمراہ کہا ہے اور شخص ملامت کی ہے۔ اور یہاں تک کہا ہے کہ ان لوگوں نے اس موقف سے شرک کا ارتکاب کرتے ہوئے لاتعداد شریک ثابت کئے ہیں۔ اور جبریہ فرقے کا گمان یہ ہے کہ بندے کا فعل ہے ہی نہیں بلکہ بندے کی حرکات پتھروں کی حرکات کی طرح ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک بندوں کو نہ تو قدرت ہے اور نہ ہی ارادہ و اختیار اور ان کا گمان یہ بھی ہے کہ بندے کو نہ تو نیکی پر ثواب ملتا ہے اور نہ برائی پر عذاب اور کفار و نافرمان لوگ معذور ہیں ان سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہوگی کیونکہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بندہ اس میں مجبور ہے تو جبریہ کا یہ عقیدہ کفر ہے۔ لعنتی مرجیہ کہتے ہیں کہ گناہ کوئی نقصان نہیں دیتے اور نافرمان کو سزا نہیں ہوگی۔ حضور ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

لعنت المرجية على لسان سبعين (کنز الحقائق، حاکم، ترمذی) مرجیہ فرقہ پر ستر انبیاء نے لعنت کی ہے۔

اور ان لوگوں کا مذہب ہی جھوٹ ہے اس لئے کہ اپنے اختیار سے حرکت دینے اور مرض رعشہ سے حرکت پیدا ہونے میں واضح فرق ہے۔ اور ہم یقین سے جانتے ہیں کہ پہلی حرکت بندے کے اختیار سے ہے اور دوسری غیر اختیاری ہے۔ اور حقیقی امور بھی اس کی نفی کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

جزاء بما كانوا يعملون

(ترجمہ) یہ جزا ہے ان اعمال کی جو وہ کرتے تھے۔

اور پھر اللہ تعالیٰ کا یہ قول۔

فمن شاء فليؤ مِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكفُر

(ترجمہ) تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔

حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اصل میں معاملہ صرف اتنا ہے کہ بہت سے لوگ اپنی کمزور ہمتوں اور ناقص نیتوں کے باعث مختلف حیلے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ اور آخرت کی جوابدہی سے بچتے ہیں تو یہ لوگ جبریہ کے مذہب کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ پھر یہ لوگ کبھی تو کہتے ہیں کہ بندے کو حقیقتاً کوئی اختیار نہیں اور فعل کی اس کی طرف نسبت مجازاً ہے اور کبھی جبر کو لازمی سمجھتے ہیں اور ضعیف اختیار کے قائل ہوتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ اس مقام میں بعض صوفیہ کے کلام کو سنتے ہیں کہ فاعل صرف ایک ہے اور بندے کے افعال میں اس کی قدرت کا کچھ دخل نہیں اور بندے کی حرکات بے جان دھاتوں کی حرکت کی مانند ہیں بلکہ بندے کی ذات اور صفت کا وجود دھوکا ہے جسے پیاسا آدمی صحرا میں پانی گمان کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے تو کوئی شے نہیں پاتا اور اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

ذات کو اپنے پاس پاتا ہے۔ اور اس طرح کی اور باتیں سنتے ہیں تو پھر اقوال وافعال میں غفلتوں اور گناہوں میں اور آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ہم اس مقام کی تحقیق میں کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی حقیقت مقصد کو بہتر جانتا ہے۔ اگر بندے کے لئے حقیقتاً کوئی اختیار نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ بندوں کو ظالم نہ کہتا کیونکہ جب بندے کو کوئی اختیار ہی نہیں اور نہ ہی ان کی قدرت کے لئے کچھ تاثیر ہے بلکہ وہ قدرت تو بندے کے لئے مدار محض سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ سبحانہ نے اپنی کتاب مجید میں بہت مقامات پر ظلم کی نسبت بندوں کی طرف کی ہے۔ تاثیر کے بغیر قدرت کا محض مدار ہونے سے بندوں کا ظلم ثابت نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے اقوال کے خلاف جاتا ہے اور یہ کفر ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا بندوں کو تکلیف یا عذاب بندوں کے اختیار کے بغیر دینا ہرگز ظلم نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو مالک کل ہے اپنے اس پورے ملک (کائنات) میں جیسے چاہے تصرف فرمائے لیکن بندوں کی طرف ظلم کی نسبت کرنا بندوں کے اختیار کو ثابت کرتا ہے اور اس نسبت میں مجاز کا احتمال متبادر کے خلاف ہے بلاضرورت اس کا مرتکب نہیں ہونا چاہئے لیکن کمزور اختیار کا قول اس امر سے خالی نہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار کے مقابلے میں کمزور نسبت مراد ہے اگر یہی مراد ہے تو اسے ہم تسلیم کرتے ہیں اور اس میں کوئی جھگڑا نہیں اس طرح افعال کے صدور کے معانی میں مستقل نہ ہونا بھی تسلیم شدہ ہے۔ لیکن کمزوری کا یہ معنی صحیح نہیں کہ کاموں کے کرنے میں بندے کے اختیار کا کچھ دخل نہیں اور یہ اول مسئلہ ہے جس میں جھگڑا ہے یہ بات بھی علم میں ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ان کی طاقت اور استطاعت کے مطابق مکلف بنایا ہے۔

لوح وقلم

قرآن مجید میں جگہ جگہ لوح محفوظ کا ذکر آیا ہے قرآن مجید کے بارے میں بھی ارشاد ہے کہ "فی لوح محفوظ" کہ "یہ لوح محفوظ میں درج ہے"۔ اور پھر ارشاد ہے کہ فی کتب مرقوم "اسے لکھ رکھا ہے ہم نے کتاب میں" حضرت شاہ ولی اللہ اس بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ قلم ایک جوہر مجردہ عن المادہ ہے یا علم فعلی کے تمثل میں سے مجرد کی طرح ہے اور لوح علم انفعالی کا تمثل ہے اور قلم لوح کی طرح تمام ممکنات کی جہات کو جامع ہے زبان شرع میں کتابت کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا کہ انفعالیت کی بجائے علم فعلی کے ساتھ اسے زیادہ نسبت ہے اور عالمِ تخلیط میں قلم ہی کی جزئیات میں سے ایک قسم ہے۔ کہ جنہیں کتبہ کہا جاتا ہے اور لوح کی جزئیات میں سے بعض امور کو الواح کے ساتھ پکارا کیا جاتا ہے اور لوح کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہر ایک اسم پاک میں ایک جداگانہ آیت ہے کہ جس میں اس کی تفصیل لکھی ہوئی ہے اور اس میں قابل اور فاعل کی متعدد جہات ظاہر کی گئی ہیں۔ چنانچہ صورت ایک ہے اور جہتیں مختلف ہیں۔ اور لوح کا مفہوم تمام کائنات کو شامل ہے مگر یہ ایک الگ پہلو ہے کہ کسی شخص پر ان جہات کا امر ظاہر نہ ہو اور

Marfat.com

صحیفوں کی شان یہ ہے کہ ہر وہ قول اور فعل جو کہ انسان سے صادر ہوتا ہے اس میں اس کی صورت محفوظ ہو جاتی ہے جس میں جہات مختلف نشأۃ اُخرویہ کے لحاظ سے نمایاں ہو جاتی ہیں۔ اور الواح کا علم انبیاء کرام اور حکماء ربانیین کو حاصل ہے۔

زمان ومکان

تمام جسمانی اشیاء پر ایک ایسا جوہر احاطہ کئے ہوئے ہے جو امتدادِ ذاتی کے ساتھ موصوف ہے اور وہ زمان ہے اور ایک جوہر ہے جو تبع بذاتہٖ ہے اور اس کو مکان بولا جاتا ہے ان دونوں کا تمام اجسام کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ ایک دوسرے کو علیحدہ نہیں کر سکتے۔ اور دونوں تحقق جسم میں ہے اسی لئے بعض حضرات نے یہ خیال کیا کہ یہ دونوں عرض ہیں لیکن حکماء کا ذوق اسے تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے کیونکہ زمان میں اس قدر طوالت ہے کہ اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا اس لئے اس کے تصور کو مشکل سمجھا گیا ہے ان میں سے اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو ایک دوسرے کیساتھ وابستہ پیدا فرمایا ہے اگر یہ ملاپ اور وابستگی ہو تو ہیولیٰ اطلاق صرف کے ساتھ مل جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک میں سے ایک اسم ہے۔ اور صورت اس حکمت کے ساتھ مل جاتی ہے جس کا وہ تمثل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ساتھ دونوں کو اس طرح پیدا فرمایا جس کی وجہ سے عالم ثابت رہا۔ (خیر کثیر شاہ ولی اللہ)

عالم مثال

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق مثال کا اطلاق ہمارے نزدیک تین معانی پر ہوتا ہے ایک تو مثال مقید ہے۔ اس سے مراد وہ صورت ہے جو وہم خیال یا ادراک میں ظاہر ہو یہ ظہور وہی نشاءۃ علمیہ کا ایک جزئی ارتقاء ہے کہ جس میں اسماء کی صورتیں منقوش ہوتی ہیں۔ دوسرا مثال مطلق ہے۔ یہ قسم اجسام کی بنیاد ہے اس کا ظہور پانی اور ہوا میں ہوتا ہے اس لئے اسے اسمائے پاک سے تحقیق شدہ امر سمجھا جاتا ہے۔ یہ مثال جسم سے لطیف تر ہوتا ہے کیونکہ اس کے لئے صورت خیالی ہوتی ہے اور تیسری مثال بھی تحقیق شدہ ہے۔ اور وہ ایک امر جسمانی ہے جو کہ خارج میں ظاہر ہوتا ہے اس لحاظ سے کہ اسے استقلال وثبات حاصل ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔

"چونکہ آدم علیہ السلام جامعیت کی صفت پر پیدا ہوئے ہیں اور اپنی حقیقت میں بہت سے لطائف اور اوصاف رکھتے ہیں۔ یہ اپنے وجود سے پہلے ایجاد خداوندی جل شانہٗ سے بہت مدت ہائے دراز تک اپنے لطائف اور اوصاف میں سے کسی ایک لطیفہ یا ایک صفت سے عالم مثال میں موجود ہوئے ہیں اور آدم کی صورت میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اور انہی کے نام سے موسوم ہوئے ہیں۔ اور جس

Marfat.com

آدم (بنی نوع انسان) کا انتظار تھا وہ اسی آدم سے وقوع میں آیا ہے یہاں تک کہ سلسلہ پیدائش جو اس عالم مثال کے مناسب تھا وہ بھی ظہور میں آیا۔ اور ظاہری و باطنی کمالات جو اس کے لیے لازمی تھے وہ بھی حاصل کئے اور عذاب وثواب کا مستحق ٹھہرا بلکہ اسی کے لئے قیامت قائم ہوئی اور جنتی بہشت میں اور جہنمی دوزخ میں چلے گئے۔

پھر کسی وقت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مشیت سے اسی عالم مثال میں آدم علیہ السلام اپنی کسی اور صفت اور لطیفہ کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ اور وہی کوائف جو ظہور اول سے وجود میں آئے تھے دوسرے ظہور میں پیش آئے۔ اور جب وہ دور بھی ختم ہوا تو آپ کی صفات اور لطائف میں سے تیسرے ظہور میں کوئی اور صفت اور لطیفہ حاصل ہوا اور جب اس ظہور نے بھی اپنا دور ختم کیا تو چوتھا ظہور حاصل ہوا اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا یہ سلسلہ چلتا رہا۔

پھر جب ظہورات مثالیہ کے وہ تمام دور جو کہ اس کی صفات اور لطائف سے تعلق رکھتے ہیں پورے ہو گئے تو بالاخر وہ نسخہ جامعہ ایجاد خداوندی جل شانہ سے حقیقی طور پر وجود میں آ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے معزز ومحترم ہوا۔ (اگر بقول ابن عربی ؒ) ایک لاکھ آدم بھی ہوں تو وہ اسی آدم کے اجزا ہیں۔ اسی آدم کے ہاتھ اور پاؤں ہیں۔ اور اس کے وجود کے ابتدائیہ ہیں۔ اس فقیر (حضرت مجددؒ) نے اس مسئلہ میں دور دور نظر دوڑائی اور بہت غور کیا ہے پس ظاہری جہان میں کوئی دوسرا آدم نظر نہیں آیا۔ اور جہاں کی عجوبہ کاریوں کے سوا اور کوئی چیز نہ مل سکی۔ اور جو آدم پہلے گزر چکے ہیں وہ اس اصل آدم کی صفات اور لطائف تھے یہ نہیں کہ وہ علیحدہ پیدائش رکھتے تھے اور اس آدم سے الگ تھے۔ کیونکہ جو الگ ہے اس کی اس آدم سے کیا نسبت اور بقول تاریخ عالم ابھی آدم کی پیدائش کو سات یا دس ہزار سال بھی پورے نہیں ہوئے۔

گمراہ نظریہ

وہ لوگ جو گمراہ ہیں اس حکایت سے تناسخ پر یقین کرتے ہیں اور قریب ہے کہ کائنات کو بھی تخلیق کی بجائے قدیم تسلیم کرنے لگیں۔ اور قیامت کبریٰ کا انکار کر دیں۔ اور بعض بے دین لوگ جنہوں نے اپنی دانست میں ایسی شیخی بگھارنے کی قسم کھا رکھی ہے تناسخ کو درست قرار دیتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ جب تک نفس اپنے کمال تک نہ پہنچے اسے مختلف ابدان تبدیل کرنے کی سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جب نفس اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو بدن کے تعلق سے ہی آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی پیدائش کا مقصد جو کہ اس کا کمال تک پہنچا ہے حاصل ہو جاتا ہے۔

جواب: یہ بات صاف کفر ہے اور ان چیزوں کا انکار ہے جو دین میں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ جب بالاخر تمام نفوس اپنی حد کمال کو پہنچ جاتے ہیں تو پھر دوزخ کس لئے ہے اور سزا کسے ملے گی یہ تو

Marfat.com

دوزخ اور سزا کا انکار ہے اور آخرت کے عذاب کا انکار ہے۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق نفس کو کسی جسم کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ جو کہ اس کے کمالات کا آلہ ہے کہ وہ کسی جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ ہو۔ اس گروہ جماعت کا عقیدہ فلاسفہ کے عقیدہ سے مطابقت رکھتا ہے کیونکہ وہ بھی اجسام کے حشر کا انکار کرتے ہیں اور ثواب وعذاب کو روحانی سمجھتے ہیں بلکہ ان گمراہوں کا عقیدہ فلاسفہ کے مکروہ عقیدہ سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ کیونکہ وہ تناسخ کا رد کرتے ہیں۔ اور عذاب روحانی کے قائل ہیں اور یہ لوگ تناسخ کا اقرار بھی کرتے ہیں اور ان کے نزدیک عذاب صرف دنیا کا عذاب ہے جس کا وہ تہذیب نفوس کے لئے اثبات کرتے ہیں۔

سوال: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے اکابرین سے بھی منقول ہے کہ ان سے بعض نادر افعال اور عجیب وغریب افعال ان کے وجود عنصری کے ساتھ عالم شہادت میں آنے سے بہت مدت پہلے وجود میں آئے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر یہ تناسخ کے بغیر کیسے ممکن ہے؟

جواب: ان اعمال وافعال کا صدور ان بزرگوں کی روح سے ہوا ہے۔ جو کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مشیت سے مختلف اجسام سے متجسد ہو کر تشریف لائے۔ ان کا کوئی دوسرا جسم نہیں ہے جس سے وہ تعلق رکھیں۔ تناسخ یہ ہے کہ روح اس جسم کے تعلق سے پہلے کسی اور چیز سے تعلق رکھتی ہو جو کہ اس روح سے الگ ہو۔ اور جب روح خود ہی کوئی جسم اختیار کرے تو یہ تناسخ کیسے ہوا۔ جنات مختلف اشکال اختیار کرتے ہیں اور ان سے عجیب وغریب اعمال جو کہ ان اشکال اور اجسام سے مناسبت رکھتے ہیں وقوع میں آتے ہیں اور پھر بھی کوئی تناسخ اور کوئی حلول نہیں ہے۔ جنوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ قوت دے رکھی ہے کہ وہ مختلف اشکال اختیار کر کے عجیب وغریب کام کیا کرتے ہیں۔ اگر کاملین کی ارواح کو بھی اللہ تعالیٰ یہ طاقت دے دیں تو تعجب کا کیا مقام ہے اور دوسرے بدن کی کیا ضرورت ہے۔

اور اسی قسم کے واقعات ہیں جو بعض اولیاء اللہ سے منسوب ہیں کہ وہ بیک وقت کئی مقامات پر حاضر ہوتے ہیں اور ان سے مختلف افعال وقوع میں آتے ہیں۔ یہ تشکل کبھی عالم شہادت میں ہوتا ہے اور کبھی عالم امثال میں۔ چنانچہ ایک ہی رات میں حضور ﷺ کو ہزاروں لوگ خواب میں مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں اور فیض یاب ہوتے ہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر ہو جانے کا تناسخ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ تناسخ میں نفس کا تعلق دوسرے بدن سے زندگی کے ثبوت اور اس بدن کے حصول کے لئے ہوتا ہے اور بعض میں نفس کو تعلق دوسرے بدن سے اس غرض کے حصول کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصود اس بدن کے لئے کمالات کا حصول ہوتا ہے اور درجات تک وصول ہوتا ہے۔ جیسا کہ جن کسی انسان سے تعلق پیدا کر لیتا ہے اور اس کے بدن میں ظاہر رہتا ہے تو یہ تعلق اس آدمی کی زندگی کے لئے نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو اس تعلق سے پہلے بھی زندہ اور حساس اور متحرک ہے۔ اور وہ چیز جو اس تعلق سے نئی پیدا ہوتی ہے وہ اس جن کی حرکات وسکنات اور اس کی صفات کا ظہور ہوتی ہے۔

Marfat.com

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ صحیح الاحوال مشائخ تو بروز وکمون (ظاہر و پوشیدہ) کے متعلق بھی زبان نہیں کھولتے اور ناقصوں کو فتنہ اور مصیبت میں نہیں ڈالتے۔ اور اس فقیر کے نزدیک تو ظاہر ہونے اور پوشدہ ہونے کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اگر کوئی کامل کسی ناقص کی تربیت کرنا چاہے۔ تو وہ اس میں ظاہر ہوئے بغیر بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اپنی صفات اس ناقص مرید میں منعکس کرسکتا ہے اور اس کی بُری صفات کو اچھی صفات سے تبدیل کرسکتا ہے اور ان کے باوجود ظاہر و پوشیدہ کا کوئی واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ تعالیٰ بہت فضل والا ہے۔

روح کی دوسرے جسم میں منتقلی کا غلط اور گمراہ کن تصور

حضرت مجدد الف ثانیؒ اس بارے میں اظہار رائے یوں فرماتے ہیں کہ اس فقیر کے نزدیک روح کے منتقل ہونے کا قول تناسخ کے قول سے بھی کم تر اور گرا ہوا ہے۔ اور پھر روح کی منتقلی کے لئے ایک جسم کی موت اور دوسرے جسم کی زندگی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ بدن کو برزخ کے احکام کی بجا آوری کے حصول سے کوئی چھٹکارہ نہیں ہوگا۔ اور بدن کی جب دوسری زندگی کا کو تسلیم کرتے ہیں تو اس کے حق میں حشر دنیا میں ہی ثابت ہوگیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ روح کے منتقل ہونے کا عقیدہ رکھنے والے اس کے عذاب وثواب کے بھی قائل ہوں اور حشر نشر کا اعتقاد رکھتے ہوں۔ افسوس ہزار افسوس کہ اس قسم کے جھوٹے لوگ اپنے آپ کو علماء کی مسند کے قابل سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے مقتدر بنے ہوئے ہیں یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کررہے ہیں۔ (مکتوب 58 حصہ ہفتم دفتر دوم)

یہ معلوم ہونا چاہئے کہ عالم مثال تمام جہانوں کی نسبت زیادہ وسیع ہے جو کچھ بھی تمام جہانوں میں موجود ہے اس کی صورت عالم مثال میں موجود ہے۔ معقولات ومعانی بھی اس عالم میں صورت رکھتے ہیں۔ اہل علم نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کوئی مثل نہیں ہے۔ واللہ المثل الاعلیٰ (اور اللہ تعالیٰ کے لئے بلند مثال ہے) حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ تنزیہ خالص کے مرتبہ میں جس طرح مثل نہیں ہے مثال بھی نہیں ہے (فلا تضربوا اللّٰہ الامثال) اللہ تعالیٰ کے لئے مثال بیان نہ کرو اور عالم صغیر میں عالم مثال کا نمونہ خیال ہے کہ خیال میں تمام اشیاء کی صورتیں موجود ہیں۔ سالک کے مقامات واحوال کی کیفیتوں کو خیال ہی متصور کرکے دکھاتا ہے اور اہل علم میں بنا دیتا ہے اور اگر خیال نہ ہو یا وہ کوتاہی کرے تو جہل لازم آئے گا۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ مرتبہ ظلول کے اوپر جہل حیرت سے کیونکہ خیال کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے اور جب صورت تنزیہہ عال مثال میں نہ ہوگی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے تو خیال میں بھی جو کہ عالم مثال کا پرتو ہے کس طرح صورت تنزیہہ متصور ہوسکتا ہے تو لازمی چیز ہے کہ اس جگہ سوائے جہالت اور حیرت کے کچھ نہ ہوگا۔ اور جس جگہ علم نہیں ہوتا وہاں گفتگو بھی نہیں ہوتی۔ (کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اس کی زبان گنگ ہوگئی) اور

Marfat.com

جس جگہ علم ہوگا وہاں گفتگو بھی ہوگی۔خیال کی تراشیدہ چیزوں سے اس وقت چھٹکارا مل سکتا ہے جبکہ سیر انفسی کو بھی سیر افاقی پیچھے چھوڑ دے۔اور آفاق و نفسی سے اوپر جولانی دکھانے لگے یہ مقام اکثر اولیاء اللہ تعالیٰ کو موت کے بعد میسر آتا ہے۔

سوال: کچھ لوگ اپنے مکاشفات اور خوابوں میں عالم مثال وخیال کو دیکھتے ہیں کہ ہم بادشاہ بن گئے ہیں اور اپنے نوکروں چاکروں کا معائنہ کررہے ہیں اور ایسا بھی دیکھتے ہیں کہ ہم قطب ہو چکے ہیں اور تمام دنیا کی توجہ ہماری طرف ہے اور بیداری وہوش کے عالم میں جو کہ عالم شہادت میں ہے ان کمالات سے کوئی بھی ظہور پذیر نہیں ہوتا۔کیا یہ روایت بھی کچھ صداقت رکھتی ہے یا محض باطل ہے۔

جواب: یہ روایت کچھ صداقت رکھتی ہے اس کا بیان یہ ہے کہ بادشاہت اور قطبیت کے معنی اس جماعت میں موجود ہیں۔لیکن یہ معنی ان میں بہت کمزور ہیں اس قابل نہیں ہیں کہ عالم شہادت میں ظاہر ہو اور اس کے بعد وہ دو اقوال سے خالی نہیں ہیں اگر یہ معنی سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت سے طاقت پیدا کریں۔تو اس لائق ہو جاتے ہیں کہ عالم شہادت میں ظاہر ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے عالم شہادت میں بھی بادشاہ بن جاتا ہے اور قطب بھی ہو جاتا ہے اور اگر اس معنی میں طاقت پیدا نہ ہو کہ عالم شہادت میں ظاہر ہو سکے تو پھر اسی ظہور مثالی پر جو کہ سب سے کمزور ظہور ہے کفایت کرنا پڑتی ہے اور اس قسم کے دوسرے واقعات ہیں جو اس راستے کے طالب ملاحظہ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بلند مقام پر پاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ارباب ولایت کے مرتبہ سے سرفراز ہوتے ہیں۔اگر عالم شہادت میں بھی یہ ظاہر ہو جائے تو بہت بڑی دولت ہے اور اگر ظہور مثالی پر ہی کفایت ہے تو پھر بے فائدہ اور سراسر مصیبت ہے معتبر وہی ہے جو بیداری اور ہوش کے عالم میں میسر ہو۔اس لیے ظاہری حصول کو معتبر سمجھتے ہیں۔

لا الہ الا اللہ کے جملہ معانی

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ایسا دوسرا نہیں جو الوہیت اور معبودیت کا استحقاق رکھے مگر بے مثل اللہ تعالیٰ جو واجب الوجود ہے اور ہر قسم کے نقص سے پاک اور بلند ہے اور تمام اشیاء اپنے وجود اور وجود کے تقاضوں میں اس کی محتاج ہیں اور وہ کسی کام میں کسی کا محتاج نہیں ہے نفع دینے والا اور نقصان دینے والا وہی ہے اور کوئی چیز بھی اس کی اجازت کے بغیر کسی کو نقصان اور نفع نہیں پہنچا سکتی ایسی صفات کامل کا مالک اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی بھی نہیں اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔اور اگر ہم تمیز کے اثبات کے ساتھ کسی دوسرے کا اقرار کریں تو اس کا نقص لازم آئے گا اور نقص الوہیت اور معبودیت کی صفات میں نہیں ہے۔کیونکہ ہم جب تک تمام کمالات اپنے معبود کے لئے ثابت نہیں کریں گے تو یہ بھی ایک بہت بڑا نقص ہوگا۔اور اگر تمام اشیاء اس کی محتاج نہ ہوں تو وہ ان کی عبادت کا مستحق کیوں کر ہوگا اور اگر وہ

Marfat.com

اشیاء میں سے کسی بھی شے یا کسی کام میں کسی دوسرے کا محتاج ہو تو پھر وہ ناقص ہوگا۔ اور اسی طرح اگر وہ نفع یا نقصان دینے والا نہ ہوگا تو پھر اشیاء کو اس کی کیا محتاجی ہوگی اور کیوں ان کی عبادت کا مستحق ٹھہرے گا۔ اسی لئے تمام صفات اسی ایک ذات اللہ جل جلالہ میں ہیں۔ نہ تو اس کا کوئی شریک ہے۔ اور نہ ہی اس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کا مستحق" (مجدد الف ثانی مکتوب 3)۔

سوال: اگر چہ ان صفات میں تمیز ایسے طریقے پر بیان کیا گیا ہے جو کہ نقص کو لازم کرتا ہے اور الوہیت و معبودیت کے منافی ہے۔ لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ غیر کچھ ایسی صفات رکھتا ہو جو امتیاز کا باعث بھی ہوں اور کوئی بھی نقص لازم نہ آئے۔ اگر چہ ہم ان صفات کو نہیں جانتے کہ وہ کونسی ہیں۔

جواب: وہ صفات بھی دو مختلف احوال سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو وہ صفات کاملہ ہوں گی یا صفات ناقص' ہر صورت یہ اُصول لازم آئے گا۔ اگر چہ ہم ان صفات کو پوری طرح نہیں جانتے کہ وہ کونسی ہیں لیکن اتنا تو بہر حال معلوم ہے کہ وہ کمال و نقص کے دائرے سے باہر نہیں ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہُوا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تمام وجودی اور جودی ضروریات میں کافی ہے اور اشیاء کا نفع و نقصان اس کے ہاتھ میں ہے تو دوسرا خود ساختہ معبود محض بیکار اور بے فائدہ ہے اور اشیاء کو اس کی کوئی محتاجی نہیں ہے بدکردار اور گمراہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بناتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔ اپنے تراشے ہوئے بتوں کو معبود بناتے ہیں اپنے اس جھوٹے خیال کی بنیاد پر کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی سفارشی ہوں گے اور ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا تو پھر یہ لوگ کتنے بیوقوف ہیں ان کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ان کے بتوں کو شفاعت کا مرتبہ نصیب ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کو شفاعت کی اجازت دے دے گا۔ محض وہم کی بنا پر کسی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک بنانا انتہا درجہ کی ذلت اور خسارہ ہے۔ عبادت کوئی آسان معاملہ نہیں ہے کہ ہر پتھر اور بے جان چیز کی عبادت کی جائے اور اپنے سے بھی عاجز تر کو عبادت کا کے قابل تصور کیا جائے یاد رکھیں کہ الوہیت کے بغیر عبادت کا تصور ہو ہی نہیں سکتا۔ جو الوہیت کا صلاحیت رکھتا ہے وہی مستحق عبادت ہے اور جس میں یہ صلاحیت نہیں ہے اس کو حق ہی نہیں ہے الوہیت کی صلاحیت وجوب وجود سے وابستہ ہے اور جو وجوب وجود نہیں رکھتا وہ الوہیت کے لائق اور مستحق عبادت نہیں ہو سکتا۔

وہ لوگ کتنے بیوقوف ہیں کہ وجوب وجود میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں سمجھتے مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں اس کا شریک ٹھہراتے ہیں اور اتنا نہیں جانتے کہ وجوب وجود استحقاق عبادت کی شرط ہے اور جب وجوب وجود میں کوئی اُس کا شریک نہیں ہے تو عبادت میں کوئی کیسے شریک ہوگا۔ استحقاق عبادت میں شریک ٹھہرانا وجوب وجود میں شریک ٹھہرانے کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ پس اس کلمہ طیبہ کے کثرت ذکر سے وجوب وجود کے شریک کی نفی بھی کریں اور جو جھوٹے معبود کفار نے بنا رکھے ہیں۔ ان کی نفی بھی اسی کلمہ طیبہ سے ہوگی۔ بلکہ اس راستے میں بہت فائدہ مند خود ساختہ جھوٹے معبودوں کی

Marfat.com

مکمل طور پر نفی ہے۔ اور یہی انبیاء کرام کی خاص دعوت ہے۔

اور بعض مخالف فلاسفہ بھی جو کہ انبیاء کرام کی دعوت کا زیادہ پاس نہیں کرتے۔ عقلی دلائل سے وہ بھی وجوب وجود سے شریک کی نفی کرتے ہیں اور واجب الوجود صرف ایک کو کہتے ہیں لیکن وہ اس امر سے بالکل غافل ہیں کہ عبادت کا حقدار کون ہے۔ یہ لوگ استحقاق عبادت میں شریک کی نفی سے فارغ ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ غیر کی عبادت سے پرہیز بھی نہیں کرتے اور بت خانوں کی تعمیر میں بھی حصہ لیتے ہیں۔

انبیاء کرام اور اولیاء کرام کی زبان میں مشرک وہ آدمی ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کی عبادت میں گرفتار ہے اگرچہ وہ وجوب وجود کا کوئی شریک نہ مانتا ہو۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا اہتمام تو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کسی بھی قسم کے خود ساختہ معبود باطل کی قطعی نفی ہے جو کہ عمل اور معاملہ سے تعلق رکھتی ہے اور وجوب وجود ہے۔ پس جب تک کوئی بھی آدمی انبیاء کرام کی شریعت کے ساتھ وابستہ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر قسم کے خود ساختہ معبود باطل کی مکمل طور پر نفی نہ کرتا ہو شرک سے آزاد نہیں ہوسکتا۔ اور نفس و آفاق میں موجود شرک کے شعبوں سے مکمل طور پر نجات نہیں پاسکتا۔

ان اللہ لا یغفران یشرک بہ ''اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے''

اس کے معانی میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتا کہ اس کی طرف سے عطا کردہ شریعتوں کو اختیار نہ کیا جائے۔ کیونکہ شریعت کا اختیار نہ کرنا شرک کو لازم ہے اس بات سے وہ اعتراض بھی اب دور ہوسکتا ہے کہ بعض اوقات جو خیال آتا ہے کہ جیسے شرک نہیں بخشا جاتا اسی طرح تمام شریعتوں کا انکار بھی نہیں بخشا جاتا۔ اور ہوسکتا ہے کہ ''اس کے ساتھ شرک کیا جائے'' کا یہ معنی بھی ہو کہ اس کی شریعت کا انکار کیا جائے اس لئے کہ شریعت کے ساتھ انکار اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے اور اس کا مرتکب نہیں بخشا جائے گا شرک و کفر میں نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے پس شرک بھی کفر کی ایک خاص قسم ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خاص کا ذکر کیا اور عام مراد لیا تو اب وہ اعتراض دور ہوگیا جو وہم میں آتا تھا جیسے شرک نہیں بخشا جاتا ویسے ہی تمام شریعتوں کا انکار بھی نہیں بخشا جاتا۔

یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو عبادت کا حق نہ ہونا بالکل واضح سی بات ہے کہ جو آدمی بھی عبادت کے معنیٰ کو اچھی طرح سمجھ لے گا تو وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی دوسرے کو عبادت کے لائق نہیں سمجھے گا۔ وہ مقدمات جو اس معنیٰ میں لائے جاتے ہیں۔ بدیہات پر تنبیہات کے قبیل سے ہیں۔ ان مقدمات میں کسی قسم کے معذرت خواہانہ انداز کی گنجائش نہیں نور ایمانی چاہئے تاکہ فراست کے ساتھ ان مقدمات کو سمجھ سکے، بہت سی واضح چیزیں ایسی ہیں جو کم عقلوں اور احمقوں سے چھپی رہتی ہیں۔ اور اس طرح وہ لوگ کہ جو امراض ظاہر و باطن کی بیماریوں میں گرفتار ہیں تو ان پر ظاہر اور پوشیدہ باتیں دونوں ہی چھپی رہتی ہیں۔

سوال: بعض مشائخ وعلماء حق کی عبارت میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ ''کہ جو کچھ تیرا مقصود ہے تیرا معبود ہے'' اس عبارت کے کیا معنی ہیں۔

جواب: اس بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کا مقصود وہ ہے کہ جس کی طرف اس کی توجہ ہے اور وہ شخص جب تک جان رکھتا ہے اس مقصد کو حاصل کرنے کے پیچھے پڑا رہتا ہے ہر قسم کی ذلت وخواری جو اس کے حصول کے لئے پیش آئے بخوشی برداشت کرتا ہے اور سستی نہیں کرتا۔ اور عبادت کا مقصد بھی یہی ہے جو مکمل عاجزی کی علامت ہے۔ پس کسی چیز کا طلبگار ہونا اس شے کے معبود ہونے کو لازم کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی حقیقی معبودیت کا اثبات واعتراف صرف اسی صورت میں ہوگا جب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی طلب باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور مراد نہ ہو۔ اس دولت کو حاصل کرنے کے لئے لا الٰہ الا اللّٰہ کا اتنا وِرد کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا مقصد پیش نظر نہ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور مراد نہ ہو تا کہ غیر کی نفی میں سچائی حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے لئے کوئی دوسرا الٰہ نہ رہے۔ (مندرجات از مکتوب نمبر 3)

حقائق بندگی' توکل' اخلاص

بندگی

عبودیت یا بندگی میں تین باتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ شریعت کے حکم کی حفاظت کرنا اور شرعی امور کی پابندی کرنا زندگی کے جملہ امور میں شرعی احکام وضوابط کو مدنظر رکھنا۔ دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ قضا وقدر اور قسمت پر راضی رہنا۔ تیسری یہ کہ خواہشات اور اختیار کو چھوڑ دینا اور اللہ تعالیٰ کے اختیار اور خواہش پر خوش رکھنا اور ہر حال میں صبر وشکر کا مظاہرہ کرنا۔

توکل

توکل کے معانی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے فرمائے ہیں ان پر پختہ یقین ہونا چاہئے یعنی یہ اعتقاد ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ قسمت میں لکھا ہے۔ وہ ضرور ملے گا۔ چاہے پوری دنیا بھی اس کو روکنے کی کوشش کیوں نہ کرے تب بھی اسے نہیں روکا جا سکتا۔ لیکن جو کچھ تقدیر میں نہیں لکھا۔ اس کے لئے بندہ اور سارا جہان مل کر کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرلے وہ نہیں ملے گا۔

اخلاص: خلوص یا اخلاص کے معانی یہ ہیں کہ تمام کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہونے چاہئیں۔ بندہ جو اعمال بھی کرے وہ ریا کاری نہ ہو۔ اچھے کام کرتے وقت خیال لوگوں کی طرف مائل نہ ہو اور لوگوں کی تعریف پر نہ تو خوش ہونا چاہئے اور نہ ہی کسی شکایت پر غمزدہ ہونا چاہئے۔ اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ریا

کاری کی اصل وجہ لوگوں کی تعریف ہے اور ریا کاری کا علاج یہ ہے کہ بندہ تمام جہان کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تابع سمجھ کر تمام مخلوق سے بے نیاز ہو جائے تبھی ریا کاری سے نجات مل سکتی ہے۔ اور جب یہ عقیدہ ہو کہ مخلوق کے اندر دکھ یا سکھ پہنچانے کی طاقت ہے تو پھر دل سے ریا کاری ہرگز نہیں نکل سکتی۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو بندگی، توکل اور اخلاص کی لازوال دولت عطا کرے (آمین) کیونکہ آخرت کا سرمایہ یہی ہے اور دنیا تو ہر روز لحہ بہ لحہ فنا کے گھاٹ اتر رہی ہے حقیقی عقلمند تو وہ ہے جو اس دن کے لئے اپنا سامان تیار رکھے جس دن کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔

سیر سلوک، سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کا مفہوم

سیرِ سلوک علم میں عمل سے عبارت ہے۔ یہ کیفیات میں سے ہے کیفیت دراصل اس عرض کا نام ہے جو تصور یا تعقل پر موقوف نہ ہو اور جو اوّلین تقاضا کے لحاظ سے تقسیم یا عدم تقسیم کا متقاضی نہ ہو۔ حرکت اینی کی یہاں گنجائش نہیں۔ حرکت اینی کا مفہوم ہے انتقال مکانی کیونکہ اس طرح کی سیر کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ پس سیر الی اللہ حرکت علمیہ کو کہتے ہیں۔ جو علم اسفل سے علم اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ اور اس سے اوراوپر اوراوپر یہاں تک کہ بندہ تمام ممکنات کے علوم طے کرنے اور ان کے مکمل طور پر فنا ہو جانے کے بعد علم واجب تک جا پہنچتا ہے۔ اور اسی حالت کو فنا کہا جاتا ہے۔ اور سیر فی اللہ اس حرکت علمیہ سے عبارت ہے جو مراتب وجود یعنی اسماء صفات، اعتبارات، تقدیسات اور تنزیہات تک جاتی ہے یہاں تک کہ اس مرتبہ تک جا پہنچتی ہے جسے کسی عبارت سے بیان کرنا ناممکن ہے اور نہ اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے اور نہ اسے کسی نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی بطور اشارہ اس کا اظہار ہو سکتا ہے اور نہ اسے کوئی عالم جان سکتا ہے اور نہ کوئی ادراک کرنے والا اس کا ادراک کر سکتا ہے۔ اس سیر کا نام "بقا" ہے۔

اور سیر فی اللہ بھی جو تیسری سیر ہے حرکت علمی سے ہی عبارت ہے جو علم اعلیٰ سے علم اسفل تک ہوتی ہے اس سے اور نیچے پھر اور نیچے یہاں تک کہ عارف پیچھے کی طرف چل کر پھر ممکنات تک آ پہنچتا ہے اور تمام مراتب وجوب کے علوم سے نیچے اتر آتا ہے۔ یہ وہ عارف ہے جو اللہ تعالیٰ سے تعلق کے باعث سب کچھ بھلا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ رجوع کرتا ہے۔ یہی واجد (پانے والا) اور فاقد (نہ پانے والا) ہوتا ہے اور یہی واصل اور ہجر میں مبتلا عارف ہے۔ یہی قریب اور دور کا عارف ہے چوتھی سیر اشیاء میں سیر ہے یہ بھی سیر اول میں اشیاء کے علوم کے زوال کے بعد آہستہ آہستہ اشیاء کے علوم کے حصول سے عبارت ہے اور چوتھی سیر اول کے مقابل ہے۔ اور تیسری سیر دوسری کے مقابل ہے۔

سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ نفس ولایت کے حصول کے لئے ہوتی ہے۔ اور نفس ولایت فنا اور بقا سے عبارت ہے تیسری سیر اور چوتھی سیر مقام دعوت کے حصول کے لئے ہے جو انبیاء کرام اور رسولوں

کے ساتھ مخصوص ہے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور تسلیمات ان سب پر عموماً اور افضل پر خصوصاً ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان و یقین کو درجات عالیہ سے نوازے اور تمام اہل یقین کو شرک جیسی موذی مرض سے بچائے اور تمام مومنین کو بصیرت و کامل یقین عطا کرے۔ (آمین) (بحوالہ مکتوبات امام ربانی)

اللہ تعالیٰ کی راہ اختیار کرنے والوں کا پہلا قدم

اللہ تعالیٰ کی راہ میں سالک تو بہت کم ہیں لیکن اس کا دعویٰ بہت کرتے ہیں۔ اصل سالک وہ ہے جس کے تمام اختیاری افعال شریعت کی ترازو میں پورے اترتے ہوں ہر ایک فعل کا صادر ہونا' کم و بیش ہونا یا نہ ہونا شریعت کی حدود کے مطابق ہو۔ کیونکہ جب تک شریعت کے رنگ میں انسان نہ رنگا جائے اس راستہ پر چل نہیں سکتا۔ اس مقام کو صرف اس صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے کہ انسان فضول مشغلوں کو ترک کر دے۔ کیونکہ جو شخص اپنے ان مشاغل کو ترک نہیں کرتا منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا اور جو شخص عبادات نفلی ادا نہیں کرتا۔ کامیاب و کامران نہیں ہو سکتا حالانکہ شریعت نے اپنے احکام اعمال میں صرف فرائض پر لوگوں کو مکلف کیا ہے۔ سالک فی سبیل اللہ دنیا سے دل کے اعتبار سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ اگر تمام دنیا اس کی طرح عمل کرنا شروع کر دے تو نظام دنیا کس طرح چل سکتا ہے۔ صرف فرائض و واجبات کو اختیار کر کے اور جملہ نفلی عبادات کو چھوڑ کر کامیاب نہیں ہوا جا سکتا۔ حدیث قدسی میں ارشاد ہے۔

لَایَزَالَ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَبَصْرًا فِیْ یَسْمَعُ وَیَبْصُرُ.

(ترجمہ) "میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے تقرب حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اس کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہوں۔ پھر وہ مجھ سے ہی (میری رحمت وعنایات خاص) سے دیکھتا اور سنتا ہے۔" غرض کہ لالچ دنیاوی اور مستقل غفلت کے سبب ہی انسان فرائض سے کوتاہی کرتا ہے اور جو شخص بار بار غفلت کا شکار رہتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ پر کیسے قدم بڑھا سکتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ سالک فی سبیل اللہ وہ ہے کہ جو ان خواہشات اور غفلت سے منہ موڑ لیتا ہے اور ان خرابیوں سے اگر کوئی کنارہ کش ہو گیا تو پھر وہ واصل باللہ ہوا سالک نہ رہا۔ تو اس سوال کا (جواب) یہ ہے کہ یہ عین دھوکا ہے۔ راستے اور منزل مقصود سے مکمل ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اس کی مثال ایسے دی جا سکتی ہے کہ اگر کوئی شخص تمام صفات دنیا بھی کیوں نہ خود سے دور کر لے تو اس کی منزل مقصود سے ایسے نسبت ہے جیسے کوئی شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو اور چند مجبوریاں اسے گھیرے ہوئے ہوں پھر وہ قرض ادا کر دے اور تعلقات ختم کر دے یہی حال بدن کی صفات کا ہے جو انسان پر غالب ہیں۔ یہ وہ مجبوریاں اور تعلقات ہیں جو انسان کو گردن سے پکڑے

Marfat.com

ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب مائل نہیں ہونے دیتیں۔ تو جب کوئی انہیں مٹا دے اور بھگا دے تو گویا اس نے علائق کو دور کر دیا اور اب وہ سلوک کی منزل میں چلنے کے لئے تیار ہوا۔ یعنی راستے کی مشکلات ابھی دور ہیں اور راستہ بھی دور ہے صرف اس راستے پر چلنے کی فقط تیاری کی ہے۔

اب یہاں ایک اور (سوال) یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ سالک کے مرتبہ میں کوئی ایسا مقام ہے جہاں پہنچ کر بعض وظائف وعبادات کی اسے ضرورت نہ رہے اور بعض دنیاوی امور اسے نقصان نہ پہنچائیں۔ جیسا کہ بعض مشائخ کے بارے میں بھی سننے میں آتا ہے جو ان امور سے تساہل برتتے تھے۔ تو (جواب) اس کا یہ ہے کہ یہ محض نفسانی موافقت ہے۔ محقق علماء اسلام تو اس بات پر متفق ہیں کہ خواہ کسی آدمی کو پانی پر چلتے دیکھا جائے لیکن وہ کسی مسئلے میں شریعت کے خلاف عمل کرتا ہے تو یہ جان لینا چاہئے کہ وہ شیطان ہے اور یہ ہے بھی بالکل حق۔ اس لئے کہ شریعت اسلامیہ فراخ اور وسیع ہے اور جب کبھی کوئی ایسی ضرورت درپیش ہوتی ہے تو شریعت نے پہلے ہی رخصت دے رکھی ہے۔ پھر اگر وہ رخصت کا مقام نہ ہو اور وہ اختیار کرے تو یہ ضرورت کے باعث نہ ہوگا بلکہ اس کا سبب خواہشات وہوس ہوں گی۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ انسان جب تک زندہ ہے۔ اسے ہر وقت یہ خوف درپیش رہتا ہے کہ کسی روز دنیاوی مذموم خواہشات اس پر غالب نہ آ جائیں۔ اس لئے تقاضا یہ ہے کہ ہر وقت ان غلیظ خواہشات سے ہوشیار رہنا چاہئے اور جب کبھی دیکھے کہ آرام اور آسان طلبی کی طرف طبیعت مائل ہو رہی ہے تو یہ جان لینا چاہئے کہ اب ان خواہشات مذمومہ کا حملہ ہونے والا ہے۔

ان امور کو سامنے رکھ کر جو شخص خود کو پاکباز بنائے اور اپنی روح کو علوم حقیقی کی غذا کھلائے تو اسے عبادت میں لذت حاصل ہوگی نماز اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائے گی اور رات کی تاریکی میں تنہا بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنے میں اسے لطف حاصل ہوگا۔ یہ منزل اول کی علامت ہے اور آخر تک قائم رہتی ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے راستہ کی کوئی انتہا نہیں ہے ہاں البتہ موت تمام تر جدوجہد اور کوشش کے یہ سلسلے ختم کر ڈالتی ہے پھر انسان موت کے بعد اسی مرتبہ پر قائم رہتا ہے جو اس نے زندگی میں حاصل کیا تھا۔ کیونکہ ہر شخص اس چیز پر مرتا ہے جس پر اس نے زندگی گزاری ہوتی ہے۔

دوسری علامت یہ ہے کہ انسان کا دل ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حضوری میں رہے اسے اس حضوری سے بے حد لذت حاصل ہو اور وہ اس حال سے کبھی الگ نہ ہو اگرچہ وہ ضروریات زندگی مثلاً کھانا پینا کپڑے دھونا وغیرہ میں مصروف ہی رہے بلکہ چاہئے کہ اس کی مثال تمام حالات میں اس طلبگار کی سی ہو جو ایک مدت تک انتظار کی تکلیف سے دوچار رہا ہو۔ سالک کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ کوئی کام بھی کیوں نہ کرے اُس کا دل اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کے سامنے نہایت انکساری کے ساتھ حاضر رہے۔ اور کوئی سا بھی دنیاوی حسن وجمال اسے ایک لمحے کے لئے اپنی طرف متوجہ نہ کر

Marfat.com

سکے۔لیکن اس منزل کو پانے کے لئے مضبوط ارادہ کی ضرورت ہے اس چاہت وارادہ کی ابتدا محبوب و مطلوب کا وہ ہمیشہ رہنے والا جمال ہے جو شوق اور محبت کی آگ بھڑکا تا ہے۔اور اس اعلیٰ ترین حسن کے نظارے کے لئے نگاہ شوق اور چاہت رکھنے والی آنکھ کی ضرورت ہے جو دوسری تمام اشیاء سے منہ پھیر کر صرف اسی کی ہو رہے۔اللہ تعالیٰ کے جلال کا نظارہ کرنے کے لئے بھی اسی جذبے کی ضرورت ہے۔یہ بھی اصول ہے کہ محبوب کے ساتھ دیر تک ہم مجلس رہنے سے عشق کا جذبہ اور زیادہ ہوتا ہے چونکہ اس دوران محبوب کے خوبصورت وصف ظاہر ہو جاتے ہیں۔اس لئے محبت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔اس طرح طلبگار جب پہلے پہل باری تعالیٰ کے جمال کی کرشمہ سازیاں ملاحظہ کرتا ہے۔تو اس کی نوعیت کچھ اور ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ اس کے جمال کے ادراک کے بعد نوعیت کچھ اور ہو جاتی ہے یعنی طلب و شوق زیادہ بڑھ جاتا ہے۔چنانچہ ہر وقت وہ نظروں کو خیرہ کر دینے والے جمال کے تصور میں کھویا رہتا ہے۔پھر اس پر خوبیاں اور فضائل روشن ہوتے ہیں۔محبت کی تپش اور تیز ہو جاتی ہے اور ہر لمحہ محبت بڑھتی چلی جاتی ہے جس طرح عاشق اپنے محبوب کے قرب کا آرزومند ہوتا ہے اسی طرح سچا طلبگار اللہ تعالیٰ کے قرب کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔یہ قرب مکانی نہیں ہوتا یا جسمانی طور پر مس نہیں ہوا جا سکتا۔یہاں یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ اس کے جمال کو سامنے سے دیکھا جا سکے۔یہ قرب کمال ہے۔نہ کہ قرب مکان' اس قرب کمال کی مثال یہ ہے کہ ایک شاگرد ہو اور اسے اپنے استاد سے بے حد محبت ہو۔اور اس کے قرب کمال کا طالب ہو۔یہ زیادہ سچی تشبیہ ہے۔کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے اس کا قرب چاہتا ہے یعنی آہستہ آہستہ اس رتبہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ترقی بلحاظ رتبہ کے بالکل ممکن ہے چنانچہ نسبت کے لحاظ سے وہاں پہنچ جانا ناممکن ہے۔لیکن اسفل السافلین سے بلندی کی طرف رخ کرنا ممکن ہے۔شاگرد اپنی نگاہ میں ایک مقام کا تصور کر لیتا ہے۔جو محدود ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں ہوسکتا کہ محبت کے باعث استاد کا ہم رتبہ ہو جائے۔بلکہ درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہے جو اہل علم سے نہیں تو اسے چاہئے کہ ان علماء حق کا طریقہ اختیار کرے جو انبیاء کرام کی تعلیمات و شریعت پر کاربند ہیں۔علماء اور اولیا انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ ملائکہ کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔یہاں تک کہ صفات دنیا کلی طور پر ختم ہو جاتی ہیں۔اور وہ انسانی صورتوں میں فرشتوں کے فضائل کے مالک ہوتے ہیں۔پھر ملائکہ کے لئے بھی مختلف درجات ہیں۔اور جو سب سے بلند درجہ ہے وہی اہل حق کی زندگی کی آرزو ہے۔ملائکہ مقربین اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔

الغرض قرب الٰہی کے لیے بلحاظ طے شدہ مقام کا اعتقاد کرنا چاہئے اور یہ خیال بھی نہیں ہونا چاہئے کہ جنت میں ایک گھر ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے قریب ہی کہیں جلوہ آرا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند ہے۔اور پاک ہے اور یہ مقامات اس کے ایک اشارے سے پیدا شدہ مخلوق ہیں اور نہ ہی دل میں یہ خیال ہونا چاہئے کہ عبادت کا تحفہ اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے اور وہ اس سے

Marfat.com

خوش ہو کر اس کی قدر دانی فرمائے۔ اور مہربان ہو جائے جیسے بادشاہوں کے دربار میں لوگ قرب سلطانی حاصل کرتے ہیں۔ استغفار کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند اور پاک ہے۔ اس قسم کی عقائد جہالت پر مبنی ہیں۔ اکثر لوگ اگر چہ اس قسم کے عقائد رکھتے ہیں۔ یہ ان کی جہالت ہے جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند اور پاک ہے۔ لامحدود صفات کا مالک ہے۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ وہ عرش پر بیٹھا ہے (استغفر اللہ) بعض لوگ اپنے ذہن میں اس کی صورت کا خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ عام لوگ اصلیت وحقائق کو سمجھنے سے بالکل عاری ہوتے ہیں۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

"ترجمہ"

ہم ان لوگوں کی اس قسم کی باتوں سے درگزر کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ پاگلوں کا سلسلہ ہے اور شیطان کی بیڑیاں توڑتا ہے۔ (میزان عمل۔ امام غزالیؒ)

اللہ تعالیٰ کی بندگی کے آداب

انسان کے حضر وسفر میں، خواب و بیداری میں اور موت وحیات میں جو رفیق ہے وہ پروردگار ہی ہے جو سب کا مالک وخالق ہے اور رفیق بھی ایسا کہ جب یاد کرو تو وہ تمہیں بھی یاد فرمائے گا۔ چنانچہ کس مہربانی سے ارشاد ہوتا ہے کہ ان جلیس من ذکر لی یعنی میں اس شخص کے ساتھ ہوں جو میرا ذکر کرے۔ اور جب قصور کی وجہ اور ارتکاب گناہ کے باعث کسی کا دل ٹوٹ جائے۔ تو اس کی عنایت اس شکستہ دل کی ہمت بندھاتی ہے۔ چنانچہ حکم ہوتا ہے انا عند لمنکسرہ قلوبھم من اجلی. یعنی جن لوگوں کے دل میرے ڈر سے شکستہ ہیں تو میں ان کے پاس ہوں۔ اس بات پر خوب غور وفکر کر لینا چاہئے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے مددگار اور حمایت کرنے والا کون ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں۔ تمام وقت اسی کی یاد میں صرف ہونا چاہیے۔ یہی سرمایہ نجات ہے۔ اور اگر اس طرح کا اہتمام نہ ہو سکتا ہو تو پھر جب بھی موقع ملے۔ مالک حقیقی کی طرف رجوع کرنا چاہئے عجز و نیاز اور سوز وگداز کے ساتھ اپنی حاجات کا پیش کرنا بہت ضروری ہے۔ یہی خلوت ہے۔ اور اس خلوت میں آداب پوری طرح ملحوظ رکھنے چاہئیں۔ سر جھکا رہے۔ آنکھیں پرنم ہوں۔ بالکل ہی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر ساکت رہنا چاہئے۔ آس پاس سکون ہو۔ احکام کی پابندی کرے۔ جن امور سے منع کیا گیا ہے ان سے دامن بچالے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو۔ دل اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرنے والا ہو۔ حق بات کو اختیار کرے اور جھوٹ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے۔ مخلوقات سے حاجات کی امید نہ رکھے۔ اللہ تعالیٰ کے جلال سے خوفزدہ رہے۔ اور صدق دل سے انکساری کرے۔ اپنے کام کاج کو رزق کا سبب نہ جانے۔ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ

Marfat.com

زرقھا یعنی زمین کے ہر جاندار کو اللہ تعالیٰ رزق عطا فرماتا ہے۔ اس کے فضل پر توکل کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پالنے والا نہیں۔ یہ آداب اس طرح اختیار کریں۔ کہ عادت بن جائیں۔ یہ آداب اس مالک کے ساتھ ہیں۔ جو ایک لمحہ بھی اپنے بندوں سے غافل نہیں ہے۔

مادہ سے پاک

اللہ تعالیٰ کی طرف کسی ایسے جسمانی امر کا منسوب کرنا جو انسانوں یا دیگر اجسام کے ساتھ خاص ساتھ ہیں۔ کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ایسے کسی بھی تصور وخیال سے بالاتر ہے۔ قرآن مجید میں بعض آیات میں اعضا کی جو مثال دی گئی ہے۔ جیسے آیت مبارکہ میں الفاظ ہیں۔ "کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فراخ ہیں" یا دیگر مقامات میں جو تشبیہات ہیں۔ ان سے مراد یہ انسانی مثالیں نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اختیارات ہیں۔ اور ان آیات میں تشبیہ کا استعارہ انسانوں کو آسان انداز میں بات سمجھانا ہے کیونکہ انسانوں کے اندر یہ قوت ہی موجود نہیں ہے کہ وہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کا ادراک کرسکیں۔ نہ ہی اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس میں کسی مادی عنصر کا کوئی دخل ہے۔ وہ مادی عناصر سے پاک اور انسانی تصورات وخیال سے بہت بلند ہے۔ وہ جہات اور ہر اُن کے تمام اصول و کلیہ سے بلند ہے جو انسان کے احاطہ علم میں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء کا مظہر تمام عالم

امام ربانیؒ فرماتے ہیں کہ جہان چھوٹا ہو یا بڑا۔ سب اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات کے مظاہر ہیں۔ اور اس کے کمالات ذاتیہ کے آئینے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے کمالات کو ظاہر فرمائے۔ کائنات کو ایسے طریقہ پر پیدا فرمایا کہ مخلوقات کی ذاتیں اور صفات اس کی ذات وصفات پر دلالت کریں۔ اور اس کے نشان بنیں۔

پس کائنات کو اپنے خالق کے ساتھ مخلوقیت کے رشتہ اور مناسبت کے سوا اور کوئی مناسبت و تعلق نہیں۔ کائنات اس کے اسماء گرامی اور صفات پر دلالت کرنے والے امور کا مجموعہ ہے۔ خالق اور مخلوق کے درمیان ایک سی مثال قائم کرنا یا خالق کا اپنی ذات کے ساتھ مخلوق کا احاطہ یا مخلوق کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذاتی معیت وغیرہ جیسے تصورات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اہل حق اس کائنات کی اپنے خالق کے ساتھ مخلوقیت ومظہریت کی نسبت کے سوا اور کوئی نسبت ثابت نہیں کرتے اور صرف احاطہ و معیت علمی کے قائل ہیں جیسا کہ علمائے حق کا عقیدہ ہے۔

حیرانگی کی بات ہے کہ بعض لوگوں کی جماعت ایک طرف بعض ذاتی نسبتوں کو ثابت کرتی ہے جیسے احاطہ اور معیت اور دوسری طرف یہی جماعت اس بات کا اعتراف بھی کرتی ہے کہ ذات حق

سے نسبتیں مسلوب ہیں۔ حتیٰ کے صفات ذاتیہ کو بھی اس سے الگ کرتے ہیں۔ یہ صریحاً تضاد ہے۔ اور اس تضاد کو دور کرنے کے لئے ذات میں مراتب ثابت کرنا فلسفیوں کے الجھاؤ کی طرح محض تکلف ہے۔ جو صحیح کشف رکھنے والے حضرات ہیں۔ اس ذات کو بسیط حقیقی کے سوا کچھ جاننے سے قاصر ہیں اور اس بسیط ذات کے سوا جو کچھ ہے اسے اسماء میں شمار کرتے ہیں۔

اس بحث کی تحقیق کے لئے ایک مثال حاضر ہے۔ بہت سے فنون میں ماہر ایک شخص اگر اپنے پوشیدہ کمالات کو سامنے لانا چاہے تو وہ حروف اور آوازیں ایجاد کرتا ہے تاکہ ان حروف اور آوازوں کے ساتھ اپنے کمالات ظاہر کرے۔ اب اس صورت میں حروف اور دلالت کرنے والی ان آوازوں کو اس ماہر کے ذہن میں موجود معانی کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ حروف اور آوازیں ان پوشیدہ معانی کے مظاہر ہیں۔ اور یہ کمالات مخزونہ (جمع شدہ خزانہ) کے آئینے ہیں۔ ان حروف اور آوازوں کو ان پوشیدہ معانی کا بالکل اظہار قرار دینا بے معنی ہے۔ اس طرح احاطہ اور معیت بھی اس صورت میں واقع نہیں۔ معانی اپنی اصل کیفیت پر ہی موجود اور قائم ہیں۔ کسی قسم کی تبدیلی ان معانی کی ذات وصفات میں دخل انداز نہیں ہوسکا۔ لیکن چونکہ ان حروف اور آوازوں میں جو معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ دلیل اور مدلول کی ایک گونہ مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس بنا پر بعض زائد معانی خیال میں آجاتے ہیں۔ ورنہ فی الحقیقت و معانی مخزونہ ان زائد معانی سے پاک اور بالکل ہٹ کر ہیں۔ یہی حال ادھر ہے کہ مخلوق کا ذات واجب کا مظہر اور آئینہ ہونے کے سوا زائد امور عینیت' اتحاد اور احاطہ و معیت کا اقرار کرنا جہالت ہے۔ وہ بلند ذات (اللہ تعالیٰ) فی الحقیقت تمام نسبتوں اور مناسبتوں سے پاک اور بلند ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جابر مظالم قوموں کو افسانہ بنادیا

سورہ المومنون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّ جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ

(ترجمہ) پس ہم بھی ایک کے بعد ایک کو ہلاک کرتے گئے اور ہم نے ان جابر قوموں کو افسانہ بنادیا۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ جن قوموں نے سرکشی کی اور حد سے گزرے اور اپنے انبیاء کرام کا مذاق اڑاتے رہے۔ دنیاوی مال و دولت کے بل پر تکبر کرتے رہے۔ بیشک اہل دنیا ان کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اسی زمین پر بڑی بڑی قومیں اور بڑی بڑی سلطنتیں موجود تھیں لیکن اب ان کا نام ونشان باقی نہیں ہے وہ قصہ پارنیہ بن کر رہ گئی ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ ان کے پر رونق شہر اور دولت کے انبار کدھر گئے۔ وہ لوگ جو قدم قدم پر اتراتے تھے اب کہاں ہیں۔ تباہی نے ان کی گلیوں' ان کے شہروں اور بستیوں کو اس طرح مٹا دیا کہ

Marfat.com

اس ترقی یافتہ دور میں بھی ان کا پتہ لگانا آسان نہیں۔ وہ نافرمان اَب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر اور بے بس ہیں۔ اہل دنیا ان میں سے صرف ان لوگوں کی کہاوتیں اور افسانے بیان کرتے ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے عبرت کے لئے نازل فرمایا ہے۔ ورنہ فنا کے ہاتھ نے ان کو تہہ و بالا کر کے عبرت کی تصویر بنا ڈالا۔ اس آیت کا مقصد ان نافرمان قوموں اور ظالم افراد کو آگاہ کرنا ہے جو اتراتے پھرتے ہیں۔ یاد رہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے راستوں کو اختیار کر کے انسان دنیا اور آخرت میں عزت حاصل کر سکتا ہے اور قیامت کے دن بھی فرمانبردار ہی انعامات کا حق دار ٹھہرے گا۔ نافرمانوں کو ذلت کا ایسا عذاب ملے گا وہ ناقابل بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا

سورہ المومنون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَااتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ

(ترجمہ) نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا بیٹا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے کہ اس نے کسی بھی انسان یا کسی بھی دوسری مخلوق سے کوئی بیٹا نہیں بنایا۔ کسی کو اللہ کا بیٹا کہنا بہتان اور شرک ہے۔ کوئی نبی بھی اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے سچے رسول اور بندے ہیں۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنا سخت ظلم ہے۔ عیسائیوں نے یہ ظلم کیا ہے اور عظیم شرک کے مرتکب ہوئے ہیں وہ وقت دور نہیں۔ جب ایسا کہنے والے بدنصیب اور ظالم اپنے اس جھوٹے دعوے کا انجام دیکھیں گے۔ جب قیامت کے دن خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے خلاف گواہی دیں گے تو ان کے لئے وہاں بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ ان کا یہ ظلم لعنت کا طوق بن کر ان کے گلے میں پڑ جائے گا۔ وہاں ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔

عقلی طور پر بھی ہم دیکھیں تو کوئی ایسی وجہ نظر نہیں آتی کہ آخر کس بل پر یہ ظالمانہ دعویٰ کیا گیا ہے ان کے پاس اس گمراہ کن اور مشرکانہ مفروضہ کی کوئی پکی دلیل نہیں خود ساختہ اور کمزور روایات کے بل پر ایسا گھناؤنا دعویٰ' معاذ اللہ۔ پوری نسل انسانی کے سر شرم سے جھک گئے ہیں۔ یہ انسان نہیں بلکہ جانوروں سے بدتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں ہے۔ نہ فرشتوں میں نہ انسانوں میں اور نہ جنوں میں اُس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی انسان کے خود ساختہ معبود کوئی اختیار رکھتے ہیں۔ حقیقی اختیارات تو صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے پاس ہیں۔ وہی ازل سے ابدالاباد تک مالک و مختار ہے۔ اسی کی حکومت ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی کائنات کا تخلیق کار نہیں وہی عبادت کا مستحق ہے۔

یا اللہ شیطانی وسوسوں سے محفوظ فرما

سورہ المومنون میں ارشاد ہے۔

وَ قُلْ رَبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنَ

(ترجمہ) اور فرما دیجئے کہ اے میرے رب۔ میں پناہ طلب کرتا ہوں تیری شیطانوں کے وسوسوں سے۔

اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ شیطان ان کا کھلا ہوا دشمن ہے وہ سینوں میں ایسے ایسے گمراہ کن خیالات ڈالتا ہے۔ جو انسان کی مکمل تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ انسان کے ایمان بالغیب کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مثبت فکری سوچ کو بھی تبدیل کر دیتا ہے۔ منفی سوچ اور منفی اندازِ فکر پیدا کرنا شیطانی مشن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے خیالات ڈال کر اہل ایمان کو راستے سے بھٹکانے کی کوششیں کرتا رہتا ہے۔ جو کمزور ذہن ہوتے ہیں یا جن میں بصیرت بدرجہ اتم موجود نہیں ہوتی وہ ان شیطانی وسوسوں کا شکار ہو کر ایسی فکر اختیار کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جس سے گمراہی و نافرمانی کا ایک سلسلہ چل نکلتا ہے۔ آج اس دور میں بھی ایسے افراد کی کمی نہیں جو اپنی گمراہ عقل اور محدود فکر کے ذریعے اُن تمام اُمورِ غیب کا ادراک کر لینا چاہتے ہیں جو انسانی تصورات سے بہت بلند ہیں۔ اور انسان کی تصوراتی پرواز کبھی بھی ان اسرار و رموز کا اندازہ نہیں لگا سکتی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اس کھوج کے دوران شیطان کے ہتھے چڑھ کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اب ایک پیدائشی اندھا اگر باغات اور سرسبز وادیوں کا اندازہ قائم کرنا چاہے تو آپ اسے لاکھ سمجھانے کی کوشش کریں مگر وہ کیا سمجھے گا۔ وہ زبان سے تو کہہ دے گا کہ وہ چیز سبز ہے لیکن سبز رنگ کی حقیقت سے بے خبر رہے گا۔ صرف الفاظ استعمال کرتا رہے گا۔ لیکن اس کا ذہن کبھی بھی ان دلفریب نظاروں کے بارے میں کوئی یقینی حیثیت قائم نہیں کر سکے گا۔ محض ایک لفظی سلسلے پر انحصار کر کے بغیر دیکھے کسی بھی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوا جا سکتا۔ آپ اسے صورت اور رنگوں کے اجزاء اور کسی بھی چیز کی صورت کے بارے میں کچھ نہیں سمجھا سکتے۔ یہ حال تو اس دنیاوی اندھے کا ہے کہ جو اس جہان ظاہر میں ان اشیاء کے ساتھ موجود ہے۔ جنہیں عمومی نظریں دیکھتی ہیں۔ تو جو مقامات انسانی چشم تصور سے بھی بلند ہیں ان کے بارے میں زمین کی پستیوں میں رہنے اور مختصر سوچ و فکر رکھنے والا انسان کیسے آگاہ ہو سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا سینہ علم سے بھر دے۔ انبیاء کرام کو وسعت نظر عطا کی جاتی ہے اور حضور ﷺ کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الم نشرح لک صدرک

کیا ہم نے آپ کے سینہ کو کھول نہیں دیا۔

Marfat.com

انسان کو شیطان ہی آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی غلط اور بلا جواز سوچ پر اڑا رہے اور کسی کی نہ مانے۔ ضد، بغاوت اور اندرونی بغض کے جذبات کی طرف بھی اسے شیطان مائل کرتا ہے انسان کے اندر باغیانہ خیالات کی چادر تن جاتی ہے۔ اس لئے چاہئے کہ قرآن مجید اور تعلیمات نبویہ کو دل کی گہرائیوں سے سمجھا جائے اور شیطانی سوچ وفکر رکھنے والوں سے مکمل طور پر دور رہا جائے۔

اللہ تعالیٰ زمین و آسمانوں کا نور ہے کی مکمل تشریح

سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا اس نور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق ہو۔ اس میں چراغ ہو۔ وہ چراغ شیشہ کے ایک فانوس میں ہو۔ وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے جو موتی کی طرح چمک رہا ہے۔ جو روشن کیا گیا ہے برکت والے زیتون کے درخت سے جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ قریب ہے اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔ یہ نور ہی نور ہے۔ پہنچا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی جانب جسے چاہتا ہے اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ طرح طرح کی مثالیں لوگوں کی ہدایت کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہادی ہے آسمان والوں کا اور زمین والوں کا وہی سورج، چاند اور ستاروں کی تدبیر کرتا ہے۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں۔ کہ نور خدا ہدایت ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں۔ اس کے نور کی مثال یعنی اس کا نور رکھنے والے مومن کی مثال جس کے سینے میں ایمان اور قرآن ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ اولاً اپنے نور کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد مومن کے نور کا ذکر کیا۔ سدیؒ فرماتے ہیں اس کے نور سے آسمان اور زمیں روشن ہیں۔ سیرت ابن اسحٰق میں ہے کہ جس دن اہل طائف نے رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچائی تھی۔ تو آپ نے اپنی دعا میں فرمایا تھا کہ اعوذ بنور وجهك الذى اشرقت له الظلمت و صلح عليه امر الدنيا والاخرة۔ کہ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ میں آرہا ہوں۔ جو اندھیروں کو روشن کر دیتا ہے۔ اور جس پر دنیا اور آخرت کے صلاحیت موقوف ہے۔ صحیحین کی حدیث کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ رات کو تہجد کے لئے اٹھتے تو فرماتے کہ یا اللہ تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں۔ تو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے۔ سب کا نور ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ تمہارے رب کے ہاں دن نہیں اس کے چہرے کے نور سے اس کے عرش کا نور ہے۔ نور کی ضمیر کا مرجع بعض کے

Marfat.com

نزدیک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت جو مومن کے دل میں ہے اس کی مثال بعض کے نزدیک مومن ہے۔ جس پر سیاق کلام کی دلالت ہے۔ یعنی مومن کے دل کے نور کی مثال مثل طاق کے ہے۔ جیسے فرمان ہے۔ کہ ایک شخص ہے جو اپنے رب کی دلیل اور ساتھ ہی گواہ لئے ہوئے ہے۔ پس مومن کے دل کی صفائی کو فانوس سے مثال دی۔ پھر قرآن اور شریعت سے جو مدد اسے ملتی رہتی ہے۔ اس کی تشبیہ دی۔ زیتون کے اس تیل سے جو خود صاف شفاف اور چمکیلا اور روشن ہے۔ پس طاق اور طاق میں چراغ، اور وہ بھی روشن چراغ۔ یہودیوں نے اعتراض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا نور آسمانوں سے کیسے پار ہو سکتا ہے تو مثال دے کر سمجھایا گیا کہ جیسے فانوس سے روشنی پار ہو جاتی ہے۔ پس فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نور ہے اسمانوں کا اور نور ہے زمیں کا، مشکوۃ کے معنی گھر کے طاق کے ہیں۔ مثال اللہ تعالیٰ نے فرمانبرداری کی دی ہے۔ اور اپنی طاقت کو نور فرمایا ہے۔ پھر اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں ایسا طاق جس میں کوئی اور سوراخ وغیرہ نہ ہو۔ فرماتے ہیں اس میں قندیل رکھی جاتی ہے پہلا قول زیادہ طاقت والا ہے یعنی قندیل رکھنے کی جگہ۔ چنانچہ قرآن میں بھی ہے کہ اس میں چراغ ہے۔ پس مصباح سے مراد نور ہے۔ یعنی قرآن اور ایمان جو مومن کے دل میں ہوتا ہے۔ سدیؒ کہتے ہیں۔ اس سے مراد چراغ ہے۔ پھر فرمایا یہ روشنی جس میں بہت ہی جوت ہے۔ صاف قندیل ہے یہ مثال ہے مومن کے دل کی۔ پھر وہ قندیل ایسے ہے جیسے موتی جیسا چمکیلا اور روشن ستارہ۔ اس کی دوسری قرآت دری ہے۔ یہ ماخوذ ہے درء سے، جب کوئی ستارہ ٹوٹتا ہے تو اس وقت وہ بہت روشن ہوتا ہے اور جو ستارے غیر معروف ہیں انہیں بھی عرب دری کہتے ہیں۔ اس کا مفہوم ہے چمکدار اور روشن ستارہ۔ جو خوب ظاہر ہو اور چمکے پھر اس چراغ میں تیل بھی مبارک درخت زیتون کا ہو۔ زیتونۃ کا لفظ بدل ہے۔ یا لطف بیان ہے پھر وہ زیتون کا درخت بھی نہ مشرقی ہے کہ اول دن سے اس پر دھوپ آ جائے۔ اور نہ مغربی ہے کہ غروب سورج سے پہلے اس پر سے سایہ ہٹ جائے۔ بلکہ وسط جگہ میں ہے۔ کہ صبح سے شام تک سورج کی صاف روشنی میں رہے۔ پس اس کا تیل بھی بہت صاف، چمکدار اور معتدل ہوتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ درخت میدان میں ہے۔ کوئی درخت یا پہاڑ یا غار یا کوئی بھی اور چیز اسے چھپائے ہوئے نہیں ہے اس وجہ سے اس درخت کا تیل بہت صاف ہوتا ہے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں۔ کہ صبح سے شام تک کھلی ہوا اور صاف دھوپ اسے پہنچتی رہتی ہے۔ کیونکہ وہ کھلے میدان میں درمیان کی جگہ ہے۔ اسی وجہ سے اس کا تیل بہت صاف اور روشن چمکدار ہوتا ہے اور اسے نہ شرقی کہہ سکتے ہیں نہ غربی۔ ایسا درخت بہت سرسبز اور کھلا ہوتا ہے۔ پس جیسے یہ درخت آفتوں سے بچا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح مومن فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اگر کسی فتنہ کی آزمائش میں آ بھی جائے تو اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھتا ہے حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ درخت دنیا میں زمین پر ہوتا تو ضرور ہوتا کہ یہ مشرقی یا مغربی ہوتا۔ لیکن یہ تو اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال ہے۔ خود

Marfat.com

وہ اتنا لطیف ہے کہ گویا بغیر جلائے روشنی دے (مصباح، زجاجہ اور مشکوٰۃ کی تعریف پہلے کی جا چکی ہے دیکھئے (نور کی تعریف) اور وہ نور پر نور ہے اور یہ آیت متشابہات کے قبیل سے ہے اِس کی تفسیر بیان نہیں ہو سکتی۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ نور اسے کہتے ہیں جس سے اشیاء روشن ہوں۔ تمام آسمانوں کی روشنی اور زمین کی روشنی اسی بلند ذات کے فیضان کرم کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ اس ذات سبحانہ نے اس کو عدم کی تاریکیوں سے نکالا ہے۔ اور وجود توابع وجود کے ظلال کے ساتھ متصف کر کے زمین و آسمانوں کو منور کیا ہے کہ وہ جس نور سے روشن ہوئے ہیں۔ ایک بڑے طاق کی طرح تصور کرنا چاہئے۔ اور اس نور کو چراغ کی طرح جاننا چاہئے۔ جو اس طاق میں بطور امانت رکھا گیا ہے اور مشکوٰۃ پر صاف تمثیل کا داخل ہونا اسے بنا پر کہا ہے کہ وہ طاق اس چراغ پر مشتمل ہے اور شیشے سے اسماء اور صفات کا ملاحظہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ نور اسماء وصفات سے ملا ہوا ہے۔ اور صفات جل شانہ کا آئینہ حسین و جوب اور جمال قدم کے ساتھ ایک درخشاں ستارے کی طرح ہے اور چراغ جو اس طاق میں رکھا ہوا ہے۔ وہ زیتون کے مبارک درخت سے روشن ہوا ہے اور یہ جامع ظہور عرشی سے کنایہ ہے۔ استویٰ اس ظہور کا رمز و اشارہ ہے۔ اس لئے کہ دوسرے ظہورات جو آسمانوں اور زمین سے تعلق رکھتے ہیں اس ظہور جامع کے لئے اجزاء کی مانند ہیں۔ اور جب یہ ظہور جامع لامکانی اور بے جہت ہے۔ تو اسے لا شرقیة و لا غربیه کہا جا سکتا ہے۔ اور یکاد زیتها یضی و لو لم تمسه نار اس شجر مبارکہ کی صفت (تعریف) ہے اور اس درخت مشّل بہ کی صفائی اور روشنی کا بیان ہے۔ نور علی نور یعنی شیشے کا پردہ صفائی۔ اور درخشندگی کی جہت سے نور میں اور زیادہ بڑھ گیا ہے اور اس کے حسن و جمال میں اضافہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ صفات کے کمالات ذات تعالیٰ و تقدس کے کمالات کے ساتھ جمع ہو چکے ہیں۔ اور صفات کا حسن ذات تعالیٰ کے حسن کے ساتھ مل گیا ہے۔ کئی گنا زیادہ نور اور کمال ظہور کے باوجود یهدی اللّٰه لنوره من یشاء اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے ہاں جسے اللہ تعالیٰ روشنی عطا نہ کرے اس کے لئے کچھ روشنی اور نور نہیں۔ یہ جامع ظہور جو عرش سے متعلق ہے تمام مشاہدات، اور مکاشفات کی انتہا ہے اور تجلی ذات و تجلی صفات غرض ہر طرح کی تجلیات و ظہورات کی انتہا ہے۔ اس کے بعد معاملہ جہل کے ساتھ قرار پذیر ہو جاتا ہے۔ جامع ظہور اگرچہ ذات کے ساتھ ملا ہوا ہے لیکن صفات اس مقام پر ذات کے لئے پردہ نہیں ہیں۔ صفات کا ذات تعالیٰ و تقدس کے لئے حجاب بننا ظہورات ظلیہ کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کہ ظہورات ظلیہ مرتبہ علم میں ہیں۔ اور اصل کا ظہور مقام عین میں ہے۔ اور صفات درجہ علم میں پردہ ہیں۔ مثلاً کسی کا جب مرتبہ علم میں تصور کرتے ہیں۔ تو علم میں اس کا تصور صفات کے ساتھ ابھرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ دراز قد ہے یا کوتاہ قامت ہے۔ عالم ہے یا جاہل ہے۔ چھوٹا ہے یا بڑا ہے۔ شاعر ہے یا نثر نگار ہے۔ یہ تمام صفات جن کا تصور کیا

Marfat.com

جائے گا اس فرد کی ذات کا حجاب بنیں گی۔ اور یہ تمام تشخص کو فائدہ نہیں دیں گی۔ اور وہی شخص جب علم سے حقیقت کی طرف سامان باندھتا ہے۔ اور صفات کے باوجود مشہود ہوتا ہے اور معاملہ ظلیت سے اصالت میں قرار پذیر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس شخص کی صورت علمی حقیقی طور پر موجود اس کا ظل ہے۔ جو اس کا اصل ہے۔ یہاں اس کی صفات اس کی ذات کے لئے حجاب نہیں بنیں گی۔ اور جسے محسوس کیا جائے گا وہ ایک جامع الصفات شخص ہوگا۔ اور اس طرح صفات کی حضرت ذات تعالیٰ وتقدس سے مفارقت مراتب ظلول اور مثال کی تصویروں میں ہے اور جب اصل کے ساتھ وصول میسر آ گیا۔ تو صفات ذات تعالیٰ سے جدا نہیں ہوں گی۔ اور ذات کا مظہر صفات کے مظہر سے جدا نہیں ہوگا۔ صفات کی تجلی کو ذات کی تجلی سے جو الگ کہا گیا ہے اور تجلی افعال کو جو علیحدہ خیال کیا گیا ہے سب مقامات ظلال میں ہے اصل کے ساتھ وصول کے بعد صرف ایک تجلی ہے جو تینوں تجلیوں کو شامل ہے مثلاً فرض کردہ شخص کو جب کوئی دیکھے تو اس ذات کا شہود اس کی صفات سے الگ نہیں ہے بلکہ اسی وقت جب کہ دیکھنے والا اس آدمی کو دیکھتا ہے عین اسی وقت اسے عالم اور فاضل بھی پاتا ہے۔ علم وفضل جس طرح اس کو دیکھنے کے لئے پردہ نہیں ہیں۔ ہاں اگر اس آدمی کا تصور کریں۔ اور ظلی صورتوں کے ساتھ اس کا ادراک کریں۔ تو صفات کو ذات سے الگ پائیں گے اور صفات اس کی ذات کے لئے حجاب بنیں گی۔ روز محشر ذات جامع الصفات کا دیدار ہوگا یہ جامع ظہور مثالی تصورات کا انجام ہے جو کمال ظہور عرشی کے بعد سامنے آتا ہے۔ وہ تصویر کی مثال کی طرح آئینہ میں نہیں پایا جاسکتا۔ کیونکہ مثال میں ایک چیز کو ایسی تصویر میں سامنے لاتے ہیں جو خارج کے ساتھ مشابہت اور مناسبت رکھتی ہے۔ اگرچہ وہ نام میں ہی مشابہت ہو۔ اور وہ چیز جو کسی چیز کے ساتھ خارج میں کسی طریقہ سے مشابہت نہ رکھتی ہو۔ اس کی تصویر مثال میں بالکل نہیں ہے۔ اور ظہور عرشی سے اوپر کے کمالات اسی قبیلہ سے ہیں۔ کہ کوئی چیز بھی کسی طریقہ سے بھی ان کے مشابہ نہیں ہے تاکہ مثال میں اس کی تصویر سامنے لائی جاسکے۔ اور ہمیشہ آگاہ رہنا چاہئے کہ عرش کے اوپر کا ظہور اس وہم میں مبتلا نہ کرے کہ حق تعالیٰ وسبحانہ عرش سے اوپر قرار پذیر ہے اور مقام جہت اس کے لئے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اور ہر ایسی شے سے جو اس کی جناب قدس کے لائق نہیں پاک اور منزہ ہے۔ کسی شخص کی صورت کا شیشے میں ظہور شیشے میں قرار پذیر ہونے کا لازم نہیں کرتا اگرچہ بے عقل لوگ وہم میں پڑ جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے بلند صفت ہے۔

صاحب ایمان لوگ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بہشت میں کریں گے۔ حالانکہ بہشت اور دوسرے مقامات حضرت حق تعالیٰ کے سامنے ایک جیسے ہیں اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اور وہ تجلی جو کوہ طور پر پڑی تھی۔ حالیت اور محلیت کا شائبہ تک نہیں رکھتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ بعض جگہیں ظہور کی قابلیت رکھتی ہیں۔ اور بعض اس کے قابل نہیں۔ وہ الفاظ جو کلیت اور جزئیت کا وہم ڈالتے ہیں یا حالیت اور محلیت ان سے سمجھ آتی ہے وہ اس بلند ذات کے لائق نہیں ہیں۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ جس کے لئے نور نہ بنائے اس کے لئے نور نہیں

سورہ نور میں اللہ تعالیٰ اس کے لئے نور نہیں

وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ

اور سچ تو یہ ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے اس کے لئے نور نہیں۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہدایت دینا اور دلوں کو منور کرنا اسی کے اختیار میں ہے جو لوگ نافرمانی کر کے دندناتے پھرتے ہیں۔ بزعم خود بڑے فاضل اور دانشور بنے ہوئے ہیں۔ اپنی جہالت کو علم اور بصیرت کا نام دیتے ہیں۔ تو یہ ان کے اپنے خود ساختہ حیالات ہیں۔ یہ ہرگز نہیں جانتے۔ کہ سچی عقل و دانش اور ہدایت تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جو وہ اپنی طرف ملنے والوں کو ہدایت فرماتا ہے اور جن دلوں میں بیماری ہے اور وہ اتنے سخت ہیں کہ ان پر کوئی آیت یا نصیحت اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ خود سوچیئے کہ کس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے انورات سے فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ نور ہدایت عطا کرنا صرف اور صرف اللہ جل شانہٗ کے اختیار میں ہے۔ سلیم الطبع مومن اس کے حضور جب عجز و انکسار کے ساتھ رہنمائی کا طالب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بکمال عنایت اس کو نور عطا فرماتا ہے ورنہ جو بدنصیب نور سے محروم ہو۔ اسے سمجھ لینا چاہئے کہ یہ تو فقط اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور اس کے بغیر کوئی عطا نہیں کر سکتا۔

آسمانوں و زمین میں موجود ہر ایک اللہ تعالیٰ کی تسبیح جانتا ہے

سورہ نور میں ارشاد ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ

(ترجمہ) کیا تم غور نہیں کرتے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جس کی تسبیح بیان کرتے ہیں سارے آسمان والے اور زمین والے اور پرندے پر پھیلائے ہوئے۔ ہر ایک جانتا ہے اپنی مخصوص دعا اور تسبیح کو۔

اس آیت مبارکہ میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ زمین و آسمانوں میں تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح خوان ہے یہ پرندے جو فضاؤں میں پر پھیلائے محو پرواز رہتے ہیں۔ یہ بھی اسی وحدہ لاشریک کی تسبیح کرتے ہیں۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات بے حساب ہیں۔ اور یہ تمام اللہ وحدہٗ لاشریک کی تسبیح کرتی ہیں۔ اور اس کی حمد و ثنا میں مصروف ہیں۔ ان تمام مخلوقات کو اپنی تسبیح کے انداز معلوم ہیں۔ ہر ایک مخلوق اپنے اپنے قاعدے سے قادر مطلق کے حصور نذرانہ عقیدت پیش کرتی ہے۔ انسانوں میں سے ہی جو

نافرمان ہیں وہ اس وحدہٗ لاشریک کی نعمتوں اور عطا پر شکر گزار نہیں ہیں۔ اور اپنے خود ساختہ جھوٹے عقائد کے بل پر غفلت کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ یعنی انہیں تہ بہ تہ ظلمت کے پردوں نے بری طرح ڈھانپ لیا ہے اور وہ عقل وشعور کی دولت سے قطعی محروم ہو چکے ہیں ان ناسمجھوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اگر باقی تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں تو انہیں آخر کس غرور نے روک رکھا ہے انہیں سوچنا چاہئے کہ وہ پروردگار کتنا رحیم وکریم ہے جو ان نافرمانیوں کے باوجود نوازتا ہے زندگی اور رزق عطا کر رہا ہے یہ ہمیشہ ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے مجبور نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسے کوئی مجبور کر سکتا ہے۔ وہ حاکم مطلق ہے اور اختیار اسی کے پاس ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں کو جہان میں بھی، قبر میں بھی اور حشر میں بھی عزت دار اور آسودہ رکھے گا۔ اور قیامت کا دن تو فرمانبرداروں کے لئے عید کا دن ثابت ہوگا۔ اور پرندے وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو زبان عطا فرمارکھی ہے اس سے وہ خوب واقف ہے وہ پرندوں' کیڑوں تک کی آواز سنتا ہے۔ ان کی دعائیں سنتا ہے ان کی تسبیح سنتا ہے۔ وہ بے حد رحیم وکریم ہے اس کے دربار سے کوئی خالی نہیں لوٹتا۔ حقیقی طور پر وہی مددگار ہے بندگی کا تقاضہ ہے کہ اللہ جل شانہ کو ہر سانس میں یاد رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پانی سے پیدا کیا

سورہ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ

(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے ہر جانور کو پانی سے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس نے تمام مخلوقات کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ اس وحدہٗ لاشریک کی تخلیقی شان کو دیکھیں۔ کہ مادہ تو ایک ہی ہے اس مادہ سے اس نے کتنی صورتیں پیدا فرمادی ہیں۔ شیر' چیتے' لومڑ' مگرمچھ یعنی طرح طرح کے ہزاروں جانور۔ یہ لامحدود قدرت والے پروردگار کی طاقتوں کا کرشمہ ہے اور اس کی شان تخلیق کا اعلیٰ ترین مظاہرہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ صرف صورتیں مختلف ہیں۔ بلکہ عادات' رہن سہن' آوازیں سب ہی کچھ مختلف ہے' یعنی ہر جانور میں رہنے سہنے کا تمام انداز الگ نظر آئے گا۔ یہ سب کچھ محض عمل ارتقاء کا نتیجہ نہیں۔ کیونکہ محض ارتقائی اسباب یہ شان تخلیق نہیں دکھا سکتے۔ کیا مفروضہ ارتقائی اسباب اس امر پر قادر ہو سکتے تھے کہ اتنے مظاہر ایک ہی مادے سے کر دیں۔ اور پھر ان میں جبلت وخصلت کے تمام پہلو بھی الگ الگ ہوں۔ ناممکن ہے قطعی ناممکن ہے شیطانی تصورات رکھنے والے گمراہ فلاسفہ اس دوٹوک حقیقت کا کوئی جواب نہیں دے سکتے اور نہ ہی ان کے پاس اپنے موقف کی وضاحت کی کوئی پختہ دلیل ہے ان کے جھوٹ کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ارتقاء کے تمام مدارج بنی نوع انسان کی آمد پر تمام کام کاج چھوڑ کر کدھر بھاگ

Marfat.com

گئے ہیں۔اور زندگی ایک ہی موڑ پر ٹھہر گئی ہے۔حالانکہ ارتقاء کی تعریف یہ ہے کہ وہ جاری رہتا ہے مثلاً انسانوں کے اندر تہذیب کا ارتقاء جاری ہے لیکن تخلیقی ارتقاء کدھر گیا یہ کیسا ارتقاء ہے کہ ایسے درخت جو صدیوں پہلے صنوبر تھے صنوبر ہی رہے اور انسانی و جملہ حیوانی زندگی صدیوں اور قرنوں سے ایک ہی صورت میں موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارتقاء کا نظریہ خواہ ڈارون کا ہو یا کسی محدود سوچ رکھنے والے فلسفی کا۔ایک کھلی اور روشن گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ڈارون کی تھیوری میں اتنا انتشار ہے کہ خود ڈارون اسے زندگی بھر نہیں سمجھ سکا اور یہ شیطانی نظریہ آج اس کے پیروکاروں کے لئے بھی قابل قبول نہیں رہا۔آج کا انسان یہ سوچنے اور سمجھنے پر مجبور ہے کہ کائنات کی تشکیل ایک نہایت طاقتور تخلیق کار کے بغیر ناممکن تھی۔جس طرح کائنات کا نظام اب تک کسی تغیر و تبدل کے بغیر نہایت منظم صورت میں جاری ہے۔صاف ظاہر ہے کہ ایک طاقتور اور انتہائی غلبہ والے منتظم کے بغیر نظام ہستی قطعی طور پر جاری نہیں رہ سکتا۔وہ وقت دور نہیں کہ جب انسانوں میں سے اہل عقل اور مثبت انداز میں غور و فکر کرنے والے اللہ جل شانہ کی عظمت کاملہ کا مکمل یقین کرلیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کون الٰہ ہے

سورہ النحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

(ترجمہ) بھلا وہ کون ہے جس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو اور جس نے اتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی۔پھر ہم نے اگائے اس پانی سے' خوشنما باغات' تمہاری طاقت نہ تھی کہ تم اگا سکتے یہ درخت۔کیا کوئی دوسرا اور الٰہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو راستے سے ہٹ رہے ہیں۔بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور جاری کر دیں اس کے درمیان نہریں۔اور بنا دیئے زمین کے لئے (پہاڑوں کے) لنگر اور بنا دی دو سمندروں کے درمیان آڑ۔کیا کوئی اور الٰہ بھی ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بلکہ اکثر لوگ بے علم ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت شان تخلیق کے مدارج بیان کر کے عیاں کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ زمین اور آسمانوں کے وسیع سلسلے کو کس نے پیدا کیا ہے یہ چمکتے ستارے، روشن سورج اور چاند کس کی تخلیق کے مظاہرے ہیں۔یقیناً ان کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔اس کے بغیر نہ تو کسی کے اندر یہ طاقت ہے اور نہ ہی کوئی ایسا اختیار

رکھتا ہے۔ وہی پروردگار ہے جو آسمان سے پانی اتارتا ہے اسی کے حکم سے بارش ہوتی ہے اور خشک و ویران زمین میں ہرے بھرے درخت پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگتا ہے۔ ان باغات سے جہاں ایک طرف زمین سبز لباس پہن کر خوبصورت ہو جاتی ہے وہاں دوسری طرف ان میں انسانوں کے لئے پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں۔ جن سے انسان اپنا رزق حاصل کرتا ہے۔ یہ شان تخلیق صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے۔ جو لوگ شرک کی ذلت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ وہ راستہ بھٹکے ہوئے اور گمراہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ہی زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا ہے یہ انسانی اور دیگر حیوانی مخلوقات کے لئے ایک مکمل گھر ہے جہاں ہر قسم کی ضروریات کا سامان موجود ہے۔ اس زمین پر اللہ تعالیٰ نے صاف و شفاف پانی کی نہریں جاری کر دی ہیں۔ جو انسانوں کی ضروریات کو پورا کرتی ہیں۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے مچھلیوں کی صورت میں شفاف گوشت بھی پیدا فرمایا ہے۔ جن سے انسان اپنی خوراک حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے استحکام کے لئے پہاڑ بنائے۔ اور پھر پہاڑوں کو بھی پرکشش بنا دیا۔ اس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ دو سمندروں کے درمیان پانی کی آڑ بنا کر اسے اپنی قدرت کاملہ کا نشان بنا دیا ہے۔ یہ دیکھ کر بھی لوگ کیوں نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ اور کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے۔ لوگوں کی اکثریت بے علم ہے جو اس حقیقت کا ادراک کرنے سے قاصر ہے۔ جب کوئی مظلوم یا بیمار فریاد کرتا ہے تو یہ فریاد اللہ تعالیٰ کے سوا کون سنتا ہے کون دکھ اور بیماری دور کرتا ہے اور کون ظلم سے نجات دلاتا ہے۔ وہ کون سی ذات ہے کہ جس نے بنی نوع انسان کو عزت دے کر زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ یہ دیکھ کر بھی لوگ یقین کیوں نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں اور بہت کم لوگ ہیں جو اس بارے غور و فکر کرتے ہیں۔ سمندروں میں اور خشکی پر رات کے اندھیروں میں مسافروں اور بحری جہازوں کو کون ان کی منزلوں سے آگاہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے تمام سمتوں کی طرف انسان کی راہنمائی فرما دی ہے اور وہ کون سی ذات ہے جو بھیجتی ہے ہواؤں کو کہ بادل کو اٹھا کر لاتی ہیں۔ اور یہ طلب گاروں کی طرف باران رحمت کا پیغام ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کون ایسا رحم و کرم کر سکتا ہے۔ جو ناسمجھ اور گمراہ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو بھی اپنا الٰہ بناتے ہیں۔ وہ سن لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے شرک کے تصورات سے بہت بلند ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کائنات کو اسی نے تخلیق فرمایا۔ پھر اس نظام کو موت کے گھاٹ اتار کر سب کچھ دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ یہ سوچنا چاہئے کہ تمام مخلوقات کو آسمان اور زمین کو کون رزق دے رہا ہے۔ کون پتھر کے سینے میں رہنے والے ایک کیڑے کو بھی رزق پہنچاتا ہے۔ پرندوں سے لے کر تمام چوپائیوں اور ہر قسم کی مخلوقات کو ان کی ضرورت کے مطابق خوراک عطا فرماتا ہے۔ فیصلہ کیجئے کہ یہ شان کریم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کس کی ہے اور اس کے سوا کون الٰہ ہو سکتا ہے۔ یقیناً جو لوگ شرک کر رہے ہیں۔ ان کے پاس اپنے اس قابلِ ملامت عمل کی کوئی دلیل نہیں ہے آسمانوں اور زمین میں جو بھی غیب ہے اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس

کے سوا یہ پوشیدہ باتیں کسی کے علم میں نہیں ہیں۔ انسان جو کہ سرکشی کر رہا ہے۔ اور نافرمانیوں پر اترا ہوا ہے وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ اسے قبر سے کب زندہ کر کے کھڑا کر دیا جائے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اکثر لوگ دنیاوی خواہشات کے پیچھے اس طرح بھاگ رہے ہیں کہ آخرت پر ان کا یقین ہی نہیں ہے۔ وہ اس بارے میں شکوک میں مبتلا ہیں۔ درحقیقت یہی اندھے لوگ ہیں۔ اور یہی کہتے ہیں کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کون ہمیں اٹھائے گا۔ یہ ان کی خام خیالی ہے جب وہ دن آئے گا۔ تو تمام ذی روح پلک جھپکنے میں زندہ ہو کر پروردگار کے حضور حاضر ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سچی توبہ کرنے والوں کے گناہ نیکیوں میں بدل دے گا

سورہ الفرقان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

(ترجمہ) جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک اعمال کیے۔ تو یہی وہ لوگ ہیں کہ بدل دے گا اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے اور اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

اس آیت میں انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے شان رحمی و کریمی سے ایک وسیع چھوٹ دی ہے اور جہنم سے بچنے کے لئے ایک بھرپور موقع عطا فرمایا ہے اب اگر اس پیش کش کے بعد بھی انسان جہنم میں جائے گا تو یہ اُس کی بہت بد نصیبی اور بدبختی ہوگی۔ یہ آیت مبارکہ گناہ گار اہل ایمان کے سامنے بخشش کے لیے کھلی نوید ہے جو آخرت سے ڈرتے ہیں۔ اور گناہوں سے خوفزدہ ہیں۔ وقت بالکل ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ زندگی کی ایک سانس کا بھی اعتبار نہیں وہی سچا عقلمند ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کر لے۔ یہ اس رحیم و کریم پروردگار کا انعام ہے کہ جو اس کے دربار میں سچی توبہ کرے گا تو نہ صرف یہ کہ اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ بلکہ جو بڑے یا چھوٹے گناہ ہیں۔ ان کو نیکیوں میں تبدیل کر دیا جائے گا سبحان اللہ۔ کیا عمدہ انعام ہے کہ وہ سیاہ کاریاں جو نامہ اعمال کے صفحات پر داغ تھیں۔ اب ثواب اور نیکیاں بن کر جگمگانے لگیں۔ ایسا تائب جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے نامہ اعمال پر نگاہ ڈالے گا تو اتنا اجر و ثواب دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائے گا۔ لیکن اس میں شرط صرف یہ ہے کہ یہ سچی اور اصلی توبہ ہو دکھاوے کی نہ ہو۔ اور شیطان جس گناہ کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرے تائب اس سے مکمل بچتا رہے کیونکہ انسان کا نفس حیوانی شیطان کا دست راست ہے جو انسان کو گناہوں کی غلاظت میں دھکیلنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ جب روز محشر انسان سخت ترین آزمائش سے دوچار ہوں گے۔ اور جہنم کی آگ جوش مار رہی ہوگی تو اس سے وہی بچ سکیں گے جو دنیا میں سچے دل سے توبہ کر چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر گناہ گار کی توبہ قبول

فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ قاتل کی توبہ قبول ہونے کے بارے میں بھی احادیث وارد ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں صحیح مسلم کی روایت کے مطابق ایک وہ شخص ہوگا جسے اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کے بڑے بڑے گناہوں کو چھوڑ کر چھوٹے چھوٹے گناہوں کی نسبت باز پرس کرو۔ چنانچہ اس سے سوال ہوگا کہ فلاں دن تو اس نے فلاں کام کیا تھا۔ فلاں دن فلاں گناہ کیا تھا۔ یہ ایک کا بھی انکار نہیں کر سکے گا۔ اقرار کرے گا آخر میں کہا جائے گا کہ تجھے ہم نے ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی دی۔ اب تو وہ شخص بہت خوش ہوگا۔ اور عرض کرے گا کہ میرے پروردگار میں نے بہت سے برے اعمال کئے تھے جنہیں نہیں پا رہا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انسان کو قیامت کے دن نامہ اعمال دیا جائے گا۔ وہ پڑھنا شروع کرے گا۔ تو اوپر اس کی برائیاں درج ہوں گی۔ جنہیں پڑھ کر وہ نا امید ہونے لگے گا اسی وقت اس کی نظر نیچے پڑے گی تو اپنی نیکیاں لکھی ہوئی پائے گا اور اس سے اسے کچھ حوصلہ ہوگا۔ اب دوبارہ اوپر کی طرف دیکھے گا تو وہاں برائیوں کو بھی بھلائیوں سے بدلہ ہوا پائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت سے لوگ ایسے بھی لائے جائیں گے کہ جن کے بہت گناہ ہوں گے۔ لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ یہ کون ہوں گے تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جنتی چار قسم کے ہوں گے۔ (1) شاکرین۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والے۔ (2) متقین۔ یعنی پرہیزگار۔ (3) خائفین یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والے۔ (4) اصحاب عین۔ یعنی وہ لوگ کہ جن کے دائیں ہاتھوں میں نامہ ہائے اعمال دیئے جائیں گے۔ جب یہ سوال کیا گیا کہ انہیں اصحاب عین کیوں کہا جاتا ہے جواب دیا اس لئے کہ انہوں نے نیکیاں بدیاں سب کچھ کی تھیں۔ اور ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ملیں گے۔ اور اپنی بدیوں کا ایک ایک حرف پڑھ کر کہیں گے کہ یا اللہ یہ سب ہماری بدیاں ہیں۔ نیکیاں کہاں ہیں۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ بدیاں مٹ جائیں گی۔ اور نیکیاں نمودار ہو جائیں گی۔ یہ لوگ خوش ہو کر اب دوسروں سے کہیں گے کہ آؤ اور ہمارے اعمال نامے دیکھو۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ برائیوں کو بھلائیوں سے بدلنا آخرت میں ہوگا۔ مکحول رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ ایک بوڑھا ضعیف آدمی جس کی بھنویں تک سفید ہوگئی تھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں ایک ایسا شخص ہوں جس نے کوئی گناہ، کوئی بدکاری نہیں چھوڑی۔ میرے گناہ اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اگر تمام انسانوں پر تقسیم ہو جائیں۔ تو سب کے سب اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہو جائیں۔ کیا میری بخشش کی بھی کوئی صورت ہے۔ کیا میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تیری تمام برائیاں، گناہ اور بدکاریاں سب کچھ معاف فرما دے گا۔ بلکہ جب تک تو اس پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ تیری برائیاں بھلائیوں سے

Marfat.com

بدل دے گا۔ پھر اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا میرے چھوٹے بڑے گناہ سب صاف ہو جائیں گے۔تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں سب کے سب۔ پھر وہ شخص خوشی خوشی تکبیر اور تہلیل پکارتا ہوا واپس لوٹ گیا۔ (طبرانی) ایک عورت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور دریافت فرمایا کہ مجھ سے بدکاری ہوگئی مجھ سے ایک بچہ ہوگیا میں نے اسے مار ڈالا۔اب میری توبہ قبول ہوسکتی ہے۔تو انہیں نے جواب دیا کہ نہ تو اب تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوسکتی ہیں نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں تیری بزرگی ہوسکتی ہے۔ تیرے لئے توبہ ہرگز نہیں۔ وہ روتی پیٹتی واپس چلی گئی۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ حضور ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو نے اس سے بہت ہی بری بات کہی ہے۔تو قرآن میں والذین لا یدعو سے الامن تاب تک آیات نہیں پڑھیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر رنج ہوا۔ اور میں عورت کے پاس گیا۔ اور اسے یہ آیات پڑھ کر سنائیں تو وہ خوش ہوگئی اور سجدے میں گر پڑی۔ اور کہنے لگی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے چھٹکارے کی صورت پیدا فرمادی (طبرانی) جو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے اور اپنے گناہوں پر نادم ہو کر توبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کی فریاد اور التجا سنتا ہے اور قبول فرماتا ہے۔ اور اسے بخش دیتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے۔ ومن یعمل سوء او یظلم نفسه جو برا عمل کرے اور اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو غفور الرحیم پائے گا۔ ایک اور جگہ ارساد ہے۔ الم یعلموا ان اللّٰہ یقبل التوبة (کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا ہے) ایک اور آیت میں ہے۔ قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم میرے ان گناہ کار بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ میری رحمت سے ناامید نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہی بیماری سے شفا بخشتا ہے

سورہ الشعراء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ

(ترجمہ) اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی (اللہ) مجھے شفا عطا فرماتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں حضرت براہیم کا مشرکوں کو جواب کے بارے میں ارشاد فرمایا جارہا ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی زندگی ورزق کا مالک ہے۔ اور حقیقی راہنمائی اس کی طرف سے ہی ہے۔ اور جب بیمار ہو جاؤں تو وہی شفا عطا فرماتا ہے۔ اس تمثیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان پر واضح فرما رہا ہے کہ بیماری سے شفاء عطا کرنا اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے جس کسی کو شفا عطا فرمانا چاہے تو اس کے لئے کئی راستے کھول دیتا ہے۔ اور کسی نہ کسی بہانے اسے صحت یاب کر دیتا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ بیمار ہونے کے بعد خود تندرست ہو جاتے ہیں۔ اور کئی لاعلاج قرار دیئے

Marfat.com

جانے والے کسی معمولی تدبیر سے بچ جاتے ہیں بظاہر جس کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین رکھنا چاہیے۔ ان آزمائشوں پر صبر کے ساتھ پورا اترنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا انعام تیار ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناپ تول پورا کرنے کا حکم

سورۃ الشعراء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ

(ترجمہ) پورا کیا کرو ناپ اور نہ ہو جاؤ کم ناپنے والوں میں۔ اور وزن کیا کرو صحیح ترازو سے۔

یہ نصیحت حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمائی تھی۔ جو کم ناپتے تھے۔ اور اصل وزن سے کم تولتے تھے۔ جب شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ نصیحت کی تو ان کی قوم نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تب ایک بڑے عذاب نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے افراد بالکل پسند نہیں ہیں۔ جو کم ماپتے ہیں۔ اور کم تولتے ہیں۔ یہ ظالم لوگ ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ اس طرح انہیں منافع ہوگا تو یہ ان کی خام خیالی ہے۔ آپ کسی ملاوٹ کرنے والے، کم تولنے اور کم ماپنے والے کو دیکھیں۔ ان کے رزق میں برکت نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ خواہ کتنے ہی کیوں نہ بچتے رہیں۔ آخر تباہی و بربادی کی لپیٹ میں آ ہی جاتے ہیں۔ اور خواہ کوئی کتنا ہی بظاہر متقی کیوں نہ ہو۔ وہ بھی ایسا کرے گا تو اسی طرح مجرم ہوگا جیسے کہ کوئی عام آدمی۔ انسان بے ایمانی اور بددیانتی کتنی ہی پوشیدہ کیوں نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں رہتا۔ قیامت کے دن ایسا کرنے والوں کو بھیانک اور دردناک عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ سوچنا چاہیے کہ آخر اتنی دولت جمع کر کے انسان کیا کرے گا۔ بے ایمانی کر کے دولت ان کے لئے چھوڑ جاتا ہے جو بعد میں قبر پر فاتحہ کے لئے بھی نہیں آتے یہی مناسب ہے کہ جائز رزق حاصل کیا جائے اور اس نیک کمائی سے اولاد کی پرورش ہو۔ اور ان کی جملہ ضروریات پوری کی جائیں۔

اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی بے بس نہیں کر سکتا ✓

سورۃ العنکبوت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ

(ترجمہ) اور نہیں ہو تم بے بس کرنے والے اللہ تعالیٰ کو زمین میں (بھاگ کر) اور نہ آسمان میں (پناہ لے کر) اور نہیں ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور مددگار۔

Marfat.com

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انسان اگر یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دے گا تو یہ اس کی محض خام خیالی ہے اللہ تعالیٰ کی لامحدود بصیرت سے بچ کر کوئی کس طرف نکلے گا۔ یہ پوری کائنات جو انسان کے لئے ناقابل عبور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہی ایک ملک ہے۔ اور اپنے ملک کو وہ خوب اچھی طرح جانتا ہے اس ملک کا ذرہ ذرہ اس کے علم میں ہے۔ اس کے احکام لمحہ لمحہ جاری وساری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بے کراں سلطنت کا ایک پہلو بھی انسان کے سامنے عیاں نہیں ہوسکا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا انکار کرتے ہیں۔ اپنے طور پر یہ تصور کئے بیٹھے ہیں کہ ان سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ دنیا کی زندگی کے بعد کوئی حشر نہیں ہوگا تو سمجھ لیجئے کہ یہ ایک دیوانے کی سوچ اور لاحاصل مفروضات کا احمقانہ سلسلہ ہے ایسے افراد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہتے ہیں اور غضب الٰہی ان کا احاطہ کرلیتا ہے ان کے دلوں پر آنکھوں پر اور کانوں پر مہر لگ جاتی ہے کوئی بھی نصیحت اور کوئی بھی بڑی سے بڑی دلیل سننے کے باوجود وہ کورچشم اور بہرے کے بہرے رہتے ہیں۔ اپنے جھوٹے مفروضات کو ہی اصل دانش وحکمت سمجھتے ہیں۔

آج کل ترقی یافتہ ممالک خلا کے بالکل نیچے کے حصوں میں چکر لگانے کے بعد اگر یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ کائنات کو مغلوب کرلیں گے تو یہ جاہلانہ سوچ ہے۔ چاند اور مریخ بالکل نزدیک کے کرے ہیں ایسے اربوں کھربوں نظام اس کائنات میں موجود ہیں۔ اور انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے نظام حیات کو قبول کرنے سے انکار کرتا رہا ہے تو اس کا انجام وہ خود ہی دیکھ رہا ہے طرح طرح کی بیماریوں اور ذہنی پریشانیوں نے نسل انسانی کو اس طرح اپنے حصار میں لے لیا ہے۔ کہ فنا کا خوفناک عفریت اب اسے لپیٹنے کے لئے تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ روز محشر کسی کے پاس کوئی بھی اختیار نہ ہوگا۔ اور وہاں کوئی کیسے بھاگ سکے گا۔ اس جہان میں سے بھی انسان راہ فرار اختیار کرنا چاہے تو اس کے لئے کسی بھی مقام پر اور کسی جگہ بھی کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ ہاں اگر امن وآشتی اور پناہ مل سکتی ہے تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے دامن کرم میں۔ وہی انسان کا مددگار ہے اس کے سوا کوئی بھی کسی کا نہ تو پرسان حال ہے اور نہ ہی مددگار۔ انسان کو چاہئے کہ وہ جعلی قسم کے مفروضوں کے پیچھے لگ کر حقائق کی نفی نہ کرے۔ بلکہ حقائق کو سمجھے اور ان پر کامل ایمان لائے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا ہلاکت سب کا مقدر ہے

سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْئٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ

(ترجمہ) نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے۔ اور ہر ایک چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔

Marfat.com

ان آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور اس کو بقا ہے۔ دوام ہے اس کی ذات کو فنا نہیں۔ باقی جو کچھ اس نے پیدا فرمایا ہے سب کو ہلاک ہونا ہے۔ یہ اس کا حکم بھی ہے اور اس کی حکمت بھی۔ وہ سب کو کیوں ہلاک فرمائے گا اس سوال کا جواب نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی مخلوق کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس بارے خالق سے کوئی استفسار کرے۔ اور قیامت کے بعد وہ انسان کو ہمیشہ زندہ کیوں رکھے گا۔ اس کا بھی نہ تو کوئی جواب دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی مخلوق میں یہ جرات ہے کہ وہ اس بارے میں استفسار کرے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو مکمل اختیار ہے کہ جب چاہے کسی کو ہلاک کر دے اور جب چاہے کسی کو زندگی عطا کرے۔ اگر وہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رکھے گا تو یہ بھی اس کی عطا ہے اور اس کے لئے بھی وہ کسی کا مجبور نہیں۔ ہاں اس نے خود اعلان فرما دیا ہے اور ہمارا دوبارہ زندہ ہونا اس کے حکم سے واجب ہو گیا ہے۔ اسے کوئی مجبوری نہ تھی کہ وہ لازمی ہمیں زندہ کرتا۔ اور یہ اس کریم کی ازلی وابدی حکمرانی اور کمال رحمت کی روشن دلیل ہے۔ جن لوگوں نے دنیا کے جھوٹے معبود بنائے ہوئے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اور ابدیت کی مالک ہے ان مشرکوں کے جھوٹے معبود فنا کا ایک جھٹکا برداشت نہیں کر سکیں گے۔ اور قیامت کے دن اُنہیں کو جب حقیقت کا پتہ چلے گا تو وہ ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ لیکن وہاں ان کے لئے معافی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ ان کے خود ساختہ تصورات ریت کے گھروندوں کی طرح بکھر جائیں گے۔ اس لئے اب بھی وقت ہے دنیا کی زندگی ایک مہلت ہے سچا دانشور اور نفع بخش سودا کرنے والا تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی کبریائی پر دل وجان سے ایمان لاتا ہے اور اس کی زندگی کے شب وروز اس کے احکامات کے تعمیل میں بسر ہوتے ہیں۔

ان ربک لبالمرصاد کی تفسیر

ان ربک لبالمرصاد کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ بات یہ ہے کہ دوزخ کے آٹھ درجات ہیں۔ اول درجہ پر بندہ سے ایمان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اگر ایمان دار ہے تو نجات پا جائے گا ورنہ دوزخ میں گر پڑے گا۔ دوسرے درجہ میں وضو اور نماز کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اگر بندے نے اس میں قصور کیا ہے تو اس میں گر پڑے گا۔ اور اگر اس نے رکوع وسجود کی تکمیل کی ہوگی تو نجات پا جائے گا۔ تیسرے درجہ میں زکوٰۃ کی بابت سوال کیا جائے گا۔ اگر ادا کی ہوگی تو بچ جائے گا چوتھے درجے میں روزہ کے بارے میں سوال کیا جائے گا اگر ماہ صیام کے روزے رکھے ہیں تو نجات پا جائے گا پانچویں درجہ میں حج اور عمرہ کے بارے میں پرستش ہوگی۔ اگر یہ فرض ادا کیا ہوگا تو نجات پا جائے گا۔ چھٹے درجہ پر امانت ودیانت کے بارے میں دریافت کیا جائے گا اگر امانت دار ہوگا تو نجات پا جائے گا۔ ساتویں درجہ پر جھوٹ' غیبت اور

Marfat.com

منافقت وغیرہ کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ کہ ان سے بچتا رہا یا نہیں اگر بچتا رہا ہے تو نجات پائے گا ورنہ دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔ آٹھویں درجہ پر اس سے حرام مال کھانے کے بارے میں سوال کیا جائے گا اگر مال حرام کھایا ہے تو جہنم میں گرا دیا جائے گا ورنہ رہائی مل جائے گی یہی معنی ہیں ان ربک لبا المرصاد کے یعنی تیرا پروردگار بلاشبہ گھات میں ہے۔

من عرف نفسه فقد عرف ربه کی تشریح

اس بارے میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ وجود باری تعالیٰ ہر چیز و کمال کا منشاء اور ہر حسن و جمال کا آغاز کرنے والا ہے کہ جس کی کیفیت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ نہ ہی ذہنی طور پر اور نہ خارجی طور پر اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا تصور میں آنا محال ہے اگرچہ عمل کی نسبت کی بھی اس مقام میں فی الحقیقت کچھ گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ تمام نسبتیں وہاں ساقط ہوگئی ہیں۔ اور وہ وجود جو عام اور مشترک ہے۔ وہ اس وجود خاص کے نشانات میں سے ایک نشان ہے۔ اور یہ ذات حق تعالیٰ و تقدس کی گواہی دے رہا ہے۔ اور اس ظل سے مراد تنزلات کے مرتبوں میں حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کا ظہور ہے اور اس ظل کے افراد میں سے اولی و اقدام و اشرف وہ فرد ہے جو ذات تعالیٰ پر از روئے اشتقاق کے محمول ہے۔ پس حقیقت کے ہر مرتبہ میں اللہ تعالیٰ وجود کہہ سکتے ہیں۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ موجود۔ اور ظل کے مرتبہ میں اللہ تعالیٰ موجود صادق ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ وجود اور چونکہ علماء اور صوفیا کا ایک گروہ اس فرق کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکا۔ اور ظل کو اصل سے جدا نہیں کیا۔ انہوں نے اشتقاق اور مواطات دونوں کو ایک ہی مرتبہ میں ثابت کیا ہے۔ اور اشتقاق کے صحیح کرنے میں بے جا تکلف اور حیلہ کے محتاج ہوئے ہیں۔

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے الہام سے ثابت ہے۔ اور یہ حقیقت و ظلیت تمام حقیقی صفات کی اصالت و ظلیت کی طرح ہے۔ کیونکہ ہو مرتبہ حقیقت میں جو غیب الغیب کا مقام ہے۔ ان صفات کی نسبت کرنا مواطات کے طریق پر ہے نہ کہ اشتقاق کے طریق پر۔ پس اللہ علم کہہ سکتے ہیں۔ اور اللہ عالم نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اشتقاق میں مغائرت کا ہونا ضروری ہے۔ اگرچہ بالاعتبار ہی ہو۔ اور وہ یہاں بالکل ہی مفقود ہے۔ کیونکہ مغائرت ظلیت کے مرتبوں میں ہوتی ہے۔ اور اس جگہ کوئی ظلیت نہیں۔ کیونکہ وہ تعین اول سے کئی درجے بلند ہے اس لئے کہ نسبتیں اس تعین میں سرسری طور پر ملحوظ ہیں۔ اور اس مقام میں اشیاء میں سے کسی شے کا کسی طرح کا ملاحظہ نہیں ہے۔ اور مرتبہ ظل میں جو اس اجمال کی تفصیل ہے۔ حمل اشتقاق صادق ہے نہ کہ حمل مواطات۔ لیکن ان صفات کی حقیقت اس مرتبہ میں وجود تعالیٰ کی حقیقت کی طرح فرع ہے جو ہر خیر و کمال کا مبداء اور حسن و جمال کا منشاء ہے۔

Marfat.com

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ عارف جس کی توجہ کا قبلہ احدیت ذات ہے اور اسماء وصفات میں سے کچھ اس کے مدنظر نہیں ہے اس مقام میں ذات تعالیٰ کو ہی پاتا ہے۔ پس حق تعالیٰ وتقدس سے صفات کا الگ ہونا نہ ہی عارف کے ملاحظہ کے اعتبار سے ثابت ہوا اور نہ ہی حقیقت امر کے اعتبار سے اور اس بیان سے من عرف نفسه فقد عرف ربه کے معنی بھی ظاہر ہوگئے۔ کیونکہ جس نے اپنے آپ کو نقص کے ساتھ پہچان لیا اور جان لیا کہ ہر خیر یا کمال میں جو اس میں پوشیدہ کیا گیا ہے۔ وہ حضرت واجب والوجود کی طرف سے عطا کردہ ہے۔ پس وہ ضرور حق سبحانہ وتعالیٰ کو خیر وکمال وحسن و جمال کے سرچشمہ کی حیثیت سے پہچان لے گا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کا اپنا وجود ہی دلیل ہے

حق تعالیٰ سے بڑھ کر اور کونسی ذات اظہر ہے۔ کیونکہ تمام اشیاء اسی سے ظاہر ہوئی ہیں۔ پس وہ اپنی ذات اور ماسویٰ پر دلیل ہے۔ اس لئے تو کہتے ہیں۔

عرفت ربی و عرفت الاشیاء به تعالیٰ

میں نے اللہ تعالیٰ کو اللہ ہی کے ساتھ پہچانا۔ اور اشیاء کو اس کے ساتھ پہچانا۔

اور سچ تو یہ ہے کہ یہاں پر دلیلوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ وسبحانہ کے موجود ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس کے ظہور میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور وہ تمام بدیہیات سے زیادہ روشن ہے اور سوائے اس شخص کے کہ جس کے دل میں مرض اور اس کی آنکھوں پر پردہ ہو۔ وہ تمام اشیاء جو ظاہری سے محسوس کی جاتی ہیں۔ اور ظاہری طور پر معلوم ہیں ان سب کا وجود اس ذات پاک کی طرف سے ہے۔

(مکتوبات امام ربانی۔ مکتوب 247)

عرش باری تعالیٰ

عرش اللہ تعالیٰ کے عجائب تخلیق میں سے ہے اور وہ بلند جہان میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے دونوں سے بھی مناسبت رکھتا ہے۔ اور عالم دنیا کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا گیا ہے۔ اور عرش کی تخلیق ان سب سے پہلے ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے کان عرشه علی الماء کہ اس کا عرش پانیوں پر تھا۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی پیدائش بھی پہلے ہے۔ پس عرش مجید جس طرح زمین کی جنس نہیں ہے اس طرح آسمانوں کی بھی جنس نہیں ہے کیونکہ وہ عالم امر سے۔

مختصر یہ کہ چونکہ عرش کو آسمانوں سے بہت زیادہ مناسبت ہے تو لازمی طور پر اسے آسمانوں میں شمار کیا گیا۔ ورنہ حقیقت میں وہ جیسے زمین سے نہیں ہے اسی طرح اسمانوں سے بھی نہیں ہے۔ باقی

رہا کرسی کا معاملہ۔ تو آیات کریمہ کا مفہوم یہ ظاہر کرتا ہے کہ کرسی بھی آسمانوں سے الگ ہے اور ان سے زیادہ وسیع ہے اور شک نہیں ہے کہ کرسی عالم امر سے نہیں ہے کیونکہ عارفین کرسی کو عرش سے نیچے بناتے ہیں اور عالم امر کا معاملہ عرش سے اوپر ہے۔ اور چونکہ کرسی عالم خلق سے ہے اور اس کی پیدائش ان چھ دنوں سے پہلے ہے۔ اور چونکہ کرسی کا معاملہ ہمارے فہم وادراک سے بہت بلند ہے اس لئے اس بارے میں تشریح ناممکن ہے۔ اس تحقیق سے دو طاقتور اعتراضات خود بخود دور ہو گئے ایک تو یہ کہ جب زمین وآسمان نہیں تھے۔ تو پھر چھ دن کا تعین کس طرح ہوا۔ اور اتوار کا دن سوموار کے دن سے کس طرح جدا ہوا۔ اور منگل بدھ سے کیسے الگ ہوا۔ اور جمعرات کا دن کیسے نمایاں ہوا۔ جب عرش کی پیدائش زمین وآسمان کی پیدائش سے پہلے معلوم ہو چکی تو زمانہ کا موجود ہونا ثابت ہو گیا۔ اور ایام کا ثبوت واضح طور پر مہیا ہوا۔ اور اعتراض ختم ہوا اور یہ تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ ایام کا تعلق صرف سورج کے طلوع وغروب سے ہو۔ کیونکہ بہشت میں طلوع وغروب نہیں ہے۔ اور دونوں کا امتیاز ثابت ہے۔ عرش مجید کے آثار واحکام علیحدہ ہیں۔ جاننا چاہئے کہ عرش مجید جو کہ ظہور تام کا محل ہے جب آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے ان سب کو عرش کے مقابل لاتے ہیں۔ تو بلاشبہ تمام اشیاء اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھیں۔

(امام ربانیؒ کے مکتوبات سے ماخوذ)

عرش کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ کا موقف

"جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نے خالص تجرد اور عین اطلاق سے عرش عظیم کو پیدا کیا۔ اور ہمارے نزدیک اس کا مفہوم ایک جسم کامل ہے۔ کہ جس نے تمام اطراف کو گھیر رکھا ہے۔ یہی وہ عرش عظیم ہے۔ اور اگرچہ اسے ہم نے جسم سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن وہ تدبیر اتم (مکمل تدبیر) کا مظہر ہونے کی وجہ سے روحانی ہے۔ اور اس میں ایک روح کلی ہے۔ آیات اور احادیث اس سلسلے میں کثرت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں مثلاً اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا تا کہ آزمائے کہ کون تم میں سے بلحاظ عمل سب سے بہتر ہے۔ اور امام بخاریؒ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ کہ جس کے بعد اس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کی اور لوح محفوظ میں ہر ایک چیز لکھ دی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آسمانوں اور زمین کو پانی سے پیدا کیا۔ فلاسفہ فضول بحث کرتے ہیں۔ لیکن ہمارا موقف تو یہ ہے کہ عرش موجود ہے۔

Marfat.com

ایمان اور منافقت کی نشانیاں

ایمان کی حقیقت

اس بات کو بخوبی سمجھ لینا چاہئے ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کا ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرمانبردار بن جائے۔ اس لئے کسی نہ کسی شکل میں حکمت، عصمت اور وجاہت اس کا اقتضاء ذاتی ہے۔ اگرچہ یہ عالم مادی ان صفات کے کما حقہٗ ظہور میں آنے میں رکاوٹ ہے۔ اسی طرح کفر کا یہ مفہوم ہوا کہ جو شہادتین کا منکر ہو۔ اس اصطلاح کو پیش نظر رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایمان صرف اقرار باللسان ہے اور کفر کا یہ معنی ہوا کہ زبان سے شہادتین کا انکار کرے۔ اور اسی پر شرعی احکام جاری ہوتے ہیں۔

شریعت کی ایک اور اصطلاح بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ مومن کا لفظ اسی کیلئے مخصوص ہے کہ جس میں یہ صفات مذکورہ کسی نہ کسی شکل میں موجود ہوں۔ چنانچہ اس کے علاوہ دوسری قسم کو منافق اور مریض القلب (یعنی دل سے دوسرا) کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے۔

منافق کی حقیقت

اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں منافق کے دو معانی ہیں۔ ایک وہ جو زبان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تصدیق کرے۔ لیکن اس کی زبان شرمگاہ اور دل وغیرہ کو گناہوں نے گھیر رکھا ہو اور دل کے امراض میں سے شرک بھی ہے۔ یعنی بتوں سے مرادیں مانگی جائیں۔ ان کی پوجا کی جائے۔ ان کے لئے جانوروں کو ذبح کیا جائے۔ منتیں مانی جائیں اور ان کے نام کی قسمیں کھائی جائیں۔ جب کہ انسان اللہ تعالیٰ کو خالق بھی مانتا ہو آخرت اور انبیاء کرام پر بھی ایمان رکھتا ہو۔ یہ سخت ترین نفاق ہے۔ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے ایسے اہل کتاب جو جہالت کے سبب خفی شرک کے مرتکب ہوئے جو ان کی نیت میں نہیں تھا۔ تو وہ عذاب کے بعد جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ کیونکہ وہ خطا کار تھے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو پناہ سمجھتے تھے۔ تاوقتیکہ کوئی دوسرا رسول نہ آیا۔ مگر جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو سچ ظاہر ہو گیا اور جھوٹ ثابت ہو گیا پھر اس کے بعد افعال شرکیہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے یہود و نصاریٰ اس قسم کے نفاق میں داخل تھے۔ چنانچہ جب آپ مبعوث ہو گئے اور ان پر حق ثابت ہو گیا اور اس چیز کی جانب اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اسارہ کیا ہے۔ کہ ہم کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے کہ جس وقت تک ان کے پاس کوئی رسول نہ بھیجیں۔ حسد و بغض اور خواہشات کی پرستش وغیرہ قلب کے امراض ہیں۔ اور ان کے بارے

Marfat.com

میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اعضاء کے امراض شمار سے باہر ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جس کو گناہ نے گھیر لیا۔ یا کسی ایسے شک میں مبتلا ہوا۔ وہ پہلے معانی کے اعتبار سے منافق ہے اور اسی چیز کا صحابہ کرام خوف کیا کرتے تھے۔

دوسری قسم کا منافق وہ ہے کہ دل سے جھٹلائے۔ اور زبان سے اقرار کرے تو اس کا انجام آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہے۔ ان منافقین کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مسلمان ان کیلئے بالکل استغفار نہ کریں۔ الغرض منافق کا لفظ ان دونوں معنوں میں مشترک ہے۔ اس تحقیق کے نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ مغالطے میں پڑ جاتے ہیں۔ اور کفر کی اقسام کے لئے شریعت میں کوئی احکام نہیں۔ کیونکہ اس چیز پر اتفاق ہے کہ کافر سب دوزخی ہیں۔

اللہ کے اسماء گرامی کے مفہوم کی حیثیت سے طبقات

(1) اللہ یہ ایسا گرامی اسم ہے جو ذات پر دلالت کرتا ہے اور اس کے قریب قریب اسم الحق ہے۔ جب کہ اس سے ذات واجب الوجود ہونے کی حیثیت مراد ہے۔

(2) جو اسماء گرامی ذات مع سلب پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کی مثال القدوس اور السلام اور الغنی اور الاحد وغیرہ ہیں۔ چنانچہ القدوس وہ ہے جو تمام خیالات اور توہمات کی نسبت سے پاک اور مسلوب عنہ ہے۔ السلام وہ ہے کہ جس سے ہر قسم کے عیوب کی نفی کی گئی ہے۔ الغنی وہ ہے جس سے کسی بھی قسم کی دوسرے سے حاجت کی نفی کی گئی ہے۔ الاحد سے ہر قسم کی مثال اور تقسیم کی نفی کی گئی ہے۔

(3) جو اسمائے ذات مع اضافت پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کی مثال العلی اور العظیم اور الاول اور الاخر اور الظاهر اور الباطن وغیرہ ہیں۔ العلی وہ ذات ہے جو تمام ذاتوں سے رتبہ میں برتر ہے۔ اس کو اضافت کہتے ہیں۔ عظیم ذات اقدس پر اس حیثیت سے دلالت کرتا ہے کہ وہ ادراکات کی حدود سے متجاوز ہے۔ اول وہ ہے جو تمام موجودات سے بہت پہلے ہے۔ آخر کے معانی ہیں کہ جس کی طرف تمام موجودات کا انجام ہے۔ ظاہر یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات دلالت عقل کی نسبت سے ہے۔ باطن یعنی اللہ کی ذات حس وہ وہم کے ادراک کی نسبت سے ہے۔

(4) جو اسمائے ذات مع سلب و اضافت کے معنی رکھتے ہیں۔ ان کی مثال الملک اور العزیز ہے۔ کیونکہ ملک اس ذات پر دلالت کرتا ہے۔ جو کسی کی محتاج نہ ہو۔ اور اس کی محتاج ہر چیز ہو۔ اور عزیز وہ ہے۔ کہ جس کی مثال نہ ہو اور اس کا حاصل کرنا اور اس تک پہنچنا نہایت مشکل ہو۔

(5) جو اسمائے گرامی کسی صفت کے معنی میں ہیں۔ ان کی مثال العلیم اور القادر اور الحی' السمیع اور البصیر ہے۔

(6) جن اسماء کا مطلب علم مع اضافت ہو اان کی مثال الخبیر اور الحکیم اور الشھید اور المحصی ہے۔ خبیر کی دلالت علم پر باطنی امور کے لحاظ سے ہے۔ اور شہید کی دلالت علم پر مشاہدات کے لحاظ سے ہے۔ اور حکیم کی دلالت اشرف المعلومات کے لحاظ سے ہے۔ محصی کی دلالت اس حیثیت سے کہ وہ معلومات محصورہ و معدودہ سے متعلق ہے۔

(7) جو اسمائے قدر مع اضافت کا مفہوم رکھتے ہیں۔ ان کی مثال القہار اور القوی اور المقتدر اور المتین ہیں۔ کیونکہ قوت کمال قدرت ہے اور متین شدت قدرت ہے۔ اور قہر تاثیر قدرت ہے۔

(8) جن اسماء کا مفہوم ارادہ مع اضافت بالفعل ہے ان کی مثال الرحمن اور الرحیم' الروف اور الودود ہے۔ کیونکہ رحمت کا مفہوم وہ ارادہ ہے۔ جس سے کسی محتاج ضعیف کی حاجت کا مفہوم مبالغہ کے ساتھ ادا کرتا ہے ود کے معنی وہ ارادہ جو احسان و انعام کو ظاہر کرتا ہے۔ رحیم کا فعل محتاج کا مستدعی ہے۔ ودود کا فعل انعام بطریق ابتداء کا مستدعی ہے اور یہ اس ارادہ کی طرف راجع ہوتا ہے جو احسان اور حاجت روائی سے مضاف ہے۔

(9) جو اسماء صفات فعل کا مفہوم رکھتے ہیں۔ ان کی مثال الخالق' الباری' المصور' الوھاب' الرزاق' الفتاح' القابض' الباسط' الخافض' الرافع' المعز' المزل' العدل' المقیت' المجیب' الواسع' الباعث' المبدی' المعید' المحی' الممیت' المقدم' الموخر' الوالی' البر' التواب' المنتقم' المقسط' الجامع' المانع' المغنی' الھادی وغیرہ

(10) جو اسمائے گرامی فعل پر کسی زیادتی کے ساتھ دلالت کرتے ہیں ان کی مثال المجید اور الکریم ہے۔ کیونکہ مجید وسعت اکرام پر دلالت کرتا ہے۔ جس کے ساتھ شرف ذات بھی شامل ہے۔ یہی معنی کریم کے ہیں۔ اور لطیف فعل کی نرمی پر دلالت کرتا ہے۔ (بحوالہ امام غزالیؒ)

اللہ تعالیٰ کے احاطہ قرب اور معیت کا راز

قرب معیت اور احاطہ قرب اور وصل و اتصال اور توحید و اتحاد ان جیسے الفاظ اللہ تعالیٰ کے متعلق متشابہات اور شطحیات کے قبیل سے ہیں۔ قرب و معیت اور وصل و اتصال جو ہمارے فہم میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے لیکن صرف اسی قدر معلوم ہوا ہے کہ یہ قرب وغیرہ ایسا قرب و اتصال ہے۔ جو کہ آئینہ اور صورت کے درمیان ہوتا ہے۔ جو اس آئینہ مں متوہم ہے چونکہ حضرت حق وسبحانہ وتعالیٰ موجود حقیقی ہے اور عالم حسن و وہم کے مقام میں پیدا ہوا ہے۔ اور اس قرب و معیت سے اللہ تعالیٰ کی جناب پاک میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ اگر گھٹیا قسم کی چیزیں آئینہ میں منعکس ہوں تو

Marfat.com

آئینہ میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔ اور کوئی خرابی اس میں داخل نہیں ہوتی کیونکہ جس مرتبہ میں آئینہ ہے۔ متوہمہ اشیاء کا اس مرتبہ میں کوئی نام ونشان نہیں ہے کہ ان کی صفات میں تاثیر کریں۔

یہ جاننا چاہئے کہ قرب واتصال اس معنی کے بغیر جس کا ذکر ہوا ہے جس طرح سے بھی تصور کریں اور سمجھنے کی کوشش کریں وہ تجسیم اور تشبیہ کی آمیزش ضرور رکھتا ہوگا۔ اور ذات اقدس اس قسم کے عقائد سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذات اقدس سے قیام کے معنی

اللہ تعالیٰ کی صفات جو کہ اس کی ذات کے ساتھ قیام رکھتی ہیں مثلاً حیات، قدرت اور علم وغیرہ۔ وہ اپنے کمال تنزہ وتقدس کی وجہ سے ممکن کی صفات سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتیں۔ کیونکہ ممکن کی صفات اعراض سے ہیں۔ جو جواہر کے ساتھ قیام رکھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات جواہر کے قائم کرنے والی ہیں۔ اور جواہر کا قیام انہی سے ہے۔ اور پھر یہ فرق بھی ہے کہ ممکن کی صفات میت کا حکم رکھتی ہیں۔ اور جماد محض ہیں اور حیات وعلم وغیرہ سے بے نصیب ہیں۔ اس طرح ہر وہ صفت یا شان جو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کی جائے ان سب میں حیات وعلم کا ثبوت معلوم ہوتا ہے۔ اور خالص نور نظر آتی ہیں۔ گویا وہ نور سب کا سب علم اور انکشاف ہے اور سب کا سب حیات ہے۔ اس بحث کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا قیام ذات اقدس سے اس طرح نہیں ہے کہ جیسے عرض کا قیام جوہر سے ہوتا ہے۔ بلکہ ان کا قیام اس طرح سے ہے جیسے مصنوع کا قیام صانع سے ہوتا ہے۔ کہ صانع اپنے مصنوع کا قیوم ہے۔

ہمارا کہنا تو یہ ہے کہ جس مقام میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات حقیقہ مقدسیہ ہیں جو کہ حضرت ذات سے قائم ہیں۔ صفت اور اتصاف کا کوئی ملاحظہ اس جگہ ثابت نہیں ہے۔ جہاں تک علو ذات اور بے نیازی کا معاملہ ہے۔ نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں موصوفیت کا کوئی ادراک ہے۔ اور نہ صفات مقدسہ میں صفاتیت ملحوظ ہے جس طرح کہ کسی کی بحیثیت موجود جل شانہٗ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گنجائش نہیں ہے۔ تو صفت واتصاف کی کیا مجال ہے۔ جو کہ وجود کی شاخ ہیں۔ اس مقدس مقام میں سوائے نور کے کسی اور کی گنجائش نہیں ہے۔ اور وہ بھی بے چوں ہے اگر حیات ہے تو وہ بھی نور ہے۔ اور اگر علم ہے تو بھی نور ہے۔ اور اس نور اقدس بے چون کو اگر مرتبہ ثانی میں بے تغیر وانتقال اثبات کیا جائے۔ تو یقیناً اس کی مظہیرت کے قابل سوائے وجود کے اور کوئی چیز دوسری نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا تعین اول تعین وجود ہے اور باقی سب تعینات اس تعین کے تابع ہیں۔ اگرچہ تعین کے لفظ کا اطلاق بھی اس جگہ گنجائش نہیں رکھتا۔ اور یہ دعا ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں علم اور نور عطا فرما اور ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے۔ آمین

Marfat.com

عقائد توحید کے بارے میں مجدد الف ثانیؒ کا مکتوب

(بحوالہ مکتوب 266 حصہ چہارم دفتر اول)

اس خط میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مجلّہ عقائد غیب پر نہایت مدلل بحث کی ہے۔ اور اس خط کو من وعن آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

عقیدہ اول

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ وتقدس خود موجود ہے۔ اور تمام اشیاء اسی کی ایجاد سے موجود ہیں اور حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یگانہ ہے۔ اور فی الحقیقت کسی امر میں خواہ وجودی ہو یا غیر وجودی، کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں مشارکت کی لفظی بحث سے خارج ہے۔

عقیدہ دوم

اللہ تعالیٰ کے صفات اور افعال اس کی ذات کی طرح بیچوں اور بچگون ہیں۔ اور ممکنات کی صفات وافعال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔ مثلاً صفت العلم حق تعالیٰ کی ایک صفت قدیم اور بسیط حقیقی ہے جس میں کثرت اور تعدد کو ہرگز دخل نہیں ہے۔ اگرچہ وہ کثرت اور تعدد تعلقات کی تعدد کے اعتبار سے ہو۔ کیونکہ وہاں صرف ایک ہی بسیط انکشاف ہے کہ جس سے ازل وابد کے معلومات منکشف ہوتے یں اور تمام اشیاء کو ان کے متضادہ اور متناسبہ احوال کے ساتھ کلی اور جزوی طور پر ہر ایک کے مخصوصہ اوقات میں آن واحد بسیط جانتا ہے۔ یعنی اسی لمحے میں زید کو موجود بھی جانا اور معدوم بھی علق بھی جانا ہے اور بچہ بھی، جوان بھی جانا اور بوڑھا بھی، زندہ بھی جانا اور مردہ بھی اور کھڑا ہوا جانا ہے اور بیٹھا ہوا بھی اور لذت پانے والا جانا ہے اور رنج ودکھ پانے والا بھی اور عزیز جانا ہے اور ذلیل بھی اور برزخ میں جانا ہے اور حشر میں بھی اور جنت میں جانا ہے اور لذت ونعمت میں بھی، پس تعلق تعدد بھی اس موطن میں مفقود ہے۔ کیونکہ تعلقات کا تعدد وقتوں کا تعدد اور زمانوں کا تکثر چاہتا ہے اور وہاں ازل سے ابد تک صرف ایک ہی آن واحد بسیط ہے۔ جس میں کسی قسم کا تعدد نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ پر زمانہ اور تقدم وتاخر کے احکام جاری نہیں ہوتے۔

پس حق تعالیٰ کے علم میں اگر ہم معلومات کے ساتھ تعلق ثابت کریں تو ایک ہی تعلق ہوگا جو تمام مخلوقات کے ساتھ متعلق ہے۔ اور وہ تعلق بھی مجہول الکیفیت ہے۔ اور صفت العلم کی طرح بیچون و بچگوں ہے۔

ہم اس تصور کے استبعاد (یعنی قیاس اور فہم سے دور اور بعید ہونے) کو ایک مثال بیان کر کے

Marfat.com

دور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں کلمہ کو اس کی مختلف قسموں اور مختلف احوال ومضاد اعتباروں کے ساتھ جان لے۔ یعنی ایک ہی وقت میں کلمہ کو اسم بھی اور فعل بھی اور حرف بھی اور مثنوی بھی اور رباعی بھی اور معرب بھی اور مبنی بھی، متمکن بھی اور منصرف بھی اور غیر منصرف بھی اور معرفہ بھی اور ماضی بھی اور مستقبل بھی اور امر بھی اور نہی بھی جان لے۔ بلکہ وہ شخص اگر یوں کہہ دے کہ میں کلمہ کی تمام اقسام واعتبارات کو کلمہ کے آئینہ میں ایک ہی وقت میں مفصل طور پر دیکھتا ہوں تو بھی جائز ہے۔ جب ممکن کے علم بلکہ ممکن کی دید میں اضداد کا جمع ہونا متصور ہے تو پھر اس واجب الوجود والله المثل الاعلى کے علم میں یہ بات کس طرح بعید معلوم ہوتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس جگہ اگرچہ بظاہر ضدیں جمع ہیں مگر حقیقت میں ان کے درمیان ضدیت نہیں ہے کیونکہ زید کو آن واحد میں موجود اور معدوم جاننا ہے کہ اس کے وجود کا وقت مثلاً ہزار سال کے بعد ہے اور اس کے عدم سابق کا وقت اس مقررہ سال سے پہلے ہے اور اس کے عدم لاحق کا وقت گیارہ سو سال کے بعد ہے۔ پس حقیقت میں ان دونوں کے درمیان زمانہ کی تبدیلی کے باعث کوئی ضدیت نہیں ہے۔ اور باقی احوال کو بھی اسی اصول پر سمجھنا چاہئے۔

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ حق تعالیٰ کا علم اگرچہ جزئیات کے ساتھ متعلق ہو۔ لیکن تغیر کی آمیزش اس میں دخل نہیں پاتی۔ اور حدوث کا گمان اس صفت میں پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کہ فلاسفہ نے خیال کیا ہے۔ کیونکہ تغیر اس تقدیر پر متصور ہو سکتا ہے۔ جب کہ ایک کو دوسرے کے بعد جانا ہو۔ اور جب سب کو آن واحد میں جان لے۔ تو پھر تغیر وحدوث کی گنجائش نہیں ہے پس کچھ حاجت نہیں ہے کہ ہم اس کے واسطے تعلقات متعددہ ثابت کریں تا کہ تغیر وحدوث ان تعلقات کی طرف راجع ہو نہ کہ صفت علم کی طرف جیسے کہ بعض متکلمین نے فلاسفہ کے شبہ کو دفع کرنے کے لئے کیا ہے۔ ہاں اگر معلومات کی جانب تعلقات کا تعدد ثابت کریں تو ہو سکتا ہے۔

اور اسی طرح کلام بسیط ہے کہ ازل سے ابد تک اسی ایک کلام کے ساتھ متکلم ہے۔ اگر امر ہے، تو وہیں سے پیدا ہے اور اگر نہی ہے، تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ اور اگر اعلام ہے، تو وہ بھی وہیں سے ماخوذ ہے اور اگر استعلام ہے، تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ اور اگر تمنی یا ترجی ہے، تو وہ بھی وہیں سے استفادہ کردہ ہے۔

تمام نازل شدہ کتابیں اور صحیفے اس کلام بسیط کا ایک ورق ہیں۔ اگر توریت ہے تو وہیں سے لکھی گئی ہے اور اگر انجیل ہے تو اس نے بھی وہیں سے لفظی صورت حاصل کی ہے اور اگر زبور ہے تو وہیں سے مسطور ہے۔ اور اگر فرقان ہے تو وہ بھی وہیں سے نازل ہوا ہے۔

"واللہ کلام حق کہ علی الحق یکست و بس"

واللہ درحقیقت ایک ہی کلام ہے اور بس۔

Marfat.com

ہاں نزول میں مختلف آثار آئے ہیں۔

اور اسی طرح ایک فعل ہے اور اس ایک فعل کے ذریعے اولین و آخرین مصنوعات وجود میں آ رہے ہیں۔ آیت کریمہ:

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ

"آنکھ کے جھپکنے کی طرح ہمارا امر صرف ایک ہی ہے"۔

اس آیت میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اگر احیا (زندہ) اور اماتت (موت) ہے تو اسی فعل سے وابستہ ہے۔ اور اگر انعام یا سرزنش ہے تو اسی فعل سے متعلق ہے۔ اور ایسے ہی اگر ایجاد ہے یا مٹا دینا تو وہ بھی اسی فعل سے پیدا ہے پس حق تعالیٰ کے فعل میں بھی تعدد تعلقات ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ہی تعلق سے تمام اول و آخر مخلوقات اپنے اپنے وجود کے مخصوصہ اوقات میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ یہ تعلق بھی حق تعالیٰ کے فعل کی طرح بے شک وشبہ ہے۔

لا يحمل عطايا الملک الا مطاياه

"بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں"

بعض صوفیہ نے جو تجلی افعال ثابت کی ہے اور اسی مقام میں ممکنات کے افعال کے آئینہ میں اس واحد جل شانہ کے فعل کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا ہے۔ وہ بھی اسی قسم سے ہے۔ یعنی وہ تجلی درحقیقت حق تعالیٰ کے فعل کے آثار کی تجلی ہے نہ کہ حق تعالیٰ کے فعل کی تجلی کیونکہ حق تعالیٰ کے فعل کے لئے جو بیچون اور بیچگون قدیم اور اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور جس کو کہ تکوین کہتے ہیں۔ تخلیقات کے آئینوں میں کوئی گنجائش نہیں اور ممکنات کے مظہروں میں اس کا کوئی ظہور نہیں۔

افعال وصفات کی تجلی ذات کی تجلی کے سوا متصور نہیں ہے۔ کیونکہ افعال وصفات حق تعالیٰ سبحانہ وتقدس کی ذات پاک سے الگ نہیں ہیں۔ تا کہ ان کی تجلی ذات کی تجلی کے سوا متصور ہو سکے۔ اور وہ چیز جو حق تعالیٰ کی ذات سے الگ ہے وہ حق تعالیٰ کی صفات اور افعال کے ظلال ہیں۔ جن کی تجلی کو افعال وصفا کے ظلال کی تجلی کہنا چاہئے نہ کہ افعال وصفات کی تجلی۔ لیکن ہر شخص کا فہم اس کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

"یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے"۔

تیسرا عقیدہ

اب ہم اصلی بات کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا۔ اور نہ ہی کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے اور حق تعالیٰ نے تمام اشیاء کا احاطہ کر لیا ہے اور ان کے ساتھ قرب ومعیت

Marfat.com

رکھتا ہے۔اس احاطہ اور قرب اور معیت سے وہ مراد نہیں ہے جو ہماری سمجھ میں آ سکے۔کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی جناب پاک کے لائق نہیں اور جو کچھ کشف وشہود سے معلوم کرتے ہیں۔اس سے بھی وہ منزہ اور پاک ہے کیونکہ ممکن کو حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال کی حقیقت سے سوائے نادانی اور حیرت کے کچھ حاصل نہیں ہے۔غیب کے ساتھ ایمان لانا چاہیے۔اور جو کچھ مکشوف ومشہود ہو اس کو لا کی نفی کے نیچے لانا چاہیے۔

پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ اشیا کا احاطہ کیے ہوئے اور ان کے قریب اور ساتھ ہے۔لیکن اس کے قرب اور احاطہ اور معیت کی حقیقت کو نہیں جانتے کہ کس طرح ہے۔اس کو احاطہ و قرب علمی کہنا بھی متشابہ تاویلوں سے ہے۔اسی لیے ہم کسی قسم کی تاویل کے قائل نہیں۔

چوتھا عقیدہ

اور حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں اور نہ کوئی چیز اس سے متحد ہو سکتی ہے اور جو کچھ کہ صوفیہ کی بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے۔وہ ان کی مراد نہیں ہے کیونکہ ان کے اس کلام سے مراد کہ جس سے اتحاد کا وہم گزرتا ہے یعنی اذاتم الفقر فھو اللہ سے یہ ہے" کہ جب فقر تمام ہو جائے اور محض فنا حاصل ہو جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا"۔ یہ محض ایک مثال ہے۔ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے کسی کو اتحاد نہیں ہوتا۔اتحاد کا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

"اللہ تعالیٰ ظالموں کے وہم وگمان سے بہت برتر وبلند ہے"۔

عبارت انا الحق کے معنی یہ نہیں ہیں کہ میں حق ہوں۔ بلکہ یہ ہیں کہ میں نہیں ہوں اور حق موجود ہے۔اور تغیر وتبدل کو حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال سے کوئی نسبت نہیں ہے۔

فسبحان الذی لا یتغیر بناته والا بصفاته ولا فی افعاله بحدوث الاکون

"پس پاک ہے وہ ذات جو اپنی ذات وصفات وافعال میں موجودات کے حدوث سے متغیر نہیں ہوتی"۔

اور صوفیہ وجودیہ نے جو تنزلات خمسہ ثابت کیے ہیں وہ مرتبہ وجوب میں تغیر وتبدل کی قسم سے نہیں ہیں۔کیوں کہ یہ کفر وگمراہی ہے بلکہ ان تنزلات کو حق تعالیٰ کے کمال کے مراتب ظہورات میں اعتبار کیا ہے۔اس بات کے عقیدہ کے ساتھ کہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال میں تغیر وتبدل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

پانچواں عقیدہ

اور حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں بھی غنی مطلق ہے اور کسی امر میں کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔اور جس طرح وجود میں محتاج نہیں ہے ظہور میں بھی محتاج نہیں ہے۔

Marfat.com

پس جن وانسان کی پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ان کو اپنی معرفت حاصل ہو جائے جو ان کا کمال ہے۔ اور کوئی ایسا امر پیش نظر نہیں کہ جو حق سبحانہ کی جناب کی طرف عائد ہو سکے۔ اور حدیث قدسی میں جو یہ واقع ہے۔

فخلقت الخلق لاعرف

"میں نے خلقت کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ پہچانا جاؤں"

اس جگہ یہی معرفت مراد ہے اور یہ کبھی تصور نہیں کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی کسی معرفت کی ضرورت ہے۔

تعالیٰ الله عن ذلک علوا کبیرا

"اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر ہے"۔

چھٹا عقیدہ

اور حق تعالیٰ نقصان کی تمام صفتوں اور حدوث کے نشانوں سے منزہ اور مبرا ہے نہ جسم سے جسمانی ہے اور نہ مکانی اور زمانی۔ اور صفات کمال اس کے لئے ثابت ہیں جن میں سے آٹھ صفات کمال ذات اقدس تعالیٰ کے ساتھ موجود ہیں۔ اور وہ صفات یہ ہیں۔ حیات، علم، قدرت، ارادہ، بصر، سمع کلام اور تکوین۔ اور یہ صفات خارج میں موجود ہیں۔

ساتواں عقیدہ

اور حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اور اس کے سوا کسی کے لئے قدم اور ازلیت ثابت نہیں ہے تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے اور جو کوئی حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کے قدیم اور ازلی ہونے کا قائل ہوتا ہے، وہ کافر ہے۔

امام غزالیؒ نے ابن سینا اور فارابی کی تکفیر اسی لئے کی ہے کہ عقول اور نفوس کے قدم کے قائل ہوئے ہیں صورت اور ہیولیٰ کے قدیم ہونے کا گمان کیا ہے۔ اور آسمانوں کو بمع اشیا کے قدیم سمجھا ہے۔ جو بالکل غلط عقیدہ ہے۔

آٹھواں عقیدہ

حق تعالیٰ قادر مختار ہے اور ایجاب کی آمیزش اور اضطرار کے گمان سے منزہ اور مبرا ہے۔ گمراہ فلاسفہ نے کمال کو ایجاب میں جان کر حق تعالیٰ سے اختیار کی نفی کر کے ایجاب ثابت کیا ہے ان بے وقوفوں نے اس واجب الوجود کی گستاخی کی ہے اور سوائے ایک مصنوع کے کہ وہ بھی ایجاب سے

Marfat.com

ہے زمین و آسمان کے خالق سے صادر شدہ نہیں جانا اور تخلیقات کے وجود کو عقل فعال کی طرف نسبت دی ہے۔ جس کا وجود ان کے وہم کے سوا کہیں ثابت نہیں ہے اور انہوں نے اپنے خیال میں ان کو حق تعالیٰ کے ساتھ کچھ نسبت نہیں دی انہیں چاہئے کہ اس کفر کی بدولت پریشانی کے وقت عقل فعال کی طرف التجا کریں اور حضرت حق سبحانہ کی طرف رجوع نہ کریں۔ کیونکہ جب وہ حوادث کے وجود میں اس کا کچھ دخل نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ صرف عقل فعال ہی مخلوقات کی ایجاد سے تعلق رکھتی ہے۔ بلکہ کاموں کی طرف عقل کو ہی مختار سمجھتے ہیں اور معاذ اللہ ذات حق کا مصیبتوں کے دفع کرنے میں کچھ اختیار نہیں سمجھتے یہ بدبخت اپنی نادانی اور بے وقوفی کے باعث نہایت گمراہ ہیں اور گمراہ فرقوں کے پیش رو ہیں۔ حالانکہ کافر بھی ان بدبختوں کے برعکس حق تعالیٰ کی طرف التجا کرتے اور مصائب کو دور کرنے کے لئے اسی سے مدد طلب کرتے ہیں ان بدبختوں میں بہ نسبت اور تمام فرقوں کے دو چیزیں زیادہ ہیں۔ ایک یہ کہ احکام منزلہ کا کفر اور انکار کرتے ہیں اور رسولوں کی تعلیمات کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اپنے بے ہودہ اور واہی مطالب اور مقاصد کے ثابت کرنے میں جس قدر ان کو پاگل پن لاحق ہوا ہے' کسی اور بے وقوف کو اس قدر لاحق نہیں ہوا۔ آسمان اور ستارے جو ہر وقت بے قرار اور سرگرداں ہیں۔ ان کو بہت کچھ قرار دیتے ہیں اور آسمانوں کے خالق اور ستاروں کے موجد اور محرک اور مدبر حقیقی کی طرف سے آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں۔ یہ لوگ بہت احمق اور بے وقوف ہیں۔ اور زیادہ کمینہ' بیوقوف اور احمق وہ شخص ہے جو ان گمراہوں کو دانا اور عقلمند جانتا ہے۔ ان کے علوم میں سے ایک علم ہندسہ ہے جو محض لایعنی اور بے ہودہ ہے۔ بھلا مثلث کے تینوں زاویوں کا قائمہ کے ساتھ برابر ہونا کس کام آئے گا اور شکل عروسی اور ماموئی جو ان کے نزدیک بڑی مشکل اور جانکاہ ہے کس غرض کے لئے ہے۔

علم طب و نجوم اور علم تہذیب اخلاق جو ان کے تمام علوم میں سے بہتر علم ہے۔ اپنے مطالب عالیہ کے ثبوت کے لئے دلائل کو صرف تبرع کے طور پر لاتے ہیں۔ جو یہ تقلید سے نکل کر صرف دلائل کے ساتھ اپنے طالب کو ثابت کرنے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور اوروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت جب افلاطون کو پہنچی تو اس بدبخت نے جواب میں یوں کہا کہ۔

"ہم ہدایت یافتہ لوگ ہیں ہم کو ایسے شخص کی حاجت نہیں ہے جو ہمیں ہدایت دے"۔

اس بیوقوف کو چاہئے تھا کہ وہ اُن کو جو مردوں کو زندہ کرتے' اور مادرزاد اندھوں اور کوڑھی کو تندرست کرتے۔ جو افلاطون کی حکمت کے تمام زاویوں سے باہر تھا۔ پہلے دیکھتا حالات کو دریافت کرتا۔ اور پھر جواب دیتا۔ بن دیکھے اس کا جواب دینا اس کی عداوت اور کمینہ پن ہے۔

Marfat.com

فلسفہ کا اکثر حصہ بے وقوفی اور جہالت کی باتوں پر مشتمل ہے تو وہ سارا ہی اسی طرح ہے کیونکہ اکثر کا حکم کل کا حکم ہے۔

نجنا اللہ عن معتقداتھم السوء

اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے برے عقائد سے بچائے۔ (آمین)

شیخ محی الدین کے حق میں فقیر کا اعتقاد خاص بھی یہی ہے کہ اس کو مقبولوں میں سے جانتا ہے اور اس کے مخالف علوم کو خطا اور مضر دیکھتا ہے۔

اس طائفہ میں سے بعض لوگ شیخ کو ملامت کرتے ہیں اور اس کے علوم کو بھی جانتے ہیں بعض لوگ شیخ کی تقلید اختیار کر کے اس کے تمام علوم کو بہتر اور ثواب جانتے ہیں اور ان علوم کی حقیقت کو دلائل وشواہد کے ساتھ ثابت کرتے ہیں۔ اور شک نہیں کہ ان دونوں فریقوں نے افراط وتفریط کا راستہ اختیار کیا ہے اور راہ اعتدال سے دور رہے ہیں۔ شیخ کو جو مقبول اولیا میں سے ہے خطائے کشفی کے باعث کس طرح رد کیا جائے۔

فالحق ھو التوسط الذی وفقنی اللہ سبحانہ بمنہ وکرمہ

''پس حق یہی درمیانی راہ ہے''۔

ہاں مسئلہ وحدت وجود میں اسی گروہ میں سے ایک جم غفیر یعنی بہت سے لوگ شیخ کے ساتھ شریک ہیں۔ اگرچہ شیخ اس مسئلہ میں بھی طرز خاص رکھتے ہیں لیکن اصل بات میں سب کے سب باہم شریک ہیں۔ یہ مسئلہ بھی اگرچہ بظاہر اہل حق کے مخالف ہے لیکن توجہ کے قابل ہے۔

اس فقیر نے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے حضرت عالیشان (خواجہ باقی باللہ صاحب) قدس سرہ کی رباعیات کی شرح میں اس مسئلہ کو اہل حق کے دلائل کے ساتھ جمع کیا ہے اور فریقین کے اختلاف کو لفظ کی طرف راجع کیا ہے اور دونوں طرف کے شکوک وشبہات کو اس طرح حل کیا ہے کہ اس میں کسی شک وشبہ کا محل نہیں رہا۔

کما لایخفی علی الناظر فیہ

جیسے کہ اُس کے دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے۔

نواں عقیدہ

جاننا چاہئے کہ ممکنات کیا جواہر کیا اعراض اور کیا اجسام اور کیا عقول اور کیا نفوس اور کیا افلاک اور کیا عناصر سب کے سب اس قادر مختار کی ایجاد کی طرف منسوب ہیں جو ان کو عدم کی پوشیدگی سے وجود میں لایا ہے اور جس طرح یہ سب چیزیں اپنے وجود میں حق تعالیٰ کی محتاج ہیں۔ اسی طرح بقا میں بھی اس کا محتاج ہیں۔ اسباب کو اپنے فعل کے ثبوت کے لئے دلائل بنایا ہے اور حکمت کو قدرت کے

Marfat.com

وجود کا وسیلہ فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ دانا لوگ جن کی بصیرت کی آنکھ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی متابعت سے روشن ہوئی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اسباب و وسائل جو اپنے وجود اور بقا میں حق تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اپنا ثبوت و قیام اسی سے اور اسی کے ساتھ رکھتے ہیں۔

یضل به کثیرا و یهدی به کثیرا

"بہت کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہت کو اس سے ہدایت دیتا ہے"۔

یہ معرفت مشکوۃ نبوت سے اقتباس کردہ ہے۔ لیکن ہر ایک شخص کا فہم یہاں تک نہیں پہنچتا۔ اگر لوگ کمال کو اسباب کے رفع کرنے میں جانتے ہیں اور اشیاء کو ابتداہی سے اسباب کے بغیر اللہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اسباب کے رفع کرنے میں اس حکمت کا رفع ہونا ہے جس کے ضمن میں بہت سی مصلحتیں مدنظر ہیں۔

ربنا ما خلقت هذاباطلا

اے رب ہمارے تو نے اسے باطل پیدا نہیں کیا

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اسباب کو مدنظر رکھتے ہیں اور باوجود اس رعایت کے اپنے امر اور کام حق سبحانہ اور وتعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت یعقوب علی نبین وعلیہ الصلوۃ والسلام نے بدنظری کا لحاظ کر کے اپنے بیٹوں کو فرمایا۔

یابنی لا تدخلوا من باب واحد وادخلوا من ابواب متفرقة

"اے میرے بیٹو اس دروازہ سے داخل نہ ہونا' بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا"۔

اور باوجود اس رعایت کے پھر اپنے امر کو حق جل سلطانہ کے سپرد کر کے فرمایا۔

مَآ اُغْنِیْ عَنْکُم مِنَ اللهِ مِنْ شَیْءٍ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ

"میں تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ بے پرواہ نہیں کرتا حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ میں نے اسی پر توکل کیا اور توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں"۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی اس معرفت کو پسند فرمایا۔ اور اپنی طرف نسبت دے کر اس طرح فرمایا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ O

"اور وہ بے شک بہت ہی صاحب علم تھا' اس لئے کہ ہم نے اس کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

اور اللہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں ہمارے پیغمبر ﷺ کو اسباب کے توسط کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔

Marfat.com

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

"اے نبی ﷺ تجھے اللہ تعالیٰ اور تابعدار مومن کافی ہیں"۔

باقی رہی اسباب کی تاثیر ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات تاثیر کو ان میں پیدا نہ کرے۔ اور کوئی اثر ان پر مرتب نہ ہو۔ جیسے کہ ہم روزمرہ اسباب میں اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کبھی ان اسباب پر مسببات کے وجود مترتب ہوتے ہیں۔ اور کبھی کوئی اثر ان سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسباب کی تاثیر کا مطلق انکار کرنا ہٹ دھرمی ہے۔ تاثیر کو ماننا چاہئے اور اسی تاثیر کو اس سبب کے وجود کی طرح حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی ایجاد جاننا چاہئے۔

اس بیان سے ظاہر ہوا کہ اسباب کا وسیلہ توکل کے منافی نہیں ہے۔ جیسے کہ اکثر ناقصوں نے سمجھا ہے۔ بلکہ اسباب کے توسط میں کمال توکل ہے۔

حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسباب کو مدنظر رکھ کر اپنے کام کو حق سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کرنے کو توکل فرمایا ہے۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ

"میں نے اسی پر توکل کیا اور توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں"۔

دسواں عقیدہ

اور حق تعالیٰ خیر و شر کا ارادہ کرنے والا اور ان دونوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں ہے۔ ارادہ اور رضا کے درمیان یہ ایک بڑا باریک فرق ہے۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اہل حق کو ہدایت فرمائی ہے باقی اس فرق کی طرف ہدایت نہ پانے کے باعث گمراہ ہوئے۔

معتزلہ بندہ کو اپنے فعال کا خالق کہتے ہیں۔ اور کفر و معاصی کی ایجاد کو اس کی صرف منسوب کرتے ہیں اور شیخ محی الدین اور ان کے متبعین کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایمان اور اعمال صالحہ اسم الہادی کے پسندیدہ ہیں۔ اسی طرح کفر و معاصی بھی اللہ تعالیٰ کے اسم المضل کے پسندیدہ ہیں۔

یہ بات بھی اہل حق کے مخالف ہے اور ایجاب کی طرف میلان رکھتی ہے جو رضا کا منشا ہے۔ جس طرح کہیں کہ اشراق واضات آفتاب کی پسندیدہ ہے اور اللہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور ان افعال کا کسب بندوں کی جانب منسوب ہے۔ عادت اللہ تعالیٰ اسی طرح جاری ہے کہ پہلے بندہ اپنے فعل کا قصد کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے چونکہ بندے کا فعل اپنے قصد واختیار سے صادر ہوتا ہے۔ اس لئے مدح و مذمت اور ثواب و عذاب بھی اسی کے متعلق ہوتا ہے اور یہ جو بعض

Marfat.com

نے کہا ہے کہ بندے کا اختیار ضعیف ہے تو بجا ہے اگر تو اس لحاظ سے کہا ہے کہ فعل مامور کے ادا کرنے میں کافی نہیں ہے تو صحیح نہیں ہے۔

فَإِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ لَا يُكَلِّفُ بِمَا لَيْسَ فِيْ وَسْعِهٖ بَلْ يُرِيْدُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ الْعُسْرِ

"کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے فعل کے لئے تکلیف نہیں دیتا جو بندے کی طاقت سے باہر ہے بلکہ وہ تو آسانی ہی چاہتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں کرتا"۔

غرض یہ کہ فعل موقت یعنی چندروزہ فعل پر ہمیشہ کی جزا کا مقرر کرنا حق تعالیٰ عزیز وحکیم کی تقدیر کے حوالہ ہے جس نے کفر موقت کے لئے ہمیشہ کے عذاب کی برابر برابر جزا فرمائی۔ اور دائمی لذت ونعمت کو ایمان موقت پر وابستہ کیا۔

ذلک تقدير العزيز الحكيم

حق تعالیٰ کی توفیق سے اس قدر تو ہم بھی جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ کی نسبت (جو ظاہری اور باطنی نعمتوں کا دینے والا اور زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور جس کی پاک بارگاہ کے لئے ہر قسم کی بزرگی اور کمال ثابت ہے) کفر اختیار کرنے کے لئے جزا بھی ایسی ہی ہونی چاہئے جو تمام عذابوں سے بڑھکر ہو اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنا ہے اور ایسے ہی اس منعم بزرگ ذات پر غیب کے تہ ایمان لانے اور نفس وشیطان کی مزاحمت کے باوجود اس کو راست گو جاننے کے لئے جزا بھی ویسی ہونی چاہئے جو سب جزاؤں سے بہتر اور اعلیٰ درجہ کی ہو۔ اور وہ ناز ونعمت ولذت میں ہمیشہ رہنا ہے۔

بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بہشت میں داخل ہونا درحقیقت حق تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے اور ایمان کے ساتھ اسکو وابستہ کرنا اس لئے ہے کہ جو کچھ اعمال کی جزا ہوتی ہے وہ زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔

حضرت مجددؒ کے نزدیک بہشت میں داخل ہونا ایمان سے وابستہ ہے لیکن ایمان حق تعالیٰ کا فضل اور اس کا عطیہ ہے۔ اور دوزخ میں داخل ہونا کفر پر منحصر اور کفر نفس امارہ کی خواہش سے پیدا ہوتا ہے۔

ما اصابک من حسنة فمن الله وما اصابک من سيئة فمن نفسک

"جو تجھے نیکی پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے تو وہ تیرے نفس سے ہے"۔

جاننا چاہئے کہ بہشت میں داخل ہونے کو ایمان کے ساتھ وابستہ کرنے میں درحقیقت ایمان کی تعظیم ہے۔ بلکہ مومن کی تعظیم ہے جس پر اتنا عظیم الشان اجر مرتب ہوا ہے۔ ایسے ہی دوزخ میں داخل ہونے کو کفر کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں۔ جس پر ایسا ہمیشہ کا عذاب مترتب ہوا ہے۔ اس بات کے برعکس جو بعض مشائخ نے کہی ہے جو اس دقیقہ سے خالی ہے اور نیز ہمیشہ کے لئے دوزخ میں داخل ہونے کے لئے جو اس کا عدیل ہے کوئی مثال اس طرح پر جاری نہیں ہے کیونکہ دوزخ میں داخل ہونا درحقیقت کفر پر موقوف ہے۔ واللہ سبحانہ

Marfat.com

گیارھواں عقیدہ

اور آخرت میں مومن لوگ اللہ تعالیٰ کو بے جہت و بے مثال جنت میں دیکھیں گے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے اہل حق کے سوا تمام فرقے منکر ہیں اور بے جہت اور بے کیف دیدار کو جائز نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ شیخ محی الدین بن عربی بھی دیدار آخرت کو تجلی صوری کی حالت میں بیان کرتے ہیں۔

حضرت باقی باللہ قدس سرہ اپنے شیخ سے نقل کرتے تھے کہ اگر معتزلہ دیدار کو تنزیہ کے مرتبہ میں مقید نہ کرتے اور تشبیہ کے بھی قائل ہوتے اور دیدار کو اس تجلی میں بھی جانتے تو ہرگز دیدار کا انکار نہ کرتے۔ اور محال نہ سمجھتے۔ یعنی ان کا انکار بے جہتی اور بے کیفی سے ہے جو مرتبہ تنزیہ کے ساتھ مخصوص ہے برعکس اس تجلی کے کہ اس میں جہت و کیف ملحوظ ہے۔

دیدار آخرت کو تجلی صوری کی طرح بیان کرنا درحقیقت دیدار سے انکار کرنا ہے۔ کیونکہ وہ تجلی صوری اگرچہ دنیا کی صوری تجلیات سے جدا ہے۔ تاہم حق تعالیٰ کا دیدار نہیں ہے۔

يراه المومنون بغير كيف

وادراک و ضرب من مثال

"مومن اسے بے کیف اور بلا ادراک اور بغیر کسی مثال کے دیکھیں گے"

بارھواں عقیدہ

انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مبعوث ہونا اہل جہان کے لئے سراسر رحمت ہے۔ اگر ان بزرگوں کا واسطہ اور ذریعہ نہ ہوتا۔ تو ہم گمراہوں کو اس واجب الوجود اللہ تعالیٰ سبحانہ وتقدس کی ذات و صفات کی معرفت کی طرف کون ہدایت فرماتا۔ اور ہمارے مولیٰ جل شانہ کی پسند اور ناپسند کی چیزوں میں کون تمیز کرتا ہماری ناقص عقلیں ان بزرگوں کے نور دعوت کی تائید کے بغیر بیکار ہیں۔ اور ہمارے ناتمام اور ادھورے فہم ان کی تقلید کے بغیر اس معاملہ میں بے بس و خوار ہیں۔ ہاں عقل بھی اگرچہ حجت ہے لیکن حجت ہونے میں ناتمام ہے اور مرتبہ بلوغ تک نہیں پہنچی ہے۔ حجت بالغہ انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہے۔ جس پر آخرت کا دائمی عذاب وثواب وابستہ ہے۔

سوال: جب آخرت کا دائمی عذاب بعثت پر موقوف ہے تو پھر بعثت کو رحمت کہنا کس وجہ سے ہے؟

جواب: بعثت عین رحمت ہے جو واجب الوجود اللہ تعالیٰ سبحانہ وتقدس کی ذات وصفات کی معرفت کا سبب ہے جو دنیا و آخرت کی سعادت کا باعث ہے اور بعثت کی بدولت معلوم ہوا ہے کہ یہ چیز حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے مناسب ہے اور یہ نامناسب ہے۔ کیونکہ ہماری اندھی اور لنگڑی عقل جو حدوث اور امکان سے داغ دار ہے کس طرح جان سکتی ہے کہ اس حضرت وجوب کے لئے جس کے واسطے قدم

Marfat.com

لازم ہے اس کے اسماء وصفات وافعال میں سے کون سے مناسب ہیں اور کون سے نامناسب۔ تاکہ ان کا اطلاق کیا جائے اور ان سے بچا جائے۔ بلکہ بسا اوقات عقل اپنے نقص کی وجہ سے کمال کو نقصان اور نقصان کو کمال سمجھتی ہے۔ وہ شخص بڑا بدبخت ہے جو امور نامناسب کو حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف منسوب کرے۔ اور ناشائستہ اشیا کو حق سبحانہ کی طرف نسبت دے۔ بعثت ہی کی بدولت حق باطل سے جدا ہوا ہے۔ اور بعثت ہی کی وجہ سے عبادت کی مستحق ذات اور غیر مستحق میں فرق ہوا ہے وہ بعثت ہی ہے جس کے ذریعے وہ حق تعالیٰ کے راستہ کی طرف دعوت کرتے ہیں اور بندوں کو مولیٰ جل شانہ کے قرب رضا کی سعادت تک پہنچاتے ہیں۔ اور بعثت کے ذریعے حق تعالیٰ کے مقررہ ضوابط سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اور بعثت ہی کے طفیل حق تعالیٰ کے ملک میں تصرف کے جواز اور عدم جواز میں فرق پیدا ہوتا ہے بعثت کے فائدے بکثرت ہیں۔ ثابت ہوا کہ بعثت سراسر رحمت ہے جو شخص اپنے نفس امارہ کی خواہش کے تابع ہو جائے اور شیطان لعین کی خوشی کے لیے بعثت کا انکار کر دے۔ اور رضائے الٰہی کے موافق عمل نہ کرے تو اس میں بعثت کا کیا گناہ ہے۔

سوال: عقل اگرچہ جل شانہ کے احکام میں ناقص و ناتمام ہے۔ لیکن یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ تصفیہ اور تزکیہ کے حاصل ہونے کے بعد عقل کو مرتبہ وجوب تعالیٰ وتقدس کے ساتھ بے کیف مناسبت اور اتصال پیدا ہو جائے جس کے سبب احکام کو وہاں سے اخذ کر لے اور اس کو اس بعثت کی جو فرشتہ کے واسطے سے ہے کوئی نسبت نہ رہے؟

جواب: عقل اگرچہ یہ مناسبت اور اتصال پیدا کر لے لیکن یہ تعلق جو اس کا مادی صورت کے ساتھ ہے پوری طرح دور نہیں ہوتا اور پورا پورا تجرد حاصل نہیں ہوتا۔ پس وہم ہمیشہ اس کا دامن گیر رہتا ہے اور متخیلہ ہرگز اس کا خیال نہیں چھوڑتی۔ اور قوت غضبی اور شہوی ہمیشہ اس کی دوست رہتی ہیں اور حرص وشرکی رذیل صفتیں اس کی ہم مجلس ہوتی ہیں۔ اور بھول جانا جو نوع انسان کا خاصہ ہے۔ اس سے دور نہیں ہوتے۔ خطا اور غلطی جو اس جہان کا خاصہ ہے اس سے الگ نہیں ہوتے۔ لہٰذا عقل اعتماد کے لائق نہیں ہے۔ اور اس کے حاصل کئے ہوئے وہم کے غلبہ اور خیال کے تصرف سے نہیں بچ سکتے۔ اور نقصان کی آمیزش اور خطا کے گمان سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ لیکن فرشتہ ان اوصاف انسانی سے پاک اور رذائل سے مبرا ہے وہ اعتماد کے لائق ہے اور اس کے اخذ کردہ احکام، وہم وخیال کی آمیزش اور نسیان وخطا کے گمان سے محفوظ ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ان علوم میں جو تلقی روحانی سے اخذ کئے ہوتے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حواس کے ساتھ ان کی تبلیغ کے دوران بعض عجیب وغریب نظریات جو وہم وخیال کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں ان علوم میں اس طرح مل جاتے ہیں کہ اس وقت ہرگز تمیز نہیں ہوسکتی اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس فرق کا علم حاصل ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ پس وہ علوم ان مقدمات کے مل جانے کے باعث جھوٹ کی صورت پیدا کر لیتے ہیں۔ اور پھر اعتماد کے قابل نہیں رہتے یا دوسرا اس کا یہ جواب

Marfat.com

ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ تصفیہ اور تزکیہ کا حاصل ہونا ان اعمال صالحہ کی بجائے لانے پر موقوف ہے جو حق تعالیٰ کو پسند ہیں۔ اور یہ امر بعثت کے ساتھ ہے۔

اور اس تحقیق سے واضح ہوا کہ تکلیف شرعی جو بعثت سے ثابت ہوئی ہے وہ بھی رحمت ہے نہ کہ جس طرح تکلیف شرعی کے منکروں یعنی ملحدوں اور زندیقوں نے گمان کیا ہے اور تکلیف کو کلفت سے تصور کر کے ناپسند جانا ہے اور جو کہتے ہیں کہ یہ کونسی مہربانی ہے کہ بندوں کو سخت مشکل امور کی تکلیف دی اور کہا کہ اگر تم اس تکلیف کے بموجب عمل کرو گے تو بہشت میں جاؤ گے اور اگر اس کی مخالف کرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے ان کو ایسے امور کی کیوں تکلیف دی گئی ہے بلکہ ان کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے کہ کھائیں پئیں اور آرام کریں اور اپنے حال میں رہیں۔ یہ بدبخت اور بیوقوف نہیں جانتے کہ منعم کا شکریہ ادا کرنا از روئے عقل واجب ہے اور یہ تکلفات شرعیہ اس شکر کے بجالانے کا بیان ہے پس تکلیف عقل کی رو سے واجب ہے اور نیز جہان کا انتظام اس تکلیف پر منحصر ہے۔ اگر ہر ایک کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو ان سے سوائے شرارت اور فساد کے کچھ ظاہر نہ ہوتا۔ ہر شرارتی دوسرے کے جان و مال میں دست درازی کرتا اور خبث وفساد سے پیش آتا۔ اور خود بھی ضائع ہوتا اور دوسرے کو بھی ضائع کرتا۔ عیاذا باللہ سبحانہ اگر شرعی احکامات نہ ہوتے۔ تو معلوم نہیں کس قدر شرارت اور فساد پھیل جاتا۔

ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب

"اے عقلمند و قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے"۔

کبھی یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ خود مختار مالک ہے اور بندے اس کے مملوک اور غلام ہیں۔ پس جو حکم و تصرف وہ ان میں فرماتا ہے عین خیر و صالح ہے۔ اور ظلم وفساد کی آمیزش سے منزہ اور مبرا ہے۔

لا یسئل عما یفعل

"جو وہ کرتا ہے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا"۔

اگر سب کو دوزخ میں بھیج دے اور ہمیشہ کا عذاب فرمائے۔ کوئی اعتراض کی جگہ نہیں۔ اور غیر کے ملک میں یہ تصرف نہیں ہے جو ظلم کی صورت پیدا کرے۔ برعکس ہمارے املاک جو در حقیقت اسی کے املاک ہیں ہمارے تمام تصرفات عین ظلم ہیں کیونکہ صاحب شرع نے بعض مصلحتوں کے باعث ان املاک کو ہماری طرف منسوب کیا ہے ورنہ در حقیقت یہ اسی کے املاک ہیں پس ہمارا تصرف ان املاک میں اسی قدر جائز ہے جس قدر کہ اس مالک مختار نے اس تصرف کو جائز قرار دیا ہے۔ اور ہمارے لئے حلال کیا ہے۔ اور جو کچھ ان بزرگوں یعنی انبیاء علیہم السلام نے حق تعالیٰ کی اجازت سے خبر دی ہے۔ اور جن احکام کا بیان فرمایا ہے سب سچ اور واقع کے مطابق ہیں۔ اور اگرچہ ان بزرگوں کے اجتہادی احکام میں خطا کو جائز کہا گیا ہے۔ لیکن خطا کی تقریر کو ان کے حق میں جائز نہیں رکھا اور کہا ہے کہ ان کو خطا پر

Marfat.com

جلدی آگاہ کر دیا جاتا ہے اور صواب و بہتری سے اس کا تدارک فرماتے ہیں۔

"لہٰذا یہ خطا کسی گنتی میں نہیں ہے"

تیرھواں عقیدہ

اور قبر کا عذاب کافروں کو اور بعض گنہگاروں کے لئے حق ہے۔ مخبر صادق علیہ والصلوۃ والتسلیمات نے اس کی نسبت خبر دی ہے۔

چودھواں عقیدہ

اور قبر میں مومنوں اور کافروں سے منکر ونکیر کا سوال بھی حق ہے۔ قبر دنیا اور آخرت کے درمیان ایک پردہ ہے۔ اس کا عذاب ایک وجہ سے عذاب دنیا سے مناسبت رکھتا ہے کیونکہ یہ بالآخر ختم ہو جائے گا اور دوسری وجہ سے عذاب آخرت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے جو درحقیقت آخرت کے عذابوں سے ہے۔

"صبح وشام وہ آگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔"

یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اسی طرح قبر کا آرام بھی دو پہلو رکھتا ہے۔ وہ شخص بہت ہی سعادت مند ہے جس کی لغزشوں اور قصوروں کو کمال کرم اور مہربانی سے بخش دیا جائے اور اس کا مواخذہ نہ کیا جائے۔ اور اگر مواخذہ کے مقام میں آئے بھی تو کمال مہربانی سے دنیا کے رنجوں اور مصیبتوں کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیا جائے۔ اور جو کچھ بقیہ رہ جائے تو قبر کی تنگی اور ان تکلیفوں کو جو اس مقام میں مقرر ہیں اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیا جائے تا کہ پاک و پاکیزہ محشر میں اٹھیں اور جس شخص کے لئے ایسا نہ ہو اور اس کا مواخذہ آخرت پر موقوف رکھیں اس کے حق میں بھی عدل ہے لیکن گنہگاروں اور شرمساروں کے حال پر افسوس ہے۔ ہاں جو کوئی اہل اسلام سے ہے۔ اس کا انجام رحمت ہے اور عذاب ابدی سے محفوظ ہے۔ یہ بڑی اعلیٰ نعمت ہے۔

ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انک علی کل شیء قدیر بحرمت سید المرسلین علیہم الصلوات والتسلیمات

"اے ہمارے رب سید المرسلین ﷺ کی طفیل ہمارے نور کا کامل کر اور ہمارے گناہوں کو بخش تو ہر شے پر قادر ہے"۔

پندرھواں عقیدہ

روز قیامت حق ہے اور اس دن آسمان وزمین اور ستارے اور پہاڑ اور سمندر اور حیوان اور نباتات اور معاون سب کے سب معدوم اور فنا ہو جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائیں گے ستارے

پراگندہ ہو کر گر پڑیں گے۔ زمین و پہاڑ اڑ جائیں گے۔ یہ اعدام اور فنا نفخہ اولی سے تعلق رکھتا ہے اور نفخہ ثانیہ میں قبروں سے اٹھیں گے اور محشر میں جائیں گے۔

اہل فلسفہ آسمانوں اور زمینوں کا نیست و نابود ہونا نہیں مانتے۔ اور ان کا فانی ہونا جائز نہیں سمجھتے۔ اور ان کو ازلی و ابدی کہتے ہیں۔ اور باوجود اس امر کے ان میں سے متاخرین لوگ اپنی بیوقوفی کے باعث اپنے آپ کو اہل اسلام کے گروہ سے جانتے ہیں۔ اور بعض اسلامی احکام کے بجالانے کا دعوی کرتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض اہل اسلام ان کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں اور ان کو مسلمان جانتے ہیں اور اس سے زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ان لوگوں کے اسلام کو کامل جانتے ہیں اور اگر کوئی ان کو ملامت کرے تو بہت برا مناتے ہیں۔ حلانکہ یہ لوگ نصوص قطعیہ کے منکر ہیں۔ اور انبیاء علیہم الصلوۃ و التسلیمات کا انکار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اذا الشمس کورت O واذا النجوم انکدرت O

''جس وقت آفتاب (کے نور کی چادر کو) لپیٹ لیا جائے۔ اور جس وقت تارے جھڑ پڑیں گے''۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اذا السماء انشقت O واذنت لربها وحقت O

''اور جب آسمان پھٹ جاوے اور سن لے حکم اپنے پروردگار کا اور اسی لائق ہے''۔

اس قسم کی آیتیں قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں۔ اور اکثر نہیں جانتے کہ صرف کلمہ شہادت منہ سے بول لینا اسلام میں کافی نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام چیزوں کی تصدیق ضروری ہے۔ جن کا بجالانا اور ان پر عمل کرنا دین کی اساس سمجھا گیا ہے۔ اور کفر سے مکمل بیزار ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اسلام ثابت ہو جائے۔ و بدونہ خرط القتاد (ورنہ کچھ بھی نہیں ہے)

سولہواں عقیدہ

حساب اور میزان اور پل صراط حق ہے کہ رسول صادق علیہ و علی الہ واصحابہ الصلوۃ والسلام نے ان کی نسبت خبر دی ہے اور نبوت کے حال سے بعض جاہلوں کے نزدیک ایسے امور کا بعید از عقل ہونا اعتبار سے ساقط ہے۔ کیونکہ نبوت کی حقیقت عقل کی حقیقت سے برتر ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی سچی خبروں کو نظر و عقل کے ساتھ جانچنا اور حقیقت نبوت سے انکار کرنا ہے۔ کیونکہ یہاں تو معاملہ تقلید پر ہے۔

Marfat.com

ستارھواں عقیدہ

بہشت اور دوزخ موجود ہیں۔ قیامت کے دن حساب لینے کے بعد ایک گروہ کو بہشت میں اور ایک کو دوزخ میں بھیج دیں گے۔ اور ان کا ثواب و عذاب ابدی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ جیسے کہ قطعی اور پختہ نصوص اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ اور آخرت میں کافر رحمت سے مایوس رہیں گے۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

میری رحمت سے کافروں کے سوا کوئی نا امید نہ ہوگا۔

اور رحمتی وسعت کل شیء کے بعد فرماتا ہے۔

فسا کتبها للذين يتقون و يوتون الزكوة والذين هم بايتنا يومنون

پھر میں اپنی رحمت کو ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

ان رحمت الله قريب من المحسنين

اللہ کی رحمت نیکو کاروں کے قریب ہے۔

سبحان ربک رب العزة عما يصفون' وسلام على المرسلين

بڑی عزت والا رب اس بات سے برتر و پاک ہے جس کے ساتھ اس کو موصوف کرتے ہیں۔ اور مرسلین پر سلام ہو۔

اٹھارھواں عقیدہ

فرشتے اللہ جل شانہ کے بندے ہیں جو گناہوں سے معصوم اور خطا سے محفوظ ہیں۔

لايعصون الله ما امر هم و يفعلون ما يومرون

جو امر ان کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس میں نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم ہوتا ہے۔

کھانے پینے اور عورت و مرد ہونے سے پاک اور منزہ ہیں۔ اور قرآن مجید میں ان کے لئے مذکر ضمیروں کا استعمال اس اعتبار سے ہے کہ مردوں کا گروہ عورتوں کے گروہ سے افضل اور شریف مانا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بھی اپنی ذات کے لئے مذکر ضمیروں کا استعمال فرمایا ہے اور حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان میں سے بعض کو رسالت کے لئے برگزیدہ کیا ہے۔ جس طرح کہ بعض انسانوں کو بھی اس دولت سے مشرف کیا ہے۔

الله يصطفى من الملئكة رسلا و من الناس

Marfat.com

اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں سے بعض کو رسول بنالیتا ہے۔

تمام اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں۔ حضرت مجدد الفؒ ثانیؒ آگے چل کر بیان فرماتے ہیں۔

امام غزالیؒ اور امام الحرمین اور صاحب فتوحات مکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ خاص فرشتے خاص انسانوں سے افضل ہیں۔ لیکن نبوت اور رسالت کے درمیان نبی کے لئے ایک ایسا درجہ ہے جہاں تک فرشتہ نہیں پہنچا اور وہ درجہ عنصر خاک کی راہ سے ظاہر ہوا ہے۔ جو بشر کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ولایت کے کمالات نبوت کے کمالات کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں ہیں۔ پس وہ فضیلت جو راہ نبوت سے حاصل ہو وہ راہ ولایت سے حاصل ہونے والی فضیلت سے زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے۔ لہٰذا افضیلت مطلق انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے اور فضل جزئی ملائکہ کرام کے لئے ہے۔ پس بہتر وہی ہے جو جمہور علماء حق نے کہا ہے۔

اس تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ کوئی ولی کسی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچتا۔ بلکہ ولی کا سر ہمیشہ نبی کے قدم کے نیچے ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ ان مسائل میں سے ہر ایک مسئلہ جن میں صوفیہ و علماء کا باہم اختلاف ہے جب اچھی طرح غور اور ملاحظہ کیا جاتا ہے۔ تو حق بجانب طبقہ علماء معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء کی نظر نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے باعث نبوت کے کمالات اور اس کے علوم میں نفوذ کیا ہے۔ اور صوفیہ کی نظر ولایت کے کمالات اور اس کے معاروف تک ہی محدود ہے۔ پس وہ علم جو نبوت کی پیش گاہ سے حاصل کیا جائے وہ اس علم کی نسبت جو مرتبہ ولایت سے اخذ کیا جائے۔ کئی درجے بہتر اور حق ہے۔

انیسواں عقیدہ

ایمان ان تمام دینی امور کے ساتھ جو ضرورت اور تواتر کے طریق پر ہم تک پہنچے ہیں۔ تصدیق قلبی سے مراد ہے اور اقرار زبانی بھی ایمان کا رکن ہے کفر اور کفر کے خصائص اور لوازم مثلاً زنار باندھنی اور اس قسم کی رسوم سے بیزار ہونا اس تصدیق کی علامات میں سے ہے۔ اور اگر کوئی اس تصدیق کا بھی دعویٰ کرے اور کفر سے بیزاری بھی ظاہر نہ کرے۔ تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص کفر کی بھی تصدیق کرنے والا ہے جو ارتداد کے نشان سے داغ دار ہے۔ اور حقیقت میں اس کا حکم منافق کا سا حکم ہے۔

پس ایمان کی تحقیق میں کفر سے بیزاری ضروری ہے۔ ادنی بیزاری یہ ہے کہ دل سے ہو اور اعلیٰ یہ ہے کہ دل اور ظاہر دونوں سے ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی کی جائے اور دشمنی خواہ دل سے ہو جب کہ ان سے نقصان کا ڈر ہو۔ خواہ اسے ظاہر بھی کیا جائے۔

آیت کریمہ

یایھاالنبی جاھد الکفار و المنافقین واغلظ علیھم

اے نبی کفار اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر۔

اسی مضمون کی تائید کرتی ہے کیونکہ اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ان کے دشمنوں کی دشمنی کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔

اور حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے فقیر کی نظر میں اس عمل یعنی (دشمنوں سے بیزاری) کے برابر کوئی عمل نہیں ہے۔ اس بیزاری کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کو کفر کے ساتھ عداوت ہے اور لات وعزیٰ اور ایسے باطل معبودوں کی عبادت کرنے والے بالذات حق تعالیٰ کے دشمن ہیں۔ اور دوزخ کا دائمی عذاب اس برے فعل کی سزا ہے لیکن نفسانی خواہشات اور تمام برے اعمال ایسی نسبت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان سے غضب وعداوت ذاتی نہیں ہے۔ اگر غضب ہے تو صفات کی طرف منسوب ہے اور اگر عتاب ہے تو افعال کی طرف راجع ہے۔ یہی وہ ہے کہ دوزخ کا دائمی عذاب ان برے فعلوں کی سزا نہیں بنا۔

جب کفر اور کفروں کے ساتھ ذاتی عداوت ثابت ہو چکی ہے۔ ہر صورت رحمت اور راحت سے آخرت میں کافر محروم رہیں گے اور رحمت کی صفت عداوت ذاتی دور نہیں کریگی۔ کیونکہ وہ چیز جو ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اس چیز کی نسبت جو صفت سے تعلق رکھتی ہے زیادہ مضبوط اور ارفع ہے۔ پس مقتضائے صفت مقتضائے ذات کو تبدیل نہیں کر سکتا اور یہ جو حدیث قدسی میں آیا ہے کہ سبقت رحمتی علی غضبی (میری رحمت غضب پر بڑھی ہوئی ہے) اس غضب سے مراد صفاتی غضب سمجھنا چاہیے جو گنہگاروں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ ذاتی غضب جو مشرکوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

سوال: اگر کہا جائے کہ دنیا میں کافروں کو رحمت نصیب ہے۔ تو پھر دنیا میں رحمت کی صفت نے ذاتی عداوت کو کیسے دور کر دیا؟

جواب: دنیا میں کافروں کو رحمت کا حاصل ہونا ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے اور درحقیقت یہ ان کو جکڑنے کے لئے تدبیر الٰہی ہے۔

آیت کریمہ

"ترجمہ"

"کیا یہ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ ہم جو مال و اولاد سے ان کی امداد کئے چلے جا رہیں ہیں (اس کے یہ معنی ہیں کہ) ان کو فائدہ پہنچانے میں ہم جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ یہ (لوگ اصل مطلب کو) سمجھتے نہیں۔ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو یوں آشکار فرمایا ہے۔

Marfat.com

''ہم انہیں اس طرح پر کہ ان کو خبر بھی نہ ہو آہستہ آہستہ (جہنم کی طرف گھسیٹ کر) لے جائیں گے۔ اور ہم ان کو (دنیا میں) مہلت دیتے ہیں ہماری تدبیر بیشک پکی تدبیر ہے''۔

سوال: دوزخ کا دائمی عذاب صرف کفر کی سزا ہے۔ اگر سوال کیا جائے کہ ایک شخص باوجود ایمان کے کفر کی رسمیں اختیار کرتا ہے اور کفر کی رسموں کی تعظیم کرتا ہے۔ تو علماء اس پر کفر کا حکم لگاتے اور اسے مرتد سمجھتے ہیں۔ جیسے کہ اکثر مسلمان اس بلا میں مبتلا ہیں۔ پس چاہیئے کہ علماء کے فتویٰ کے مطابق وہ شخص آخرت کے عذاب ابدی میں گرفتار ہو۔ حالانکہ صحیح روایت میں آچکا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ ایمان بھی ہوگا اس کو دوزخ سے باہر نکال لیا جائے گا۔ اور دائمی عذاب میں نہیں رہے گا۔ اس مسئلہ کی کیا تحقیق ہے۔

جواب: اگر وہ شخص کافر محض ہے تو دائمی عذاب اس کا نصیب ہے۔ اور کفر کی رسموں کے بجالانے کے باوجود ذرہ ایمان بھی رکھتا ہے تو دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ لیکن اس ذرہ بھر ایمان کی برکت سے امید ہے کہ اسے دائمی عذاب سے نجات مل جائے گی۔ حضرت امام ربانی ایک واقعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ کہ۔

میں ایک دفعہ ایک شخص کی بیمار پرسی کے لئے گیا۔ جس کا معاملہ نزع کے قریب پہنچا ہوا تھا جب میں فقیر اس کے حال کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ اس کے دل پر بہت سی ظلمتیں چھائی ہوئی ہیں۔ ان ظلمتوں کو دور کرنے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ وہ ظلمتیں اس کے دل سے دور ہو جائیں لیکن اس کے دل نے قبول نہ کیا۔ بہت توجہ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ ظلمتیں صفات کفر سے پیدا ہوئی ہیں۔ جو اس میں پوشیدہ تھیں اور وہ کدورتیں کفر اور اہل کفر کے ساتھ دوستی رکھنے کے باعث پیدا ہوئی ہیں۔ توجہ کے ساتھ یہ ظلمتیں دور نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ ان ظلمات سے اس کا پاک ہونا دوزخ کے عذاب پر مبنی ہے جو کفر کی سزا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ذرہ بھر ایمان بھی رکھتا ہے جس کی برکت سے آخر کار اس کو دوزخ سے نکال لیں گے جب اس حال کا مشاہدہ کیا۔ تو دل میں آیا کہ آیا اس شخص پر نماز جنازہ پڑھنا چاہیے یا نہیں۔ توجہ کے بعد ظاہر ہوا کہ نماز ادا کرنی چاہیئے۔

پس وہ مسلمان جو باوجود ایمان کے کفار کی رسمیں بجالاتے اور ان کی تعظیم کرتے ہیں ان پر نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے۔ اور کفار کے ساتھ نہیں ملانا چاہیئے۔ اور امیدوار ہونا چاہیئے کہ آخر کار ایمان کی برکت سے عذاب سے نجات پا جائیں گے۔

پس معلوم ہوا کہ کفار کے لئے عفو اور مغفرت نہیں ہے۔

ان اللّٰہ لا یَغْفِرُ ان یشرک بہ

اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا۔

اور اگر کافر محض ہے تو عذاب ابدی اس کے لئے مخصوص ہے اور اگر ذرہ بھی ایمان رکھتا ہے تو

دوزخ کے عذاب کا آخر کار خاتمہ ہوگا اور اس کے تمام کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں چاہے تو ان کو معاف کردے چاہے تو سزا دے۔

اعتقادات

بحوالہ حضرت مجدد الف ثانیؒ

اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک کے ساتھ موجود ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے آپ سے قائم ہے اور اللہ تعالیٰ جس طرح ہے ہمیشہ سے ایسے ہی تھا اور ہمیشہ رہے گا پہلے عدم اور پچھلے عدم کو اللہ تعالیٰ کی جناب قدس میں کوئی راہ نہیں ہے کیونکہ وجوب وجود اس بارگاہ مقدس کا ادنیٰ خادم ہے۔ اور فنا نہ ہونا اس محترم بارگاہ کا کمترین خاکروب ہے اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ وجوب وجود میں اور نہ الوہیت میں اور نہ استحقاق عبادت میں کیونکہ شریک کی ضرورت اس وقت ہوتی تھی جب معبود حقیقی کافی نہ ہوتا اور مستقل نہ ہوتا اور یہ نقص کی علامت ہے جو وجوب اور الوہیت کے منافی ہے جب اللہ تعالیٰ کافی ہے اور مستقل ہے تو شریک کا تصور انتہا درجے کی حماقت ہے۔

شریک کا اقرار دو شریکوں میں سے ایک کا نقص لازم کرتا ہے۔ جو منافی شرکت ہے اور اقرار شرکت کی نفی کو لازم کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا شریک محال ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ ہیں جیسے زندہ ہونا' علم' قدرت' ارادہ' سننا' دیکھنا' کلام' اور تکوین اور ان آٹھ صفات کو صفات حقیقیہ کہتے ہیں کیونکہ وہ قدیم ہیں اور ظاہر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم سے موجود ہیں جیسا کہ اہل حق علماء نے تحقیق سے عیاں فرمایا ہے اور اہل حق کے سوا مخالف فرقوں میں سے کوئی بھی صفات زائدہ کے وجود کا قائل نہیں ہے۔ یہاں تک کہ کئی متاخرین صوفیاء بھی صفات کو عین ذات کہتے ہیں اور مخالفوں کے ساتھ مل گئے ہیں۔ اگرچہ وہ نفی صفات سے پرہیز کرتے ہیں لیکن ان کے اصول اور ان کی بعض عبارتوں سے صفات کی نفی لازم آتی ہے۔ مخالفوں نے اپنے علم کا کمال صفات کاملہ کی نفی میں سمجھ رکھا ہے اور اپنی عقل کے دھوکے میں قرآنی نصوص سے الگ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سیدھے رستے کی طرف رہنمائی فرمائے۔

دوسری صفتیں یا تو اعتباریہ ہیں یا سلبیہ جیسے قدم و ازلیت اور وجوب والوہیت، کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانی نہیں ہے۔ عرض اور جوہر نہیں۔ زمانی اور مکانی نہیں۔ محدود اور متناہی نہیں وہ بے جہت ہے اور کفو اور اُس کی کوئی مثل نہیں۔ وہ ماں باپ بیوی اور بچوں سے پاک و مبرا ہے کہ یہ سب علامات مخلوق کی ہیں اور نقص کو لازم کرتی ہیں اور تمام کمالات اس کی جناب قدس کے لئے ثابت ہیں اور اس کی بارگاہ ہر قسم کے نقص سے پاک ہے۔

Marfat.com

مختصر یہ کہ صفات امکان وحدوث جو سراسر نقص ہے ان تمام کو ان کی جناب قدس سے دور رکھنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ جزئیات وکلیات کا جاننے والا ہے اور اسرار و دلوں کے حال کا جاننے والا ہے آسمانوں اور زمینوں میں ایک معمولی ذرے کی طرح بھی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے اس لیے کہ جب کہ وہ تمام موجودات کا خالق ہے تو ان سب کو جاننے والا کیوں نہ ہوگا۔ کیونکہ خالق کو مخلوق کا بھرپور علم ہوتا ہے۔

کتنے بے عقل لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں جانتے اور اس کو اپنی ناقص عقل سے کمال سمجھتے ہیں جیسا کہ اپنی انتہائی بیوقوفی اور جہالت سے واجب الوجود سے ایک چیز سے زیادہ صادر نہیں سمجھتے اور اس ذلت آمیز نظریہ کو کمال سمجھتے ہیں۔ عجیب جاہل ہیں کہ جہل کو کمال تصور کرتے ہیں اور اضطرار کو اختیار سے بہتر جانتے ہیں اور اپنی جہالت کی وجہ سے دوسری چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ انہوں نے عقل فعال کا نظریہ خود بنالیا ہے اور تخلیقات کو اس محدود علم رکھنے والی عقل کی طرف منسوب کرتے ہیں نہایت ذلت کا مقام ہے زمین اور آسمانوں کے پیدا والے پر یہ جاہل۔ اُس کی شان کے مطابق ایمان نہیں لاتے۔

کوئی بھی جماعت اس جماعت سے زیادہ بیوقوف اور پاگل دنیا بھر میں وجود میں نہیں آئی۔ ذرا غور کیجئے کہ مسلمانوں میں بھی ایک ایسی جماعت ہے جو ان ناپاکوں کو ارباب بصیرت تصور کرتے ہیں اور ان کی مکروہ سوچ کو حکمت قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے جھوٹے عقائد کو نفس الامر کے مطابق سمجھتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ازل سے لے کر ابد تک ایک کلام سے متکلم ہے اگر امر ہے تو اسی ایک کلام سے ہے۔ اور اگر نہی ہے تو بھی اسی سے ہے۔ اور اسی طرح خبر دینا اور خبر حاصل کرنا بھی اسی ایک کلام سے پیدا ہوا ہے اور اگر توریت وانجیل ہے تو اسی سخن پر دلیل ہے اور اگر زبور وقرآن مجید ہے تو اسی کلام کا نشان ہے اور اسی طرح تمام صحیفے اور کتابیں جو انبیاء علیہم الصلوت والتسلیمات پر نازل ہوئی ہیں اسی کلام کی تفصیل ہے۔ ازل وابد اس وسعت اور لمبائی کے باوجود اس جگہ آن واحد ہے بلکہ اس کی بھی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ان کا اطلاق بھی اس جگہ تنگی عبارت کی وجہ سے واقع ہے پس وہ کلام جو اس آن میں صادر ہوگا۔ ایک کلمہ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک نقطہ ہوگا۔ ورنہ نقطہ بھی گنجائش نہیں رکھتا اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی وسعت میں کسی بحث کی گنجائش نہیں وہ اس وسعت اور تنگی سے جو امکاں کی صفات میں سے ہے بالکل پاک ہے اور بلند ہے۔

اور مومن اللہ تعالیٰ کا بہشت میں برملا دیدار کریں گے۔ ''بادشاہ کے عطیات کو اس کی سواریاں ہی اٹھاسکتی ہیں'' آج اس معمہ کو اولیاء میں سے خاص الخاص نے حل کر دیا ہے اور ظاہر ہو چکا

Marfat.com

ہے۔ یہ مشکل مسئلہ ان بزرگوں کے نزدیک تحقیقی ہے اہل حق کے علاوہ کوئی بھی دوسرے فرقوں میں اس مسئلہ کے قائل نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی زیارت کو یہ سب محال سمجھتے ہیں۔

ایسے باریک مسائل میں ایمان کا حصول سنت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے نور کے سوا بالکل نہیں ہوسکتا۔

تعجب ہے کہ وہ لوگ جو زیارت کی دولت پر یقین نہیں رکھتے اس سعادت سکیں گے کیونکہ منکروں کی قسمت میں محرومی ہے۔ ان کے لئے وہی جواب مناسب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ نبینا وعلیہ السلام نے فرعون کے جواب میں فرمایا تھا۔ الہ تعالیٰ ان کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے (فرعون) نے کہا۔ ''پہلے زمانوں کا کیا حال ہے''۔ تو (موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے۔ میرا رب نہ تو بھولتا ہے نہ بہک سکتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہارے لئے زمین میں بچھونا بنایا اور تمہارے لئے اس میں رستے نکالے اور آسمانوں سے پانی اتارا۔

جاننا چاہئے کہ بہشت اور باقی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی نسبت برابر ہیں کہ سب اس کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی میں بھی حلول نہیں فرمایا بعض مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کے انوار کے ظہور کی قابلیت ہے اور بعض میں نہیں ہے۔ آئینہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے اور اینٹ نہیں رکھتی پس فرق صفت یہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب کی نسبت برابر ہے۔

دنیا میں زیارت واقع نہیں ہے۔ یہ دنیا اس دولت کے ظہور کی قابلیت نہیں رکھتی یہ دولت اگر اس دنیا میں میسر ہوسکتی تو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام اس کے زیادہ حق دار تھے۔ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور اس کا وقوع دنیا میں نہیں ہوا بلکہ آپ عالم بالا میں گئے اور وہاں دیدار کیا کیوں کہ وہ عالم آخرت سے ہے دنیا میں یہ دیدار نہیں ہوا۔ بلکہ دنیا سے باہر آئے اور آخرت سے ملحق ہوئے اور دیدار کیا اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے۔ پہاڑوں اور سمندروں کا خالق ہے درختوں اور پھلوں کا خالق ہے۔ کانوں اور نباتات کا خالق ہے۔ جس طرح اس نے آسمانوں کو ستاروں سے زینت دی ہے۔ زمین کو انسان پیدا کر کے مزین کیا ہے۔ اگر بسیط ہے تو اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور اگر مرکب ہے تو اسی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوا مختصر یہ کہ تمام اشیاء کو وہی فنا سے وجود میں لایا ہے اور مخلوق بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی قدیم نہیں ہے تمام اہل حق ذات اقدس کے سوا ہر چیز کے مخلوق ہونے پر اجماع رکھتے ہیں۔ اور بالاتفاق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قدیم نہیں مانتے۔

امام حجتہ الاسلام غزالی نے اس معنی کی تشریح کی ہے اور ان لوگوں کو کافر کہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو بھی قدیم جانتے ہیں اور وہ لوگ جو آسمانوں اور ستاروں اور ان جیسے چیزوں کے قدیم ہونے کے قائل ہیں قرآن مجید ان کی تردید کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اللہ الذی خلق السموات والارض و ما بینھما فی ستة ایام ثم استوی علی العرش

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی مخلوقات کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش کا ارادہ کیا۔

قرآن مجید کی کافی تعداد میں ایسی آیات ہیں۔ کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو اپنی ناقص عقل سے قرآنی آیات کی مخالفت کرے اور "جسے اللہ نور عطا نہ فرمائے اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے"

جس طرح بندے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ بندوں کے افعال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ کیونکہ "پیدا کرنا" صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ یاد رہے کہ ممکن سے ممکن کی ایجاد نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ کوتاہی سے داغدار ہے اور نقص علم سے موصوف ہے اور ایجاد و خلق کے لائق نہیں ہے۔ انسان اپنی اختیاری افعال میں جو دخل رکھتا ہے وہ اس کا کسب ہے جو انسان کی قدرت و ارادہ سے واقع ہے۔ فعل کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا خاصا ہے۔ کسب فعل بندہ کی طرف سے ہے۔ پس آدمی کا اختیاری فعل آدمی کے کسب اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے مجموعہ سے واقع ہوتا ہے۔ اگر انسان کے کسب و اختیار کا فعل میں بالکل دخل نہ ہو تو رعشہ کا حکم پیدا ہوگا۔ ہم مکمل یقین سے جانتے ہیں کہ رعشہ والے کا فعل اور ہے اور اختیار والے کا فعل اور ہوتا ہے اور اسی قدر فرق فعل میں انسان کے کسب کے دخل کے لئے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے اپنی کئی مخلوقات کو انسان کے تابع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کے ارادہ کے بعد انسان میں فعل ایجاد فرماتا ہے تو پھر انسان قابل تعریف یا نفرت کے قابل ٹھہرتا ہے اور اسی پر اسے ثواب یا عذاب ملتا ہے۔

ارادہ اختیار جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو دے رکھا ہے وہ کام کرنے یا نہ کرنے کے دونوں اختیار رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانی فعل اور ترک فعل کی اچھائی یا برائی تفصیل سے بیان کر دی ہے اس کے باوجود انسان جو ایک سمت کو اختیار کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں یا تو اسے ملامت کی جائے گی یا وہ قابل تعریف ٹھہرے گا اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ قدرت اختیار دیا ہے کہ شرعی اوامر و نواہی سے عہدہ برآ ہو سکے۔ انسان کو پوری قدرت اور پورا اختیار جتنا چاہئے تھا دے دیا گیا ہے۔ اس کا منکر روز روشن کی طرح عیاں حقیقت کا انکار کرتا ہے بیمار دل والا شریعت کی تعمیل میں عاجز ہے۔ جیسے کہ ارشاد ہے کہ "مشرکوں پر وہ بات بڑی بھاری ہے جس کی طرف آپ ان کو بلاتے ہیں" یہ مسئلہ علم کلام کے مشکل مسائل میں سے ہے اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ جو کچھ علمائے اہل حق نے فرمایا ہے۔ اسے پورا کرنا چاہئے اور فضول بحث سے بچنا بہت بہتر ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جہانوں کے لئے رحمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے اور ان کے ذریعہ بندوں کو اپنی جناب پاک میں دعوت دی ہے اور جنت کا راستہ دکھایا ہے۔ وہ بڑا بدنصیب ہے جو سخی کی دعوت قبول نہ کرے اور اس کی دولت کے دستر

Marfat.com

خوان سے فائدہ نہ اٹھائے۔ انبیاء کرام نے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچایا وہ سب کچھ حق اور سچ ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

عقل بھی اگرچہ حجت ہے لیکن ناقص ہے۔ حجت بالغہ صرف انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی بعثت سے حاصل ہوئی ہے کہ انسانوں کے لئے کوئی عذر نہیں چھوڑا گیا۔ سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام اور آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات پر ایمان لانا چاہئے اور سب کو معصوم اور راست باز سمجھنا چاہئے۔۔ انبیاء کرام میں سے کسی ایک کا بھی انکار سب کے انکار کو لازم کرتا ہے کیونکہ ان کی بات ایک ہی ہے اور ان کے دین کے اصول بھی ایک ہی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان سے نزول فرمائیں گے تو خاتم الرسل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی پیروی کریں گے۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کے معزز اطاعت گزار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رسالت اور تبلیغ کی دولت سے مشرف ہیں۔ ان کو جو حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہ خوراک و لباس سے پاک اور میاں بیوی کے تعلق اور توالد و تناسل سے بھی پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور صحیفے انہی کے ذریعہ نازل ہوئے اور انہی کی امانت سے محفوظ و مامون ہیں۔ ان پر ایمان لانا دین کے دائمی ارکان میں سے ہے۔ اور ان کو سچا جاننا اسلام کے فرائض میں سے ہے۔

اکثر اہل حق کے نزدیک خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں کیونکہ خاص بندوں کا اللہ تعالیٰ تک پہنچنا رکاوٹوں کے باوجود ہے۔ اور فرشتوں کو قرب بغیر کسی رکاوٹ و ممانعت کے حاصل ہے تسبیح و تقدیس اگرچہ فرشتوں کا کام ہے لیکن اس کام کے ساتھ جہاد کو جمع کرنا انسان کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فضل اللّٰہ المجاھدین باموالھم و انفسھم علی القاعدین

اللہ تعالیٰ نے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر کئی درجے فضیلت دے رکھی ہے۔ اور ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

اور جن چیزوں کی مخبر صادق علیہ الصلوۃ والسلام نے خبر دی ہے مثلاً احوال قبر و احوال قیامت اور حشر و نشر اور بہشت و دوزخ سب برحق اور سچ ہیں۔ قیامت پر ایمان لانا بھی ضروریات ایمان میں سے ہے۔ قیامت کے منکر اللہ تعالیٰ کے منکر کی طرح ہیں۔ اور قطعاً کافر ہیں اور قبر کا عذاب اور اس کا تنگ ہونا برحق ہے۔ اس کا منکر اگرچہ کافر نہیں لیکن بدعتی ضرور ہے کیونکہ وہ احادیث مشہورہ کا منکر ہے۔

قیامت کا دن برحق ہے اور یقیناً آنے والا ہے۔ اس دن آسمانوں اور زمین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ ستارے گر پڑیں گے اور زمین اور پہاڑ بھی ریزہ ریزہ اور معدوم ہو جائیں گے۔ جیسا کہ قرآنی نصوص اس کو صراحتاً بیان کرتی ہیں تمام اسلامی فرقوں کا اس پر اتفاق ہے کہ قیامت

Marfat.com

کا منکر کافر ہے۔ قبروں سے اٹھنا اور بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں کا زندہ ہونا برحق ہے۔ اعمال کا حساب اور میزان کا رکھنا اور نامہ اعمال کا اڑنا اور نیک لوگوں کے دائیں ہاتھ میں اور برے لوگوں کے بائیں ہاتھ میں پہنچنا یہی حق ہے اور پل صراط جسے دوزخ کی پشت پر رکھا جائے گا اور اس جگہ سے گزر کر جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں جہنم کا عذاب اور جنت میں ثواب کا ہمیشہ رہنا اور آسمانوں کا پھٹنا' ستاروں کا جھڑنا' زمین اور پہاڑوں کا بکھر جانا وغیرہ بھی حق ہے۔

عقائد توحیدیہ کے بارے میں

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ایک اور مکتوب

جان لیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدیم ذات کے ساتھ موجود ہے۔ اور تمام اشیاء اس کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے فنا سے وجود میں آئی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ قدیم وازلی ہے۔ باقی تمام اشیاء حادث اور نئی پیدا شدہ ہیں اور جو حادث اور نئی پیدا شہد ہیں وہ فانی اور ہلاک ہونے والی ہیں۔ یعنی وہ فنا کے میدان میں ہے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ وجوب وجود میں اور نہ عبادت کے مستحق ہونے میں وجوب وجود (لازمی طور پر قائم رہنا) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لائق نہیں اور عبادت کا استحقاق اس کے سوا کسی کے لئے درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ صفات کاملہ رکھتا ہے۔ جن میں سے حیات' علم قدرت' ارادہ' سننا، دیکھنا کلام اور تکوین بھی ہیں۔ یہ صفات ازلی اور قدیمی ہیں۔ اور اللہ جل شانہ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔

حوادث کے ساتھ تعلقات کا ہونا صفات کے قدیم ہونے میں خلل نہیں ڈالتا۔ اور متعلق کا حدوث ان صفات کی ازلیت کے لئے مانع نہیں ہے۔ فلاسفہ نے اپنی بیوقوفی سے اور معتزلہ نے اپنے اندھے پن سے متعلق (ایجادات) کے حدوث کو متعلق (صفات) کے حدوث سے وابستہ کر دیا ہے۔ اور وہ صفات کاملہ کی نفی کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا جاننے والا نہیں سمجھتے۔ یہ تغیر کو لازم کرتا ہے جو کہ حدوث کی علامت ہے۔ ان لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ صفات ازلی ہوتی ہیں۔ اور متعلقات تخلیق کے ساتھ صفات کا تعلق عارضی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں نقص نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ جواہر واجسام واعراض کے لوازمات و صفات سے پاک ہے۔ زمان ومکان اور جہت کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ سب اس کی مخلوق ہیں وہ آدمی بے خبر ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو عرش کے اوپر کہتا اور اس کے لئے بلند اور سمت تجویز کرتا ہے۔ عرش اور اس کے علاوہ تمام چیزیں حادث اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ مخلوق اور حادث کی کیا مجال ہے۔ کہ وہ خالق قدیم کا امکان ٹھہرے اور اس کی قرارگاہ بنے۔

Marfat.com

ہاں اتنا ضرور ہے کہ عرش اللہ تعالیٰ کی سب سے اشرف مخلوق ہے۔ اور اس میں نورانیت اور صفائی تمام ممکنات سے زیادہ ہے۔ وہ لازمی طور پر آئینہ کا حکم رکھتا ہے کہ خالق جل وعلا کی عظمت اور کبریائی کا ظہور اس جگہ ظاہر ہوتا ہے۔ اسی ظہور کے تعلق کی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ کا عرش کہتے ہیں ورنہ عرش اور دوسری چیزیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں برابر نسبت رکھتی ہیں کہ سب اس کی مخلوق ہیں۔ ہاں عرش میں نمائندگی کی قابلیت موجود ہے۔ جو دوسروں میں نہیں ہے۔ آئینہ جب آدمی کی شکل دکھاتا ہے۔ اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ شخص آئینہ میں ہے۔ بلکہ اس آدمی اور دوسری تمام سامنے آنے والی چیزوں کی آئینہ سے نسبت برابر ہے۔ آئینہ کسی بھی چیز کی صورت دکھا سکتا ہے۔ اور دوسری چیزوں میں یہ قابلیت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانی نہیں ہے۔ جوہر اور عرض نہیں ہے۔ محدود اور متناہی نہیں ہے۔ طویل عریض نہیں ہے۔ فراخ اور تنگ نہیں ہے۔ بلکہ وہ فراخی والا ہے۔ لیکن وہ وسعت نہیں جو ہمارے فہم میں آئے۔ وہ محیط ہے۔ لیکن وہ احاطہ نہیں۔ جس کا ادراک کیا جاسکے۔ وہ قریب ہے۔ لیکن وہ قرب نہیں جو ہماری سمجھ میں آتا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن اس معیت سے ہم آگاہ نہیں۔ ہم ایمان لاتے ہیں۔ کہ وہ فراخی والا ہے۔ احاطہ کرنے والا ہے۔ قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن ان صفات کی کیفیات ہم نہیں جان سکتے کہ وہ کیسے ہیں اور ہم جو کچھ جانتے ہیں اس کے متعلق ایسا سوچنا مجسمہ کے مذہب میں قدم رکھنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی کوئی اور چیز اس سے متحد ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول بھی نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی چیز اللہ تعالیٰ میں حلول کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے اجزاء اور حصوں کا ہونا بھی محال ہے۔ اور ترکیب وتحلیل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ممنوع ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل اور کفو نہیں ہے۔ بیوی بچے نہیں ہیں۔ اس کی ذات وصفات بے شک وشبہ اور بے تشبیہ اور بے نمونہ ہیں۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہے اور اپنے اسماء وصفات کاملہ سے جن سے خود اس نے ہمیں آگاہ فرمایا ہے۔ ان سے متصف ہے اور اللہ تعالیٰ جیسے انسانوں کا خالق ہے۔ ان کے افعال کا بھی خالق ہے۔ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں۔ لیکن وہ اچھے کاموں سے راضی ہے اور برے کاموں سے خوش نہیں ہے۔ ہر چند کہ یہ دونوں اسی کی مشیت سے ہیں۔ لیکن جاننا چاہئے کہ صرف شر کو بے ادبی کے خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے۔ خالق الشر (برائی کو پیدا کرنے والا) نہیں کہنا چاہئے۔ بلکہ خالق الخیر والشر (بھلائی اور برائی کو پیدا کرنے والا) کہنا چاہئے۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ کہ حق تعالیٰ کو ہر چیز کا خالق تو کہنا درست ہے۔ مگر غلاظتوں کو پیدا کرنے والا نہیں کہنا چاہئے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کا ادب ملحوظ رہے۔

معتزلہ جو اپنے اندر بت پرستی کا اثر رکھتے تھے۔ افعال کا خالق انسان کو جانتے تھے۔

Marfat.com

اچھے اور برے فعل کی نسبت اس کی طرف کرتے تھے۔ شریعت اور عقل دونوں ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ ہاں علماء حق نے انسان کی قدرت کو اس کے فعل میں دخل انداز جانا ہے اور انسان کے لئے کسب کا اثبات کیا ہے۔ اس لئے کہ رعشہ والے ہاتھ کی حرکت اور اختیار والے ہاتھ کی حرکت میں واضح فرق ہے۔ رعشہ والی میں انسان کی قدرت اور کسب کو کوئی دخل نہیں اور اختیاری حرکت میں دخل ہے۔ اتنا فرق ہی مواخذہ کا باعث ہوتا ہے اور عذاب وثواب کا سبب بنتا ہے۔ جو لوگ انسان کی قدرت اور اختیار میں شک رکھتے ہیں۔ اور انسان کو مجبور اور عاجز جانتے ہیں۔ تو انہوں نے علماء کی تحقیقات کو نہیں سمجھا۔

انسانی قدرت اور اختیار کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان جو چاہے کرے۔ اور جو چاہے نہ کرے۔ یہ تو خود بندگی ہی سے دور ہے۔ بلکہ اختیار کا یہ مطلب ہے کہ جس چیز کی اسے تکلیف دی گئی ہے وہ اسے کر سکتا ہے۔ پانچ وقت نماز پڑھ سکتا ہے چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے بارہ مہینوں میں سے ایک ماہ کے روزے رکھ سکتا ہے۔ اور اپنی عمر میں سواری اور خرچ کے ہوتے ہوئے حج کر سکتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس شریعت کے باقی احکام ہیں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے بندہ کے ضعف اور کمزوری کو ملحوظ رکھتے ہوئے سہولت اور آسانی کی رعایت رکھی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

"یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے تمہیں تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتا"۔

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں اور گمراہی سے بچائیں جو ان کی دعوت قبول کرے۔ اسے بہشت کی خوشخبری دیں اور جو انکار کرے اسے دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں جو کچھ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کیا ہے اور جن امور کی تبلیغ کی ہے سب حق اور سچ ہے اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت و رسالت کا اختتام کیا گیا ہے۔ آپ کا دین پہلے ادیان کا نچوڑ ہے۔ آپؐ کی کتاب پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ آپ کی شریعت کو کوئی منسوخ کرنے والا نہیں آئے گا بلکہ آپؐ کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی۔ اور عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام جب نزول فرمائیں گے تو آپ ہی کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپؐ کی اتباع کرنے کی حیثیت سے رہیں گے۔

اور جو کچھ بھی انبیاءؑ نے آخرت کے حالات کے متعلق خبریں دی ہیں وہ سب صحیح ہیں۔ عذاب قبر اور اس کی تنگی اور قبر میں منکر ونکیر کے سوالات' دنیا کا فنا ہونا' آسمانوں کا پھٹنا' ستاروں کا گرنا' زمین اور پہاڑوں کا اٹھا لیا جانا اور ان کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا، حشر ونشر اور روح کا جسم میں واپس آنا' قیامت کا زلزلہ اور قیامت کی ہولناکیاں' اعمال کا محاسبہ اور کئے ہوئے اعمال کے متعلق اعضاء کی شہادت اور نیکیوں اور برائیوں کے اعمالناموں کا دائیں اور بائیں اڑنا' ترازو کا رکھا جانا کہ اس پر نیکوں

Marfat.com

اور برائیوں کا وزن کیا جائے یا نیکی اور بدی کی کمی وزیادتی معلوم کی جائے اگر نیکیوں کا پلہ بوجھل ہوگا تو یہ نجات کی علامت ہوگا۔ اور اگر ہلکا ہوگا تو یہ عذاب کا نشان ہوگا اس ترازو کا ہلکا اور بوجھل ہونا دنیا کے ترازو کے برعکس ہے۔ وہاں جو پلہ اوپر چلا جائے گا۔ وہ بوجھل ہوگا۔ اور جو نیچے رہے گا وہ ہلکا ہوگا۔

متفرقات

اللہ تعالیٰ کی معرفت

✓ آیات اور دلائل کے ساتھ مختصر طور پر عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت یہ ہے کہ ان چیزوں پر یقین اور ان کی معرفت حاصل ہو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے' اکیلا ہے' تنہا ہے' اس کا باپ نہیں' اس کا بیٹا نہیں' اس کے کوئی برابر نہیں' کوئی چیز اس کے مثل نہیں' وہ سنتا ہے' دیکھتا ہے' نہ اس کی کوئی مثال ہے' نہ کوئی اس کا مددگار ہے اور نہ کوئی شریک نہ کوئی پشت پناہ ہے نہ کوئی اس کے وزیر ہے' اور اس کا کوئی برابر کا مخالف نہیں' کوئی صلاح کار نہیں' وہ جسم نہیں جسے چھوا جا سکے' جوہر نہیں کہ اسے سمجھا جائے' عرض نہیں کہ اسے جسم کی ضرورت ہو نہ اس کے اجزاء ہیں' نہ تالیف ہے نہ ماہیت ہے نہ حد ہے۔ اُس کا اپنا وجود ہے جسے اُس نے خود پسند کیا ہے۔

✓ وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمان کو اونچا کیا اور زمین کو بچھایا' نہ وہ طبیعت عامہ ہے نہ طالع ہے نہ وہ ہر چیز پر چھا جانے والا اندھیرا ہے اور نہ جگمگاتی روشنی ہے۔ اس کو ہر چیز کا علم حضوری حاصل ہے' چھوئے بغیر وہ ہر چیز کا مشاہدہ کرتا ہے' غالب ہے' تسلط والا ہے اور سب پر حاکم وقادر ہے' رحمت کرنے والا' گناہوں کو بخشنے والا' پردہ پوش ہے' وہی عزت دیتا ہے' وہی مددگار ہے' بہت مہربان ہے' خالق ہے' عدم سے موجود کرنے والا ہے۔ سب سے اول ہے اور سب سے آخرت ہے' ظاہر بھی ہے اور باطن بھی' اکیلا ہے۔ وہی معبود ہے' ایسا زندہ ہے بلکہ ہمیشہ رہنے والا ہے اسے فنا نہیں' اس کی بادشاہت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی' سب کو تھامنے والا ہے' سوتا نہیں' ایسا قوت والا جسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا' وہ مضبوط ہے اس کی بارگاہ میں کوئی دم نہیں مار سکتا' اس کی عظمت والے نام ہیں' زیادہ عطا کرنے والا ہے' اس نے تمام مخلوق کے فنا ہونے کا فیصلہ کر دیا اور فرمایا کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام آسمان وزمین پر جو کچھ ہے فنا ہونے والا ہے' صرف عزت اور کرامت والے پروردگار کی ذات باقی رہے گی۔ وہ باعتبار عالی مرتبت مستوی عرش ہے' سارے عالم کو اس کی ذات نے اپنے اختیار میں لے رکھا ہے' اس کا علم ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ پاکیزہ کلمات اسی کی طرف اٹھتے ہیں' پاکیزہ عمل انکو اوپر اٹھاتے ہیں' آسمان سے زمین تک ہر امر کی تدبیر فرماتا ہے پھر ہر جاندار ایسے ایک دن میں جس کی تعداد گنتی کے لحاظ سے ہزار برس کے برابر ہے۔ اسی کی طرف

Marfat.com

لوٹ جائے گا۔ اس نے تمام مخلوق اور ان کے افعال کو پیدا فرمایا اور ان کے رزق اور ان کی حیات کی مدت مقرر کی' جس چیز کو اس نے پیچھے کیا اسے کوئی آگے اور جس کو آگے کیا اسے کوئی پیچھے کرنے والا نہیں ہے۔ ساری دنیا اور اس کے کاموں کا وہی ارادہ کرتا ہے' اگر وہ انسان کو نافرمانی سے بچانا چاہتا تو کوئی اس کے ارادے کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا اور اگر چاہتا کہ سب اس کے فرمانبردار بن جائیں تو سب حکم ماننے والے ہو جاتے وہ چھپی ہوئی اور پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے' وہ دلوں کے رازوں کو جانتا ہے' جس کو اس نے خود پیدا کیا تو ظاہر ہے کہ وہ اس سے پوری طرح واقف ہے۔ وہ بڑا باخبر اور باریک بین ہے۔ وہی حرکت دینے والا اور روکنے والا ہے ہم اس کا تصور نہیں کر سکتے اور نہ ذہن میں اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

اس کا قیاس انسانوں پر ہرگز نہیں کیا جا سکتا جس چیز کو اس نے خود بنایا اس کے ساتھ مشابہت سے بالکل پاک ہے۔ وہ اس بات سے بلند ہے کہ جسے اس نے پیدا کیا اور فنا سے وجود میں لایا اس سے اسے نسبت دی جائے۔ ہر شخص جو کچھ کرتا ہے وہ اس پر قابو رکھتا ہے۔ سب اس کے علم کے احاطہ میں ہیں اور اس کے شمار میں ہیں۔

قیامت کے دن ہر ایک اس کے سامنے تنہا جائے گا تاکہ ہر ایک کو اس کی کوشش کا بدلہ مل جائے' قیامت کا مقصد یہ ہے کہ بدکاروں کو ان کی بدکاری اور نیکوکاروں کو ان کی نیکی کا اجر عطا فرمائے۔ وہ مخلوق کا محتاج نہیں' وہی مخلوق کو رزق دیتا ہے۔ وہ دوسروں کو کھلاتا ہے اسے کوئی نہیں کھلاتا وہ روزی دیتا ہے مگر اسے روزی کی کوئی حاجت نہیں۔ وہ پناہ دیتا ہے' اس کے خلاف کسی کو پناہ نہیں مل سکتی۔ مخلوق اس کی محتاج ہے' اس نے مخلوق کو اس لئے تخلیق نہیں فرمایا کہ وہ اس سے فائدہ حاصل کرے۔ وہ صادق القول ہے ذوالعرش المجید فعال لما یرید O (وہ بزرگ خالق مالک عرش ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے) وہ اکیلا قدرت رکھتا ہے دکھ اور مصیبت کو دور کرنے' اشیاء کو بدل ڈالنے اور حالات کو تبدیل کر دینے کی روزانہ اس کی نئی شان ہے۔ جو کچھ اس نے مقدر کیا ہے اس کے مقرر کردہ وقت کی جانب وہی لے جاتا ہے۔

صفات الٰہی

بلاشبہ زندگی کے ساتھ وہ زندہ ہے' قدرت کے ساتھ قادر ہے' ارادہ کے ساتھ صاحب ارادہ ہے۔ بغیر کانوں کے سنتا ہے اور بغیر آنکھوں کے دیکھتا ہے' علم سے ادراک کرنے والا ہے' وہ کلام کے ساتھ متکلم ہے' حکم کے ساتھ حکم دینے والا ہے اور نہی کے ساتھ منع کرنے والا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم اور فیصلہ پر عادل ہے۔ انعام و عطا تو محض اس کی مہربانی اور احسان ہے۔ کسی کا اس پر حق نہیں ہے) پہلی بار وہی پیدا کرنے والا ہے اور دوبارہ بھی وہی پیدا فرمائے گا۔ وہی زندگی اور موت دینے والا

Marfat.com

ہے وہی فنا سے وجود میں لانے والا اور وہی ایجاد کرنے والا اور جزاو سزا دینے والا ہے۔

✓ وہ بڑا سخی ہے اور بردبار ہے اعمال کے مطابق جزاو سزا دیتا ہے۔ یاد رکھنے والا ہے بھولتا نہیں اس کا علم حاضر و سہو سے پاک ہے خبر رکھنے والا ہے غفلت سے بری ہے وہی روزی تنگ اور فراخ کرتا ہے جتنا خوش ہوتا ہے محبت فرماتا ہے اور ناراض ہو کر نفرت کرتا ہے ناپسند اور پسند اسی کی ہے۔ راضی ہوتا ہے اور ناراض ہوتا ہے مہربانی کرتا اور گناہوں کو بخشتا ہے وہی دیتا اور روک لیتا ہے اس نے خود فرمایا ہے۔ والسموات مطویات بیمینه (اس کے دائیں ہاتھ میں آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر تشریف فرما ہو کر آیت والسموات مطویات بیمینه تلاوت فرمائی اور فرمایا آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور وہ اس طرح پھینک دے گا جیسے بچہ گیند پھینک دیتا ہے پھر ارشاد فرمائے گا میں ہی غالب ہوں راوی کا بیان ہے کہ یہ فرماتے وقت رسول اللہ ﷺ منبر شریف پر لرزاں تھے اور محسوس ہوتا تھا کہ آپ گر نہ پڑیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمام زمین و آسمان کو مٹھی میں اس طرح پکڑے گا کہ ان کا کوئی کنارا بھی مٹھی سے باہر نہیں ہوگا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا انصاف کرنے والے (عادل حضرات) قیامت کے دن نور کے منبروں پر رحمٰن کے دائیں جانب ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خوب شکل پر بنایا اور جنت کے باغ کو اپنی قدرت سے لگایا اور طوبیٰ کا درخت بھی قدرت کاملہ سے لگایا تورات اس کے حکم پر لکھی گئی اور حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ میں خود عطا فرمائی۔ بلا واسطہ بغیر کسی ترجمان کے ان سے خود کلام فرمایا۔ بندوں کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں میں ہیں وہ جس طرف چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے۔

قیامت کے دن آسمان اور زمیں اس کی مٹھی میں ہوں گے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا قدم (بتمثیل) جہنم میں رکھے گا تو جہنم کے طبقے آپس میں سمٹ جائیں گے اور کہیں گے بس بس!! اس کے بعد ایک قوم آگ سے باہر نکلے گی۔ اہل جنت اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اس کے دیکھنے میں ان کو کچھ اشتباہ نہیں ہوگا اور نہ کچھ تکلیف ہوگی۔ حدیث شریف میں ایسا ہی آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر جلوہ انداز ہوگا اور ان کی تمنائے دیدار پوری فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ للذین احسنو الحسنیٰ و زیادة (نیک کام کرنے والوں کے لئے اچھا بدلہ ہے اور کچھ زیادہ بھی) بعض اصحاب کا خیال ہے کہ الحسنیٰ سے مراد جنت ہے اور زیادہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ ایک دوسری آیت میں ہے۔ "کچھ چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے"۔ فیصلہ اور

Marfat.com

جزا (قیامت) کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے بندوں کی پیشی ہوگی وہ خود ہی ان کا حساب لے گا کوئی دوسرا اس کا اختیار نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ نے سات آسمان ایک کے بعد ایک اور سات زمینیں تہہ بہ تہہ پیدا کی ہیں اوپر کی زمین سے نچلے آسمان تک تیز رفتار گھوڑے کا مسلسل پانچ سو برس کا راستہ ہے اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک اتنا ہی فاصلہ ہے' پانی ساتویں آسمان پر ہے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اس سے اوپر ستر ہزار حجاب ہیں' یہ حجاب نور کے بھی ہیں اور تاریکی کے بھی اور ان چیزوں کے بھی جن سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے۔

عرش کو اٹھانے والے فرشتے' عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الذین یحملون العرش ومن حولہ۔ عرش کی حد ہے لیکن اس سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے۔ فرشتے عرش کے اطراف کو گھیرے ہوئے ہیں۔ عرش سرخ یاقوت کا ہے اس کی وسعت آسمانوں اور زمینوں کی وسعت سے زیادہ ہے' عرش کے مقابلے میں جملہ کائنات کی مثال ایسی ہے جیسے کسی میدان میں ایک انگوٹھی رکھی ہو' (بروایت احادیث) جو کچھ ساتوں آسمانوں میں' ان کے درمیان اور ان کے نیچے ہے اور جو کچھ تحت الثریٰ میں ہے اور جو کچھ سمندروں کی گہرائیوں میں ہے اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے' وہ ہر پیدا ہونے والے' ہر درخت اور اس کے ہر پتے اور ہر کھیتی کے اگنے کی جگہ سے واقف ہے۔ ہر پتے کے گرنے کی جگہ اس کے علم میں ہے (القرآن) اور ان کے پورے شمار کو بھی جانتا ہے۔ پتھر کے ریزوں' ریت اور مٹی کے ذروں' پہاڑ کے وزنوں سے وہ واقف ہے اور سمندروں کا ناپ اس کے علم میں ہے' بندوں کے اعمال ان کے بھید' ان کی سانسیں اور ان کے مونہوں کی باتوں کو وہ جانتا ہے (القرآن)' ہر چیز سے واقف ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ اس کے علم سے کوئی جگہ خالی نہیں' وہ مخلوق کی مشابہت سے پاک و منزہ ہے۔ اس نے خود فرمایا ہے ثم استوی علی العرش الرحمن (القرآن) اسی کی طرف پاک الفاظ چڑھتے ہیں اور اچھے اعمال ان کو اونچا کرتے ہیں' ایک باندی سے حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے' اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا' رسول اللہ ﷺ نے اس کے مسلمان ہونے کا فیصلہ فرما دیا (احادیث)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنے ذمہ ایک تحریر لکھ لی اور وہ تحریر اس کے پاس عرش کے اوپر ہے وہ تحریر یہ ہے (بلاشبہ میری رحمت میری غضب پر غالب ہے) حدیث شریف کے دوسرے الفاظ اس طرح آئے ہیں کہ "جب اللہ تعالیٰ تخلیق کو کامل کر چکا تو اس نے اپنی ذات پر ایک تحریر میں لکھا کہ بلاشبہ میری رحمت میرے غضب سے بڑھ کر ہے۔"

یہ ضروری ہے کہ لفظ استوا کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کسی تاویل کے بغیر کیا جائے' استوا سے مراد عرش پر ذات کا مستوی ہونا ہی ہے لیکن یہ استوا (بیٹھک) اور مس کے بغیر ہے جس کا قائل فرقہ مجسمہ اور کرامیہ

Marfat.com

تھے۔ جملہ صحابہ کرام تابعین اور محدثین سے صرف لفظ استوا کا اطلاق منقول ہے۔ (غنیتہ الطالبین)

علی العرش استویٰ

ام المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے آیت الرحمن علی العرش استویٰ کی تشریح میں فرمایا کہ یہ وہ کیفیت ہے جو غیر منقول ہے' استواء کا معنی معلوم ہے۔ اس کا اقرار واجب ہے اور انکار کفر ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے مسلم نے اس حدیث کو مرفوعاً نقل کیا ہے اور فرمان رسول ﷺ ہونے کی صراحت کی ہے (صحیح مسلم)۔ حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ نے اپنے انتقال سے کچھ پہلے فرمایا صفات الٰہی کی خبروں کو ویسا ہی رکھا جائے جیسی وہ آئی ہیں ایسی تاویل نہ کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کی مشابہت مخلوق سے لازم آئے نہ ایسی توجیہہ کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کا صفات سے خالی ہونا لازم آئے۔ بعض روایتوں میں امام احمد کا یہ قول بھی آیا ہے کہ میں صاحب کلام نہیں اور نہ ان مقامات کے متعلق اللہ تعالیٰ کی کتاب' احادیث رسول' اقوال صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اجمعین میں کسی جگہ مجھے کلام ملتا ہے اس کے علاوہ بھی اس موضوع پر کلام اچھا نہیں' اللہ تعالیٰ کی صفات میں چون وچرا نہ کی جائے نہ بطور شک ایسا کہا جائے۔ حضرت امام احمدؒ نے ایک اور جگہ بھی کہا ہے ہم ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے جس طرح اس کی مشیت ہے نہ کوئی حد بندی کرنے والا اس کی حد بندی کر سکے نہ کوئی ایسی صفت ہے کہ بیان کرنے والا اس کو بیان کر سکے (اقوال امام احمد بن جنبل) سعید بن میسب رضی اللہ عنہ نے کعب احبار رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا ہے۔ "میں اللہ تعالیٰ ہوں اپنے بندوں کے اوپر میرا عرش تمام مخلوق سے اوپر ہے اور میں عرش کے اوپر ہوں' اپنے بندوں کا انتظام میں عرش کے اوپر سے کرتا ہوں' میرے بندوں کی کوئی چیز مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔" اللہ تعالیٰ کا عرش پر بغیر کسی کیفیت کے ہونا ہر اس کتاب میں مذکور ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بھی پیغمبر پر نازل ہوئی ہے (جملہ کتب احادیث)

ایک بات یہ بھی ہے کہ عرش ہو یا غیر عرش اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر بلندی' قدرت' تسلط اور غلبہ ہمیشہ سے حاصل ہے اس لئے "استوا علی العرش" کو خاص طور پر ان معنوں پر محمول نہیں کیا جائے۔ استوا اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اس کی خبر' صراحت اور تاکید ساتھ آیتوں میں اور رسول کریم ﷺ کی حدیث میں آئی ہے۔ استوا اللہ کی صفت لازمہ ہے اور اس کے لئے موزوں ہے جیسے سمع' بصر' حیات' قدرت' محی اور ممیت ہونا اس کی صفات لازمہ میں سے ہیں۔ (اسی طرح ایک یہ بھی صفت لازمہ ہے) ہم قرآن اور حدیث سے باہر نہیں جائیں گے' ہم قرآن اور حدیث پڑھتے ہیں اور جو کچھ ان دونوں میں ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ بس صفات کی کیفیات کو اللہ تعالیٰ کے ہی سپرد کرتے ہیں۔

بحوالہ فتوح الغیب' حضرت شیخ عبد القادر جیلانی)

Marfat.com

اعمال وسعادت

سعادت کے راستے پر قدم بڑھانا عقلمندی کی دلیل ہے اور اس میں غفلت سے کام لینا جہالت کا ثبوت ہے۔ لیکن جو شخص اس راستہ سے واقف ہی نہیں ہو کیسے اس پر چل سکتا ہے۔ کس طرح معلوم کیا جا سکتا ہے۔ کہ علم اور عمل ہی وہ شاہراہ ہے یہ معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں۔ اول پرانا رستہ ہی مناسب ہے۔ یعنی اس رستہ پر گامزن ہو جاؤ۔ جس پر اول تین فرقے متفق ہیں۔ ان کا اجماع اسی بات پر ہے کہ نجات صرف عمل سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اور علم عمل سے اشرف ہے۔ عمل گویا علم کا گھوڑا ہے۔ عمل علم کو اپنے پروں پر لے کر پرواز کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے منزل مقصود پر پہنچا دیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کلمات طیب اس کی طرف پرواز کرتے ہیں اور عمل صالح انہیں بلند کرتا ہے۔ پاکیزہ کلمات بحث ونظر کے وقت علم کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ یہی بڑھتا ہے یہی موقع پر پہنچتا ہے۔ عمل ایک غلام ہے جو علم کو اٹھاتا ہے اور لے کر چلتا ہے۔ علم کے بلند مرتبے کے بارے میں یہ ایک مثال ہے۔

فرقہ اول اکثریت پر مشتمل ہے اور مفہوم اول یعنی ظاہری شریعت پر اکتفا کرتا ہے۔ اس کا مذہب اور مسلک علم وعمل کے ذریعہ نجات کے متعلق بالکل صاف ہے۔ صوفیائے کرام اور فلاسفہ بھی جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر مکمل ایمان رکھتے ہیں۔ اگرچہ اس کی کیفیات کے بارے میں مختلف الرائے ہیں مگر اس امر میں متفق ہیں کہ سعادت کا راز علم اور عبادت میں موجود ہے۔ فرض کریں کہ ایک آدمی کسی مرض میں مبتلا ہے۔ اطباء کی کتابیں اور ان کے اقوال طبی اختلاف کے باوجود اس امر پر متفق ہیں کہ اس بیماری کے ازالہ کے لئے یہ دوا مفید ہے۔ تو اگر مریض اس میں شک کرتا ہے تو اس کی عقل میں فتور ہے۔ بلکہ ایسی حالت میں تو اسے نہایت تیزی سے دوا کھا لینا چاہئے تھی۔ ہاں بعض اوقات مریض کو مرض کے خاتمہ کے بعد اس امر کا موقع مل جاتا ہے کہ اس کے متعلق تحقیقات کرے۔ اکثروں کی پیروی کیلئے نہیں بلکہ مرض کی حقیقت اور اس دوا کے مرض کے ازالہ کا سبب ہونے کا راز معلوم کرنے کے لئے چنانچہ اسے بے حد بصیرت حاصل ہوتی ہے جب غور وفکر سے مستقل کام لیتا ہے تو اتباع وتقلید کے گہرے گڑھے سے نکل کر صاحب بصیرت کے قابل قدر مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔ غرض صوفیا اور ان کے ساتھ باقی فرقوں کا یہی دعوی ہے۔ ان کا کہنا ہے۔ کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص اصلی مقام کو بصیرت اور تحقیق کے ذریعہ حاصل کر لے اس کی صورت یہی ہے کہ موت کی حقیقت پہنچانے اور اس بات سے خوب آگاہ رہے۔ کہ موت آلہ کو ناقابل استعمال کر دیتی ہے اسے متاثی نہیں ہے۔

اس کے بعد یاد رکھو کہ (اول) ہر ایک چیز کی سعادت' اس کی لذت اور راحت' صرف اس چیز کا کمال خاص حاصل کر لینے میں ہے۔ (دوم) انسان کے لئے کمال یہ ہے کہ وہ ان عقلیات کی

Marfat.com

حقیقت کو جان لے جن پر اس کی ہستی کا دارومدار ہے۔ اور وہ توہمات اور محسوسات خارج کر دینے چاہئیں جن میں اس کے ساتھ حیوان بھی مشترک ہیں۔ (سوم) روح ذاتی حیثیت سے اس کمال خاص کے لئے بہت پیاسی ہے اور فطری طور پر اس کے لئے تیار ہے۔ بدنی خواہشات اور دوسرے عوارض میں انسان کا مشغول اور مصروف ہو جانا کمال کو حاصل کرنے میں رکاوٹ ہے۔ جب کوئی عوارض و خواہشات پر غالب آ جائیں اور ان سے نجات حاصل کر لے۔ اس وقت انسان، زمین و آسمان کا مطالعہ کرنے میں غور و فکر سے کام لینا شروع کرتا ہے۔ بلکہ اپنے نفس اور اس سے متعلقہ عجائبات کا گہری نظروں سے ملاحظہ کرتا ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جب انسان اپنے کمال خاص کی منزل مقصود کو پالیتا ہے۔ دنیا میں وہ نیک بخت اور سعادت مند ہوتا ہے۔ کیونکہ سعادت کے معنی یہی ہیں کہ انسان کی روح ہر اس کمال کو حاصل کر لے جو اس کے لئے ممکن ہے۔ اگرچہ درجات کمال کا نہ تو کوئی شمار ہے اور نہ کوئی حد۔ لیکن ہم جب تک اس دنیا میں ہیں۔ اس لذت ذوق سے واقف نہیں ہو سکتے، اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص جس کی قوت ذائقہ ضائع ہو چکی ہے اس کے سامنے لذیذ ترین کھانے رکھئے۔ وہ اس کی لذت سے واقف نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اچانک اس کی حس ذائقہ عود کر آئے تو وہ اسی لمحے کھانے کی لذت سے پوری طرح لطف اندوز ہونے لگے گا اس لحاظ سے موت کی مثال حس ذائقہ کے عود کر آنے کی سی ہے۔ چنانچہ بعض صاحبان حلقہ تصوف فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کے راستے میں قدم بڑھانے والا جنت کو اسی دنیا میں دیکھتا ہے اور فردوس اعلیٰ اس کے گوشہ دل میں اس کے ہمراہ رہتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس مقام کا حاصل کر لے۔ اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ شریعت کے مقررہ امور کو اختیار کرے اور فضول دنیاوی اغراض سے یکسر علیحدگی اختیار کرے اور امور الٰہیہ میں فکر و نظر پر پوری ہمت صرف کرے۔ تو یقیناً دل معرفت کے روشن پوشیدہ رازوں کو انکشاف کرنے لگے گا یہ تبھی ممکن ہے کہ روح کو تمام کدورتوں سے صاف کر لیا جائے اس مقام بلند پر پہنچنے کا نام ہی سعادت ہے۔ اور عمل اس کے لئے معاون ہے۔ پس یہی وہ گروہ ہے جس کا دعویٰ ہے کہ علم و عمل کی سعادت کے ساتھ معرفت کو مناسبت حاصل ہے۔ چنانچہ یہ دوسرا طریقہ ہے یقین کی منزل تک پہنچنے کا۔ جو کچھ انہوں نے کہا وہ پختہ ہے اور ان کے نزدیک عرفان مجاہدہ نفس اور ریاضت کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ الذین جاهدوا فینا لنهد ینهم سبلنا جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم انہیں اپنا رستہ دکھا دیں گے۔ اس لئے لازم ہے کہ جستجو میں مجاہدہ اور یکسوئی کو استعمال کریں، بعض اوقات حقیقت حال کا انکشاف نفی و اثبات کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہی کافی ہے کہ علم و عمل سے شروع کیا جائے۔ جس پر تینوں فرقوں کا اتفاق ہے۔

(بحوالہ امام غزالی میزان عمل)

Marfat.com

تزکیہ نفس

علم وعمل میں مشغول ہونا واجب ہے۔ علوم تو بے شمار ہیں یہی حال اعمال کا ہے کہ وہ مقدار اور اقسام کے لحاظ سے بہت زیادہ اور مختلف ہیں۔ مثلاً صرف اسی قدر جان لینا کافی نہیں کہ مبردات بیماری میں فائدہ دیتے ہیں' جب تک مبردات کی قسم ان کی مقدار' ان کے استعمال کا وقت دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر یا متفرق طریقے سے استعمال کرنے کا طریقہ' وغیرہ سے آگاہ نہ ہو۔ لہٰذا ضروری ہے کہ قسم اور مقدار بیان کی جائے اور ساتھ ہی اس کے استعمال کا طریقہ اور کیفیت بھی بتائی جائے۔ ان سوالات کا مکمل جواب یہ ہے کہ ان مسائل کے لحاظ سے لوگ دو فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں' اول وہ لوگ جو تقلید پر گزارا کرتے ہیں۔ وہ تحقیق کی مشقت گوارا ہی نہیں کرتے' بلکہ اپنے امام و پیشوا کے قدم بقدم چلنے کو ہی باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ دوم وہ لوگ جو تقلید پسند نہیں کرتے۔ وہ پریشان حال ریض کی طرح طبیب کے فرمودات کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ بلکہ انکو اس بات کا شوق ہوتا ہے کہ وہ بھی طبیب کا مقام حاصل کریں۔ یہ منزل بہت دور کی ہے۔ اس منزل کو پانے کی سعادت صدیوں بعد کسی ایک کو ملتی ہے شاہراہ ہدایت پر گامزن ہونے کے لئے اگر توفیق الٰہی امداد کرے اور تکمیل حاصل کرنے کا عزم دل میں پیدا ہو جائے تو مجاہدہ نفس کے ذریعہ اپنی مراد تک پہنچا جاسکتا ہے۔ یاد رہے کہ اس خواہش کو اس وقت تک حاصل نہیں کیا جاسکتا جب تک نفس کی قوتوں اور خاصیتوں کی معرفت پوری طرح حاصل نہ ہو۔ کیونکہ جو شخص زید سے واقف ہی نہیں ہو اس کے ساتھ تعلقات کیسے قائم کرسکتا ہے۔
مجاہدہ نفس کا علاج ہے جس سے اس کا تزکیہ ہوتا ہے اور انسان فلاح کا مقام حاصل کر لیتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ قد افلح من زکھا و قد خاب من دسھا اس نے فلاح پائی جس نے خود کو پاکیزہ بنایا۔ جو شخص کپڑے کی صورت سے آشنا نہیں وہ اس کا میل دور کرنے کا تصور کیسے کر سکتا ہے۔ چونکہ نفس کی پہچان ہی اصل الاصول ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے معاملے کو خاص طور پر خطاب کرتے ہوئے عظمت اور اپنی ذات پاک کے ساتھ نسبت بخشی چنانچہ فرمایا انی خالق بشرا من طین فاذا سویته و نفخت فیه من روحی اس آیت میں اس امر کی جانب صاف اشارہ ہے کہ انسان کا جسم آنکھوں نفس عقل اور بصیرت سے ادراک حاصل کرتا ہے۔ نہ کہ حواس سے' اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم کو مٹی کی نسبت دی۔ اور اس کی روح کو اپنی ذات سے، اللہ تعالیٰ کی زبان میں روح وہی ہے جسے ہم نے نفس کا نام دیا ہے ارباب بصیرت کو معلوم ہو جائے کہ نفس انسانی امور الٰہیہ میں سے ہے۔ اور نچلے درجے کی مٹی کے جسموں سے ارفع اور زبردست ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی (اے نبی ﷺ) آپ سے روح کی بابت پوچھتے ہیں کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔ کہتے ہیں کہ سابقہ کتب آسمانی میں بھی لکھا

Marfat.com

تھا۔اے نسل آدم اپنے نفس کو پہچانو۔تو تم اپنے رب کو پہچان لو گے'' رسول اللہ ﷺ کا بھی ارشاد ہے اعرفکم بنفسه اعرفکم بربه تم میں سے جو شخص اپنے نفس سے زیادہ واقف ہے۔وہ اپنے رب سے بھی زیادہ واقف ہے۔اور ولا تکونو کالذین نسو اللّٰه فانساهم انفسهم فرما کر اس بات کو واضح کیا کہ دونوں ایک دوسرے سے لازم وملزوم کا تعلق رکھتے ہیں۔ایک کو بھول جانا دوسرے کو بھول جانے کے برابر ہے۔اسی لئے فرمایا ایاتنا فی الا فاق و فی انفسهم اور وفی انفسکم افلا تبصرون یہاں ظاہری جسم کو دیکھنے کی جانب توجہ دلانا مقصود نہیں کیونکہ یہ تو جانوروں کو بھی نظر آتا ہے مختصر یہ کہ جو شخص اپنے نفس کے حالات سے ناواقف ہوگا۔وہ دوسری اشیاء سے بھی بالکل بے خبر ہوگا۔اللہ عزوجل کی بندوں پر خاص الخاص رحمت اور عنایت ہے کہ اس نے انسان کے وجود میں باوجود اس قدر کم قد وقامت ہونے کے اتنے عجائبات جمع کر دیئے ہیں اور اوصاف وخصائل کے لحاظ سے انسان کل کائنات کے عجائبات کا مقابل ثابت ہو رہا ہے۔اس لئے کہ انسان اس میں غور وفکر کر کے اللہ عزوجل کے علم کی طرف نسبت حاصل کرے۔

نفس حیوانی کی دو قوتیں ہوتی ہیں' اول قوت محرکہ دوم قوت مدرکہ، محرکہ کی پھر دو قسمیں ہیں' باعثہ اور مباشرہ حرکت' مباشرہ وہ قوت ہے جو اعصاب اور عضلات میں پیدا ہوتی ہے اس کا کام یہ ہے کہ عضلات کو سکیڑے اور نسوں اور ریشوں کو جن کا اعصاب سے اتصال ہے مباداء کی جانب کھینچے۔یا یہ کہ ان کو ڈھیل دے اور نرم چھوڑ دے۔تاکہ اعصاب اور نسلیں مبادا کے مقابل ہو جائیں۔یہ قوت باعثہ محرکہ کے خادم کی حیثیت رکھتی ہے۔

جب کبھی آئینہ خیال میں کسی ایسی شے کی صورت منعکس ہوتی ہے۔جو مرغوب ہے یا قابل نفرت ہے تو جو قوت ترغیب ونفرت کے جذبات پیدا کرتی ہے' اس کا نام باعثہ ہے اور قوت مباشرہ حرکت جنبش پر مائل کرتی ہے۔اس قوت باعثہ کے دو شعبے ہیں' ایک کو شہوانیہ کہتے ہیں اور دوسرے کو غصبیہ' شہوانیہ انسان کو ان اشیاء کی جانب طلب لذت کے لئے قریب ہونے کی رغبت دیتی ہے۔ جنہیں وہ اپنے لئے ضروری سمجھتا ہے۔اور غصبیہ انسان کو ان چیزوں کو دور کرنے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کا جوش دلاتی ہے۔جن کو وہ اپنے لئے نقصان دہ سمجھتا ہے۔

اب رہی قوت مدرکہ تو اس کی دو قسمیں ہیں۔مدرکہ ظاہرہ اور مدرکہ باطنہ' ظاہرہ حواس خمسہ پر مشتمل ہے۔باطنہ پانچ ہیں اول خیالیہ' یہی وہ آئینہ ہے جس میں محسوس چیزوں کے غائب ہو جانے کے بعد ان کی صورتیں عکس پذیر رہتی ہیں۔چنانچہ صورت مرئی آنکھیں بند کرنے کے بعد بھی خیال میں قائم رہتی ہے۔اور وہ حس کے پردے میں چھپ جاتی ہے اسے قوت خیالیہ کہتے ہیں۔اور جب جملہ حواس خمسہ کے مدرکات کے نشان اس میں باقی رہیں تو وہ حس مشترک کہلاتی ہے۔

دوسری کا نام حافظہ ہے۔اور یہ مذکورہ بالا نشانات کو محفوظ رکھتی ہے کسی چیز کی صورت وتمسک

کرنے والی قوت اور ہے اور اس کو قبول کرنے والی طاقت اور جیسے موم اپنی خاصیت کے باعث نقش کو پکڑ لیتا ہے۔ اور رطوبت کے ذریعہ قبول کرتا ہے۔ پانی قبول کرتا ہے گرفت نہیں کرتا' قبول کرنے والی قوت اور اس کے قوی یعنی حواس خمسہ کے مدرکات کو قبول کرنے والی اور ان کو محفوظ رکھنے والی قوتوں کا گھر دماغ کے جوف اول میں ہے' اور جب اس پر کوئی چوٹ لگتی ہے یا آفت نازل ہوتی ہے تو یہ قوتیں بکھر جاتی ہیں۔

سوم وہمیہ ہے اس قوت کا مقام دماغ کے وسطی جوف کی آخری حد پر ہوتا ہے یہ قوت جزئی محسوسات کے ان معانی کا ادراک کرتی ہے جنہیں محسوس نہیں کیا جا سکتا مثلاً چھٹی حس' یعنی یہ قوت جاندار کو سمجھاتی ہے کہ دشمن سے بھاگنا اور جملہ خاندان کی طرف جانا چاہئے۔

چوتھی ان معانی کو یاد رکھنے کا کام کرتی ہے جو محسوس نہیں کئے جا سکتے' جیسے قوت دوم صورتوں کو یاد کرتی ہے۔ وہ حافظہ صوری ہے حافظہ معانی کا نام ذاکرہ ہے اور اس کی جائے سکونت جوف دماغ کا آخری حصہ ہے اب جوف دماغ کا وسطی حصہ باقی رہ گیا یہ قوت مفکرہ کی قیام گاہ ہے جو صورتوں اور معنوں کے خزانوں کے درمیان مرتب ہوتی ہے اس کا کام یہ ہے کہ اپنی خواہش کے مطابق بعض خیالات کو آپس میں ترکیب دے۔ اور بعض کو منتشر کرے۔ عام طور پر اس کا ذکر ادراک کرنے والے قویٰ میں کیا جاتا ہے' لیکن بہتر یہ ہے کہ ان کو قوائے متحرکہ میں شمار کیا جائے۔ کیونکہ اس کا ادراک حرکت کی قسم سے ہے' یعنی مرکب خیالات کو منتشر کرنا اور منتشر کو جمع کرنا یہ کسی ایسی نئی شے کے پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ جو خیال میں موجود نہ ہو اس کا دائرہ عمل صرف تفصیل و ترکیب پر احاطہ کرتا ہے۔ مذکورہ بالا قویٰ حیوانوں اور انسانوں میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔ صرف قوت مفکرہ الگ تھلگ ہے' اس کی بجائے حیوانات میں اس کے قریب قریب ایک قوت ہوتی ہے۔ جسے متخیلہ کہتے ہیں۔ مگر انسان کی قوت مفکرہ کے برابر طاقتور نہیں ہے۔

اب رہا نفس انسانی تو انسان سے متعلق ہونے کی وجہ سے اس کی قوتوں کی دو اقسام ہیں۔ قوت علم اور قوت عاملہ' ان میں سے ہر ایک کا نام عقل ہے۔ لیکن اسم مشترک کے طور پر۔ کیونکہ قوت عمل کو عقل صرف اس لئے کہتے ہیں۔ کہ وہ قوت علم کی خادم ہے اور نفس کے لئے مقصود ہے۔ قوت عاملہ نظریہ کا مفہوم وہ مقررہ افعال جو جزئی ہیں اور فکر و دیکھنے کے ساتھ مختص امور کی طرف انسان کے بدن کو حرکت دینے کا سبب ہیں' چاہئے کہ قوت عملیہ کے سوا سب قوائے بدن مغلوب اور تابع ہوں اس طرح کہ یہ قوت ان سے آلودہ نہ ہو اور دوسری تمام قوتیں اس کے فرمان و اشارہ کے مطابق حرکت اختیار کریں۔ کیونکہ اگر یہ قوت مغلوب ہو جائے تو قوائے بدنیہ میں خواہشات کی اطاعت کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جنہیں بد اخلاقیوں سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر یہ قوت عاملہ دوسری قوتوں پر مسلط ہو کر غلبہ پا لے تو اس غلبہ کو اخلاق حسنہ کہتے ہیں۔ اس قوت کے غلبہ کے معنی یہ ہیں کہ دوسری تمام قوتیں اس کی

Marfat.com

اطاعت کریں اور اخلاق حمیدہ سے مراد ہیں، غرض یہ ہے کہ نفس اس بات سے بالاتر ہے کہ حواس خمسہ اس کا ادراک کر سکیں۔ البتہ عقل اسے معلوم کر سکتی ہے یا اس کے آثار کے متعلق دلائل دے سکتی ہے۔ نفس کو دو نسبتیں حاصل ہیں۔ اول نسبت اس پہلو کی طرف جو اس سے نیچے ہے اور دوم نسبت اس پہلو کی جانب جو اس کے اوپر ہے اور ہر پہلو کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے اسے ایک طاقت دے رکھی ہے جس سے ان پہلوؤں اور نفس کے درمیان ضابطہ قائم رکھا جاتا ہے یہی قوت عمل ہے اور یہی وہ قوت ہے جو نیچے کے پہلو کا خیال رکھتی ہے یعنی بدن اور اس کی تدبیر و سیاست کی، قوت عالمہ ایسی قوت ہے جو اوپر کے پہلو کا اندازہ رکھتی ہے تا کہ اس سے اثر حاصل کرے۔ اور استفادہ کرے۔

ان ملائکہ سے جو انسان کے مخصوص نفوس پر موکل بنائے گئے ہیں تا کہ ان پر علوم کی بارش کریں۔ کیونکہ علوم اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی واسطہ کے ذریعہ ہی حاصل کئے جاتے ہیں جیسے ارشاد خداوندی ہے۔ وما کان بشر ان یکلمه الا وحیاً او من وراء حجاب او یرسل رسولاً کسی انسان سے اللہ تعالیٰ صرف وحی کے طور پر یا پردے کے پیچھے سے یا رسول بھیج کر ہی کلام کرتا ہے۔

نفس کو ہمارے ساتھ دو تعلق ہیں۔ پہلا بدن کی جانب۔ اور چاہئے کہ یہ تعلق غالب نہ ہو نہ اثر قبول کرنے والا ہو اور نہ عوارض اور شہوات بدنیہ سے منفعل ہونے والا ہو۔ دوسرا تعلق شریف و عالی جانب سے، یہ تعلق اس جانب کے اثرات سے ہمیشہ قائم رہنا چاہئے کیونکہ یہیں سے نفس انسانی پر اسباب سعادت کا نزول ہوتا ہے۔ یہ قوت نظریہ عالمہ ہی ہے جس کا کام یہ ہے کہ کلی اور ان نقائص سے پاک معانی جو انہیں جزئی اور محسوس بنا دیتی ہیں القا کریں۔

پھر یہ قوت ان علوم کی نسبت سے جو اس میں حاصل ہوتے ہیں۔ تین مراتب پر تقسیم ہوتی ہے اول اس نسبت کی مانند جو بچے میں لکھنے کے فن سے ہے۔ کیونکہ بچے میں کتابت کی قوت تو موجود ہے لیکن عمل سے ابھی دور ہے یہی حال اس کے ساتھ قوت علم کا ہے دوسرا یہ ہے کہ اس میں تمام معلومات جو ابتدائی اور ضروری ہیں۔ حاصل کی جائیں جیسے ایک لڑکا جو پہچان رکھتا ہو اور سن بلوغ کو پہنچ رہا ہو اس نے دوات قلم اور حروف مرکب کے ساتھ ساتھ مفردات کی پہچان حاصل کر لی ہے حالانکہ اسے جھولے میں یہ بات حاصل نہ تھی اس میں تحریر کی قوت تو موجود تھی لیکن عمل سے دور تھی۔

مرتبہ سوم یہ ہے کہ تمام معقولات کسبیہ عملی طور پر حاصل کی جائیں اور یہ چیزیں انسان کے پاس بطور خزانہ کے جمع ہوں چنانچہ جب چاہے ان کی جانب رجوع کر سکے اور جب رجوع کر لے تو انہیں حاصل کرے۔ اس شخص کا حال علوم کے بارے میں ماہر تحریر کاریگر کا سا ہے جو جھولے میں تو فن تحریر سے غافل ہے۔ لیکن وہ قوت قریب کے ساتھ اپنے فن میں مستعد ہے اور استعداد کے طور پر اسے انتہائی کمال حاصل ہے یہ انسانی درجہ کی انتہا ہے لیکن اس میں ان گنت مدارج ہیں ان کے تحصیل کے طریق کار بھی مختلف ہیں یہ علم تعلیم اور اکتساب کے ذریعہ ہی حاصل ہوتے ہیں یہ یا تو

Marfat.com

جلدی حاصل ہوتے ہیں یا دیر سے۔ اس علم میں علماء، حکماء اولیاء اور انبیاء کی منزلیں مختلف ہیں اور اس علم کے درجات کے حساب سے ان کے مناصب بھی عیاں ہوتے ہیں اس میں ترقی کرنے کے مدارج کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ سب سے بلند ترین درجہ مقام نبوت ہے۔ جس پر تمام حقائق یا ان کا اکثر حصہ منکشف ہوتا ہے بغیر تکلیف اٹھانے کے بلکہ کشف کے ذریعہ نہایت کم وقت میں یہ درجہ عطا کیا گیا۔ اور یہ وہ سعادت ہے کہ جب انسان کو یہ سعادت حاصل ہوئی تو اللہ تعالیٰ کا قرب اسے حاصل ہوا۔ مکان اور مسافت کے طور پر نہیں بلکہ معنی اور حقیقت کے لحاظ سے یہ ادب کا مقام ہے۔ اس مقام کے بارے میں گفتگو میں احتیاط ضروری ہے۔ کیونکہ بعض لوگ یہاں اس حالت کو پہنچ جاتے ہیں۔ کہ وہ قرب سے گزر کر ذات واحد کے ساتھ اتحاد کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں، چنانچہ بعض پکار اٹھے **سبحانی ما اعظم شانی** دوسروں نے انا لحق کا نعرہ مارا۔ بعض نے اس مقام کو حلول سے تعبیر کیا اور نصاریٰ نے لاہوت و ناہوت کے اتحاد سے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہنے لگے وہ خدا کا نصف ہیں لیکن یہ ہمیشہ ذہن میں رہے کہ اللہ جل وعلا کی ذات عالی ان بدبخت لوگوں کے ان دعووں سے بہت ارفع واعلیٰ ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کی منازل بے حد و شمار ہیں۔ سالک راہ سلوک میں جس منزل کو پالیتا ہے۔ اس سے واقف ہو جاتا ہے اور اسی طرح گزشتہ تمام منزلیں جنہیں وہ طے کرلے۔ پوری طرح پہچان لیتا ہے لیکن جو منزل اس کے سامنے ہے اس کی حقیقت سے پوری طرح باخبر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حقیقت نبوت سے سوائے نبی کے اور کوئی شخص واقف نہیں ہوتا۔ اسی طرح باقی صاحبان عقل و شعور ان حالات سے سرسری طور پر واقف ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف و فروانی رحمت سے انبیاء کرام کو عطا کیے ہیں

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دروازے جب کھول دے تو انہیں کوئی بند نہیں کر سکتا۔ یہ اکرام و عنایات صرف اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں۔ ان میں کسی کا اختیار نہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ان کا مستحق ہونے کے لئے تزکیہ نفس کے ذریعہ صلاحیت حاصل کرنا ضروری تھا اور جس طرح ایک صورت کا اس میں کوئی قصور نہیں اگر زنگ آلود لوہے میں اس کا عکس نہیں پڑتا اس کا باعث تو لوہے کا کھردرا پن اور درشتی ہے جب اس کو قلعی کر لینے سے اس کی کھردراہٹ اور سیاہی زائل ہوتی ہے تو وہ روشن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یقین رکھنا چاہئے کہ پردہ تو ہماری طرف سے ہے رحمت الٰہی کی طرف سے کوئی حجاب نہیں۔

یعنی جلوہ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

اس لئے سرور عالم ﷺ نے فرمایا **ان لربکم فی ایام دھر کم نفحات الا فتعرضوا لھا** اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے کرم و عطا طلب کرنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بے حد

زوردار الفاظ میں ترغیب دلائی اور ارشاد فرمایا۔ ینزل اللہ کل لیلۃ الی سماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الا خیر فیقول ھل من داع فا ستجیب لہ ھل من مستمر حم فارحم کہ اللہ تعالیٰ ہر شب کے آخر میں آسمان دنیا پر آواز دیتا ہے کہ ہے کوئی پریشان' بیمار' لاچار اور طالب رحمت ۔ جو مجھ سے مانگے اور میں اسے پورا کروں اور فرمایا جو شخص ایک بالشت میری جانب آتا ہے میں اس کی طرف ایک قدم بڑھتا ہوں اور جو چل کر میری طرف آتا ہے میں اس کی سمت دوڑ کی جاتا ہوں لازم ہے کہ ان امور کی جستجو کے لئے قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا جائے (بحوالہ امام غزالی) (میزان عمل)

نفس انسانی

انسان کے بدن میں نفس ایسے ہی ہے جیسے بادساہ اپنے شہر اور ملک میں ہوتا ہے۔ اس کی قوتیں اور اعضاء جو کہ بدن کے خدمت گزار ہیں۔ کاریگروں اور عالموں کی طرح ہیں۔ قوت عقلیہ مفکرہ اس کا وزیر با تدبیر ہے اور شہوت اس کا بدخصلت غلام ہے جو غلہ اور کھانے پینے کا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے کر چلتا ہے۔ غیرت وحمیت اس کا کوتوال ہے' غلہ وجنس وطعام لے کر چلنے والا غلام' مکار' فریبی بدخصلت اور شیطانی ہے جو بظاہر نصیحت کرنے والے کے لباس میں سامنے آتا ہے اس کے پندونصائح کے پردے میں لاعلاج بیماری اور ہولناک خرابیاں ہیں۔ اس کی عادت ہے کہ بروقت وزیر کی باحکمت تدبیر کے خلاف جھگڑا کرتا رہے؛ یہاں تک کہ ایک لحہ بھی اس جھگڑے کو نہیں چھوڑتا۔ جس طرح بادشاہ اپنی سلطنت میں جب وزیر سے انتظام سلطنت میں مشورہ لیتا ہے اور بدخصلت افراد کے مشورہ سے پرہیز کرتا ہے بلکہ ان کے مشورہ سے ہی سمجھ لیتا ہے کہ ان کی رائے کے خلاف کرنا ہی درست ہے اپنے کوتوال کو ڈانٹتا ہے اور اسے وزیر کے ماتحت بناتا ہے پھر کوتوال کو اس غلام بدطینت اس کے مددگاروں پر مسلط کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ برا غلام' محکوم ومجبور ہو جاتا ہے اس کے اختیارات چھن جاتے ہیں اور وہ حکم کا بندہ بن جاتا ہے اس وقت بادشاہ کے شہر کا انتظام درست طریقے پر چلنے لگتا ہے اور اس کے ذریعہ عدل ومساوات کا قیام ہو جاتا ہے اسی طرح جب نفس عقل سے مدد طلب کرتا ہے۔ غصے اور سختی کو مودب کر لیتا ہے اسے شہوت پر مسلط کر کے عقل سے ایک دوسرے کے خلاف امداد لیتا ہے کبھی غصے کی مملکت کی سرحد کو خواہشات کی تدبیر سے کم کرتا ہے کبھی غضب اور حمیت کو خواہشات پر مسلط کر کے انہیں مغلوب کرتا ہے اور دن تقاضوں کے ذریعہ سے ان کے اعضاء کو معتدل کرتا ہے اور ان کے اخلاق کو پسندیدہ بناتا ہے۔ اور جو شخص اس درجہ اعتدال سے تجاوز کر جائے۔ اسی کے متعلق ارشاد ہے۔ افرائت من اتخذ الھہ ھواہ واضلہ اللہ علی علم پھر فرمایا واتبع ھواہ فمثلہ کمثل الکلب (جو خواہشات کی اتباع کرتا ہے۔ وہ کتے کی طرح ہے) اور نبی ﷺ نے فرمایا اعدی عدوک نفسک التی بین جلبک تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا دل ہے جو تیرے سینے

Marfat.com

میں ہے۔اور حق تعالیٰ اس خوش نصیب شخص کے بارے میں فرماتا ہے جو اپنی خواہشات کو مغلوب کر لے واما من خاف مقام ربه و نهى النفس عن الهوى فان الجنته هى الماوى جو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات کی پیروی سے روک لیا تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔خواہشات کے مٹانے کے وہ معنی نہیں جو بعض لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں۔یعنی غصے اور خواہش کا بالکل قلع قمع کر دیا جائے۔اور ان کو کلی طور پر مٹا دیا جائے۔ بلکہ یوں ہے کہ ان کو ضابطے میں رکھ کر مودب بنایا جائے۔کیونکہ عقل حمیت غضبیہ کی امداد کے بغیر تادیب پر قادر نہیں۔کیونکہ اس کا کام تو صرف اتنا ہی ہے کہ نیک رستہ بتا دے اور بس کیونکہ وہ اشرف ہے۔ اسی عقل کی بدولت انسان دنیا میں خلیفتہ اللہ کے منصب پر فائز کیا گیا ہے عقل کی حیثیت غضبیہ (جو خواہشات کی حس کو اطاعت و فرمانبرداری پر مجبور کرتی ہے اور ڈانٹ کر اسے عقل کا نوکر بناتی ہے) اگر اس کی امداد عقل کو حاصل نہ ہو تو اس کا مشورہ کوئی فائدہ نہ دے۔اسی لئے اس شخص کی عقل کی فضیلت نمایاں نہیں ہوتی۔ جو بے حمیت ہو۔لیکن لازمی ہے کہ اسے اس طرح باادب بنا دیا جائے کہ عقل کے مشورہ کے بغیر حرکت میں نہ آئے۔اسے کھانے پینے سے روکنا بھی ناممکن ہے۔کیونکہ ایسا کرنے سے انسانی زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ کھانے کی بھرپور خواہشات کو فنا کر دیا جائے یعنی کھانا تناول کرنے سے مقصود لذت یابی اور لطف اندوزی نہ ہو بلکہ جسمانی قوت کا برقرار رکھنا ہوتا کہ علم وعمل حاصل کرنے کا وسیلہ بنے۔

انسان چونکہ بلحاظ خلقت معنوی ایک بڑا جہان ہے اور جسم کے لحاظ سے چھوٹا اس لئے اس کا بدن ایک شہر کی مانند ہے عقل بادشاہ ہے جو انتظام مملکت کرتا ہے اس کے حواس ظاہری و باطنی میں سے قوائے مدرکہ اس کا لشکر ہیں اس کے ہاتھ پاؤں اور اعضاء جوارح اس کی رعیت ہیں۔نفس امارہ جو برائی پر ابھارتا رہتا ہے جس کا دوسرا نام شہوت وغضب ہے بمنزلہ دشمن کے ہے جو جنگ کر کے اس کی رعایا کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے تو بدن ایک قلعہ ہوا۔اس میں انسان کا نفس مقیم ہے جو پہروں کے اندر محفوظ بیٹھا ہے اگر وہ اپنے دشمن سے لڑے' اسے قید اور مغلوب کر لے' تو جب وہ رب العزت کے حضور حاضر ہوگا تو اس کی عزت کی جائے گی۔چنانچہ فرمایا

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو مالی اور جانی جہاد کرتے ہیں بیٹھ کر عبادت کرنے والوں پر بلحاظ مرتبہ فضیلت دی ہے اور ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے نیک وعدہ دے رکھا ہے۔اور اگر اس کا قلعہ ٹوٹ گیا اور اس کی رعایا مغلوب ہوگئی تو وہ سزا کے قابل حاکم ہوگا۔اور اس کو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت سزا دی جائے گی۔اور روز محشر اسے کہا جائے گا۔اے نالائق حاکم تو نے گوشت کھایا اور دودھ پیا اور برائی کو نہ روکا' ٹوٹے ہوئے کو نہ جوڑا آج اپنی سزا بھگت (الحدیث) یہی وہ جہاد ہے جس کا ذکر روح کی غذا اور اس کی حقیقت معلوم کر لینا روح کا معراج ہے۔اس کی پہچان وہی شخص کر سکتا ہے جو ترک خواہشات

Marfat.com

کے ذریعہ آمادہ جستجو ہو اسی لئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کافروں سے تیغ آزمائی کو جہاد اصغر سے موسوم کیا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کونسا جہاد افضل ہے حضور ﷺ نے فرمایا جہادک هواک تیری جنگ تیری خواہشات سے! اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کسی پہلوان کو بچھاڑنا تو کچھ مشکل بات نہیں مشکل تو یہ ہے کہ انسان اپنے غصے کے جن کو قابو کر لے۔

مجاہدہ نفس کے مراتب

معلوم ہونا چاہئے کہ انسان کے لئے خواہشات کے ساتھ لڑائی کرنے کے تین نتیجے ہیں۔

اول

یہ کہ خواہشات فتح پا کر اس پر قابض ہو جائیں۔ اور وہ انکے خلاف کرنے پر قادر نہ ہو۔ عام طور پر لوگوں کی یہی حالت ہے اس قسم کے لوگوں کے متعلق خداوند عزوجل کا ارشاد ہے افرایت من اتخذ الهه هواه کیونکہ الہ کے معنی معبود ہی تو ہیں اور معبود وہ ہے جس کے اشارہ اور احکام کی بجا آوری کیجائے۔ تو جس شخص کی ہر ایک حرکت بدنی اغراض اور جسمانی خواہشات کی پیروی میں ہوگی۔ وہ خوہشات کو اپنا الہ بنا چکا ہوگا۔

دوم

یہ کہ لڑائی ان کے اپنے باطن میں اپنے نفس کے ساتھ ہو کبھی یہ شخص خواہشات پر غالب آجائے کبھی وہ اس پر بھاری ہو جائیں۔ یہ شخص مجاہدین میں شمار ہوگا۔ اگر اسی حالت میں اسے موت آجائے تو شہید ہوگا۔ کیونکہ وہ فرمان نبوی ﷺ کے پیروی میں مشغول تھا۔ جاهدوا اهواكم كما تجاهدون اعدائكم اپنی خواہشات نفسانی سے اس طرح جنگ آزمائی کرو جس طرح اپنے دشمنوں سے کرتے ہو۔

سوم

تیسری حالت یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو بچھاڑ کر ان پر قابو حاصل کر لیا جائے اور کسی وقت وہ بندے پر غالب نہ آسکیں یہی ملک کبیر ہے یہی بڑی نعمت اور یہی مکمل آزادی ہے۔ یہی غلاظت سے پاک ہونا ہے۔ اور اسی کے متعلق سرور عالم ﷺ نے فرمایا ہے۔ "ما من احد الا وله شيطان ولي شيطان وان الله قد اعانني على شيطاني حتى ملكت" ہر ایک شخص کا ایک شیطان ہوتا ہے اور میرا بھی ایک شیطان ہے۔ لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے اسے مطیع کر لیا ہے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا جس رستہ سے عمر رضی اللہ عنہ گزرتا ہے اس راستے کو شیطان چھوڑ دیتا ہے۔

Marfat.com

بہت سے دنیا دار لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہم نے حضرت عمر کی طرح کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ گمراہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے اغراض کی اتباع کرتے ہیں۔ لیکن ان خواہشات کا سبب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ مذہب کے مطابق ہیں۔ اور ہم ان کو دین کے لئے طلب کر رہے ہیں۔

آپ نے ایسے لوگوں کو عموماً دیکھا ہوگا۔ جو وعظ و نصیحت، درس و تدریس اور خطابت اور قسم قسم کی شاندار باتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ ان تمام باتوں میں اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کر رہے ہوتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہمارے ان کاموں کا سبب دین ہے اور طلب ثواب ہماری خواہش ہے اور شریعت ہمیں ان امور پر مامور کر رہی ہے۔ حالانکہ یہ حماقت وغرور کی انتہا ہے۔ اس امر کی حقیقت اسی طرح معلوم ہوسکتی ہے کہ کوئی اچھا خطیب اور مقبول خلق اگر خالصاً اللہ تعالیٰ کے لئے نہ کہ مقبولیت عام کے لئے بیان کرتا ہوگا۔ تو اس کا منشا لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب بلانا ہوگا، اس کی نشانی یہ ہے کہ اگر وہ اپنے مکان پر ہوگا تو بلحاظ بیان بہتر، بلحاظ علم وسیع تر اور بلحاظ لہجہ پاکیزہ تر وعظ کہے گا اور بلحاظ بیان علم کے مطابق عمل کرتا ہوگا۔ وہ شکر کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فرض کی ادائیگی کی توفیق بخشی اور وعظ و تقریر کی تجارت سے پرہیز کرے گا۔ اور جو تقریر کا معاوضہ طلب کرے تو اس سے دور بھاگنا چاہئے کیونکہ یہ اُس کی تجارت ہوگی اور جب مومن کو کسی مرتد اور کافر سے قتل و جہاد کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔ تو وہ کافر سے جہاد پر خوش ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتا ہے یہ وہ مقام ہے جو صرف اولیاء اللہ کو حاصل ہے اور اس کی ایک علامت یہ ہے کہ انسان بڑا بننے سے گریز کرتا ہے اور صراحت کے ساتھ کہتا ہے میں تم سے بہتر نہیں ہوں جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے تھے کہ شیطان تو ہر وقت ہمیں قسم قسم کے دجل و فریب کا ہدف بناتا رہتا ہے اور ہم کسی حالت میں اس سے محفوظ نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم کس طرح عقل اور خواہشات کی رائے کے درمیان فرق کر سکتے ہیں۔ تو یاد رہے کہ یہ وادی بہت دشوار گزار ہے اور علوم حقیقی کے ذریعہ ہی سلامتی سے گزرا جاسکتا ہے۔ اور اس میں بہترین ساتھی معارِ علم ہے۔ کیونکہ اس سے حق کا چہرہ ظاہر ہوتا ہے اور مکر و فریب کے پردے دور ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ انداز جس کے ذریعہ حیرانی اور تذبذب کے متعلق حق و باطل میں فرق کرلیں یہ ہے کہ اکثر امور میں عقل کا مشورہ نتائج کے اعتبار سے بہترین ہوتا ہے۔ اگرچہ حالات کے لحاظ سے اس میں تکلیف ہی کیوں نہ ہو اور خواہشات نفسانی ہمیشہ آرام طلبی کا مشورہ دیتی ہیں۔ تو جب کبھی کوئی معاملہ درپیش ہو اور تمہیں اس کا علم نہ ہو تو تکلیف دہ راستہ کو لازم کرلو اور آرام طلبی چھوڑ دو اخلاق پسندیدہ کا بیشتر حصہ دل کو ناپسند ہوتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ حفت الجنة بالمکارہ و حفت النار بالشھوات جنت ناپسند امور کے اندر گھری ہوئی ہے۔ اور دوزخ پرکشش اشیا میں پوشیدہ ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وعسی ان تکرھوا شیأ

Marfat.com

وھو خیر لکم و عسی ان تحبوا شیأ وھو شر لکم کیا عجب ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے تم ایک بات کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے باعث نحوست ہو جب کبھی ایسی بات کا خیال آئے جو آرام طلبی کی طرف راغب کرے تو اسے چھوڑ دو۔

مختصر یہ کہ عقل اپنی قوت کے ساتھ جس چیز کا مشورہ دے اس کے متعلق عبادت اور استخارہ کے ذریعہ محنت کرو یہاں تک کہ سینہ کھل جائے اور مشورہ کا صحیح ہونا معلوم ہو جائے۔ عام طور پر خواہشات عقل کے مشورہ کے خلاف عذر پیش کرتی ہیں جب کہ عقل حقیقی اور وزنی دلائل کے ساتھ رہنمائی کرتی ہے الغرض اس حقیقت کا ادرک نور الٰہی کی روشنی اور تائید آسمانی کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے حیرت کے عالم میں اللہ تعالیٰ ہی جانب متوجہ ہونا چاہئے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ جب عقل کا میلان تکلیف دہ امور اور آخرت میں نفع بخش شے کی طرف ہو اور خواہشات کا رجحان اس کے بالکل برعکس بظاہر لذت بخش اور مستقبل کی ہولناک مصیبتوں کی جانب ہو اور دونوں میں جھگڑا ہو جائے اور دونوں فیصلے کے لئے قوت مدبرہ مفکرہ کے پاس جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ کا نور عقل کی امداد کے لئے تیز رفتاری کے ساتھ آتا ہے۔ ادھر سے وساوس شیطانی اور ان کے ساتھی بھی خواہشات نفسانی کی اعانت کے لئے دوڑتے ہیں۔ اس طرح دونوں میں ایک معرکہ جنگ برپا ہو جاتا ہے پھر اگر قوت مدبرہ شیطان اور اس کے دوستوں کے لشکریوں میں سے ہو تو خدائی نور سے غافل ہو کر انجام کے عظیم فائدوں سے اندھی ہو جاتی ہے اس کی آنکھیں قریب کی لذت سے خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اور اسی کی طرف اس کا میلان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ افراد مغلوب ہو جاتے ہیں۔۔ اور اگر قوت مدبرہ اللہ تعالیٰ اور اولیاء اللہ تعالیٰ کے لشکر میں سے ہو تو نور خداوندی سے راہنمائی حاصل کرتی ہے اور قریب کی خوشی کو چھوڑ کر انجام کی ابدی مسرت کی خواہاں ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور والذین کفروا اولیاء ھُمُ الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمات" اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان دار ہیں اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر نور میں لاتا ہے۔ اور کافروں کے دوست شیطان ہیں جو انہیں نور سے نکال کر تاریکیوں میں پھینکتے ہیں۔

عقل کو اللہ تعالیٰ نے شجر طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور خواہشات کو شجر ممنوعہ سے چنانچہ فرمایا الم ترکیف ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ جب ان دو لشکروں میں صف آرائی ہو کہ میدان کارزار گرم ہو جاتا ہے ایک طرف اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی صف ہے اور دوسری طرف اولیاء اللہ کی تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور شیطان مردود سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہتا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ دو جب شیطان تمہارے دل میں کوئی وسوسہ ڈالنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جاؤ اللہ تعالیٰ سمیع وعلیم ہے متقی لوگوں کا قاعدہ ہے کہ

Marfat.com

جب شیطانوں کا گروہ ان پر حملہ کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں تو وہ انہیں فوراً بصیرت عطا فرما دیتا ہے۔ کچھ لوگ سوال کرتے ہیں کہ کیا ہوا وہوس اور شہوت میں کوئی فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ لفظی بحثوں میں پڑھنے کی کچھ ضرورت نہیں ہماری مراد خواہشات کا وہ حصہ ہے جو قابل مذمت ہے۔ پسندیدہ خواہشات اس میں شامل نہیں ہیں۔ پسندیدہ خواہشات اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہیں۔ اور وہ ایک قوت ہے جو انسان میں پیدا کی گئی ہے۔ تاکہ ان چیزوں کو حاصل کرلے جس سے ان کے بدن کی بہتری وابستہ ہے۔ ناپسندیدہ اور مذموم خواہشات وہ ہیں جو نفس امارہ کا فعل ہیں۔ یعنی ان چیزوں کو محبوب رکھنا جو لذت بدنیہ کا باعث ہیں۔ اور جب انہیں غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو ان کو شہوت وہوس کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ قوت مفکر کو اپنے تابع کرلیتی ہیں۔ تاکہ اُن کا تمام تر وقت ان کے مکروہ احکام کی تابعداری میں گزرے، قوت مفکر شہوت وعقل کے درمیان الجھی رہتی ہے، جب کبھی قوت مفکرہ عقل کی طرف رخ کرتی ہے۔ تو بلند مرتبہ اور معزز ہو جاتی ہے اور محاسن پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن جب شہوت کی جانب جھکتی ہے تو اسفل السافلین میں جا گرتی ہے اور گناہ اس سے سرزد ہوتے ہیں۔

خیرات وسعادت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتیں اگرچہ نہایت بے حساب ہیں، لیکن وہ تمام پانچ اقسام میں منقسم ہیں:۔

(اول): سعادت اخروی، یعنی بقائے غیر فانی، وہ مسرت اور خوشی جس میں غم نہیں اور علم جس میں جہالت نہیں۔ غنا جس میں تنگدستی نہیں۔ اسے حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی امداد واعانت درکار ہے۔ یہ نوع ثانی کے وسیلے سے تکمیل پذیر ہوتی ہے۔

(نوع ثانی) فضائل نفسی وروحی، یعنی عقل کا کمال علم ہے۔ عفت کا کمال تقوی ہے، شجاعت کا کمال مجاہدہ ہے۔ اور عدالت کا کمال انصاف ہے۔ تحقیقی طور پر یہی دین کے اصول ہیں۔

جو فضائل، تیسری قسم کے ہوتے ہیں یعنی فضائل بدنی وجسمی اور یہ چار امور پر مشتمل ہیں۔ صحت، طاقت خوبصورتی اور لمبی عمر ان کی تکمیل نوع چہارم سے ہوتی ہے چوتھی قسم انسان کے ماحول کے فضائل ہیں۔ ان کا احاطہ بھی چار قسمیں کرتی ہیں۔ مال ودولت، اہل وعیال، عزت اور شرافت خاندانی، ان چاروں اقسام میں سے کسی ایک سے بھی پوری طرح مستفید ہونے کے لئے ایک پانچویں قسم بھی لازمی ہے۔ یعنی فضائل توفیقی، یہ بھی چار ہیں ہدایت الٰہی، ارشاد خداوندی تائید ربی اور تسدید الٰہی۔

سعادت اخروی کو چھوڑ کر یہ سولہ سعادتیں ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کے حصول کے لئے سوائے فضائل نفسی کے اجتہاد کو کسی میں دخل نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ خیرات اور نیکیاں پانچ ہیں۔ یعنی اُخروی، نفسی، بدنی، خارجی اور توفیقی ان میں سے ہر ایک دوسرے کی محتاج ہے۔ مثلاً فضائل نفسی کے بغیر آخرت کی نعمتوں کا حصول ناممکن ہے! اور صحت بدنی کے بغیر فضائل نفسی سے ہمکنار ہونا خواب و

Marfat.com

خیال ہی رہ جاتا ہے۔ یہی حال فضائل خارجی کا ہے کیونکہ اگر مال و دولت وغیرہ نہ حاصل ہوں تو فضائل خارجہ کی جانب گامزن ہونے میں ہزاروں رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں اگر کہا جائے کہ فضائل خارجہ کے حاصل کرنے کے لئے مال اہل وعیال عزت اور خاندانی شرافت کی کیا ضرورت ہے۔ تو خوب یاد رہے کہ ان امور کی مثال دست و بازو اور ہتھیار کی سی ہے جن سے منزل تک پہنچنے میں آسانی ہوتی ہے۔

مثلاً مال و دولت کو لیجئے' تنگدست اور محتاج کا طلب کمال میں نکلنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص ہتھیاروں کے بغیر میدان جنگ میں ھل من مبارز کا نعرہ مارتا ہے۔ یا جیسے عقاب کہ پروں کے بغیر شکار کا ارادہ کرتا ہے۔ اسی لئے رسول ﷺ نے فرمایا نعم المال الصالح للرجل الصالح نیک آدمی کے لئے مال حلال ایک نعمت ہے۔ اور پھر فرمایا تقویٰ کے لئے سب سے اچھا مددگار مال ہے۔ کیونکہ جو شخص فقیر و خالی ہاتھ ہے اس کا پورا وقت لباس' رہائش اور دوسری ضروریات زندگی کی تلاش میں بسر ہوگا اور اسے علم کے حصول کے لئے کوشش کرنے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔ جس سے وہ فضائل حج' صدقہ' زکوٰۃ اور دوسری نیکیاں حاصل کرنے سے محروم رہے گا۔ نیک بیوی اور بچوں کی ضرورت تو صاف ظاہر ہے۔ صالح بیوی خاوند کی کھیتی ہے اور اس کے دین کی حفاظت کا مضبوط قلعہ' آقائے دو عالم ﷺ نے فرمایا نعم العون علی الذین المرة الصالحه صالح بیوی دین میں اچھی مددگار ہے اور اولاد کے متعلق فرمایا "اذا مات الرجل انقطع عمله الامن ثلاث صدقة جاریه او علم ینتفع به او ولد صالح یدعو له" آدمی جب مرتا ہے تو اس کے اعمال روک دیئے جاتے ہیں' بجز تین کے' صدقہ جاریہ' علم نافع' اور اولاد صالح جو اس کے لئے دعائے مغفرت کرتی رہتی ہے۔ جب کسی شخص کے اہل وعیال اور اس کے عزیز واقربا زیادہ ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اس کے لئے کانوں' آنکھوں اور دست و بازو کا کام دیتے ہیں۔ ان کے سبب اس کے دینوی کاموں میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اگر وہ تنہا ہوتا تو اس کو یہ سہولت و فراغت حاصل نہ ہوتی۔ جب دنیا کے ضروری اشغال میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ تو دل کو بھی عبادت اور علم کے لئے دماغ مل جاتا ہے۔ اور س طرح اسے دین کے بارے میں قابل قدر تعاون حاصل ہوتا ہے۔ عزت وقوت سے انسان لوگوں کی تکالیف کی مدافعت کرتا ہے' مسلمان ان سے بچ نہیں سکتا کیونکہ جان و مال کے دشمنوں کا وجود اس کے لئے لازمی ہے۔ اور ایسی ظالم ہستیاں بھی ضرور ہوتی ہیں جو اس کے وقت کو ضائع اور اس کے دل کو مایوس کرنے کے لئے اس پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اسی لئے کسی کا مقولہ ہے کہ "دین اور سلطنت لازم وملزوم ہیں یعنی دین قلعہ ہے اور حکومت اس کی پاسبان"

جس عمارت کی حفاظت نہ کی جائے۔ وہ گر جاتی ہے۔ اور جس چیز کا کوئی نگران نہیں ہوتا۔ وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "ولو لا دفع اللّٰه الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض" اگر اللہ تعالیٰ ایک کی دوسرے سے مدافعت نہ کراتا تو زمین فتنہ وفساد سے بھر جاتی۔

Marfat.com

غرض کہ مصیبت سے بچاؤ عبادت کی خاطر مطمئن دل کے لئے ضروری ہے اور یہ بات عزت وغلبہ وقوت کے ذریعہ ہی پوری ہوسکتی ہے۔ جس طرح نیکی کی منزل پر پہنچانے والی چیز بھی نیکی ہے اسی طرح نیکی سے روکنے والے عناصر کو دور کرنا بھی بذات خود نیکی ہے۔ اب رہی خاندانی وجاہت وشرافت' تو آبائی عزت' ناقابل وقعت شے ہے۔ کہتے ہیں انسان کی شرافت اس کی اپنی ذات سے ہے لوگ اپنے نیک اعمال کے سبب ہیں' جب شرافت ذاتی کا مقابلہ خاندانی شرافت سے کیا جاتا ہے۔ تو خاندانی شرافت حقیر اور کم تر ہوجاتی ہے' تاہم جب ذاتی شرافت بھی حاصل ہو تو شرافت نسبی کی فضیلت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ امامت میں بھی حسب ونسب کی شرط لگادی گئی ہے۔ حدیث میں ہے الائمة من القریش امام قریشی النسل ہوا کریں' اور کیوں نہ ہو اخلاق جب کہ مزاجوں اور طبیعتوں کی اتباع کرتے اور اصول کی جانب چلتے ہیں۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا بدصورت اور بداصل عورت سے بچو۔

شرافت بھی ایک سعادت ہے لیکن ہماری مراد یہ نہیں کہ امیروں سے نسبتی تعلق ہو۔ بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ نیک' پاک باز' علم وعبادت اور اہل بصیرت بزرگوں سے نسبت ہو۔

اگر پوچھو کہ فضائل جسمی کی کیا ضرورت ہے تو ہم کہیں گے کہ صحت وطاقت اور طویل عمر بے شک ضرورت ہے۔ بعض لوگ خوبصورتی کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فضائل جسمی کے لئے یہی کافی ہے کہ جسم امراض سے محفوظ وسلامت ہو' تاکہ فضائل کے حصول میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ بہرحال یہ بھی ایک سعادت اور خیر ہے۔ دنیاوی لحاظ سے تو ہر شخص جانتا ہے اور اخروی اعتبار سے دو لحاظ سے ہے۔

(اول) بدصورتی مذموم ہے اور طبیعتیں اس سے نفرت کرتی ہیں۔ اسی لحاظ سے خوبصورتی ایک کامیاب ذریعہ اور زبردست جذبہ ہے جیسے مال دنیاوی حاجتوں کے پورا کرنے میں مددگار ہے آخرت میں بھی معاون ہے۔ کیونکہ آخرت کی منزل پر بھی دنیاوی اسباب کے ذریعہ ہی پہنچا جاتا ہے۔

(دوم) حسن عام طور پر خوبی وروح پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ روح کی نورانیت جب کامل ہوجاتی ہے تو اس کا پرتو بدن پر پڑنا شروع ہوتا ہے۔ انسان کا ظاہر اس کے باطن کا گواہ ہے۔ اسی لئے صاحب بصیرت لوگ قیاس سے باطنی اخلاق کے لئے استدلال کرتے ہیں' آنکھ اور چہرہ باطن کا آئینہ ہیں' اسی لئے ان میں غصہ اور شرارت کا اثر ظاہر ہوجاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ چہرے کی حالت دل کے خیالات کا عکس ہے۔ اور زمین کے اندر اگر بری شے ہے تو یقین جانئے کہ اس کی سطح اس سے بدتر ہوگی۔

ایک دفعہ مامون رشید ایک لشکر بھرتی کر رہا تھا۔ ایک کمزور شخص اس کے سامنے حاضر ہوا۔ مامون نے اس سے گفتگو کرنی چاہی تو وہ گونگا نکلا' اس نے گونگے کا نام کاٹ دیا اور کہا۔ روح کی بدی جب ظاہر پر عیاں ہوجائے تو یہ باعث ذلت ہے۔ لیکن یہاں نہ تو اس کا ظاہر ہے نہ باطن' اور رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ نے فرمایا اطلبو الحاجة عنده احسان الوجوه خوبرو لوگوں سے ضرورت طلب کرو۔ پھر فرمایا اذا بعثتم رسولا فاطلبوا حسن الوجه وحسن الاسم جب تم کہیں ایلچی بھیجنے لگو تو اس شخص کا انتخاب کرو جو سب سے خوبصورت اور جس کا نام بھی عمدہ ہو۔

فقہا کا قول ہے کہ جب تمام نمازی درجات و مراتب کے لحاظ سے مساوی ہوں۔ تو امامت کے لئے سب سے زیادہ خوبصورت شخص کو کھڑا کرو اللہ تعالیٰ نے بھی جسمانی خوبی کا احسان بیان کرتے ہوئے فرمایا زادہ بسطتہ فی العلم والجسم جالوت علم اور جسامت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھے۔

خوبروئی سے ہماری مراد محض جمال و حسن نہیں جو محرک شہوت ہے۔ کیونکہ یہ تو صورت میں ہے ہمارا مطلب یہ ہے کہ بلند و بالا قد ہو گوشت اور پوست معتدل ہو اعضاء متناسب ہوں چہرہ ایسا بھلا اور سُہانا ہو کہ نگاہ پر بوجھ نہ ہو۔

اب ہم بات کرتے ہیں کہ فضائل توفیق یعنی ہدایت الٰہی ارشاد خداوندی تسدید الٰہی اور تائید ربی سے کیا مراد ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ توفیق وہ نعمت ہے۔ جس سے انسان کسی حال میں بے نیاز نہیں۔ اس کے معنی ہیں انسانی ارادہ اور فعل کی تقدیر الٰہی اور حکم سے موافقت یہ خیر و شر میں استعمال ہوتی ہے لیکن خیر و سعادت میں ہی متعارف ہوگئی ہے۔ توفیق کی احتیاج میں وہ ظاہر ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ جب نوجوانوں کو اللہ تعالیٰ کی امداد حاصل نہ ہو تو اکثر ان کا اجتہاد گم ہو جاتا ہے۔

ہدایت الٰہی کے بغیر طلب فضائل کی طرف ایک قدم چلنا بھی دشوار ہے کیونکہ یہ نیکیوں کا مبدا ہے۔ اور خیر کا منبع۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اعطی کل شی خلقه ثم هدی ہر ایک چیز کو پیدا فرمایا پھر اسے ہدایت دی اور فرمایا ولو لا فضل الله علیکم و رحمته ماذکی منکم من احد ابدا ولکن الله یذکی من یشاء اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل تمہارے شامل حال نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص کبھی پاکباز نہ ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور حدیث میں ہے مامن احدید خل الجنة الابر حمة الله کوئی فرد بشر جنت میں داخل نہ ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یا بالفاظ دیگر اس کی ہدایت کے ساتھ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ بھی! فرمایا ہاں میں بھی۔ (صحیحین بروایت ام المومنین عائشہ صدیقہ)

ہدایت کے تین درجے ہیں (اول) خیر و شر کے رستہ کی پہچان جس کا اشارہ آیت وھداہ النجدین میں ہے یعنی ہم نے اسے دونوں رستے بتا دیئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل و کرم سے اپنے تمام بندوں کو صراط مستقیم کی معرفت عطا فرمائی۔ بعض کو عقل کے ذریعہ اور بعض کو زبان نبوت اور رسالت سے۔ اس کے متعلق ارشاد ہوا۔ واما ثمود فھد ینا ھم فا ستحبو العمی علی الھدی ثمود کو ہم نے درست رستہ بتا دیا پھر انہوں نے ہدایت پر بے راہ روی کو ترجیح دی۔

(دوم) جو بندے کو کھینچ کر اس کے علوم اور اعمال صالحہ کی ترقی اور زیادتی کے مطابق ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف لے چلتی ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ''جو لوگ درست راستہ پر گامزن ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کو زیادہ کیا اور ان کو ان کا تقویٰ عطا فرمایا۔''

(سوم) یہ ایک نور ہے جو عالم نبوت اور ولایت میں چمکتا ہے۔ اور اس سے رستہ نظر آتا ہے جس کی رہنمائی عقل نہیں کر سکتی۔ اس دلیل کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے اس قول پر ہے قل ان هدی اللّٰه هو الهدی کہہ دیجئے کہ اصلی ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے اپنی ذات سے نسبت کر کے اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت مطلق کا نام دیا۔ قرآن میں ایک جگہ اسے زندگی سے بھی تعبیر کیا اور فرمایا او من كان ميتا فاحيينٰهُ وجعلنا له نورا يمشي به في الناس کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لئے ایک نور بنایا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا افمن شرح اللّٰه صدرهٗ للاسلام فهو علی نور من ربه جس شخص کا اللہ نے اسلام کے لئے سینہ کھول دیا تو وہ اپنے اللہ تعالیٰ کے نور پر ہے۔

رشد الٰہی سے ہماری مراد ہے عنایت الٰہی جو انسان کو اس کے مقاصد کی طرف توجہ کرنے میں اعانت کرتی ہے پھر اس کی صلاحیت کے مطابق اسے قوت دیتی اور اس کے فساد طبیعت کو دور کرتی ہے۔ اور یہ باطن سے ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ______ ''بیشک ہم نے ابراہیمؑ کو اس کا رشد دیا پہلے سے اور ہم ہی جانتے تھے۔''

تسدید الٰہی اس لئے ہے کہ انسان کے ارادے اور حرکات کو منزل کی جانب پھیر دے تاکہ قریب ترین وقت میں وہ اس پر پہنچ جائے۔ رشد پہچان کے ساتھ خبردار کرتا ہے اور تسدید تحریک کے ساتھ اعانت و نصرت ہے۔

تائید ربی داخلی طور پر بصیرت کے ذریعہ معاملے کی تقویت اور خارجی لحاظ سے گرفت کی طاقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول اذ ايدتک بروح القدس جب میں نے روح القدس سے تیری تائید کی یہی مراد ہے۔

اس کے قریب قریب عصمت ہے۔ اور وہ فیض الٰہی ہے۔ جس سے انسان خیر میں پر عزم ہونے اور شر سے بچنے کی طاقت حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ انسان کے اندر غیر محسوس طور پر ایک رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے ''عزیز کی بیوی نے یوسف کا ارادہ کیا اور یوسف اس کی بیوی کا ارادہ کر لیتا۔ اگر اپنے پروردگار کی برہان نہ دیکھ لیتا۔'' (سورہ یوسف) ان باتوں کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد' صاف و تیز فہم' ہوشیاری بصیرت' بیدار دلی' نصیحت معلم' فراواں مال و دولت' جو ضروریات زندگی کے مطابق ہو۔ مگر اتنا کثرت سے نہ ہو کہ دین کی طرف سے روک دے اہل و عیال اور عزت و غلبہ جو کمینوں کی شرارتوں سے بچائے اور دشمنوں کے

Marfat.com

مظالم سے محفوظ رکھے اس کی ضرورت ہے یہ ہیں وہ اسباب جن سے سعادتیں مکمل ہوتی ہیں۔

سعادتوں کے مراتب

سعادت حقیقی اور سعادت اخروی ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ اس کے علاوہ جن امور کو سعادت کے خطاب سے برفراز کیا گیا ہے وہ غالباً لباس مجاز کے طور پر ہیں۔ جیسے سعادت دنیاوی جو آخرت میں کسی کام نہیں آتی۔ سعادت اخروی کا نام ہی اس پر سب سے زیادہ صادق آتا ہے اور اس میں ہر وہ امر داخل ہے جو سعادت اخروی کی منزل تک پہنچاتا ہے یا اس مقصد میں امداد دیتا ہے۔ کیونکہ خیر و سعادت سے ہمکنار کرنے والی شے بذات خود خیر و سعادت ہے۔ نفع بخش اور معاون اسباب کی تشریح چار قسمیں کرتی ہیں۔

(اول) جو ہر حال میں فائدہ مند ہیں اور وہ فضائل نفسی ہیں۔ ان میں سے بعض ایک وقت نفع بخش ہیں، لیکن دوسرے وقت نہیں۔ مگر نفع زیادہ ہے۔ جیسے تھوڑا مال اور بعض کا نقصان خلقت کے حق میں زیادہ ہے ان میں علوم و صنائع کی بعض قسمیں ہیں، چونکہ ان میں التباس زیادہ ہے۔ اس لئے عقلمند کو ان امور کے حقائق کی معرفت اچھی طرح حاصل کرنی چاہئے، تاکہ نقصان کو فائدے پر ترجیح نہ دے۔ ورنہ منزل مقصود سے ہمکنار ہونے میں زیادہ عرصہ لگے گا۔ کٹی رسی کی تلاش کرتے کرتے سانپ کو پکڑ لیتے ہیں، جو فوراً ڈس لیتا ہے اور حقیقی علم وہی ہے جو ان تمام امور کا انکشاف کرے۔

(تقسیم ثانی) نیکیوں کی تقسیم اس طرح بھی ہو سکتی ہے۔ (1) موثرہ لذتیں (2) موثرہ غیر لذتیں (3) ایک وقت موثرہ لذات (4) اور دوسرے وقت غیر موثرہ تو چاہئے کہ انسان ان کے مراتب کو خوب پہچان لے تاکہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق حصہ دے۔ موثرہ لذات سعادت اخروی ہے اور اس سے آگے کوئی حد نہیں، غیر موثرہ لذت مال و دولت ہے۔ جیسے درہم و دینار اور روپیہ پیسہ، پھر اگر ان سے حاجتیں اور ضروریات پوری نہ ہوں تو وہ تمام زر و جواہر سنگریزے اور ٹھیکریوں کی طرح ہیں۔

ایک وقت موثرہ لذات اور دوسرے وقت غیر موثرہ کی مثال صحت جسمانی ہے اگر فرض کر لیا جائے کہ پیدل چلنے کے لئے جس میں پاؤں کی سلامتی ضروری ہے۔ بظاہر بے نیاز ہے پھر بھی اس کا جی چاہتا ہے کہ اس کے پاؤں درست اور سالم ہوں۔ ان کی سلامتی بذات خود ایک نعمت ہے۔

(تقسیم ثالث) نعمتوں کی تقسیم ایک اور طرح بھی ہو سکتی ہے۔ فائدہ مند جمیل اور لذیذ جب کہ برائیاں بھی تین ہیں۔ نقصان دہ، قبیح اور تکلیف دہ۔ ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔

نعمتوں میں تینوں باتیں موجود ہوتی ہیں، نیکی کے اعتبار سے حکمت، یہ نافع ہے خوبصورت ہے اور لذت بخش بھی۔ برائی کی نسبت سے جہالت، یہ نقصان دہ بھی ہے قبیح بھی ہے اور تکلیف دہ بھی۔

دوم اس میں تین باتوں میں سے کوئی ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ مثلاً بعض اوقات نافع اور تکلیف دہ جیسے زائد انگلی کا کٹنا' یہ نافع ایک وجہ سے ہے۔ اور مضر دوسری وجہ سے ہے۔ جیسے ڈوبنے سے بچنے کے لئے زر و مال کو سمندر میں پھینک دینا' اگرچہ مال کا پھینکنا نقصان کے اعتبار سے مضر ہے' مگر جان بچانے کے لحاظ سے مفید بھی نافع کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول ضروری جیسے فضائل نفسی اور سعادت اخروی کا اتصال۔ دوسرے غیر ضروری جس کی جگہ دوسری شے بھی پوری کر سکتی ہے جیسے تسکین صفرا کے لئے سکنجبین۔

(چوتھی تقسیم) قوائے ثلاثہ اور مشتہبات ثلاثہ کے حساب سے لذات تین ہیں۔ کیونکہ لذت کے معنی شہوی ادراک کے ہیں شہوت کا مفہوم ہے نفس کا اس چیز کی طرف حرکت کرنا جس کی لذات عقلیہ اور لذات بدنیہ ظاہر ہیں۔ ان میں سے بعض میں تمام حیوانات شامل ہیں۔ باقی معاملہ ہے عقلیات کا جیسے لذت علم و حکمت اس کا وجود سب سے کم اور سب سے زیادہ وجہ عزت ہے۔ اس کی کمی اس لئے ہے کہ حکمت سے صرف حکمت جاننے والا ہی لذت اندوز ہوتا ہے۔ اگر شیر خوار بچہ شہد' پرندوں کے گوشت اور پاکیزہ حلاوتوں کی لذت جاننے سے قاصر ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ چیزیں لذیذ نہیں اور اس کا شوق سے دودھ پینے کا یہ مطلب نہیں کہ دودھ سب سے زیادہ لذیذ ہے۔

عام طور پر سب لوگ ابتداء میں علم کے مرتبہ سے غافل ہوتے ہیں۔ اور اسی میں فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی لئے جہالت میں انہیں مزا ملتا ہے۔

بزرگی تو چونکہ لازم ہے اور دائمی ہے۔ اس کی لذتیں بھی باقی رہنے والی ہیں اور آخرت میں اس کا اجر بہت ہے۔ اگر کوئی شخص برتر اور قائم رہنے والی نعمت کے حصول کی قدرت رکھتا ہو اور بے وقعت اور فضول شے پر راضی ہو جائے تو لازمی طور پر کہنا پڑے گا کہ اس کی عقل نے دھوکا کھایا ہے اور بہت بڑے مرتبے سے محروم رہا۔ اس امر میں چھوٹی سے چھوٹی خوبی یہ ہے کہ فضائل نفسی خصوصاً علم و عقل کو نہ تو مددگاروں کی ضرورت ہے نہ محافظوں کی۔ مگر مال و دولت آج بھی گیا اور کل بھی ضائع ہوا۔ علم تو تمہاری نگہبانی کرتا ہے اور تم مال کی حفاظت کرتے ہو' علم خرچ کرنے سے زیادہ ہوتا ہے مگر مال کم ہوتا ہے۔ علم ہر حال میں مطلق اور ابدی طور پر نفع بخش ہے۔ مال و زر کبھی تو ذلیل حرکات کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ کبھی فضائل کی جانب لے چلتا ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں بعض مواقع پر اس کی مذمت بھی آئی ہے اور بعض جگہوں میں اسے خیر کا نام بھی دیا گیا ہے۔

(دوم) وہ لذت جو انسان اور حیوانات میں مشترک ہیں جیسے کھانے پینے کا ذائقہ' و دیگر لذات' ان کا وجود سب سے زیادہ ہے۔

(سوم) وہ جو سب انسانوں اور بعض حیوانوں میں مشترک ہیں۔ جیسے ریاست و غلبہ کی لذت عقلمندوں کے دماغوں میں یہ سب سے زیادہ چسپاں ہوتی ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ نیک افراد

Marfat.com

کے سر سے جو چیز سب سے آخر میں خارج ہوتی ہے طلب ریاست ہے۔

لذت ذوق ونوش لذات مطلق انہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ وہ ایک لحاظ سے ازالہ غم ہیں۔ اسی کے متعلق کہا گیا ہے ''الانسان صرایع جوع و قتیل شبع ''انسان بھوک کا غلام ہے اور امارت کا قتیل ہے۔

دنیاوی لذتیں سات ہیں' کھانا' پینا' مباشرت' پہننا' رہنا' سونگھنا' سننا اور دیکھنا یہ سب کی سب حقیر ہیں۔ جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے حضرت عمار کو حزن وملال کے ساتھ آہیں بھرتے دیکھ کر فرمایا' اے عمار! اگر تم اخرت کے لئے آہیں بھر رہے ہو تو تمہاری تجارت نفع بخش ہے اور اگر تم دنیا کے لئے پریشان ہو رہے ہو تو تمہاری بیقراری اور اضطراب مکمل خسارہ ہے۔ میری طرف دیکھو کہ میں دنیا کی تمام لذات' ماکولات' مشروبات' خوشبویات اور مبصرات سے لطف اندوز ہو چکا ہوں' ان میں سے' ماکولات میں افضل شہد ہے' یہ مکھی کا فضلہ ہے' مشروبات میں پانی افضل ہے' یہ تمام موجودات میں کم مایہ اور جملہ ملنے والی اشیاء میں اول نمبر ہے۔ منکوحات یہ فتنہ در فتنہ ہیں' ملبوسات میں بہترین ریشم ہے اور یہ ایک کیڑے کی دم کی تار ہے۔ اور اسے ایک کیڑا بناتا ہے۔ خوشبویات میں بہترین کستوری ہے اور وہ ایک جانور کا خون ہے۔ گانے ہوا کا ترنم ہے اور بس اور مبصرات خیالی صورتیں ہیں جو جلد فنا ہو جاتی ہیں۔ یہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول جو بہت سے اسباق اپنے اندر رکھتا ہے۔

لذات دنیاوی کی حقیقت یہ ہے کہ پورا ہونے کے بعد وہ فوراً زائل ہو جاتی ہیں۔ کھانا کھانے سے قبل کی حالت قابل غور ہے اور جب پیٹ بھر جاتا ہے تو بندہ کھانے کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔ یہ دنیاوی نعمتیں لذت دوم کا مقابلہ کیسے کرسکتی ہیں۔ جو کبھی فنا نہیں ہوں گی۔ اور اس کی راحت ہمیشہ رہے گی۔ وہ لذت دوام فضائل نفسی کے ذریعہ کمال روحانی حاصل کرنا ہے۔

خواہشات

بھوک غذا کی طلب گار ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں کی دو قسمیں یعنی ضروری اور غیر ضروری ہیں۔ ضروری وہ ہیں جن کے بغیر بدن اور صحت کا قائم رہنا ناممکن ہے۔ جیسے کھانا غذا ہے اور پانی تازگی بخشتا ہے۔ اس کی پھر چار قسمیں ہیں۔ محمود' مکروہ' حرام اور نقصان دہ۔

محمود وہ ہیں کہ جن کے بغیر انسان کے لئے علم وعمل کے میدان میں قدم رکھنا ناممکن ہو اگر اس کا استعمال چھوڑ دیا جائے تو بدن کی قوتیں ختم ہو جائیں اور جسم بیکار ہو جائے۔ اگر اسے صرف اسی قدر مقدار میں کھایا جائے جس قدر ضروری ہے تو یہ قابل تعریف ہے۔ بدن روح کی سواری ہے' جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے کوچہ کی راہیں تلاش کی جاتی ہیں۔ جس طرح جہاد عبادت ہے' اسی طرح جہاد

Marfat.com

کرنے والے گھوڑے کی پروش بھی عبادت ہے۔ کیونکہ گھوڑا طاقتور ہوگا۔ تو غازی کو اٹھا کر میدان میں جا لڑے گا۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا عند اکل الصالحین تنزل الرحمة نیک بندے جب کھانا کھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے کیوں کہ اسکا کھانا زندگی کے لئے لازمی ہوتا ہے۔

مکروہ کے معنی ہیں حد سے زیادہ مقدار میں کھانا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مامن وعاء البغض الی اللّٰہ تعالیٰ من بطن ملئی من حلال اللہ تعالیٰ کو تمام برتنوں میں ناپسندترین وہ پیٹ ہے جو رزق حلال سے بھر گیا اور یہ طبی لحاظ سے بھی نقصان دہ ہے کیونکہ خوب پیٹ بھر کر کھانا سب بیماریوں کی جڑ ہے۔ فرمایا نبی ﷺ نے النطنة اصل الداء والحمية اصل الدواء وغود وا كل جسد ما اعتاد پیٹ سب بیماریوں کی جڑ ہے پرہیز تمام دواؤں کی بنیاد ہے جہاں تک ہوسکے پرہیز کرو۔

محقق اطبا کی رائے ہے کہ حکیم عالم ﷺ نے تمام طب کا نچوڑ ان تین فقروں میں رکھ دیا ہے۔ سعادت کے طلب گار کو چاہئے کہ اسے معمولی نہ سمجھے۔ ہم نے اس کا نام مکروہ رکھا ہے اور اسے مضر نہیں کہا۔ لیکن مکروہ نہایت تیزی سے نقصان دہ صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ خرابیوں کو ابھارنے والی قوت شہوانی ہے اور اس کی طاقت کا سبب یہی غذائیں ہیں۔ پیٹ کا پر ہونا شہوات کو بڑھاتا ہے۔ اور اس کی مضبوطی خواہشات کو بلاتی ہے۔ اور خواہشات شیطان کا سب سے بڑا لشکر ہے جو مسلط اور غالب ہو کر انسان کو اس کے رب سے دور کر دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دروازے سے اسے پھیر دیتا ہے اور دشمن کے لشکر کی امداد کرنا اور اسے قوت دینا گویا خود دشمن بن جانا ہے اس لئے مکروہات مضرات کے قریب قریب ہیں۔ چنانچہ کسی نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں پھر کیا سبب ہے کہ آپ اپنے جسم کی طاقت کا سامان نہیں کرتے حالانکہ وہ بہت کمزور ہو چکا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بدن جلد حد سے گزر جاتا ہے۔ اس لئے ڈرتا ہوں کہ یہ سرکش ہو کر مجھے ہلاک نہ کر ڈالے۔ اور یہ امر زیادہ پسند ہے کہ اسے تکلیف میں ڈالوں بہ نسبت اس کے کہ یہ مجھے برائیوں کے ارتکاب پر مائل کر دے۔

اب رہی غذا کی مناسب مقدار۔ تو سن لیجئے کہ رسول ﷺ نے اس کا اندازہ دو حدیثوں میں فرمایا ہے فرمان اول احسب ابن ادم لقیمات یقمن صلبه فان كان لا بدفثلث للطعام و ثلث للشراب و ثلث للنفس ابن ادم کے لئے صرف چند لقمے اس کے اعضاء قائم رکھنے کے لئے کافی ہیں۔ اگر اسے ضرور ہی زیادہ کھانا ہو تو معدے کا ایک تہائی روٹی کے لئے ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے ہونا چاہئے۔ لقموں کی تعداد دس سے کم ہونی چاہئے۔ یہ بات حضور ﷺ کے اس قول میں ملتی ہے۔ جس میں فرمایا المومن یا کل فی معی واحدو المنافق یا کل

Marfat.com

فی سبعة امعا مومن ایک آنت کھانا کھاتا ہے اور منافق سات آنتوں کو پر کرتا ہے' سب سے پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ پیٹ کا ساتواں حصہ پر کیا جائے' پھر اگر خواہش زیادہ ہو تو تیسرا حصہ۔

بہر حال رائے یہ ہے کہ اکثر لوگوں کے بارے میں تیسرا حصہ ہی درست ہے لیکن یہ بات مختلف اشخاص کے ساتھ مختلف ہے۔

مختصر یہ ہے کہ پیٹ بھر کر نہ کھانا چاہیے بلکہ بدن رات کی عبادت اور تہجد کے لئے ہلکا پھلکا رہے۔ اور شہوات کی جانب مائل کرنے والی قوتیں ضعیف ہو جائیں۔

حرام سے مراد ہے ان غذاؤں کا کھانا جو اللہ عزوجل نے حرام کر دیں ہیں۔ ان میں مال غیر اور ممنوع شامل ہیں۔ ان میں بدترین منشیات کا استعمال ہے کیونکہ یہ یعنی عقل کو ختم کرتے ہیں۔ اور شیطان کے لشکریوں یعنی شہوت اور حیوانی خواہشات کا غلبہ کے سب سے بڑا محرک منشیات ہی ہیں۔

کوئی شخص شاہراہ سعادت پر گامزن ہونے کا خیال بھی دل میں نہ لائے جب تک کھانے کی مقدار اور ان کی حلت کے اسباب کی نگہداشت کی قابلیت نہ پیدا کر لے' کیونکہ معدہ ہی تمام قوتوں کا منبع اور مخزن ہے۔ اور ہر قسم کے خیر و شر کی یہی کلید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت میں روزے کی بہت عظمت آئی ہے کہ یہ خاص طور سے خواہشات کو مغلوب کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ چنانچہ روائت ہے کہ انا الصوم لی وانا اجزی به اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں اور بھی بہت سی احادیث اس کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

پسندیدہ غذا کی مقدار وہ ہے جو انسانی زندگی' اور قوت برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہو۔

نکاح نوع انسان کی بقاء اور تحفظ کے لئے ضروری ہے جیسے غذا ہستی کی بقا کے لئے لازمی ہے۔

جس طرح شہوت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ طبیعت کو اس مقصد کے لئے ابھارے تاکہ بقائے نسل کی صورت پیدا ہو۔ اسی طرح بھوک کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بنایا کہ کھانے کی رغبت پیدا کر کے بقائے شخصیت کا سبب بنے اسی لئے رسول ﷺ نے فرمایا ''نکاح کرو اولاد پیدا کرو تاکہ دوسری امتوں کے مقابلے میں تمہاری شان بڑھے'' (الحدیث) تو جس شخص کے پیش نظر نکاح سے دو مقاصد ہوں (اول) کثرت مباہات اور اولاد صالح کا حصول یعنی نسل پیدا کرنا اور طبیعت سے مخصوص عنصر دور کرنا جو اگر جمع ہو جائے تو تلخی سی پیدا کر دیتا ہے اور خون جب اکٹھا جائے تو جسم کو اپنی کثرت کے باعث امراض میں مبتلا کر دیتا ہے اور فسق و فجور کی طرف طبیعت کو مائل کر کے دین کو خراب کرتا ہے' اس لئے نکاح محمود و پسندیدہ مسنون ہے اور اس حدیث کے ماتحت آتا ہے من احب فطرتی فلیستسن بسنتی جو شخص میرے دین کو محبوب رکھتا ہے' اسے میری سنت پر عمل پیرا ہونا چاہئے اور جس نے نکاح کر لیا اس نے اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیا۔ اس کے علاوہ تیسری غرض کا مدنظر ہونا بھی معیوب نہیں یعنی گھر میں کوئی ایسی ہستی موجود ہو جو اس کے گھر کا انتظام کرے تاکہ علم و عبادت کے لئے

Marfat.com

اسے فراغت حاصل ہو۔اس صورت میں نکاح افضل عبادات سے ہے۔اس کی علامت یہ ہے کہ بیوی کا حسن و جمال اس لئے مطلوب ہو کہ پرہیز گاری اور یکسوئی پیدا ہو اور حسن اخلاق تدبیر منزل کے لئے اور پاک دامنی ایمان داری کے لئے پیدا ہو۔اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علیک بذات الدین تربت ایداک وایاکم و خضر الدمن پھر فرمایا تخیرو النطفکم بیوی کی صحت بدنی اور بانجھ نہ ہونا اس لئے پیش نظر ہو کہ اولاد پیدا ہوا۔اور یہی بیان کا مقصد ہے۔اسی لئے غیر فطری امر اختیار کرنا مکروہ ہے دوشیزگی اور کنوارا پن کے مطالبہ آرزو میں بھی کوئی حرج نہیں اور اگر استحکام محبت مقصد ہے تو شریعت نے اس کی رغبت دلائی ہے نکاح کے بارے میں مکروہ بات یہ ہے کہ صرف لذت مدنظر ہو۔اور انسان اس میں غرق ہو جائے اور ہمیشہ اس خواہش میں لگا رہے۔اس طرح طبیعت اتباع بیوی کے باعث اللہ تعالیٰ سے پھر جاتی ہے اور انسان میں جانوروں سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔

مقوی غذاؤں اور دوسرے جوش آور طریقوں سے شہوت کو ابھارنا درحقیقت خطرناک کتوں کو بھڑکانے انہیں غصہ دلانے اور پھر ان سے رہائی کے لئے آمادہ ہونے کے برابر ہے۔ (بحوالہ امام غزالیؒ)

توحید و اعمال پر قرآنی آیات (تراجم)

اللہ تعالیٰ کو آقا تسلیم کرنے والے

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنا آقا تسلیم کرتے ہیں۔اور اس کی راہ پر استقامت اختیار کرتے ہیں۔ ان پر فرشتے اترتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ مت خوفزدہ ہو۔اور نہ غم کرو۔اور اپنی اور جنت کی بشارت پر خوشی مناؤ۔ہم دنیا اور آخرت کی زندگی میں تمھارے دوست رہیں گے۔اور جس چیز کی خواہش کرو گے۔وہاں تمہیں عطا کی جائے گی۔(حم السجدہ:31:30)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی حفاظت

انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے آگے اور پیچھے نگران مقرر کر رکھے ہیں۔جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔(رعد:11)

غیب کی چابیاں اللہ تعالیٰ کے پاس

غیب کی چابیاں تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔جنہیں وہی جانتا ہے۔سمندروں اور خشکی کا مکمل علم رکھتا ہے۔کوئی ٹوٹنے والا پتہ اس کے علم میں ہے۔زمین کی ظلمتوں میں چھپا ہوا دانہ ہر خشک و تر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں محفوظ ہے۔(انعام:59)

Marfat.com

یہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریزہ

زمین وآسمان کی یہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے چاروناچار جھکی ہوئی ہے۔(عمران:83)

اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اوراس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تمہیں دو حصے ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں وہ نور عطا فرمائے گا۔ کہ جس کی روشنی میں تم زندگی بسر کرو گے۔ اور تمہاری خطائیں معاف کردے گا اور وہ بڑا صاحب رحم وکرم ہے۔(حدید:28)

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سکون

یادرکھو! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دلوں کو سکون ملتا ہے۔(القرآن)

اللہ تعالیٰ کی عبادت

پس اللہ تعالیٰ کی تعریف کی تسبیح کرو۔ اور سجدے کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور بس اپنے رب کی عبادت کرو تا کہ تمہیں یقین حاصل ہو سکے۔(15/99)

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ اس کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہراتے۔ اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹنے کے خیال سے ان کے دل خوف سے کانپتے ہیں۔(23/60:57)

دکھوں کا مداوا

عبادت برے اعمال اور برے نتائج سے نجات دلاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بڑی (نعمت) ہے۔(29/45)

اللہ تعالیٰ کے پیارے نام

اللہ تعالیٰ کے بڑے پیارے نام ہیں۔ اسے انہی ناموں سے پکارا کرو۔(القرآن)

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کی راتیں

رات کو ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں۔ اور امید وخوف کے باعث اللہ تعالیٰ کو

Marfat.com

پکارتے ہیں۔(32/16)

یہ لوگ اپنی راتیں قیام وسجدے میں گزار دیتے ہیں (25/64)

اللہ تعالیٰ سے قربت

سجدے میں گر جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاؤ۔(19:96)

شب بیدار

کیا وہ شخص جو رات کو قیام اور سجدے کرتا اور آخرت سے ڈرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہے۔ اور وہ شخص جو اس سعادت سے محروم ہے۔ کیا برابر ہو سکتے ہیں۔ اے نبی کہہ دیجئے! کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں۔ یہ باتیں تو عقل والوں کے لئے بیان ہوئی ہیں۔(9:39)

ایمانداروں کی دعا

اللہ تعالیٰ ایمانداروں کی دعائیں سنتا اور ان پر اپنے فضل سے زیادہ نوازشات فرماتا ہے(36:22)

سیدھی راہ اختیار کرنے والے

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو رب تسلیم کرتے ہیں۔ اور پھر اس (عقیدے پر) استقامت اختیار کرتے ہیں۔ وہ ہر قسم کے خوف اور غم سے بچیں رہیں گے(13:46)

الجھنوں سے نجات

اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو ہر الجھن سے کامیاب بنا کر نکالتا ہے۔ انہیں نہ کوئی دکھ ستا سکتا ہے اور نہ ہی پریشانی (61:39)

اچھے کلمات

پاک کلمات اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھتے ہیں۔ اور نیک اعمال انہیں اور بلند کر دیتے ہیں۔ (10:35)

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا دوست

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا دوست ہے۔ انہیں ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔

Marfat.com

اور کافروں کی دوستی شیطان سے ہوتی ہے۔ جو انہیں نور سے اندھیرے کی طرف لے جاتے ہیں(257:2)

عرش اٹھانے والے فرشتوں کی دعا

عرش اٹھانے والے اور اسی ماحول کے دوسرے فرشتے اللہ تعالیٰ کی تعریف کے گیت گاتے اس پر ایمان لاتے اور اہل ایمان کے لئے اس طرح مانگتے ہیں۔اے رب! تیری رحمت اور تیرا علم تمام کائنات کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔تو ان لوگوں کی خطائیں معاف کر جو تیرے راستے پر چل پڑے ہیں انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔اور جنت عدن میں پہنچا کہ تو نے ان سے بہست کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ان کے ہمراہ ان کے نیک آباؤ اجداد' بیویوں کو بچوں کو بھی جگہ عطا کر۔کہ تو ہی ہر ایک شے پر غالب اور صاحب حکمت ہے۔ان لوگوں کو گناہوں سے دور رکھ۔آج اس دنیا میں جس شخص کو تو نے گناہ سے بچایا۔اس پر بڑا رحم فرمایا گناہوں سے بچنا ہی بہت بڑی کامیابی ہے۔(9-7:4)

بدکاروں پر عذاب

ان بدکاروں سے پہلے بھی بے شمار مکار گزر چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے گھروں کی بنیادیں کھود ڈالیں۔ان پر چھتیں گرا دیں۔اور ایسی سمت سے عذاب آیا کہ اس کا انہیں گمان تک نہ تھا۔اور اللہ تعالیٰ محشر میں بھی انہیں سخت ذلیل کرے گا۔(27-26:16)

اللہ تعالیٰ کی پناہ میں

تم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو۔اور اس کی پناہ میں آجاؤ۔وہ تمہیں زندگی میں بڑے ساز و سامان سے بسائے گا۔اور ہر صاحب فضیلت کو اس کی کاوشوں کا اجر دے گا۔اور اگر تم نے اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ لیا۔تو مجھے ڈر ہے کہ تم بڑے دن کے عذاب کا شکار ہو جاؤ گے۔تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف آرہے ہو۔اور اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے(4-3:11)

غافل شخص

جو شخص ہماری یاد سے غافل ہے۔اور دنیا کو مقصد حیات سمجھتا ہے۔اس سے منہ پھیر لو۔ان لوگوں کا علم ہی اتنا ہے(سورہ نجم)

زینہ بہ زینہ

شفق اور رات اور چاند کی قسم۔کہ تم زینہ بہ زینہ بلندیوں کو طے کر کے اوپر آؤ گے(19-16:84)

Marfat.com

مال ودولت جمع کرنے والوں کا انجام

جولوگ مال ودولت کو جمع کرتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔انہیں سخت عذاب کی خبر دے دو۔قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں اس مال ودولت کو تاپ کر ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں کو داغا جائے گا۔اور کہا جائے گا یہ ہے تمہاری دولت! اس کا مزہ چکھو(9:34-35)

متقی لوگوں کو بشارت

جولوگ ایمان اور تقویٰ کے مالک ہیں۔انہیں دنیا اور آخرت میں شاندار زندگی کی بشارت دے دو۔یہ ایک عظیم کامیابی ہے۔یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی باتیں پوری ہو کر رہتی ہیں۔(64:10)

آخرت مستقل قیام گاہ

یہ دنیا فانی سامان ہے اور آخرت تمہاری مستقل قیام گاہ ہے۔(39:40)

آخرت کا یقین نہ کرنے والے

جو اس (آخرت کی) زندگی کا یقین نہیں رکھتے وہ ذہنی عذاب میں مبتلا ہیں۔اور بہت بڑی گمراہی میں بھٹک رہے ہیں۔(8:34)

اللہ تعالیٰ سے رابطہ کرنے والے

جولوگ ہم سے رابطہ قائم کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔ہم انہیں بلندی کا راستہ دکھاتے ہیں۔(29:29)

اللہ تعالیٰ کی علامات

سمندر میں پہاڑوں (کی صورت رکھنے والے) جہاز اللہ تعالیٰ کی (قدرت) کی نشانیاں ہیں۔اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوا کو روک کر جہازوں کو پانی کی سطح پر روک دے۔اس میں صابر وشاکر انسان کے لئے اسباق موجود ہیں۔اور اگر چاہے تو مسافروں کو ان کی بداعمالیوں کے سبب غرق کر دے۔لیکن اللہ تعالیٰ اکثر لوگوں کو معاف کر دیتا ہے۔(شوریٰ 32-34)

اللہ تعالیٰ کی تعریف

طلوع وغروب آفتاب سے پہلے رات کے دوران اور دن کے دونوں کناروں پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح وعبادت کیا کرو تا کہ تمہیں سکون واطمینان حاصل ہو۔(القرآن)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ حقیقی محافظ

اللہ تعالیٰ یا نسان کیآ گے اور پیچھے محافظ مقرر کر رکھے ہیں جو اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر مصیبت سے بچاتے ہیں۔(رعد:11)

دکھوں سے نجات

جولوگ ایمان لانے کے بعد پاکیزہ اعمال کے مالک بن جاتے ہیں۔ہم ان کے تمام دکھ دور کر دیتے ہیں۔(7:29)

اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل شیطان کے چنگل میں

بدکاروں پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے انہیں بالکل غافل کر دیتا ہے(مجادلہ)

نافرمانوں کی حالت

نافرمانوں پر ان کے کفریہ اعمال کے باعث کوئی نہ کوئی مصیبت ٹوٹتی رہتی ہے۔(13:13)

رزق کی کمی کا اصل سبب

جب اللہ تعالیٰ کسی کو تختی میں ڈال کر اس کا رزق کم کر دیتا ہے۔تو وہ پکار اٹھتا ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے ذلیل کر دیا۔حالانکہ بات یوں نہیں۔حقیقت یہ ہے کہ تم یتیم کی خاطر داری نہیں کرتے۔اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے۔(18-16:89)

آخری منزل اللہ تعالیٰ

تمہاری آخری منزل اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری ہے۔(42:54)

Marfat.com

اسمائے الحسنیٰ

(اللہ تعالیٰ کے ننانویں اسمائے پاک کے معانی وتشریح)
(امام غزالیؒ کی فکر کی روشنی میں)

اللہ

یہ اس موجودہ حق کا نام ہے' جو صفات الوہیت کا جامع' اوصاف ربوبیت سے موصوف اور وجود حقیقی کا شرف رکھتا ہے۔ اس کے سوا کوئی موجود وجود بذاتہ کہلانے کا حق دار نہیں ہے اور ہر موجود نے اسی سے وجود حاصل کیا ہے۔ لہٰذا وہی سب کو ہلاک کرتا ہے۔ اور ہر جہت پر غالب ہے فکل موجود ہالک الاوجھتہ یعنی ہر موجود خدا کی ذات کے سوا فانی ہے۔ ٹھیک بات یہ ہے کہ یہ اسم ان معانی پر دلالت کرنے کیلئے اسم خاص کا کام دے رہا ہے۔

یہ نام ننانویں ناموں سے بڑا ہے۔ کیونکہ وہ ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ جو بلا استثنا تمام صفات کی مالک ہے۔ باقی تمام نام ایک ایک معنے پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً علم' قدرت اور خالق وغیرہ اس لئے وہ تمام اسماء کی بہ نسبت زیادہ خصوصیت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے سوا اور کسی کیلئے حقیقی یا مجازاً استعمال نہیں کیا جاتا۔ باقی اسماء کے ساتھ مجازاً اوروں کو بھی موسوم کر دیا جاتا ہے۔ جیسے غنی' علیم' رحیم وغیرہ۔ ان دو وجوہات کے باعث خیال ہوتا ہے کہ یہ نام اسم اعظم ہے۔

اسم پاک اللہ تعالیٰ کا معنی خاص اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے۔ اس میں کوئی حقیقی یا مجازی شرکت نہیں اور اسی خصوصیت کی وجہ سے تمام اسماء کی نسبت ہم کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ چنانچہ اس طرح کہیں گے کہ صبور اور الشکور اور الجبار اور الملک' اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ اس طرح نہیں کہا جائے گا کہ اللہ' الشکور کا نام ہے کیونکہ اسم اللہ ذاتی ہے۔ اور معانی کے اعتبار سے ذات اقدس پر سب سے زیادہ دلالت کرتا ہے۔ اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ زیادہ خاص ہے۔ لہٰذا سب سے زیادہ مشہور اور ظاہر بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تعریف کیلئے دوسرے اسماء کی ضرورت نہیں۔ اور دوسرے اسماء کی تعریف کیلئے اس کی نسبت لازم ہے۔

بندہ کو اس اسم سے تعلق حاصل کرنا چاہیے۔ یعنی اس کا دل اور خیال اللہ تعالیٰ کی یاد میں محو ہو۔ اس کے سوا وہ کسی کی طرف آنکھ نہ اٹھائے۔ نہ توجہ کرے۔ نہ کسی سے امیدوار ہو۔ اور نہ کسی غیر سے ڈرے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ اس اسم کا مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ موجود حقیقی و برحق ہے اور باقی سب اس کے سوا فانی اور ہلاک ہونے والے اور عارضی ہیں۔

الرحیم-الرحمٰن

(2) (نہایت رحم کرنے والا)

(3) (بہت مہربان)

یہ دونوں اسمائے گرامی بے انتہا رحم و کرم کے آئینہ دار ہیں۔ الرحمٰن۔ ایسا رحم فرمانے والا کہ جس کی کوئی حد نہ ہو۔ بے حد و حساب اور بے اندازہ رحمت فرمانے والا ہو۔ اور الرحیم کہ جو محتاج و حاجت مند پر رحم فرماتے ہوئے اس کی حاجت پورا فرمائے۔ اور پھر وہ اس رحمت کیلئے کسی معاوضے کا طلبگار نہ ہو۔

رحمت تامہ یہ ہے کہ محتاجوں سے بھلائی کی جائے اور اُن کے حال پر توجہ مبذول رکھتے ہوئے ان کے حق میں اچھائی کا ارادہ کیا جائے۔

رحمت عامہ یہ ہے کہ مستحق و غیر مستحق سب کو شامل ہو۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت تامہ بھی ہے اور عامہ بھی۔ اس کی رحمت کا تامہ ہونا۔ تو اس حیثیت سے ہے کہ وہ محتاجوں کی حاجت روائی کا ارادہ کرتا اور اسے پورا بھی کر دیتا ہے۔ اور اس کا عامہ ہونا اس حیثیت سے ہے کہ وہ مستحق اور غیر مستحق سب کو شامل ہے۔ دنیا و آخرت میں عام ہے ضرورتوں اور حاجتوں اور ان سے زائد امور پر مشتمل ہے۔ غرض کہ وہ رحیم مطلق و برحق ہے۔

الرحمٰن بہ نسبت الرحیم کے خاص ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ پس اس وجہ سے الرحمٰن اللہ تعالیٰ کے قریب ہے۔ اور اسم کا کام دے رہا ہے۔ اگرچہ وہ رحمت سے مشتق ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں اسموں کو اس آیت میں جمع فرمایا ہے کہ قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ایا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنٰی (یعنی فرما دو اے محمدؐ کہ خواہ اللہ تعالیٰ کو پکارو یا رحمٰن کو جیسے پکارتے ہو (پکارو) بہر صورت (یہ) اسی کے نام اچھے ہیں)۔ اُس کی رحمت اُس کے غضب پر غالب ہے۔

چنانچہ رحمٰن سے ایک خاص رحمت کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔ جو بندوں کی سمجھ سے بالکل دور ہے۔ اور یہ سعادت اخرویہ سے تعلق رکھتا ہے۔ پس رحمٰن وہ ہے جو بندوں پر مہربانی کرتا ہے۔ اول تو ان کو پیدا کر کے دوم ان کو ایمان اور اسباب سعادت کی طرف ہدایت کر کے سوم آخرت میں ان کی بہتری کے سامان فرمائے گا چہارم آخرت میں ان کو اپنے دیدار سے بہرہ ور کرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے اندازہ اور بے حد و حساب رحم فرمانے والا رحیم و کریم ہے۔ اور اہل ایمان پر فرض ہے کہ اتنے رحم فرمانے والے خالق کا ہر سانس کے ساتھ شکر ادا کریں۔ ان اسمائے گرامی کا کثرت سے ورد اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کے حصول کا سبب ہے۔

Marfat.com

الملک

(4) (بادشاہ)

ملک وہ ہے۔ جو اپنی ذات وصفات میں ہر موجود سے بے نیاز ہو۔ اور ہر موجود اس کا محتاج ہو۔ کوئی چیز بھی اپنی ذات میں، صفات میں، وجود میں، بقا میں غرض کسی بات میں اللہ تعالیٰ سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ ہر موجود کا وجود اسی سے ہے۔ ہر چیز اپنی ذات وصفات میں اس کی ملکیت ہے۔ اور وہ ہر چیز سے بے پرواہ ہے۔ الغرض وہی ذات حقیقی طور پر ہر چیز کا مالک ہے۔

بندہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ہر چیز سے بے بنیاد نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ کیلئے محتاج ہے۔ اشیاء بھی بندے کی محتاج نہیں ہیں بلکہ اکثر مخلوقات بندے سے بے نیاز ہیں۔

حقیقی معنوں میں بادشاہت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہی فیصلے فرماتا ہے اسی کے احکام ہر طرف جاری وساری ہیں۔ یہ زمین وآسمان اور ہر قسم کی موجودات اسی کی سلطنت ہے۔ اس کی سلطنت کا ہر ایک ذرہ اس کے سامنے مغلوب ہے اور اس کی بادشاہت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہے ہر ایک چیز در حقیقت اس کی ملکیت ہے بندہ کی حکومت یا ملکیت عارضی ہے چونکہ بندہ ایک فنا ہونے والی جنس ہے اس لئے بادشاہ کی صفت اس پر صادق آہی نہیں سکتی۔ یہ اسم صفت اللہ جل جلالہ کیلئے خاص ہے۔

القدّوس

(5) (تمام عیبوں سے پاک)

قدوس کے معنی وہ ذات جو ان تمام اوصاف سے پاک ہے۔ جن کا حس یا قوت خیال و وہم یا عقل وفکر ادراک کر سکیں۔ اور قدوس کے معنی ہیں کہ انسان کی چشم تصور جہاں تک احاطہ کر سکتی ہو۔ وہ ان تمام خیالات ومشاہدات سے پاک ہو اور جہاں تک انسان کی چشم تصور بھی نہ پہنچ سکتی ہو وہ اس مقام سے بھی بلند ہو۔ جس کی ذات والا صفات اتنی منزہ اور پاک ہو کہ اس کا ذکر خیر بھی دل و دماغ کی پاکیزگی کا سبب بن جائے قدوس کے معنی ہیں وہ ذات جو اوصاف کمال میں سے اس وصف سے بھی پاک ہے جو اکثر لوگوں کے گمان میں ہے۔ کیونکہ لوگ پہلے اپنے آپ میں غور کرتے ہیں۔ اپنی صفات کو پہچانتے ہیں۔ ہم ان کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں۔

ایک۔ وہ جو ان کے حق میں کمال ہے۔ مثلاً ان کا اپنا علم، طاقت، سمع، بصر، کلام، ارادہ، اختیار وغیرہ اور ان معانی کے یہی نام رکھ لیتے ہیں۔ اور ان ناموں کو اسمائے کمال کہتے ہیں۔

دوم۔ وہ جو ان کے لئے نقص ہیں۔ مثلاً ان کا جہل، عجز، کور چشمی، بہرہ پن، گونگا پن وغیرہ۔

Marfat.com

پس ان معانی کے یہی نام رکھ لیتے ہیں۔ عموماً وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ تعریف یوں ہی کرسکتے ہیں کہ اس کو اپنے مذکورہ اوصاف کمال سے موصوف کر دیں۔ اور اپنے نقائص سے اسے پاک قرار دیں۔ حالانکہ وہ نہ صرف ان کے اوصاف نقص سے منزہ ہے بلکہ ان کے اوصاف کمال سے بھی مبرا ہے۔ بلکہ جو بڑی سے بڑی صفت مخلوق کے تصور میں آ سکتی ہے وہ اس سے اور اس کی مشابہ و مماثل صفات سے بھی پاک ہے۔

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو جاننے کی کوشش نہ کرے۔ اور ایسا کرنا حد درجہ بے ادبی اور گستاخی ہے۔ اور ایسا فعل شرک کے دائرے میں آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور بندے میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کی کسی عبادت اور شکریے کا بھی حاجت مند نہیں ہے۔ اس کی عطاء و رحمت اس کی اپنی صفات عالیہ کے حوالے سے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کی حاجت اور احتیاج سے منزہ و پاک ہے۔ اور صفت و قدوس کا بھی یہ تقاضہ ہے۔

السلام

(6) (تمام نقصانات سے محفوظ)

سلام وہ ہے جس کی ذات پاک ہر عیب اور نقص سے اور افعال شر سے محفوظ ہو۔ اور جو بھی سلامتی موجود ہے۔ وہ اس کے ساتھ منسوب یا اسی سے صادر شدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جل وعلا کی ذات میں نقص کے بارے میں سوچنے سے بھی انسان ایمان کے دائرہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اور اس کی جملہ تمام صفات عیب و نقص سے پاک ہیں۔ اور وہ ان تمام عیوب سے بالکل پاک ہے جو کفار اور مشرکین نے گھڑ رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ کسی امر میں بھی کسی کا پابند نہیں ہے۔ اس کے تمام احکامات اس کی اپنی مرضی کے مطابق ہیں۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کو کسی امر میں بھی مجبور ثابت کریں گے تو نقص اور عیب لازم آئے گا۔ اور یہ ناقابل معافی گناہ ہے۔ اور معبود حقیقی کی شان اقدس کے بالکل منافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات تمام تصورات مشرکانہ سے پاک ہے۔ وہ وحدہ لاشریک ہے اور کسی بھی معاملے میں کسی دوسرے کی ہرگز احتیاج نہیں رکھتا۔ وہ بے مثل و بینظیر ہے۔ الفاظ بھی اس کے علو مرتبہ کو بیان کرنے سے اس لیئے قاصر ہیں۔ کہ انسان تصور و خیال کے اعتبار سے بھی ان مقامات کے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔

المومن

(7) (اپنے وعدہ میں سچا یا اپنے عذاب سے امن دینے والا)

مومن سے مراد وہ ذات ہے جو اساب امن مہیا کرنے اور خوف و خطر کی راہیں بند کرنے

Marfat.com

والی ہو۔ اور اسی سے امن وامان منسوب کیا جائے۔

امن، خوف ہی کے مقام میں متصور ہو سکتا ہے۔ اور خوف ہمیشہ ہلاکت یا نقصان کے خدشہ سے ہوتا ہے۔ اور مومن مطلق وہ ذات ہے کہ جس قدر امن وامان تصور میں آ سکتا ہے وہ اسی کا عطا کردہ ہو۔ وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے۔ سنتا ہے قادر ہے اور غالب ہے اور اس کے احکام جاری وساری ہیں۔ جو دیکھتا اور سنتا نہ ہو۔ بھلا وہ کس طرح مومن ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے سچے ہیں۔ موت کے بعد حشر، یوم قیامت اور جنت و دوزخ سب کچھ سچ ہے اور وہ ذات اقدس ایسی واحد ذات ہے کہ جو عذاب دنیا اور عذاب آخرت سے امن بخش سکتی ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی دوسرا ایسی صفت کا حامل نہیں ہے۔ عذاب آخرت سے بچانے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کیونکہ اسی کے حکم سے ہی عذاب وثواب ہوگا۔

بندہ اپنی اصل فطرت سے کمزور ہے اور اس کے باطن کو دیکھو تو امراض اور بھوک پیاس وغیرہ جیسی آفات اس میں بھری پڑی ہیں۔ ظاہر دیکھو تو وہ آگ میں جل جانے، پانی میں ڈوب جائے اور زخم اور چوٹ وغیرہ جیسی آفات کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ اس کو ان تمام آفتوں سے بچانیوالی وہی ذات پاک ہے۔ جس نے مرض کو دور کرنے کے لئے دوائیں، اور بھوک، پیاس کو رفع کرنے کیلئے کھانے پینے کی چیزیں بنائی ہیں۔ اور اعضا دیئے ہیں تاکہ بدنی نقصان پہنچانے والی چیزوں کو دور کریں۔ اس نے حواس عطا کئے ہیں، تاکہ کسی آنے والے خطرہ کی اطلاع دیتے رہیں سب سے بڑا خوف گمراہی و ہلاکت کا ہے اور اس سے صرف کلمہ توحید نجات دلاتا ہے اس کی طرف بھی اللہ تعالیٰ ہی ہدایت بخشتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ لا الہ الا اللہ حصن فمن دخل حصن فقد امن من عذابی یعنی کلمہ توحید لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے۔ جو شخص میرے قلعہ میں آ جاتا ہے اسے عذاب کا کوئی اندیشہ نہیں۔

غرض کہ دنیا میں ہر قسم کا امن اسباب سے وابستہ ہے۔ جن کو خاص وہی مہیا کرتا ہے۔ وہی ان کو کام میں لانے کی توفیق دیتا ہے۔ فھو الذی اعطے کل شئی خلقہ ثم ھدی اس ذات پاک نے ہر چیز کو اس کی فطرت عطا کر کے اس پر چلنے کی ہدایت کی پس وہی مومن مطلق و برحق ہے۔

المھیمن

(8) (نگہبان یا گواہ)

اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ اپنی مخلوق کے اعمال، رزق اور عمروں کا انتظام کر رہا ہے۔ اس کا یہ انتظام اپنی اطلاع، غلبہ اور حفظ کے ساتھ ہے۔ جو کوئی کسی امر کے تمام حالات سے واقف، قابض اور اس کا حافظ ہو۔ وہ اس کا مھیمن کہلاتا ہے۔ حالات کی واقفیت کا مطلب علم ہے۔ قبضہ کمال قدرت کا نتیجہ ہے۔ اور حفظ عقل کی طرف راجع ہوتا ہے۔ جس میں یہ تینوں معنے جمع ہوں۔ وہ

Marfat.com

مھیمن ہے۔ یہ تینوں مطلقاً اور کامل طور پر صرف اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی کائنات کے ایک ذرے ذرے کا نگہبان ہے اور وہی تمام مخلوقات کے اعمال و افعال کا گواہ کوئی بھی کام اس کی نظروں سے مخفی نہیں ہے۔ ہر ایک ذرہ اسی کا تابع ہے اور اس کی نگہبانی ہی کی بدولت یہ کارخانہ حیات قائم ہے اور اسب کے رزق و زندگی کا سامان ہو رہا ہے۔ اس کے دروازے پر جانے والا کبھی خالی لوٹ کر واپس نہیں آتا۔ سب کی سنتا ہے اور سب کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا۔ اور اس کے فیصلوں کو جھٹلانا کسی کے بس میں نہیں۔ انسان کے تمام افعال اس کے بالکل سامنے ہیں۔ اس لیے مھیمن کی صفت کا صرف وہی مستحق ہے۔ اور حقیقی معنوں میں نگہبان اور گواہ صرف اس وحدہ لاشریک کی ذات اقدس ہے۔

العزیزُ

(9)　(غالب' قوی' ظاہر)

عزیز کے معنی وہ عالی قدر جس کی مثال نہ مل سکتی ہو جس کے سب محتاج ہوں اور جس کا حاصل ہونا بھی مشکل ہو۔ کسی میں جب تک یہ تینوں معانی جمع نہ ہوں۔ اس پر اسم عزیز کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ بہت سی اشیاء ایسی ہیں کہ ان کی مثال تو کم ملتی ہے۔ لیکن ان سے زیادہ منافع نہیں ملتا اس لئے وہ عزیز نہیں کہلاتیں۔ بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ان کی شان بھی بڑی ہے۔ فائدہ بھی ان سے بہت ہے۔ لیکن چونکہ ان کا حصول مشکل نہیں ہے۔ اس لئے انہیں عزیز نہیں کہا جا سکتا۔

عزیز کے معانی پر صرف ذات اقدس ہی پوری اتر سکتی ہے کہ جس کی نہ تو کوئی مثال ہے اور نہ اس تک پہنچنا ممکن ہے اور جو ہر ایک امر پر غالب ہے پوری کائنات کیلئے قوی ہے اور ظاہر ہے جس کے سامنے ایک ایک چیز مغلوب ہے اور زمین سے لاکھوں کروڑوں گنا بڑے بڑے کرے جس کے احکام کے سامنے بے بس ہیں اور تعمیل پر مجبور ہیں اور یہ ذات اقدس ہی کی صفت ہے کہ وہ ہر ایک پر غالب و قوی ہے۔ اس کی طاقت لامحدود ہے جو حقیقی معنوں میں ظاہر ہے اگر وہ تمام کائنات کو قہر کا نشانہ بنا دے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے درحقیقت جس کے بغیر کوئی وجود نہ تو باقی رہ سکتا ہے۔ اور نہ ہی کائنات کا نظام جاری و ساری ہو سکتا ہے۔ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا غلبہ اس کی لامحدود طاقت اس تمام کائنات کے نظام زندگی کی محافظ ہے۔

عزیز کی شدت حاجت کا کمال یہ ہے کہ ہر چیز ہر بات میں اس کی محتاج ہو یہاں تک کہ ہر مخلوق اپنے وجود و بقا اور صفات میں بھی۔ یہ کمال صرف اللہ تعالیٰ میں ہے اور کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور اس کی طاقت و نورانیت کا عالم یہ ہے کہ تمام مخلوق اپنی استدلالی نظر اور قیاسی رائے کے ساتھ اس کی ذات و صفات کا پورا پورا پتہ لگانے سے بالکل عاجز ہو۔ یہ بات بھی اللہ تعالیٰ ہی سے خاص ہے۔

Marfat.com

الجبارُ

(10) (بڑا دباؤ والا)

جبار وہ ہے' جو ہر شخص پر بطور جبر اپنا حکم جاری کرے۔ اور اس پر کسی کا حکم جاری نہ ہو جس کے قبضہ قدرت سے کوئی نہ نکل سکے اور اس کی بارگاہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے ساری ہمتیں پست ہوں۔ جبار مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہ ہر ایک کو مجبور کر سکتا ہے۔ لیکن اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کے احکامات اس کی اپنی مرضی کے مطابق ہیں۔ اس نے تمام نظام زندگی کو اپنی منشا کے مطابق جاری و ساری فرمایا ہے۔ اس کے احکامات کے سامنے ہر ایک مجبور ہے اس کی اپنی ذات اقدس کسی معاملے میں بھی کسی کے سامنے مجبور نہیں ہے حتیٰ کہ وہ بندوں کی عبادت کی بھی کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔ بلکہ اس نے بندوں کو عبادت کا حکم جو فرمایا ہے تو بنی نوع انسان کی خود اپنی ترقی و بلندی درجات کیلئے ہے اور صفت جبار بندوں کیلئے یا کسی دوسری مخلوق کیلئے قطعاً استعمال نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ جو فنا ہونے والی مخلوق ہو اور جو ہر معاملے میں محتاج ہو اس کیلئے جبار کی صفت استعمال کرنا سراسر حماقت ہے اور جہاں "جبر" کی اصطلاح بندوں کیلئے استعمال کی جاتی ہے وہ بندوں کے ظلم پر دلالت کرتی ہے۔ اور جو صفت اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ اس میں ظلم کا پہلو نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا "جابر" ہونا بھی در حقیقیت رحمت ہے اور تمام مخلوقات کیلئے یہ اسم گرامی امن و زندگی اور رزق کی ضمانت اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس لئے جو معبود جبار نہ ہو۔ وہ اپنی بڑی کائنات کو کس طرح سنبھال سکتا ہے۔ بس ثابت ہوا کہ جبار کا اسم گرامی بھی اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اور یہ نام کسی دوسرے کیلئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

المتکبر

(11) (عظمت و بزرگی والا)

متکبر وہ ہے' کہ جس کے مقابلے میں سب حقیقی طور پر نہایت کمزور ہوں۔ اور بزرگی و عظمت کا حق دار صرف اور صرف وہی ہو۔ اور اپنی ذات کے حوالے سے ہر چیز اس کی غلام ہو جس میں یہ صفات ہو تو وہ تکبیر حق اور اس کا فاعل متکبر برحق ہوگا اور یہ بات علے الاطلاق خاص اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا تکبر ہر لحاظ سے اس کے شایان شان ہے۔ کیونکہ وہ اس کائنات کا بلا شرکت غیرے مالک بھی ہے اور خالق بھی، اسی کے ہاتھ میں ہی زندگی اور موت کا اختیار ہے۔ وہ کسی دوسرے سے کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔ ہر چیز اس کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ یہ شان کبریائی صرف اس ذات اقدس کا خاصہ ہے اس کے سامنے ہر ایک ذرہ دل و جان سے جھکا ہوا ہے۔ اس لئے وہ متکبر

Marfat.com

ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا تکبر کسی کیلئے جائز نہیں۔ بندہ یا کوئی بھی دوسری مخلوق ہر ایک امر میں اس کی محتاج ہے۔ اسی لئے اگر کوئی بھی دوسرا تکبر کرتا ہے تو وہ سراسر جہالت میں مبتلا ہے کیوں کہ فنا ہو کر مٹ جانے والوں اور محتاجوں پر صفت تکبر کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

ہر قسم کی عظمت و کبریائی اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے اس کی کائنات میں مخلوقات میں سے کسی کو متکبر ہونے کا کوئی حق نہیں۔ اس تمام کائنات میں متکبر کی صفت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اسی کا تکبر برحق ہے اور صفت متکبر اسی پر صادق آتی ہے۔

الخالق، الباری، المصورُ

(12) (ہر چیز کا پیدا کرنے والا)

(13) (ہر چیز کا موجب)

(14) (مخلوقات کی طرح طرح کی صورتیں بنانے والا)

لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ اسماء ایک جیسے ہیں۔ اور ہر اسم کے معنی پیدا کرنا اور ایجاد کرنا ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جو چیز فنا سے وجود میں آتی ہے۔ وہ پہلے تقدیر کی محتاج ہے۔ پھر تقدیر کے مطابق ایجاد کی۔ اس کے بعد تصویر کی۔ اور اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ وہ ایک شے کی تقدیر کرتا ہے۔ اس کا خالق ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ اس کو بناتا ہے' اس کا باری ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ ان مخلوقات کی صورتوں کو باہم عمدہ ترتیب دیتا ہے' مصور ہے۔

مثلاً ایک عمارت کا بنانا منظور ہو۔ تو پہلا کام انجینئر کا ہوگا۔ جو اس عمارت کی ضرورت و صورت تجویز کر کے ایک نقشہ تیار کرتا ہے اور اس پر اینٹ' پتھر' چونہ' لکڑی وغیرہ صرف ہونے والے جملہ اجزاء کی مقدار کا اندازہ لگا کر اس کے اخراجات کا اندازہ لگاتا ہے۔ اس کے بعد تعمیر کرنے والے کا کام شروع ہوتا ہے۔ جو اس نقشہ کے مطابق عمارت کی بنیاد ڈالتا ہے۔ اور جملہ تجویز کردہ چیزوں کی مقدار کے اندر اندر پوری عمارت بنا کھڑی کرتا ہے۔ ابھی تک وہ عمارت غیر مکمل اور رہائش کے لیے ناقابل ہوتی ہے کہ ایک تیسرے کاریگر یعنی مصور کے ہاتھ سے وہ ایک شاندار محل اور شاہی ایوان بن جاتی ہے۔

یہ تو انسانی کاموں کی مثال تھی۔ اللہ تعالیٰ کا کام اس سے برتر ہے۔ وہ خود ہی اندازہ قائم کرتا ہے۔ خود ہی بناتا ہے۔ اور خود ہی اس کی ظاہری صورت کو آراستہ کرتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ وہی خالق' وہی باری اور وہی مصور ہے۔

مثال کے طور پر انسان کو ہی لیجئے۔ جو اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ جس کے

Marfat.com

وجود کیلئے سب سے پہلے ایک مجسمہ ضروری تھا تاکہ اسے انسانی خوبیوں سے آراستہ کیا جاسکے۔ یہ مجسمہ مٹی اور پانی دونوں کی ترکیب سے تیار ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ مٹی خشک اور ٹھوس ہے۔ جس میں نرمی اور لچک نہیں ہے۔ جب کہ پانی ایک تر اور سیال شے ہے۔ لہٰذا ان دونوں خشک اور تر چیزوں کا ملا ہوا اور معتدل مادہ اس مجسمہ کیلئے مناسب تھا۔ اس کے بعد آگ کا جز بھی ان میں شامل ہونا بہتر تھا۔ جس سے مٹی اور پانی کا قوام پختہ ہو جائے۔ اس کے بعد ضروری تھا کہ اس پانی اور مٹی کی خاص مقدار وغیرہ ہو۔ کیونکہ اگر تھوڑی سی مقدار ہو۔ تو اس مجسمہ سے انسانی فعال سرزد نہیں ہو سکتے اور کمزوری کے باعث اس کا وہی حال ہو' جو کیڑے مکوڑے کا ہوتا ہے۔ اتنی بڑی مقدار بھی فضول تھی کہ یہ مجسمہ پہاڑوں اور ٹیلوں کے برابر بن جاتا۔ کیونکہ اتنے بڑے قد اور جسامت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ یہ ساری باتیں تجویز کردہ اندازے ہیں جن کو دوسرے لفظوں میں تقدیر کہتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ ان امور کی تقدیر اور تقدیر کے مطابق ایجاد کرنے کے لحاظ سے خالق ہے۔ اور محض ایجاد کرنے اور فنا سے وجود میں لانے کے لحاظ سے الباری ہے۔ محض ایجاد اور چیز ہے اور ایجاد بمطابق تقدیر اور چیز۔

اسم مصور اللہ تعالیٰ کیلئے اس حیثیت سے شایان شان ہے کہ اس نے تمام اشیاء کی صورتوں کو نہایت خوبی سے مرتب فرمایا ہے۔ اور ان کو اچھی صورت پر بنایا ہے۔ اور یہ اوصاف فعل سے ہے۔ اس کی حقیقت وہی شخص جان سکتا ہے جو تمام ظاہر جہان کو پہلے مختصراً اور پھر بالتفصیل جانتا ہو۔ کیونکہ تمام عالم ایک شخص کا سا حکم رکھتا ہے۔ جو باہم ایک دوسرے کو مدد دینے والے اعضاء کا مجموعہ ہو۔ اس کے اعضاء و اجزاء آسمان اور ستارے اور زمین و آسمان کے درمیان کی اشیاء مثلاً پانی ہوا وغیرہ ہیں۔ اس کے اجزاء ایسی پختہ ترتیب سے مرتب ہیں کہ اگر اس ترتیب میں تبدیلی آجائے۔ تو نظام میں خرابی آجائے اس لئے جو جز اوپر رہنا چاہیے وہ بالائی سمت سے مخصوص ہے۔ اور جو نیچے ہونا مناسب ہے وہ زیریں سمت سے خاص ہے۔ جیسے کہ معمار دیواروں کی بنیاد میں پتھر اور ان کے بالائی حصے پر لکڑی رکھتا ہے۔ اتفاقاً ہی نہیں۔ بلکہ اس کے نزدیک یہ ترتیب مکان کی مضبوطی کیلئے ضروری ہے۔ اگر اس ترتیب کے خلاف پتھر کو اوپر اور لکڑی کو نیچے رکھا جائے تو عمارت ہرگز قائم نہیں ہو سکتی۔ اسی اصول پر ہم کرہ ارض وغیرہ کا نیچے ہونا اور ستاروں کے اوپر ہونے کا خیال کر سکتے ہیں۔

اگر تھوڑے سے اجزائے عالم کا ذکر اور ان کی ترتیب کی حکمت بیان کرنے لگیں۔ تو بات لمبی ہو جائے گی۔ اس تفصیل کا جتنا کسی کو علم ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ وہ مصور کے معنوں سے واقف ہوگا۔ یہ ترتیب و تصویر جہان کے اجزاء میں سے ہر جز میں موجود ہے۔ یہاں تک کہ چیونٹی اور کیڑے میں بلکہ چیونٹی اور کیڑے کے ہر عضو میں موجود ہے۔ ہر ایک جاندار کا ایک چھوٹا سا عضو آنکھ ہے۔ اگر اس کی صورت کی تفصیل بھی لکھنے لگیں تو کلام ختم نہ ہو جو شخص آنکھ کے طبقات' ان کی ہیئت شکل' مقدار' رنگ اور ان کی وجہ

Marfat.com

حکمت سے واقف نہیں تو ظاہر ہے کہ وہ ان کی صورت سے واقف نہیں اور نہ ہی ان کے مصور سے واقف ہے۔صرف نام ہی جانتا ہے۔یہی حال ہر حیوان ونباتات کی صورت بلکہ ان کے ہر جز کی صورت کا ہے۔

یہ حال تو جسمانی صورتوں کی معرفت کا تھا اور یہ سلسلہ روحانیت کی نسبت بہت مختصرہ۔جس میں ملائکہ اوران کے مراتب اوران کے مقررہ اختیارات کی معرفت داخل ہے۔ملائکہ کے یہ انتظامات وہ ہیں جو وہ آسمانوں اور ستاروں میں کرتے ہیں۔پھر قلوب بشریہ میں ہدایت وارشاد کا کام کرتے ہیں۔اور حیوانات میں ان کو اپنی حاجات کا احساس دلانے کا تصرف کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ زمین وآسمان کی جملہ پیدوار' سمندروں' باغات' وادیوں اور دوسری قسم کی مخلوقات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی صفت مصور کا بخوبی ادراک ہوتا ہے بشرطیکہ انسان جاننے کی کوشش کرے۔

الخالق اور الباری میں بندے کا کوئی حصہ نہیں ہے۔مگر مجازی طور پر بہت دور کی نسبت ہے۔جس کی تشریح یہ ہے کہ خلق اور ایجاد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی عطا شدہ قدرت کو اپنے علم کے مطابق کام میں لایا جائے۔اور اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لئے علم اور قدرت پیدا کی ہے۔اور انسان کو اپنی تقدیر اور علم کے مطابق مقدرات کے حاصل کرنے کا موقع ہے۔حقیقی معنوں میں مصور' الخالق اور الباری اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔اور کوئی دوسرا ان صفات عالیہ میں اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ہے۔

الغفّارُ

(15) (بہت بخشنے والا)

یہ وہ ذات پاک ہے جو نیکیوں کو ظاہر فرماتا ہے برائیوں اور گناہوں کو دنیا میں پردہ ڈال کر اور آخرت میں بخش کر انہیں مٹا ڈالتا ہے۔

غفر کے معنی ہیں ستر۔اللہ تعالیٰ کا پہلا ستر اپنے بندے کے عیوب پر یہ ہے۔کہ اس کے بدن کے بدنما اور گھناؤنے حصے جو آنکھوں کو برے معلوم ہوتے ہیں اس کے باطن میں چھپا دیئے۔جو اس ظاہری خوبصورتی کے رنگ وروغن میں پوشیدہ ہیں۔سب جانتے ہیں کہ بندہ کے اندرون اور ظاہر میں کس قدر فرق ہے۔غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم کا کون سا حصہ دکھایا ہے۔اور کونسا چھپایا ہے۔

دوسرا ستر یہ ہے کہ اس کے برے خیالوں' مذموم ارادوں اور مکروہ عقیدوں کو اس کے دل کی اندھیری کوٹھڑی میں بند کیا ہے۔تاکہ کوئی شخص ان شرمناک رازوں سے واقف نہ ہو۔اگر خلقت کو اس کے دل کا حال معلوم ہو جائے۔اس کے وسوسوں اور دل کے کھوٹ' خیانت اور بدظنی کا پتہ لگ جائے تو لوگ اس کے دشمن بن جائیں۔بلکہ اُس کو جان سے مار ڈالنے کی کوشش کریں۔غور کرنا چاہیے کہ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے اس کے مخفی امور کو کس طرح دوسرے لوگوں سے محفوظ فرمار کھا ہے۔

تیسرا ستر یہ ہے کہ وہ بندہ کے ایسے گناہ بخش دیتا ہے۔ جن سے وہ سرعام بے عزت ہوسکتا ہے۔ اور اس نے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر بندہ ایمان پر ثابت رہا تو اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا تا کہ ان نیکیوں کے ثواب سے اس کے بڑے بڑے گناہ مٹ جائیں۔

تنبیہ: اس اسم سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ اپنے متعلق جو بات چھپا نار کھنی مناسب سمجھتا ہو۔ وہ دوسروں کی متعلق بھی مخفی رکھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من ستر علے مومن عورتہ ستر اللہ تعالیٰ عورتہ یوم القیمۃ یعنی جو شخص کسی مومن کی عیب پوشی کرے گا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کے عیب ڈھاپنے گا۔

غیبت کرنے والا' عیب جوئی کرنے والا' دل میں کینہ رکھنے والا' برائی کا بدلہ لینے والا' یہ سب اس مبارک خوبی سے محروم ہیں۔ اس خوبی سے فیض یاب صرف وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خوبیوں کے سوا کوئی بات ظاہر نہ کرے۔ مخلوق میں کمال بھی ہے' نقص بھی۔ خرابی بھی ہے' خوبی بھی۔ جو شخص برائیوں سے لاتعلقی اور خوبیوں کا اظہار کرے۔ وہ اس اسم سے پورا بہرہ مند ہے۔ جیسے کہ روایت ہے کہ ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں سمیت ایک مردہ کتے کے پاس سے گزرے جس کی بدبو پھیل رہی تھی۔ لوگوں نے کہا یہ مردار کس قدر سڑا ہوا ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کے دانتوں کی سفیدی کیسی چمکیلی ہے۔ جس سے آپ کا مدعا یہ تھا کہ ہر چیز کے اچھے حصے کا ذکر کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت مہربان ہے اور توبہ کرنے والوں کے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور ان کیلئے بخشش کے دروازے کھول دیتا ہے۔

القھارُ

(16) (زبردست یا غلبہ رکھنے والا)

قھار وہ ہے' جو اپنے بڑے بڑے طاقتور دشمنوں کی کمر توڑ ڈالے۔ ان کو ہلاک کرے یا ذلیل بنا کر قہر رسیدہ کرے۔ اور قھار وہ ذات ہے' جس کے قہر و قدرت کے نیچے ہر موجود مسخر اور اس کے قبضہ میں عاجز ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے دشمن ہی قہر رسیدہ ہوئے ہیں۔ تاریخ کے اوراق پر نگاہ دوڑانے سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے اور کفریہ نظریات وعقائد رکھنے والے ہی تباہ و برباد ہوئے ہیں۔ اور ایسی کئی نافرمان قومیں مٹ گئیں۔ جن کو اپنے آپ پر بہت غرور تھا۔ اور

اللہ تعالیٰ کے احکام اعلانیہ نافرمانی کرتے تھے اور انہوں نے اپنے خودساختہ معبود بنا رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے تباہ برباد کر دیتا ہے۔ نافرمان، بے ادب اور مشرک عبرت کی تصویر بن جاتے ہیں اور القہار اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو اس کے ساتھ خاص ہے۔

اَلْوَهَّابُ

(17) (بہت عطا کرنے والا)

ہبہ کے معنی عوض اور غرض کے بغیر بخشش۔ جب اس قسم کی بخشش بکثرت ہوں۔ تو ان کے فاعل کو جواد اور وھاب کہتے ہیں۔ اور حقیقی جود و عطا اور ہبہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ کیونکہ وہی ہر محتاج کی حاجت بلا معاوضہ اور بلا کسی غرض کے پوری کرتا ہے اور جو کسی کو غرض کیلئے کچھ عطا کرے جو جلد یا بدیر حاصل ہونے والی ہو۔ اور وہ غرض محض مدح وستائش، یا باہمی دوستی، یا طلب انعام، یا خواہش مرتبہ وشہرت کی صورت میں عطا کا عوض پانے کا خواہش مند ہو تو وہ وھاب یا جواد کے لقب کا حق دار نہیں کیونکہ عوض ہمیشہ عین ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ جو بخشش کہ ابھی حاصل نہیں اور عطا کرنے والے کی غرض اس اس عطا سے وہی ہو۔ وہ عوض ہے۔ پس جس شخص نے اس لئے عطا اور بخشش کی کہ اس کی عزت ہو۔ یا اس کی تعریف کی جائے۔ یا اس لئے کہ اس کی کہیں بدتعریفی نہ کی جائے۔ تو وہ شخص گویا ایک قسم کا لین دین کر رہا ہے۔ حقیقی جواد وہ ہے، جس سے طلبگار کو بلا معاوضہ فائدے حاصل ہوں۔ بلکہ وہ جو کچھ کرتا ہے خلوص سے کرتا ہے۔ اور اس عطا کا کسی صورت میں عوض نہیں چاہتا۔ اور یہ وصف صرف ذات اقدس میں ہے۔

اللہ تعالیٰ بے حساب رحمت وعطا فرماتا ہے۔ اور اس کی عطا کا یہ عالم ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے کو رزق عطا فرما رہا ہے اور اسے کسی سے نہ کوئی حاجت ہے اور نہ کسی معاوضے کا طلب گار ہے۔ اور قیامت کے دن اپنے فرمانبردار بندوں کو اتنا کچھ عطا فرمائے گا کہ ان کے عقل و وہم میں بھی نہیں آ سکتا۔ اس لئے الوہاب کی صفت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہی مخصوص ہے۔ یاد رہے کہ شکر صرف ایک کلمہ ہے اور انسان کیلئے ضروری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو خرچ کیا جاتا ہے۔ اس سے انسان ہی فائدہ حاصل کرتے ہوتے ہیں۔

الرزاق

(18) (روزی پہنچانے والا)

رزاق سے مراد وہ ذات پاک ہے۔ جس نے محتاج مخلوقات کو پیدا کر کے اُسے کو روزی پہنچائی اس کیلئے رزق سے فائدہ اٹھانے کے اسباب پیدا کئے۔

Marfat.com

رزق کی دو قسمیں ہیں۔ایک ظاہر رزق' جس سے مراد غذا اور خوراک ہے جو اشیاء ظاہرہ کیلئے ہے۔اور یہ اشیاء بدن کیلئے ہیں۔دوسرا رزق باطن ہے۔اس سے مراد معرفت اور کشف ہے۔یہ دل اور روح کیلئے ہے۔

دوسرا رزق زیادہ قابل عزت ہے کیونکہ اس کا حاصل ابدی زندگی ہے۔اور رزق ظاہری کا حاصل ہے۔کہ ایک خاص مقرر مدت تک جسم کی طاقت قائم رہتی ہے۔اللہ تعالیٰ یہ دونوں رزق پیدا کرتا ہے۔اور دونوں یعنی ظاہر و باطن کو ان سے بہرہ ور بناتا ہے۔

ولکن اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر

تنبیہ: اس وصف سے بندہ کا اصلی حصہ دو پہلو ہیں۔ایک تو یہ کہ اس خوبی کی حقیقت سمجھے۔اور یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی اس تعریف کا مستحق نہیں ہے۔لہٰذا ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کو روزی دینے والا سمجھے۔اور رزق کے متعلق اسی پر توکل کرے۔جیسے کہ حاتم اصمؒ کی نسبت روایت ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا تم کہاں سے کھاتے ہو۔

حاتم: اللہ کے خزانے سے۔

سائل: کیا وہ آسمان سے تمہاری طرف روٹی پھینک دیتا ہے۔

حاتم: اگر زمین اس کی اپنی نہ ہوتی' تو بیشک اس کو آسمان ہی سے روٹی پھینکنی پڑتی۔

سائل: تم کلام میں سے کئی باتیں نکال لیتے ہو۔

حاتم: اس لئے کہ اس نے آسمان سے کلام ہی نازل فرمایا ہے۔

سائل: معاف کیجئے میں آپ سے بحث کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔

حاتم: اس لئے کہ حق کے آگے جھوٹ ٹھہر نہیں سکتا۔

بندہ کے حصے مین دوسرا امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیک ہدایت کرنے والا علم اور نیکی کا راستہ دکھانے والی زبان اور صدقہ و خیرات دینے والے ہاتھ عطا کرے۔اور وہ اپنے نیک اقوال و اعمال کی بدولت لوگوں کے دلوں میں سب سے زیادہ قابل عزت رزق پہنچنے کا باعث ہو اور اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے پر محبت کی نظر کرتا ہے تو اس کی طرف لوگوں کی ضرورتیں بڑھا دیتا ہے۔اور جب وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے بندوں کے درمیان وصول رزق کا ذریعہ بن جاتا ہے تو اس وصف سے بخوبی فیض یاب ہوتا ہے۔

الفتاح

(19) (مشکل کشا' یا بندوں میں حکم کرنیوالا)

فتاح وہ ہے' جس کی عنایت سے ہر بند دروازہ کھل جاتا ہے۔اور جس کی ہدایت سے ہر

Marfat.com

مشکل آسان ہو جاتی ہے کبھی وہ اپنے انبیاء کے ہاتھ پر ملک فتح کرتا ہے اور دشمنوں کے ہاتھ سے چھین لیتا ہے اور فرماتا ہے انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر ک الله (تحقیق فتح دی ہم نے تجھ کو فتح ظاہر تاکہ بخشے واسطے تیرے اللہ تعالیٰ) اور کبھی اپنے اولیاء کے دلوں سے پردے اٹھا کر ان کیلئے عالم ملکوت اور جمال کبریائی کی طرف دروازے کھول دیتا ہے اور فرماتا ہے ایفتح اللہ للناس من رحمتہ فلا ممسک لھا یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں پر رحمت کے جب دروازے کھولتا ہے انہیں کوئی بند نہیں کر سکتا۔ جس کے ہاتھ میں غیب کی کنجیاں اور رزق کی کنجیاں ہیں۔ وہ فتاح کہلانے کا سب سے بڑا حق دار ہے اور یہ خوبی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور وہی حقیقی معنوں میں فتاح ہے۔

العلیم

(20) (بہت جاننے والا)

اس کے معنے ظاہر ہیں۔ اور اس کا کمال یہ ہے کہ وہ ظاہر و باطن میں اور چھوٹے و بڑے ہر کام علم اول سے آخر تک رکھتا ہے۔ اور یہ علم سب سے زیادہ مکمل طریقے سے ہو۔ جس سے زیادہ ظاہر کوئی بھی مشاہدہ اور کشف تصور میں نہیں آ سکتا۔ پھر یہ کہ وہ علم معلومات کے ذریعے سے حاصل نہیں کیا گیا ہو۔ بلکہ تمام معلومات اس کے ذریعے سے حاصل کی گئی ہوں۔

تنبیہ: بندہ کا علیم کے اسم سے جو حصہ ہے۔ وہ عیاں ہے اللہ تعالیٰ کا علم تین امور میں بالکل منفرد ہے۔

(1) ایک تو یہ کہ بندہ کی معلومات کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ ایک حد کے اندر ہوتی ہیں۔ اس لئے ان معلومات کے ساتھ بندے کو کیا نسبت جو بے انتہا ہیں۔

(2) دوم یہ کہ بندہ کا کشف اگرچہ خوب روشن ہو۔ مگر اس حد تک نہیں پہنچ سکتا۔ جس کے بعد وضاحت اور روشنی کا درجہ ممکن نہ ہو۔ بلکہ اس کا مشاہدہ ایسا ہوگا۔ جیسے ایک باریک پردے سے دیکھ رہا ہو۔ اور پھر درجات مشاہدہ میں جو فرق ہے اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دل کی نگاہ کا حال ظاہری بصارت کا سا ہے۔ اور طلوع فجر کے وقت کسی چیز کے دکھائی دینے اور سورج نکلنے کے بعد دکھائی دینے میں بڑا فرق ہے۔

(3) سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم اشیاء کے علم سے حاصل نہیں ہے۔ بلکہ اشیاء اس کے علم سے استفادہ شدہ ہیں اور بندہ کو جو اشیاء کا علم ہے۔ وہ اشیاء کے تابع اور اشیاء ہی سے حاصل کردہ ہے۔

علم کی بدولت بندے کا شرف اس لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے لیکن سب سے زیادہ شریف علم وہ ہے جس کا موضوع زیادہ شریف ہو اور سب سے زیادہ شرف و عزت والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت سب معرفتوں سے زیادہ افضل ہے۔ بلکہ تمام اشیاء کی

Marfat.com

معرفت کو جو شرف حاصل ہے وہ اسی لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی معرفت ہے یا اس طریق کی معرفت ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے قرب کا حصول آسان وہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ کرنا انسان کے بس میں نہیں ہے کتاب میں علم الٰہی کے بارے میں تفصیل سے بات گزر چکی ہے۔

القابض-الباسط

(21) (بندوں کی روزی محدود کرنیوالا)

(22) (بندوں کی روزی فراغ کرنیوالا)

یہ اس معبود برحق کے نام ہیں جو موت کے وقت جانوں کو جسموں سے قبض کرتا ہے۔ زندگی کے وقت جسموں میں جانیں ڈالتا ہے۔ محتاج لوگوں کیلئے رزق وافر کر دیتا ہے۔ اور دولت مندوں کیلئے رزق کشادہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کو کبھی فاقہ کرنے کا موقع نہیں پڑتا۔ فقیروں کو تنگ دست بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ بیچارے عاجز آ جاتے ہیں وہ دلوں کو قبض کرتا ہے۔ اور اپنی بے پروائی، بزرگی اور اجلال کا پورا پورا احساس دلا کر آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ اور پھر اپنے لطف او احسان اور جمال کے فیضان سے ان پر امیری کی حالت طاری کر دیتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ وہ امیروں کو فقیر اور فقیروں کو امیر بھی کر دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے رزق کی فراوانی عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے رزق چھین لیتا ہے۔

الخافض-الرافع

(23) (نافرمانوں کو پست کرنیوالا)

(24) (فرمانبرداروں کو بلند کرنیوالا)

ان ناموں سے مراد وہ موجود برحق ہے جو کفار کو بدبختی میں مبتلا کر کے پست کر دیتا ہے۔ اور مومنوں کو کامیابی بخش کر بلند فرماتا ہے۔ اپنے اولیاء کو قرب کی بلندی بخشتا ہے۔ اور اپنے دشمنوں کو دوری کے گڑھے میں ڈالتا ہے۔ جو شخص محسوسات کے خیالوں سے اور بری خواہشات سے پیچھا چھڑا لیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ نہایت بلند مقام تک ترقی عطا کرتا ہے۔ اور جو شخص اپنا مشاہدہ محسوسات پر اور اپنی ہمت کو ان خواہشات نفسانی پر، جن میں چوپائے بھی اس کے شریک ہیں، مائل رکھتا ہے۔ تو اس کو وہ پستیوں میں گرا دیتا ہے اور یہ کام خاص خداوند تعالیٰ کیلئے ہے۔ لہٰذا وہی خافض اور رافع ہے۔

تنبیہ: ان اسموں سے بندے کا یہ حصہ ہے کہ وہ حق کو بلند اور باطل کو پست کرے۔ اور یہ اس

طرح ہو سکتا ہے کہ حق بات کہنے والے کی تائید کرے اور غلط بات بیان کرنے والے کی مخالفت کرے۔ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی کرے' تا کہ ان کو پست کر سکے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی رکھے' تا کہ ان کو عالی رتبہ ہونے میں مدد کر سکے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی ولی سے فرمایا ہے کہ۔

"تم نے دنیا میں زہد کیا تھا' اس کے عوض تمہیں راحت مل گئی۔ اور مجھے جو یاد کیا تو میرا دیدار بھی حاصل ہو گیا۔ اب یہ بتاؤ کیا تم نے کسی میرے دوست سے دوستی اور کسی دشمن سے دشمنی بھی کی؟"

المعزّ- المذلّ

(25) (عزت دینے والا)

(26) (ذلیل کرنے والا)

یہ وہ ذات ہے کہ جسے چاہے بادشاہی دے جس سے چاہے چھین لے۔ سچی بادشاہی یہ ہے کہ محتاجی' شہوات اور نادانیوں سے نجات حاصل ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس شخص کے دل سے پردہ اٹھا دیا۔ تو اس نے ذات والا صفات کے جمال کا نظارہ کر لیا۔ اور اُسے قناعت کی توفیق بخشی۔ یہاں تک کہ وہ اس کی بدولت مخلوق سے بے پرواہ ہو گیا۔ اور اسے قوت و طاقت بخشی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نفس کی صفات پر غالب آ گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اسے اس جہان میں بھی عزت اور بادشاہی عطا کی اور آخرت میں بھی قرب کی عزت بخشے گا۔ اور فرمائے گا۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک یعنی اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف جا۔

جو شخص مخلوق پر نظر رکھتا ہے آخر کار اس کا محتاج بن جاتا ہے اور اس پر اس قدر حرص غالب ہو جاتی ہے کہ وہ کسی حد تک قناعت نہیں کر سکتا اور جہالت کے اندھیرے میں پڑا رہتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے بالکل ذلیل کر دیا۔ اور اس سے عزت چھین لی یہ اللہ تعالیٰ کے کام ہیں جس طرح چاہے کرے۔ وہی عزت دینے والا ہے وہی ذلت دینے والا جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے اور ذلیل تو وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ ان الفاظ سے مخاطب کرتا ہے کہ۔

(ترجمہ) یعنی تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں ڈالا اور گھات میں بیٹھے اور شک کیا۔ اور تم کو خواہشات نے دھوکا دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آیا۔ اور غرور نے تم کو اللہ تعالیٰ کی نسبت غلط فہمی میں ڈالے رکھا۔ پس آج تم سے فدیہ منظور نہیں کیا جائے گا۔ (القرآن)

السَّمِیعُ

(27) (بہت سننے والا)

سمیع وہ ذات ہے۔ جس کے ادراک سے کوئی سننے کی بات نہ چھپ سکے۔ خواہ باریک سے

باریک ہو۔ وہ رات کے وقت پتھر پر چلنے والی چیونٹی کے پاؤں کی آہٹ بھی سنتا ہے۔ تسبیح کرنے والوں کی تسبیح سُن کر جزائے خیر دیتا ہے۔ دعا کرنے والوں کی دعائیں سن کر قبول کرتا ہے۔ اس کی زبردست سماعت کانوں اور کان کے پردوں کے بغیر ہی ہے۔ جس طرح کہ اس کے دوسرے افعال اور کلام اس کے شایان شان ہے تو اس کی سماعت بھی حدوث سے پاک ہے۔

جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کا سننا ایسے تغیرات سے پاک ہے جو مسموعات کے تازہ وقوع کے وقت عارض ہو سکتے ہیں۔ اور جب ہم نے اسے اس بات سے بلند سمجھ لیا ہے کہ وہ کان یا کسی دوسرے آلہ سے سنتا ہو تو ظاہر ہے کہ سننا ایک صفت ہے جس سے اشیاء کی صفات کی پوری ماہیت اس پر عیاں ہو جاتی ہے۔ جو شخص اس امر پر غور نہیں کرتا۔ وہ تشبیہ کے خیال میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس سے بچنا چاہیے اور غور و فکر کرنا چاہیے۔

تنبیہ: بندہ کو حس کی حیثیت سے سماعت کا جو حصہ حاصل ہے۔ وہ ناقص ہے۔ کیونکہ وہ تمام مسموعات کا ادراک نہیں کر سکتا۔ بلکہ صرف ان آوازوں کو محسوس کر سکتا ہے۔ جو اس کے قریب ہوں۔ پھر یہ ہے کہ اس کا ادراک ایک عضو کے ذریعے سے ہے اور وہ ایک ایسا آلہ ہے جو مختلف مصائب میں گھرا ہوا ہے۔ اگر آواز دھیمی ہو۔ تو بندہ اس کو نہیں سُن سکتا۔ اگر دور ہو تو بھی سن نہیں سکتا۔ اگر آواز بڑی ہو تو کان کا پردہ ہی پھٹ جاتا ہے۔ اور انسان سننے سے ہی محروم ہو جاتا ہے۔ سماعت سے بندے کے دو دینی حصے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ سمیع ہے۔ لہٰذا اپنی زبان کو برے کلام اور بے ہودہ گوئی سے محفوظ رکھے۔

دوم یاد رکھے کہ اس کو سننے کی طاقت اس لئے دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنے جو اس نے نازل فرمایا ہے۔ اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے کی ہدایت حاصل کرے۔ غرض اس کے سوا اور کسی بات میں اپنی قوت سماعت استعمال نہ کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے مقررہ نظام زندگی کا پابند رہے۔

البصیرُ

(28) (بہت دیکھنے والا)

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو صاف دیکھ رہا ہے۔ یہاں تک کہ مٹی میں چھپی ہوئی چیزیں بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اس کا دیکھنا بھی ہماری آنکھوں کے اجزاء سے پاک ہے اور ان معنوں سے آزاد ہے کہ اس کی ذات میں اشیاء کی صورتیں اور رنگ منطبع ہوتے ہیں۔ جیسے انسان کی آنکھ میں منطبع ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ امور ان تاثرات و تغیرات کے قبیلے سے ہیں۔ جو حدوث پر دلالت کرتے ہیں۔ جب وہ ان امور سے پاک ہے۔ تو اس کا دیکھنا ایک ایسی صفت ہے جس سے نظر آنے والی اشیاء کی ٹھیک ٹھیک صفات ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اور یہ دیکھنا اس دیکھنے سے کہیں زیادہ روشن اور تیز ہے۔ جو آنکھوں کو حاصل

Marfat.com

ہے اور جو اکثر صاف اور ظاہر چیزوں کو محسوس کرنے سے بھی قاصر رہتی ہے۔

تنبیہ: وصف بصر محدود میں حس کی حیثیت سے جو حصہ بندے کو حاصل ہے' وہ ظاہر ہے۔ لیکن بندہ ضعیف اور قاصر ہے۔ کیونکہ اس کی نظر دور تک کام نہیں کرتی۔ اور نہ اشیاء کے اندر جاتی ہے۔ بلکہ صرف ظاہری اشیاء کو محسوس کرتی ہے۔ چھپی ڈھکی باتوں کو دیکھنے سے عاجز ہے۔

اس میں دینی حصہ سے دو خصوصیات ہیں۔ ایک تو یقین رکھے کہ اسے دیکھنے کی صلاحیت اس لئے دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور عجائب ملکوت اور آسمانوں پر نظر کرے' تا کہ اسے نصیحت حاصل ہو۔

کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا مخلوق میں سے کوئی شخص آپ جیسا ہوگا؟ انہوں نے جواب دیا ہاں جس شخص کا دیکھنا محض نصیحت حاصل کرنے کیلئے ہو۔ اور خاموشی غور و فکر کیلئے اور کلامُ اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے! وہ مجھ جیسا ہے۔

دوم یاد رکھے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہے۔ لہٰذا بے پروائی نہ کرے۔ جو شخص لوگوں سے ایسی باتیں چھپاتا ہے' جو اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپاتا۔ وہ گویا اللہ سے بے پروائی کر رہا ہے۔

اس صفت پر ایمان لانے کا ایک حاصل مراقبہ ہے۔ پس جو شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ اور پھر کسی گناہ کے قریب جاتا ہے' تو وہ نافرمان اور گستاخ ہے! اور اگر یہ خیال رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں دیکھ رہا۔ تو کافر ہے!!!

الحکمُ

(29) (مخلوقات کا حکام)

حکم وہ حاکم ہے۔ جو لوگوں کے فیصلے کرتا ہے۔ اور جس کے آگے سب مخلوق سر تسلیم خم کرتی ہے۔ جس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اور نہ اس کے فیصلے کو واپس کر سکتا ہے۔ جس کا بندوں کے حق میں یہ حکم ہے کہ لیس الانسان الاماسعی۔ یعنی انسان کو وہی ملے گا جو اس نے کمایا۔ اور اس کی کمائی عنقریب دیکھ لی جائے گی۔ ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم یعنی اچھے لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور برے لوگ دوزخ میں۔

اچھے اور برے لوگوں کے متعلق خوش قسمتی اور بدبختی کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے اچھائی اور برائی کو' اچھے اور برے لوگوں کیلئے سعادت اور بدنصیبی کا سبب بنا دیا ہے۔ جیسے کہ دواؤں اور زہروں کو ان کے کھانے والوں کے لئے شفا اور موت کا باعث بنا دیا ہے۔ چونکہ حکمت کے معنی اسباب کو ترتیب دینا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی حکم مطلق ہے۔ کیونکہ وہ تمام اسباب مہیا کرتا ہے۔

حکم سے قضا و قدر کے معنے پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھو اس کا حکم ہے کہ وہ اسباب وضع کرتا ہے' تا

Marfat.com

کہ وہ اپنے کام کے اعتبار سے انجام پذیر ہوں۔ پھر ان کلی و اصلی اور ثابت و مقررہ اسباب کو جو نہ زائل ہوتے ہیں اور نہ تبدیل ہوتے ہیں ان کا قائم کرنا قضا ہے۔ جیسے کہ زمین آسمان' ستارے اور ان کی حرکات جو متناسب اور مقررہ مدت تک قائم ہیں۔ نہ اس میں تبدیلی آتی ہے اور نہ ہی وہ آگے پیچھے ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا حکم اپنی معیاد کو پہنچ جائے گا۔ چنانچہ فرمایا "یعنی پس کر دیا انہیں دو دن میں سات آسمان اور ہر آسمان کو اس کا امر وحی کیا" پھر ان متناسب اور مقدور و وضع کردہ اسباب کو ان مسببات کی طرف متوجہ کرنا قدر ہے۔ جو ان اسباب سے لحہ بہ لحہ وجود میں آتے ہیں۔

غرض کہ حکم وہ پہلی اور کلی تدبیر اور چوٹی کا امر ہے کی جس کی آنکھ کے جھپکنے سے بھی پہلے تعمیل ہو جاتی ہے اور قضا اسباب کلیہ و دائمہ کا اصولی طور پر وضع کرنے کا نام ہے۔ اور قدر سے مراد ان اسباب کلیہ کو ایک متناسب اور وضع کردہ رفتار کے ساتھ محدود اور گنے ہوئے مسببات کی طرف ایسے اندازہ کے ساتھ حرکت دیتا ہے۔ جو کم و بیش نہ ہو۔ اس لئے کوئی چیز اس کی قضا و قدر سے باہر نہیں نکل سکتی۔

العَدلُ

(30) منصف۔ یعنی فیصلہ میں ظلم نہ کرنے والا)

عدل کے معنی عادل' اور یہ وہ ذات ہے جس سے عدل کا فعل صادر ہو جو شخص عادل کو نہیں پہچان سکتا لازم ہے کہ' اس کے عدل کو نہیں پہچانتا اور جو شخص اس وصف کے بارے میں معلوم کرنا چاہے۔ اسے چاہیے کہ حتی المقدور اللہ تعالیٰ کے تمام خدائی انتظامات کا' جو بالائے آسمان سے لے کر زیر زمین تک تعلق رکھتے ہیں' علم حاصل کرے۔ حتیٰ کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے لے کر زیر زمین تک تعلق رکھتے ہیں' علم حاصل کرے۔ حتیٰ کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے تمام تر نظام میں باوجود غور و فکر کے بعد کسی قسم کی کجی نہ پائے گا۔ تو بارگاہ رب العزت کی شان و عظمت اس کو دم بخود بنا دے گی۔ اور اس کے کاموں کا اعتدال و انتظام اسے حیران کر دے گا۔ یہ دیکھ کر ہی عدل خداوندی کے معانی کا کوئی حصہ اس کے ذہن میں آ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی قسم کی جسمانی و روحانی اور کامل و ناقص موجودات بنائی ہیں۔ اور ہر شے کو اس کی خاص ترتیب عطا کی ہے۔ اس لحاظ سے وہ جواد' عالی حوصلہ ہے۔ اور اس نے ہر چیز کو اس کی مناسب ترتیب میں رکھا ہے۔ اس لحاظ سے وہ العدل ہے۔

چنانچہ عالم کے بڑے بڑے اجسام زمین' پانی' ہوا' آسمان اور ستارے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کر کے مناسب ترتیب دی ہے۔

زمین کو سب سے نیچے رکھا ہے۔ اس پر پانی کو جگہ دی ہے۔ پھر پانی پر ہوا کا مقام بنایا ہے۔ اور ہوا پر آسمان قائم کئے ہیں۔ اگر اس ترتیب کو الٹ دیا جائے تو سارا نظام گڑبڑ ہو جائے گا۔ عدل نظام کیلئے اس ترتیب کے مناسب ہونے کی شرح اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ لہٰذا ہم عام لوگوں کے

Marfat.com

عقل وسوچ کا لحاظ رکھ کر کہتے ہیں کہ انسان کو چاہیے وہ اپنے بدن کے متعلق غور کرے' جو مختلف اعضاء سے مرکب ہے۔ جیسے کہ جہان کا بدن مختلف اجسام سے مرکب ہے۔ انسانی بدن کو پہلے تو اللہ تعالیٰ نے ہڈی' گوشت اور چمڑے سے مرکب کیا ہے۔ ہڈیوں کو کھوکھلے ستون بنایا ہے۔ اور گوشت کو ان کا غلاف بنایا ہے۔ اور چمڑے کو گوشت کا غلاف قرار دیا ہے۔ اگر یہ ترتیب الٹ ہو جائے اور اندر کی چیزیں باہر آ جائیں تو سلسلہ درہم برہم ہو جائے۔

اگر یہ بات سمجھ میں نہ آ رہی ہو تو ایک اور مثال حاضر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے مختلف اعضاء مثلاً ہاتھ' پاؤں' آنکھیں' ناک اور کان پیدا کئے ہیں۔ ان اعضا کے پیدا کرنے میں وہ جواد ہے۔ اور انہیں خاص مقامات پر رکھنے میں العدل ہے۔ مثلاً آنکھ کو ایسے مقام پر رکھا ہے جو اس کیلئے بدن میں تمام مقامات کی نسبت زیادہ مناسب ہے۔ اگر آنکھ کو گدی' پاؤں' ہاتھ پر یا ٹانگوں پر بنایا ہوتا تو خلل آتا' اسی طرح اس نے بازوؤں اور ہاتھوں کو کندھوں سے معلق کیا ہے۔ اگر انہیں سر کے ساتھ یا کھوکھوں میں یا گھٹنوں پر لگا دیتا تو اس سے خلل آتا۔ اسی طرح اُس نے تمام حواس سر میں جمع کئے ہیں۔ کیونکہ وہ جاسوس ہیں۔ ان کا تمام بدن سے بلند مقام پر ہونا ضروری تھا اگر ان کو پاؤں میں رکھ دیتا ہے۔ تو قطعاً ان کا نظام خلل پذیر ہو جاتا۔ اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے جو چیز جس مقام پر پیدا کی ہے وہ اسی جگہ کیلئے مناسب ہے اگر اس جگہ سے دائیں طرف یا بائیں طرف یا اوپر یا نیچے بنائی جاتی تو ناقص خراب' بدنما اور غیر متناسب ہوتی۔ ناک کو چہرے کے درمیان میں پیدا کیا ہے۔ اگر اس کو ماتھے میں یا ایک رخسار میں بنایا ہوتا تو بدصورتی کے ساتھ ساتھ اس کے موجودہ فوائد میں ضرور کمی آ جاتی۔

ہم لوگ اس کی حکمت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ ہم میں عالم بالا اور عالم سفلی میں غور وفکر کرنے کی کم صلاحیت ہے۔ اگر نظر کرو۔ تو ایسے عجائبات سامنے آئیں گے کہ جن کے آگے بدن کے عجائبات بے وقعت ہیں۔ اور یہ یقین رہے کہ آسمان وزمین کی پیدائش لوگوں کی پیدائش سے بڑی ہے۔ کاش اتنی توفیق ہوتی کہ ہم اپنے نفس کے عجابات کو ہی سمجھتے اور اس میں اور اس کے اردگرد کے اجسام میں غور کرتے تاکہ اس زمرہ میں شریک ہو جاتے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سنریھم ایاتنا فی الافاق وفی انفسھم یعنی عنقریب ہم ان کو اپنے نشان زمانے میں اور خود ان کے نفسوں میں دکھائیں گے۔

یہ مقام ہمیں کہاں نصیب ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں میں شامل ہوں۔ جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ یعنی ''اس طرح ہم ابراہیم کو آسمان وزمین کے عجائبات دکھاتے ہیں تاکہ وہ ارباب یقین میں شامل ہو جائے'' (القرآن)۔ اور اس شخص کیلئے آسمانوں کے دروازے کیونکر کھولے جائیں گے جس کو دنیا کے فکر وتردد نے اپنے دھندوں میں غرق کر رکھا ہو۔ اور حرص وہوا نے غلام بنا لیا ہو۔ (بمطابق قرآن کریم)

تنبیہ: عدل سے بندہ کا جو حصہ ہے وہ مخفی نہیں۔ اپنی صفات کو اعتدال پر لانے کا پہلا حق یہ ہے کہ خواہشات اور غضب کو عقل و دین کے ارشاد کا پابند بنائے۔ اور اگر اس نے عقل کو خواہشات اور غضب کا خادم بنا دیا تو وہ ظلم کا مرتکب ہوگا۔ اور ہر عضو کے متعلق عدل یہ ہے کہ ان کو ایسے کاموں میں استعمال کرے، جن کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ اور اپنے عیال و اولاد کے متعلق اور امیر ہے تو اپنی رعیت کے متعلق جو عدل ہونا چاہیے وہ عیاں کر دیا گیا ہے۔

دین کی جہت سے اس وصف کے مشاہدہ میں بندہ کا حصہ اس بات کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے۔ اس کی تدبیر اور حکم اور تمام افعال کے متعلق کوئی پر شکوہ نہ کرے۔ خواہ وہ بندہ کے فائدے کے مطابق ہوں یا نہ ہوں۔ کیونکہ یہ ساری باتیں انصاف ہیں اور ویسی ہی ہیں جیسی چاہئیں۔

زمانہ کو برا بھلا نہ کہنا چاہیے۔ اور نہ اشیاء کو آسمان سے منسوب کرنا چاہیے۔ جو عام لوگوں کی عادت ہے۔ بلکہ یہ سمجھے کہ یہ تمام اسباب اللہ کے حکم کے تابع ہیں اور سب سے سب ایک مناسب ترتیب کے ساتھ مرتب ہیں۔ اور ان کی ترتیب اعلیٰ درجہ کے عدل و لطف پر مبنی ہے۔

اللطیفُ

(31) اس اسم کی شایان شان وہ ذات ہے جو مصلحتوں کی باریک باریک باتیں جانے اور ان کو ان کے مستحق کی طرف سختی سے نہیں بلکہ نرمی سے پہنچائے۔ جب فعل میں نرمی اور باریک بینی جمع ہو جائے تو لطف کے معنی پورے ہو جاتے ہیں اور اس کا کمال و عمل خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے لئے متصور ہے۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ باریک اور ہماری سمجھ میں مشکل سے آنیوالی باتوں پر جس قدر احاطہ رکھتا ہے۔ اس کی تفصیل نہیں ہو سکتی۔ ہر مخفی بات اس کے علم میں ویسی ہی ظاہر ہے۔ جیسے کھلی بات۔ کچھ بھی فرق نہیں افعال میں اس کی نرمی اور مہربانی بھی شمار میں نہیں آ سکتی۔ فعل کی مہربانی کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کے تمام افعال کی تفصیل بھی جانتا ہو۔ اور اس میں مہربانی کے نکتے کو سمجھتا ہو۔ جس قدر وہ ان کو جانتا ہوگا۔ اس قدر وہ اسم "لطیف" کے معنی سمجھتا ہوگا۔

ایک لقمہ کے حاصل ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا مفصل ذکر کیا جائے۔ جو بندے کے ہاتھ آتا ہے۔ جس کی تکمیل میں بے شمار لوگوں نے مدد دی ہے۔ کسی نے زمین کو درست کیا۔ کسی نے بیج بویا۔ کسی نے سینچا۔ کسی نے فصل کو کاٹا۔ کسی نے کھلیان سے غلہ نکالا۔ کسی نے اس کو پیسا، کسی نے گوندھا، کسی نے پکایا، وغیرہ وغیرہ۔ تو بھی اس کی تفصیل طویل ہو جائے گی۔

الغرض اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ اس نے امور کی تدبیر کی ہے حکم ہے اور اس حیثیت سے

Marfat.com

ان کہ ان کو ایجاد کیا ہے جواد ہے اور اس حیثیت سے کہ ان کو ترتیب دی ہے۔ مصور ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ ان میں نرمی کے وجوہ کی کوئی باریکی نہیں چھوڑی لطیف ہے۔ اور جو شخص ان افعال کی حقیقت نہیں سمجھتا وہ ان اسماء کی حقیقت بھی نہیں سمجھ سکتا۔

بندوں پر اس کا ایک لطف یہ ہے کہ اس نے ان کو کفایت سے زیادہ توفیق دی ہے اور طاقت سے کم مجبور کیا ہے۔

ایک لطف یہ ہے کہ بہت تھوڑی سی دنیاوی کوشش کرنے پر ان کو ابدی سعادت حاصل کرنے کی توفیق دی ہے۔ کیونکہ اس مختصر عمر کو ابد کے ساتھ ذرا برابر بھی نسبت نہیں۔

ایک لطف یہ ہے کہ وہ لید اور خون میں سے صاف دودھ' اور سخت پتھروں سے نفیس جواہر' اور مکھی سے شہد' اور کیڑے سے ریشم اور سیپ سے موتی پیدا کرتا ہے۔ ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ انسان کو نطفے سے پیدا کر کے اسے اپنی معرفت کا خزانہ' اپنی امانت کا حامل' اور آسمانوں کے عجائبات کا نظارہ دیکھنے والا بناتا ہے اور یہ بھی وہ لطف ہے جو شمار میں نہیں آ سکتا۔

الخبیرُ

(32) (آگاہ۔ دانا' عالم' عارف)

خبیر وہ ہے جس سے کوئی باطنی خبر مخفی نہ ہو۔ عالم سفلی یا عالم بالا میں کوئی بات ہو۔ کوئی ذرہ بھی حرکت کرے۔ یا ساکن ہو۔ کوئی جان بے قرار ہو۔ یا مطمئن ہو۔ اسے ہر بات کی خبر ہوتی ہے۔ اور ان معنی کی رو سے وہ علیم ہے۔ لیکن علم کو جب باطنی بھیدوں سے منسوب کیا جائے تو وہ خبرۃ کہلاتا ہے۔ خبرۃ والے کو خبیر کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ذرے ذرے کی خبر رکھتا ہے اور کوئی بھی چیز اس سے مخفی نہیں۔ وہ ہر ایک فعل سے باخبر ہے۔ اور معبود حقیقی کو خبیر ہی ہونا چاہیے۔ کیونکہ جو معبود باخبر نہ ہو وہ نظام کو کس طرح برقرار رکھ سکے گا۔ اور لوگوں کے اعمال سے کس طرح واقف ہو گا۔ اللہ تعالیٰ بلاشبہ ایسا خبیر ہے کہ کوئی بھی کام اس سے مخفی نہیں۔ اور وہ بندوں کے افعال پر آگاہ ہے۔

الحلیمُ

(33) (بردبار)

حلیم وہ ذات ہے' جو نافرمان لوگوں کی نافرمانی اور اپنے حکم کی مخالفت ہوتے دیکھے۔ پھر بھی غضب میں بیقرار نہ ہو۔ نہ ہی اس کو غصہ لاحق ہو۔ اور باوجود پورے اقتدار کے وہ انتقام لینے میں جلدی نہ کرے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ لوگوں کی بداعمالیوں پر گرفت کرنے لگے۔

تو روئے زمین پر کسی جان دار کو زندہ نہ چھوڑے۔ (القرآن)

العظیمُ

(34) (بزرگ' بڑا)

عظیم کا اسم اپنے پہلے معانی میں اجسام پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ یہ جسم عظیم ہے۔ اور جب ایک جسم دوسرے جسم سے طول' عرض اور عمق میں زیادہ بڑا ہو تو کہتے ہیں کہ یہ جسم اس جسم سے اعظم ہے۔

اسم عظیم دو قسم کی اشیاء پر بولا جاتا ہے ایک تو وہ شے جو ساری کی ساری نظر آ جاتی ہے۔ دوسری وہ جس پر پورے طور پر نگاہ کو محیط اور حاوی ہونا متصور نہ ہو سکے۔ جیسے زمین' اور آسمان وغیرہ۔ ہاتھی ایک عظیم مخلوق ہے۔ پہاڑ بھی ایک عظیم شے ہے۔ لیکن یہ چیزیں نگاہ میں پوری کی پوری سما سکتی ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے نیچے کی اشیاء کے مقابلے میں عظیم ہیں۔ اور زمین کی نسبت یہ امر متصور ہی نہیں ہو سکتا کہ نگاہ ہر سمت سے اس پر حاوی ہو سکے یہی حال آسمان کا ہے۔ پس وہ چیزیں مدرکات بصر میں مطلقاً عظیم ہیں۔

مدرکات بصیرت یہ ہے کہ جو باتیں عقل میں آ سکتی ہیں۔ ان میں بڑا فرق ہے۔ بعض کی اصلیت و حقیقت پر عقل محیط ہو سکتی ہے۔ اور بعض پر محیط ہونے سے قاصر ہے۔ جن اشیاء کی حقیقت سمجھنے سے عقل قاصر ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جن پر بعض عقلوں کا حاوی ہونا متصور ہو سکے۔ اگرچہ اکثر عقلیں ان سے قاصر ہوں۔

دوم وہ جن کا عقل کے احاطہ میں آنا حقیقتاً کسی طرح متصور نہ ہو سکے۔ اور یہ وہ عظیم مطلق ہے جو تمام عقول کی حدود سے بڑھا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی حقیقت کو پالینا تصور میں آ ہی نہ سکے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

الغفورُ

(35) (بہت بخشنے والا)

یہ اسم غفار کا ہم معنی ہے۔ لیکن اس میں ایک قسم کا مبالغہ پایا جاتا ہے جو غفار میں نہیں۔ کیونکہ غفار کا مبالغہ بار بار مغفرت کے لحاظ سے ہے۔ چنانچہ فعال کا صیغہ کثرت فعل کو ظاہر کرتا ہے۔ اور فعول کا صیغہ فعل کی عمدگی اور کمال وسعت پر دلالت کرتا ہے۔ پس وہ غفور ہے۔ بایں معنی کہ پوری اور مکمل غفران والا ہے۔ حتیٰ کہ وہ مغفرت کے انتہائی درجوں کو پہنچا ہوا ہے۔ اور یہ تعریف صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے۔

الشکورُ

(36) (شکر پسند فرمانے والا)

شکوروہ ہے' جوتھوڑی سی محنت سے صرف خوش ہوکر بہت درجے عطا فرماتا ہے۔اور چند روز نیک عملوں کیلئے آخرت میں غیر محدود نعمتیں دیتا ہے۔جو کسی اچھائی کا کئی گنا عوض دے اس کی نسبت کہا کرتے ہیں کہ اس نے اس اچھائی کی قدر کی اور جو کوئی محسن کی تعریف کرے' اس کی نسبت کہا کرتے ہیں کہ اس نے اپنے محسن کا شکریہ ادا کیا۔

اگر جزا کی زیادتی کے معنی کا لحاظ کیا جائے۔تو اللہ تعالیٰ کے سوا شکور مطلق کوئی نہیں۔کیونکہ وہ عوض میں جس قدر زیادہ دیتا ہے اس کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔دیکھو بہشت کیں نعمتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" خوب مزے کے ساتھ کھاؤ پیؤ ان عملوں کے پیش نظر جو تم نے گزشتہ دنوں میں کئے"۔اور اگر تعریف کے معنی کا لحاظ کیا جائے۔تو اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کسی چیز کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف بن جاتی ہے۔اور پروردگار عالم جب اپنے بندوں کے اعمال کی تعریف کرتا ہے تو اپنے ہی فعل کی تعریف کرتا ہے۔کیونکہ ان کے اعمال اسی کے پیدا کردہ ہیں۔اگر وہ شخص شکور کہلا سکتا ہے۔جس کو کچھ ملے اور شکر کرے' تو وہ ذات جو بندہ کو عطا بھی کرے اور شکریہ بھی ادا کرے۔وہ تو شکور کہلانے کی نہایت ہی حقدار ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی جو تعریف کرتا ہے۔وہ اس قسم کی ہے جیسے (اور یاد کرنے والے اللہ تعالیٰ کو بہت اور یاد کرنے والیاں) اور جیسے" نعم العبدانه اواب"(کیا اچھے بندے تھے' کہ بات بات میں اللہ کی طرف' رجوع کرتے تھے وغیرہ اور یہ تمام اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔اور الشکور مطلق اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے۔

العلیّ

(37) (بہت اونچا)

علی وہ ہے' جس کے مرتبہ سے بڑا کوئی رتبہ نہ ہو۔اور اس کے مرتبہ سے تمام مراتب نیچے ہوں۔اور یہ اس لئے کہ علی' علو سے مشتق ہے۔اور یہ اس علو (بلندی) سے ماخوذ ہے جو سفل (پستی) کا مقابل ہے۔اور وہ یا تو محسوس کے درجوں میں ہوتا ہے اور یا زینوں میں اور ان تمام اجسام میں جو ایک دوسرے سے نیچے اوپر ہوں۔اور یا موجودات کے عقلی مراتب میں ہوں۔جو ایک قسم کی عقلی ترتیب سے مرتب ہوں۔پس جس چیز کو مکان کی بلندی حاصل ہو وہ علو مکانی ہے اور جس کو رتبہ میں فوقیت ہے اس کو رتبہ کا علو حاصل ہے۔عقلی درجات' حسی درجات' درجات عقلیہ کی مثال میں وہ فرق ہے۔جو سبب و مسبب اور علت و معلول اور فاعل و مفعول اور قابل و مقبول اور کامل و ناقص کے درمیان ہوتا ہے۔

Marfat.com

ایک سبب فرض کرو تو وہ دوسری شے کا سبب ہو۔ اور دوسری شے تیسری کی سبب ہو۔ اور تیسری چوتھی کی۔ اور مثلاً یہ سلسلہ دس درجوں تک چلا جائے۔ تو دسویں شے آخری رتبے میں واقع ہو گی۔ لہٰذا وہ سب سے نیچے ہے۔ اور پہلا سبب چونکہ پہلے درجہ میں واقع ہے۔ لہٰذا وہ سب سے اعلیٰ ہے۔ اور پہلا جو کہ دوسرے سے اوپر ہوگا تو یہ فوقیت معنوی ہے مکانی نہیں۔ اور علو سے مراد فوقیت ہے۔

تدریج عقلی کے معنی سمجھنے کے بعد واضح ہوتا ہے کہ موجودات کی تقسیم مختلف درجات میں عقل کی رو سے جس طرح بھی کی جائے اللہ تعالیٰ تمام اقسام کے درجوں سے بالاتر ہے۔ یہاں تک کہ اس سے بلند کوئی درجہ تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ وہ علی مطلق ہے اور جو اس کے بغیر دوسرے ہیں۔ وہ اپنے سے نیچے والوں کی نسبت سے علی ہیں اور اوپر والوں کے مقابلے میں نچلے درجے میں ہیں۔

عقلی تقسیم کی مثال یہ ہے کہ موجودات سبب اور مسبب پر منقسم ہیں۔ سبب مسبب سے ایک درجہ پر ہے۔ پس مطلق فوقیت صرف مسبب الاسباب کا حصہ ہے۔ اسی طرح موجودات مردہ اور زندہ میں بٹی ہوئی ہیں۔ اور زندہ مخلوقات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ کہ جنہیں صرف حسی ادراک حاصل ہے۔ اور وہ حیوان ہیں۔ دوسرے وہ جنہیں حسی ادراک کے ساتھ عقلی ادراک بھی حاصل ہے۔ عقلی ادراک رکھنے والی موجودات کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کی معلومات میں شہوت اور غضب رکاوٹ ڈالیں، اور وہ انسان ہے۔ دوسرے وہ جن کا ادرات مکدرات کے معارضہ سے پاک ہو۔ اس آخری قسم کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا ان مکدرات میں مبتلا ہونا ممکن ہے، لیکن ہمیشہ سلامتی ہی حاصل رہی ہو، جیسے کہ ملائکہ۔ دوسری قسم میں وہ ذات ہے، جس کے حق میں ایسی باتیں محال ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

اس تقسیم سے ثابت ہوا کہ فرشتہ انسان سے اوپر ہے۔ اور انسان حیوان سے اوپر اور اللہ تعالیٰ سب سے اوپر۔ پس وہ علی مطلق ہے۔ کیونکہ وہ خود زندہ اور جہان کو زندہ کرنے والا ہے۔ اور علماء کے علوم کو پیدا کرنے والا۔ پاک اور تمام قسم کے عیوب سے منزہ ہے۔ ادھر بے جان چیز درجات کمال میں سب سے نیچے کے درجے میں واقع ہے۔ بلند ترین رتبے میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ غرض اسی طرح اس کی فوقیت اور علو کو سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ نام پہلے ادراک بصر کے لحاظ سے مقرر کئے گئے ہیں۔ اور عوام کا درجہ ہے۔ پھر جب خواص لوگ عقلی ادراکات سے بہرہ ور ہوئے اور ان کو آنکھ کے ادراک اور عقل کے ادراک میں موازنہ محسوس ہوا تو اس سے مطلق الفاظ بطور استعارہ اخذ کر لئے۔ جن کو خواص نے تو سمجھ لیا لیکن عوام نے نہیں سمجھا۔ جن کا ادراک حواس ظاہری سے آگے ترقی نہیں کر سکتا۔ اور علو کا تصور ظرف مکانی کی رو سے کرتے ہیں۔ اسی طرح فوقیت کا تصور بھی ظرف مکانی کی رو سے سمجھتے ہیں۔

اس بیان سے آپ اللہ تعالیٰ کے عرش کے اوپر ہونے کا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ کیونکہ وہ

Marfat.com

تمام اجسام سے عظیم ہے۔ گویا وہ تمام اجسام کے اوپر ہے۔ اور وہ ذات موجود جو اجسام کی حدود سے محدود ہونے اور مقدار ہونے سے بلند ہے۔ وہ رتبے میں مسبب کے تمام اسباب سے بہت اوپر ہے۔ لیکن اس فوقیت کو عرش کے ساتھ جو ذکر کیا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عرش تمام اجسام سے بلند ہے۔ پس جو عرش سے بھی بلند ہوگا۔ وہ سب سے بالا ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ خلیفہ سلطان کے اوپر ہے۔ جس سے بتانا مقصود ہے کہ جب وہ سلطان سے بلند ہے تو ان تمام لوگوں سے بھی بالا ہوگا جو سلطان سے نیچے ہیں۔ وہ آدمی جو بلندی کے معنی صرف ظرف مکان سمجھتا ہے واقعی ہنسی کے لائق ہے۔ اگر اس سے پوچھا جائے کہ فلاں معزز لوگ جنہیں میں ایک بلند مرتبہ حاصل ہے۔ مجلس میں کس کس درجہ پر بیٹھتے ہیں؟ تو اسے کہنا پڑے گا کہ فلاں شخص اس شخص کے اوپر بیٹھتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ اس کے دائیں جانب بیٹھتا ہے۔ اور معانی کے اعتبار سے صحیح ہوتا ہے کہ اس شخص کا دوسرے شخص کے اوپر بیٹھنا بھی ہوسکتا تھا کہ وہ اس کے سر پر بیٹھتا یا ایسی جگہ بیٹھتا جو اس کے سر پر بنی ہوتی۔ پھر اگر اسے کہا جاتا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ وہ نہ تو اس کے اوپر بیٹھتا ہے نہ اس کے نیچے بلکہ اس کے پہلو پر بیٹھتا ہوگا۔ تو وہ اس اعتراض سے آگ بگولا ہو کر کہتا کہ تم بھی کیا آدمی ہو کہ کچھ کا کچھ سمجھتے ہو۔ بھئی اس بلندی سے مراد رتبہ کی فوقیت اور سلطان کا قرب تھا۔ نہ کہ سر پر یا سر سے اونچا ہو کر بیٹھنا۔ سلطان یا صدر ہی مجلس کے مقامات کا محور ہوتا ہے۔ جو شخص صدر مجلس سے قریب ہے وہ اس شخص سے اوپر ہے۔ جو صدر سے دور ہے۔

اس لئے عرش کی بلندی تو بمنزلہ مکان کے سب سے بلند ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا اعلیٰ اور بلند ترین و عظیم مقام انسانی عقلی و شعور کے تمام تصورات سے منزہ پاک اور بلند ہے۔

الکبیر

(38) (سب سے بڑا)

کبیر سے مراد صاحب کبریا اور کبریا سے مراد ذات کمال ہے۔ اور کمال ذات کے معنے کمال وجود کے ہیں اور کمال وجود میں دو باتیں شامل ہیں۔

پہلی بات اس کا ازلی و ابدی دوام ہے، پس جس وجود کے شروع میں فنا ہو یا آخر میں، وہ ناقص ہے۔ اسی لئے جب کسی انسان کی عمر دراز ہو جاتی ہے تو اس کو کبیر کہتے ہیں۔ جس سے مراد کبیر السن یا لمبی عمر والا ہوتا ہے۔ برعکس اس کے اس کو عظیم السن نہیں کہتے۔ کبیر اس مقام میں استعمال ہوتا ہے جہاں عظیم استعمال نہیں کیا جاتا۔ پس جب وہ شخص کبیر کہلاتا ہے جس کے وجود کی مدت ایک محدود حد تک لمبی ہوتی ہے۔ تو وہ ذات جو ازل سے بھی پہلے تھی اور ابدالآباد کے بعد بھی قائم و دائم رہے گی اور جس پر عدم کا طاری ہونا محال ہے تو ظاہر ہے کہ حقیقی کبیر تو وہی ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس کا وجود وہ ہے جس سے ہر موجود کا وجود ہے۔ پس جس شے کا وجود فی نفسہ مکمل ہو۔ جب وہ کامل اور کبیر ہو تو وہ ذات جس سے تمام موجودات کا وجود ہو سب سے پہلے کامل اور کبیر ہے۔

الحفیظُ

(39) (نگہبان)

حفیظ بہت بڑی نگہبانی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یہ معنی حفظ کے معنی کو سمجھنے ہی سے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اور حفظ دو طرح پر ہے۔

ایک تو موجودات کے وجود کو ہمیشہ قائم رکھنا۔ اس کے مقابلہ میں اعدام ہے اور اللہ تعالیٰ آسمان، زمین، ملائکہ وغیرہ لمبی زندگی رکھنے والی موجودات، حیوانات و نباتات اور چھوٹی عمر والی تمام موجودات کا بھی حافظ ہے۔

دوم: جو حفظ کے زیادہ ظاہر معنی ہیں وہ متعدی اور متضاد چیزوں کو ایک دوسرے سے بچانا ہے۔ اور اس متعدی سے مراد ہے جو پانی اور آگ کے درمیان ہے کیونکہ دونوں طبعاً ایک دوسرے کے مخالف اور ایک دوسرے پر تعدی کرنے والے ہیں۔ یا تو پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور یا آگ پانی کو بخار کی صورت میں تبدیل کر کے ہوا بنا دیتی ہے اور حرارت و برودت کا باہمی فرق ظاہر ہے۔ جو ایک دوسرے کو دباتی رہتی ہیں۔ اس طرح رطوبت اور یبوست میں جو مخالفت ہے، ظاہر ہے۔ اور تمام زمینی اجسام انہیں مخالف ارکان سے مرکب ہیں۔ کیونکہ جاندار کیلئے حرارت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ نہ رہے تو زندگی نہ رہے اور رطوبت بھی ضروری ہے، جو اس کے بدن کی غذا ہوتی ہے، جیسے خون وغیرہ۔ اور یبوست لازم ہے، جس کے ساتھ اس کے اعضاء باہم جڑے رہتے ہیں۔ خصوصاً وہ اجزاء جو سخت ہیں، جیسے ہڈی۔ اور برودت بھی ضروری ہے۔ جو حرارت کی تیزی کو کم کرے تاکہ وہ معتدل رہے۔ اور اندرونی رطوبتوں کو فوراً تحلیل کرنے نہ پائے۔

یہ چاروں ارکان باہم ایک دوسرے کی ضدیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو انسان کے چرڑے اور جاندار کے بدن اور نباتات کے جسم میں اور تمام مرکبات میں جمع کر دیا ہے اگر وہ ان کی حفاظت نہ کرتا تو باہم بگاڑ پیدا کر کے ایک دوسرے سے پھٹ جاتے اور ان کی باہمی ترکیب وامتزاج ختم ہو کر رہ جاتا۔ اور یہ مقررہ ترکیب ومزاج کو ہرگز قبول نہ کر پاتا۔

اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت پہلے تو تعدیل قوائے سے اور پھر امداد مغلوب سے کرتا ہے۔

تعدیل یہ ہے کہ مثلاً قوت بارد یعنی تری کا درجہ قوت حار یعنی آگ کے برابر ہو۔ تاکہ جب دونوں جمع ہوں، تو ایک دوسرے پر غالب نہ ہوسکیں۔ بلکہ ایک دوسری کی مدافعت کریں۔ کیونکہ جب

Marfat.com

ان میں سے کوئی غالب نہیں ہوتی تو مغلوب کون ہو۔ پس وہ ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گی اور ان کے مقابلے اور برابری کی کوششوں کی وجہ بدن کا قوام باقی رہے گا' اسی سے مراد اعتدال مزاج ہے۔

دوم' مغلوب کو اس چیز کے ساتھ امداد دینا جس سے وہ اپنی طاقت تازہ کر کے غالب کا مقابلہ کرے۔ مثلاً حرارت برودت کو فنا اور خشک کرتی ہے۔ پس جب وہ غالب آتی ہے تو برودت اور رطوبت کمزور ہو جاتی ہے۔ اور حرارت اور یبوست غالب آتی ہے۔ تو ضعیف کی امداد ٹھنڈے جسم کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے سرد و تر اشیاء برودت اور رطوبت کی مدد کیلئے بنائی ہیں کہ جب ایک ان میں سے غالب ہو تو اس کی مخالف چیز کو مقابلے میں کھڑا کر دیا جائے جس سے وہ دب جائے۔ یہ تمام امور حیوانات اور متضاد اجزاء کے مرکبات کے بدنوں کی حفاظت کیلئے ہیں اور یہی اسباب ہیں جن کی بدولت انسان اپنے جسم کی داخلی آفتوں سے محفوظ رہتا ہے اور وہ بعض خارجی اسباب سے بھی ہلاکت کا نشانہ بنا رہتا ہے۔ جیسے خونخوار درندے اور جانی دشمن۔ پس ان سے محفوظ رکھنے کیلئے ایسے جاسوس پیدا کئے ہیں جو دشمن کے قریب آنے کی اطلاع دیتے ہیں۔ جیسے آنکھ' کان وغیرہ۔ پھر اس کیلئے طاقتور ہاتھ' اور اسلحہ عطا کئے ہیں۔ جن میں سے بعض مدافعانہ کام دیتے ہیں۔ جیسے زرہ اور ڈھال' اور بعض جارحانہ جیسے تلوار' چھری' بندوق وغیرہ۔ بعض اوقات انسان بلاؤں سے لڑتے لڑتے عاجز آ جاتا ہے۔ اس کو آلہ گریز سے مدد دی ہے۔ اور پاؤں سے چلنے والے جانداروں کیلئے پاؤں ہیں۔ اور پرندوں کیلئے بازو ہیں۔

اسی طرح اللہ کی حفاظت عالم علوی و عالم سفلی کے ذرے ذرے اور پتے پتے پر حاوی ہے۔ یہاں تک کہ میوے کے گودے کو سخت چھلکے اور پودے کی طراوت کو رطوبت کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے۔ اور جو میوہ صرف چھلکے سے محفوظ نہ رہے۔ اس کی حفاظت کانٹوں کے ساتھ کرتا ہے۔ جو اسی کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ تا کہ ان سے نقصان پہنچانے والے جانداروں سے دفاع ہوتا رہے۔ پس کانٹے نباتات کے ہتھیار ہیں۔ جیسے حیوانات کے ہتھیار سینگ اور پنجے ہیں بلکہ پانی کے قطرہ قطرہ کے ساتھ حفاظت کے اسباب ہیں۔ جو ان کو مخالف ہوا سے بچاتے ہیں۔

دیکھئے کہ اگر پانی کسی برتن میں زیادہ دنوں تک پڑا رہنے دیا جائے تو وہ ہوا بن جاتا ہے اور ہوا اس سے تری کی صفت دور کر دیتی ہے۔

اگر پانی کے کسی برتن میں انگلی ڈبو دی جائے اور پھر اس کو نکال کر الٹی کرو تو اس سے ایک قطرہ نیچے ڈھلک آئے گا لیکن انگلی کے سرے پر آ کر رہ جائے گا۔ انگلی سے جدا نہ ہوگا۔ حالانکہ پستی کی طرف بہنا اس کا طبعی خاصہ ہے۔ اگر وہ بہ جائے تو چھوٹا ہونے کے باعث ہوا کے غلبہ سے فنا ہو جائے گا۔ اسی لئے وہ برابر جھکا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ باقی تری بھی شامل ہو جاتی ہے جس سے وہ ایک بڑا قطرہ بن جاتا ہے اور فوراً ہوا کو چیرتا ہوا نیچے گر جاتا ہے۔ ہوا اس کو اپنی جنس میں ملا لینے پر قادر

Marfat.com

نہیں ہوسکتی۔اور یہ اس کی حفاظت کی صورت ہے کہ جب وہ کمزور اور اس کا حریف (یعنی ہوا) طاقتور ہوتی ہے اور اس کو باقی تری کی امداد کی ضرورت ہوتی ہے یہ حفاظت ایک فرشتے کی طرف سے ہوتی ہے جو اس پر مامور ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ بارش کی ہر بوند کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ بوند زمین میں اپنے مقام مقررہ پر جا پہنچتی ہے۔

غرض اس حدیث پر نہ صرف تقلید کی رو سے یقین کرنا چاہئے بلکہ از روئے عقل بھی اسے درست ماننا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا آسمان وزمین اور ان کے درمان کی اشیاء پیدا کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق بحث کا سلسلہ بڑا طویل ہے، جیسے کہ باقی تمام افعال کے متعلق ہے اور اسی سے اس اسم کے معنی معلوم کئے جاسکتے ہیں۔نہ صرف لغوی اشتقاق کے سمجھنے سے۔اور صفت الحفیظ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہی خاص ہے۔

المقیت

(40) (مخلوق کو قوت یا روزی پہنچانے والا)

اس کے معنی ہیں غذاؤں کا پیدا کرنے والا اور بدنوں کی غذا یعنی کھانے کی چیزیں بدنوں تک پہنچانے والا۔اور دلوں کی غذا یعنی معرفت دلوں تک پہنچانے والا۔پس مقیت رازق کا ہم معنی ہے لیکن اس کی نسبت خاص ہے کیونکہ رزق غذا اور غذا کے سوا دوسری چیزوں کو بھی شامل ہے۔اور غذا وہ چیز ہے جو صرف قوام بدن کیلئے کافی ہوسکے۔

مقیت' (غالب) اور قادر کے معنوں میں بھی آتا ہے۔استیلائے قدرت اور علم کے ساتھ پورا ہوتا ہے۔ان معنوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ کلام دلالت کرتا ہے کہ وکان اللہ علیٰ کل شی مقیتاً یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع اور قادر ہے۔

الحسیبُ

(41) (کافی)

حسیب سے مراد ہے کافی۔اور یہ وہ ہے کہ جو کوئی اس کا ہوجائے۔وہ اس کے لئے کافی ہو۔اور اللہ تعالیٰ سب کیلئے حسیب اور کافی ہے۔اس وصف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کیلئے متصور نہیں ہوسکتی۔کیونکہ کفالت کے محتاج کو اپنے وجود اور دوام وجود اور کمال وجود کیلئے حاجت ہوگی۔اللہ تعالیٰ کے سوا ایسا کوئی دوسرا موجود نہیں ہے جو تنہا سب کیلئے کافی ہو۔کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شے کیلئے کافی

ہے۔ نہ صرف یہ اشیاء کے لئے، یعنی وہ اکیلا ہی کافی ہے اشیاء اس سے ہی وجود حاصل کرتی ہیں۔ اور اس کی مہربانی سے ان اشیاء کا وجود بھی مقررہ معیاد تک موجود رہتا ہے یہ خیال بھی نہیں کرنا چاہیے کہ جب کھانے، پینے اور زمین، آسمان اور سورج وغیرہ کی ضرورت ہوئی تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے محتاج ہوئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی کھانے پینے کی چیزیں اور زمین و آسمان اور سورج وغیرہ بنائے ہیں۔ اس لئے حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور یہ خیال بھی نہیں کرنا چاہئے کہ بچہ ماں کا محتاج ہے جو اسے دودھ پلاتی ہے اور پرورش کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس کا کیسے حسیب اور کافی ہے۔ ایمان ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کیلئے کافی ہے جس نے اس کی ماں کو پیدا کیا اور بچے کو دودھ پینے کی ہدایت کی۔ اور ماں کے دل میں شفقت اور محبت ڈالی۔ یہاں تک کہ اس نے بچے کو دودھ پینے دیا۔ پس انہیں اسباب سے کفالت حاصل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ اکیلا بچے کیلئے اس کی ماں کو پیدا کرنے والا ہے۔

اگر کہا جائے کہ اکیلی ماں بچے کیلئے کافی ہے تو جاہل فوراً ہاں میں ہاں ملا دیں گے۔ اتنا کہنے کی توفیق نہ ہوگی کہ ماں اس کیلئے کافی نہیں ہے کیونکہ وہ دودھ کی محتاج ہے اور جب دودھ نہ ہو تو ماں کہاں کافی ہوگی۔ اگر یہ کہا جائے کہ بچہ دودھ کا محتاج تو ہے مگر دودھ بھی تو ماں ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ پس وہ ماں کے سوا اور کسی کا محتاج نہ ہوا۔ لیکن یقین رکھنا چاہئے کہ دودھ ماں کی طرف سے نہیں بلکہ ماں اور دودھ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا اظہار ہیں۔ پس وہ اکیلا ہر شخص کیلئے کافی ہے اور اس کے سوا اور کوئی ایسا دوسرا نہیں جو تنہا سب کیلئے کافی ہو۔ اشیاء تو ایک دوسرے سے متعلق ہوتی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہیں۔

الجلیلُ

(42) (بزرگ)

جلیل کے معنے جلال کی صفتوں سے موصوف۔ اور جلال کی صفتیں ہیں۔ غنیٰ اختیار، تقدس، علم، قدرت وغیرہ۔

پس ان سب صفات کا جامع جلیل مطلق ہے۔

جلیل مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ گویا کبیر کا مطلب کمال ذات ہے اور جلیل کا کمال صفات ہے۔ اور صفات سب کی سب ادراک بصیرت کی طرف منسوب ہیں اس صورت کے ساتھ کہ وہ بصیرت پر حاوی ہو جاتی ہیں۔ اور بصیرت ان پر حاوی نہیں ہوتی۔ صفات جلال اب اس بصیرت کی طرف منسوب کی جائیں، جو ان کا ادراک کرتی ہے تو انہیں جمال کہتے ہیں۔ اور ان سے متصف ہونے والا جمیل کہلاتا ہے۔

اسم جمیل اصل میں صورت ظاہرہ کیلئے موضوع ہے۔ جو نظر سے محسوس ہوتی ہے۔ جب کہ

اللہ تعالیٰ ہر وقت ایک ذرے ذرے پر اور تمام مخلوقات پر نگہبان ہے اور پوری طرح آگاہ ہے۔ وہ تمام مصائب و آلام کو دور فرماتا ہے اور اس کی نگہبانی کے سبب ہی کائنات کا نظام جاری و ساری ہے۔

المجیبُ

(45) (دعا قبول کرنے والا)

مجیب وہ ہے جو سائل کے سوال کو پورا کرے۔ دعا کرنے والے کی دعا کو قبول فرمائے۔ لاچار لوگوں کی ضرورت مہیا کرے۔ بلکہ التجا سے پہلے انعام دے۔ اور دعا سے پہلے بخشش کردے۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ وہی حاجت مندوں کی حاجت کو ان کے سوال سے پہلے جانتا ہے۔ بلکہ ازل ہی سے اس کو علم ہے۔ مخلوقات کی حاجت روائی کیلئے کھانے اور غذائیں بنائی ہیں اور تمام کے حصول کیلئے اسباب و آلات میسر کردیئے۔

اللہ تعالیٰ ہر دعا مانگنے والے کی دعا قبول فرماتا ہے اور یہ نظام کائنات اسی لئے قائم ہے کہ یہاں پر مظلوم، بیمار، بے کس اور غریب کی دعا سنی جاتی ہے اور ان کی حاجات کو پورا کیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہی حاجت روا اور دعاؤں کی قبول فرمانے والی ہے۔ وہی مہربان، کریم اور رحم فرمانے والا ہے۔

الواسعُ

(46) (علم اور خزانوں کی وسعت رکھنے والا)

واسع، سعۃ (وسعت) سے مشتق ہے۔ اور وسعت کبھی علوم میں ملحوظ ہوتی ہے، جب کہ علم وسیع ہو اور صاحب علم زیادہ معلومات پر حاوی ہو۔ اور کبھی احسان اور نعمتوں کے عطا کرنے سے منسوب کی جاتی ہے۔ خواہ کوئی لحاظ کرلیا جائے۔ یا کسی تقدیر کو ہی لیا جائے۔ بہرحال واسعِ مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ اگر اس کے علم اور اس کی معلومات کے سمندر کا کوئی کنارہ ہی نہیں بلکہ اس کی تعریفیں اور کلمات لکھنے کیلئے سمندروں کو سیاہی کی جگہ استعمال کیا جائے تو سمندر ختم ہوجائیں گے مگر اس کے احسانات اور اس کی مقدورات کی کوئی انتہا نہیں۔ ہر دنیاوی وسعت چاہے کتنی ہی بڑی ہو وہ ایک نہ ایک طرف ضرور اختتام کو پہنچے گی۔ اور جو ذات کسی طرف بھی اختتام پذیر نہیں ہے وہ وسعت کے اسم کی زیادہ حق دار ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی واسع مطلق ہے۔ جس ذات کی نہ کوئی انتہا ہو اور نہ کوئی کنارہ ہو اس سے زیادہ وسعت تصور ہی میں نہیں آسکتی۔

Marfat.com

الحکیمُ

(47) (حقائق اشیاء کا عالم)

حکیم کے معنی صاحب حکمت کے ہیں اور حکمت سے مراد ہے افضل چیز کو افضل علم سے جاننا۔ تمام اشیاء سے بزرگ اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ حقیقی حکیم ہے۔ کیونکہ وہ ہر بڑی سے بڑی چیز کو افضل علم کے ساتھ جانتا ہے یعنی سب سے بڑی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے اور افضل علم وہی ہے جو ازلی اور ہمیشہ رہنے والا ہو۔ اور اس کا زوال متصور نہ ہو۔ واقع کے ایسا مطابق ہو کہ اس میں کسی قسم کی غلطی کا دخل نہ ہو۔ ایسے علم کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ ہی متصف ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے یقین جانئے کہ اس کا طرز کلام دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ وہ گھٹیا باتوں میں غور ہی نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا ہر کلام مجمل اور معنی خیز ہوتا ہے۔ وہ دنیوی فوائد کا کم خیال کرتا ہے جو کچھ کہتا ہے آخرت میں فائدہ دینے والی بات کہتا ہے۔ اور چونکہ اس کی یہ حالت لوگوں کے نزدیک اس کی معرفت الٰہی کی نسبت زیادہ ظاہری ہوتی ہے لہٰذا لوگ اس کے کلمات کو اکثر حکمت کہا کرتے ہیں اور ان کے قائل کو حکیم کا خطاب دیتے ہیں۔ اس کی مثال آنحضرت ﷺ کے یہ اقوال ہیں۔

(1) سب سے بڑی حکمت خدا کا خوف ہے۔

(2) دانا وہ ہے جس نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا' اور آخرت کیلئے نیک کام کئے' عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کے تابع ہوا۔ اور اللہ سے بیہودہ التجائیں کرتا رہا۔

(3) تھوڑی اور کافی چیز اس چیز سے اچھی ہے جو زیادہ ہو اور بیہودگی میں ڈالے۔

(4) جو شخص تندرست رہے اور اپنے گھر میں امن سے بسے' اس کے پاس دن بھر کی خوراک ہو' گویا دنیا ساری کی ساری اس کے کام آ رہی ہے۔

(5) پرہیزگار بنو تا کہ سب سے بڑے عابد قرار پاؤ' قناعت کرو تا کہ سب سے زیادہ شاکر بنو۔

(6) مصیبت زبان کھولنے پر منحصر ہے۔

(7) بندہ کی اچھی مسلمانی یہ ہے کہ جو امر اس کا معاون نہ ہو اسے چھوڑ دے۔

(8) نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت پکڑے۔

(9) خاموشی حکمت میں ہے جس پر چلنے والے کم ہیں۔

(10) قناعت وہ کمال ہے جو کم نہیں ہوتا۔

(11) صبر نصف ایمان ہے اور یقین پورا ایمان ہے۔

غرض اس قسم کے کلمات کو حکمت اور ان کو قائل کو حکیم کہتے ہیں۔

Marfat.com

اَلودود

(48) (نیک بندوں کو دوست رکھنے والا)

ودودٗ وہ ہے جو تمام مخلوق کیلئے بہتری چاہتا ہو۔ لہٰذا ان کے ساتھ بھلائی کرے۔ اور ان کی تعریف بھی کیا کرے۔ یہ اسم رحیم کے معنے کے قریب قریب ہے۔ بلکہ ود(دوستی) کا نتیجہ ہے کہ بلا تحریک خود ہی نعمت بخشی جائے پس جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کے معنی یہ ہیں کہ وہ بندے کیلئے بھلائی اور حاجت روائی کا ارادہ کرتا ہے۔ رحم باعث اور رحمت کا سبب بننے والے عام عوارض انسانی سے منزہ ہے۔ اس طرح اس کی مودت (دوستی) یہ ہے کہ وہ بخشش' نعمت' احسان اور انعام کا ارادہ فرماتا ہے اور اس کی دوستی ہم انسانوں کی آپس کی دوستی سے مبرا ہے۔ پس فائدہ ہی رحمت و مودت کا نچوڑ ہے اور یہ خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی معنوں میں الودود ہے۔

المجیدُ

(49) (شریف' بزرگ)

مجیدٗ وہ ہے جس کی ذات شریف اور جس کے افعال پسندیدہ' اور جس کی عطا گراں قدر ہو۔ غرض جس کے شرف ذات کے ساتھ ساتھ حسن افعال بھی شامل ہو۔ اسے مجید کہتے ہیں اور ماجد بھی اسی کو کہتے ہیں۔ مگر مقدم الذکر اسم مبالغہ پر دلالت کرتا ہے اور گویا وہ الجلیل اور الوہاب اور الکریم کے معنوں کا مجموعہ ہے۔

الباعثُ

(50) (مردوں کو زندہ کرنے والا)

باعث' وہ ہے جو قیامت کے دن خلقت کو زندہ کرے گا اور اہل قبور کو کھڑا کرے گا۔ بعث آخرت میں اٹھائے جانے کو کہتے ہیں اور اس اسم کو سمجھنا بعث کی حقیقت سمجھنے پر موقوف ہے۔ اور یہ علمی باتوں میں سب سے زیادہ باریک بات ہے۔ اکثر لوگ اس کے متعلق عجیب و غریب خیالات میں مبتلا ہیں۔ ان کو بڑا شک تو اس بات پر ہے کہ موت ایک عدم ہے۔ اور بعث نئے سرے سے ایجاد ہے جو عدم کے بعد ہوتی ہے۔ اور یہ ایجاد ہی ہے جیسے پہلی ایجاد تھی۔ مگر ان کا یہ خیال کہ موت عدم محض ہے' غلط ہے۔ اسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ دوسری ایجاد پہلی ایجاد جیسی ہے۔ موت عدم محض نہیں بلکہ مرنے والے کی قبر یا تو آگ کا گڑھا ہوتی ہے یا باغ جنت کا ایک حصہ ہوتی ہے اور مرنے والے یا تو خوش قسمت اور نجات یافتہ ہوتے ہیں' یا بدنصیب اور زیر عذاب ہوتے ہیں۔

Marfat.com

شہدا کا گروہ مرنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتبل احیاء عندربھم یرزقون فرحین بمااتاھم اللہ من فضلہ یعنی جولوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے ہیں ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواپنا فضل ان پر کیا ہے اس سے خوش ہیں۔ (القرآن)

دوسرا گروہ بھی زندہ ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر میں کافر مقتولوں کو پکار کر فرمایا تھا۔ "اللہ تعالیٰ نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا' میں نے اس کو درست پایا' تم سے جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا' کیا تم نے بھی اس کو درست پایا"۔

آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ آپ ﷺ ان لوگوں کو کیونکر پکار رہے ہیں کہ جو مر چکے ہیں۔ فرمایا "تم میری بات کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو (یہ بھی سنتے ہیں) مگر جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے" (صحیحین)

باطنی مشاہدہ ارباب بصیرت کو بتلا رہا ہے اور قیامت کے دن اجسام کے ساتھ زندہ ہونے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے کی خبر قرآن پاک دے رہا ہے کہ انسان کو ہمیشہ کیلئے پیدا کیا گیا ہے عدم اس پر طاری نہیں ہوسکتا۔ ہاں ایک بار اس کا جسمانی تصرف بند کر دیا جاتا ہے دیکھنے والے کہتے ہیں مر گیا۔ جب وہ تصرف پھر جاری ہو جائے گا' تو کہا جائے گا زندہ ہو گیا۔

ان لوگوں کا خیال ان روایات سے غلط ثابت ہو رہا ہے کہ مردے کو زندہ کرنا دوسری ایجاد ہے۔ جو پہلی ایجاد جیسی ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ مردہ کا زندہ ہونا دوسری پیدائش ہے جو پہلی پیدائش سے بالکل مناسبت نہیں رکھتی۔ انسان کی طرف دو پیدائشیں نہیں ہیں بلکہ بہت سی پیدائشیں ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یعنی ہم تمہیں ایسی حالت میں پیدا کریں گے کہ تمہیں معلوم نہیں ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی پیدائش میں خون بستہ وغیرہ کے ذکر کے بعد فرمایا ہے۔ "یعنی پھر ہم نے اس کو دوسری پیدائش میں پیدا کیا"۔ دیکھ لیجئے کہ نطفہ خاک کی پیدائش ہے اور جما ہوا خون نطفہ کی ایک پیدائش ہے اور روح کی پیدائش کے شرف وجلالت اور اس کے ایک امر ربانی ہونے کی وجہ سے اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (پھر آخر کار) ہم ہی نے اس کو (گویا بالکل) دوسری ہی مخلوق' کی صورت میں بنا کر کھڑا کیا تو (سبحان اللہ) اللہ تعالیٰ بڑی ہی برکت والا ہے جو (سب) بنانے والوں میں بہتر (بنانے والا)" اور فرمایا تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں فرما دیجئے کہ "روح میرے پروردگار کا ایک امر ہے"۔ پھر اصل روح کو پیدا کرنے کے بعد ادراک کرنے والی حسوں کا پیدا کرنا' ایک علیحدہ پیدائش ہے۔ پھر شعور کا پیدا ہونا۔ جو ساتویں سال کی عمر میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک پیدائش ہے۔ پھر پندرہ سال کی عمر یا اس سے کم یا زیادہ کی عمر میں عقل کا پیدا ہونا ایک اور پیدائش ہے۔ یہ ہر پیدائش ایک علیحدہ طور پر ہے۔ جیسے کہ ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے تم کو کئی طرزوں میں بنایا ہے"۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہی صفت الباعث کی مالک ہے۔

Marfat.com

الشهيدُ

(51) (حاضر)

اس اسم کے معنے علیم کے معنوں سے ملتے ہیں اور ساتھ ہی اضافت کی خصوصیت بھی ملحوظ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی غیب اور شہادت کو جانتا ہے۔ غیب سے مراد چھپی باتیں ہیں اور شہادت سے مراد ظاہر باتیں۔ پس مطلق علم کا لحاظ کیا جائے تو وہ علیم ہے اور اگر غیب اور چھپی باتوں سے نسبت دی جائے تو وہ خبیر ہے۔ امور ظاہرہ سے نسبت دی جائے تو وہ شہید ہے۔

کبھی اس کے ساتھ یہ بھی لحاظ کیا جاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن لوگوں کے کاموں کے متعلق شہادت دے گا کیونکہ وہ سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے۔ اس اسم کی بحث علیم اور خبیر بحث کے قریب قریب ہے۔

الحق

(52) (ثابت)

یہ باطل کے مقابلے میں ہے اور اصول ہے کہ تمام اشیاء اپنی ضدوں کے مقابلے میں ظاہر ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کل شئی ہالک الا وجہہ یعنی اس ذات کے سوا باقی ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے اور وہ اسی طرح ازلاً وابداً ایک ہی حال پر قائم ہے۔ مختلف حالات قبول نہیں کرتا کیونکہ اس کے سوا ہر شے ازل سے ابد تک اپنی ذات کی حیثیت سے وجود کی مستحق نہیں ہے اور اپنے غیر کی جہت سے مستحق ہے۔ لہٰذا وہ بذاتہ باطل اور بغیر حق ہے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ حق مطلق وہ ہے جو موجود حقیقی بذاتہ ہے اور جس سے ہر قسم کا حق اپنی حقیقت اخذ کرتا ہے۔

حق کے ایک اور معنی بھی ہیں یعنی وہ امر معقول جس کی عقل تصدیق کرے اور وہ موجود ذہنی ہے جس کی نسبت یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ حق ہے۔ پس وہ اپنی ذاتی حیثیت سے امر موجود کہلاتا ہے اور جب عقل سے اسے نسبت دی جائے جس نے اس کی حالت معلوم کی ہے تو اسے حق کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی تمام موجودات میں سے حق کہلانے کا زیادہ حقدار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ کیونکہ وہ نفسہ حق ہے۔ یعنی ازلاً وابداً معلوم کے مطابق ہے۔ اس کا علم ایسا نہیں ہے جیسے غیر کا علم۔ کیونکہ غیر کے وجود کا علم اسی وقت تک رہتا ہے جب تک کہ وہ غیر موجود رہتا ہے۔ جب وہ معدوم ہو گیا تو اس کے وجود کا اعتقاد بھی باطل ہو گیا۔

اقوال کو بھی حق کہہ دیتے ہیں، چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں قول حق ہے اور فلاں قول باطل

Marfat.com

ہے۔ اس لحاظ سے تمام اقوام سے زیادہ حق لا الہ الا اللہ ہے کیونکہ وہ ازلاً وابداً صادق ہے۔

غرض کہ خارجی موجودات کو یا ذہنی موجودات کو حق کہیں کہ جنہیں معرفت کہتے ہیں۔ خواہ زبانی موجود کو حق کہیں، جس کو نطق کہتے ہیں۔ بہر حال حق کہلانے کا زیادہ حقدار وہی ہے جس کا وجود ازلاً وابداً لذاتہ ثابت ہو اور اس کی معرفت ازلاً وابداً لذاتہ حق ہو اور اس کی شہادت ازلاً وابداً لذاتہ ثابت ہو اور یہ تمام امور موجود حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی سے نہیں۔

الوکیل

(53) (کارساز)

وکیل وہ ہے، جس کے سپرد امور کیے جائیں لیکن اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جس کے سپرد بعض امور ہوں اور یہ نقص کا مقام ہے۔ دوم جس کے سپرد تمام امور ہوں تو یقین رہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں۔

ایک اور طریق سے بھی اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو بذاتہ موکول الیہ (جس کے سپرد کیا جائے) ہونے کا مستحق نہ ہو بلکہ وہ موکوال الیہ بنانے سے بنا ہو۔ اور یہ ناقص ہے۔ کیونکہ وہ اس بات کا محتاج ہے کہ امور اس کے سپرد کیے جائیں اور اس کو مختار بنایا جائے اور اللہ تعالیٰ ایسے کسی بھی تصور سے منزہ ہے۔

دوئم وہ جو بذاتہ اس بات کا مستحق ہے کہ امور اس کے سپرد ہوں اور دل اس پر بھروسہ رکھتے ہوں۔ کسی دوسرے کی طرف سے اختیار دینے اور سپرد کرنے سے نہیں بلکہ وہ خود بخود اور بذاتہ وکیل ہو۔ وہ وکیل مطلق ہے۔

وکیل مطلق وہ ہے جس کے سپرد تمام امور اور اشیاء ہیں اور وہ تمام کائنات کی نگہبانی کر رہا ہے اور سب کی حاجت اپنی جگہ پورا کر رہا ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

القویّ ۔ المتینُ

(54) (توانا)

(55) (استوار)

قوت پوری قدرت پر اور متانت سخت قوت پر دلالت کرتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے حاوی اور پوری قوت والا ہے قوی ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ سخت قوت والا ہے متین ہے اور قدرت کے معنے سمجھنے سے ان اسماء کی کیفت پر بات کی جاسکتی ہے۔

الولی

(56) (محبّ، مددگار)

ولی محب و مددگار اللہ تعالیٰ کی مدد کے معنی ظاہر ہیں کہ وہ دین کے دشمنوں کو پامال کرتا ہے اور دین کے خیر خواہوں کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ ولی الذین امنوا یعنی اللہ مومنوں کا محب و مددگار ہے اور فرمایا "ایسا اس لئے ہے کہ اللہ مومنوں کا مولیٰ یعنی ناصر و مددگار ہے اور کافروں کا نہیں۔ اور فرمایا کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی یعنی اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔

الحمید

(57) (مستحقِ حمد)

حمید وہ ہے جو تعریف کے لائق ہو اور جس کی ثنا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ازل سے خود اپنی تعریف کے ساتھ حمید ہے اور ابد تک اپنے بندوں کی تعریف کے ساتھ حمید رہے گا اور یہ معنی جلال و کمال کی صفتوں سے ذکر کرنے والوں کے ذکر کے لحاظ سے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ حمد اسی کو کہتے ہیں کہ اوصاف کمال کا اس حیثیت سے کہ وہ کمال ہیں ذکر کیا جائے۔

المحصی

(58) (ہر چیز احاطہ علم میں کرنے والا)

محصی کے معنی عالم کے ہیں لیکن جب علم کو معلومات کے ساتھ اس لحاظ سے منسوب کیا جائے کہ وہ معلومات کو گھیر لیتا ہے اور ان کی گنتی میں لاتا ہے تو اس کو احصا کہا جاتا ہے اور محصی مطلق وہ ہے جس کے علم میں ہر معلوم کی حد اور اس کی تعداد ظاہر ہو۔ بندہ اگرچہ ایسے علم سے بعض معلومات کا احصاء کرسکتا ہے مگر وہ اکثر حصر سے عاجز آ جاتا ہے پس اس اسم میں اس کا دخل اسی طرح کم ہے جس طرح علم کی اصل صفت میں کم ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اپنے احاطہ علم میں حقیقی طور پر لے رکھا ہے اس لئے وہی محصی ہے۔

المبدی۔ المعیدُ

(59) (ابتداً پیدا کرنے والا)

(60) (دوبارہ پیدا کرنے والا)

ان اسموں کا معنی ہے موجود لیکن اس ایجاد سے پہلے اگر ویسی ہی ایجاد نہ گزر چکی ہو تو اسے

Marfat.com

ابداء کہتے ہیں۔ اور اگر اس سے پہلے ہی ویسی ایجاد گزر چکی ہو تو پھر اعادہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی نے لوگوں کو ابتداء سے پیدا کیا ہے لہٰذا وہ ''المبدی'' ہے اور وہی ان کو دوبارہ پیدا کرے گا لہٰذا وہ المعید ہے اور تمام اشیاء کا اسی سے آغاز ہوا اور اسی کی طرف انجام ہوگا۔

المحی-الممیت

(61) (مخلوق کو زندہ کرنے والا)

(62) (مارنے والا)

ان دونوں اسموں کا مطلب بھی ایجاد ہے لیکن موجود اگر حیات ہو تو اس کے فعل کو احیاء (زندہ رکھنا) کہتے ہیں۔ اور اگر موت ہو تو اس کے فعل کو اماتہ (مار ڈالنا) کہتے ہیں اور موت و حیات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسی لئے سوائے اس کے اور کوئی محی اور ممیت نہیں ہے۔

الحی

(63) (زندہ)

حی وہ ہے جو فعل کی اعلیٰ طاقت رکھنے والا اور اعلیٰ درجہ کا صاحب ادراک ہو اور جس میں بالکل فعل و ادراک نہ ہو تو ظاہر ہے کہ وہ میت (مردہ) ہے۔ ادراک کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ صاحب ادراک اپنے آپ کو جانتا ہو پس جو شے آپ اپنے کو نہ جانتی ہو۔ وہ جماد اور میت ہے۔ حی کامل اور مطلق وہ ہے' جس کے ادراک کے تحت تمام مدرکات' اور اس کے فعل کے تحت تمام موجودات درج ہوں۔ یہاں تک کہ کوئی قابل ادراک شے اس کے علم سے اور کوئی مفعول اس کے فعل سے خارج نہ رہے اور یہ ساری باتیں خاص اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ لہٰذا وہی حی مطلق ہے اور اس کے سوا جو شے زندہ ہے اس کی زندگی اس کے ادراک اور فعل سے موافق ہے اور ایسی تمام اشیاء قلت میں محصور ہیں۔ واضح ہو کہ (زندہ چیزیں مختلف ہیں' لہٰذا ان کے مراتب بھی ان کے فرق کے مطابق ہیں۔)

القیوم

(64) (کارخانہ عالم کا سنبھالنے والا)

واضح ہو کہ تمام اشیاء کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو کسی محل کی محتاج ہیں جیسے اغراض اور اوصاف ان کے بارے میں نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بنفسہ قائم نہیں ہیں۔

دوم وہ جو کسی محل کی محتاج نہیں ہیں۔ پس کہا جاتا ہے کہ وہ بنفسہ قائم ہیں۔ جیسے جوہر' لیکن جوہر اگرچہ بنفسہ قائم اور اپنے قیام کے محل سے بے نیاز ہے تاہم ایسے امور سے بے نیاز نہیں ہے

Marfat.com

جواس کے وجود کیلئے لازم ہیں۔ پس جوہر حقیقی طور پر قائم بنفسہ نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے قیام سے اگرچہ محل کے محتاج نہیں ہیں مگر اور شے کے وجود کی محتاج ہیں۔ پس اگر کوئی ایسا موجود پایا جاتا ہے جس کی ذات قائم ہو اور اس کا قیام کسی اور شے کے ساتھ نہ ہو اور نہ اس کے سوا کسی اور چیز کا وجود اس کے وجود کی ہمیشگی کیلئے شرط ہو اور وہ مطلقاً قائم بنفسہ ہو اور پھر اس کے ساتھ ہی تمام موجودات اس کے ساتھ قائم بھی ہوں۔ یہاں تک کہ تمام اشیاء کا وجود اور دوام وجود اسی کے ساتھ ہو تو وہ قیوم حقیقی ہے۔ کیونکہ اس کا اپنا قیام بذاتہ ہے اور ہر شے کا قیام اس کے ساتھ ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

الواجد

(65) (غنی)

واجد اسے کہتے ہیں کہ جس کیلئے کوئی بھی ضروری شے نایاب نہ ہو اور جو امر صفات الٰہی اور ان کے کمال کیلئے لازمی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے موجود ہے۔ پس وہ اس لحاظ سے واجد ہے اور واجد مطلق ہے اور اس کے سوا دوسری موجودات اور ان کے اسباب میں سے کسی شے کے لحاظ سے واجد ہیں تو بہت سی اشیاء کے لحاظ سے فاقد ہیں۔ اس لئے وہ صرف مجازی طور پر واجد کہلا سکتی ہیں۔ حقیقی طور پر اس اسم میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے اور حقیقی واجد صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

الماجدُ

(66) (بزرگی والا)

یہ اسم مجید کا ہم معنی ہے جیسے عالم، علیم کے معنی میں آتا لیکن فعل کے صیغے میں مبالغہ پایا جاتا ہے اور مجید کے معنی بیان کئے جا چکے ہیں۔

الواحد

(67) (تنہا، یگانہ، ایک)

یہ وہ ہے جو نہ تقسیم ہو نہ دو ہو سکے۔ تقسیم نہ ہونے والی چیز کی مثال ظاہری جیسے جوہر واحد جو تقسیم نہ ہو اسے واحد کہتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کوئی جز نہیں۔ اسی طرح نقطہ کا کوئی جزو نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی ذات کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا اور واحد کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذات وحدہ لاشریک ہو یعنی کسی بھی معاملے میں اس کا کوئی شریک نہ ہو وہ اختیارات و ارادوں کا تنہا مالک ہو اس کو کسی کے مشورے کی ضرورت نہ ہو اور اپنے کاموں میں کسی کی مدد کا احتیاج نہ رکھتا ہو اور کائنات کا بلا شرکت غیرے واحد وارث ہو اور تمام صفات بدرجہ اتم اس کی ذات میں ہی موجود ہوتی ہوں۔ تو یقین رہے کہ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ میں ہے۔

Marfat.com

الصمدُ

(68) (بے نیاز)

صمد وہ ہے جس کے دربار میں حاجات پیش کی جاتی ہیں اور ضروریات کیلئے جس کی درگاہ پر حاضری دی جاتی ہے کیونکہ پیشوائی کے مراتب اس پر ختم ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس شخص کو دینی و دنیاوی مہمات میں اپنے بندوں کا مرجع بنا دیتا ہے تو اس کی زبان اور ہاتھوں سے اپنے بندوں کی حاجتیں پوری کراتا ہے سمجھ لیجئے کہ اسے اس اسم کے معنی سے حصہ بخشا گیا ہے لیکن صمد مطلق وہ ہے کہ تمام حاجات میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور اس مقام میں کوئی دوسرا نہیں ہے اور وہ صمد صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

القادرُ - المقتدرُ

(69) (قدرت والا)

(70) (صاحب مقدرت)

ان دونوں اسموں کے معنی ہیں "صاحب قدرت"، لیکن مقتدر میں زیادہ مبالغہ ہے۔ قدرت سے مراد ہے کہ جس سے کوئی چیز ارادہ اور علم کی تقدیر سے اور ان دونوں کے اقتضا کے موافق وجود کی جا سکے اور قادر وہ ہے، جو اگر چاہے کرے، اگر چاہے نہ کرے۔ اور اس کیلئے یہ شرط نہیں کہ ضرور کرنا ہی چاہئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی قیامت برپا کرنے پر قادر ہے۔ اگر وہ چاہے تو ابھی برپا کر دے۔ اگر برپا نہیں کرتا، تو اس لئے کہ ابھی اس کی مشیت نہیں ہے کیونکہ پہلے ہی اس کے علم میں اس کی معیاد اور وقت مقرر ہو چکے ہیں۔ پس اس سے قدرت میں کوئی نقص نہیں آتا۔ قادر مطلق وہ ہے جو ہر موجود کو از سرِ نو بناتا ہے اور اس میں کسی دوسرے کی امداد سے بے نیاز ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

بندہ کو بھی کچھ نہ کچھ قدرت ہے لیکن وہ ناقص ہے کیونکہ وہ صرف بعض ممکنات کا احاطہ کرتی ہے اور اس میں کسی چیز کو پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ بلکہ بندہ کے مقدور میں جو امور ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا القادر اور المقتدر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

المقدم - الموخر

(71) (اپنے دوستوں کو بارگاہ عزت کی طرف بڑھانے والا)

(72) (اپنے دشمنوں کو اپنے طرف سے پیچھے ہٹانے والا)

مقدم و موخر وہ ہے، جو قریب اور دور کرتا ہے جسے قریب کرتا ہے اس کو مقدم کرتا ہے جسے دور

Marfat.com

ہٹا تا ہے اس کو موخر کرتا ہے۔ وہ انبیاء و اولیاء کو قرب بخشنے اور راہ راست پر چلانے کیلئے مقدم کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو دور ہٹا کر اپنے اور ان کے درمیان پردہ ڈال کر موخر کر دیتا ہے۔

مثلاً جب ایک بادشاہ جب دو افراد کو اپنا قرب بخشے لیکن ان میں سے ایک کو اپنے زیادہ قریب کر لے تو کہا جاتا ہے کہ اس کو مقدم کیا' یعنی اسے دوسرے شخص سے آگے رکھا۔

یہ تقدیم کبھی مکان میں ہوتی ہے اور کبھی مرتبہ میں اور بہر حال پیچھے رہنے والے کے لحاظ سے ہوتی ہے اور ایک ایسے مقصد کا ہونا بھی ابدی ہے جو اصلی غرض و غایت ہو جو اسی کے لحاظ سے مقدم ہوتا ہے اور جو متاخر ہوتا ہے اسی کی طرف سے۔

سب کی منزل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے' اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے مقرب ہیں۔ چنانچہ اس نے پہلے ملائکہ کو تقدیم بخشی ہے پھر انبیاء کو' پھر اولیاء کو' پھر علماء کو اور ہر متاخر اپنے ماقبل کے لحاظ سے موخر ہوتا ہے۔ اور اپنے مابعد کی نسبت مقدم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی یہ تقدیم و تاخیر دینے والا ہے کیونکہ اگر آپ ان کے تقدم و تاخر کو ان کے فضائل کی کثرت و قلت اور ان کی صفات کے کمال و نقصان پر موقوف سمجھیں تو آخر وہ ذات بھی کوئی ہے جس نے ان کو علم و عبادت کی ترقی کیلئے ترغیب دی ہے یا جس نے انہیں صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی ترغیب نہیں دی۔ اور یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کے بس میں ہیں لہٰذا وہ مقدم اور موخر ہے اور اس میں رتبہ کی تقدیم و تاخیر مراد ہے۔

الاوّل-الآخر

(73) (سب سے پہلا)

(74) (سب کے بعد والا)

واضح ہو کہ اول کسی شے کی نسبت سے اول ہوتا ہے اور آخر بھی کسی شے کی نسبت سے آخر ہوتا ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کی ضدیں ہیں۔ بس ایک ہی چیز ایک ہی جہت میں ایک ہی چیز کی نسبت سے اول و آخر نہیں ہو سکتی بلکہ جب وجود کی ترتیب پر نظر کریں اور موجودات کے بالترتیب سلسلہ کو غور سے دیکھیں تو اللہ تعالیٰ ان کے لحاظ سے اول ہے۔ کیونکہ تمام موجودات نے اس کے کرم سے وجود حاصل کیا ہے اور وہ خود موجود بذاتہ ہے لیکن اس نے کسی سے وجود حاصل نہیں کیا اور جب ترتیب سلوک پر نظر کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے والوں کی منزلوں کو دیکھا جائے تو وہ آخر ہے کیونکہ اس کی درگاہ عارفین کے مدارج کی سب سے آخری منزل ہے اور اس کی معرفت سے جو معرفت حاصل ہوتی ہے وہ اس کی معرفت کا زینہ ہے اور آخری منزل اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اس لئے اولیاء کے سیر سلوک کے لحاظ سے وہی آخر ہے اور موجودات کے وجود کے لحاظ سے اول ہے۔ پس اول اسی کی طرف سے آغاز ہے اور آخر اسی کی طرف سے انجام و انتہا ہے اور جب کچھ نہ تھا تو وہی تھا اور جب کچھ نہ ہوگا تو وہی ہوگا اور پھر سب اسی کی طرف رجوع کریں گے۔

Marfat.com

الظاھر-الباطن

(75) (آشکار بلحاظ قدرت)

(76) (پوشیدہ بلحاظ فراست)

یہ دونوں وصف بھی اضافی ہیں کیونکہ ظاہر ایک شے کیلئے ظاہر اور دوسری شے کیلئے باطن ہوتا ہے۔ اور ایک ہی جہت سے ظاہر و باطن نہیں ہوتا بلکہ ادراک کی طرف نسبت کرنے سے ایکجہت سے ظاہر اور دوسری جہت سے باطن ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ ظاہر و باطن ہونا ادراکات کی طرف نسبت کرنے سے ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اگر حواس کے ادراک سے پہچاننے کی کوشش کی جائے تو وہ باطن ہے اور اگر عقل سے بطریق استدلال معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ ظاہر ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا ادراک حواس کی نسبت سے باطن ہونا تو ظاہر ہے لیکن عقل کی جہت سے ظاہر ہونا ذرا باریک بات ہے۔ کیونکہ ظاہر تو وہ بات ہوتی ہے جس کے ادراک میں لوگ اختلاف نہ کرتے ہوں۔ برعکس اس کے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بہت سے لوگ شک میں گرفتار ہیں۔ پس اس کو کیونکر ظاہر کیا جاسکتا ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کا مخفی ہونا شدت کے ظہور کا باعث ہے اس کا ظہور ہی اس کے باطن ہونے کا سبب ہے۔ گویا اس کا نور ہی اس کے نور کا پردہ ہے۔ شاید اس بات سے حیرانی ہو۔ لہٰذا ایک مثال پیش خدمت ہے۔ اگر کسی حرف پر نظر ڈالو جو کسی نے لکھا ہو تو اس سے ایک ایسے کاتب کے وجود کا پتہ ملے گا جو عالم بھی ہے اور دیکھتا سنتا بھی ہے۔ اس سے تمہیں کاتب کی ان صفات کا یقین کامل ہو جائے گا۔ جس طرح اس ایک حرف نے کاتب کے اوصاف کی فیصلہ کن گواہی دی ہے۔ بعینہٖ آسمان و زمین، ستارے، سورج، چاند، حیوان و نباتات خود بخود اپنے ایک ایسے مدبر کا پتہ دے رہے ہیں جس نے یہ سب اہتمام کیا ہے اور ان کو خاص اندازے پر اور خاص صفات کے ساتھ بنایا ہے بلکہ انسان اپنے جس ظاہر یا باطن جزو بلکہ جس اختیاری یا جبری صفت و حالت کو دیکھتا ہے وہ چلا چلا کر اپنے خالق، اپنے مالک، مختار اور اپنے مدبر کا پتہ بتاتے نظر آتے ہیں۔ چونکہ یہ شہادتیں بکثرت ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے وہ امر شدت ظہور کے باعث مخفی اور باریک بن گیا ہے جس کی مثال یہ ہے کہ جو اشیاء حواس کے ذریعہ محسوس کی جاتی ہیں ان میں سے زیادہ ظاہر وہ چیزیں ہیں جو آنکھ سے محسوس ہوں اور آنکھ کی محسوسات میں سے بھی زیادہ روشن اور ظاہر سورج کا نور ہے۔ جو تمام اشیاء پر منعکس ہو کر انہیں روشن کر رہا ہے اور جو شے دوسری کو روشن کر رہی ہے وہ خود کیوں روشن نہ ہو گی مگر اس کا روشن ہونا بہت سے لوگوں سے پوشیدہ ہے حتیٰ کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ رنگ دار اشیاء میں صرف سرخ و سیاہ رنگ ہے اور کچھ نہیں۔ وہ اس بات کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ رنگ کے ساتھ روشنی اور نور بھی شامل ہے اور یہ لوگ

Marfat.com

رنگین اشیاء کے ساتھ روشنی میں قائم ہونا اس وقت تسلیم کرتے ہیں جب ان کو سائے اور اندھیرے میں اور روشنی میں اشیاء کی مختلف حالتوں کا فرق دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ رات کے وقت سورج جب چھپ جاتا ہے اور اس کی روشنی رنگین چیزوں سے ختم ہو جاتی ہے تو فرق ظاہر ہوتا ہے کہ اب ان چیزوں کو کیا صورت ہے' اور دن میں کیا تھی گویا نور کی غیر موجودگی میں نور کے وجود کا پتہ لگتا ہے اور نور کے ہونے اور نہ ہونے میں صاف فرق معلوم ہو جاتا ہے۔

فرض کیا جائے کہ ایک شخص سورج کی روشنی تمام اشیائے عالم پر دیکھتا ہے اور سورج اس کی زندگی میں کبھی غروب نہیں ہوتا حتیٰ کہ کبھی اسے یہ موقع نہیں ملا کہ ان اشیاء کو اندھیرے میں دیکھے۔ روشنی اور اندھیرے میں فرق سمجھے۔ اس شخص کے لئے ناممکن ہے کہ نور کو کوئی خاص چیز سمجھے جو موجودہ اشیاء کی رنگت سے زائد ہے۔ تمام اشیاء سے زیادہ ظاہر وہی چیز ہے بلکہ وہ تمام اشیاء کو ظاہر کرتی ہے اگر اللہ تعالیٰ کا بعض امور کیلئے (معاذ اللہ) یا غائب ہونا فرض کیا جائے تو آسمان و زمین اور ہر چیز جس سے وہ لمحے کیلئے بھی بے تعلق ہو گا فنا ہو جائے گی۔ اور پھر ان دونوں حالتوں کا فرق بخوبی معلوم ہو جائے گا اور اس کا وجود پاک قطعی طور پر معلوم ہو جائے گا لیکن چونکہ تمام اشیاء شہادت اور حالات میں متفق ہیں اور سب ایک ہی نظم و نسق پر اپنی آواز اٹھا رہی ہیں اس لئے وہ عام نظروں سے مخفی ہے۔

قربان جائیے اس ذات پاک کے جو اپنے نور ہی کے باعث مخلوق کی نظروں سے اوجھل اور اپنے شدت ظہور کے سبب سے پوشیدہ ہے۔ وہ ایسا ظاہر ہے جس سے بڑھ کر کوئی ظاہر نہیں۔ وہ ایسا باطن ہے جس سے زیادہ کوئی چیز باطن نہیں ہو سکتی۔

البرّ

(77) (اپنے لطف سے بندوں کے ساتھ نیکی کرنے والا)

بر کے معنی محسن کے ہیں اور بر مطلق وہی ہے جس کی طرف سے تمام نیکیاں اور احسانات ظہور میں آتے ہیں۔ اور بندہ اس قدر بر ہے جس قدر کہ نیکی کرتا ہے۔ خصوصاً اپنے والدین' اساتذہ اور اپنے شیوخ کے ساتھ۔

✓ روایت ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام سے پروردگار نے بات چیت کی تو انہوں نے پایہ عرش کے سامنے ایک شخص کو کھڑے پایا۔ موسیٰ علیہ السلام اس شخص کی بلندی منزلت سے حیران ہوئے اور عرض کی الٰہی! یہ بندہ کون سے عمل کی بدولت اسی درجہ تک ترقی کر گیا۔ فرمایا یہ شخص میرے کسی بندے سے میری دی ہوئی نعمتوں پر حسد نہیں کرتا تھا اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتا تھا۔

یہ تو بندے کی نیکی کی تفصیل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ جو بے پناہ احسان فرماتا ہے اس کو ہم جیسے ناقص العقل بیان نہیں کر سکتے اور البر صفت کا حق دار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

Marfat.com

التواب

(78) (گناہ گاروں کی توبہ قبول کرنے والا)

تواب وہ ہے' جو بندوں کیلئے ایسے اسباب مہیا کرتا ہے جس سے وہ اس کی نشانیاں دیکھ کر بار بار اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور جو ان کی طرح طرح کی تنبیہات سے خبردار کرتا ہے اور ڈرا دھمکا کر اپنے راستے پر لاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کو پہچان کر اپنی تقصیرات اور گناہوں کا احساس کرتے ہیں تو دھمکی سے خوف کھاتے ہیں اور توبہ کرنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

المنتقم

(79) (نافرمانوں سے بدلہ لینے والا)

منتقم وہ ہے جو سرکشوں کی گردنیں توڑتا اور باغیوں کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور اس کی یہ سخت گیری اس وقت ہوتی ہے جب وہ اتمام حجت کر لیتا ہے اور نافرمانوں کو باز آنے کیلئے مہلت دیتا ہے۔ ایسا انتقام فوری عذاب کی بہ نسبت زیادہ سخت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر فی الفور عذاب نازل کیا جائے تو نافرمان پورے طور پر گناہ میں غرق نہ ہوگا اور اس سے وہ انتہائی عذاب کا حقدار قرار نہ پائے گا۔

العفوّ

(80) (گناہوں کا مٹانے والا)

عفو وہ ہے جو گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور تقصیرات سے درگزر کرتا ہے اور یہ معنی کے لحاظ سے غفور کے قریب قریب ہے لیکن عفو میں زیادہ تکرار ہے کیونکہ غفران میں پردہ ڈالنے کے معنی شامل ہیں۔ اور عفو میں مٹا دینے کے معنی داخل ہیں اور مٹا دینا پردہ ڈالنے کی بہ نسبت زیادہ رحم اور کرم پر دلالت کرتا ہے۔

الرؤفُ

(81) (بہت شفقت کرنے والا)

رؤف کے معنی صاحب کے ہیں رافت اور رافت حد درجہ کی رحمت کو کہتے ہیں۔ پس وہ رحیم کا ہم معنی ہے اور رحیم کی نسبت رحم و کرم کا زیادہ پرجوش اسم ہے۔

Marfat.com

المالکُ المُلکِ

(82) (ملک کا مالک)

مالک الملک وہ ہے، جو اپنے ملک میں جس طرح چاہتا ہے حکم جاری کرتا ہے، جسے چاہتا ہے زندہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے مارتا ہے۔

اس اسم میں ملک کے معنی مملکت کے ہیں اور مالک کے معنی پوری قدرت والا ہے۔ تمام موجودات ایک مملکت ہیں۔ جن کا وہ مالک اور سب پر قادر ہے۔ موجودات سب کی سب ایک مملکت ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں۔ گو ایک لحاظ سے وہ بہت زیادہ اشیاء ہیں مگر دوسرے لحاظ سے ان میں وحدت پائی جاتی ہے اور اس کی مثال انسانی جسم ہے جو انسان کی ایک مملکت ہے اور اس میں بہت سے اعضاء اور اجزاء پائے جاتے ہیں لیکن وہ سب کے سب صرف اپنے ایک مدبر کی غرض پوری کرتے ہیں ایک دوسرے کی مدد و اعانت میں مصروف ہیں۔ لہٰذا ان سب کا مجموعہ گویا ایک مملکت ہے اسی طرح تمام عالم گویا ایک ہی وجود ہے۔ اور عالم کے اجزاء اس کے اعضاء ہیں۔ جو ایک ہی مقصد کیلئے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ وجود الٰہی کے موافق جس خیر کا حاصل ہو نا ممکن ہو وہ حاصل ہو جائے۔ اور وہ ایک ہی مملکت اس لئے ہے کہ اس کے تمام کاروبار ایک ہی نظم و نسق کے تحت جاری و ساری ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ اس مملکت کا مالک ہے۔

ذی الجلال والاکرام

(83) (بزرگی اور عزت والا)

یہ وہ ذات ہے، جو تمام جلال و کمال کی واحد مالک ہو۔ اور تمام کرامت و مکرمت اسی سے صادر ہو۔ پس وہ جلال کی سزاوار فی ذاتہ ہے اور کرامت اس کی طرف سے خلقت کو پہنچتی ہے۔ خلقت کے حق میں اس کی جو کرامت ہے۔ وہ شمار نہیں کی جا سکتی۔ اس کا یہ ارشاد اس کرامت پر دلالت کرتا ہے۔ ولقد کرمنا بنی ادم یعنی اور ہم نے بنی آدم کو عزت کیا لیکن حقیقی عزت اور بزرگی اسی کی ہے اور وہی ذوالجلال والاکرام کے مرتبہ و شان کا مالک ہے۔

الوالیُ

(84) (تمام امور کا متولی)

یہ وہ ہے جو تمام خلقت کے ہر قسم کے امور کا مدبر اور متولی ہے۔ ولایت تدبیر، قدرت اور فعل چاہتی ہے۔ جب تک اس کیلئے یہ تمام اوصاف جمع نہ ہوں۔ اس پر اسم مبارک الوالی صادق نہیں آ سکتا

Marfat.com

اور تمام امور کا والی خاص اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ پہلے وہ اکیلا تدبیر کرتا ہے اور پھر اکیلا ہی اس تدبیر کو نافذ فرماتا ہے اس کے بعد خود ہی اس کو جاری رکھتا ہے۔

المُتَعالِی (85) (مخلوقات کی صفات سے منزہ)

یہ اسم علی کا ہم معنی ہے مگر اس میں زیادہ علوشان کا اظہار ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے۔

المقسِطُ

(86) (عدل کرنے والا)

مقسط وہ ہے جو مظلوم کو ظالم سے نجات دلاتا ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ مظلوم کی خوشنودی کے ساتھ اپنے انصاف سے ظالم کو بھی لاجواب کر دے۔ اور یہ اعلیٰ درجہ کا عدل و انصاف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی قادر نہیں۔ مثال اس کی یہ روایت ہے۔

✓ ایک بار رسول اللہ ﷺ بیٹھے بیٹھے ہنس پڑے۔ پس حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ کے قربان ہوں' آپ کس بات سے ہنسے۔ فرمایا میری امت میں سے دو آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے۔ ایک کہے گا یارب اس شخص سے میرا بدلہ دلا دے۔ اللہ تعالیٰ دوسرے کو فرمائے گا اپنے بھائی کو بدلہ دے۔ وہ عرض کرے گا اے رب العزت میری تو کوئی بھی نیکی باقی نہ رہی۔ اللہ تعالیٰ مدعی کو فرمائے گا اب تو اپنے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا ہے اب تو اس کے پاس کوئی بھی نیکی نہ رہی وہ عرض کرے گا یارب میرے گناہ اس پر لاد دے۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ آب دیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ یہ دن بڑا خطرناک ہوگا جب لوگ یہ بھی چاہنے لگیں گے کہ کوئی ان کے گناہ اٹھا لے۔

آپ ﷺ نے فرمایا' پھر اللہ تعالیٰ مدعی سے فرمائے گا کہ آنکھ اٹھا کر دیکھ' وہ کہے گا اے پروردگار میں چاندی کے شہر اور سونے کی عمارتیں دیکھ رہا ہوں' جن پر موتیوں کے ہار پڑے ہیں۔ یہ کسی نبی' ولی یا کسی شہید کیلئے ہیں۔ اللہ فرمائے گا جو اس کی قیمت ادا کرے۔ وہ عرض کرے گا میرے عزت والے پروردگار! اتنی قیمت کون ادا کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیرے پاس ہے وہ عرض کرے گا۔ پروردگار! میں کس چیز کے عوض اسے خرید سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے بھائی کو معاف کرنے کے عوض۔ تو وہ عرض کرے گا۔ پروردگار! میں نے اسے معاف کیا۔ اللہ تعالیٰ کہے گا! اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور اسے جنت میں لے جا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مومنوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔ انصاف و انصاف کا یہ ایسا راستہ ہے کہ جس پر رب الارباب کے سوا کوئی قادر نہیں۔

Marfat.com

الجامعُ

(87) (تمام مخلوقات کو جمع کرنے والا)

جامع وہ ہے، جو ملتی جلتی چیزوں، جدا جدا چیزوں اور ایک دوسرے کی مخالف چیزوں کو باہم ملا دے۔

ملتی جلتی چیزوں کو جمع کرنے کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے انسان، زمین پر جمع کئے ہیں اور پھر سب کو حشر کے میدان میں جمع کرے گا۔

جدا جدا چیزوں کو جمع کرنے کی مثال جیسے کہ اس نے آسمانوں، ستاروں، ہوا، زمین، دریا، حیوانات، نباتات اور مختلف اشیاء کو جمع کیا ہے اور یہ تمام اشیاء صورتوں میں، رنگ میں، ذائقہ میں اور دیگر تمام اوصاف میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس طرح اس نے ہڈی، پٹھے، رگ، عضلہ، مغز، جلد، خون اور تما اخلاط کو حیوان کے بدن میں جمع کیا ہے یہ چیزیں بھی سب کی سب باہم مختلف ہیں۔

ایک دوسرے کی مخالف اشیاء کو باہم ملانے کی مثال جیسے اس نے حرارت، برودت، رطوبت اور یبوست کو حیوانات کے مزاج میں جمع کیا ہے۔ حالانکہ یہ اشیاء ایک دوسرے کی مخالف اور ایک دوسری پر غلبہ کرنے والی ہیں اور جمع کرنے کی صورتوں میں سے یہ اعلیٰ درجہ کی صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جمع کرنے کی تفصیل وہی شخص معلوم کر سکتا ہے جو اس کی پیدا کردہ اشیاء کی تفصیل جانتا ہو اور اس بات کی تفصیل کی جائے تو بہت لمبی ہو جائے گی۔

الغنیُ - المغنیُ

(88) (بے پروا)

(89) (لوگوں کو بے پروا کرنے والا)

یہ وہ ہے جسے اپنی ذات وصفات میں کسی غیر سے تعلق نہیں ہے بلکہ اغیار کے ساتھ تعلق رکھنے سے پاک ہے۔ پس جس شے کی ذات یا صفات کسی ایسے امر سے متعلق ہوں جو اس کی ذات سے خارج ہو اس شے کا وجود یا کمال اس خارجی امر پر موقوف ہے پس وہ محتاج اور فقیر ہے کہ جسے طلب و کسب کی ضرورت ہے۔ مطلق بے تعلقی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کیلئے ممکن نہیں اللہ تعالیٰ ہی مغنی بھی ہے۔ یعنی مغنی بھی کر دیتا ہے مگر جسے وہ غنی بناتا ہے اس کا مطلق غنی بن جانا متصور نہیں ہو سکتا کم از کم وہ مغنی کا تو محتاج ہوا پس غنی مطلق کہاں رہا۔ بلکہ غیر اللہ سے بے پرواہ ہوتا ہے اس لئے کہ اس کی تمام ضروریات اللہ تعالیٰ مہیا کر دیتا ہے اور غنی حقیقی تو وہ ہوتا ہے جسے کسی کی حاجت قطعاً نہیں ہوتی۔ جو محتاج ہے اور اپنی حاجت کی چیزیں حاصل کر رہا ہے۔ وہ مجازاً غنی ہے۔ غیر اللہ کے حق میں زیادہ سے زیادہ جو صورت تسلیم کی جا سکتی ہے وہ صرف یہی ہے تاہم جب اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی حاجت نہیں

Marfat.com

رہتی تو اس کو غنی کہا جاتا ہے لیکن غنی مطلق کی تعریف یہ ہے کہ وہ کسی کی بھی حاجت نہ رکھے۔ تو وہ ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

المانعُ

(90) (اپنے دوستوں کو تکلیف سے روکنے والا)

مانع وہ ہے جو حفاظت کے خاص خاص اسباب مہیا کر کے اپنے بندوں سے نقصان و ہلاکت کے اسباب دور کرتا ہے۔ حفیظ کے معنی بیان ہو چکے ہیں۔ حفظ کیلئے منع اور دور کرنا ضروری ہے۔ پس جو شخص حفیظ کے معنی سمجھتا ہے وہ مانع کے معنی بھی سمجھ سکتا ہے فرق اتنا ہے کہ منع مہلک سے بچانے کیلئے ہے۔ اور حفظ اس چیز کی طرف نسبت کرنے سے جو ہلاکت سے محفوظ ہے اور وہ منع سے مقصود ہے۔

خلاصہ یہ کہ چونکہ منع کا فعل حفظ کیلئے کیا جاتا ہے لیکن حفظ کا فعل منع کے لئے نہیں کیا جاتا لہٰذا ہر حافظ مانع ہے۔ لیکن ہر مانع کا حافظ ہونا ضروری نہیں۔ اس وقت جب کہ وہ ہلاکت کے تمام اسباب سے مطلقاً منع کرنے والا ہے جس سے حفظ کا حاصل ہونا لازمی ہو جاتا ہے تو ایسا حافظ ہی مانع ہے اور مانع مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔

اَلضَّآرُّ (91) (قدروشر کا خالق)

النَّافِعُ (92) (نفع وخیر کا پیدا کرنیوالا)

یہ وہ ہے جس سے خیر و شر اور نفع و نقصان صادر کرتے ہیں۔ اور یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں۔ یا تو وہ ان امور کا اجراء ملائکہ' انسان اور جمادات کے ذریعے کرتا ہے یا بالواسطہ خود کرتا ہے۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ زہر خود بخود مار ڈالتا ہے اور کھانا خود بخود پیٹ بھر دیتا ہے۔ اور نہ ہی یہ کہ فرشتے' انسان' شیطان یا کوئی اور مخلوق۔ مثلاً ستارہ یا دوسری چیز خود بخود نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہے بلکہ یہ تمام اشیاء اسباب مسخر ہیں جو صرف وہی کام کر سکتے ہیں جن پر وہ مامور ہیں۔ اور یہ تمام امور قدرت ازلیہ کے تعلق سے ہیں۔ جیسے عام لوگوں کے حکم نامہ پر دستخط کرتا ہے۔ تو اس کا نقصان یا نفع قلم کی طرف سے نہیں سمجھا جاتا بلکہ ان لوگوں کی طرف سے سمجھا جاتا ہے جن کے قبضے میں قلم ہے۔ اسی طرح تمام اسباب کا حال ہے کہ عام آدمی قلم کو کاتب کا ہی مسخر سمجھتا ہے مگر عارف جانتا ہے کہ قلم اور دوات اس کا مسخر ہیں جس کی تسخیر میں خود کاتب ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے کاتب کو پیدا کیا اور اس کو لکھنے کی توفیق عطا کی' تو ساتھ ہی اس کے دل میں لکھنے کی پکی خواہش ڈال دی۔ جو بالکل حق بات ہے اللہ تعالیٰ کی منشا سے خواہ مخواہ اس کی انگلیوں اور قلم میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس کے خلاف ہرگز نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ حقیقی کاتب اللہ تعالیٰ ہے کہ انسان کا ہاتھ اس کی قدرت سے لکھتا ہے جب یہ بات سمجھ میں آ جائے گی تو باقی معاملات اور مخلوقات کے متعلق خود بخود سمجھا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

النورُّ

(93) (روشن کرنے والا)

یہ وہ ذات ظاہر ہے جس سے تمام اشیاء کا ظہور ہے کیونکہ جو چیز فی نفسہ ظاہر ہو اور دوسری اشیاء کو ظاہر کرنے والی ہو اسی کا نام نور ہے۔ اور جب وجود کا مقابلہ عدم سے کیا جائے تو یقیناً وجود ہی میں پورا ظہور پایا جائے گا۔ اور عدم سے بڑھ کر کوئی اندھیرا نہیں ہوسکتا۔ پس جو عدم کی تاریکی سے بلکہ عدم کے امکان سے بھی بلند ہے اور تمام اشیاء کو عدم کی تاریکی سے نکل کر وجود کی روشنی میں لاتا ہے وہ سب سے زیادہ نور کہلانے کا مستحق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقی نور ہے باقی سب نور اس کے محتاج ہیں۔

وجود ایک نور ہے' جو اس کی ذات کے نور سے تمام اشیاء کو حاصل ہے۔ پس وہ آسمان وزمین کا نور ہے اور جیسے زمین کا ذرہ ذرہ سورج کے وجود پر دال ہے اسی طرح آسمان وزمین کی موجودات میں سے ذرہ ذرہ اپنے وجود کے جواز سے اپنے موجد کے وجود پر دلالت کرتا ہے اور نور کے متعلق تفصیلی بات گزر چکی ہے۔

الھادی

(94) (ہدایت کرنے والا)

ھادی وہ ہے جو اپنے خاص خاص بندوں کو اپنی ذات کی شناخت کا راستہ بتاتا ہے حتیٰ کہ وہ اُس کی ذات سے اشیاء پر دلیل قائم کرتے ہیں اور عام بندوں کو مخلوقات کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اسے اس کی ذات پر دلیل ٹھہراتے ہیں اور ہر مخلوق کو اپنی ضروری حاجتوں کو پورا کرنے کی سمجھ دیتا ہے۔ چنانچہ بچے کو پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ پینے کا طریقہ بتا دیتا ہے اور پھر چوزے کو اس کے انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنے کا طریقہ سکھا دیتا ہے۔ شہد کی مکھی کو شش پہلو خانوں کے گھر بنانے کا طریقہ سکھاتا ہے جس میں اس کا جسم اس طرح سما جاتا ہے کہ اردگرد کوئی جگہ خالی نہیں رہتی۔ یہ تفصیل بڑی لمبی ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے یعنی ''وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کی بناوٹ عطا فرمائی پھر اس کو راہ دکھائی''۔ اور والذی قدر فھدیٰ یعنی اس نے ہر چیز کا اندازہ کیا پھر ہدایت کی اور حقیقی معنوں میں ہادی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

البَدِیعُ

(95) (موجد)

بدیع وہ ہے جس کی کوئی مثال نہ ہو۔ پس اگر ذات وصفات اور افعال میں اور اس کے متعلقہ

Marfat.com

ہر امر میں اس کی کوئی مثل نہ گزری ہو۔ تو وہ بدیع مطلق ہے اور اگر کوئی اس قسم کی شے گزر چکی ہو تو وہ بدیع مطلق نہیں رہے گا۔ یہ اسم مطلقاً اللہ تعالیٰ سے خاص ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ قبل (پہلے) کا معنی کوئی بھی نسبت نہیں رکھتا۔ پس کوئی اس جیسا پہلے کیونکر ہوسکتا ہے کیونکہ جو چیز موجود ہوئی ہے وہ اس کی ایجاد سے بنی ہے اور ایجاد اپنے موجد کی کوئی مماثلت نہیں رکھتی۔ پس اللہ تعالیٰ ازلاً وابداً بدیع ہے۔

الباقیُ

(96) (باقی رہنے والا)

یہ وہ موجود ہے جو بذاتہ واجب الوجود ہے لیکن جب اس کو ذہن میں زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کیا جائے تو وہ باقی کہلائے گا اور جب زمانہ ماضی سے نسبت دی جائے تو اسے قدیم کہا جائے گا۔

باقی مطلق وہ ہے جس کے وجود کی تقدیر زمانہ مستقبل میں کسی بھی آخری حد تک ختم نہ ہو۔ جس کیلئے یہ لفظ مقرر ہیں۔ وہ ابدی ہے اور قدیم مطلق وہ ہے جس کے وجود کا ماضی نکتہ میں کوئی آغاز نہ ہو۔ تو اس کیلئے یہ لفظ مقرر ہیں کہ وہ ازلی ہے۔

جب تسلیم کرتے ہیں کہ وہ بذاتہ واجب الوجود ہے تو یہ تمام معنی اس میں آجاتے ہیں۔ یہ اسماء گرامی جو مقرر ہیں ذہن میں اس وجود کو ماضی و مستقبل کی طرف منسوب کرنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ ماضی و مستقبل کے مفہوم میں متغیرات کا معنی بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ وہ دونوں زمانے ہیں۔ اور زمانہ میں حرکت و تغیر بھی داخل ہیں کیونکہ حرکت ذاتی طور پر ماضی اور مستقبل کا مجموعہ ہے اور متغیر تغیر کے واسطہ سے زمانہ میں داخل ہوتا ہے۔ پس جو ذات تغیر اور حرکت سے بالاتر ہے وہ زمانہ میں سے نہیں ہے اور نہ ہی ماضی واستقبال سے ہے یہ امور تو ہمارے ہی لئے ہیں جن پر زمانہ گزرتا ہے اب کچھ اور حالت ہے۔ پھر کچھ اور ہوگی اس کے بعد کچھ اور ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ جو حالت گزر چکی ہے وہ ماضی ہے۔ جو موجود ہے وہ حال ہے اور جو آنے والی ہے مستقبل کہلاتی ہے۔ اور جہاں نہ آغاز نہ انجام وہاں زمانہ ہی نہیں۔ اور کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی نے تو زمانہ کو پیدا کیا ہے پس وہ زمانہ سے پہلے ہے اور زمانہ کے بعد جوں کا توں رہیگا اور زمانہ اسی سے قائم ہے۔ اس لئے "الباقی" کی صفت صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔

الوَارِثُ

(97) (فنائے موجودات کے بعد باقی رہنے والا)

وارث وہ ہے جو مجازی مالکوں کے فنا ہونے کے بعد مملوکات کا مالک قرار پاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جو خلقت کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے گا۔ اور آخر ہر شے کا مرجع وہی ہے۔ اس وقت

Marfat.com

وہ یوں فرمائے گا۔ لمن الملک الیوم آج کس کی بادشاہی ہے؟ پھر خود ہی جواب دے گا: للہ الواحد القھار اللہ واحد اور قہار کی بادشاہی ہے۔ یہ سوالیہ ندا ان لوگوں کے غلط زعم کو دور کرنے کی غرض سے کی جائے گی۔ جو خود بادشاہ اور صاحب ملک ہونے کا گھمنڈ رکھتے ہیں۔ اس وقت اصل معاملہ ان پر واضح ہو جائے گا لیکن جو لوگ صاحب بصیرت ہیں وہ ہمیشہ سے خود بخود اس ندا کا معنی سمجھے ہوئے ہیں۔ بلکہ یہی ندا بلا حرف و آواز ہر وقت سن رہے ہیں۔ اور دل سے یقین رکھتے ہیں کہ ہر وقت اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ واحد قہار کی بادشاہی ہے اسی لئے وہ ازلی و ابدی ہے اس بات کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو توحید کی حقیقت جانتا ہے اور بخوبی سمجھتا ہے کہ زمین و آسمان کی قلمرو میں اکیلا بادشاہ وہی واحد و یکتا ہے۔

الرشیدُ

(98) (صاحب رشد)

یہ وہ ذات پاک ہے جس کی تدبیریں ٹھیک ٹھیک اپنے مقاصد پر فائز ہوں۔ بغیر اس کے کہ اور بھی اُس کی اعانت کرے۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کو جتنی دینی اور دنیاوی تدبیرات کی سمجھ بخشی ہے اتنا ہی اس راہ پر چلنے اور ان سے صحیح مقصد حاصل کرنے کی توفیق بھی دی ہے۔

الصبورُ

(99) (بڑا صبر کرنے والا)

وہ وہ ہے جس کو کوئی تیزی اور تندی کسی کام کو جلد اور قبل از وقت کرنے پر مجبور نہیں کرتی بلکہ وہ تمام امور کو خاص اندازے پر قائم کر کے مقررہ راہ پر چلاتا ہے اور انہیں نہ کسی سست کارندے کی طرح مقررہ وقت سے پیچھے ڈالتا ہے اور نہ ہی کسی جلد باز کی طرح قبل از وقت کرنے لگتا ہے بلکہ وہ ہر کام کو مقررہ وقت پر مناسب طریقے سے کرتا ہے یہ تمام امور بلا کسی مخالفت کے انجام پاتے ہیں اور صبور حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اس کے برعکس بندے کا صبر مخالف کے مقابلے سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس کے صبر کے معنی یہ ہیں کہ عقل و دین کی خواہش شہوت و غضب کی خواہش کے مقابلے میں غالب رہے۔ جب وہ مخالف خواہشیں باہم کھینچا تانی کرتی ہیں تو جلد بازی کی خواہش دھیمی ہو کر تاخیر اختیار کرتی ہے تو اس خواہش والا آدمی مجازاً صبور کہلاتا ہے کیونکہ اس نے جلد بازی کی خواہش کو پست کرلیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میں جلد بازی کا کوئی باعث ہی نہیں ہے۔ نہ وہ کمزور ہے اور نہ ہی اس کی قدرت سے کوئی دور ہے اس لئے اس اسم کا حقیقی مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

Marfat.com

(توحید پر احادیث نبویؐ)

اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق

معاذ بن جبلؓ سے حضور ﷺ نے فرمایا اے معاذ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے۔ معاذؓ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ جس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی پرستش کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں"۔ (بخاری شریف)

اللہ تعالیٰ کا حلم

ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ناپسندیدہ بات سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ برداشت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ حالانکہ بد بخت مشرکین اللہ تعالیٰ سے اولاد منسوب کرتے ہیں مگر وہ پھر بھی ان مشرکوں کو عافیت اور رزق عطا فرماتا ہے۔ (بخاری شریف)

اللہ تعالیٰ ہی غیب سے واقف ہے

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غیب کی پانچ چابیاں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ کل کیا ہوگا؟ بارش کب ہوگی؟ کوئی کس جگہ مرے گا؟ قیامت کب آئے گی؟ یہ وہ غیب ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (بخاری شریف)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی نداء

ابو مسلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو اپنی مٹھی میں لے لے گا اور آسمانوں کو دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا کہ بادشاہ حقیقی تو میں ہوں۔ زمین کے جھوٹے بادشاہ کدھر گئے۔ (بخاری شریف)

اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے میں اس پروردگار کی عزت کی پناہ مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور پروردگار عالم کو موت نہیں ہے باقی تمام جن وانس کیلئے موت لازم ہے۔ (بخاری شریف)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے اسماء کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ جو کوئی انہیں یاد کرے تو وہ جنت مین جائے گا۔ (بخاری شریف)

رات اور صبح اللہ تعالیٰ کا شکر

حذیفہ بن یمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بستر پر آرام کے لئے تشریف لے جاتے تو فرماتے یا اللہ تیرا نام لے کر ہی میں جیتا ہوں اور تیرے ہی نام پر مروں گا' اور جب صبح ہوتی تو فرماتے شکر ہے اس پروردگار کا جس نے مرنے کے بعد پھر زندہ کیا اور اسی کی طرف یوم حشر جانا ہے۔ (بخاری شریف)

اللہ تعالیٰ کی غیرت

عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی غیرت دار نہیں ہے اور اس نے بے حیائی کی تمام باتوں سے منع فرما دیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنی تعریف کسی کو پسند نہیں۔ (بخاری شریف)

اللہ تعالیٰ کی رحمت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب خلقت کو پیدا فرمایا تو خود اپنی ذات کے بارے میں فرمایا کہ میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے اور یہ تحریر عرش پر رکھی ہوئی ہے۔ (بخاری شریف)

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کو عطا و رحمت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے تو میں اپنے فضل و کرم سے اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر دل میں مجھے یاد کرے تو میں بھی پوشیدہ طور پر اسے یاد کرتا ہوں اور اگر ایک جماعت میں اعلانیہ طور پر میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر جماعت (مقرب فرشتوں) میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک ہو تو میں ایک بام اس کے نزدیک ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک ہو تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں اور اگر وہ بندہ میری طرف چلتا ہے تو میں دوڑتا ہوا اس کے پاس جاتا ہوں۔ (بخاری و جملہ کتب احادیث)

Marfat.com

توحید کا اقرار کرنے والے بالآخر جنت میں جائیں گے

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس دل میں جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ پروہ لوگ بھی نکال لئے جائیں گے کہ جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہوگا اور ان کے دل میں دانہ گندم کے برابر ایمان ہوگا اور اس کے بعد وہ لوگ بھی نکال لئے جائیں گے کہ جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہوگا اور ان کے دل میں چیونٹی کے برابر ایمان ہوگا۔ (بخاری و جملہ کتب احادیث)

اللہ تعالیٰ کے نہ ختم ہونے والے خزانے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ خرچ کرنے سے اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ رات دن اس کی بخشش جاری ہے۔ (جود و عطا کے لامتناہی سمندر چل رہے ہیں۔) یہ بتاؤ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کئے کتنا خرچ کیا ہوگا مگر اس کے پاس جو کچھ موجود ہے اس میں ذرا بھی کمی نہیں ہوئی۔ اس کا عرش پانی پر تھا۔ پروردگار کے ہاتھ میں ہی ترازو (تمام اختیارات)۔ جس کو چاہتا ہے بلند فرما دیتا ہے اور جسے چاہے پست کر دیتا ہے۔ (بخاری و جملہ کتب احادیث)

اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والی ہر چیز کو لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے

عمران بن حصینؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ (تمام صفات کے ساتھ) موجود تھا۔ اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی اس کا تخت پانی پر تھا' پھر آسمان اور زمین پیدا کئے اور لکھنے کے مقام (یعنی لوح محفوظ) میں ہر اس چیز کو لکھا جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی۔ (بخاری شریف)

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والوں کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بہشت میں اوپر نیچے سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کیلئے تیار کر رکھے ہیں۔ ہر درجے میں اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں ہے۔ اور جب تم اللہ تعالیٰ سے مانگو تو فردوس بریں مانگو۔ وہ بہشت کا سب سے بلند درجہ ہے اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اور فردوس سے ہی بہشت کی سب نہریں نکلتی ہیں۔ (بخاری و جملہ کتب احادیث)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ حلال کمائی کی خیرات قبول کرتا ہے

المو خر حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حلال کمائی میں سے ایک کھجور کے برابر خیرات نکالے تو اللہ تعالیٰ کی طرف وہی چڑھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اس کی پرورش اس طرح کرتا رہتا ہے جیسے تم میں سے کوئی بچھڑے کی پرورش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خیرات جو کھجور برابر تھی پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔
(بخاری و جملہ کتب احادیث)

سورج کا ٹھکانہ عرش کے نیچے ہے

حضرت ابو ذرؓ غفاری سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورج کا ٹھکانہ عرش کے نیچے ہے۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کیا چودھویں رات چاند کو دیکھنے میں کوئی تکلیف ہوتی ہے۔ صحابہ رضوان اللہ اجمعین نے عرض کی، نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر بادل نہ ہوں تو سورج کو دیکھنے میں کوئی تکلیف ہوتی ہے۔ صحابہ رضوان اللہ اجمعین نے پھر عرض کیا۔ بالکل نہیں۔ جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بالکل اسی طرح تم اپنے پروردگار کو قیامت کے دن دیکھو گے۔ ابو سعیدؓ خدری سے بھی یہی روایت ہے۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

اللہ تعالیٰ ہر مومن سے بات کرے گا

عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم میں سے ہر شخص سے اللہ تعالیٰ بات کرے گا اور درمیان میں کوئی مترجم اور واسطہ اور حجاب نہ ہوگا۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ بات نہیں کرے گا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن تین قسم کے آدمیوں سے اللہ تعالیٰ بات تک نہیں کرے گا۔ ایک تو ایسا شخص جو اپنے مال کی نسبت جھوٹی قسم کھائے، دوسرا وہ شخص جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے تاکہ کسی مسلمان کا ناحق مال غصب کرے، تیسرا وہ شخص جو ضرورت سے زیادہ پانی روک لے اور کسی کو پینے یا پلانے نہ دے۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

اللہ تعالیٰ کیلئے علم حاصل کرنے کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے گھر سے اس لئے نکلے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے کلمات کا یقین حاصل ہو جائے اور اس کی یہی نیت ہو کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہے۔ یا تو شہادت دے کر جنت میں لے جائے گا یا ثواب اور مال غنیمت دے کر اسے گھر لوٹائے گا۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر فرشتوں کا جھک جانا

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ وحی بھیجنے کیلئے کلام فرماتا ہے تو آسمان والے فرشتے ادب سے سنتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی آواز تھم جاتی ہے تو ان فرشتوں کی گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے اور وہ پہچان لیتے ہیں کہ یہ کلام برحق ہے اور وہ مقرب فرشتوں سے سوال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا۔ تو وہ جواب دیتے ہیں۔ بجا ارشاد فرمایا۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

اللہ تعالیٰ کی وحدت کا اقرار کرنے والا ضرور نجات پائے گا

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبرائیل میرے پاس آئے اور مجھے یہ خوشخبری دی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کرنے والا ہو جب وہ مر جائے گا تو ایک نہ ایک دن ضرور جنت میں جائے گا' خواہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

زمانہ کو برا نہ کہو

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم کا بیٹا مجھے تکلیف دیتا ہے' وہ زمانہ کو برا کہتا ہے' اسے کوستا ہے۔ حالانکہ میں ہی زمانہ کا پیدا کرنے والا ہوں۔ رات اور دن کو میں ہی الٹ پلٹ کرتا ہوں۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

رات کے تیسرے حصے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت عام

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہمارا مالک (اللہ تعالیٰ) بلند برکتوں والا۔ ہر رات کو نزدیک کے آسمان پر اس وقت نزول فرماتا ہے۔ جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ اس طرح ارشاد فرماتا ہے کوئی دعا کرنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں۔ کوئی مانگنے والا ہے کہ اسے عطا کروں۔ کوئی گناہوں کی بخشش چاہنے والا ہے کہ اسے بخش دوں۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

اللہ تعالیٰ کے بہشت میں نیک لوگوں پر انعامات

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک لوگوں کیلئے ایسی بہشت کی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ سنا۔ (بخاری شریف)

جزاء اعمال کے لئے اللہ تعالیٰ کی بے پناہ بخشش

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ارشاد فرماتا ہے جب میرا کوئی بندہ گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا گناہ مت لکھو۔ جب تک کہ وہ اسے کرنہ لے اور اگر گناہ کرلے تو ایک ہی گناہ لکھو اور اگر مجھ سے ڈر کر اس کو چھوڑ دے تو اس کیلئے ایک نیکی لکھو اور اگر نیکی کرنا چاہتا ہے تو اسی وقت اس کیلئے نیکی لکھ لو۔ اگر چہ اس نے وہ نیکی ابھی نہ کی ہو اور اگر کر ڈالے تو پھر اس کی دس نیکیاں اسی طرح لکھو اور سات سو گنا تک۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے خواہش مند

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب کوئی بندہ مجھ سے ملاقات کا خواہش مند ہوتا ہے تو میں بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہوں اور جو کوئی میری طلب نہیں رکھتا میں بھی اس سے ملنا ناپسند کرتا ہوں۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

اللہ تعالیٰ کا گمان کے مطابق سلوک

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے سے اس کے گمان کے مطابق سلوک کرتا ہوں۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہر شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہو جائے گا اور پروردگار اس پر اپنا پردہ ڈال دے گا۔ (تاکہ دوسرے لوگ یہ گفتگو نہ سن سکیں) پھر اس سے فرمائے گا کہ تو نے فلاں فلاں گناہ دنیا میں کیا تھا۔ وہ آدمی عرض کرے گا بیشک میرے پروردگار۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ اس سے ارشاد فرمائے گا کہ تو نے فلاں فلاں گناہ بھی کیا تھا۔ وہ عرض کرے گا بیشک پروردگار۔ غرض اس طرح سب گناہوں کا اس سے اقرار کرلیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تیرے گناہ دنیا میں چھپائے رکھے اور آج تجھے بخش دیتا ہوں۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

اللہ تعالیٰ کی رضا! سب سے بڑی نعمت

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے یوں مخاطب ہوگا۔ اے اہل جنت کیا تم خوش ہوئے۔ جس پر تمام خوش نصیب عرض کریں گے۔ پروردگار کیا اب بھی ہم خوش نہیں ہوں گے۔ تمام بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے۔ اور تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمادیا ہے جو کسی اور مخلوق کو نہیں دیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اب میں تمہیں وہ دولت عطا کرتا ہوں جو سب سے بڑھ کر ہے جس پر اہل جنت حیران ہو کر عرض کریں گے کہ ان نعمتوں سے بڑھ کر کونسی نعمت ہوگی۔ جس پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اب میں تم پر اپنی رضامندی اتارتا ہوں' اس کے بعد میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

شرک سب سے بڑا گناہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برابر کسی کو ٹھہرایا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے رشک

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو قسموں کے خوش نصیبوں کا رشک کرنا چاہیے ایک تو وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہے اور وہ اس کو رات اور دن کے اوقات میں پڑھتا ہے۔ اب رشک کرنے والا یوں کہے کہ اگر مجھے بھی یہ نعمت عطا کی جاتی تو میں بھی ایسا کرتا اور دوسرا وہ شخص کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت عطا فرمایا ہے اور وہ اسے نہایت موزوں اور مناسب مقامات پر خرچ کرتا ہے اور اب اگر رشک کرنے والا یہ کہے کہ مجھے بھی یہ مال و دولت دیا جاتا تو میں بھی یہی کرتا اس میں کوئی قباحت نہیں۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

جنت اور دوزخ مقدر ہو چکی ہے

حضرت علیؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایک جنازے میں شامل تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک شخص کا ٹھکانہ پہلے ہی لکھ دیا گیا ہے۔ جنت یا پھر دوزخ' لوگوں نے عرض کی کہ کیا ہم تقدیر کے لکھے پر بھروسہ کرلیں۔ جس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عمل کیے جاؤ' بات یہ ہے کہ ہر شخص کو وہی آسان معلوم ہوگا کہ جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے سورہ والیل کی آیت مبارکہ فاما من اعطی واتقی تک آیت تلاوت فرمائی۔ (بخاری شریف و جملہ کتب احادیث)

Marfat.com

بت اور تصویر بنانے والوں کا برا انجام

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ (بت) اور تصویریں بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جن کو تم نے بنایا تھا ان میں جان بھی ڈالو۔ (بخاری شریف وجملہ کتب احادیث)

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ جملے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں باپ دادا کی قسم کھانے سے منع فرمادیا ہے جسے بھی قسم کھانا ہو وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔ (بخاری شریف وجملہ کتب احادیث)

حرام آمدن پر لعنت

ابومسعود انصاریؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے تین قسم کی کمائی سے منع فرمایا۔ کتے کی قیمت، نجومی (پیش گوئیاں کرنے والے) کی نذر سے اور فاحشہ کی آمدن سے۔ ایک اور روایت میں رسول اللہ ﷺ نے سود خور اور سود دینے والے پر اور تصویریں بنانے والے پر لعنت فرمائی۔ (بخاری شریف وجملہ کتب احادیث)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بیواؤں اور محتاجوں کی پرورش کیلئے کوشش کرے اس کا اتنا ثواب ہے جیسے کوئی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کر رہا ہے۔ رات بھر نماز میں کھڑا اور دن کو روزے رکھ رہا ہے۔ (بخاری شریف وجملہ کتب احادیث)

اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے ہی زندہ ہیں

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ کی سی ہے اور جو اس کے ذکر سے محروم ہے اس کی مثال مردے کی سی ہے۔ (بخاری شریف وجملہ کتب احادیث)

ساٹھ برس کی عمر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمام حجت ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس

Marfat.com

آدمی کیلئے عذر کا کوئی موقع باقی نہیں رکھا جسے ساٹھ برس تک دنیا میں مہلت عطا فرمائی۔ (بخاری شریف وجملہ کتب احادیث)

لا الہ الا اللہ کہنے والا

بنی سالم کے محمود عتبان بن مالک سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن رحمت کو بنایا اس کے سو حصے کئے اور ننانوے حصے اپنے پاس رکھ لئے۔ ایک حصہ تمام مخلوقات کو عطا فرمایا۔ اگر کافر کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا پورا حال معلوم ہو جائے تو باوجود کفر کے بہشت سے ناامید نہ ہو اور اگر مومن کو جہنم کا حال معلوم ہو تو وہ دوزخ سے کبھی نڈر نہ ہو۔

(بخاری شریف وجملہ کتب احادیث)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رونے والوں کا بلند درجہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس آدمی کو اپنے سایہ میں رکھے گا جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرے تو اس کے آنسو بہہ نکلیں۔ (بخاری شریف وجملہ کتب احادیث)

علمائے طبیہ (سائنسدانوں کے اعترافات)
اور توحیدی شہ پارے (مختلف کتابوں اور مضامین سے انتخاب)

یہ کائنات

کائنات کو دیکھ کر دل میں یہ خیال بہت تیزی سے ابھرتا ہے کہ یہ کائنات کسی عظیم ترین عالم و خالق کے بغیر کبھی معرض وجود میں نہیں آسکتی۔ اس کا نظام اتنا جامع اور مکمل ہے اس میں کسی بھی قسم کا کوئی نقص موجود نہیں۔

چلتے پانی اور ہوا کے پرلطف جھونکے

چلتے پانیوں اور ہوا کے سرد اور پرلطف تھپیڑوں کو محسوس کر کے کوئی کم ظرف ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ کائنات کسی ذاتی عمل ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ کوئی ارتقا بھی پانیوں کو ایک سمت روانی اور ہوا کو فرحت بخش بنانے پر قادر نہیں۔ یہ دنیا کسی صرف ایک طاقتور اور عظیم ترین حکمران کی تخلیق ہے۔ (مصنف کے مضمون سے اقتباس)

Marfat.com

خود پر نظر

✓ جب میں خود پر نظر دوڑاتا ہوں تو اپنے وجود کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر یہ کائنات کسی ارتقاء کا نتیجہ تھی تو صدیوں سے میری اور دیگر انسانوں کی ہیئت ایک جیسی کیوں ہے۔ (مصنف کا ایک پیراگراف)

اللہ تعالیٰ کی ذات واحد کا ادراک کرنے والے

اللہ تعالیٰ کی ذات واحد کا صرف وہی انکار کرتا ہے جو ان کلیوں کی مسکان' جھرنوں کے نغموں' بادلوں کے رقص اور سمندروں کی بے نیاز موجوں کی ہم آہنگی کا ادراک نہیں کر سکتا اور جن کے دل و دماغ ہر قسم کی دانش و فہم سے خالی ہوتے ہیں۔ اور جن کے اندر بصیرت نام کا کوئی عنصر نہیں ہوتا۔ (مصنف کا ایک شہ پارہ)

میری تخلیق

میری تخلیق کا مضبوط نظام ہی میرے لئے اللہ تعالیٰ کی واضح دلیل بن گیا ہے۔

سچی دانش

سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایک مضبوط تخلیق ہی سچی دانش اور ٹھوس زندگی کی دلیل ہے اور دنیا میں انسان اور دیگر مخلوقات کی آمد سے یہ راز بخوبی کھل جاتا ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوقات دوبارہ زندہ ہوں گی۔ ورنہ دنیا کی زندگی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ (مصنف)

گلاب کا کھلنا

ہاں ہاں کیوں نہیں۔ گلاب کو کھلتے ہوئے دیکھ کر مجھ پر ایسا رعب طاری ہوا گویا یہ پھول میرے مقابل کسی طرح کم تر نہیں۔ یا پھر میں اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا اور کائنات کا ذرہ ذرہ تخلیق کے جس اعجاز کا مظہر ہے کون کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی تخلیقی سلسلے کی لڑی ہے۔ (مصنف)

خالق واحد کے سامنے سربسجود ہونا

انسان کی اصل کامیابی یہ ہے کہ وہ اپنے واحد تخلیق کار کی تلاش میں نکل پڑے اور پھر برسوں کی ریاضت سے اس کی رضا حاصل کر کے اس کی عظمت کے سامنے سربسجود ہو جائے۔
(مصنف کے مضمون سے اقتباس)

Marfat.com

اچانک انکشاف

انسانی دماغ جب بلندیوں کو چھونے لگتا ہے تو اس پر اچانک یہ انکشاف ہوتا ہے کہ یہ کائنات خود بخود معرض وجود میں نہیں آئی اور نہ درخت کے پتوں کو کسی ارتقاء نے جامع نظام زندگی کا حصہ بنایا ہے بلکہ یہ کارخانہ حیات کسی سمیع وبصیر خالق کے ذوق تخلیق کا آئینہ دار ہے۔ (ایک دانشور)

زندگی کے اسلوب

ایک مظلوم کی آہ اور ٹوٹے ہوئے دل کی تسکین کا سامان کہاں سے ہوتا ہے۔ محض ارتقاء ایک بے جان اور اندھا عمل ہے اور ارتقائی کیفیات ان صفات کی حامل نہیں ہوتیں جو انسان اور دیگر مخلوقات کی درد میں ڈوبی ہوئی آواز کا جواب دے سکیں۔ ایک جاہل، کم عقل آدمی ہی کائنات کے خود بخود عمل تخلیق کا قائل ہوسکتا ہے ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ زندگی کے تمام اسلوب کسی ایک زبردست مصور کا عمل ہیں اور اس کے زبردست نظام کے ماتحت ہیں۔ (ایک دانشور)

ڈارون کی نظریاتی حماقت

مجھے ڈارون کے اس نظریے سے اس کی حماقتوں کا پتہ چلا۔ اس کے نظریات کے سبب اس کے مخبوط الحواس ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں تھا۔ یقیناً وہ اپنے نظریات کو کاغذ کے چند گھسے پٹے لوتھڑوں سے باہر ثابت کرنے میں قطعی طور پر ناکام رہا تھا۔ میں تو اسے بتانا چاہتا تھا کہ زندگی کے اسلوب میں تبدیلیوں کا مقصد محض کائنات عمل ارتقاء نہیں ہے اور یہ کہ یہ تبدیلیاں ہی کسی عظیم خالق کا پتہ دیتی ہے کہ جس نے زندگی کے تمام دھاروں کو ایک دوسرے سے مماثل کردیا ہے۔ (ایک دانشور)

ماضی، حال اور مستقبل

سفر کے دوران جب ریل گاڑی آگے بھاگ رہی تھی اور زمین پیچھے سرک رہی تھی تو مجھے وقت اور اس کے ماضی، حال اور مستقبل کا بخوبی ادراک ہوا اور یہ ظاہر ہوا کہ خود بخود ارتقاء پذیر زندگی میں ماضی اور مستقبل کا وجود نہیں ہونا چاہئے اور اگر ماضی، مستقبل اور حال موجود ہیں تو اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا کہ اس سفر کی جس طرح ایک منزل ہے اسی طرح تمام کارخانہ حیات کے سفر زندگی کی بھی ایک منزل ہے اور وہاں پر وقت کے ہیولے ماند پڑے جاتے ہیں اور وہی ابتدائے زندگی و منتہائے زندگی ہے اور اس کا نام اللہ تعالیٰ ہے۔ (مصنف ایک تراشا)

Marfat.com

تخلیقی زاویئے

وہی حیاتیاتی مادے لیکن صورتیں اور عادات مختلف اور سب کا ایٹم ایک۔ جسم یکسر مختلف، محض خودکار طریقے سے کس طرح تشکیل پا سکتے ہیں۔ یہ خیال احمقانہ ہے کہ کائنات کا اتنا بڑا نظام خود بخود معرض وجود میں آ گیا ہے۔ حیرت ہے کہ کافی پینے کا کپ، یا بیٹھنے کی کرسی جیسی حقیر اشیاء تو خود بخود نہیں بن سکتیں مگر کائنات کا اتنا ٹھوس، بے کراں اور بے نقص نظام خود بخود کیسے قائم ہو گیا۔ (ایک دانشور)

درخت کا پتہ

درخت کے ایک پتے کو دیکھ کر میرے اندر الوہیت کی عظمت کا احساس طاری ہو گیا جب میرے سانس اور لمس کو محسوس کر کے وہ بند ہو گیا۔ جب کہ ہوا کے لمس اور سورج کی تمازت میں وہ زندگی کی بھرپور انگڑائیاں لیتا ہے اور ہوا اسے چھیڑتے ہوئے اور دھوپ لطف طبع کرتے ہوئے اس کے پاس سے گزرتی ہے پھر انسانی لمس سے اتنا حجاب کس لئے؟ کس طاقت نے اسے یہ حجابانہ انداز سکھا دیئے۔ یقیناً وہ ایک ہی طاقت ہے اور وہ خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ (مصنف)

شاہین، گدھ، بلبل اور کونج کی فطرت

شاہین کو جھپٹنے، گدھ کو مردار پر آنے، بلبل کو پھولوں پر گریہ زاری کرنے اور کونج کو درد بھری آوازیں اور عادات بالکل مختلف کسی بہت بڑے تخلیق کار اور زبردست منتظم کا کمال صناعی ہے۔ یہ کائنات اپنے خالق کی حفاظت اور اس کے انتظام کے بغیر ایک لمحہ قائم نہیں رہ سکتی۔

(مصنف کا ایک پیراگراف)

درد، سوز اور آنسو

لفظوں میں درد، آواز میں سوز، آنکھوں میں آنسوؤں کے تار کس کی عطا ہیں؟ ان کے پیچھے ان گنت زندگی کے فسانے جہاں ایک طرف تخلیق کی بے انتہا باریکیوں کے امین ہیں وہاں وہ حوادث زندگی کے عملی مظاہروں کی لامتناہی داستانیں سمیٹے ہوئے ہیں۔ یہ سب دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ زندگی کا نظام کسی بہت بڑے تخلیق کار اور عظیم ترین مصور کے بغیر جاری و ساری ہے۔ (مصنف)

ایک اور لافانی جہان

یہ دنیا کسی اور دنیا کا دیباچہ ہے اور اس دنیا کا مفہوم ایک واشگاف حقیقت کا اعلان کرتی ہوئی نظر آتی ہے کہ اس کارخانہ حیات کے خاتمے پر ایک ایسا نیا جہان ابھرے گا جو کبھی ختم نہ ہو گا اور انسان

Marfat.com

ایک ایسی لافانی زندگی کا لبادہ اوڑھ لے گا کہ جسے فنا کا کوئی ہاتھ ختم نہ کر سکے گا۔ یہی نظریہ ایک مطلق العنان حکمران کی لافانی طاقتوں اور اوراس کی لافانی صفات کا اثبات کرنے پر مجبور کرتا ہے اور آئندہ ابھرنے والے جہان کی وسعت کا اندازہ لگایا ہی نہیں جا سکتا۔ (مصنف کا ایک پیراگراف)

چیونٹی سے لے کر انسان تک بصیرت اور سماعت

جس خالق نے گوشت پوست میں ہی دیکھنے کے مقامات پیدا فرما دیئے ہیں اور جس نے چیونٹی سے لے کر انسان تک کو دیکھنے اور سننے کی طاقت عطا کی ہے کون یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ خود دیکھ اور سن نہیں سکتا۔ (مصنف کا ایک پیراگراف)

فنا کیوں

زندگی بخشنے والے اور زندگی لینے والے پر فنا کس طرح طاری ہو سکتا ہے۔ (مصنف کا ایک تراشا)

صحرا میں زندگی کے نغمے

صحرا کے ذروں کو دیکھ کر بھی ایک لمحے کیلئے یہ گمان نہیں گزرتا کہ ریت کے یہ لق و دق میدان و ٹیلے زندگی سے محروم ہیں بلکہ ان میں زندگی کے ظہور سے انسان پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور یہ زندگی عطا کرنے والا کون ہے ظاہر ہے کہ کسی زندہ جاوید تخلیق کار کے حسنِ انتظام کے بغیر یہ زندگی پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لئے یہ سوچے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ ذرہ ذرہ کسی زبردست بادشاہ اور تخلیق کار کے زیر انتظام ہے۔ (مصنف کا ایک تراشا)

نیک اور برے آدمی کی شخصیات میں فرق

کبھی کبھی میں یہ سوچنے لگتا ہوں کہ ایک برے آدمی کا چہرہ کیسے بگڑ جاتا ہے اور ایک نیک آدمی میں کشش اور نورانیت کیسے پیدا ہو جاتی ہے اگر تو یہ کائنات بے جان ارتقاء کا ہی نتیجہ ہوتی تو ایسے نتائج کا پیدا ہونا ناممکن نہ ہوتا۔ کیونکہ خود بخود حرکت پذیر خلیے احساسات کی اتنی بلندیوں سے ناآشنا ہوتے اور خود بخود ارتقاء پذیر ہونے والی دنیا میں ظالم اور لٹیرا ہی کامیاب ٹھہرتا۔ کیونکہ اگر انسان کسی کے سامنے زندگی کے ایام کا جواب دہ نہ ہو تو مظلوم اور غریب و بے بس کی کانٹوں بھری زندگی کا کیا فائدہ؟ اور اس صورت میں ظالم لٹیرے اور درندہ صفت انسان کو ہی کامیاب کہا جائے گا۔ اگر ایسا ہو تو پھر اس کارخانہ حیات کے سوائے فضول عمل کے اور کیا معنی ہوں گے؟ حالانکہ کائنات کے شب و روز دلیل ہیں کہ انسان کہیں پر جواب دہ ضرور ہے اور وہی طاقت برے آدمی کا چہرہ بگاڑ دیتی ہے اور نیک آدمی پر اپنی رحمت و انعام نازل کرتی ہے اور کائنات کا سب نظام اس کا تخلیق کردہ ہے۔ چہروں کا مسخ

Marfat.com

ہونا دلیل ہے کہ ایسے لوگوں کی کہیں پر پکڑ ضرور ہے اور وہ حساب کرنے والا واحد تخلیق کار اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہوسکتا ہے۔ (مصنف کا ایک شہ پارہ)

بلند ترین برف پوش چوٹیاں

پہاڑوں کی بلند ترین چوٹیوں کو دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا۔ سفید برف پوش چوٹیاں کسی چاندی کے برتن کی طرح چمک رہی تھیں اور ایک بار پھر میں نے بادلوں میں ڈھکی برف پوش چوٹیوں کو دیکھا یہ نظارا میرے لئے اتنا حیرت انگیز تھا کہ اگر مجھ سے نقاہت' تھکن اور حوائج ضرور یہ سلب کر لئے جائیں تو میں صدیوں اور قرنوں اسی نظارے میں محو ہو جاؤں اور اس کے خالق کی عظمت مجھے ہمیشہ کیلئے حیرت زدہ رہنے پر مجبور کردے۔ (مصنف کے مضمون سے اقتباس)

سانپ' بندر اور پرندے کے بچے

دفعتاً ایک سانپ درخت پر چڑھا اور پھر ایک حیرت انگیز منظر نظروں نے دیکھا۔ درخت کی شاخوں پر بیٹھے چھوٹے بندروں نے درخت کے تنے میں موجود گھونسلے سے ایک پرندے کے دو بچے نکال کر ایک اور شاخ پر پھینک دیئے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک سانپ مایوس ہو کر درخت سے اتر نہیں گیا اور جونہی سانپ اُترا دونوں بچوں کو پھر سے گھونسلے میں پہنچا دیا گیا۔ کسی اور مخلوق کے ذریعے ایسے معصوم بچوں کی حفاظت کسی بہت بڑے محافظ اور منتظم کے بغیر کون کر سکتا ہے۔ (ایک دانشور)

ڈارون کے پرستار کی جھنجھلاہٹ

میں اس کی باتیں سن کر سٹپٹا گیا اور مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ میں کسی بہت بڑے احمق سے مخاطب ہوں۔ پھر میں نے باآواز بلند اسے چیلنج کرتے ہوئے کہا کہ انسان کبھی بندر نہیں تھا اور اسی کا ثبوت یہ ہے کہ ماضی کی تمام تصاویر اور تمام دستاویزات کسی بھی خاکے میں انسان کو تبدیل شدہ صورت میں دکھانے سے قاصر ہیں۔ حتیٰ کہ ہندومت میں بھی جس ہنومان کی دم دکھائی دیتی ہے وہ فرضی ہے۔ حالانکہ رام چندر بھی تھے جو انسان تھے اور جن کی دم وغیرہ نہ تھی تو گویا انسان بہت پہلے سے موجود تھا اور پھر ارتقاء کا دوسرا قانون یہ ہے کہ وہ مسلسل تغیر پذیر رہتا ہے اور یہ کیسا تغیر ہے کہ ارتقاء انسان کو کوئی اور صورت دینے سے قاصر ہے۔ اور آم' سیب' کھجور اور ناریل حتیٰ کہ ان مصنوعی اور خودرو جڑی بوٹیوں کو بھی تبدیل نہیں کر پایا جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہزاروں سال سے جن جڑی بوٹیوں کے یونانی حکماء نے حوالے دیئے وہ آج بھی ہزاروں برس بعد اسی طرح موجود ہیں۔ تو گویا ارتقاء کے وہ معنی غلط ہیں جو ڈارون اور

ان کے حواریوں نے دیئے۔ بلکہ ارتقاء کے معنی میں معاشی اور تمدنی ترقی کے مفہوم آتے ہیں میرے مخاطب کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں اور اس کے سامنے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ کائنات کے ایک وحدہ لاشریک خالق پر بھرپور یقین کرے۔ (ایک دانشور)

میرے شب و روز

ان ایام میں ایک خاص ربط اور روز و شب کے تغیرات میں ایک ایک لمحہ مجھے یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ ہم کون ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں اور ہماری منزل کیا ہے۔ ہم سب لوگ آخر کس طرح جا رہے ہیں اور چلے جانے کے گو اسباب مختلف ہیں لیکن ایک جیسا انداز مجھے یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ کوئی ایسا طاقتور اور زبردست حکمران منتظر ہے کہ جس کے سامنے حاضری ہی آخری مقام ہے اور ان پوشیدہ حقائق کا پردہ اٹھانا کم از کم بنی نوع انسان کے بس کی بات نہیں۔ (ایک دانشور)

پرندے، پانی کی زندگی اور میرا اپنا وجود

کسی جھیل کے کنارے بیٹھا تھا اور میرے سامنے سفید سفید پرندوں کے غول کے غول تھے اور ان پرندوں میں بھاری بھرکم بھی تھے اور کم وزن بھی۔ جھیل میں قوی الجثہ مگرمچھ کبھی کبھی سطح آب پر ابھر کر ماحول کو خوفناک بنا رہے تھے اور ان کو دیکھ کر ہزاروں پرندے اڑتے تھے اور پھر یہ دیکھ کر خطرہ ٹل گیا ہے دوبارہ پانی پر آ کر بیٹھ جاتے تھے اور یہی وہ لمحہ تھا جب میرے ذہن نے پلٹا کھایا اور میں سوچنے لگا کہ ان ٹھوس وجود رکھنے والے پرندوں کو کس نے اتنی طاقت بخشی ہے کہ یہ پانی پر خشکی کی طرح آرام سے بیٹھ جاتے ہیں اور ڈوبتے نہیں۔ مچھلیوں اور بھاری بھرکم مگرمچھ کو پانی کے اندر اور سطح آب پر ابھرنے کی طاقت بخشی اور کس طاقت نے مجھے پانی میں زندہ رہنے سے اور یوں بے دھڑک بغیر کسی سبب کے بیٹھنے سے روک دیا ہے یہی سوچ مجھے ایک عظیم تخلیق کار کی طرف مائل کر گئی کہ جس تک رسائی کیلئے عقل نشانیاں تو دکھلا سکتی ہے مگر اس تک پہنچا دینا عقل کا کام نہیں۔ اس کیلئے تو صرف اور صرف اس تخلیق کار کی رضامندی ہی ضروری ہے۔ (مصنف)

خواب کی دنیا

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا گویا میں جنگل میں بھاگا چلا جا رہا ہوں یہ ایسی جگہ تھی جہاں میں نے کبھی قدم نہیں رکھا تھا ایسی دہشت مجھ پر طاری تھی کہ بیان سے باہر۔ میرے اوسان خطا ہو رہے تھے کہ اچانک کسی آواز سے میں اٹھ بیٹھا اور پھر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ میں اپنے کمرے کے آرام دہ بیڈ میں موجود تھا اور محفوظ تھا۔ میرے ذہن میں خواب کا اثر اس طرح گھوم رہا تھا کہ جیسے ابھی اس دہشت

Marfat.com

زدہ ماحول سے نکلا ہوں میں جو کمرے میں بند اور لحاف میں لپٹا ہوا تھا کس طرف ایک گھنے اور دہشت ناک جنگل میں پہنچا جو میرے ملک میں بھی موجود نہ تھا اور پھر بظاہر آرام سے لیٹا ہوا اتنے برے طریقے سے بھاگ رہا تھا اور اتنا خوفزدہ تھا مگر کسی کو احساس نہ تھا۔ میں سوچنے پر مجبور تھا کہ جب میرا مادی جسم یہاں موجود تھا تو میں کس جسم کے ساتھ وہاں دوڑ رہا تھا اور یہی الجھاؤ مجھے اس نتیجہ پر لے گیا۔ کائنات کے اسرار کو سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں بلکہ جس طرح میں خواب میں زندہ سلامت تمام محسوسات کے ساتھ کہیں دوڑ رہا تھا انہیں محسوسات کے ساتھ کسی اور جہاں میں کسی اور منزل پر بھی انسان پہنچ جاتے ہیں اور یہ کیفیت اس بات کا ثبوت ہے کہ کائنات ذروں کی اتفاقیہ آمیزش کا نتیجہ نہیں اور انسانی زندگی کسی بہت بڑے اور انتہائی طاقتور حکمران کے زیر اثر ہے جو ان علامتوں کے ذریعے اپنی طرف کی منزلوں کی خبر دیتا ہے۔ (ایک دانشور)

ہوا کے دوش پر

سینکڑوں میل دور جب ٹی وی کی سکرین پر میں نے متحرک تصور کو دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا۔ ہوا کے دوش کے ذریعے الفاظ اور تصویر کو صحیح سلامت اور منظم طریقے پر جاتے دیکھ کر اب میرے لئے یہ سمجھنے میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ ہوا کس طرح تصویر اور الفاظ کو محفوظ کر لیتی ہے اور پھر انسان کی بنائی ہوئی ایک پیچیدہ مشین اس کو بالکل اسی طرح سینکڑوں میل دور جب ہوا سے حسب طلب اپنے وجود میں سمیٹ کر دوسروں کے سامنے پیش کر دیتی ہے تو میں حیرت میں گم ہو گیا۔ یہ ہوا جو کلیوں کو پھولوں میں تبدیل کرتی ہے اور جانداروں کو زندہ رکھتی ہے اس طرح سے باتصویر پیغام رسانی کا بھی ذریعہ ہو سکتی ہے اور یہ ہوا جو مادی اسباب کے ساتھ اتنی کارمد ہے۔ حقیقی اسباب کے ساتھ اپنے خالق کے سامنے کیا کچھ پیش نہیں کر سکتی گویا انسان سمیت کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے خالق کے سامنے بالکل عیاں ہے اور اتنے سارے جامع نظام کو دیکھ کر میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ کائنات تخلیق اور تدبیر کا عمدہ ترین نمونہ ہے اور اتنا پر حکمت مجموعہ کسی زبردست اور نہایت باتدبیر خالق اور مالک کی تخلیق کا جامع اظہار ہے۔

گداز میں ڈوبی ہوئی آواز کا جواب

گداز میں ڈوبی ہوئی ہر آواز کا جواب فوری طور پر ملتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو کائنات کو لوگ مردہ سمجھنا شروع کر دیں۔ دعا اور اس کی قبولیت ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ قبولیت دعا کا ایک ایسا پہلو ہے جیسے نتیجہ سبب کا۔ (دی ماسٹر اینڈ دی پاتھ' لیڈ بیٹر)

بدکار کی موت

موت کے بعد روح اپنے عالم میں چلی جاتی ہے۔ اگر مرنے والا بدکار ہو تو وہ زمین کے

Marfat.com

پاس بھٹکتا رہتا ہے وہ اپنی وراثت دوسروں کے پاس دیکھ کر جلتا ہے کڑھتا ہے۔ ذہنی اذیت کے اس بھیانک عذاب کے بعد اسے صدیوں بعد طبقہ بالا میں جانے کی اجازت دی جاتی ہے۔

(لیڈ بیٹر (INVISIBLE' HELRERS)

نیک راستے

نیک راستوں پر چلنے کے بعد ہم ایک ایسے افق پر جا پہنچتے ہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم ہوتا ہے اور کتنے عظیم ہیں وہ راز کہ جن کے بارے میں ہم اللہ تعالیٰ رب العزت سے رابطہ کرنے کے بعد آگاہ ہو پاتے ہیں۔

(ڈاکٹر الیگزینڈر کاٹن (INVISIBLE' HELRERS)

اللہ تعالیٰ کی ذات میں محو ہونا

جو بھی خوش نصیب اللہ تعالیٰ کی ذات میں مشغول ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے خوش نصیب کو ایک ایسا رابطہ عطا ہوتا ہے کہ جو ایک غیب بین کو نوری خط کی صورت میں نظر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی لہریں بھیجی جاتی ہیں جو رابطہ کرنے والے کے پاس آ کر خوشی میں بدل جاتی ہیں۔ (ڈاکٹر کاٹن (INVISIBLE' HELRERS)

رب جلیل تک رسائی

جو شخص رب جلیل تک پہنچنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ بے غرض ہو کر انسانوں کی خدمت کرے اور پروردگار کا فیض انسانوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنے۔ جس کردار کی بنیاد نیکی وتقویٰ پر ہو تو پھر وہ فیض وکرم کا ایک چشمہ بن جاتا ہے اور اس کردار کا مالک زندگی کے صحراؤں میں ابدی عالم میں غیر فانی اثرات چھوڑتا ہے۔ (نامعلوم)

ایک نیک آدمی

اس روشن حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو کچھ ایسی طاقتیں عطا فرمائی ہیں جو اس کی ایڑی اور خاکی دونوں کیفیتوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ عام لوگ ان طاقتوں کو ذاتی مفادات کیلئے استعمال کرتے ہیں اور خود غرض کہلاتے ہیں اور بے غرض انسان اپنی باطنی طاقتوں کے خزانے مخلوق خدا کی خدمت کیلئے لٹاتا ہے اور ہر انسان اس فیض میں ایک ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے تو ان طاقتوں کی تقسیم کا انتظام اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ (لیڈ بیٹر دی ماسٹرز اینڈ دی پاتھ)

دانش اعلیٰ

ہم اللہ تعالیٰ کی طاقتوں کے ساتھ وہ تعلق اور رابطہ پیدا کر سکتے ہیں کہ جو ہمارے لئے ہدایت' نور اور طاقتوں کا سرچشمہ بن جائے۔ اس دانش اعلیٰ سے متاثر ہونے کے بعد ہم زندہ اور قائم زمانے والے پروردگار کی صفات کے مظہر بن جاتے ہیں۔ (ڈاکٹر ٹرائن)

اصل کائنات

اصل کائنات یہ مادی نہیں بلکہ ایک اور جہان میں پنہاں ہے اور اس میں مادہ محض ایک اضافی حیثیت رکھتا ہے۔ اصل کائنات ایثر میں آباد ہے اور جو زندگی سے لبریز ہے۔ (آرتھر فنڈلے)

اللہ تعالیٰ کی تدبیر

اللہ تعالیٰ' تخلیق تدبیر اور حکومت کا نظام اپنے مقرر کردہ ضوابط کے مطابق چلا رہا ہے ہر ایک پھول جو باغ میں کھلتا ہے اور برف کا گالا جو فضا میں اچھل رہا ہوتا ہے انہیں قوانین کا مظہر ہے اور اس کائنات میں تمام قوانین وضوابط کا مقرر فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور کائنات میں صرف اللہ تعالیٰ ہی اللہ تعالیٰ ہے۔ ہر چیز کا منبع ومنزل وہی ہے اور اس کی ذات سے باہر تو کچھ بھی نہیں اور جب ہم اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ضوابط میں ڈھال لیتے ہیں تو ہماری ہستی کے در و دیوار اللہ تعالیٰ کے نور سے جگمگا اٹھتے ہیں۔ (آر ڈبلیو ٹرائن)

اللہ تعالیٰ' روح کی خلوتوں میں

اللہ تعالیٰ روح کی خلوتوں میں بس جائے تو تمام بیرونی کائنات تعاون پر مجبور ہو جاتی ہے۔ (آر ڈبلیو ٹوائن)

اللہ تعالیٰ کے ذکر میں سکون

اللہ تعالیٰ بے کراں سکون کا منبع ہے۔ جب ہم اس سے رابطہ قائم کر لیتے ہیں تو ہم پر سکون برسنے لگتا ہے۔ کیونکہ سکون و ہم آہنگی ایک ہی حقیقت ہیں۔ کروڑوں انسان مصیبتوں میں گرفتار ہیں ان کے دل و دماغ اور جسم بےچین ہیں۔ وہ طویل وعریض سفر کرتے ہیں۔ محل بناتے ہیں' کاریں خریدتے ہیں۔ دولت کے انبار لگانے کے باوجود بےچین رہتے ہیں۔ کاش وہ یہ جان سکتے کہ سکون باہر سے نہیں آتا بلکہ دل ہی میں جنم لیتا ہے۔ اگر ہم روح کی پکار سن کر اپنی زندگی اس کے مطابق ڈھال لیں تو ہمارا دل جنت کی خوشیوں سے کھل اٹھے۔ اگر ہم عدل وصداقت کو کہ جس کے پل پر یہ کائنات استوار ہے اپنا لیں تو ایسا مکمل اطمینان حاصل کر لیں گے جسے کوئی پریشانی اور فکر ختم نہیں کر سکے گی۔ (آر ڈبلیو ٹرائن)

Marfat.com

کائنات کی تخلیق

کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ کائنات میں نظم وتوازن برقی ذرات کی اتفاقی آمیزش کا نتیجہ ہے کیا کوئی چشمہ اپنے منبع سے اونچا جا سکتا ہے۔ (ولیم میکبر ائڈ)

اللہ تعالیٰ کی حکومت

کائنات پر ایک دماغ حکومت کر رہا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ہماری زندگیوں کو بامقصد بناتی ہے زندگی کے نظام میں جان ڈالتی' امیدوں کو قائم کرتی اور جہاں علم ناکام ہو جائے وہاں ہمارے ایمان کو مستحکم کرتی ہے۔ (آئن سٹائن)

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا

میرا تجربہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا تمام خطرات سے محفوظ گزرتا ہے اور عین ضرورت کے وقت اچانک غیب سے کوئی اس کا معاون بن جاتا ہے۔ جس طرف جانا خطرناک ہو ادھر خودبخود رکاوٹیں کھڑی ہو جاتی ہیں اور جس طرف جانا مفید ہو اس کی رکاوٹیں ازخود ہٹ جاتی ہیں اور عین وقت پر کوئی کام کرنے کی ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے آدمی کو یقین ہوتا ہے کہ وقت آنے پر کام خودبخود ہو جائے گا۔ (ولیم جیمز)

بہت بڑا مصور

آغاز سے اَب تک جتنے انسان پیدا ہوئے ہیں سب کے چہرے الگ الگ تھے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر سب کے چہرے ایک جیسے ہوتے تو شناخت مشکل ہو جاتی اور چہروں کا یہ اختلاف بہت بڑی حکمت کا حامل ہے اور اس کا انتظام کوئی ایسی ہستی کر رہی ہے کہ جس کی دانش لامحدود ہے۔ (ڈرہم)

سب کا مبداء ومنتہا

اے رب! جو تجھے پسند ہے وہ مجھے بھی پسند ہے۔ تیرے ہر عمل میں مجھے بہتری نظر آتی ہے تو جس چیز کیلئے جو وقت مقرر کرے وہ بالکل درست ہے۔ تمام اشیاء کا وجود تجھی سے ہے تو ہی سب کا مبداء ومنتہا ہے۔ (مارکس ایلیس)

فلسفہ وادراک سے باہر

مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے اردگرد ایک روحانی عالم بھی ہے۔ جس طرح نفس میں ایک نچلی سطح ہوتی ہے اسی طرح ایک بلند تر سطح ہے جو فلسفہ وخرد کے ادراک سے باہر ہے اور اسے روحانی عالم کہنا زیادہ مناسب رہے گا اور ہماری روح کا سرچشمہ یہی عالم ہے۔ (فرانس تھامپسن)

ایک اور جہان

میں یوں محسوس کرتا ہوں کہ اس دنیا سے پرے بھی ایک دنیا ہے جس کی سرحدیں اس مادی دنیا سے ملی ہوئی ہیں۔ ہماری زندگی اسی سے متاثر ہے اور یہ تاثر ہمارے اعمال وافکار میں عظیم انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ مذاہب اس سرچشمہ قوت کو الٰہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہستی ہے جو ہمارے اعمال پر اثر انداز ہوتی ہے۔ (ولیم جیمز)

اللہ تعالیٰ کے احکام کی طاقت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ آجاؤ۔

- ☆ اور کائنات فوراً سامنے آ گئی۔
- ☆ یہ آسمان اللہ تعالیٰ کے ایک لفظ سے تعمیر ہوئے تھے۔
- ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اجالا ہو جائے۔ اور اجالا ہو گیا۔ (بائبل)

اللہ تعالیٰ کی پناہ میں

اللہ تعالیٰ کے دائرے میں آتے ہی انسانی ہستی میں بے پناہ وسعت و پہنائی آ جاتی ہے۔ (پروفیسر ایمرسن)

انسان واقعی کمزور ہے۔

اگر مجھے انسانی کاموں کی وجہ سے کمزور کہنے کا کہا جاتا تو شاید مجھے اس میں تامل ہوتا کیونکہ اس خاک کے پتلے نے تمام تر کمزوریوں کے باوجود اس کرہ ارض کو ہر طرف سے اپنے حصار میں لے رکھا ہے اور اب تو یہ آسمان کی پنہائیوں کی طرف جانے کا سوچ رہا ہے مگر جب ہم میں سے ہی انسان اس کائنات فطرت کے مضبوط ترین نظام اور نہایت جامع اور ٹھوس حقائق کو دیکھ کر بھی کسی خالق کے اعتراف سے کنارا کشی اختیار کرتے ہیں تو پھر یہ کہنے میں کوئی مشکل در پیش نہیں آتی کہ انسان واقعی کمزور ہے کہ اس کی سوچ کا دائرہ ابھی تک بلاغت کی حدیں نہیں چھو سکا۔ (ایک مغربی دانشور)

نورانی دائرے

انسان جب پاکیزگی اختیار کر لیتا ہے تو اس کی حفاظت ایسے نورانی دائرے کرنے لگتے ہیں جو انسانی فہم سے بلند ہوتے ہیں اور یقیناً یہ کائنات کے عظیم ترین تخلیق کار کی طرف سے اس پاکیزگی کا انعام ہوتے ہیں۔ (نامعلوم)

Marfat.com

باب پنجم

متفرقات

اللہ تعالیٰ کی تخلیق

انسانی نفس کے قویٰ

یاد رکھو کہ یہ قویٰ مراتب کے لحاظ سے مختلف ہیں' بعض اپنی ذات کیلئے مخصوص ہیں اور بعض دوسروں کیلئے بعض خادم ہیں اور بعض مخدوم' رئیس مطلق وہ ہیں جو اپنی ذات کیلئے خاص ہیں۔ دوسری ان کیلئے مقصود ہو چکی ہیں۔ یہ آخری رتبہ ہے اور اس میں اولیاء اور انبیاء کے مختلف مراتب ہیں کیونکہ انسان ان امور کیلئے پیدا کیا گیا ہے جو اس کے فطری خصوصیات سے وابستہ ہیں۔ جو اس کے علاوہ قوتیں ہیں اور نفس سے مخصوص ہیں ان میں حیوانات بھی انسان کے ساتھ شریک ہیں' انسان کا رتبہ خلقت کے اعتبار سے حیوانیت اور تقدس کے بین بین ہے اور اس میں جملہ قوتیں اور صفات موجود ہیں۔ بحیثیت غذا حاصل کرنے اور نسل پیدا کرنے کے وہ نباتات کی مانند اور حس و حرکت کے اعتبار سے حیوان کی مانند اور صورت اور قد و قامت کے لحاظ سے وہ اس تصویر کی مانند ہے جو دیوار پر نقش ہو' یہی وہ خصوصیت ہے جس کیلئے قوت عقل و ادراک پیدا کئے گئے۔ جو شخص اپنی قوتوں کو علم و عمل کے شاہد سے ہمکنار ہونے کیلئے استعمال کرے گا وہ ملائکہ سے مشابہ ہوگا۔ جیسے قرآن میں ہے ''کہ یہ تو ایک نیک فرشتہ ہے''۔ جو شخص بدنی لذتوں کو حاصل کرنے میں اپنی تمام ہمت صرف کر دیتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے جانور جو چارہ کھاتے ہیں جب وہ حیوانوں کی سطح پر آتا ہے تو بیل کی مانند پیٹو' خنزیر کی طرح بدکار' کتے کی طرح ذلیل' اونٹ کی طرح کینہ ور' چیتے کی مانند متکبر اور لومڑی کی طرح مکار ہو جاتا ہے اور راندہ درگاہ شیطان کی طرح اس میں تمام بری عادات جمع ہو جاتی ہیں۔ غرض یہ ہے کہ جو لوگ ہماری اس مثال میں نظر کریں گے انہیں معلوم ہو جائے گا کہ عقل کے تقاضے اس سے بہت بلند و ارفع ہیں اور وہ حیران ہو کر دیکھے گا کہ کس طرح وہ اپنی فطرت کے مطابق ایک دوسری کی چاکری اور خدمت کرتی ہیں اور ان اُمور میں احکام الٰہی کی مخالفت کی انہیں مجال نہیں ہے۔ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ عقل رئیس مخدوم ہے اس کا وزیر اس کی خدمت بجا لاتا ہے اور سب چیزوں سے زیادہ اس کے قریب ہے اسے عقل عملیہ کہتے ہیں' جس کا نام ہم نے تعلق عقل کے مطابق قوت عاملہ رکھا ہے کیونکہ عقل کی عملی تدبیر بدن کیلئے ہے۔ بدن آلہ نفس ہے اور اس کا گھوڑا جس پر سوار ہو کر نفس حواس کے واسطہ سے ان ابتدائی علوم کو جن سے حقائق اشیاء حاصل ہوتے ہیں آشکار کرتا ہے۔ پھر عقل عملیہ کو دیتا ہے جس کی چاکری

Marfat.com

وہم بجالاتا ہے۔ وہم کی خادم دو قوتیں ہیں ایک قوت اس کے بعد ہے اور ایک قوت اس سے پہلے ہے۔ بعد والی قوت وہم کے ادراکات کی محافظ ہے اور پہلے والی قوت سے تمام حیوانی قوتیں مراد ہیں ان تمام میں سے ایک قوت متخیلہ یعنی مفکرہ ہے اس کے دو ماخذ (خادم) ہیں قوت رغبیہ اور شوقیہ جو اس کیلئے برانگیختہ کرنے کی خدمت بجالاتی ہے اس کے برانگیختہ کرنے کا فعل تخیل اور فکر کے ذریعہ ہوتا ہے اور وہ قوت حافظہ صور جو حس مشترک میں ہوتی ہے۔ اس کے اندر موجود صورتوں کی ترکیب و تفصیل کو قبول کرنے کی خدمت ادا کرتی ہے۔ یہ دونوں قوتیں دو گروہوں کی سردار ہیں۔ اول صورتوں کو محفوظ رکھنے والی۔ اس کی امداد کیلئے مشترک مامور ہے جو صورتوں کو اٹھا کر اس کے سامنے پیش کرتی ہے تا کہ وہ انہیں اپنے اندر جگہ دے لے۔ دوسری قوت نزاعی' اس کی خدمت کیلئے شہوت اور غضب مامور ہیں' پھر شہوت اور غضب کی خادم وہ قوت ہے جو عضلات کو محرک کرنے والی ہے۔ یہاں پر قوائے حیوانیہ ختم ہو جاتے ہیں۔ قوائے حیوانیہ کی قوتیں صرف نباتی ہیں۔ نباتی قوتیں تین ہیں۔ مولدہ' مربیہ اور غازیہ۔ ان کی افسر مولدہ ہے' اس کی لونڈی' مربیہ اور غازیہ مربیہ کی لونڈی ہے۔ پھر ان تین قوتوں کی خدمت پر چار کنیزیں مامور ہیں۔ یعنی جاذبہ' ماسکہ ہاضمہ اور دافعہ' جاذبہ کے بغیر نباتات کی زندگی محال ہے کیونکہ وہ غذا کو کھینچ کر اندر پہنچاتی ہے۔ پھر ماسکہ ہے۔ ہاضمہ اس غذا کو ہضم کرتی ہے جو ماسکہ لے چکی ہوتی ہے۔ دافعہ ان کے بعد آتی ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ فضلات کو دور کرے۔ دافعہ ایک ایسی خادمہ ہے جو سب کی نوکر ہے۔

اس کے بعد حرارت' برودت' رطوبت اور یبوست آتی ہیں جو ہاضمہ' جاذبہ' ماسکہ اور دافعہ کو امداد دیتی ہیں اور یہ جسموں میں قوتوں کے زیریں مدارج ہیں۔ قوائے مذکورہ بالا کی آسان مثال یوں ہے کہ قوت مفکرہ کا مسکن دماغ کے درمیان میں ہے جس طرح بادشاہ وسط مملکت میں ہوتا ہے اور قوت خیالیہ کا مقام مقدم دماغ ہے جیسے صاحب خبر کہ اس کے پاس تمام خبریں جمع ہوتی ہیں۔ قوت حافظہ کا مسکن موخر دماغ ہے اس کی مثال اس کے خادم کی سی ہے۔ قوت ناطقہ اس کی ترجمان ہے۔ قوت عاملہ اس کی کاتب ہے جو خمسہ حواس کی خفیہ پولیس ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ دماغ کو وقتاً فوقتاً ان کے علاقے کی خبروں سے آگاہ کرتے رہیں ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی خبریں مہیا کرتا ہے۔ بصارت عالم تو کان کی موکل ہے۔ کان آواز کا' اور اسی طرح تمام حواس اپنے اپنے دائرہ عمل کے موکل ہیں۔ یہ سب تمام خبروں کو صاحب بریدہ کی خدمت میں پہنچا دیتے ہیں۔ صاحب بریدہ' ان خبروں میں سے غیر ضروری چھانٹ کر الگ کر دیتا ہے اور باقی ماندہ صاف کر کے بادشاہ معظم دماغ کے حضور پیش کرتا ہے جو ان کو پرکھتا ہے' ان کا نفع و نقصان معلوم کرتا ہے اور انہیں اپنے خادم کے سپرد کر دیتا ہے تا کہ جب ضرورت واقع ہو تو وہ انہیں نکال کر پیش کر دے۔ پھر جس طرح وہ اعمال جس پر دماغ بذات خود اور

Marfat.com

براہِ راست حکم کرتا ہے ان اعمال سے افضل ہوتے ہیں جو دوسرے لوگوں کے استعمال میں آئیں۔ اسی طرح نفس کی تولیت میں آئے ہوئے اعمال مثلاً دیکھنا' اعتبار قیاس فراست اور نامعلوم باتوں کا جاننا ان خصائل سے اشرف ہیں۔ مثلاً اصابت رائے اور عزت پذیری قیاس وفراست اور استنباط' ان چیزوں سے افضل ہیں۔ جو نفس کے غلام استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ نفس ہی حقیقت میں قوت مفکرہ کے واسطہ سے بادشاہ ہے۔ یہ مثال اس روایت کے قریب قریب ہے جو کعب احبارؒ سے مروی ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے ارشاد فرمایا انسان دونوں آنکھیں اوڑھنا بچھونا ہیں' دونوں کان سواری ہیں' اس کی زبان اس کی ترجمان ہے' دونوں ہاتھ فوج ہیں' اس کے دونوں پاؤں ایلچی ہیں اور دل بادشاہ ہے۔ جب دل اچھا ہو تو تمام لشکر اچھا ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہی فرماتے سنا۔ حقیقت میں نفس کے عجائبات میں سے یہ چند باتیں ہیں۔ اگر اعضاء کی تشریح پر نظر کریں اور عروق' اعصاب' نسوں' ہڈیوں' شریانوں اور رگوں کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد ان اعضاء کو دیکھیں جو بطور آلہ کے نفس انسانی کیلئے طعام کو ہضم پھر اسے دور کرنے کی خاطر تیار کئے گئے ہیں اور ان آلات پر غور کریں جو نسل انسانی کی بقاء کیلئے بنائے گئے ہیں تو ان عجائبات پر مطلع ہو جائے گا جو ان کے خود بخود ایک دوسرے کی خدمت کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں۔ تشریح اجسام کے بعد جب ہم ان اجسام کے قویٰ کی تفصیل پر نظر کریں گے اور علوم طبعی کے حقائق کی معرفت کا جائزہ لیں گے تو حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہے گی پھر کس قدر افسوس ہے۔ اس شخص پر جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے اور اس کے اس فرمان سے روگردانی کرتا ہے کہ ''وفی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم'' اور اس میں یقین کرنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں اور تمہارے نفسوں میں کیا تم نہیں دیکھتے؟'' ہر ایک چیز اس امر پر شاہد عادل ہے کہ اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ واحد ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر تفصیل کے بغیر ایمان نہیں لاتا وہ عقلمندوں میں شمار ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارا روئے سخن تو اس شخص کی طرف ہے جو اجمالی رنگ میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر ہم اسے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں بحث ونظر سے کام لینے کی دعوت دیتے ہیں تاکہ اس طریقے سے اس کا ایمان اور یقین پختہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اس کی نظروں میں اور زیادہ ہو۔ پس جس چیز کا ادراک حواس خمسہ نہیں کر سکتے اس کے نشانات کے ذریعہ عقل وریاضت ضرور کر لیتی ہے۔ چنانچہ اس کی معرفت کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے نشانات میں نظر کو وسیع کیا جائے۔ طبقہ علماء میں جس قدر فقیہہ ہو گزرے ہیں سب ان امور میں اعتقاد رکھتے تھے۔ مثلاً امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ۔

اور اس اَمر میں تمام خلقت مشترک ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو کسی مصنف کی کسی تحریر کا بنظر غائر مطالعہ کرے پھر اس میں مصنف کی دانائی کی ندرت طرازیوں

سے روشناس ہو! اور پھر بھی اس کا خیال اور عقیدت صاحب مصنف سے وہی رہے جو اس کتاب کے مطالعہ سے پہلے تھی۔ بلکہ جوں جوں وہ اس مصنف کے کلام' اشعار اور طرز بیان و اسلوب نگارش کیا وصاف سے آگاہ ہوتا جائے گا توں توں اس کے دل میں اس کی عقیدت و تعظیم اور توقیر زیادہ ہوتی جائے گی۔ پس جو شخص اس بات کو پہچانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صانع عالم ہے اس شخص کی مانند ہے جسے معلوم ہے کہ الف اور دوسرے شخص میں فرق یہ ہے کہ الف صاحب دیوان اور مصنف کتاب ہے اب یہ نظریہ اس شخص کے مقابل کہاں پہنچ سکتا ہے جو اس کی تحریروں کو پڑھتا ہے اور ان میں تحریر کے عجائبات پاتا ہے وہ اس کی تصنیف کا مطالعہ کرتا ہے اور صاحب علم و فضل ہونے کے باعث کتاب کی خوبیاں اس پر ظاہر ہیں۔ تو اس شخص کے دل میں تحقیق اور بصیرت کے ذریعہ مصنف کی عظمت' قدر اور بلندی مرتبہ کا نہایت پکا اعتقاد پیدا ہو جائے گا۔ برعکس اس دوسرے شخص کے اعتقاد سے جو ان امور کے متعلق نہایت ضعیف اور بے بصیرت و بے تحقیق ہوگا۔ اور یہی فرق عوام اور اصحاب بصیرت کے درمیان ہے۔ کائنات عالم اس لحاظ سے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صنعت کے عجائبات ہیں اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے۔ یہ صحیفہ الٰہی ہے یہ اس کی تالیف ہے اس میں اس کی ایجادات کی کارفرمائیاں بھرپور ہیں۔ نفس انسان کو چاہیے کہ ہمیشہ ان کے اندر غور و فکر کرتا رہے اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اس کا اعتقاد زیادہ اور ایمان پختہ ہو جائے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انفس و آفاق اور ملکوت السموات والارض میں نظر و فکر کرنے کی بے حد ترغیب دی ہے۔

جنت ماویٰ تک پہنچنے کیلئے کون سے علم و عمل کی ضرورت ہے

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علوم کی بے شمار اقسام ہیں اعمال اور ان کی انواع بھی مختلف ہیں۔ سب تو مطلوب نہیں ہو سکتے پھر کونسی صنف اور قسم نفع بخش ہے تاکہ اس میں مشغول ہوا جائے۔ علم کی دو قسمیں ہیں۔ عملی اور نظری علوم کثیر تعداد میں ہیں۔ ہر ایک علم کا تصور یہ ہے کہ وہ اقوام کی تہذیب و تمدن کے لحاظ سے مختلف ہو۔ اسے وہ کمال تو ورثے میں نہیں ملتا جو نفوس میں باقی رہے۔ حالانکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ علم کے ذریعہ نفس اپنے کمال کو پہنچے تاکہ وہ کمال سے ابدی سعادت اور جمال حاصل کر کے خوشی حاصل کرے۔ اس بیان سے علم لغات اور علم موجبات الفاظ' خارج ہو گئے۔ جیسے علم لغت' نحو' اعراب شعر' تحریر' شرح الفاظ اور ان کی تفصیل' اگر ان میں سے کسی کی ضرورت درپیش ہو تو اس کی ذات کیلئے طلب نہ کرے بلکہ اس لئے کہ مقصود علم کیلئے وہ ذریعہ ثابت ہو۔

اس قسم کے علوم (اختلافات) اعضا و رحم کے ساتھ بھی مختلف نہیں ہوتے اور ان میں داخل ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا علم۔ اس کے ملائک' کتابوں اور رسولوں کا علم زمین اور آسمانوں کی ملکوت کا علم اور انسانی اور حیوانی نفوس کے عجائبات کا علم۔ اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان کا

Marfat.com

رابطہ و تعلق ہے نہ کہ ان کی ذات کے اعتبار سے۔ اعلیٰ مقصد اللہ تعالیٰ کی پہچان ہے اور ملائکہ الٰہی کی معرفت کے بغیر بھی چارہ نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور نبی کے درمیان واسطہ ہیں۔ اسی طرح معرفت نبوت ہے کیونکہ نبی، خلقت اور ملائکہ کے درمیان واسطہ ہیں جس طرح فرشتہ اللہ تعالیٰ اور نبی کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور اسی طرح علوم نظریہ سے آخری علم تک سلسلہ چلا جاتا ہے ان سب کی انتہا اور غایت علم باللہ ہے لیکن اس کے بے شمار پہلو ہیں چونکہ یہ سب ایک دوسرے پر دلالت کرتے ہیں اس لئے ان کی تفصیل بھی بے شمار ہے۔

(قسم ثانی) یعنی "علم عملی" یہ تین علوم پر مشتمل ہے۔ (1) علم نفس بمعہ صفات اخلاق اس سے مراد ریاضت اور خواہشات کا مغلوب کرنا ہے علم نفس اس لحاظ سے کہ اہل و عیال اور فرزند و زن اور نوکر چاکر کے سلسلے میں معیشت کی کیفیت کیا ہونی چاہئے کیونکہ یہ لوگ بھی تمہارے اسی طرح خادم ہیں جس طرح تمہارے اعضاء قویٰ اور حواس جس طرح شہوت و غضب اور (2) دوسرے جذبات خبیثہ جن کو قوائے بدنیہ کے ماتحت لانا ضروری ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کا بھی تمہارا فرمانبردار بننا ضروری ہے۔

(3) سوم علم سیاست ہے یعنی وہ علم کہ جس کے ذریعہ ملک اور گرد و نواح کے لوگوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس کیلئے عموماً علم فقہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ سوائے ان امور کے جو عبادات سے متعلق ہیں۔ منجملہ ان عبادات کے جو نفس کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب نکاح بیع اور خراج کے قوانین و احکام کی کمال معرفت حاصل ہو جائے ان تینوں میں سب سے اہم تہذیب نفس اور سیاست مدن اور ان صفات میں عدل اور میزان کی رعایت رکھنا ہے یہاں تک کہ جب وہ معتدل ہو جائیں تو رعیت مثلاً اہل و عیال وغیرہ تک اس کا اثر پہنچتا ہے۔ پھر اہل شہر تک۔ تم میں سے ہر ایک شخص راعی ہے اور اپنی رعایا کے متعلق جواب دہ ہے جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ اس سے اس طرح نکلتا ہے جس طرح نصاب سے زکوٰۃ نکلتی ہے' سورج سے روشنی' درخت سے سایہ' کیا درخت کے ٹیڑھا ہونے کی صورت میں سایہ کے سیدھا ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے؟ جب انسان اپنی جان کا انتظام نہیں کر سکتا تو دوسروں کا انتظام کیسے کرے گا۔ یہ ہے علوم علمیہ کا مختصر جائزہ۔ اب علوم سیاسی سے مخصوص علم کا تذکرہ پیش خدمت ہے وہ قویٰ جن کی تہذیب کے بغیر چارہ نہیں تین ہیں۔ قوت فکر' قوت شہوت' قوت غضب' جب بھی قوت فکر مہذب اور اصلاح پذیر ہو جاتی ہے تو اس کی حکمت کا وہ خزینہ دستیاب ہو جاتا ہے جس کا وعدہ دیتا ہے ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً' اس کا ثمر یہ ہے کہ حق و باطل میں فرق کرنا' گفتگو میں سچ و جھوٹ معلوم کرنا اور افعال کے اچھے یا برے میں تمیز کرنا اس لئے آسان ہو جاتا ہے۔ ان امور میں سے کوئی بات اس کیلئے مشتبہ نہیں رہتی۔ حالانکہ اکثر لوگ ان معاملات میں شک و شبہ میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اس قوت کی اصلاح اور تہذیب جسے ہم نے معیار علم قرار دیا ہے مدد دیتی ہے'

Marfat.com

دوسری قوت شہوت ہے اور اس کی اصلاح سے عفت کا وصف پیدا ہوتا ہے جو نفس برائیوں سے روکتا ہے اور ایثار کے اچھے جذبہ کی جانب اسے لے چلتا ہے۔ تیسری حمیت غضبیہ ہے اس کو مغلوب اور درست کر لینے سے حلم اور بردباری حاصل ہوتی ہے۔ جس سے مراد ہے غیظ وغضب کو دبا لینا اور انتقام پسندی کو روک لینا۔ اس سے بہادری پیدا ہوتی ہے۔ جس سے مراد ہے کہ حرص اور خوف کا دور ہو جانا جن کی قرآن میں مذمت آتی ہے۔ اور جب کبھی تینوں قوتیں تیسری قوت فکریہ کی مطیع ہو جائیں تو اعتدال کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے اعتدال کی بدولت ہی آسمان وزمین قائم ہیں اس سے مراد ہے مکارم شریعت کا جمع ہونا' طہارت نفس اور اخلاق کا پسندیدہ ہو جانا جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا مسلمانوں میں سے کامل ترین ایمان والا وہ شخص ہے جو پسندیدہ ترین اخلاق رکھتا ہے اور اپنے اہل کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہے۔ نیز فرمایا ہمیں تم میں سے وہ لوگ محبوب ترین ہیں جو بہترین اخلاق رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کی امداد کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت سے پیش آتے ہیں کیونکہ غرض یہ ہے کہ بدنی عوارض سے جو صفات نفس کو لاحق ہو جاتے ہیں ان سے نفس کو بالکل پاک کر لیا جائے۔

یہاں تک کہ ان کی جدائی کے بعد افسوس ومحبت کے طور پر نفس ان کی جانب کبھی متوجہ نہ ہو اور نہ ہی ان کے چلے جانے پر اسے غم محسوس ہو۔ ساتھ ہی ان سے مشغول ہونے سے منع کیے جانے اور اپنے جوہر کے لائق سعادتوں سے میل ملاپ کرنے میں اسے کوئی تکلیف نظر آئے۔ کیونکہ جب ہم چاہتے ہیں کہ پانی نہ تو گرم ہو اور نہ ہی ٹھنڈا تو اسے ہم معتدل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہی حال ان صفات کا ہے۔

غور کرنا چاہئے کہ جس خلق کے بارے تم سرگرم عمل ہو اس کے موجبات سے جو افعال ہیں وہ کیسے ہیں پھر اگر ان کے کرنے سے تمہیں لذت حاصل ہو تو سمجھ لو کہ جس خلق سے یہ فعل متعلق ہے وہ تمہاری جان میں راسخ ہے اور اگر وہ فعل برا ہے تو جان لو خلق برا ہے۔ مثلاً اگر تم مال جمع کرنے اور اسے دبا رکھنے میں خوشی اور لذت محسوس کرتے ہو تو اس فعل سے متعلق خلق بخل ہے۔ پس چاہئے کہ اپنی طبیعت کو اس کے مخالف عمل کی طرف موڑ دو۔ اچھے اور برے اخلاق کی تفصیل شریعت کر چکی ہے اور آداب نبی ﷺ کے باب میں جس قدر تصانیف ہیں وہ جامع ہیں۔ اگر تم مال خرچ کرنے اور اسراف میں لطف محسوس کرتے ہو تو جان لو کہ یہ بھی مذموم ہے' اسی کو تبذیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ محمود ومعتدل حالت وہ ہے جسے سخاوت کہتے ہیں اور یہ کنجوسی اور فضول خرچی کے درمیان ہے اس سے مراد ہے کہ شریعت وعقل کے تقاضوں کے مطابق مال خرچ کرنا آسان ہو۔ خوش دلی اور رغبت سے خرچ کرنا اور شریعت وعقل کے مطابق خوش دلی اور رغبت سے روک لینا بھی آسان ہو۔ تمام صفات میں یہی صورت ہونی چاہئے۔ ان میں ایک کی مثال ہی کافی ہے۔

Marfat.com

جب معلوم ہو گیا کہ معیار اعمال کا ماخذ مقدار صفات و اخلاق ہے تو یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہی کہ اختلاف اشخاص کے ساتھ راستہ بھی مختلف ہو گا۔ نیز اختلاف حالات کے ساتھ ایک شخص کے حق میں بھی مختلف ہو گا۔

چنانچہ جس شخص کو بصیرت سے کچھ حصہ ملا ہے وہ علت و سبب کے پیچھے پڑے گا اور اس کا علاج اس کے طریقہ کے مطابق کرے گا لیکن چونکہ اکثر لوگ اس لائق نہیں اور شریعت کیلئے مشکل ہے کہ ایسی تفصیل پیش کرے جو سب لوگوں کیلئے سب زمانوں میں کافی ہو اس لئے شریعت نے تفصیل کے بارے میں صرف ان قوانین مشترکہ کا بیان دینا کافی سمجھا۔ مثلاً فرمایا حب الدنیا راس کل خطیئۃ' دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے' وغیرہ۔

اس سے اہل بصیرت سمجھ گئے کہ غایت مطلوب اور اس کا طریقہ اور غایت محذور اور اس کا رستہ کیا ہے۔ انہیں تفصیل سے واقف ہو کر انہوں نے اپنے پیروکاروں کو اسی سمت راغب کیا۔ اس طرح وہ انبیاء علیہم السلام نے اجمالاً بیان کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تشریح کی اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا' العلماء ورثۃ الانبیاء' علماء نبیوں کے وارث ہیں۔

اہم نکات

دنیاوی نیک کاموں کے محرکات کی تین اقسام ہیں۔

اول: ترغیب جن کے ذریعہ حال کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے اور انجام سے ڈرایا جاتا ہے۔

دوم: تحسین اور شاباش کی امید اور مذمت و ملامت کا خوف۔

سوم: طلب فضیلت و کمال کا شوق۔

ان میں سے پہلی قسم خواہشات کا اقتضا ہے اور عوام کا مرتبہ اس سے متعلقہ ہے۔

چہارم: حیا اور مبادیات عقل تقاضا کرتی ہیں۔ یہ نوع سلاطین و ملوک' اکابر دنیا اور عقلاء میں سے اکثر پر مشتمل ہے ان کی نسبت بھی عوام کی طرف ہے۔

پنجم: کمال عقل کا اقتضا ہے اور اولیاء' حکماء اور محقق عقلاء کا فعل ہے۔ اسی فرق مراتب کے متعلق ہی کہا گیا ہے کہ سب سے بہتر چیز جو انسان کو دی گئی عقل ہے اگر یہ نہ ہو تو حیا ہے جو اسے ممنوعات سے روکتی ہے اگر یہ بھی نہ ہو تو خوف ہے جو اسے برائیوں سے باز رکھتا ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو مال ہے جو اس کے عیوب کو چھپا لیتا ہے۔

یہ فرق انسان کے بچپن سے لے کر بڑھاپے تک اس کے ساتھ رہتا ہے کیونکہ بچپن میں نہ تو زجر و توبیخ ہی ممکن ہے نہ تحسین اور ملامت کے ذریعہ برانگیختہ کرنا بلکہ اگر لذیذ کھانے پینے کی چیزیں سامنے رکھ دی جائیں' یا دو چار تھپڑ رسید کیے جائیں تو اسے احساس ہو جاتا ہے' جب تمیز حاصل کر کے سن

Marfat.com

بلوغ کے قریب پہنچتا ہے تو سزا ممکن ہے اور تعریف و مذمت کے وسیلہ سے تحریک بھی۔ اسے سزا دینے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے ان لوگوں کی مذمت کی جائے جو جھڑکی کے تختہ مشق بنتے ہیں اور اُن کی برائیاں بیان کی جائیں اور اسے ادب وغیرہ سکھانے کی صورت یہ ہے کہ باادب لوگوں زیادہ سے زیادہ تعریف اور بے ادب کی کثرت سے مذمت کی جائے۔ اس طرح اس کے دل پر کافی اثر پڑے گا اور اس کا نتیجہ جلد ظاہر ہوگا۔ اکثر لوگ ان دو مراتب سے آگے بڑھ کر تیسرے درجہ تک نہیں پہنچتے ان کی ترقی اور زوال انہی محرکات اور متفرقات کی مرہون منت رہتی ہے۔

تیسری قسم نہایت معزز ہے اور یہی حال آخرت کی نیکیوں کا ہے۔ ان میں بھی اسی طرح لوگوں میں فرق ہوتا ہے کیونکہ آخرت اور دنیا میں کوئی فرق نہیں سوائے تاخیر وتقدیم کے۔ بہر حال نیکی جلد یا بدیر حاصل ہونے والی ہر ایک عقل مند کی مطلوب و مقصود ہے اس کی طلب کے ذرائع گنتی میں نہیں آسکتے۔ البتہ اقسام کی ترتیب کے لحاظ سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے اور گناہوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کے تین مرتبے ہیں۔

اول: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے ثواب کی خواہش رکھتے ہیں جس میں جنت داخل ہے۔ یا خدا کے عذاب سے خوف کھاتے ہیں، جس میں دوزخ شامل ہے۔ یہ قسم عام ہے اور اس میں اکثر لوگ داخل ہیں۔

دوم: اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی امید اور اس کی ناراضگی اور مذمت کا خوف یعنی شرعی لحاظ سے مدح و مذمت یہ صالحین کا مرتبہ ہے۔

سوم: یہ بہت بلند مرتبہ ہے۔ یعنی جو شخص صرف قرب الٰہی کا آرزومند ہے، اس کی رضا کا طالب اور مقربین الٰہی یعنی ملائکہ مقربین سے ملحق ہونے کا متمنی ہے۔

یہ درجہ صدیقوں اور انبیاء کا ہے۔ اسی کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔ "ان بزرگ نفس لوگوں کے ساتھ اپنی جان کو ملا دو جو اللہ تعالیٰ کی عبادت صبح و شام کرتے ہیں اور صرف اسی کی رضامندی کے طالب ہیں"۔ ایک چوتھا گروہ بھی ہے جو کہتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے جنت کے طلبگار نہ بنو۔ ان میں سے بعض تو یہاں تک بھی گئے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی عوض کیلئے کرتا ہے وہ گمراہ ہے۔ چونکہ عقل ضعیف ہے اس لئے اسی قول کے معانی کی کیفیت سمجھنے سے قاصر ہے اور اکثر عقلیں کمزور ہی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ پیدا فرمائے اور وعدہ اور وعید سے مخلوق کو ڈرایا اور رغبت دلائی، اور نہایت وضاحت سے ان کا بیان کیا۔ مثلاً فرمایا "اور میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے ایسی نعمت تیار کر رکھی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا تصور آیا"۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھیرنے والی دو چیزیں تصور اور تقصیر ہیں اور تقصیر مرض مانع اور قوت

Marfat.com

نفس اور اہل و عیال وغیرہ کیلئے ضروری شغل میں مصروف ہونا ہے۔ یہ قابل درگزر ہے اس میں خرابی صرف یہ ہے کہ انسان اس میں کمال سے محروم رہتا ہے۔ اس کا علاج صرف اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرنا اور اس سے دعا کرنا ہے کہ اپنے فضل و کرم سے ان رکاوٹوں کو دور فرما دے۔

تقصیر کی دو قسمیں ہیں۔ جہالت اور شہوت' ان میں سے جہالت یہ ہے کہ اخروی بھلائی اور اس کی شرف و بزرگی کی پہچان ہی حاصل نہ ہو اور اس کے مقابلے پر تمام دنیا اور اس کے ساز و سامان کو حقیر سمجھنے کا جذبہ پیدا نہ ہوا ہو۔ اس کے دو مراتب ہیں۔

اول

یہ کہ اس جہالت کا باعث غفلت اور کسی قابل رہنما کی ملاقات نہ ہونا ہے۔ اس کا علاج آسان ہے' اس کیلئے چاہئے کہ ہر مقام میں علماء اور واعظوں کی ایک جماعت ہو جو مخلوقات کو غفلت و خود فراموشی سے بیدار کرتے رہیں اور دنیا کی طرف سے ہٹا کر آخرت کی جانب ان کا رخ پھیرتے رہیں لیکن انہیں دنیا کے عام مقرروں کا سا انداز اختیار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس طرح تو لوگ گناہوں پر دلیر ہو جاتے ہیں اور دین ان کے نزدیک حقیر ہو جاتا ہے۔

یہ ہے تقصیر کی قسم دوم کہ لوگوں کے اعتقاد میں یہ بات داخل ہو جائے کہ سعات یہی دنیاوی لذات اور عیش ہے۔ اور امر آخرت کی کوئی بنیاد نہیں۔ یا یہ کہ ایمان ہی تنہا نجات کیلئے کافی ہے اور یہ ہر مومن کو حاصل ہے اس کے عمل خواہ کچھ ہی ہوں' یا یہ گمان کہ اللہ تعالیٰ پر صرف رحم کی اُمید ہی نجات کا باعث ہوگی اور اللہ کریم و رحیم ہے۔ اسے گناہگاروں کے گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اس لئے وہ ضرور ان پر رحم کریگا۔ اسی قسم کی بہت سی حماقتیں ہیں جنہوں نے اکثر لوگوں کو حسن عمل سے محروم کر رکھا ہے اور انہیں گناہوں کے ارتکاب پر دلیر اور بے باک کر دیا ہے تو جو شخص خیال کرتا ہے کہ آخرت کا کوئی وجود نہیں تو یہ مکمل گمراہی ہے جس کے دل میں یہ اعتقاد راسخ اور پختہ ہوا تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا اور وہ یقیناً ہلاک ہو گیا اور جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ تنہا ایمان ہی کافی ہے تو یہ ایمان کی حقیقت سے جہالت ہے اور حضور ﷺ کے فرمان مبارک سے روپوشی ہے۔ من قال لا الہ الا اللہ مخلصا دخل الجنۃ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اعتقاد عمل قول کے مطابق ہو تا کہ انسان منافق نہ ہو اور اس کا سب سے نچلا درجہ یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو اپنا الٰہ نہ بنائے تو جس شخص نے اپنی خواہشات کی اتباع کی تو گویا اس نے انہیں اپنا معبود بنا لیا تو اس فعل نے اس کے قول کو غلط قرار دیا اور وہ اخلاص کے منافی ہوا اور جو شخص خیال کرے کہ سعادت اخروی صرف لا الہ الا اللہ کہہ دینے سے حاصل ہو جاتی ہے بغیر معاملہ کی حقیقت معلوم کئے تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جس کا خیال ہو کہ کھانا صرف یہ کہہ دینے سے کہ اس میں گڑ ڈالا گیا ہے میٹھا ہو جائے گا خواہ اس میں گڑ ہی نہ ڈالا گیا ہو اور صرف کہہ دینے سے کہ میں نے اناج بویا' حالانکہ اس نے بویا نہ ہو' فصل پیدا ہو جائے گی۔ جس طرح یہ تمام مقاصد اسباب کی محنت کے بغیر

Marfat.com

حاصل نہیں ہوتے۔ یاد رہے کہ امر آخرت اسی طرح ہے کیونکہ امر آخرت و امر دنیا ایک ہی ہے۔ صرف زبانی لحاظ سے اسے آخرت پکارا گیا ہے کیونکہ وہ اس دنیا کے بعد آئے گی۔ ماں کے پیٹ سے نکل کر فضائے عالم میں آنے کا وقت شکم مادر کے اندر ہونے کے زمانہ کے اعتبار سے آخرت ہے۔ سن بلوغ کو پہنچ کر تمیز کی عمر کو پہنچنا ہے جو اس سے قبل کی زندگی کے لحاظ سے آخرت ہے اور سن بلوغ سے گزر کر اہل عقل میں قدم رکھنا اضافی طور پر اس زمانے کی نسبت آخرت ہے۔ مخلوقات کے اندر اسی قسم کا سلسلہ ہے۔

موت بہت سی حدود فاصل میں سے ایک حد فاصل ہے اور ترقی کی ایک اور قسم اور ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کی نئی صورت۔ جیسے کہ نبی ﷺ نے فرمایا آغوش لحد یا تو آگ کا ایک گڑھا ہے یا جنت کے باغوں میں سے ایک چمنستان' یا بالفاظ دیگر موت صرف تبدیلی منزل ہے۔ جس طرح ایک بھوکا پیاسا شخص جو رحمت و نعمت الٰہی کے بھروسے پر توکل کر کے بیٹھ رہتا ہے اور پانی پینے اور کھانا کھانے کا طریقہ عمل میں نہیں لاتا تو لازمی طور پر ہلاک ہو جائے گا اور جو شخص مال کی جستجو میں اللہ تعالیٰ کا بھروسہ کر کے بے عمل ہو کر بیٹھا رہتا ہے اور کوشش نہیں کرتا تو ظاہر ہے مال و دولت حاصل نہیں کر سکتا اور نامراد رہتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ آخرت کے طلب گار ہیں پھر کوشش سے کام لیتے ہیں اور وہ مومن بھی ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کی سعی اور جدوجہد کامیابی سے ہم کنار ہوتی ہے۔ اسی لئے خداوند جل و علا نے اس حقیقت کو عالم آشکارا کہا اور فرمایا ''انسان صرف وہی کچھ پا سکتا ہے جس کیلئے کوشش کرے''۔

جب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ سعادت اخروی کی آرزو قرب الٰہی میں مضمر ہے اور یہ قرب مکانی نہیں۔ یہ حسب امکان اکتساب کمال کا ہی دوسرا نام ہے اور کمال نفس حسن اخلاق کے ساتھ علم و عمل اور حقائق امور سے واقفیت حاصل کرنے سے ہی ملتا ہے تو جو شخص کمال نفس ہی حاصل نہ کرے گا وہ قرب الٰہی سے کیسے فیض یاب ہو گا۔

اور جو شخص چاہے کہ میں بادشاہ کا کسی کے ذریعہ مقرب ہو جاؤں اگر وہ بیکار بادشاہ کے احسان و کرم پر توکل کر کے گھر بیٹھا رہتا ہے اور طلب علم کی کوشش میں راتیں آنکھوں میں نہیں کاٹتا اور صرف فضل و کرم پر بھروسہ رکرتا ہے کہ ایک رات سوئے گا اور جب صبح جاگے گا تو اہل دنیا سے افضل و برتر ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل وسیع تر ہے اور اس کی قدرت بہت زبردست ہے۔ تو کہا جائے گا کہ اس شخص کا یہ فعل سراسر باطل اور حماقت پر مبنی ہے اور خالی دعویٰ ہے۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو خیال کرتا ہے کہ سعادت اخروی بے کار بیٹھے رہنے اور فضول وقت ضائع کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ (بحوالہ میزان عمل امام غزالیؒ)

سعادت کا سبب

سعادت تزکیہ نفس اور اس کی تکمیل سے حاصل ہوتی ہے اور اس کی تکمیل جملہ فضائل کے اکتساب سے ہی ہوسکتی ہے تو ضروری ہوا کہ تمام فضائل تفصیل سے معلوم کیے جائیں۔ جملہ فضائل کا لب لباب دو باتوں میں ہے (اول) جودت ذہن و تمیز' اور دوم حسن خلق۔

جودت ذہن سے اول طریق سعادت و شقاوت میں تمیز حاصل ہوتی ہے تاکہ اس پر عمل پیرا ہوا جائے۔

دوم قطعی دلائل کے ذریعہ سے جو یقین کیلئے مفید ہوں۔ اشیاء کی حقانیت معلوم کرنا' ضعیف تقلید اور کمزور خیالات سے بچنا اور حسن خلق اس لئے ہے کہ تمام بری عادات کو جن کی تفصیل شریعت بتا چکی ہے زائل کر دیا جائے اور ان کو اسی قدر جکڑ لیا جائے۔ جس قدر شریعت نے انہیں قرار دیا ہے اور ان سے اسی طرح دور رہا جائے جس طرح گندگی سے انسان بچتا ہے' تاکہ عادات حسنہ پیدا ہو جائیں اور انسان کی طبیعت ان کی مشتاق ہو کر ان سے محبت کرے اور ان کو نعمت سمجھنے لگ جائے۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے"۔

جب کبھی عبادت گزاری اور گناہوں کا ترک کرنا دل کیلئے بھاری ہو تو یہ نقصان کی دلیل ہے اور کمال سعادت اس سے نہیں ملتی۔ ہاں اس پر ہمیشگی سے قائم کرنا نیکی ہے لیکن اسی نسبت سے کہ اس کے کرنے میں خوشدلی اور رغبت رہے۔

جو شخص غیر مہذب ہے اسی کو حق کڑوا معلوم ہوتا ہے' چنانچہ حق سے موڑنے کے خیالات باقی رہتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "نماز سوائے خشوع کرنے والوں کے سب پر بھاری ہے"۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے اعمال صالحہ کر سکو تو بہتر ورنہ مکروہات پر صبر کرنے میں ہی بہت نیکی ہے' پھر سعادت کے حصول کیلئے ایک وقت میں نیکی کرنا اور برائی سے بچنا اور دوسرے وقت میں ایسا نہ کرنا کافی نہیں' بلکہ چاہیے کہ تمام عمر دائمی طور پر عمل کیا جائے اور جتنی عمر زیادہ ہوگی اسی قدر بزرگی زیادہ راسخ اور زیادہ کامل ہوگی' اسی لئے جب آنحضرت ﷺ سے سعادت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا۔ تمام عمر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا۔ بعض اولیائے کرام رحمتہ اللہ علیہم موت کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

جب عمر کی درازی سے عبادات زیادہ کی جائیں گی تو ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ نفس زیادہ پاک ہوگا۔ اور اس کا کمال زیادہ مکمل اور انسان کی خوشی اس کے نفس کے علائق بدن سے علیحدہ ہونے کے باعث زیادہ زبردست اور زیادہ وافر ہوگی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنی اس نیند سے بیدار ہوا جس نے اسے اپنے خیالات و

Marfat.com

حالات سے جو اس کی رسوائی کا باعث ہیں' غافل کر رکھا تھا۔ یہ تنبیہ اور بیداری' تعلقات و مشاغل کے دور پھینک دینے سے حاصل ہوتی ہے۔ لوگ اصل میں سوئے ہوئے ہیں۔ جب مر جاتے ہیں تو جاگ اٹھتے ہیں' یہی بات مجموعہ فضائل اور ان کا مقصد ہے کہ انسان سے ہمیشہ اچھی باتیں صادر ہوں' بغیر سوچنے کے یا دیکھنے کے یا تکلیف اور رنج کے۔ اسے حق کی اطلاع بغیر کسی لمبی چوڑی محنت کے ہو جائے گویا کہ یہ بات خود بخود اس سے صادر ہو رہی ہے۔ جس طرح ماہر کاریگر اور خوشنویس سے نقش و نگار اور کتابت سرزد ہوتی ہے۔

بدعملی کی انتہا یہ ہے کہ انسان سے بے اختیار بغیر غور و فکر اور بن دیکھے خود بخود بداخلاقیاں ظاہر ہوں۔ یاد رہے کہ یہ تمام فضائل فن فطری اور فن عملی میں محصور ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دو طریق پر حاصل ہوتا ہے۔

(اول) تعلیم بشری اور تکلیف اختیاری' اس طریقہ میں کچھ عرصہ کی مشق کی حاجت ہے۔ نیز یہ کہ بتدریج نامعلوم طریقہ پر تھوڑی تھوڑی نیکی جمع کرتے جائیں جس طرح لوگ نشوونما میں بتدریج ترقی کرتے ہیں ممکن ہے بعض لوگ ایسے بھی ہوں جن کیلئے ادنیٰ مشق بھی کافی ہے اور یہ بات ذکاوت پر منحصر ہے۔

(دوم) فضل خداوندی سے حاصل ہو جائے یعنی انسان مادرزاد طور پر بغیر استاد کے عالم و فاضل ہو جائے جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور یحییٰ بن زکریا علیہ السلام تھے۔ یہی حال تمام انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ ان کو حقائق اشیاء کا علم اس قدر وسیع دیا گیا تھا کہ دوسرے طالب علم تعلیم کے ذرائع سے حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کچھ لوگ اور بھی اس بات کے اہل ہیں ان کو اولیاء اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر یہ وہ عطیہ الٰہی ہے جس کا اکتساب جدوجہد کے ذریعہ ناممکن ہے۔

اس بات کو عجیب بھی نہ سمجھنا چاہیے کہ پیدائشی اور فطری طور پر وہ علوم حاصل ہوں جو اکتساب اور کوشش کے ذریعہ ملتے ہیں۔ جس طرح اخلاق کے سلسلے میں ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض اوقات ایک لڑکا سچا سخی اور بہادر ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کے برعکس ہوتا ہے مگر یہ باتیں اُسے تادیب و تربیت سے حاصل ہو جاتی ہیں۔ غرض بزرگی بعض اوقات طبعی طور پر مل جاتی ہے کسی وقت عادت ڈالنے سے اور کبھی تعلیم سے حاصل ہو جاتی ہے۔ جس شخص کو تینوں اعلیٰ جہتیں حاصل ہوں یہاں تک کہ طبعی طور پر عادت ڈالنے سے اور تعلیم کی امداد سے صاحب فضیلت ہو تو اسے انتہائے بزرگی حاصل ہے اور جو تینوں طور پر ذلیل ہو تو وہ نہایت گمراہی کے گڑھے میں ہے۔ ان دونوں صورتوں کے درمیان اس شخص کا مرتبہ ہے جو ان جہتوں سے مختلف ہے۔

Marfat.com

نشاۃ عامیہ اور نشاۃ کمالیہ کے متعلق اصول (شاہ ولی اللہ)

عام طور پر مطلق علم کو چار اقسام میں منحصر سمجھا جاتا ہے۔ (1) حواس خمسہ میں سے کسی کے ذریعہ جو احساسات حاصل ہوں ان کا نام لطیفہ قالبیہ رکھا جاتا ہے۔ (2) تخیل جس کا تعلق طبقہ خیالیہ سے ہے اس کا کام یہ ہے کہ کسی امر غالب کو رنگ وشکل کی صورت میں ظاہر کرنے کی طرف متوجہ ہو۔ (3) حواس کا تعلق لطیفہ وواہمہ سے ہے اس کا کام وہ جزئی ادراکات ہیں کہ جن کا تعلق محسوسات سے ہے ان کا ادراک اور اس کی حفاظت اس لئے ضروری ہیں۔ (4) تعقل اس کا تعلق لطیفہ نفسیہ سے ہے اور اس کا کام کلیات طبیعہ اور امور مجروہ کا ادراک کرنا ہے لیکن ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ تعقل کا تعلق نفس سے ہے بلکہ اس کا تعلق اس لطیفہ ادراکیہ سے ہے جو عالم حیرت میں نفس کا خلیفہ اور تمام جسمانیات میں اس کے قریب تر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر تعقل کے یہی معنی لئے جائیں تو بعض اوقات اس کا مفہوم جھوٹ ثابت ہوگا حالانکہ مجردات میں جھوٹ کا دخل نہیں۔

اور علم کی یہ چاروں اقسام اگرچہ ایک مکان خاص کے ساتھ اختصاص رکھتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ ایسی چیز ہے جو تمام نفس کو گھیرے ہوئے ہیں، تو کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ تمام بدن کو عام ہو جائے اس کا ثبوت یہ ہے کہ حواس طبیہ خیال اور وہم سے مغلوب رہتے ہیں جیسا کہ غضب رضا اور حب اور گھبراہٹ وغیرہ کے طاری ہونے کے وقت دیکھتے ہو اسی معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام اہل سنت (ابوالحسن اشعری) نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ ان کا تعلق خاص خاص مقامات سے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ (فلاسفہ) نے مدرکہ وہم اور تخیل کو قوت عاقلہ کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے لیکن ہم نے قوت عاقلہ اور عامہ دونوں کے ساتھ اس کو عام سمجھا ہے اسی طرح ان کے نزدیک نفس مجردہ تمام کلیات کا ادراک کرسکتا ہے لیکن ہمارے نزدیک نفس کو علم حضوری کے ذریعہ صرف اپنا ادراک حاصل ہوتا ہے لیکن وہ تمام امور عاقلہ اور عاملہ کی جڑ اور بنیاد ہے۔

اور اگر راز کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت کائنات کو پیدا کرنا چاہا تو پانی پر مختلف صورتیں افاضہ فرمائیں جن میں بعض صورتیں نوعیہ ہیں، اور بعض شخصیہ، صورت شخصیہ سے وہ مراد ہے جو کسی صورت نوعیہ وغیرہ میں منقوش ہوتی ہے اس سے مراد ایک فرد معین ہے یہ صورتیں اس شخص کے ظہور میں آنے کے وقت سے ازل تک باقی رہتی ہیں اور ان کے قائم مقام دوسری صورتیں ہوتی ہیں کہ جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مدد فرماتا ہے۔

اجسام کے اقسام

قائم مقام صورتوں کے ساتھ ساتھ ایک تو وہ جسم ہے جس کا وجود میں آنا محسوس کیے جانیوالے عناصر سے ہوتا ہے اور بعض وہ جسم ہیں کہ جن کا وجود میں آنا غیر محسوس عناصر سے ہوتا ہے

Marfat.com

تشخص کا انحصار پہلے حالت حیات میں اور دوم حالت موت میں اس پر ہے اس انحصار کا سبب یہ ہے کہ کوئی ایسی دوسری چیز موجود نہیں کہ جس کی جانب اسے منسوب کیا جائے اور یہ جانتے ہو کہ اس کا ذاتی تقاضا یہ ہے کہ کسی دوسری چیز پر اس کا اعتماد ہو اور یہ تشخص اس وقت تک کسی چیز سے تجاوز نہیں کرتا تا وقتیکہ کوئی دوسری چیز اس کے بدلے ظہور میں نہ آئے تو پھر اس میں بھی کسی قسم کا حدوث اور تبدل نہیں ہوگا اور یہ بدن غیر محسوس بدن محسوس کے ساتھ موجود ہے۔

اور من جملہ ان قائم مقام صورتوں کے ان اغراض کا مجموعہ ہے جن کے ذریعے آنکھ اس مخصوص شخص کا ادراک کرتی ہے سو اس مقام پر تین دن ہیں اور وقتاً فوقتاً ایک ان میں سے دوسرے کے ساتھ تبدیل ہوتا رہتا ہے جو اس کے مناسب حال ہو لیکن صورت شخصیہ خود باقی رہتی ہے جیسا کہ ہیولیٰ اپنی حالت کے اعتبار سے باقی رہتا ہے اور اس کا اعتماد اسی متبادل صورت پر ہوتا ہے اور یہ بدن بھی زمینی بدن پر موقوف ہے یا دونوں لازم اور ملزوم ہیں۔

اور یہ صورت شخصیہ یعنی نفس ناطقہ ہے لیکن اس میں کامل طور پر تجرد نہیں پایا جاتا لیکن ہم نے اس لئے مجرد کہا ہے تاکہ مختلف ابدان کے عقیدہ سے بچا جاسکے۔

اور رسول اکرم ﷺ کا فرمان کہ روحوں کو اجسام سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا گیا اس سے مراد اعیان ثابتہ ہیں۔ دو ہزار کے لفظ سے صرف لمبی مدت کا اظہار مقصود ہے اور کیا معلوم کہ عین ثابتہ کو کوئی وسیع تعین حاصل ہوا ہو اور یہاں پر وہی مراد ہے۔

مرنے کے بعد کی حالت

جس وقت انسان مر جاتا ہے تو اس کا نفس غیر محسوس بدن کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے اس حالت میں اس کے ادراک کا ذریعہ باطنی ادرکات کے اعتبار سے حس مشترک وہم اور ادراک ہوتے ہیں جب قیامت قائم ہوگی تو بعض مقررہ اسباب کی وجہ سے وہ ابدان محسوسہ کے ساتھ تعلق پیدا کرے گا۔ یوم الحساب کے آنے پر روح سے اس کی تکمیل ہوگی اور اس نفس سے ارتقاء کے طور پر جسم معرض وجود میں آئے گا تو پھر وہ بدن عنصری کو دور پھینک دے گا۔

جس کے بعد یا تو جنت میں داخل ہوگا یا دوزخ میں اور وہ علوم مجردہ جو اس نے حاصل کیے تھے وہ سب کے سب علوم زمانیہ اور مکانیہ تھے اور اسی طرح علم حضوری بھی ہے لیکن وہ تو ممکن کو روکتا ہے اور موجود کو مٹا دیتا ہے تو وہ اسی طرح مکانی کو بھی مجرد بنا دے گا۔ لہٰذا فلاسفہ کی تشویشناک باتوں سے نہیں گھبرانا چاہیے' اس غیر محسوس بدن کے ذرائع ادراک تین ہیں لیکن اس کے عمل کی اقسام مختلف ہیں۔ خلاصہ یہ کہ بدن نفس ناطقہ کیلئے ایک کامل لباس ہے جو پورے طور سے اسے ڈھانپ لیتا ہے۔

Marfat.com

وجودِ ذہنی

یاد رکھو کہ جب وجودِ ذہنی کے بارے معلوم کیا تو کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ بعض وہ اشیاء کہ جنہیں وجودِ ذہنی کہا جاتا ہے وہ درحقیقت ایک صورت ظاہر میں موجود ہتی ہیں جن کا قوت مدرکہ کے ذریعہ نفس ادراک کرتا ہے جیسا کہ صورت حیوانیہ اور صورت انسانیہ بعض ان میں سے سلبیات ہیں اور بعض اضافیات اور تحقیقی بات یہ ہے کہ زید مثلاً ایک اندھا شخص ہے' جب قوت مدرکہ کے ساتھ اس کا ادراک کرتے ہیں تو ہمارا مدرکہ بینائی کے مفہوم سے بھر جاتا ہے پھر بعض اوقات ہم اس اسم کو مسمی اسے جدا کر کے اس کی صفت کو ملحوظ رکھتے ہیں اور اس کا نام اندھا پن رکھ دیتے ہیں' تو یہ اختلاف مدرکہ میں نہیں بلکہ ادراک میں ہے۔ اسی طرح ہم اپنی قوت مدرکہ سے اس امر کا ادراک کرتے ہیں کہ زید عمر کا بیٹا ہے یہاں بھی اس کے باپ کا مفہوم ہمارا مدعا ہے۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ عالم ادراک میں بہت زیادہ وسعت پائی جاتی ہے کوئی امر مفروضہ یا موجودہ ایسا نہیں جس کی صورت پر وہ مشتمل نہ ہو اس صورت سے مراد صورت زمینی ہے ہم کہتے ہیں کہ ان ابدان کیلئے وہاں پر ایک صورت اعلمیہ عرضیہ ہے۔ اگر معلوم اس کے ذریعے موجود ہو گیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ممتنع اور معدوم اور مجہول کی حقیقتوں میں تبدیلی واقع نہ ہو۔

عالم اعلیٰ میں سوائے تصدیق کے اور کچھ نہیں پایا جاتا کیونکہ تصور تو اس ناقص عالم مادی کی ایک ایجاد ہے اس لئے کہ تصدیق سے اطمینان وسکون اور یقین حاصل ہوتا ہے اور وہ اطاعت بھی کہ جس کا تعلق مفرد کے ساتھ جملہ کے طریقہ پر ہے عجیب بات یہ ہے کہ وہاں تو کوئی جملہ نہیں صرف مفرد ہے جو کہ محمول کے ساتھ ملا جلا ہے اور گونگے حیوانات تصدیق سے محروم ہوتے ہیں ان کے ذہن تو شکوک ہی کا مرکز ہوتے ہیں بے وقوفوں کا بھی یہی حال ہے لیکن عام لوگوں کے ذہنوں میں تصدیق اور تصور یہ دونوں قسمیں موجود ہوا کرتی ہیں۔ (شاہ ولی اللہ خیر کثیر)

اختلاف نشأت

یاد رکھو کہ عالم میں جو کچھ بھی متحیرات یا مجردات موجود ہیں اور نیز اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اور اس کی صفات کہ جن کا وجود نفس الامری ہے ان میں سے ہر ایک صورت ان ہی نشأت میں ان کی خصوصیات کے ساتھ ہوا کرتی ہے اور ان میں ہر ایک صورت کی جو جہتیں ہوتی ہیں ایک جہت اسفل ہوا کرتی ہے جو حواس کی جانب ہوتی ہے اور دوسری اعلیٰ جو عقل کی جانب اور ہر ایک صورت ان دونوں جہتوں سے فیض یاب ہوتی ہے اور جن کو انسلاخ یا فنا کی وجہ سے اپنے مبادی اسماء پاک کے ساتھ الحاق حاصل ہے ان پر اوپری درجوں کے لباس خاص میں جلوہ گر ہونے کیلئے کسی شخص کے مزاج اور اس کی

Marfat.com

عادات کو بھی دخل ہوتا ہے چنانچہ یہی چار چیزیں ہیں جن کے مختلف طور پر آپس میں مل کر ظہور پانے اور ان کی شدت اور ضعف کی بنا پر بے شمار افراد معرض وجود میں آتے ہیں کیا تم نے عالم صورت کے عجائبات پر غور کیا ہے کہ ہر ایک حیوان کی مخصوص آواز ہوتی ہے پھر کوئی مضائقہ نہیں کہ اس عالم میں اس کا تمثل ہو جملہ احوال خوشی' خوف' بھوک اور پیاس کیلئے مخصوص آوازیں ہوتی ہیں تو یہ سب ان کا تمثل ہوتی ہیں۔

پھر مختلف اوقات کیلئے اور آوازیں ہوتی ہیں غضب اور خوشی کو ظاہر کرنے کیلئے جدا آواز ہوتی ہے' جوان جذبات کا تمثل ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو الہام کیا کہ وہ اپنی آواز کو مختلف طریقہ پر نکالے جس سے مختلف حروف کی آوازیں پیدا ہوں ان ہی حروف کو اسماء حسنیٰ کا مفہوم ظاہر کرنے کیلئے وضع کیا ہے کہ جن پر تمام عالم کا نظام ہے چنانچہ ہر مظہر کے مقابل وہ ایک لفظ زبان پر لایا جو کہ یقینی طور پر مظاہر کے مقابل ہے اور پھر حاصل شدہ امور اور آگاہی کا مفہوم ظاہر کرنے کیلئے ترتیب سے دوسرا اور تیسرا لفظ زبان پر لایا جس سے کلمات ثلاثیہ پیدا ہوئے جو تمام الفاظ کی بنیاد ہیں۔ چونکہ اظہار معانی کا ذریعہ بھی محسوس ہونے والی آوازیں ہیں چنانچہ بطور حکایت ایسے ہی لفظ وضع کئے گئے کہ جوان پر دلالت کریں جیسا کہ ضرب (مارنا) اور قہقہ اسی طرح اس سے نظر نہ آنے والی مدوقات یعنی خیالوں اور وہموں کیلئے ایسی آوازیں وضع کی گئی ہیں کہ جنہیں سن کر حواس اور مدرکات پر اثر پڑتا ہے کہ جس سے ان کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے حکایت نقل کرنے میں بھی وضع کرنیوالے کے مزاج اور اس کی نوعیت ادراک کیمطابق اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً ایک عربی شخص جب پتھر کے گرنے کی آواز کو بیان کرنا چاہتا ہے تو طبق طبق سے تعبیر کرتا ہے اور فارسی میں اس کیلئے دہ دہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ ان دونوں امور کی مزاحمت اور معارف اور مزاجوں کے اختلاف سے بکثرت زبانیں پیدا ہوئیں خلاصہ یہ کہ وضع الفاظ کی حقیقت یہی ہے جو بیان کر دی گئی ہے۔

نشاۃ اخرویہ کی مخلوق

یاد رہے کہ نشاۃ اخرویہ کہ مخلوق یعنی اجسام اور اعراض کی نشاۃ اخرویہ کو ملحوظ رکھا جائے تو وہاں کی مخلوق دو قسم کی ہے ایک تو وہ ہے کہ جن میں ظاہر آثار اور ان کے احکام اس قدر مضبوط ہیں کہ حقیقت تک پہنچنے کا راستہ مسدود ہے جس سے ہر ایک کمال علمی اور عملی فائض ہوتا ہے اس لئے فعلات کے مطابق ایک ناقص جماعت ظہور میں آتی ہے جس میں کہ سلبیی اجنبیت پائی جاتی ہے۔

یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ارباب تحقیق کے نزدیک یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ صفراء آگ کی نقل ہے سودا خاک' خون ہوا کی اور بلغم پانی کی' حکایت کرتا ہے حاکی اور محکی عنہ کے درمیان فرق محسوس کر لو کیا تمہیں صفراء کی حرارت اور چکنائی حقیقی آگ کے مقابلہ میں برودت اور رطوبت معلوم نہیں ہوگی'

Marfat.com

حالانکہ عالم تخلیط میں یہ اس کا تمثل ہے یہ مثال جو بیان کی گئی ہے اس میں گہری نظر سے کام لے تو انشاء اللہ تمہارے لئے یہ رشد و ہدایت کا سبب ہوگا۔

اور دوسری قسم کی مخلوق کے آثار ظاہرہ اس قدر مستحکم نہیں کہ حقیقت تک رسائی کا راستہ مسدود ہو میرے سامنے فطری طور پر اس کے شاندار احکام واضح ہو چکے ہیں کہ جن کی تائید مسدود ہو میرے سامنے فطری طور پر اس کے شاندار احکام واضح ہو چکے ہیں کہ جن کی تائید و دلائل سے ہوتی ہے اس میں اجنبی صورت کا مطلق دخل نہیں اور گویا کہ یہ جسم دنیاوی اور اخروی کے درمیان برزخ ہے اس جسم کی بنیاد ازلی استعدادات پر ہے اور پہلے بیان کردہ کی بنیاد دنیا میں حاصل کردہ کمالات پر ہے یہ ایک واضح فرق ہے جس میں بہت زیادہ وسعت موجود ہے۔

انبیاء کرام اور حکماء ربانیین

سب سے بڑا درجہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے اور ان کے بعد حکماء ربانیین کا اور اس میں ان کا کمال یہ ہے کہ انہیں پاکیزگی حاصل ہے جو کہ غیر یقینی لباسوں سے معرا ہے اور ان کا کمال اکتسابی نہیں بلکہ فطری اور عطا کردہ ہے اور یہ سب سے پہلا مقام بھی بڑا وسیع ہے اور جن لوگوں نے اپنے آپ کو موثر حقیقی کی معرفت میں فنا کر دیا ہے تو وہ اولیاء کرام ہیں اور جنہوں نے اپنے اجسام کو اپنے پاکیزہ نفوس میں قید کر رکھا ہے وہ اتقیاء ہیں اور جن لوگوں نے سرے سے اکتساب کمال کی طرف توجہ ہی نہیں کی وہ اشقیاء ہیں جن کے مراتب مختلف ہیں اور اس بات کا بھی یقین رہے کہ سوائے اس کمال کے کہ جس پر عین ثابتہ مشتمل ہے اور کوئی کمال نہیں کیونکہ صرف اسے جسم کی صورت میں تمثل حاصل ہوا ہے نیز جسم دنیاوی اس سے مبرا نہیں ہو سکتا کہ کوئی صورت اس کا مظہر ہے اور یہ ظہور بڑے استحکام کے ساتھ ہو اس میں بھی تمثیل سابقہ بیان کے مطابق پایا جاتا ہے کہ ''جویہ'' اور دوسرے کو ''مزاجیہ'' کہتے ہیں۔ (شاہ ولی اللہ)

انسلاخ فنا اور صفا

انسلاخ فنا اور صفا کے معانی اور ان کے درمیان وجہ فرق اور فنا مقبول اور صفاء حسن کا دوسروں سے ممتاز ہونا ہے جاننا چاہئے ہمارے نزدیک انسلاخ کا مفہوم یہ ہے کہ نفس ناطقہ عین ثابتہ کو مقہور کر کے اس کے تمثلات کو ختم کر دیتا ہے جس کی بنا پر پھر وہ ازل والی ہی حالت اختیار کر لیتی ہے اور سوائے فیضان وجود کے اس کا کوئی کمال باقی نہیں رہتا اس کے علاوہ سمع اور بصر کچھ نہیں رہتا' حتیٰ کہ وہ اپنے نصاب کو پہنچ جاتا ہے اور اس کی اس نئی اختیاری صورت میں ایک قسم کا یقین ہے گویا کہ وہ جسم اخروی ہو جاتا ہے۔

اور فنا کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کو اس حیثیت سے پہچاننا کہ وہ ہر ایک موجود کی اصل ہے اور سب

Marfat.com

کا رجوع اسی کی طرف ہے چنانچہ ماسواء اس کی عظمت اور کبریائی کے ہر چیز ہلاک ہو جاتی ہے اور صرف ایک ہی ذات اقدس واحد جل شانہ باقی رہ جاتی ہے یہ مشاہدہ سالکوں اور عارفوں کی رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے اور اپنا اثر دکھاتا ہے علم اور وجود میں ایک ازلی واسطہ ہے جس کا نشوونما علم فعلی سے ہے تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے جس طرح کہ لوہا جسے صیقل کر کے آئینہ بنالیا جائے کہ سورج کی شعاعیں اس میں منعکس ہو کر اسے چمکا دیتی ہیں حتیٰ کہ سورج کی صفت جلانا بھی اس میں پیدا ہوتی ہے باوجود یہ کہ آئینہ پھر آئینہ ہی رہتا ہے اور اس میں جلانے کی صفت کا پیدا ہو جانا ایک تلبیسی نکارت ہے۔

صفا کے معنی یہ ہیں کہ انعکاس نور تو حاصل ہو لیکن پہلی ہیئت نفسانی میں کوئی تغیر اور تبدیلی واقع نہ ہو اور اگر کوئی تبدل ہو تو صرف موطن علم تک محدود ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی مثال شراب کے طریقہ پر ہے کہ ہر چند اسے صاف کرلیں اور برابر اس کا تجربہ کرلیں مگر اس کی نشے کی حقیقت بحال خود باقی رہتی ہے لیکن نمک ڈالنے سے وہ سرکہ بن جاتا ہے اور شراب کی حقیقت مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہے اور فناء مقبول وہ ہے جو نور نبوت سے فیض یاب ہو اور جس کو یہ نسبت نہ ہو تو وہ مردود ہے۔ (شاہ ولی اللہ)

نور نبوت کے طبقات

ہمارے نزدیک نور نبوت کے چار مختلف طبقے ہیں پہلا وہ جو باعتبار فطرت کے حکماء امت کے حصہ میں آیا ہے یعنی تمثلات عین ثابتہ کے ماتحت مقہور ہو گئے ان کے علوم عبادات اور عادات سب خیر محض ہیں۔ دوسرے یہ کہ نفس ناطقہ پر رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا رنگ چڑھ جائے' کیونکہ جسے معرفت میں کمال حاصل ہو جاتا ہے تو اس میں فطری یا اکتسابی طور پر کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ تمام مخلوق کو اپنے دائرہ ہدایت میں شامل سمجھتا ہے۔ اب جو بھی امام المعرفت ہو گا اس پر رسول اللہ ﷺ کے انوار نمایاں ہوں گے۔

تیسرے یہ کہ کسی کو سنن نبویؐ اور اطاعت شریعت کی پابندی نے اس رنگ میں رنگ دیا ہو کیونکہ کہ فرائض میں فطری طور پر انسلاخ ہوتا ہے اور سنن کو تحقق حاصل ہوتا ہے کیونکہ ایک معصوم ہستی جو سب سے زیادہ اس مقام کی حقدار ہے ایک جزئی کو عمل میں لائے اور اس کی پابندی فرمائی' (علیہ ﷺ) تو آپ کا اُمتی بھی اسی رنگ میں رنگا گیا۔ چنانچہ اصحاب طریقت اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور چوتھا وہ نور جو کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حاصل ہوا۔

ہر ایک موجود حق اور باطل کو بارگاہ وجوب کے ساتھ ایک خاص نسبت حاصل ہے' اسی نسبت کے تمثلات کا نام فنا ہے۔

اور صفاء حسن سے مراد یہ ہے کہ جس شخص کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ وہ دل و جان سے

Marfat.com

صاحب شریعت کا اطاعت گزار اور اتباع کرنے والا ہو تو وہ اسی کے نور سے منور ہوگا عام طور پر شریعت میں ظاہر محسوس ہونے والی ظاہری صفائی اور طہارت کی تاکید کی جاتی ہے اور اسی کے قوانین کو نافذ کیا جاتا ہے اور صفاء مجردی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کیونکہ اس کے ثبوت میں پائیداری نہیں ہوتی۔

قرب اور اس کے اقسام

یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا قرب یہ ہے کہ غفلت کا پردہ درمیان سے اٹھ جائے اس سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ کا علم حاصل ہو گویا علم کسی پردے میں ہو اور اس میں احاطہ نہ ہو اور علم سے بھی ہر ایک علم مراد نہیں بلکہ وہ جو نظر نافذ کا نتیجہ ہو اس لحاظ سے کہ وہ اس کی جانب نفوذ کر رہا ہے۔

مکمل قرب تین قسموں میں منحصر ہے کیونکہ انسان کو یا تو اپنے نفس کا علم حضوری حاصل ہوگا کہ جس کے ضمن میں اسے اللہ تعالیٰ کی صفات کا بھی علم ہو جائے گا اور اسی طرح وہ امر جو واجب تعالیٰ کی ذات اقدس کے ساتھ مخصوص ہے وہ اس پر منعکس ہوگا اور اسی کا نام قرب نوافل ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کے قرب کا حصول کامل توجہ اور امور کلیہ کے بعد ہوتا ہے جو فرائض کی قسم سے نہیں بلکہ ایسی عبادات ہیں جو فقط قرب حاصل کرنے کیلئے عمل میں لائی جاتی ہیں اور جب وہ فرائض نہیں تو پھر وہ نوافل ہیں۔

(2) اور یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی معرفت حاصل ہو مگر یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی اس کی ذات کی کیفیت کو معلوم کر سکے لہٰذا اس کو جاننے کے یہ معنی ہیں کہ کسی ایسے امر مجرد کے ضمن میں یہ علم حاصل ہو جس کا تجرد صرف نام کے لحاظ سے ہو گویا کہ وہ اس عالم میں ذات بحت کا تمثل ہے اور چونکہ اس علم کا منبع عین ثابت ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ اس کے رنگ کے مطابق ہو جو آئینہ کی مثل کے ہے اور واقعات اس میں جلوہ گر ہوتے ہیں اور یقین کئے گئے عالم کے تمام امور کے وہ جامع ہے کیونکہ اس سے پہلے تمہیں بتایا گیا ہے کہ وہ اسم مطلق کیلئے بمنزلہ سایہ کے ہے اور یہی قرب فرائض ہے اور یہ اس نام کے ساتھ اس وجہ سے موسوم کیا گیا اسم مطلق ہے کہ جو امور اس پر وارد ہوتے ہیں وہ فرائض کی قسم سے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دے رکھا ہے اور جس وقت یہ قرب کامل ہو جائے تو اس کے آخری کمال کے بعد انبیاء کو نبوت حاصل ہوتی' اور یہ کمال اس تجلی کے لئے مکمل تجرد اور مکمل تحقق کے بعد ہوتا ہے پھر اس کو اسماء ملائکہ کا تقابل حاصل ہوتا ہے پھر اس کے بعد اس کا ارتقاء اور دوسرے نشات کے کمال حاصل کر لیتا ہے' واضح رہے کہ نبوت و رسالت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔

(3) اور یہ کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کی صفات ذات کا علم فیضان وجود کے ضمن میں پورے یقین کے ساتھ حاصل ہو چنانچہ اس کی عین ثابتہ کو اس کے وجود پر علم حضوری وغیرہ کے ذریعہ احاطہ حاصل ہوتا

Marfat.com

ہے اور وہ اسم پاک جو اس عین ثابتہ کی اصل ہے مجید و علیم اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کی مدد سے اس بارے میں اس کی معاونت کرتا ہے اس قسم کے قرب کا نام قرب وجود ہے۔

اب ہم ان تین اقسام کی قدرے تفصیل کرتے ہیں۔

قرب نوافل

قرب نوافل کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے نفس کو حق تعالیٰ کے آئینہ میں دیکھ سکو اور اسی آئینہ کا رنگ تم پر چڑھ جائے اس رنگ سے مراد مرتبہ وجوب کی شان و شوکت ہے اور اس کی بنیاد اس پر ہے کہ ممکن کے تقرر اور تحقق کا مرجع واجب الوجود کا تقرر ہے۔ چنانچہ وسعت رکھنے والا علم حضوری اس تقرر کا تمثل ہے جس کی وجہ سے اسے اپنے نفس کا علم حضور حاصل ہو جاتا ہے اور اس ضمن میں اسے علم باللہ تعالیٰ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ نظر شیشہ سے پار ہو کر کسی بھی چیز تک پہنچ جاتی ہے اور جس کو اس قسم کا قرب حاصل ہو اسے بعض اوقات یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ میں نے ذاتی کیفیت کو پالیا اس شک کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کی کیفیت پر نظر ڈالتے وقت انوار تجلیات سے ڈھانپا ہوا پاتا ہے اور اسے یہ شک ہو جاتا ہے چنانچہ ایسے شخص کو دو حالتیں پیش آیا کرتی ہیں۔ (1) جب اس کو کامل وصول کا مقام حاصل ہو تو اسے اپنے نفس کا کشادہ علم حاصل ہوتا ہے اور یہی علم بعینہ بسیط علم باللہ ہوتا ہے کہ جس کیلئے کسی قسم کا تعدد یا کثرت کے نور سے معین نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس نزول کی جانب میں وہ اپنے نفس کو انوارات سے ڈھانپا ہوا دیکھتا ہے تو اس وقت دو جہتیں پیدا ہو جاتی ہیں اس قرب کی ایک تو حقیقت ہے اور دیگر اس کے نظائر ہیں۔ چنانچہ اس کی حقیقت تو یہی علم حضوری ہے اشباح سے ہم یہ مراد لیتے ہیں کہ واقعی میں اس علم کو کسی نہ کسی طرح تمثل حاصل ہو اور اشباح میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کو اپنی فکر کا گھوڑا دوڑانے سے توحید کی معرفت حاصل ہو جائے اب جسے اس کی حقیقت نصیب ہوگئی تو وہ تو نیک بختی پر فائز ہوگیا اور جس کو اشباح میں سے کچھ حصہ مل گیا وہ بھی ملی ہوئی چیز پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

قرب فرائض

اور قرب فرائض یہ ہے کہ حق تعالیٰ عین ثابتہ کے آئینہ میں تجلی فرمائے اور اسے اسی آئینہ کے رنگ میں مشاہدہ کرو۔ وحی کے مقام میں اللہ تعالیٰ نے مضارع کے صیغے اسی بنا پر استعمال کئے ہیں۔ مثلاً مانشاء، سیقول، سیکون اس کی اصلیت یہ ہے کہ ممکن کا معرض وجود میں آنا اللہ تعالیٰ کی مختلف تجلیات کا نتیجہ ہے اس لئے آدمی کا کمال صرف وہی ہے جو عین ثابتہ اسے عطا کرے کیونکہ اس کا رابطہ عین ثابتہ کے عطیات ہی میں سے ہے چنانچہ اس کا علم باللہ اور معرفت کی مقدار بھی عین ثابتہ ہی پر موقوف ہے۔

اور ایسے شخص کو بھی دو حالتیں پیش آتی ہیں جب اس کو کامل عروج حاصل ہو تو اس کی تلاش سست پڑ جاتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اس کے حق میں فیصلہ فرماتا ہے سو اس وقت اسے علم

باللہ کا ادراک بھی باقی نہیں رہتا حالت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے کلام فرماتا ہے جیسا کہ شعیب علیہ السلام سے منقول ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قال اللہ علیٰ لسان نبیہ سمع اللہ لمن حمدہ اور حالت نزول میں تو اس کی معرفت کی انتہا اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر رہنا ہے اس کی بھی حقیقت ہے اور پرچھائیاں یعنی اشباح حقیقت سے تو وہی عروج مراد ہے جو کہ بیان کر چکے ہیں اور بعض اشباح کے وہ واقعات ہیں جو اس مقام پر دلالت کرتے ہیں دوسرے اس قرب کے معارف میں ذاتی ضعف اور عجز کا احساس اور عبودیت کا اعتراف اس مقام کے آثار ہیں۔ "قرب وجود" و "قرب فرائض" اور "قرب نوافل" یہ تینوں اقسام ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ ایک قرب والا دوسرے دونوں "قربوں" کا بھی جامع ہوتا ہے بشرطیکہ وہ صاحب تمیز ہو لیکن اسے اسی قرب کی جانب منسوب کیا جاتا ہے جس میں اسے یہ کیفیت حاصل ہو۔

اور یہ بھی جان لو کہ ہم جو کہتے ہیں کہ انبیاء کو قرب وجود کے بعد قرب فرائض حاصل ہوتا ہے اور حکماء کو قرب نوافل کے بعد قرب وجود حاصل ہوتا ہے وغیرہ تو اس سے ہماری مراد وہی امور ہیں کہ جن میں کسی قسم کا اضمحلال نہیں اور کمال کا اس پر مشتمل ہونا تجدد اور اطلاق کا تقاضہ ہے۔ بعض حضرات پر "لطیفہ خیالیہ" یا "ادراکیہ" یا قوت تمیز غالب ہو جاتی ہے اور وہ ان ہی کے احکام اور اشارات پر چلتا ہے تو ایسا شخص مقام فنا سے مایوس وہ جاتا ہے زیادہ سے زیادہ وہ مقام صفا کا امیدوار رہتا ہے۔

اور بعض حضرات پر ان کے جہان فانی میں آنے کا راز منکشف ہو کر غالب ہو جاتا ہے میری مراد اس سے اس کی ذات کا تشخص ہے تو اسی انکشاف کا حکم چلتا ہے اور دونوں لطیفے رعایا کے طور پر اس کے ماتحت رہتے ہیں اور یہ مقام حسب استعداد "ولایت" کا متقی ہے۔ (شاہ ولی اللہ)

نبی کی حقیقت

نبی کی حقیقت اور اس کے اسم کی تشریح جیسا کہ حکماء ربانیین سمجھتے ہیں یہ ہے کہ اس شخص کی عین ثابتہ کو دوسری اعیان ثابتہ کی نسبت اس اسم پاک سے زیادہ قرب حاصل ہو جو اس کے وجود کا مقصد ہے اس کی عین ثابتہ ان وجود اور اعتبارات کی جامع اور کامل ہو کہ جن سے اس کی فطرت بنی ہے صورت مزاجیہ سے اسے انسلاخ حاصل ہو ان تینوں قربوں قرب نوافل' قرب فرائض اور قرب وجود سے قرب حاصل ہو۔ مقصد یہ کہ اس اجمال اور ماحصل کا جامع ہو جو کہ اعیان ثابتہ تشخص اور خیال کی شبیہات سے ہے اور اس کے اوصاف میں یہ ہے کہ وہ امی ہو اور اپنے کسی حکم کا تابع نہ ہو بلکہ خداء بزرگ وبرتر کے احکام کی تکمیل کرتا ہو اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس کی عین ثابتہ میں جو ملکوت سے ملحق ہے تجلی فرمائی ہے اور اس کے اسم اور دیگر اسماء میں تصادق پیدا ہوا اس کے بعد اسے ایک اور ارتقاء حاصل ہوا جو ان تمام کمالات کا اجمال ہے وہ کمالات جو کہ اس نے اکتسابی طور پر حاصل کیے تھے اور وہ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کی بارگاہ میں کامل توجہ کے ساتھ راغب ہوا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی شریعت اور زہد وغیرہ نازل فرمایا اور ان احکام کی تعلیم دی جس میں کمال حاصل کرنا اس نظام عالم کا جز ہے جس کی بنا پر خیر و برکت پر ہے جس میں ایک خاص حکیمانہ ترتیب پائی جاتی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ وہ نبی کے ذریعہ برائیوں کا خاتمہ فرمادے اور لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے چنانچہ انبیاء کو ایسی شریعت عطا کی جو لوگوں کیلئے ہدایت کا باعث بنی اور اس کی پابندی کرنا ان پر فرض ہوا۔ نبی کا ادنیٰ فرض یہ تھا کہ جو اس کے سامنے آئے اس کو رشد و ہدایت کی طرف بھرپور دعوت دے۔

انبیاء کی اقسام

اور انبیاء میں سے رسول وہ ہے جو کافروں سے بحث مناظرہ اور ان کے قتال اور احکام شرعیہ کو ان پر قانون نافذ کرنے پر مامور ہو' قطع نظر اس کے کہ یہ احکام جدید ہوں یا نہ ہوں چنانچہ رسول کی عین ثابتہ کو دوسرے انبیاء کی عین ثابتہ کی نسبت زیادہ قرب حاصل ہوا اور ان کا تعلق بہت زیادہ مستحکم ٹھہرا اور اولوالعزم وہ رسول ہیں کہ جنہیں نئی شریعت دی گئی اور ایک مستقل کتاب ان پر بذریعہ وحی نازل کی گئی۔ ان کے طریقہ کی اصل وہ تجلی ہے جو ان کے ایجاد کے مطابق ہوئی اور ایسے انبیاء کرام میں سے ہر ایک کا امی ہونا نہایت ضروری تھا تا کہ ان پر سراسر اللہ وحدہ لاشریک کے احکام نافذ ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے سینوں میں اسی اسم پاک کے ساتھ جلوہ گر ہوا جو ان کی عین ثابتہ کے رنگ میں رنگا ہوا اور احکام کے ساتھ موصوف ہے۔ تشریعی امور وغیرہ کا انتظام اسی کے ساتھ وابستہ ہے کہ جن میں کسب واکتساب کا کوئی دخل نہیں اور ان کا کسب یہی ہے کہ وہ جس حالت میں ہوں' اسی پر ٹھہرے رہیں' حتیٰ کہ جو چیز اجمال کے پردہ میں مسطور تھی' وہ ظاہر اور منکشف ہو جائے۔

یاد رکھو ان انبیاء کی عین ثابتہ کبھی کبھی نبوت کے علاوہ کسی دوسرے کمال کی بھی متقضی تھی مثلاً اقتراب ملکی جس کی بدولت ہمارے نبی اکرم ﷺ کو حسب ضرورت حکیمانہ نظام کلی سے بہرہ ور فرمایا۔ یا مثلاً عالم ملک میں ان کے کمالات متمثل ہوں۔ لیکن یہ تمثل فطری نہ ہوا اور ادریس علیہ السلام کو باعتبار کائنات علویہ کے قرب حاصل ہونا اور ایسے ہی نوح علیہ السلام کو باعتبار کائنات سفلیہ کے قرب ہونا اور سلیمان علیہ السلام کو تسخیر جن اور تسخیر ہوا وغیرہ کے ذریعہ سے قرب حاصل ہوا اور ان میں سے ہر ایک اپنے کمال اور اقتراب کی بنا پر ممتاز ہے۔ قرب سے مراد یہ ہے کہ ان کی عین ثابتہ کو ان اشیاء کے ساتھ مناسبت تھی اس لئے تمثلات اشیاء مادی کی مناسبت کو نظر انداز کیا گیا۔

مزاج نبوت کی اقسام

مزاج نبوت پانچ قسموں میں منحصر ہے۔ (1) تراکم جس سے مراد یہ ہے کہ صورت جو یہ اور صورت مزاجیہ میں مشابہت ہو اور کمالات ولایت کا انحصار اسی پر ہے اور نوح علیہ السلام اس قسم کے

مزاج رکھنے والوں کے امام ہیں ان کے انداز کی بنیاد ان اسماء حادثہ کی روشنی پر تھی جو کبھی کبھی انبیاء علیہ السلام کے سینوں سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔

(2) قربیت جس سے یہ مراد ہے کہ صورت جو یہ اس کی عین ثابتہ کے احکام کی مکمل طور پر تابع ہو اور اس کی عین ثابتہ کو کامل درجہ کا قرب حاصل ہو اس مقام کے مالک ابراہیم علیہ السلام ہیں اور اسی پر کمالات فطریہ موقوف ہیں فطرت کو ان کی طرف منسوب کرنے اور شب معراج میں ان کے اس حالت پر متمثل ہونے میں گویا کہ وہ معلم فطرت ہیں یہی نکتہ ہے۔

(3) صلابت یا سختی اس صفت کا نام ہے کہ جسے تمام دیگر صفات سے وہی نسبت ہے جو یقین کو کسی مسئلہ کی مکمل کیفیت سننے ہوتی ہے یہ واجب تعالیٰ کی ذات اقدس کا قریب ترین تمثل ہے کیونکہ اس میں وحدت پائی جاتی ہے اور اس کے امام موسیٰ علیہ السلام ہیں اور کمالات میں عروج اسی پر موقوف ہے چنانچہ اہل ولایت اس شخص کو کہ جس کے مزاج میں سختی ہو مجازاً موسوی المشرب کہتے ہیں حالانکہ ان دونوں سختیوں میں بڑا فرق ہے۔

(4) سبوع امور غیر محسوسہ میں اسے وہی مرتبہ حاصل ہے جو عالم شباب میں تنومندی اور تناسب اعضا کا ہے۔ قرب کے لحاظ سے یہ صلابت کے طریقہ پر ہے اسی انداز کے کمالات ہی پر موقوف ہیں اور اس کے امام حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اس مقام کو انہوں نے جبرئیل علیہ السلام کے نفخ کی بدولت پایا اور ان کے نزول کو قتل دجال کیلئے مخصوص کرنے میں یہی نکتہ ہے۔

(5) امیت یہ ایک ہیت مخصوصہ ہے کہ جسے دیگر مزاجوں سے وہی نسبت ہے جو صورت جو یہ کو صورت مزاجیہ سے ہے اسی بنا پر یہ نہایت ضروری ہے کہ جس کا مزاج اس قسم کا ہو وہ اسم مقدس جس کا مظہر اس کا سینہ مبارک ہے شدید الاطلاق ہوگا اور اسے انتہائی درجہ کا قرب حاصل ہوگا چنانچہ اس درجہ کے امام اور خاتم سید المرسلین شفیع المذنبین وسیلۃ القربین سکینۃ السالکین مظہر اعظم، سیدنا مولانا حضرت محمد رسول اللہؐ ہیں۔ ختم نبوت کا انحصار اسی پر ہے اور آپؐ کا مزاج اور کمال وہی اسم مطلق ہے اور اسی بنا پر آپ کو اسم اعظم کے ساتھ موسوم کرتے ہیں۔ (شاہ ولی اللہ)

انبیاء کرام کی اعیان

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ انبیاء کرام کی اعیان ثابتہ سب کی سب پانچ قسموں میں منحصر ہے۔

(1) جسے اولیاء کرام کی زبان میں علم فعلی کا تمثل کہتے ہیں اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انہوں نے اسے علم فعلی کے ذریعہ پایا لیکن ہماری اصطلاح میں ان کے قرب کے مقتضی میں سے جو قرب انبیاء کی نوعیت کے مطابق ہے اس کو الحی القیوم کا تمثل کہنا چاہئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختصار کیساتھ اور سید المرسلین علیہ السلام نے باعتبار تفصیل کے اس کمال کو پایا ہے اسی بنا پر آپ کی امت کو ملت

Marfat.com

اہیکم ابراہیم کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے اور اسی لئے ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں یہ دعا کہ ربنا وابعث فیھم رسولا اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمام انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ مشابہ ہوں۔

(2) دوسری قسم شون کا تمثل ہے جس سے مراد اسماء پاک کی اجمالی قسمیں ہیں۔ اس مقام پر یعقوب علیہ السلام اجمالا اور موسیٰ علیہ السلام تفصیلاً فائز ہوئے اور اسی لئے موخر الذکر شریعت کو یعقوب علیہ السلام کی شریعت کی شرح شمار کر لیا گیا اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر جو حرام کیا تھا اسی کو تورات میں بھی حرام کر دیا گیا۔

(3) تیسری قسم ارادہ کا تمثل ہے کہ جس کے معنی بالفصل کسی کو فائدہ دینے کے ہیں یہ مقام حضرت آدم علیہ السلام کو حاصل ہوا اور وہ ابوالبشر ہوئے' یہ تینوں اقسام ابداء کے سلسلے سے وابستہ ہیں۔

(4) چوتھی قسم ثبوتیات ہیں جو تمام انبیاء کرام مثلاً یوسف علیہ السلام کے حصہ میں آئیں۔

(5) پانچویں قسم سلبیات ہیں ادریس اور نوح علیہ السلام کو یہ مقام حاصل ہوا۔ کامل افراد میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے کمال کے امام اور اس میں ممتاز ہوئے ہیں۔

آدم علیہ السلام اور ان کا مبداء تعین

آدم علیہ السلام کے تعین کا مبدا اسم پاک المرید ہے۔ جس کا اقتضاء ذاتی کائنات کا معرض وجود میں آنا ہے اسی بنا پر وہ ابوالبشر قرار پائے کیونکہ باپ اور خالق کی حیثیت عالم مادی میں ایک جیسی ہوتی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی زیادہ تر توجہ نسل افزائی اور زمین کی پیداوار بڑھانے کی طرف رہتی تھی اور یہ سب امور تخلیق کے تمثلات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے آدم علیہ السلام کو سب کے سب نام بتا دیئے۔ اس تعلیم کی کیفیت ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ان اسماء پاک کی حقیقت ظاہر فرمائی کہ جن کی بدولت حوادث عالم ظہور میں آتے ہیں اور عالم صورت کی وسعت کا ان پر انکشاف ہوا اور اس بات کا بھی انہیں علم دیا گیا کہ ہر ایک جزئی خواہ وہ پاک ہو یا ناپاک موجود ہو یا معدوم اس کی ایک مخصوص صورت ہوتی ہے چنانچہ آدم علیہ السلام نے اصوات پیدا کر کے اصول تکوین کے لئے حروف وضع کئے اور پھر انہیں آپس میں ترکیب دی تا کہ کلام نمایاں ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا سب سے پہلا صحیفہ حروف تہجی پر مشتمل تھا۔

اور چونکہ ان کا سبوغ کامل تھا خصوصاً اس کا وہ کمال جو ابوالبشر ہونے کی حیثیت سے انہیں حاصل تھا اس لئے قوت حال کا تقاضا یہ ہوا کہ غلبہ حال کے اوقات میں ان سے ان کی نسل ظاہر ہوا اس حالت میں جو واقعات ان کے سامنے تھے وہی بعینہ ان کی نسل کو پیش آئے اور لڑکا والد کی عین ثابتہ میں مندرج ہوا کرتا ہے۔ (خیر کثیر)

حضرت شیث وادریس علیہما السلام (بحوالہ خیر کثیر)

شیث علیہ اسلام کے تعین کا مبداء الوہاب ہے جو ارادہ کے اول ترین جزئی کا مظہر ہے۔آدم علیہ السلام کی طرح ان کی بھی زیادہ توجہ نسل افزائی اور زمین کی پیداوار بڑھانے پر مبذول رہی وہ اپنے باپ کے وصی اور ان کے کمالات کا آئینہ تھے اور ان کے باپ کا مزاج پیداوار بڑھانے کی طرف مائل تھا اور ان کے اکتسابی کمالات میں سے تجلی سلبی تھی جس کے ذریعہ پیداوار میں اضافہ ہوا اور شیث علیہ السلام فطری اور کسبی طور پر اپنے والد گرامی کے وارث تھے۔

جب کمالات سلبی کو تحقق حاصل ہوا اور فطرت اور اکتساب دونوں حیثیتوں سے اس کا تقرر ثابت ہوا تو اس میں تمثل کی قابلیت پیدا ہوگئی ادریس علیہ السلام کا مبدا تعین السبوح تھا۔جس کا درجہ القدوس سے بلند تر ہے ان دونوں میں وہ فرق ہے جو عدم اور سلب وجود کے درمیان ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی قوم پر نوح علیہ اسلام کی قوم کی طرح مہلک عذاب نازل نہیں ہوئے ان کا مزاج بھی پیداواری تھا مگر ان کا اکتسابی قرب کائنات علویہ کے ذریعہ تھا اس میں ان کی بہت بڑی شان ہے اور آپ اس قسم کے قرب میں ممتاز تھے۔ جب ان کے متفرقات میں وحدت پیدا ہوئی تو انہوں نے کائنات علویہ کے عین وسط سورج کو اپنا وطن بنالیا۔

نوح علیہ السلام

نوح علیہ السلام کا مبدا تعین القدوس ہے جو السبوح کی شرح اور تفصیل ہے ان کا مزاج بھی پیداواری تھا لیکن سلبیت نے اس کی شدت کو کم کردیا۔ان کے اکتساب کردہ کمالات میں تجلی ارادی ہے جیسے آدم علیہ السلام کو یہ کمال فطرت حاصل تھا کہ ان کا قرب کائنات سفلیہ کے ذریعہ تھا یا ادریس علیہ السلام کو کائنات علویہ کے ذریعہ قرب حاصل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم پاک سبوح کے مفہوم کو بلندیوں سے خاص مناسبت ہے اور ایسے ہی قدوس کو سفلیات سے خاص مناسبت ہے اور اسی بنا پر ان کی قوم کو ہلاک کیا گیا اور ہلاکت کے بعد نسل افزائی اور زمین کی پیداوار بڑھانے میں مصروف رہے اور آدم ثانی کا لقب پایا۔

ہود علیہ السلام

نوح علیہ السلام کی طرح ہود علیہ السلام کے تعین کا مبدا سلبیات میں ہے اور کمالات مبدا میں سے ان کا ایک کمال اکتسابی ہے اور ان کے فروع میں سے علم توحید ہے اور اسی بنا پر قرآن کریم میں ان کا یہ قول منقول ہے کہ ان ربی علیٰ صراط مستقیم۔

Marfat.com

صالح علیہ السلام

صالح علیہ السلام کا مبدا تعین اور ان کا اکتساب کردہ کمال ہود علیہ السلام کی طرح تھا اور انہیں تجلی اضافی حالی کی خصوصیت حاصل تھی ان کی قوم کی شرارتیں اونٹنی کی شکل میں نمودار ہوئیں جیسا کہ یہ چیز بطور اشارہ کے ذکر ہو چکی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جن انبیاء کرام کا مبدا تعین سلبی ہے ان کی قوم پر عذاب نازل ہوتا ہے اور ان کی دعا زیادہ موثر ہوتی ہے۔

ابراہیم واسماعیل علیہ السلام

ابراہیم علیہ السلام کی شان بہت بلند ہے تعری اور ایجاب کا سلسلہ ان ہی سے شروع ہوا اور ان کے تعین کا مبداء اجمالی الحی القیوم ہے ان کے مزاج میں نرمی اور سختی دونوں شامل ہیں ورنہ انہیں یہ انتہائی کمال حاصل نہ ہوتا اور اگر یہ دونوں چیزیں ان میں نہ پائی جائیں تو ان کا کمال مکمل نہیں ہوتا۔ یہ پیغمبر فطرت ہیں اور کعبہ شریف کے معمار بھی ہیں۔ حج کے بہت سے ارکان ان کی یادگار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے جد امجد ہونے کا بھی انہیں شرف حاصل ہے۔ انہوں نے بارگاہ الٰہی میں بیٹے کی درخواست کی جو بوجھ اٹھانے میں ان کا معاون ثابت ہو چنانچہ انہیں صالح فرزند عطا کیا گیا۔

اسماعیل علیہ السلام

اسماعیل علیہ السلام اسم پاک العلی کا تمثل تھے جس سے انہیں تسکین اور شرح صدر حاصل ہوا اس کے بعد وجدانی غلبہ کی حالت میں جو آپ کے استعداد کا تقاضا تھا اس بات پر مامور ہوئے کہ ان سے اس کمال مطلق کا تمثال صادر ہوا اور اس چیز میں ابراہیم علیہ السلام کیساتھ اسماعیل علیہ السلام بھی شریک تھے چنانچہ آپ کو سخت انسلاخ کی حالت پیش آئی اور آپ سے بیت اللہ کا ظہور ہوا' جو عالم حس میں متفرقات کا جامع ہے پھر لوگوں کے دلوں میں محبت ڈالی گئی کہ وہ اس پاک سے گھر کی طرف کھنچ کر آئیں۔

پھر آپ تفصیل کی طرف مائل ہوئے اور پھر دوبارہ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں خیال پیدا ہوا چنانچہ آپ کو اسحٰق علیہ السلام کی بشارت دی گئی جو اسم پاک العظیم کا تمثل تھے اس سے آپ کی طبع مبارک میں شگفتگی پیدا ہوئی اس کے بعد وجدانی غلبہ کی حالت مین پھر دوبارہ آپ کو حکم دیا گیا کہ ایک دوسرا گھر عبادت کا تعمیر کریں جو تفرقات کا جامع ہو اور انہوں نے بیت المقدس کو تعمیر کیا۔ اسماعیل علیہ السلام مذبوح تھے اور قربانی پر جانوروں کا ذبح کرنا ان کی یادگار ہے۔

یعقوب اور یوسف علیہ السلام

ابوالانبیاء یعقوب علیہ السلام بنی اسرائیل کے مقتداء قرار پائے چنانچہ تمام بنی اسرائیل کے اجمال کے احکام انہیں کی طرف سے منسوب ہیں۔ اور آپ کو موسیٰ علیہ السلام سے وہی نسبت ہے جو کہ ابراہیم علیہ السلام کو ہمارے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حاصل ہے۔ یوسف علیہ السلام کا مبداء تعین الولی تھا اور صفت جمالی نے انتہائی درجہ تک اس میں سرایت کیا تھا یہاں تک کہ ان کا ظاہری جسم بھی جمال ظاہر کا اعلیٰ ترین نمونہ تھا۔

عوام کا خیال ہے کہ الولی کے تین معنی ہیں اور ان تینوں معنوں پر مشترکہ طور پر اس کا اطلاق ہوتا ہے ایک ان میں قرب ولی کے معنی قرب کے ہیں دوسرا سرپرست اس معنی کے لحاظ سے حاکم اور بادشاہ کو علی کہا جاتا ہے۔ تیسرے محبت اور محبوب کے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کا ایک معنی یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ) کو اپنے بندوں سے قرب ذاتی ازلی حاصل ہے۔ محبت اور سرپرستی کے معنی اس ضمن میں آجاتے ہیں مطلق قرب ذاتی ازلی اور الولی کے مفہوم میں جو یوسف علیہ السلام کا مبداء تعین ہے بڑا فرق ہے۔ موخر الذکر جمال در جمال ہے اور خالص صورت جمالیہ کے ساتھ مخصوص ہے لیکن اسم پاک ولی کے جس معنی کے وہ تمثل تھے وہ لطیف تر اعلیٰ اور زیادہ شاندار ہے اور آپ کا فرمان ہے انت ولی فی الدنیا والاخرۃ باطنی طور پر اس کے یہ معنی ہیں کہ یا اللہ تو ہی میرا ولی ہے کہ مجھے پیدا کیا تو ہی دنیا و آخرت میں میرا سرپرست ہے اور تیرے ہی اسم پاک الولی سے میرا ظہور ہوا چنانچہ میں معرض وجود میں آیا اور دنیا و آخرت میں ولایت کا مظہر ہوا۔

ایوب اور شعیب علیہ السلام و لوط علیہ السلام

ایوب علیہ السلام کا کوئی خصوصی مبد تعین نہیں تھا معلوم ہوتا ہے کہ بعض شئون کے وہ تمثل تھے اس لئے وہ بڑی مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہوئے اور اسی طرح شعیب علیہ السلام کا بھی مبدا تعین نہیں تھا ان میں سلب کی آمیزش تھی۔ ان کو قرب فرائض کا کمال پوری طرح حاصل تھا۔ لوط علیہ السلام کی قوم غیر فطری فعل کی طرف مائل ہوگئی اور حضرت لوط علیہ السلام کو تنگ کرنے لگی اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے منکر ہوگئی جس پر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کر دیا گیا۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام

موسیٰ علیہ السلام کا مبدا تعین ثبوتیات تھا لہٰذا آپ کی کتاب بڑی اور آپ کا علم بہت وسیع اور ارشد کے اعتبار سے آپ زیادہ اشرف تھے اور آپ کی امت بھی بہت زیادہ تھی۔ مقامات میں آپ کو

Marfat.com

قدم راسخ اور کمالات میں اعلیٰ درجہ کا اکتساب حاصل تھا اور اسی لئے آپ مامور بہ جہاد ہوئے اور حسن تدبیر کے ساتھ اپنی امت کے انتظامات انجام دیئے۔ انواع کمالات میں آپ ہجر کے لحاظ سے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔

اور ہارون علیہ السلام کی نبوت حکمی تھی وہ تو اپنے بھائی کے معاون اور مددگار تھے جب موسیٰ علیہ السلام شدت فرماتے تو وہ نرمی کرتے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں شدت اور سختی تھی۔ اور خضر علیہ السلام نے آپ کو یہ بتلایا کہ قرب نوافل میں بھی ایسے مقامات ہیں جو قرب فرائض کے مدمقابل ہیں چنانچہ انہوں نے لڑکے کو قتل کیا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو غرق کیا اور دیوار کو بلا اجرت سیدھا کرنا ایسا تھا جیسا موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا اور کشتی میں شگاف کرنا ایسا تھا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا تھا کیونکہ آپ آتشین مزاج تھے اور آپ کے اخلاق میں سختی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے آگ کی صورت میں ان کے سامنے تجلی فرمائی اور قرب فرائض میں کمال حاصل تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام فرمایا۔

اور یوشع اور شموئیل علیہ السلام بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے اور الیاس علیہ السلام کے مزاج میں موسیٰ علیہ السلام کے مزاج کی طرح سختی تھی۔ اسی لئے ان کا معجزہ آگ کو مسخر کرنا تھا اور وہ جنگلوں اور بیابانوں میں گھومتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، یونس علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، ذکریا علیہ السلام

داؤد علیہ السلام کا مبداء تعین الملک تھا اور ان کے مزاج میں نرمی تھی، سلیمان علیہ السلام ان کے وارث اور تسخیر و بادشاہت میں ممتاز تھے۔ ہماری رائے میں ان کا یوں ممتاز ہونا بالفعل اور بالقوۃ دونوں اعتبار سے تھا۔ اُوتیت من کل شی اس سے مراد حسن و جمال اور معارف حکمت کا اکتساب وغیرہ کمالات ہیں۔ یسعیاہ اور یونس علیہ السلام بھی جلیل القدر نبی تھے۔ یونس علیہ السلام پر قرب فرائض غالب تھا اسی طرح یحییٰ علیہ السلام اور ذکریا علیہ السلام بھی انبیاء کرام میں خصوصی درجہ کے حامل ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان بہت بلند تھی اور ان کو زبردست دلائل اور کھلی نشانیاں دے کر رسول بنایا گیا تھا ان کے مزاج میں نرمی تھی۔ چنانچہ ان کے معجزات میں بھی نرمی تھی اور ان کے معرض وجود میں آنے کا نتیجہ بھی نرمی اور مہربانی ہی تھی اور اسی واسطے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کا ان کی ذات میں منعکس ہونا ضروری ہے۔ عوام کا خیال ہے کہ جس وقت وہ دوبارہ زمین پر اتریں گے تو ان کی نوعیت ایک امتی کے طریقہ پر ہوگی ایسا نہیں بلکہ ان کا نزول اسم جامع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح اور تفصیل

Marfat.com

ہے اور اس کی نقل اور خاکہ ہے اس لئے ان کے اور ایک امتی کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ وہ قرآن کریم کے متبع ہوں گے اور نبی اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چلیں گے لیکن اس سے ان کے کمال میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا بلکہ اور تائید ہوتی ہے وہ باعتبار اپنی ذات کے یہود کی شرارتوں کیلئے دیوار تھے اور اسی بنا پر وہ پھر دوبارہ قیامت کے قریب دنیا میں نزول فرمائیں گے۔

سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

ہمارے نبی اکرم سید المرسلین ﷺ کی ذات اقدس الحی القیوم کا تمثل ہے جو رحمت اور وسعت کے ساتھ تمام وجود مختلفہ کا جامع ہے جس وجہ سے آپ ؐ کے تمام کمالات انتہائی درجہ تک پہنچے ہوئے تھے اور آپ ؐ خاتم النبین قرار پائے اور آپ ؐ کو تمام انبیاء کرام پر فضیلت بخشی گئی جس کی کئی وجوہ ہیں۔ آپ ؐ کی ہیت عینیہ ایک جامع امیت تھی اور جواسم پاک آپ ؐ کا تعین مبداء ہے۔ آپ ؐ کے قلب مبارک میں طلوع کئے رہتا تھا اور آپ ؐ کا فرمان کہ مجھے یونس ابن متی سے افضل نہ کہو اس کے معنی گہرے ہیں۔

اور اس کہنے کا راز یہ ہے کہ

اللہ کی ذات اقدس نے اعیان رسل میں تجلی فرمائی کہ جس کی بنا پر نظام تشریعی مکمل ہوا۔ چنانچہ حقیقت اور ثبوت کے لحاظ سے تمام شریعتیں برابر ہیں کمالات ازلیہ کے علاوہ اور کسی قسم کا فرق نہیں اور انبیاء کرام نے جو احکام خداوندی لوگوں تک پہنچائے ہیں ان کی سچائی میں کسی قسم کا شبہ نہیں البتہ تبلیغ کا طریقہ اور اخذ عن اللہ کی نوعیت اعیان کے مختلف ہونے کے لحاظ سے ہر ایک پیغمبر کے حق میں مختلف ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ فرق کی نفی اس لئے کی گئی ہے کہ تمام انبیاء کرام کی شریعتیں دوسری حیثیات سے قطع نظر نفس سچائی کے لحاظ سے بالکل برابر ہیں کیونکہ فرق صرف اس حیثیت سے ہے کہ ان کے اعیان کی استعداد مختلف ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ زید عمر دیگر نفس انانیت کے لحاظ سے ایک ہیں اور لفظ انسان ان پر صادق آتا ہے اگر چہ اعیان میں اول اور دوم صفات میں ان کے اختلاف کے مقابلہ میں مختلف ہوں چنانچہ انسانیت قریبی مماثلت ہے اور اعیان نشاۃ بعیدہ ہے اور اسی طرح ان کے سینوں میں باعتبار اسماء طالعہ کے اوامر کا ارتقاء نشاۃ قریبہ ہے اور اعیان نشاۃ بعیدہ ہیں اور اس فرق کی بنا پر یہ حدیث اور دوسری اس قسم کی حدیثیں منطبق ہوگئیں جیسا کہ آپ ؐ نے فرمایا نہ بیماری اڑ کر لگتی ہے اور نہ بدفالی کوئی چیز ہے اور ایسے ہی ایک مقام پر آپ ؐ نے فرمایا کہ پہلے کو بیماری کہاں سے آئی اور اسی بیان کردہ معنی پر ہم نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو محمول کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت ختم کردی گئی۔ اور آپ ؐ خاتم النبین والمرسلین ہیں۔ آپ ؐ کو آخری کتاب قرآن مجید عطا فرمایا گیا اور آپ کو نصرت و کامرانی عطا کی گئی اور معراج کی شب اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوئے اور قیامت کے دن شفاعت کا مقام محمود بھی آپ ؐ کو عطا کیا گیا ہے۔

انسان کی موت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری و جنت و دوزخ کے احوال

اللہ سے ملاقات کا آغاز موت سے

انسان دنیا میں صرف آزمائش کیلئے بھیجا گیا ہے تاکہ سب کو انفرادی طور پر آزما لیا جائے اور اس کے اعمال کے نتیجے میں آخرت کا بلند انعام عطا کیا جائے۔ موت کے بغیر اللہ تعالیٰ سے ملاقات اس لئے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نظام ہی اس طرح ترتیب دے دیا ہے۔ موت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی طرف پہلا قدم ہے۔ مرنے کے بعد انسان کو مختلف حالتوں اور کیفیتوں کا سامنا رہتا ہے اس بارے میں بھی بعض روایات درج کر دی گئی ہیں تاکہ انسان موت کے بعد ان پیش آنے والے امور کیلئے تیاری کر لے اور آخرت کیلئے سرمایہ اکٹھا کر لے۔

موت کے بعد قبر کا عرصہ قیامت تک ہے۔ قیامت وہ دن ہے کہ جس دن یہ کارخانہ زندگی زیروزبر کر دیا جائے گا۔ ایک نیا نظام جاری فرمایا جائے گا۔ اس روز تمام انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے اعمال کے ساتھ پیش ہوں گے اور اپنے پروردگار کے سامنے تنہا حاضر ہوں گے۔ قیامت کے دن بدنصیب وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ٹھہریں گے اور جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔ جو خوش نصیب ہوں گے اللہ تعالیٰ کی بخشش جنت کی صورت میں ان اطاعت گزاروں کا استقبال کرے گی۔ اس سلسلے میں جنت و دوزخ کے احوال اور قیامت کے دن کے جاں گسل حالات درج کر دیئے گئے ہیں۔ اور امید ہے کہ جہنم کی ہولناکیاں اور جنت کی پرکشش و دائمی انعامات آپ کو ضرور دنیا کے عارضی پن کا احساس دلائیں گے اور آپ کو اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمانبرداروں اور شرک سے بچنے والوں کیلئے کتنے روح پرور مقامات تیار کر رکھے ہیں۔

موت کا خوف دور کرنا

انسان کی دو حالتیں ہیں! موت سے پہلے اور موت کے بعد' موت سے پہلے چاہئے کہ انسان ہمیشہ موت یاد رکھے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ موت کو اکثر یاد کیا کرو کہ جس شخص نے اسے تنگی حالت میں یاد کیا وہ وسیع الحال ہو گیا اور جس نے وسعت حالات میں یاد کیا وہ عسیر الحال ہو گیا۔ یہ بہت باریک بات ہے۔ موت کے باب میں لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ اول غافل' یہ حقیقی احمق ہیں۔ جو موت اور موت کے بعد کی حالت کے متعلق غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ ہاں جب اپنی اولاد اور متروکات

Marfat.com

کا خیال انہیں آتا ہے تو یاد کر لیتے ہیں۔ اپنے حالات نفس پر غور نہیں کرتے مگر جب کوئی جنازہ دیکھتے ہیں تو موت یاد آ جاتی ہے اور صرف زبان سے انا اللہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں۔ اپنے افعال کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے' یہ جھوٹے ہیں اپنے قول کے لحاظ سے۔ کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں۔

دوسرے وہ ہیں جو عاقل اور دانا مسافر کی طرح ہمیشہ اپنی منزل مقصود کو یاد رکھتے ہیں۔

وہ اپنے مقصود کو فراموش نہیں کرتے۔ غرض یہ ہے کہ دنیاوی لذتوں کو توڑنے والی یعنی موت کی یاد دھوکہ دینے والی آرزو سے محفوظ رکھتی ہے۔ حادثات و مصائب آسان ہو جاتے ہیں اور انسان سرکش ہونے سے بچا رہتا ہے۔ موت کی یاد سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیزوں پر قناعت اور توبہ میں جلدی کرنے کا وصف پیدا ہوتا ہے۔ حسد اور حرص دنیا دور ہو جاتے ہیں اور عبادت میں خوشی و مسرت حاصل ہونے لگتی ہے۔

جس شخص کو عبادت الٰہی میں لطف نہ آئے اور سستی آ گھیرے اسے چاہئے کہ ہر وقت غور کرے کہ میں جلدی مر جاؤں گا۔ میری قضاء آ چکی ہے کیوں اس کا امکان بہر حال رہتا ہے۔ جب انسان یہ خیال کرے کہ موت کچھ سالوں بعد ہی آئے گی تو عبادت کا شوق کیسے پیدا ہو گا اور دنیا کی محبت کیوں دور ہو گی۔ بلکہ چاہئے کہ ایک دن کی مہلت بھی سمجھے کہ میسر نہیں۔ ہر طلوع آفتاب کے ساتھ سمجھے کہ میری زندگی کا سورج غروب ہونے والا ہے۔ چنانچہ جو شخص انتظار میں ہو کہ بادشاہ ابھی سے بلاتا ہے تو اسے چاہئے کہ حاضر ہونے کیلئے ہر وقت تیار رہے۔ پھر اگر تیار نہ رہے گا تو کچھ عجیب نہیں کہ بلانے والے آ جائیں اور وہ غفلت کی وجہ سے عنایت شاہی سے محروم رہ جائے۔ کوئی وقت اور کوئی لحظہ ایسا نہیں کہ جس میں موت ناممکن ہو۔ اگر تم یہ کہو کہ موت دور کی بات ہے تو ہم کہتے ہیں جب مرض حملہ آور ہو جائے تو موت کو قریب ہی سمجھو اور یہ ایک دن سے بھی کم میں آ سکتی ہے اور کچھ بعید بات نہیں موت کے خوف سے غم کرنا بھی عقلمندوں کا شیوہ نہیں کہ یہ غم چار حالتوں سے خالی نہیں۔

(اول) شکم اور شرمگاہ کی خواہش۔

(دوم) گزشتہ گناہوں کا خوف۔

(سوم) اس مال کی محبت جو مرنے کے بعد چھوڑنا پڑے گا۔

(چہارم) موت کے بعد کے حال اور اپنے انجام سے ناواقفیت۔

یہی چار صورتیں ہیں جن وجوہات کے سبب انسان کو موت سے پریشانی ہو سکتی ہے۔ اگر شکم و شرمگاہ کی خواہشوں کے باعث موت سے ڈر پیدا ہو تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بیماری کا مقابلہ ویسی ہی دوسری بیماری سے کرتا ہے۔ لذت طعام کے معنی ازالہ بھوک ہے۔ اسی لئے جب بھوک جاتی رہتی ہے اور پیٹ بھر جاتا ہے تو آنکھ کو وہ چیز ناپسند معلوم ہونے لگتی ہے۔ جب کوئی شخص دھوپ میں بیٹھنے کی اس لئے خواہش کرے کہ گرم ہو کر سائے میں بیٹھنے کی لذت سے لطف اندوز ہو یا جیسے کوئی شخص گرم حمام میں اس لئے بند ہو کہ برف کا پانی پینے کا اسے لطف آئے' یہ عین حماقت اور پاگل پن ہے۔

Marfat.com

اگر غیر یقینی حالت ہو تو یہ اس لئے ہوگی کہ نافرمان دنیا کی ادنیٰ اور حقیر چیزوں کے مقابلہ میں عظیم ملک اور عظیم نعمتوں (جس کا متقیوں کیلئے وعدہ دیا جاچکا ہے) کو ادنیٰ سمجھتا ہے۔ اگر یہ حالت درپیش ہو تو انسان کا فرض ہے کہ علم حقیقت حاصل کرے۔ جس سے موت کے بعد حالات کا انکشاف ہوتا ہے۔ اہل یقین کی ایک مثال پیش خدمت ہے کہ حضرت حارثہؓ نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا حضورؐ! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں عرش خداوندی کو سامنے دیکھ رہا ہوں اور جنت میں اہل جنت سیر کرتے دکھائی دیتے ہیں اور دوزخی جہنم کے عذاب میں گرفتار نظر آتے ہیں اور یہ علم حقیقت نہایت محنت سے حاصل ہوتا ہے۔ شریعت نے تاکید کیساتھ ان امور سے خبردار کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ اپنے اندر غور کیا کرو۔ ملکوت السموات والارض میں تفکر کیا کرو۔

اگر یہ خوف موت سے پہلے کئے ہوئے گناہوں کے باعث وہ تو اس میں محض رنج و غم کوئی فائدہ نہیں دیتا بلکہ گناہوں کا علاج' توبہ میں جلدی کرنے اور اپنی زیادتیوں کی اصلاح میں ہے۔ رنج و غم کرنے اور اس کی تدبیر نہ کرنے کے لحاظ سے اس شخص کی مثال ایسے دی جاسکتی ہے کہ کسی شخص کی کوئی رگ کھل جائے اور اس میں سے خون نکلنا شروع ہو جائے۔ وہ اسے بند کرنے اور اپنے خون کو روکنے کا اختیار بھی رکھتا ہو۔ پھر بھی اسے بہنے دے اور بیٹھ کر افسوس کا اظہار کرتا رہے کہ میرا خون بہہ رہا ہے۔ یہ بھی حماقت ہے کیونکہ جو چیز جاچکی ہے اس کا کوئی حل نہیں۔ اس پر افسوس کرنا بے فائدہ ہے۔ اسے چاہئے کہ مستقبل کے متعلق غور و فکر کرے۔

دوسری حالت یعنی موت کے وقت کی حالت کے لحاظ سے لوگوں کی تین اقسام ہیں۔

(اول) صاحب بصیرت' وہ جانتا ہے کہ موت انسان کو آزاد و باعزت بناتی ہے۔ اور زندگی مجرم اور گناہگار ٹھہراتی ہے' اور انسان دنیا میں کتنا ہی طویل العمر کیوں نہ ہو جائے پھر بھی وہ ایسے ہی ہے جیسے آسمان پر بجلی چمکتی اور غائب ہو جاتی ہے۔

نیک آدمی کیلئے دنیا کو چھوڑنا بالکل گراں نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ اب اللہ کی عبادت کا موقع جاتا رہے گا یا یہ کہ اب میں اللہ کے قریب جا رہا ہوں اور ڈر ہے معلوم نہیں وہ مجھے کیا فرمائے گا۔ کسی ایسے ہی شخص سے پوچھا گیا کہ تم موت سے گھبراتے کیوں ہو تو اس نے جواب دیا' کہ میں ایک ایسے رستے پر جانے والا ہوں جس سے ناواقف ہوں اور ایسے بادشاہ کی خدمت میں حاضری ہے جسے کبھی نہیں دیکھا اور معلوم نہیں کہ مجھے کیا کہا جائے گا اور کیا حکم ہوگا۔ اس قسم کا شخص موت سے بھاگتا نہیں بلکہ جب زیادتی عبادت سے عاجز آجاتا ہے تو بسا اوقات موت کا خواہش مند ہو جاتا ہے۔ کسی ایسے ہی بزرگ نے اپنی مناجات میں کہا تھا الٰہی اگر اس دار فانی میں زندہ رہنے کی دعا تجھ سے کروں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ میں تجھ سے دور رہنا چاہتا ہوں اور تیرے قرب کی آرزو نہیں رکھتا۔ چنانچہ تیرے نبی پاک ﷺ نے فرمایا ہے جو اللہ سے ملنے کا مشتاق ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کا مشتاق ہے اور جو اللہ تعالیٰ

سے ملنے سے گریز کرتا ہے خدا بھی اسے ملنا نہیں چاہتا۔ (کتب احادیث)

(دوم) بے بصیرت' گناہوں سے آلودہ مگر توبہ سے دور' دنیا میں مصروف' دنیاوی تعقلات میں جکڑا ہوا آدمی جو دنیا کی زندگی سے راضی اور آخرت سے مایوس ہے۔ چنانچہ جب وہ آخرت کی جانب روانہ ہوتا ہے تو اسے سخت تکلیف ہوتی ہے اور جب دنیا کی گندگیوں اور آلودگیوں سے علیحدہ ہوتا ہے تو اسے عالم بالا کی ہوا راس نہیں آتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور سخت بھٹکا ہوا ہے۔

نیک آدمی اس غلام کی مانند ہے جسے اس کا مالک بلائے تو وہ خوشی خوشی لبیک کہے اور مسرت آمیز انداز سے خدمت میں حاضر ہو جائے۔ برا آدمی اس مفرور غلام کی طرح ہے جسے پکڑ کر اور بیڑیاں پہنا کر اسے اس کے مالک کی خدمت میں حاضر کیا جائے اور وہ سر جھکائے اپنے آقا کے سامنے ذلیل و خوار اور شرمندہ ہو کر کھڑا ہو۔ آہ یہ دونوں حالتیں کس قدر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

(قسم سوم) مذکورہ بالا دونوں کیفیتوں کے درمیان کا آدمی' جو اس دنیا کی مصیبتوں اور بلاؤں سے واقف تھا اور اس سے نفرت کرنے والا' لیکن اب اس سے مانوس ہو چکا ہے تو اس کا رستہ اس شخص کی طرح ہے جو تاریک اور گندے گھر سے مانوس ہو گیا ہے اور آپ اس سے نکلنا بھی پسند نہیں کرتا۔ حالانکہ پہلے اس کے اندر جانا بھی اسے ناپسند تھا۔ پھر جب اس سے باہر نکلتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکوکار بندوں کیلئے کیا کچھ تیار کر رکھا ہے تو اسے تاریک گھر سے نکلنے پر افسوس نہیں ہوتا بلکہ کہتا ہے الحمدللہ کہ اللہ نے ہمارا غم دور کیا' ہمارا رب غفور و شکور ہے۔ کہ اس نے ہمیں ابدی مسرت کے گھر میں اتارا جس میں ہمیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی اور یہ کوئی انہونی بات نہیں کہ انسان جس چیز کی جدائی کو ناگوار سمجھتا ہو تو اسے چھوڑ دے اور افسوس کا اظہار نہ کرے۔ چنانچہ بچہ ولادت کے وقت ایک حالت سے دوسری حالت میں آنے کے غم سے روتا ہے۔ لیکن جب اسے عقل آ جاتی ہے تو گزشتہ حالت میں جانے کی تمنا نہیں کرتا اور موت درحقیقت ایک دوسری ولادت ہے جس کے بعد ایسا کمال حاصل ہوتا ہے جو پہلے حاصل نہ تھا اور اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کمال سے پہلے ایسی شیطانی آفات لاحق نہ ہوں جو اسے قبول کرنے کے بعد عذاب میں مبتلا کر دیں۔ جس طرح ولادت ایک ایسے کمال کا باعث ہے جو بچے کو جنین کی حالت میں میسر نہ تھا اور اس میں شرط یہ تھی کہ اس کی رکاوٹ امراض و عوارض ماں کے رحم میں لاحق نہ ہوں اور چونکہ موت کمال کا باعث ہے اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہمیں چاہئے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کے لئے دعا کریں اور ان کا شکریہ ادا کریں' جیسے ہم جبرائیل' میکائیل اور اسرافیل علیہ اسلام کیلئے دعا کرتے ہیں۔ جس کے دو سبب ہیں' کہ دنیا سے چھٹکارا حاصل کرنے کا طریقہ انہوں نے بتایا' اور آخرت میں نجات پانے کا رستہ دکھایا اور یہ باتیں سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کے واسطہ سے عمل میں آئیں۔ (امام غزالی! میزان عمل)

Marfat.com

برزخ کی حقیقت

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَمِن وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ

(ترجمہ) اور ان مرنے والوں کے پیچھے ایک پردہ ہے۔ اس دن تک جب وہ قیامت میں اٹھائے جائیں گے۔

مرنے والا خواہ کسی حالت میں ہو، اسے جلا دیا گیا ہو، اسے درندے کھا گئے ہوں، پانی میں غرق ہو گیا ہو یا کسی مچھلی اور دیگر آبی جانوروں نے کھا لیا ہو وہ ذرات میں، راکھ میں یا کسی بھی حالت میں ہو، وہ حالت ہی اس آدمی کی قبر ہے۔ قبر کے معنی ہیں کہ مرنے کے بعد جس حالت میں بھی اور جس مقام پر جسم خاکی نے جگہ حاصل کی وہ قبر ہے اور دوبارہ زندہ ہونا صرف ان کیلئے مخصوص نہیں جو مٹی میں ہی دفن کئے جاتے ہیں بلکہ ہر مرنے والا اور کسی بھی حالت میں مرنے والا اللہ تعالیٰ کے حکم سے قیامت کو دوبارہ زندہ ہو گا۔

نینداور موت میں مشابہت

نیند اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں سے ایک بڑی قدرت کی علامت ہے۔ روح کو جسم سے دو قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ ایک احساس کا اور دوسرا تدبیر کا، نیند کی حالت میں انسان گردوپیش کے احساس سے تو بے خبر ہوتا ہے مگر روح کا تدبیری تعلق باقی رہتا ہے اور جسم کی نشوونما اور اس کی بقا کا سلسلہ جاری رہتا ہے مگر موت کی حالت میں احساس کے ساتھ ساتھ تدبیر کا تعلق بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے مرنے کے بعد انسانی جسم کے اجزاء تدبیر نہ ہونے کے باعث منتشر ہو جاتے ہیں۔

برزخ میں جسم مثالی اور قبر کا اصل مفہوم

قبر کے معنی محض یہ نہیں ہیں کہ خاک کا وہ ڈھیر کہ جس میں انسانی ہڈیاں دفن ہوتی ہیں یا اس کی راکھ کہیں بکھری ہوتی ہے یا وہ کسی پیٹ میں لقمہ اجل ہوتا ہے بلکہ وہ دنیا ہے کہ جہاں ارواح اور نفوس قیام پذیر ہوتی ہیں۔ اور یہ مادی عناصر کا جہاں نہیں ہوتا۔ قرآن مجید نے اس جہان کو نفس کے جہان سے یاد کیا ہے اور ان پر ہی عذاب وثواب اور رحمت ولعنت کا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا اس عرصے میں جو عذاب وثواب ہو گا ظاہر ہے کہ وہ عذاب قبر یا ثواب قبر کہلائے گا۔ موت کے خواب میں بھی مرنے والے کو ایک جسم مثالی نظر آتا ہے۔ جو بالکل انسان کے مادی جسم کے مثل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی بھی ہے۔ "کہ ہر روح اور جان اپنے اعمال کے ہاتھوں گرد ہو گی" اس لئے اعمال کی اصل مکلف روح ہے جسم نہیں۔ جسم بمنزلہ آلہ تھا۔ برزخ میں اس کا ایک اور جسم ہو گا جو مادہ سے پاک اور بری ہو گا، تاہم اسے اپنے جسم خاکی سے ایک قسم کی نسبت ہو گی۔

Marfat.com

عذاب قبر یا ثواب قبر برحق ہے

قبر میں عذاب یا راحت بالکل برحق ہیں اور اس سلسلے میں قرآن مجید کی آیات واضح طور پر اشارہ کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

سورہ توبہ میں ارشاد ہے۔

''ہم ان کو دو دفعہ عذاب دینگے' پھر وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے۔ (آیت نمبر 13)

سورہ مومن میں ارشاد ہے۔

''اور فرعون والوں پر بری طرح عذاب الٹ پڑا' آگ پر وہ صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی' ندا ہوگی کہ فرعون کو اس سے بھی بڑھ کر عذاب میں ڈالو''۔ (آیت نمبر 5)

سورہ فرقان میں ارشاد ہے۔

''جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن گنہگاروں کو کوئی خوشخبری نہیں' اور کہیں گے کہ خوفناک منظر جو ہمیں نظر آ رہا ہے اب کس طرح روک لیا جائے''۔

سورہ محمد میں ارشاد ہے۔

''پھر کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کو وفات دینگے' ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے' یہ اس لئے کہ انہوں نے اس کی پیروی کی جس نے اللہ تعالیٰ کو ان سے ناراض کر دیا اور جنہوں نے اللہ کی رضا کی جستجو نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کاموں کو بے نتیجہ کر دیا۔ (آیت نمبر 3)

سورہ انعام میں ارشاد ہے۔

''اور اگر تو دیکھے جب گنہگار موت کے سکرات میں ہوں اور فرشتے ہاتھ بڑھاتے ہوئے ہوں' کہ نکالو اپنے جسم کے اندر سے' اپنی روحوں کو آج تم کو ذلت کی سزا ملے گی''۔

سورہ نوح میں ارشاد ہے۔

''وہ ڈبو دیئے گئے' پھر وہ آگ میں داخل کئے گئے تو انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو مددگار نہ پایا''۔ (آیت نمبر 2)

سورہ تحریم میں ارشاد ہے۔

''اور کہا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی آگ میں داخل ہو جاؤ''۔ (آیت نمبر 2)

سورہ یٰسین میں ارشاد ہے۔

Marfat.com

"کہا گیا جنت میں داخل ہو۔اس نے کہا کاش میری قوم کو یہ معلوم ہوتا کہ میرے پروردگار نے میری مغفرت کی۔اور مجھے عزت والوں سے بنایا اور ہم نے اس کے مرنے کے بعد آسمان سے کوئی فوج نہیں اتاری اور نہ اتارا کرتے ہیں"۔

سورہ نحل میں ارشاد ہے۔

"جن کو فرشتے (گناہوں سے) پاک وصاف حالت وفات دیتے ہیں کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو۔اپنے کاموں کے بدلے جنت میں چلے جاؤ"۔(نحل 4)

سورۃ انفال میں ارشاد ہے۔

"اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کفار کی روح قبض کرتے ہیں مارتے ہیں ان کے منہ اور پیٹھ پر اور کہتے ہیں چکھو جلنے کا مزہ۔(آیت 7)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

تم میں سے کوئی مرتا ہے تو اس پر صبح وشام اس کا اصلی مقام پیش کیا جاتا ہے۔اگر وہ اہل جنت سے ہوتا ہے تو جنت اور اگر اہل دوزخ سے ہوتا ہے تو پھر جہنم اس کے بعد اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا مقام جب تجھے قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو اس جگہ تجھے بھیجا جائے گا۔

قبر میں سوال جواب کی تحقیق

احادیث صحیحہ میں ہے۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مرنے کے بعد قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور وہ مردوں سے توحید ورسالت کے بارے میں سوالات کرتے ہیں۔

اور اس بارے میں سورہ ابراہیم میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

"اللہ ایمان والوں کو پکی بات پر اس دنیا میں بھی محفوظ و مامون رکھے گا اور آخرت میں بھی اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہی میں دیکھتا ہے"۔

اس آیت کی تفسیر مستند احادیث میں ہے کہ یہ برزخ کے انہی سوالات و جوابات کے متعلق ہے کہ صاحب ایمان اللہ کے فضل وکرم سے جس طرح اس دنیا میں ایمان میں ثابت قدم تھا برزخ میں بھی قائم رہے گا اور کافر ومشرک وہاں پر بہک جائیں گے۔اس آیت میں برزخ کے سوال کے زیادہ قریب ہونے کا باعث یہ ہے کہ قیامت تو کشف راز کا دن ہے اور جس موقع پر اسرار پوری طرح عیاں نہیں ہوتے وہ برزخ کا مقام ہے۔

قرآنی آیات کی رو سے برزخ میں ارواح کا قیام

نافرمان روحیں زمین میں آوارہ پھریں گی اور یہیں سے جہنم کے منظر دیکھ دیکھ کر تکلیف

Marfat.com

اٹھائیں گی۔ جیسا کہ سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''بیشک جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان کے ماننے سے غرور کیا ان کیلئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ ہی وہ جنت میں داخل ہوں گے''۔ (آیت 5)

نیک آدمی کو موت کا احوال سورہ فجر میں یوں فرمایا جارہا ہے۔

''اے مطمئن رُوح اپنے پروردگار کے پاس واپس چلی جا۔ اس طرح کہ تیرا پروردگار تجھ سے خوش اور تو اپنے پروردگار سے خوش۔ تو میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو''۔ (فجر 10)

سورہ حٰم السجدہ میں ارشاد ہے۔

''بیشک جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے۔ ان پر فرشتے یہ خوشخبری لے کر اترتے ہیں کہ خوف نہ کھاؤ اور غمگین نہ ہو۔ اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا تھا۔ ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے رفیق ہیں اور آخرت میں بھی''۔ (حٰم السجدہ 4)

قیامت کے نام

قیامت کو اللہ تعالیٰ نے جن ناموں سے پکارا ہے ان کے نام یہ ہیں۔

الساعتہ (وہ گھڑی)، الیوم الحق (سچا دن)، الیوم الموعود (موعود کا دن)، یوم الازفہ (قریب آنے والی مصیبت)، یوم عظیم (ایک بڑا دن) یوم البعث (زندہ ہونے کا دن) یوم التلاق (باہم ملنے کا دن) یوم الجمع (اکٹھا ہونے کا دن) یوم الحسر ۃ (حسرت کا دن) یوم الفصل (فیصلہ کا دن) الغاشیۃ (چھا جانے والی) یوم القیامتہ (کھڑے ہونے کا دن) یوم معلوم (مقررہ دن) الوقت معلوم (مقررہ وقت) الیوم الاخر (پچھلا دن) یوم عسیر (ایک سخت دن) یوم عصیب (سخت دن) الطامتہ الکبریٰ (بڑی مصیبت) النباءِ العظیم (بڑی خبر) الوعد (وعدہ) الحاقہ (ضرور آنے والی) یوم التناد (پکار کا دن) یوم الحساب (حساب کا دن) یوم الخروج (قبروں سے نکلنے کا دن)

قیامت کے بارے میں قرآن مجید کی آیات

جس دن نرسنگا پھونکا جائے گا۔

جس دن سچوں کو ان کی سچائی کام دے گی۔

جس دن آسمان پھٹیں گے۔

جس دن گنہگار اپنے ہاتھ چبائیں گے۔

جس دن میں کوئی شک نہیں۔

جس دن لوگ جہانوں کے پروردگار کیلئے کھڑے ہوں گے۔

Marfat.com

جس دن لوگ قبروں سے نکلیں گے۔
جس دن ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دینگی۔
جس دن کوئی دوسرے کیلئے کچھ بھلا نہ کر سکے گا۔
جس دن ہر قوم میں سے ایک ایک گروہ اکٹھا کریں گے۔

عذاب قبر کے بارے میں منطقی دلیل

عذاب قبر کے بارے میں بہت سے قطعی نصوص ہیں۔ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے اپنی دعاؤں میں عذاب قبر سے پناہ مانگی ہے اور کتب احادیث میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز دو قبروں کے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا کہ ان میں موجود مردوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ یہ فی نفسہ ممکن ہے۔ اور اس پر ایمان لانا ہوگا۔ جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ جب ہم میت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اس کے بدن پر عذاب کی کوئی علامت محسوس نہیں کرتے۔ اگر اسے عذاب دیا جاتا تو اس کے بدن میں کوئی تو جنبش یا ایک ہی علامت دیکھنے میں آتی اور کئی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کو درندے پھاڑ کھاتے ہیں۔ کسی کو آگ میں جلا دیا جاتا ہے اور وہ راکھ بن جاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صرف میت کا جسم دکھائی دیتا ہے لیکن عذاب کا احساس قلبی یا روحی باطنی کیفیت کو ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عذاب کیلئے بدن پر کوئی قسم کی علامت دکھائی دینا ضروری نہیں۔ آدمی عالم خواب میں بعض اوقات کسی نہایت اچھی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے اور بعض اوقات سخت مصیبت کا سامنا کرتا ہے اور یہ دونوں حالتیں بیداری کی حالتوں سے کسی طرح کم نہیں ہوتیں۔ مگر دیکھنے والے کو وہ بالکل بے حس و حرکت نظر آتا ہے اور اس کے بدن پر خوشی یا غمی کی بھی کوئی علامت نہیں ہوتی بلکہ اگر وہ شخص بیدار ہو کر کسی ایسے آدمی سے یہ ذکر کر دے کہ جو کبھی نہ سویا ہو کہ میں نے فلاں فلاں چیز خواب میں دیکھی ہے تو وہ فوراً اس کا انکار کر دے گا۔ اور ایک لمحے کیلئے بھی اسے درست تسلیم اس لئے نہیں کرے گا کہ وہ خواب کی کیفیت سے آگاہ ہی نہیں اور باقی جو معاملات عذاب قبر کے ہیں ان سے کما حقہ اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے۔ برزخ میں وہ تمام ارواح بھی جمع ہوتی ہیں جن کے جسم آگ میں جل جاتے ہیں یا جنہیں درندے کھا جاتے ہیں اور عام طور پر قبروں میں جانے والے کا بدن بھی مٹی میں مل جاتا ہے۔ ہ کچھ عرصے بعد اس کے اجزاء بھی بظاہر معدوم ہو جاتے ہیں ان معاملات سے تو وہی آگاہ ہیں جنہیں واسطہ پڑتا ہے لیکن اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ عذاب قبر برحق ہے۔ غور کریں کہ خواب میں آدمی خوب گھومتا پھرتا ہے مگر اس کا بدن بستر ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ عذاب قبر کے لئے مادی جسم کی موجودگی ضروری نہیں۔

Marfat.com

منکر و نکیر

تمام احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ دو فرشتوں کے نام ہیں جو قبر میں سوال کرتے ہیں یہ شریعت سے بھی ثابت ہے۔ عقل کے نزدیک بھی اس کے انکار کی کوئی ٹھوس دلیل نہیں۔ اب منکرین سوال و جواب کا یہ کہنا ہے کہ ہم میت تو دیکھتے ہیں مگر منکر و نکیر نظر نہیں آتے۔ اور نہ ہی میت کی ان سے گفتگو سمجھ میں آتی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہہ دے کہ معاذ اللہ انبیاء کرام پر وحی نہیں آتی تھی۔ کیونکہ عام طور پر نہ تو جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا گیا اور نہ ہی وحی کے نزول میں اس کا کلام سنا گیا۔ یہاں یہ حیرت کا مقام ہے کہ لوگ منکر و نکیر کا انکار کرتے ہیں۔ مگر وحی کو تسلیم کرتے ہیں حالانکہ کئی مرتبہ صحابہ کرام اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے وحی آئی مگر انہوں نے تمام عمر نہ تو جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا اور نہ اس کا کلام سنا۔

منکر و نکیر کی وہی کیفیت ہے یعنی مردہ ان کا کلام سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے مگر پاس کے لوگوں کو مطلقاً خبر نہیں ہوتی۔ ہمیں ان لوگوں سے حیرت ہوتی ہے کہ جو ایسی باتوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کو قادر تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں دیکھ لیجئے کہ خواب میں آدمی کتنے لوگوں سے باتیں کرتا ہے۔ لڑتا جھگڑتا ہے لیکن اس کی گفتگو پاس موجود لوگوں کو سنائی نہیں دیتی مگر دور دراز مقامات پر خواب میں کلام کرتا ہے۔

میزان

یہ بھی حق ہے اور اس پر ایمان لانا بھی واجب ہے اس جگہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں وہ یہ کہ میزان (ترازو) کے حق ہونے کے تو یہی معنی ہیں۔ کہ اس پر لوگوں کے نیک و بد اعمال تولے جائیں گے حالانکہ اعمال تو مٹ چکے ہوں گے اور جو چیز بالکل ختم ہو جائے کیسے تولی جاسکتی ہے۔ اگر کہا جائے کہ ان کو دوبارہ پیدا کر کے تولا جائے گا تو اس سلسلے میں سوال ہے کہ اول تو اعراض کا اعادہ کرنا محال ہے۔ دوم مثلاً انسان کے ہاتھ کی حرکت جو ہاتھ کی تابع ہے۔ اگر میزان میں پیدا کی گئی اور میزان متحرک ہوئی تو وہ حرکت میزان کی حرکت شمار ہوگی نہ کہ انسان کے ہاتھ کی۔ اگر وہ ساکن رہی تو حرکت بھی اس کے ساکن ہونے کے ساتھ فنا ہو جائیگی۔ کیونکہ اس کے جسم کی بقا حرکت پر موقوف ہے۔ نیز اس طریقہ سے گناہوں کا اندازہ لگانا مشکل ہو جائے گا۔ کیونکہ اکثر دفعہ انسان کے بدن کے ایک چھوٹے سے حصے کی حرکت گناہ کے لحاظ سے باقی تمام بدن سے کوسوں آگے نکل جاتی ہے اور میزان کے جھکاؤ کے فرق کا باعث حرکتوں کی قلت اور کثرت ہوگی۔ نہ کہ اجروں کے مراتب۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ سے بھی یہی سوال کیا گیا تھا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ صرف اعمال ہی نہیں تولے

Marfat.com

جائیں گے بلکہ وہ صحیفے بھی تولے جائیں گے کہ جن پر فرشتے لوگوں کے اعمال لکھتے رہتے ہیں اور وہ اجسام کے قبیل سے ہیں اور جب وہ پلہ میزان پر رکھے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے نیکیوں کی طرف جھکاؤ پیدا فرمادے گا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان اعمال کے تولنے کا کیا مقصد ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اللہ تعالیٰ کے کسی کام کی نسبت کسی فائدے کا طلب کرنا جائز ہے۔ دوم ممکن ہے اس میں یہ فائدہ ہو کہ آدمی اپنے اعمال کا اپنے روبرو خود اندازہ کرلے۔ اگر اسے سزا دی جائے تو بھی اسے معلوم ہوجائے کہ مجھ سے جو سلوک کیا گیا ہے وہ بالکل عدل ہے اور اگر اسے معاف کردیا جائے تو اسے احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فضل وکرم فرمایا۔ کیونکہ میں اصولی طور پر تو سزا کا مستحق تھا مگر اللہ نے کرم خاص سے مغفرت فرمادی۔ ترازو اس لئے رکھا جائے گا کہ آدمی اپنے اعمال کی اصلیت سے آگاہ ہوسکے۔

پل صراط

یہ بھی حق ہے اور بہت سی مستند احادیث صحیحیہ سے قطعی ثابت ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ یہ ایسے پل کا نام ہے جو جہنم کے اوپر رکھا جائے گا اور قیامت کے روز نیک وبد سب کو اس پر سے گزرنا ہوگا جب لوگ اس پر سے گزرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ ان کو ٹھہراؤ پہلے ان کا حساب کتاب ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ وہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے تو اس سے اہل محشر کس طرح گزریں گے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ اعتراض ان لوگوں نے کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے منکر ہیں تو ان پر کوئی دلیل کیا اثر کریگی اور پل صراط پر چلنا ہوا پر چلنے سے زیادہ حیران کن تو نہیں اور آج کا انسان اگر چند مادی وسائل کے ساتھ ہوا پر سفر کررہا ہے تو نیک انسان کو اس پل سے گزارنا اللہ تعالیٰ کیلئے کس طرح مشکل ہوسکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"اور پل صراط یہ وہی پل صراط ہے کہ جو اس وقت تلوار سے تیز اور بال سے باریک شکل میں متمثل ہوگا"۔ (خیر کثیر)

حوض کوثر

حوض کوثر دراصل آپ ﷺ کی ہدایت کا تمثل ہے۔ اور اس میں بلحاظ اضافہ کے پانی اور علم میں بہت مضبوط مشابہت ہے۔ اس لئے وہ اس شکل میں متمثل ہوگی۔ اگرچہ ہر نبی کیلئے حوض ہوگا مگر جو حوض رسول اللہ ﷺ کو دیا ائے گا وہ ام الحیاض ہوگا۔

Marfat.com

قیامت کے بارے میں چند قرآنی آیات

سورہ قیامت میں ارشاد ہے۔

"میں قیامت کے دن اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں۔ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کے مرنے کے بعد اس کی ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کر سکتے کیوں نہیں۔ ہم تو اس کے پوروں کو درست کر لیتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اصلی بات یہ ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ڈھٹائی کرے۔ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہے تو جب نگاہ چندھیانے لگے اور چاند بے نور ہو جائے' سورج اور چاند ایک جگہ کر دیئے جائیں' انسان اس دن کہے گا' اب کہاں ہے بھاگنے کی جگہ ہرگز نہیں۔ کہیں بچاؤ نہیں' اس دن تیرے رب کے پاس ہے جا ٹھہرنا۔ اس دن انسان کو جو اس نے آگے بھیجا' اور جو پیچھے چھوڑا بتایا جائے گا بلکہ انسان اپنے حال کو خود ہی دیکھتا ہے۔ اگرچہ وہ زبان سے بہانے تراشتا رہے"۔ (سورہ قیامت)

سورہ القارعہ کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

"کھڑکھڑانے والی! اور کیا چیز کھڑکھڑانے والی' اور تم کیا جانتے ہو کہ کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی! یہ وہ دن ہے کہ جب لوگ پروانوں کی طرح پریشان حال پھریں گے اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے"۔ (القارعہ)

سورہ زلزال میں ارشاد ہے۔

"جب زمین خوب ہلائی جائے گی اور وہ اپنا بوجھ نکال دے گی اور انسان کہے گا کہ زمین کو کیا ہوا' اس دن وہ اپنی حالت بیان کرے گی"۔ (سورہ زلزال)

سورہ انشقاق میں ارشاد ہے۔

"جب آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اپنے مالک کی فرمانبرداری کریں گے اور وہ فرمانبرداری کے زیادہ لائق ہے۔ جب زمین پھیلائی جائیگی اور جو کچھ اس میں ہے ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی"۔ (انشقاق)

سورہ انفطار میں ارشاد ہے۔

"جب آسمان پھٹ جائیں گے' اور ستارے بکھر جائیں گے' اور جب سمندر چلائے جائیں گے اور جب قبروں کے لوگ زندہ کیے جائیں گے۔ اس وقت ہر روح نے جو پہلے اور جو پیچھے بھیجا ہے' جان لے گی"۔ (سورہ انفطار)

سورہ تکویر میں ارشاد ہے۔

"جب سورج اندھیرا کر دیا جائیگا' جب ستارے تاریک ہو جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے"۔ (سورہ تکویر)

Marfat.com

سورہ مرسلات میں ارشاد ہے۔

''جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ یقیناً ہونے والا ہے۔ جب ستارے ماند کر دیئے جائیں گے' آسمان کھول دیا جائے گا اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا''۔ (سورہ مرسلات)

سورہ معارج میں ارشاد ہے۔

''جب آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائیگا اور جب پہاڑ روئی کے گالوں کی مانند بلند ہو جائیں گے''۔ (سورہ معارج)

سورہ الحاقہ میں ارشاد ہے۔

''جب صور میں ایک پھونک پھونکی جائیگی' جب زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے اور دونوں ٹکڑے ہو جائیں گے اس دن ہونے والی بات ہو جائیگی اور آسمان پھٹ جائے گا اور کمزور ہو جائے گا''۔ (سورہ الحاقہ)

سورہ واقعہ میں ارشاد ہے۔

''جب ہونے والی بات ہو جائیگی' جس کے ہونے میں جھوٹ نہیں ہے۔ زیروزبر کر دینے والی' جب زمین خوب ہلائی جائیگی اور پہاڑ پراگندہ کر دیئے جائیں گے۔ اس وقت وہ بکھرے ذرات کی طرح ہو جائیں گے''۔ (واقعہ)

سورہ نبا میں ارشاد ہے۔

''اور آسمان کھول دیئے جائیں گے' تو وہ دروازے ہو جائیں گے' اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب ہو جائیں گے''۔ (سورہ نبا)

سورہ مزمل میں ارشاد ہے۔

''جب زمین اور پہاڑوں میں لرزہ ہوگا اور پہاڑ پگھلتا ہوا تانبا ہو جائیں گے جو اس دن کا انکار کرتے ہیں وہ متقی کیسے ہو سکتے ہیں۔ جو بچوں کو بوڑھا کر دیگا' اس دن آسمان پھٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو جائے گا۔ (سورہ مزمل)

صور کی تشریح

قیامت کے احوال میں قرآن مجید بار بار صور پھونکے جانے کا اعلان فرمارہا ہے۔ صور کے لفظی معنی نرسنگھا کے ہیں۔ اصل میں زمانہ قدیم میں غیر معمولی واقعات کے اعلان کیلئے صور پھونکا جاتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ صور پھونکنے سے مقصد اللہ تعالیٰ کا اظہار جلال ہو۔ کیونکہ قیامت بلاشبہ اس کے جلال اور عظمت کی نشانیوں میں سے ہے اور ایک نظام کے ختم ہونے اور دوسرے کے شروع ہونے کا نقارہ بھی ہو سکتا ہے لیکن حدیث نبوی کے مطابق اس صور کی آواز اتنی خوفناک ہو جائے گی کہ ہر چیز اس کی دہشت سے پھٹ جائے گی۔

Marfat.com

ہے اور ایک نظام کے ختم ہونے اور دوسرے کے شروع ہونے کا نقارہ بھی ہوسکتا ہے لیکن حدیث نبوی کے مطابق اس صور کی آواز اتنی خوفناک ہوجائے گی کہ ہر چیز اس کی دہشت سے پھٹ جائے گی۔

حشر جسمانی ہوگا

قرآن مجید میں بار بار ارشاد ہے کہ محشر کے دن لوگوں کو ان کی قبروں سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ اگر معاملہ روح کا ہے تو روح چونکہ زندگی کی نوید ہوتی ہے اس لئے اسے زندہ کر کے اٹھانے کا اعلان تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اس سے مراد یہ مادی جسم ہے جو انسان کو عطا فرمایا ہے اور پھر قرآن میں یہ بھی ارشاد ہے ''کہ اگر تم لوہا اور پتھر بھی ہوجاؤ تو بھی اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ کردے گا'' ان آیات اور مثالوں سے کسی قسم کے شک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ حشر جسمانی ہوگا اور اس جسم کو دوبارہ زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل بھی نہیں۔ اگر معاملہ صرف روح کا ہوتا تو محشر کے دن پیاس وغیرہ اور وہ کیفیتیں جو مادی جسم کے ساتھ مشروط ہیں۔ انسان کے قریب نہ آتیں۔ کیونکہ وہ تمام کیفیات جو مادی جسم کی صورت میں انسان کو میسر ہیں قیامت کے دن ان سے بھی واسطہ ہوگا۔ مثلاً پیاس، خوف اور دیگر احساس گرمی وغیرہ۔ اس لئے یہ عیاں ہوجاتا ہے کہ انسان قیامت کے دن مع الجسم اٹھے گا اور اس جسم کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر جواب دہ ہوگا اور حشر مع الجسم کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ انسان کے مادی جسم کے اعضاء ہاتھ، پاؤں وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گواہی دیں گے۔

جب کفار نے حضورﷺ کے سامنے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا تھا کہ جب ہم مٹی ہوجائیں گے پھر اللہ تعالیٰ ہمیں دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمادیا تھا کہ وہ اس امر پر قادر ہے اور انسانوں کو دوبارہ زندہ کرسکتا ہے اور اس کے جسم کے ایک ایک ریشے کی از سر نو ترتیب دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی حشر مع الجسم کا ایک نہایت پختہ ثبوت ہے۔

بعض لوگ ایک نئے جسم کا بھی ذکر کرتے ہیں اور اس کے لئے ان کے پاس دلائل بھی ہیں مگر میں یہ کہتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی قبر سے دوبارہ نکالنا ہے تو پھر باقی نظریات سے اگر خاموشی اختیار کرلی جائے تو بہتر ہوگا اور ظاہر ہے کہ قبر سے تو وہی جسم زندہ ہوکر نکلیں گے جو انسان کو دنیا میں عطا کئے گئے ہیں اور اگر نئے جسم عطا کرنے ہوں تو پھر ان کا انسانی قبروں سے نکلنا ایک عجیب معاملہ معلوم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو غالب اور قادر ہے اور انسان کا جسم اگر راکھ ہوکر فضائے بسیط میں بھی بکھر جائے تو اربوں سال بعد بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے پلک جھپکنے میں وہی انسان انہی اعضاء سے معرض وجود میں آسکتا ہے جو اسے دنیا میں حاصل تھے۔ اس لئے قرآن مجید کی واضح تشریح کے بعد کہ انسانوں کو ان کی قبروں سے زندہ کر کے نکالنا جائے گا۔ غالباً کسی قسم کی مفروضہ بحث بھی

Marfat.com

الجھاؤ پیدا کرسکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے صاف صاف ارشاد فرما دیا ہے کہ جب انسان کچھ نہ تھا تو اس کو پیدا فرما دیا تھا تو اسے از سر نو زندہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کو کیا رکاوٹ پیش آ سکتی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے پناہ طاقتوں اور قدرتوں کا مالک ہے اور وہی عظمت والا ہے اور یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ قیامت کے دن انسان کے جسم کو کیا خصوصیات عطا فرماتا ہے۔

قیامت کے متعلق عدم یقین بھی حماقت ہے

قیامت کے متعلق ایمان میں کوتاہی کرنا بھی بیوقوفی ہے کیونکہ اگر غفلت اور گمراہی غالب نہ ہو تو سعادت کے رستوں سے بے پرواہی بھی نہ ہو۔ آخرت کے بارے میں لوگوں کے چار گروہ ہیں۔

اول: وہ لوگ جن کا اعتقاد ہے کہ حشر و نشر اور جنت و دوزخ بعینہ اسی طرح ہیں جس طرح شریعتوں نے ہمیں بتایا ہے، اور ان میں سب سے زیادہ رطب اللسان اور فصیح قرآن ہے۔ ان کے نزدیک لذتیں اور محسوسات تمام اسی طرح ہوں گی جیسے دنیا میں کھانا، پینا، سونگھنا، چھونا، پہننا اور دیکھنا ہے اور ان کو اعتراف ہے کہ ان لذتوں پر اور بھی قسم قسم کی لذات ہوں گی لیکن ان کی کیفیت بیان سے باہر ہیں۔ یہ وہ جنت فردوس ہے جو "کسی نے دیکھی اور نہ سنی اور نہ کسی انسان کے خیال میں اس کا تصور سما سکتا ہے۔ یہ غیر منقطع ہے اور ابدالآباد تک رہے گی۔ یہ علم و عمل کی بدولت ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس گروہ میں تمام مسلمان اور اسلام سے پہلے اہل ایمان یہود و نصاریٰ کا ہدایت یافتہ حصہ داخل ہے۔

دوسرا فرقہ جس میں مسلمان فلاسفہ کا وہ طبقہ جو الٰہیہ کہلاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ اس قسم کی لذت ہے جو انسان کے تصور میں نہیں آ سکتی اس کا نام لذت عقلی ہے اور خارجی طور پر حسیات کی موجودگی کے وہ منکر ہیں۔ ہاں جیسے نیند میں ہوتا ہے۔ خیالی طور پر ان کا وجود ہوسکتا ہے لیکن نیند کے حالات بیداری کے ساتھ زائل ہو جاتے ہیں اور یہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کا گمان ہے کہ یہ باتیں ان لوگوں کے لئے ہوتی ہیں جو محسوسات کے ساتھ شغف رکھتے ہیں۔ یہ قرآنی عقائد کی نفی کرتے ہیں۔

تیسرا طبقہ: یہ لوگ خیال اور حقیقت کے طریق سے لذت جسمانی کے انکار کی طرف گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تخیل آلات جسمانی کے ذریعہ ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ موت بدن اور روح میں جدائی ڈال دیتی ہے اور بدن ہی تخیل اور تمام احساسات کا آلہ ہے جب ایک دفعہ روح جسم سے علیحدہ ہو جائے تو دوبارہ واپس نہیں ہوتی۔ چنانچہ صرف غم و لذات باقی رہتی ہیں۔ یہ حسی نہیں بلکہ حسی سے بلند ہیں۔ انسان اس عالم میں بھی لذات عقلیہ کی جانب مائل ہے۔ عقلی اذیتوں سے نفرت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے معمولات میں ذلت اور بے عزتی کو ناپسند کرتا ہے۔ سزا کے وقت علیحدگی پسند کرتا ہے۔ مباشرت اور خواہش نفسانی کو پورا کرتے وقت اسے پردہ داری محبوب ہے اور رنج و آلام اور مصائب کی یاد اسے تکلیف دیتی ہے چنانچہ بارہا دیکھا گیا ہے کہ شطرنج کھیلنے والے کئی کئی روز تک شطرنج کے شوق

Marfat.com

میں کھانا پینا بھول جاتے ہیں کیونکہ کھیل کی عقلی لذت کھانے کی لذت حسی پر غالب آجاتی ہے۔لذت عقلی کے غلبہ کی ایک مثال یہ بھی دیتے ہیں کہ میدان جنگ میں بسا اوقات اکیلا آدمی دشمنوں کے کئی آدمیوں پر پل پڑتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے۔اس حرکت کے پیچھے یہی خیال کارفرما ہے کہ لوگ اس کی شجاعت و جوانمردی کی تعریف کریں گے اور یہی خیال اسے زندگی کو خیر باد کہہ دینے پر ابھارتا ہے۔ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دنیا کی حسیات آخرت کی لذات کے مقابلہ میں کوئی نسبت نہیں رکھتیں۔ممکن ہے ان کی نسبت اس کے ساتھ وہی ہو جو نفیس ولذیذ طعام کی خوشبو کو اس کے ذائقے سے اور محبوب کے دیدار کو وصال یار سے ہے جبکہ قرآن مجید حسّی اور عقلی طور پر بھی جنت میں آسائش کے ادراک کا بیان فرماتا ہے۔

فرقہ چہارم: یہ بالکل منکرین اور جہلاء مطلق کا گروہ ہے، ان کا خیال یہ ہے کہ موت عدم محض کا نام ہے اور طاعت وگناہ کی کوئی جزا و سزا نہیں، انسان مرنے کے بعد اسی طرح نیست و نابود ہو جاتا ہے جس طرح ولادت سے قبل تھا۔حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو فرقہ کہنا ہی غلطی ہے۔کیونکہ گروہ کا مفہوم اجتماع سے ہے اور یہ باطل نظریہ کسی جماعت کا نہیں۔یہ ان عقل کے دشمنوں کا مسلک ہے جن پر خواہشات نفسانی غالب اور شیطان ان پر طاری ہو چکا ہے۔وہ اپنی خواہشات کو ختم کرنے پر قادر نہیں۔ان کی خود پسندی انہیں اجازت نہیں دیتی کہ ان خواہشات میں اپنی بے بسی کا اعتراف کریں۔چنانچہ وہ عذر پیش کرتے ہیں۔اپنی بات کی لاج رکھنے کے لئے وہ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور جھوٹ کی پیروی کرتے ہیں۔نفسانی خواہشات کی تکمیل بیوقوفوں کو جھوٹے عقیدوں کی تصدیق میں جلدی کرواتی ہے۔بعض بدبخت اس عقیدہ باطل کو فلاسفہ کی جانب منسوب کرتے ہیں۔یہ ایک فریب ہے عام افراد سے کہتے ہیں "میاں تمہاری سوچ ان کے علم کو کہاں پہنچ سکتی ہے، انہوں نے ایک عرصہ دراز ان باتوں کی تحقیق میں لگا دیا ہے" غریب اور سادہ لوح لوگ اس دلیل کو نہیں سمجھ سکتے۔اور ان کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں۔اگر صرف دیکھا دیکھی پیروی کرنا مقصود ہے تو انبیاء واولیاء کی تقلید بلکہ جمہور کی پیروی ایسے شخص کی تقلید سے بہت ہے۔

بہر حال عقل کا یہی تقاضا ہے کہ علم و عمل میں مشغول ہو جاؤ۔اور دنیاوی لذات سے بچو۔شرط یہ ہے تم علم و عمل کی طلب میں کمر ہمت باندھ لو، جس طرح دانشمندی کا تقاضا ہے کہ نفع کی طلب کے لئے سمندر میں سفر کرنے کے لئے سواری مہیا کی جائے۔یا طلب ریاست کے لئے جوانی میں علم حاصل کیا جائے اور وزارت یا کسی اور عزت وجاہ کے حصول کے لئے اس کے مطابق کوشش کی جائے۔حالانکہ ان تمام امور کے نتائج خیالی ہیں۔اس سے بڑھ کر یہ کہ جب ایک لالچی آدمی کے دل میں یہ بات اتر جائے کہ کیمیا کا وجود ہے اور اسے معلوم ہو جائے کہ ایک ماہ کی محنت کے بعد وہ اسے حاصل

Marfat.com

کر لے گا۔ پھر اس کے بعد تمام عمر خواہ وہ ایک ماہ سے بھی کم ہو یا زیادہ اس سے فائدہ اٹھاتا رہے گا اور عیش سے بسر اوقات کرے گا تو اس کی عقل کا فیصلہ یہی ہوگا کہ مصیبت و محبت کا مہینہ خوش خوش بسر کر دے اور اس تکلیف کو برداشت کرے۔ اگر اسے قطعی طور پر معلوم بھی ہو کہ اس کی عمر زیادہ نہیں تو بھی کامیابی کا خیال اس کے لئے تسلی کا سبب ہوتا ہے۔

انبیاء اولیاء اور جمہور علماء کی سچائی کا کچھ خیال دل میں باقی ہو تو تمہاری عقل یہی کہے گی کہ امن و سلامتی کے راستے پر گامزن ہونا اور خطرناک صورت حالات سے بچنا ہی بہتر ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ تمہیں کسی بادشاہ کا قرب حاصل ہے اور تمہارے نزدیک اس قسم کے اسباب جمع ہو جائیں جس سے تم اس کے خاص مصاحبوں اور رازدانوں میں سے ہو سکو مثلاً کوئی ایسی خدمت جس کے متعلق تمہارا خیال ہو کہ اس کے کرنے سے بادشاہ سلامت خوش ہو کر تمہیں انعامات عطا فرمائیں گے۔ ساتھ ہی ایسا خطرہ بھی ہو کہ کسی وقت کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو کہ جس سے وہ غضبناک ہو کر ایسے عذاب میں مبتلا نہ کر دے جو ذلت و رسوائی کا سبب بنے اور تمام عمر کے لئے مصیبت میں ڈال دے تو تمہاری عقل یہی مشورہ دے گی کہ اس خطرے میں کودنے سے بچ جاؤ کیونکہ اگر تم یہ خدمت سرانجام دینے میں کامیاب بھی ہو گئے تو اس کا اجر کچھ سونا ہے جو تمام عمر ساتھ نہیں دے گا اور اگر ناکام رہے تو بادشاہ کا عذاب بہت بڑا ہے جو زندگی بھر تمہارا پیچھا نہیں چھوڑنے گا، اس لئے کامیابی کا مژدہ ناکامی کی سزا کا حریف نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ اگر تمہارے سامنے نفیس کھانے کا ایک طشت رکھا ہو اور کوئی شخص کہہ دے کہ یہ زہر آلود ہے تو اسے سچا ہی سمجھو گے کہ اگر چہ کھانا کھانے میں لذت ہے اور زبان کا چٹخارا بھی لیکن اگر وہ زہر آلود ہوا تو ہلاکت میں کوئی شبہ نہیں۔ چنانچہ عقل یہی کہتی ہے کہ اگر تم عقلمند ہو تو خطرے سے اجتناب کرو۔ کہتے ہیں حضرت علیؓ سے ایک شخص نے آخرت میں شک و شبہ کا اظہار کیا۔ حضرتؓ نے فرمایا۔ "بحث کی تو کوئی ضرورت نہیں اگر صورت وہی ہوئی۔ جیسا تمہارا خیال ہے تو ہم سب خلاصی پا جائیں گے لیکن اگر بات وہ نکلی جو ہم کہتے ہیں تو تم مارے جاؤ گے۔ اور ہم نجات پا جائیں گے" حضرت علیؓ کے اس قول کا مقصد اسے منکر کو تنبیہہ کرنا تھا کہ آخرت برحق ہے۔ مخاطب کی عقل کے مطابق جو امور آخرت کو دلائل کے ذریعہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ یہی طرز استدلال یہاں استعمال کیا گیا ہے تاکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوتاہی اور باطل کی پیروی کرتے ہیں تو ان کے لئے امور آخرت میں غور کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

یہ بات قطعی طور پر واضح ہے کہ کوئی بہت بڑی مصیبت اگر چہ اُس کا محض امکان ہو اس کو یقین کے ساتھ ترجیح دینی چاہئے۔ وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کا حقیر یا اہم ہونا اضافی ہوتا ہے۔ چاہئے تو یہ کہ عمر کے انجام اور آسودہ حال لوگوں کے عارضی دنیاوی حصہ پر اور سعادت اخروی کے کمال اور اس کے

Marfat.com

دوام کے بارے میں ہی غور کیا جائے اور یقینی طور پر جان لیں کہ دنیا کے عیش و آرام سے جو کچھ حصول آخرت کے لیے ہم کرتے ہیں نہایت حقیر ہے۔

اور جو لوگ آخرت کے منکرین کے عقائد کو صحیح تسلیم کرتے ہیں تو اُن کی انتہائی جہالت کو مدنظر رکھ کر دو طرح سے باتیں کریں گے۔ اول یہ کہ آخرت کے انکار کے لئے اُن کے پاس کوئی حقیقی دلیل نہیں کہ جسے ہم غلط ثابت نہ کرسکیں۔ اگر کہا جائے کہ اُنہیں کوئی ایسی شہادت اور ثبوت ملا ہے کہ جسے انبیاء، اولیاء، حکماء اور جملہ اہل علم معلوم کرنے سے قاصر رہے ہیں جب اس قدر بزرگ باوجود کثرت تعداد، وسعت معلومات، بلند نظری اور کثرت معجزات کے ایک بات کو نہ سمجھ سکے اور اس کے متعلق غلطی میں پڑ گئے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ اس معاملہ میں منکرین کا نظریہ صحیح اور غلطی سے محفوظ ہو، اس لیے لئے بہتر یہی ہے کہ غلطی کو اپنی ذات سے منسوب کرنا چاہیے۔

جو لوگ سعادت اخروی کا انکار کرتے ہیں۔ دنیاوی سعادت کے منکر نہیں ہیں۔ اب دنیا کی سعادت کی انتہائی منزل کیا ہے۔ عزت و حرمت، بلند اقبالی اور حکومت و اختیار، رنج و ملال اور غم و آلام سے سلامت رہنا اور ہمیشہ راحت و عزت سے زندگی بسر کرنا تو یہ امور بھی علم و عمل کے بغیر انسان کو میسر نہیں آسکتے۔ علم کے بارے میں سب لوگ جانتے ہیں کہ اس کی عزت کو دوام ہے کیونکہ نہ تو اسے کوئی شخص معزول کرسکتا ہے جیسے دنیا کی حکومت اور سرداری سے کوئی افسر معزول ہوسکتا ہے۔

یہ بھی مخفی نہ رہے کہ علماء کو علم اور ان انکشافات علمیہ میں اور اکثر مشکل مسائل کو حل کرنے میں خصوصاً جبکہ وہ زمین و آسمان ملکوت اور الٰہیات کے متعلق ہوں، وجدانی کیفیت اور لطف و سرور حاصل ہوتا ہے جسے وہ لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں جنہیں مشکلات حل کرنے کا موقع میسر نہیں آتا۔ یہ ایسی لذت ہے جس کی انتہاء نہیں کیونکہ معلومات کی کوئی حد نہیں اور نہ ان کے حصول میں کوئی روک ہے کیونکہ جوں جوں علم کی خواہش کی زیادتی ہوتی ہے اسی تناسب سے معلومات بھی زیادہ ہوجاتی ہیں۔ جب عالم دنیاوی عزت اور اس کی ریاست کا طالب ہو تو کثرت شرکاء سے وہ علم سے زیادہ انس پذیر ہوتا ہے کیونکہ دنیا مزاحمت سے تنگ ہوتی ہے اور علم کثرت طلب سے اور زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ پھر دنیا کی عزت اس شخص کے لئے جو اس سے مایوس ہے اس وقت زیادہ دائمی ہوجاتی ہے جب عالم پر اس کا انعام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہو لیکن شرط یہ ہے کہ عالم خالص علم کا ہو رہے، اسی لئے تم دیکھتے ہو کہ والیان ملک ہمیشہ معزول ہوجانے کے خوف میں مبتلا رہتے ہیں اور ان کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی عزت علماء کی سی ہو۔

عمل سے ہماری مراد صرف یہ ہے کہ خواہشات نفسانی کو صحیح راستے پر لگایا جائے۔ غضب کو ضبط کی لگام دی جائے اور نفسانی صفات کو عقل کے تابع کرلیا جائے تاکہ اس کے قابو سے کبھی باہر نہ ہوں اور اپنی حاجات کے پورا کرنے میں جو تدابیر وہ اختیار کرے عقل کی حدود سے باہر نہ ہوں۔

Marfat.com

پس جو شخص شہوات کو مغلوب کر لے وہی حقیقی طور پر آزاد ہے۔ بلکہ وہ بادشاہ ہے ایک عابد و زاہد بزرگ نے کسی بادشاہ سے کہا تھا۔ میری سلطنت تمہاری حکومت سے عظیم تر ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیسے؟ زاہد نے جواب دیا اس لئے کہ تم نفس کے غلام ہو اور وہ میرا غلام ہے۔ مراد یہ ہے کہ بادشاہ اپنے نفس کا غلام ہے اور زاہد کی خواہشات نفسانی مغلوب ہوتی ہیں۔ خواہشات نفسانی پر جو غالب نہیں آ سکتا اور ان کی گردن توڑ نہیں سکتا طبعی طور پر کمزور دل اور غلامی پسند ہوتا ہے۔ دائمی رنج و غم میں مبتلا اور متواتر مصیبت میں مبتلا رہتا ہے۔ اگر ایک دن خوش ہو لیتا ہے تو کئی کئی روز مایوس رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنی آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے اسے ہزاروں قسم کے خطرات اور کئی طرح کے مصائب اور لاکھوں مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے روز بروز ان کی غلامی کا طوق اس کی گردن پر حاوی ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے خواہشات کی حد بندی درحقیقت رنج و غم کی حد بندی ہے اور انہیں مٹانے کی صرف یہی صورت ہے کہ ریاضت اور مجاہدے کو اختیار کیا جائے۔ اور یہی عمل کے معنی ہیں جب عالم باعمل کی حالت تمام لوگوں سے بہتر ہے اور اس بات کو وہ شخص بھی تسلیم کرتا ہے جو سعادت کو صرف دنیا تک ہی محدود سمجھتا ہے۔ اتباع شہوات میں غرق رہنے والا اور معقولات میں نظر و فکر کرنے سے دور رہنے والا شخص بلاشبہ دنیا میں شقی اور بدبخت ہے۔ اور تمام فرقوں کے نزدیک وہ آخرت میں بھی بے نصیب ہے۔ ہاں بیوقوفوں کی ایک مختصر جماعت جو کسی شمار و قطار میں نہیں اور نہ ہی عقلمندوں میں انہیں شمار کیا جا سکتا ہے وہی اسے اپنا سکتے ہیں۔

پس ظاہر ہو گیا کہ آخرت کی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے علم و عمل میں کوشش کرنا عقل و دانش کے لحاظ سے ضروری ہیں اور جو شخص اس میں کوتاہی کرتا ہے۔ وہ جاہل ہے ذرا غور کیجئے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو عمل میں کوتاہی کرتے ہیں لیکن آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اخروی امور میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ یہی غفلت ان کی زندگی پر چھا چکی ہے۔ لوگ اس وقت تک اس گہری نیند سے بیدار نہیں ہوتے۔ جب تک خواہشات متواتر ان کو فریب دیئے رکھتی ہیں اور ایمانی روح جو ان میں پیدا ہوئی تھی زائل ہو جاتی ہے۔ غفلت و خود فراموشی کا پردہ پڑ جاتا ہے اور عقلمند انسان پھر ایسی مذموم حرکات کا مرتکب ہونے لگتا ہے جن سے اسے منع کیا گیا تھا اور وہ اسی مہلک اور خطرناک راستے پر گامزن رہتا ہے۔ یہ تمام نفسانی خواہشات اور جملہ بدمستیاں اور تمام بدعملیاں اسے موت کے پنجے سے بچا نہیں سکتیں اور موت کے وقت حسرت و نامرادی کے سوا اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس غفلت و بدمستی سے بچائے کہ یہی بدبختی کی جڑ اور بنیاد ہیں۔ (بحوالہ میزان عمل: امام غزالیؒ)

جنت اور دوزخ (بحوالہ غنیۃ الطالبین)

واضح رہنا چاہئے کہ دوزخ میں داخل ہونا کفر کے سبب ہے اور وہاں عذاب کی زیادتی اور جہنم کے طبقات کا فرق اور ان کی تقسیم برے اعمال و اخلاق کے مطابق ہوگی۔ جنت میں داخلہ ایمان کی

وجہ سے ہوگا اور وہاں کا عیش (جاودانی) اور اس کی فراوانی اور جنت کے طبقات کی تقسیم فضائل اخلاق اور اچھے اعمال کے مطابق ہوگی۔اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمایا اور اہل جنت کے ثواب کے لئے اسے نعمتوں سے بھر دیا اور دوزخ کو پیدا کر کے دوزخیوں کے عذاب کے لئے اسے عذاب سے بھر دیا ہے۔ دنیا کو پیدا فرما کر آزمائش وامتحان کے لئے اس کو آفتوں اور نعمتوں سے بھر دیا پھر حق تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور ان سے جنت ودوزخ کو چھپا دیا، انسان نے ان دونوں کو نہیں دیکھا، لہٰذا دنیا میں جس قدر دکھ سکھ ہیں وہ آخرت کی راحت وتکلیف کا نمونہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنے بندوں میں سے بادشاہ بنائے اور ان کو سلطانی اور غلبہ عطا فرمایا لوگوں کے دلوں میں ان کی ہیبت بٹھائی، تاکہ وہ ان پر حکومت کریں یہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر حکمرانی اور اس کے نفاذ حکم کا ایک نمونہ ہے۔ان سب باتوں کی خبر اس نے قرآن مجید میں دی ہے۔دنیا اور آخرت کی حالت بیان فرمائی، اپنی حکومت، اقتدار، انتظام، احسان اور اپنی صفت تخلیق کو بھی واضح فرما دیا اور مثالیں بھی بیان فرمادیں۔(تاکہ فہم کو آسانی ہو) چنانچہ ارشاد فرمایا۔

وتلک الامثال نضربها للناس

"وہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہی اللہ تعالیٰ کی بیان فرمودہ مثالوں کو سمجھتے ہیں، مثل کے معنی ہیں کہ دیکھی ہوئی چیز کے ذریعہ کسی ان دیکھی چیز کی حالت کو سمجھنا اور جس چیز کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اس واسطے سے اس چیز کو پہچان لینا جو آنکھوں کے سامنے نہیں ہے اس طرح تم چیزوں کا ادراک کرلو گے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی بادشاہت اور دونوں جہانوں کی بھلائیوں اور ان کے معاملات کو اچھی طرح سمجھ لو۔

دنیا کی ہر راحت اور لذت جنت کا نمونہ اور اس کا ذائقہ ہے، جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا تصور آسکتا ہے، اگر بندوں کے سامنے اللہ تعالیٰ ان نعمتوں میں سے کسی نعمت کا نام ظاہر بھی فرما دیتا ہے تو نام سے کوئی کیا سمجھتا ہے اس لئے کہ نہ کسی نے اسے دیکھا ہے اور نہ دنیا میں اس کا کوئی نمونہ موجود ہے۔مثلاً اسلام نے بتایا ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں اور ان میں سے صرف تین درجوں کی حالت اور کیفیت بیان کی گئی ہے یعنی سونا، چاندی اور نور کے درجات، اس سے آگے بیان نہیں فرمایا کیونکہ وہ عقل میں نہیں آسکتے۔

دوزخ کی تصویر

اسی طرح دنیا میں جو تکالیف اور غم ہیں وہ بھی آخرت کا نمونہ ہیں، مزید عذاب کی جو شکلیں ہیں عقل انہیں برداشت نہیں کرسکتی۔ یہ تمام عقوبتیں اور دوزخ کے عذاب ان پر ہوں گے جن پر اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کا غضب اور عتاب ہوگا اور جنت کی تمام نعمتیں ان کے لئے ہوں گی جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہیں جو بندے دنیا کی چیزوں میں سے جائز نعمت استعمال کرتے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہیں اس کو اس شکر کے عوض جنت میں ایسی نعمت ملے گی جس کے سامنے یہ دنیاوی نعمت بہت ہی حقیر ہے اور جو دنیا کی ممنوعات کو استعمال کرے گا وہ آخرت کے درجات (اور اس کی نعمتوں) سے اپنے آپ کو محروم کردے گا ان اور جو آخرت کو سچا (حقیقت) نہیں سمجھے گا وہ اپنے نفس کو جنت کی ہر نعمت سے محروم کردے گا۔

اہل جنت کے انعامات

اہل جنت کے لئے جنت عروسیں، ولیمے اور مہمانیاں ہوں گی۔ عرائس، دعوتیں وغیرہ اس لئے ہوں گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دارالسلام کی جانب بلایا تاکہ ان کو خوبصورت، تروتازہ اور ابدی زندگی عطا فرمائے، دعوتیں اور ضیافتیں ملاقات کے لئے ہوں گی کیونکہ اہل جنت باہم ملاقات بھی کریں گے اور آپس میں باتیں کرنے کے لئے اچھے اچھے مقامات بھی ہوں گے۔ طوبیٰ کے سائے میں ان کا اجتماع بھی ہوگا جہاں پیغمبروں کی زیارت اور ملاقات سے مشرف ہوں گے۔ فرشتوں کے آپس میں جلسے بھی ہوں گے۔ ان سب پر اللہ رب العزت جل وعلیٰ کا سلام ہوگا۔ وہاں بازار ہوں گے جن میں اپنی اپنی پسند کی چیزیں منتخب کریں گے اور نماز کے اوقات میں صبح وشام اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں نعمتیں مطعومات ومشروبات اور فواکہات تحفہ میں دیئے جائیں گے، ان کو اتنا وافر رزق دیا جائے گا کہ وہ کبھی کم نہیں ہوگا اور نہ اس میں کمی آئے گی بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے روز بروز اس میں اضافہ ہوگا جب اہل جنت کے سامنے یہ عمدہ، لذیذ تازہ بہ تازہ نعمتیں آئیں گی تو وہ پہلی چیزوں کو بھول جائیں گے پھر وہ ایسے مقام پر لے جائے جائیں گے جہاں نہر کوثر کے کنارے باغوں میں موتیوں کے خیمے نصب ہوں گے۔ ان میں سے ہر خیمہ خوب طویل ہوگا اور اس میں کوئی دروازہ نہیں ہوگا، ان خیموں کے اندر عطر بیز جسم والی باندیاں ہوں گی جنہیں نہ کسی فرشتے نے دیکھا ہوگا نہ جنت کے کسی خادم نے نہ حور نے فیھن خیرات حسان کا مطلب یہی ہے۔ ان خیموں کے اندر (ان باندیوں کے علاوہ) خوبصورت اور حسین بیبیاں ہوں گی، ان کی خوبصورتی کی تعریف جب خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے تو پھر کس کی کیا مجال ہے کہ ان کی تعریف کر سکے۔ ارشاد فرمایا حور مقصورات فی الخیام (خیموں کے اندر محفوظ حوریں ہوں گی) یہ حوریں اللہ تعالیٰ کی منتخب کردہ ہوں گی اللہ تعالیٰ نے انہیں خوبصورت اور نیک بنایا ہے، انہیں ابر رحمت سے پیدا کیا ہے جب ابر رحمت برستا ہے تو یہ خوبصورت حوریں پیدا ہوتی ہیں، ان کے چہروں کا نور عرش کے نور سے دمکتا ہے پھر ان حوروں کے گرد موتیوں کے خیمے نصب کردیئے جاتے ہیں تاکہ انہیں کوئی نہ دیکھ سکے گویا انہیں ان خیموں میں پردے میں رکھا گیا ہے۔

Marfat.com

دوزخ کے عذاب

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب قیامت کا دن ہوگا اور اس یقینی دن میں سب مخلوق ایک میدان میں اکٹھی ہوگی تو ایک کالا سائبان ان پر چھا جائے گا اس کی سیاہی کی شدت ایسی ہوگی کہ کوئی ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکے گا۔ سب لوگ اپنے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں گے۔ ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا فاصلہ ستر سال کی مسافت ہوگی لوگ اسی حالت میں ہوں گے کہ اچانک اللہ تبارک تعالیٰ فرشتوں پر تجلی فرمائے گا اس وقت اللہ تعالیٰ کے نور سے تمام زمین روشن ہو جائے گی تمام تاریکی دور ہو جائے گی وہ نور تمام مخلوق کو احاطہ کر لے گا۔ فرشتے اپنے رب کی تسبیح میں عرش کے گرداگرد طواف میں مشغول ہو جائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس اثناء میں تمام مخلوق صف بستہ کھڑی ہوگی۔ ہر امت کی ایک مخصوص جگہ ہوگی اس وقت صحیفے اور میزان لائے جائیں گے، یہ میزان ایک فرشتے کے ہاتھ پر معلق ہوگی اور وہ کبھی ایک پلڑے کو اٹھائے گا اور کبھی جھکا دے گا، اعمال نامے اس میں رکھے جائیں گے اسی حالت میں جنت کا پردہ اٹھایا جائے گا اور پھر جنت قریب لائی جائے گی پھر بھی اس کا فاصلہ اہل ایمان سے پانچ سو برس کی راہ ہوگا، جنت سے ایک ہوا چلے گی جس کی خوشبو ایمان والے مشک کی طرح محسوس کریں گے۔ پھر دوزخ کے اوپر سے پردہ اٹھایا جائے گا۔ دوزخ کی بدبودار ہوا اس کے دھوئیں سے آلودہ ہوگی، مجرم اس کی بو کو محسوس کریں گے حالانکہ ان کے اور دروازے کے درمیان پانچ سو برس کا فاصلہ ہوگا۔ پھر دوزخ کو بڑی بڑی زنجیروں سے کھینچ کر (قریب) لایا جائے گا اس پر 19 فرشتے موکل ہوں گے اور ہر موکل کے مددگار ستر ہزار فرشتے ہوں گے تمام موکل اور ان کے مددگار فرشتے دوزخ کے دائیں بائیں اور پیچھے پیچھے چلتے ہوئے اسے گھیرے میں لئے ہوئے کھینچ کر لائیں گے، ہر فرشتے کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہوگا جس کی ضرب سے دوزخی چیخ اٹھیں گے دوزخ کی آوازیں گدھے کی پہلی اور آخری آواز کی طرح انتہائی مکروہ ہوگی، دوزخ میں مصیبتیں ہوں گی، تاریکی ہوگی، بدبودار دھواں ہوگا، شور ہوگا، دوزخ دوزخیوں پر غضبناک ہوگا اور شدت غضب کے باعث اس سے شعلے اٹھیں گے، فرشتے دوزخ کو کھینچتے ہوئے جنت اور محشر کے درمیان نصب کر دیں گے اس وقت دوزخ آنکھ اٹھا کر ساری مخلوق کو دیکھے گا پھر ان پر حملہ آور ہوگا تا کہ سب مومنوں و دوزخیوں کو نگل لے مگر داروغہ دوزخ (مالک) اور اس کے موکل اس کو زنجیروں سے روکے رکھیں گے، دوزخ جب دیکھے گا کہ اس کو باندھ لیا گیا ہے تو اس میں بہت جوش آئے گا اور غضب کی شدت کی وجہ سے قریب ہوگا کہ وہ پھٹ جائے پھر وہ دوبارہ دھاڑے گا، تمام مخلوق اس کے دانت پیسنے کی آواز سنے گی، مخلوق کے دل دہل جائیں گے اور دھڑک کر سینوں سے نکلنے لگیں گے۔ لوگوں کے ہوش اڑ جائیں گے، آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی دل سینوں سے تڑپ کر حلق تک آ جائیں گے۔

Marfat.com

منقول ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو دوزخ کی حالت سے آگاہ فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا دوزخ زمین سے ستر گناہ بڑا ہے، کالا ہے، تاریک ہے اس کے سات سر ہیں، ہر سر پر تیس دواز ے ہیں، ہر دروازے کا طول تین روز کی راہ کے برابر ہے۔ اس کا بالائی لب نتھنے جیسے لگتا ہے اور زیریں لب (اس قدر لمبا ہوگا کہ وہ اسے) گھسیٹتا ہوا چلے گا۔ اس کے ہر نتھنے میں ایک بڑی زنجیر اور سخت بندش پڑی ہوگی اس زنجیر کو ستر ہزار فرشتے تھامے ہوں گے، وہ فرشتے بھی بہت تندخو اور ہیبت ناک ہوں گے۔ ان کے دانت باہر نکلے ہوئے ہوں گے، آنکھیں انگاروں کی طرح دہکتی ہوں گی، آگ کے شعلوں کی طرح رنگ ہوگا، نتھنوں سے شعلے نکلتے ہوں گے اور ان سے دھواں اٹھتا ہوگا یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوں گے۔ اس وقت دوزخ اللہ جل جلالہٗ کے حضور سجدہ کرنے کی اجازت طلب کرے گا جو اسے مل جائے گی اور دوزخ اس وقت تک سجدے میں رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ اسے سر اٹھانے کا حکم دے گا، دوزخ سر اٹھا کر کہے گا وہ اللہ تعالیٰ تمام تعریفوں کا سزاوار ہے جس نے مجھے ایسا بنایا کہ میرے ذریعہ اپنے نافرمانوں کو سزا دیتا ہے اور کسی دوسری مخلوق کو ایسا نہیں بنایا کہ وہ مجھ سے انتقام لے سکے۔ پھر وہ رواں اور صاف شستہ زبان میں کہے گا کہ حمد خدا ہی کے لئے ہے وہی اس کے لائق ہے۔ وہ یہ حمد بآواز بلند بجالائے گا۔ پھر بڑے زور سے فریاد کرے گا اس وقت مقرب فرشتوں سمیت موقف (محشر) میں کھڑے ہوئے افراد میں سے کوئی بھی ایسا باقی نہ رہے گا کہ وہ زانوں کے بل (اللہ جل جلالہٗ کے حضور میں) نہ گر پڑے اس کے بعد دوزخ دوبارہ فریاد کرے گا اس وقت ہر فرد کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑیں گے پھر وہ تیسری بار فریاد کرے گا۔ اس وقت اگر کسی جن یا انسان کے اعمال بہتر (72) اولیاء کے برابر بھی ہوں گے تو وہی یہ خیال کرے گا کہ میں دوزخ میں گر پڑوں گا پھر وہ چوتھی بار فریاد کرے گا اس وقت کوئی فرد ایسا باقی نہیں رہے گا جو خاموش نہ ہو جائے صرف جبرائیل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک مناجات میں مشغول ہوگا، ہر طرف نفسی نفسی کا عالم ہوگا ہر ایک یہی کہتا ہوگا کہ میں اپنے نفس اور جان کے سوا تجھ سے کوئی سوال نہیں کرتا۔ حضور ﷺ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد دوزخ آسمان کے ستاروں کے برابر چنگاریاں پھینکے گا اس کی ہر چنگاری اتنے بڑے بادل کے برابر ہوگی جو مغرب سے امنڈتا چلا آتا ہو اور یہ چنگاریاں مخلوق کے سروں پر آ کر گریں گی۔

اس کے بعد دوزخ پر پل صراط نصب کیا جائے گا، اس پر سات سو گزرگاہیں بنائی جائیں گی مہر گزرگاہ کے درمیان ستر سال کی مسافت ہوگی، ایک روایت میں ہے کہ اس پر سات گزرگاہیں ہوں گی اور پل کی چوڑائی ایک راستہ سے دوسرے راستہ کے مابین پانچ سو سال کی مسافت کی ہوگی۔ ساتواں طبقہ یا راستہ اپنی گرمی اور تپش کے لحاظ سے سب سے زیادہ گرم ہوگا اور اس اگہرائی بھی

Marfat.com

دوسرے طبقوں کے مقابل بہت زیادہ ہوگی یہی طبقہ عذاب میں دوسرے تمام طبقوں سے زیادہ شدید، انتہائی بھیانک اور ہولناک ہوگا، اس کی چنگاریاں بھی ستر گز لمبی ہوں گی۔

قریب ترین درجے کے شعلے پل صراط سے گزر کر ادھر ادھر جائیں گے اور ان کی اونچائی تین تین میل ہوگی۔ دوزخ کا ہر درجہ حرارت کی تیزی، انگاروں کی لمبائی اور نوع عذاب کی قسم کی کثرت کے لحاظ سے اپنے بالائی طبقے سے ستر گنا زیادہ ہوگا ہر طبقے میں سمندر، دریا اور پہاڑ ہوں گے، پہاڑ کی اونچائی ستر ہزار سال کی مسافت کے برابر ہوگی۔ دوزخ کے ہر درجہ میں ستر ستر پہاڑ ہوں گے اور ہر پہاڑ کے ستر درے ہوں گے۔ ہر درے میں ستر ہزار درخت، تھوہر (اندرائن) کے ہوں گے۔ ہر درخت کی ستر ہزار شاخیں ہوں گی۔ ہر شاخ پر ستر ستر سانپ اور بچھو ہوں گے، ہر سانپ کی لمبائی تین مثال کی مسافت کے برابر ہوگی۔ ہر بچھو بڑے بڑے بختی اونٹ کے برابر ہوگا۔ ہر درخت میں ستر ہزار پھل ہوں گے اور ہر پھل دیو کے سر کے برابر ہوگا۔ ہر پھل کے اندر ستر ہزار کیڑے ہوں گے اور ہر کیڑا تیر جتنا لمبا ہوگا۔ بعض پھلوں میں کیڑے نہیں ہوں گے بلکہ کانٹے ہوں گے، رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد فرمایا کہ دوزخ کے ساتھ دروازے ہوں گے ہر دروازے کی ستر وادیاں ہوں گی۔ ہر وادی کی (گہرائی) ستر میل ہوگی۔ ہر وادی میں ستر ہزار درے اور ہر درے میں ستر ہزار غار اور ہر غار کی ستر ہزار شاخیں ہوں گی۔ ہر شاخ ستر ہزار سال کی مسافت کے برابر ہوگی۔ ہر شاخ کے اندر ستر ہزار اژدھے ہوں گے ہر اژدھے کی باچھ میں ستر ہزار بچھو پوشیدہ ہوں گے۔ ہر بچھو کے ستر ہزار منکے ہوں گے اور ہر گرے یا منکے میں مکمل زہر بھرا ہوگا جو کافر یا منافق اس میں پہنچے گا اسے یہ تمام زہر پینا ہوگا۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تمام مخلوق گھٹنوں کے بل کھڑی ہوگی اور جہنم ان پر بار بار اس طرح حملہ کرے گا۔ جیسے مست اونٹ حملہ کرتا ہے اس وقت ایک منادی پکارے گا اور تمام انبیاء، صدیقین، شہید اور صالحین اٹھ کھڑے ہوں گے اس کے بعد تمام مخلوق کی پیشی ہوگی اور ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے عوض کیفر کردار کو پہنچے گا اس کے بعد دوسری پیشی ہوگی اور ارواح و اجسام میں جھگڑا ہوگا (کہ کون پیش ہو) بالآخر اجسام ارواح پر غالب آئیں گے، اس کے بعد تیسری پیشی ہوگی اس وقت نامہ اعمال اڑ اڑ کر لوگوں کے ہاتھوں میں جا کر گریں گے کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال ہوگا اور کچھ کے بائیں ہاتھ میں، کچھ لوگوں کا نامہ اعمال ان کی پشت پر ہوگا۔

جن کے نامہ داہنے ہاتھ میں ہوں گے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور عطا ہوگا، ان کی اس عزت افزائی پر فرشتے انہیں مبارکباد دیں گے اور وہ لوگ اپنے رب کی رحمت کے ساتھ پل صراط آسانی سے عبور کر جائیں گے اور جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ جنت کے دربان جنت کے دروازہ پر ان کی سواریوں اور ان کے بہشتی لباس کے ساتھ ان سے ملاقات کریں گے (ان کو سواریاں اور جنتی

Marfat.com

خلعتیں پیش کریں گے) یہاں سے سب جنتی الگ الگ ہو کر اپنے اپنے مخصوص ایوانوں اور خوش خوش اپنے اپنے محلوں کی طرف جائیں گے۔ اپنی بیویوں (حوروں) کے پاس پہنچیں گے اور ایسی نعمتیں دیکھیں گے جن کے بیان سے زبان قاصر ہوگی نہ ان کی آنکھوں نے اس سے پہلے یہ نعمتیں دیکھی ہوں گی اور نہ ہی دل میں ان کا تصور آیا ہوگا پھر یہ مقررہ اندازہ کے مطابق کھائیں پئیں گے، زیور اور خلعتیں پہنیں گے۔ پھر اپنے خالق کی حمد کریں گے کہ جس نے ان کے غم کو دور کر دیا۔ اضطراب سے امن بخشا اور ان کے حساب کو آسان فرمادیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کریں گے اور کہیں گے کہ تمام حمد اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے جس نے اس راہ کی طرف ہماری راہنمائی فرمائی اگرچہ ہمارے اندر ایسی طاقت نہ تھی اگر اس کی ہدایت شامل حال نہ ہوتی تو ہم راہ سے بھٹک گئے ہوتے۔

اس وقت ان کی آنکھیں لائے ہوئے توشہ سے ٹھنڈی ہوں گی، وہ دنیا میں یقین وایمان رکھتے تھے تصدیق کرتے تھے۔ عذاب سے ڈرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار تھے اور ثواب (آخرت) کے طلبگار تھے۔ اس وقت نجات پانے والوں کو نجات میسر آجائے گی اور کافر تباہ ہو جائیں گے۔

جن لوگوں کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھ یا پیٹھ کے پیچھے سے دیئے گئے ہوں گے ان کے ہاتھ سیاہ ہوں گے ان کی آنکھوں کی سفیدی پھر جائے گی (آنکھیں بے نور ہو جائیں گی) ان کی ناک پر داغ لگا دیا جائے گا ان کے بدن بڑے اور بدن کی کھالیں موٹی پڑ جائیں گی۔ جب وہ اپنے اعمال نامے دیکھیں گے تو واویلا کریں گے۔ اور انہیں معلوم ہوگا کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی بغیر درج ہوئے نہیں بچا یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے دل کھوٹے ہوں گے اور خیالات برے، وہ اس وقت زبردست خوف وہراس میں مبتلا ہوں گے ان کو سروں کے بل الٹا دیا جائے گا، شرم سے ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی اور گردنیں لٹکی ہوئی ہوں گی۔ دوزخ کی طرف دیکھنے سے ان کی آنکھیں پتھرائیں گی اور ایک لحظہ کے لئے بھی اس طرف نظر نہ اٹھا سکیں گے کیونکہ ان کے سامنے بڑا بھیانک منظر ہوگا۔ سخت ہیبت، ہر طرف مصیبت ہی مصیبت، اضطراب آفریں حالت اور گھبرا دینے والی دہشت، غم پیدا کرنے والی، ذلیل بنانے والی، فکر میں ڈالنے والی اور آنکھوں کو رلانے والی فضا ہوگی۔

اس وقت وہ اپنے رب کی بندگی کا اقرار کریں گے اور اپنے گناہوں کا اعتراف بھی مگر اس وقت ان کا اقرار واعتراف ان پر آگ، شرم، غم، بدبختی، الزام اور غضب میں اور بھی اضافہ کر دے گا۔

یہ رب کے سامنے دوزانو بیٹھے گناہوں کا اقرار کرتے ہوں گے، آنکھیں نیلی ہوں گی کچھ دکھائی نہ دے گا۔ دل گڑھوں میں گر رہے ہوں گے کچھ ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ ایک ایک عضو کانپ رہا ہوگا۔ کچھ بول نہیں سکیں گے، باہمی رشتہ داریاں کٹ چکی ہوں گی، نہ نسب باقی ہوگا، نہ برادری، کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا، سب اپنی اپنی مصیبت میں مبتلا ہوں گے جس کا دور کرنا ممکن نہیں

Marfat.com

ہوگا دنیا میں لوٹ جانے کی درخواست کریں گے تو وہ قبول نہ ہوگی، اس وقت ان کو آخرت کا بھرپور یقین ہو جائے گا جسے کہ وہ دنیا میں تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہاں پیاس بجھانے کو نہ پانی ملے گا نہ پیٹ بھرنے کو کھانا نہ ڈھانکنے کو کپڑا پس وہ پیاسے، بھوکے ننگے بے یار و مددگار، غمگین پریشان حال پھرتے ہوں گے۔

غرضیکہ ہر طرف سے گھاٹے ہی گھاٹے میں ہوں گے اس حالت میں اللہ تعالیٰ دوزخ کے موکلوں کو حکم دے گا اپنے کارندوں کو ساتھ لے کر جہنم سے باہر آئیں اور تمام زنجیریں، بیڑیاں، طوق اور گرز ساتھ لائیں چنانچہ سب اس سامان کے ساتھ حاضر ہو جائیں گے جب لوگ عذاب کی ان چیزوں کو دیکھیں گے تو اپنے ہاتھ اور اپنی انگلیاں چبا ڈالیں گے، موت مانگیں گے۔ آنسو بہائیں گے ان کے پاؤں لڑکھڑا جائیں گے اور اس وقت وہ ہر بھلائی اور بہتری سے ناامید ہو جائیں گے۔ ان کی تمام امیدیں ختم ہو جائیں گی۔ باری تعالیٰ کا حکم ہوگا ان کو پکڑ لو۔ ان کی گردنوں میں طوق ڈال کر جہنم میں دھکیل دو اور وہاں زنجیروں میں جکڑ دو، اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس شخص کو جہنم کے جس درجے میں داخل کرنا چاہے گا اس درجہ کے موکلوں کو بلا کر حکم دے گا کہ اسے گرفتار کر لو چنانچہ ایک ایک آدمی کی طرف ستر ستر موکل بڑھیں گے اس کو خوب جکڑ کر باندھیں گے۔ بھاری طوق گردنوں میں اور بھاری زنجیریں نتھنوں میں ڈالیں گے جس سے دم گھٹنے لگے گا پھر پیٹ کی طرف سے ان کو طوقوں سے ملا دیا جائے گا جس کے باعث پیٹھ کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی، اس تکلیف سے آنکھیں پھٹ جائیں گی۔ رگیں پھول جائیں گی، گردنوں کا گوشت طوق کی گرمی سے جل جائے گا، رگوں سے کھال اتر جائے گی، سروں کے بھیجے پگھل جائیں گے اندر سے بہہ کر باہر آ جائیں گے۔ بہتے ہوئے پاؤں تک پہنچ جائیں گے۔ بدن کی کھال ادھیڑ کر گر پڑے گی۔ گوشت نیلے پڑ جائیں گے اور خون اس سے بہنے لگے گا۔ ان کی گردنیں مونڈھوں سے کانوں تک بہت سے طوقوں سے بھری ہوں گی سارا گوشت جل جائے گا۔ ہونٹ کٹ جائیں گے، دانت اور زبانیں باہر نکل آئیں گے واویلا کریں گے، چیخیں گے، طوقوں سے شعلے نکلیں گے، ان کی گرمی رگوں میں اس طرح دوڑے گی جس طرح خون دوڑتا ہے ان کے طوق کھوکھلے ہوں گے جن کے اندر تپش گردش کرتی ہوگی، ان طوقوں کی گرمی دلوں تک پہنچے گی اور ان کی کھال ادھیڑ دے گی۔ دل اچھل کر حلق تک آ جائیں گے، دم بہت زیادہ گھٹے گا یہاں تک کہ آوازیں نکلنا بند ہو جائیں گی۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ جہنم کے موکلوں کو حکم دے گا کہ ان کو (جہنم کا) لباس پہناؤ۔ موکل ان کو کپڑے پہنائیں گے اور انتہائی کالے، بدبودار کھردرے، جہنم کی گرمی سے دہکتے ہوئے کپڑے پہنائے جائیں گے، وہ اس قدر دہکتے ہوں گے کہ پہاڑ پر ان کو رکھ دیا جائے تو وہ بھی پگھل جائیں، پھر اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ ان کو ان کے ٹھکانے پر لے جاؤ اس وقت ان کو لے جانے کے لئے دوزخ سے اور زنجیریں آئیں گی جو پہلی زنجیروں کے مقابلہ میں بہت زیادہ بھاری ہوں گی۔

Marfat.com

فرشتے ان زنجیروں کو پکڑے گے اور ان سے ہر ایک (نافرمان) کو الگ الگ باندھیں گے پھر فرشتہ ان کے سروں کو اپنے کاندھوں پر رکھ کر پیٹھ پھیر کر منہ کے بل کھینچتا ہوا لے چلے گا۔ پیچھے سے ستر ہزار فرشتے ہر گروہ کو گرزوں سے مارتے ہوئے ہنکائیں گے، جب جہنم پر پہنچ جائیں گے تو یہ موکل کہیں گے۔ یہ وہ آگ ہے جسے تم نہیں مانتے تھے کیا یہ کوئی جادو، کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا، اب تو تمہیں اس میں داخل ہونا ہے تم صبر کرو یا نہ کرو دونوں برابر ہیں، تمہارے اعمال کی تمہیں سزا دی جائے گی اس وقت جہنم کے دروازے کھول دیئے جایں گے تا کہ وہ اس آگ میں داخل ہو جائیں۔ دروازوں کے پردے اٹھا دیئے جائیں گے اس وقت آتش دوزخ جوش مارے گی اور لپٹیں بھڑ کنے لگیں گی، دھواں بلند ہوگا شرارے بلند ہوں گے، ہر ایک شرارہ ستر سال میں طے ہونے والی مسافت کے بقدر بلندر ہوگا۔ یہ شرارے بلند ہو کر پھر پلٹیں گے اور ان دوزخیوں کے سروں پر گریں گے۔ ان کے بال جل کر بھسم ہو جائیں گے اور کھوپڑیاں ٹوٹ جائیں گی، اس وقت دوزخ بڑے زور سے چلائے گا اور کہے گا۔ اے دوزخ والو! میری طرف جلدی آؤ! قسم ہے میرے رب کی کہ میں تم سے ضرور بدلہ لوں گا۔ پھر دوزخ کہے گا کہ تمام حمد اسی کو سزاوار ہے جس نے اپنے غضب کے باعث مجھے غضبناک بنایا اوا پنے دشمنوں سے میری آگ کے ذریعہ انتقام لیتا ہے۔ اسے پروردگار! میری گرمی میں اور میری قوت میں اور اضافہ فرمادے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس کے بعد کچھ فرشتے جہنم سے باہر آئیں گے، ہر فرشتہ، ہر امت کو اپنی ہتھیلی پر اٹھا کر اوندھا جہنم میں پھینک دے گا، یہ لوگ سرنگوں حالت میں ستر سال کی مسافت تک لڑھکتے ہوئے چلے جائیں گے آخر کار یہ جہنم کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچیں گے تو وہاں بھی انہیں آرام میسر نہیں آئے گا ہر جہنمی کی ستر کھالیں تہ بہ تہہ ہو جائیں گی پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچنے کے بعد سب سے پہلے ان کو تھوہڑ (زقوم) کھانے کو ملے گا جس کی گرمی اس کے (اوپر) پوست سے نمودار ہوگی۔ وہ بہت زیادہ کڑوا اور کانٹوں دار ہوگا۔ دوزخی زقوم چبا رہے ہوں گے کہ یک بار گی گرز بردار موکل ان کو گرزوں سے مارنا شروع کر دیں گے گرز کی ضربات سے ان کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔ پھر ان کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔ پھر ستر سال کے راستہ کے برابر فاصلہ تک دوزخ کی گہرائی میں لڑھکتے چلے جائیں گے اور آخر کار پھر ان پہاڑوں کے میں جا پہنچیں گے۔ اس اثناء میں 70 مرتبہ ان کا پوست بدلا جائے گا اور وہاں بھی ان کو زقوم (تھوہر) ہی ملے گی لیکن ان کی یہ خوراک ان کے منہ ہی میں رہے گی (حلق سے نیچے اتارنے کی ان میں طاقت نہ ہوگی) ان کا منہ اور ان کا دل دونوں ان کے گلے میں پھنس جائیں گے جس سے ان کا دم گھٹنے لگے گا۔ اس وقت وہ شور و واویلا کریں گے اور پانی مانگیں گے ان گھاٹیوں میں ندیاں اور نہریں ہوں گی۔ یہ جہنمی پانی کے لئے ان نہروں کی طرف بڑھیں گے اور ان کے کناروں پر پہنچ کر اوندھے گر پڑیں گے تا کہ کسی صورت پانی پی لیں، اس وقت ان کے منہ کی کھالیں الگ ہو کر نہروں میں گر پڑیں گی اور وہ پانی نہ پی سکیں گے۔ وہ

Marfat.com

مایوس ہو کر نہروں سے پلٹنا چاہیں گے کہ دوزخ کے فرشتے پھر آ موجود ہوں گے دوزخ کے فرشتے انہیں آتے ہی مارنا شروع کر دیں گے، مار مار کر ان کی ہڈیاں چور چور کر دیں گے پھر ان کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹ لیں گے اور باہر لا کر پھر دوزخ میں پھینک دیں گے، پھر یہ لوگ اوندھے منہ چالیس سال کی راہ تک آگ کے شعلوں اور ان کے سخت دھوئیں میں پھنسے ہوئے عذاب بھگتتے رہیں گے۔ جہنم کی وادیوں میں اترنے سے پہلے ہر جہنمی کی ستر بار کھال بدلی جائے گی۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کی یہ ندیاں وادیوں میں جا کر ختم ہوں گی۔ یہ لوگ ان ندیوں کا پانی پئیں گے مگر وہ اتنا گرم ہوگا کہ پیٹ میں نہیں ٹھہرے گا (ان کے پیٹ کی کھال جل جائے گی) اس وقت اللہ تعالیٰ ان کو سات نئی کھالیں عطا فرمائے گا تب کہیں کچھ پانی ان کے پیٹ میں ٹھہرے گا لیکن پیٹ میں پہنچ کر آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور یہ کٹی ہوئی آنتیں مقعد کی راہ سے نکل جائیں گی، پانی کا کچھ باقی حصہ رگوں میں پھیل جائے گا جس سے ان کا گوشت پگھل جائے گا اور ہڈیاں چیخ جائیں گی، اب پھر ان کو فرشتے جا پکڑیں گے، ان کی پیٹھ، منہ اور سروں پر گرز ماریں گے ہر گرز کی کئی دھاریں ہوں گی، گرز کی ضربات سے ان کی پشتیں ٹوٹ جائیں گی اس کے بعد انہیں کھینچ کر پھر اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جب یہ دوزخ کے بیچوں بیچ پہنچیں گے تو ان کی کھالوں میں آگ بھڑک اٹھے گی، کانوں میں پہنچے گی، ناک کے نتھنوں اور پسلیوں سے شعلے نکلنے لگیں گے اور سارے بدن سے کچلیو (خونابہ) بہنے لگے گا، آنکھیں نکل کر رخساروں پر لٹک جائیں گی اس وقت ان کو ان شیطانوں کے ساتھ جنہوں نے ان کو بہکایا تھا اور ان (جھوٹے) معبودوں کے ساتھ جن سے یہ مصیبت کے وقت مدد مانگا کرتے تھے بلا کر باندھ دیا جائے گا اور تنگ جگہوں پر انہیں ڈال دیا جائے گا، اس وقت وہ موت کو پکاریں گے مگر موت نہیں آئے گی پھر ان کے دنیوی مال آگ میں تپا کر ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں پر داغ لگائے جائیں گے اور ان کی پیٹھوں پر وہ گرم گرم سونا اور چاندی رکھوایا جائے گا جو ان کی پیٹھ پھاڑ کر باہر نکل آئے گا یہ لوگ جہنم کے مستحق ہوں گے اور اپنے شیطانوں اور پتھروں (معبودوں) کے ساتھ بندھے پڑے ہوں گے اس وقت گناہوں کے باعث ان کے بدن پہاڑوں کی طرح کر دیئے جائیں گے تاکہ عذاب کی شدت اور زیادہ ہو جائے، بتیس دانت رکھنے والے دوزخی کے دانت بعض اس کے سر سے بعض اس کی ٹھوڑی سے نکل آئیں گے، ناک ایک بڑے ٹیلے کی طرح ہو جائے گی، بالوں کی لمبائی اور ان کی سختی صنوبر کے درخت کی طرح ہوگی، بال اپنی کثرت اور زیادتی میں گھنے ہو جائیں گے، اوپر کا ہونٹ کھنچا ہوا ہوگا اور نیچے کا ہونٹ بھی لمبا ہو جائے گا۔ ہاتھ بھی بہت بڑے اور ان کی موٹائی بھی بہت بڑی ہوگی دوزخی کی ران درقان کی طرح اور کھال بھی موٹی ہوگی، پنڈلی کا طول بھی لمبا ہوگا اور موٹائی بھی بہت زیادہ ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری

Marfat.com

جان ہے کہ اگر آدمی اس صورت میں دوزخ سے باہر آ جائے کہ اس کے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوں۔ گردن میں بہت سے طوق پڑے ہوں اور پاؤں میں بیڑیاں اور وہ زنجیریں کھڑکھڑاتا باہر نکل آئے تو لوگ اس کو اس حالت میں دیکھ کر (ڈر کر) بھاگ کھڑے ہوں اور جہاں تک ان سے بھاگا جائے وہ بھاگتے چلے جائیں۔''

حضور ﷺ نے فرمایا کہ دوزخ کی گرمی، تاریکی، گوناگوں عذابوں اور ٹھکانوں کی تنگی کی وجہ سے دوزخیوں کے گوشت نیلے پڑ جائیں گے، ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی، دماغ کھولنے لگے گا، بھیجا پگھل پگھل کر باہر نکل کر جسم پر بہتا ہوگا، جہاں سے گزرے گا اس جگہ کو اپنی تپش سے جلا دے گا۔ جوڑ جوڑ پارہ پارہ ہو جائیں گے ان ٹوٹے ہوئے جوڑوں میں کیڑے پڑ جائیں گے، گوہوں اور شاہین کی طرح ان کے نکیلے ناخن ہوں گے۔ یہ ناخن کھال اور گوشت کے اندر پیوست ہو جائیں گے، ادھر ادھر دوڑیں گے، انہیں کیڑے کاٹیں گے اور سہمے ہوئے جنگلی جانوروں کی طرح ادھر ادھر جائیں گے۔ دوزخیوں کا گوشت کھائیں گے، ان کا خون پئیں گے، گوشت اور خون کے سوا ان کی کوئی غذا نہیں ہوگی۔

پھر فرشتے دوزخیوں کو پکڑ کر انگاروں پر نیزوں کے بھالوں جیسے نوکیلے پتھروں پر بڑی قوت اور سختی کے ساتھ گھسیٹیں گے اور اس طرح گھسیٹتے ہوئے جہنم کے سمندر تک لے جائیں گے اس اثناء میں ان کا جوڑ جوڑ کھل کر پارہ پارہ ہو جائے گا۔ ان کو روزانہ بے شمار نئی کھالیں (عذاب سہنے کے لئے) دی جائیں گی، بحرِ جہنم پر پہنچ کر انہیں جہنم کے موکلوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ وہ ان دوزخیوں کی ٹانگیں پکڑ کر جہنم کے سمندر میں پھینک دیں گے، جہنم کے سمندر کی گہرائی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ توریت میں مرقوم ہے کہ جہنم کے سمندر کے مقابلے میں دنیا کا سمندر ایسا ہی ہے جیسے اس دنیاوی سمندر کے مقابلے میں ایک چھوٹا چشمہ۔ بحر جہنم میں پھینکے جانے کے بعد جب وہ عذاب اٹھائیں گے اور عذاب کا مزہ چکھیں گے تو ایک دوسرے سے کہے گا کہ پہلے ہم کو جو عذاب دیا گیا تھا وہ تو اس عذاب کے مقابلے محض ایک خواب تھا۔ (کچھ بھی نہیں تھا)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک بار جہنم کے سمندر میں غرق ہونے کے بعد سمندر انہیں اچھال کر ستر ہاتھ دور پھینک دے گا۔ ہر ہاتھ کا فاصلہ آدھا گز کا نہیں ہوگا بلکہ فہم و ادراک سے بالاتر ہوگا پھر فرشتے ان دوزخیوں کو گرزوں سے ماریں گے اس کے بعد انہیں ستر سال کی مدت میں طے ہونے والی گہرائی میں غرق کر دیا جائے گا ان کا کھانا پینا اسی سے ہوگا پھر وہ سخت مشقت کے ساتھ اوپر ابھریں گے اور ان میں سے ہر ایک چاہے گا کہ ذرا دم لے لے، مگر فوراً ہی فرشتے گرز مارنے کے لئے آ جائیں گے۔ جب وہ دم لینے کو سر اوپر اٹھائیں گے تو لاتعداد گرز ان کے سروں پر پڑیں گے اور پھر ان کو ستر ہاتھ کی گہرائی میں غوطہ دے دیا جائے گا جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا وہ اسی حال میں رہیں گے یہاں تک کہ ان کا گوشت اور ہڈیاں سب گل سڑ جائیں گی صرف جان باقی رہ جائے گی اس وقت ایک موج اٹھ

کران کو کئی سال کی مسافت کے بقدر دوری پر لے جا کر کسی ساحل کی طرف ان کو اچھال دے گی۔ اس ساحل میں ستر ہزار غار ہوں گے اور ہر غار کی ستر ہزار شاخیں ہوں گی اور ہر شاخ کا طول بہت طویل ہوگا۔ ہر شاخ میں بے شمار اژدھے ہوں گے اور ہر اژدھے کی لمبائی ستر گز ہوگی۔ اس کے ستر دانت ہوں گے اور ہر دانت میں ایک مٹکا زہر بھرا ہوگا۔ ان غاروں میں آنے کے بعد ان کی روحوں کو نئی کھالیں اور نئے بدن دیئے جائیں گے، لوہے کے طوق پہنائے جائیں گے۔ سانپ اور بچھو ان طوقوں سے لپٹ جائیں گے جو ہر دوزخی پر (عذاب کے لئے) مقرر کئے جائیں گے۔ پہلے تو یہ سانپ ان کے گھٹنوں تک اوپر چڑھیں گے دوزخی اس اذیت کو برداشت کریں گے پھر یہ سینوں تک آ جائیں گے اس پر بھی یہ صبر کریں گے پھر یہ ہنسلی تک چڑھ آئیں گے اس پر بھی یہ صبر کریں گے یہاں سے یہ اوپر چڑھ کر ان کے نتھنیوں، لبوں، زبانوں اور کانوں کو پکڑ کر لٹک جائیں گے۔ اسی طرح بچھو عمل کریں گے۔ بچھو اور سانپ اپنا تمام زہر ان کو پلائیں گے اس وقت جہنم کی طرف بھاگنے اور اس میں گر پڑنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ کوئی اس وقت ان کی مدد کو نہیں آئے گا۔ سانپ ان کا گوشت چبائیں گے، خون چوسیں گے اور بچھو ڈسیں گے، اس وقت ان کا سارا گوشت گل گل کر گر پڑے گا اور ہر جوڑ الگ ہو جائے گا، جب یہ (اس اذیت سے بچنے کے لئے) بھاگ کر دوزخ میں جا گریں گے تو ستر برس تک ان سانپوں اور بچھوؤں کے زہر کی وجہ سے آگ کا ان پر اثر نہیں ہوگا۔ پھر آگ میں جلنے کے بعد ان کو نئی کھالیں دی جائیں گی اس وقت وہ کھانا مانگیں گے، فرشتے کھانا لے کر آئیں گے یہ کھانا لوہے سے زیادہ سخت ہوگا وہ اسے چبا نہ سکیں گے اور اگل دیں گے اور بھوک کی شدت میں اپنی انگلیوں اور ہاتھوں کو چبا ڈالیں گے، وہ اپنی ہتھیلیوں کو کھا جائیں گے، اس کے بعد کلائیاں پھر کہنیاں اور اس کے بعد مونڈھے کھا جائیں گے، صرف شانے باقی رہ جائیں گے اس سے آگے ان کا منہ نہیں پہنچے گا اس لئے وہ مزید نہیں کھا سکیں گے، پھر لوہے کے آنکڑوں میں ان کی کونچیں (ایڑیوں کے اوپر کا حصہ) پھنسا کر تھوہڑ کے درختوں میں (الٹا) لٹکا دیا جائے گا، زقوم کی ہر شاخ میں اگرچہ یہ دوزخی ستر ستر ہزار لٹکے ہوں گے لیکن ان کے بوجھ سے شاخ نہیں جھکے گی، نیچے سے ان کو جہنم کی لپٹیں پہنچیں گی اور ستر برس تک یہ عذاب ان پر ہوتا رہے گا یہاں تک کہ ان کے جسم پگھل جائیں گے اور جانیں باقی رہ جائیں گی پھر از سر نو ان کے جسم اور کھالیں پیدا کی جائیں گی اس وقت ہاتھ کے پوروں کے بل ان کو لٹکایا جائے گا، ان کے سرینوں سے آگ ان کے جسموں کے اندر داخل ہوگی اور ان کے دلوں کو کھاتی ہوئی ان کے نتھنوں اور کانوں سے نکل جائے گی تو پھر از سر نو بدن اور کھالیں پیدا کی جائیں گی، اس بار ان کی آنکھوں میں آنکڑے ڈال کر انہیں کو لٹکایا جائے گا اور برابر عذاب ہوتا رہے گا غرضیکہ کوئی جوڑ کوئی عضو اور سر کا کوئی بال ایسا نہیں رہے گا جہاں آنکڑا ڈال کر تھوہڑ کے درخت سے ستر سال تک نہ لٹکایا جائے پس وہ ہر عضو اور ہر جوڑ سے موت کا مزا چکھیں گے لیکن ان کو موت نہیں آئے گی۔ ان عذابوں کے بعد

Marfat.com

بھی ان پر طرح طرح کے عذاب ہوں گے۔ جب فرشتے ان دوزخیوں کو یہ تمام عذاب دے چکیں گے اور ان کو چھوڑ دیں گے تو ہر جہنمی کو زنجیر میں باندھ کر منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے دوزخ میں ان کے ٹھکانوں پر لے جائیں گے، ہر دوزخی کا ٹھکانہ اس کے اعمال کے مطابق ہوگا اور وہاں آگ دہکتی ہوگی اور سوائے اس شخص کے کوئی دوسرا وہاں نہیں ہوگا، پھر یہ ٹھکانے تنگ اور چھوٹے ہونا شروع ہوں گے اور بعض ٹھکانوں کا طول بہت کم رہ جائے گا، ان ٹھکانوں کی وسعت اور تنگی کے تناسب سے ہی مکینوں پر عذاب کیا جائے گا۔ کسی کو الٹا لٹکا کر عذاب دیا جائے گا اور کسی کو سیدھا لٹا کر، کسی کو بٹھا کر، کسی کو گھٹنوں کے بل جھکا کر، کسی کو کھڑا کر کے عذاب دیا جائے گا۔ یہ تمام مقامات عذاب پانے والوں کے لئے نیزے کی نوک سے بھی زیادہ تنگ ہوں گے، آگ کسی کے ٹخنوں تک ہوگی اور کسی کے گھٹنوں تک، کسی کی رانوں تک پہنچے گی، کسی کی ناف تک اور کسی کے حلق تک، کوئی آگ میں غوطہ کھاتا ہوگا اور کوئی اس میں غرق ہوگا۔ کوئی آگ میں (گرداب کی طرح) چکر کھائے گا، یہ آگ انہیں ستر ماہ کی مسافت کے بقدر گہرائی تک پہنچا دے گی پھر جب وہ اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں گے تو ہر ایک کو اس کے ساتھی کے ساتھ ملا دیا جائے گا یہ وہاں اتنا روئیں گے کہ ان کے آنسو سوکھ جائیں گے اس وقت وہ خون کے آنسو روئیں گے۔ (غنیۃ الطالبین)

دوزخ کی تہہ میں دوزخیوں کے جمع ہونے کا ایک دن ہوگا اور اس دن کے بعد پھر وہ کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکیں گے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے منادی دوزخ کی تہ میں ندا دے گا۔ اس منادی کی آواز دور، نزدیک، دوزخ کے بالائی حصے اور زیریں حصے والے سب ہی سن لیں گے۔ اس منادی کا نام حشر ہوگا۔ حشر پکارے گا، اے دوزخیوں! جمع ہو جاؤ! سب کے سب جہنم کے بنیادی حصے میں جمع ہو جائیں گے، ان کے عذاب کے فرشتے ساتھ ہوں گے یہ سب دوزخی آپس میں مشورہ کریں گے۔ دنیا میں جن لوگوں کو کمزور اور حقیر سمجھا جاتا تھا وہ بڑے لوگوں سے کہیں گے ہم دنیا میں تمہارے مطیع و فرمانبردار بنے رہے کیا آج ہمیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکو گے؟ تو دنیا کے یہ بڑے (مغرور و متکبر) لوگ کہیں گے کہ ہم سب دوزخ میں پڑے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا فیصلہ کر چکا ہے! (پھر تم ہم سے کیا مدد طلب کرتے ہو) اللہ تعالیٰ تم کو سمجھے تم ہم سے فریاد کر رہے ہو، یہ کمزور لوگ جواب دیں گے، اللہ تعالیٰ کرے تم کبھی خوشی کا منہ نہ دیکھو! تم ہی تو یہ عذاب ہم پر لائے ہو (تمہاری ہی بدولت یہ عذاب ہم پر نازل ہوا ہے) پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے! اے ہمارے رب جن کی بدولت ہمیں اس عذاب کا سامنا کرنا پڑا ہے ان پر اپنا عذاب دوگنا کر دے (بددعا سن کر) یہ منکر و مغرور لوگ کہیں گے کہ اگر ہمیں ہدایت ملتی تو ہم ضرور تمہاری مدد کرتے، غریب اور کمزور لوگ جواب دیں گے کہ تم جھوٹ کہتے ہو تم رات دن مکر و فریب میں مبتلا رہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں اور اس کا شریک بنائیں آج ہم تم سے اور ان جھوٹے معبودوں سے بیزار ہیں۔

Marfat.com

اس کے بعد یہ سب دوزخی اپنے ساتھ کے شیطانوں کی طرف توجہ کریں گے اور کہیں گے تمہارے گمراہ ہونے سے ہم بھی گمراہی کے گڑھے میں گر پڑے، سب سے آخر میں شیطان ملعون بلند آواز سے کہے گا! اے دوزخیو! بیشک اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اس نے تمہیں دعوت حق دی تھی مگر تم نے اسے قبول نہیں کیا اور اس وعدے کو سچ نہ جانا اور اس کی تصدیق نہیں کی، میرا تم پر کوئی زور تو نہیں تھا صرف اتنی بات تھی کہ میں نے تم کو (باطل کی) دعوت دی تم نے وہ دعوت قبول کر لی۔ اب مجھے تم برا نہ کہو بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو، اب نہ تو تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ اپنی مدد پر قادر ہوں، اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے تھے میں ان کا انکار کرتا ہوں۔ اس کے بعد منادی اعلان کرے گا "ظالموں پر اللہ کی لعنت" اس وقت کمزور متکبروں پر اور متکبر و مغرور ان کمزور لوگوں پر لعنت بھیجیں گے، یہ سب اپنے ساتھ شیطانوں پر اور ان کے ساتھ شیطان ان سب پر لعنت بھیجیں گے اور اپنے ساتھی شیطانوں سے کہیں گے کاش ہمارے اور تمہارے درمیان فاصلہ، مشرق و مغرب کے فاصلے کے برابر ہو جائے، تم آج بھی برے ساتھی ہو اور کل دنیا میں بھی برے ساتھی تھے۔

بعد ازاں لوگ اپنی اپنی جماعت اور گروہ پر نظر ڈالیں گے اور ایک دوسرے سے کہیں گے آؤ! ان موکلوں سے کہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کریں تاکہ ایک دن کا عذاب ہی اللہ تعالیٰ ہلکا کر دے، اپنے موکلوں سے گفتگو کرنے میں ان کو ستر سال لگ جائیں گے اور اس تمام مدت میں وہ عذاب میں مبتلا رہیں گے آخر کار موکلوں سے وہ یہ بات کہیں گے تو وہ جواب دیں گے کہ کیا اللہ کے احکام لے کر پیغمبر تمہارے پاس نہیں آئے تھے، سب کہیں گے بیشک آئے تھے اس وقت موکل کہیں گے بس تو اب تم یونہی فریاد کرتے رہو مگر کافروں کی پکار اب بیکار ہے، جب موکلوں کے جواب سے وہ مایوس ہو جائیں گے اور ان کو اچھا جواب نہیں ملے گا تو وہ مالک (داروغہ جہنم) سے فریاد کریں گے اور کہیں گے اے داروغہ تم ہی ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ ہمیں موت دے دے۔ داروغہ تو بقدر مدت دنیا ان کی بات کا جواب نہیں دیں گے۔ کوئی بات ہی نہیں کریں گے پھر جواب میں کہیں گے، کہ موت کے فیصلے سے پہلے مدتوں تمہیں یہاں رہنا ہوگا جب وہ لوگ کے جواب سے بھی مایوس ہو جائیں گے تو اس وقت اپنے رب سے فریاد کریں گے اور کہیں گے الٰہی! تو اب ہمیں یہاں سے نکال اگر دوبارہ ہم تیری نافرمانی کریں تو بیشک ہم ظالم ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کی اس فریاد کا طویل عرصہ جواب نہیں دے گا پھر غضب کے ساتھ فرمائے گا کہ "جہنم میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو" مجھ سے فریاد نہ کرو، جب وہ دیکھیں گے کہ ان کا رب بھی ان پر رحم نہیں فرماتا اور کوئی امید افزا جواب نہیں ملتا تو ایک دوسرے سے (مایوسی کے ساتھ) کہیں گے کہ اب ہم اس عذاب پر صبر کریں یا نہ کریں دونوں باتیں برابر ہیں ہمیں رہائی تو ملنے کی نہیں اس وقت نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی دل سوزی کرنے والا دوست ہے۔ اگر ایک بار ہم دنیا میں پھر لوٹ جائیں تو ضرور ایمان والوں میں شامل ہو جائیں۔

بعدازیں فرشتے ان کولوٹا کر ان کے ٹھکانوں پر لے جائیں گے اس وقت ان کے قدم ڈگمگاتے ہوں گے۔ان کی تمام حجتیں، ناکارہ بن چکی ہوں گی، اللہ تعالیٰ کا عذاب دیکھ چکے ہوں گے اور اس کی رحمت کی امید منقطع ہو چکی ہوگی سخت اضطراب کا عالم ہوگا، رسوائی اور ایک عظیم ذلت ان پر مسلط ہوگی وہ اپنی اس کوتاہی پر جوان سے دنیا میں سرزد ہوئی بہت کچھ فریاد وفغاں کریں گے اور اعمال کے ان بوجھوں پر حسرت وافسوس کریں گے جو اپنی گردنوں پر دنیا سے بلاد کر لائے تھے، ان کی گردنوں پر نہ صرف ان کے بوجھ ہوں گے بلکہ ان کی گردنوں پر ان کی پیروی کرنے والوں کے بوجھ ہوں گے، ان کا عذاب زمین کے ذروں اور اس کے دریاؤں کے قطروں سے بھی زائد ہوگا ان کے اردگرد عذاب دینے والے ایسے فرشتے ہوں گے جو عذاب دینے میں کوئی رعایت نہیں کریں گے، ان کا حکم سخت اور بات اٹل ہوگی، ان عذاب دینے والے فرشتوں کے جسم بڑے بڑے، بجلی کی طرح کوندتے چہرے، انگاروں سی دہکتی آنکھیں اور شعلہ کی طرح سرخ بھبھوکا رنگت، دانت باہر نکلے ہوئے بیل کے سینگوں کی طرح (لمبے لمبے) ناخن، ہاتھوں میں آگ کے بھاری بھاری لمبے لمبے گرز لئے ہوئے ایسے کہ اگر پہاڑوں پر ماریں تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہوجائیں۔ایسی ڈراؤنی صورت اور ایسے گرزوں سے وہ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کو ماریں گے، ان ضربات سے اگر خون کے آنسوں بہیں تو کچھ تعجب نہیں، وہ اگر فرشتوں کو پکاریں گے تو وہ ان کا جواب نہیں دیں گے وہ گریہ وزاری کریں گے اور ان کو رحم نہیں آئے گا ٹھنڈے پانی کے لئے چیخیں گے تو اس کے بجائے پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ان کو (کھولتا) پانی ملے گا جو ان کے دہنوں کو جلا ڈالے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخیوں پر روزانہ ایک ایسا بڑا بادل چھائے گا جس کی بجلی کے کوندوں سے ان کی بینائی جاتی رہے گی اور اس کی کڑک ان کی کمر توڑ دے گی، ان پر ایسی گہری تاریکی مسلط ہوجائے گی کہ وہ عذاب کے فرشتوں کو بھی نہیں دیکھ سکیں گے پھر بادل ان سے مخاطب ہوگا کہ اے جہنم والو! کیا تم چاہتے ہو کہ میں پانی برساؤں؟ سب مل کر کہیں گے کہ ہاں ہم پر ٹھنڈا پانی برسا دے! بادل ان پر پانی کی بجائے اس طرح پتھر برسائے گا کہ ان کی کھوپڑیاں چکنا چور ہوجائیں گی۔ اس کے بعد بادل ان پر کھولتا ہوا پانی، شعلے، لوہے، کانٹے اور میخیں برسائے گا۔ پھر سانپ، بچھو اور دوسرے حشرات الارض اور زخموں کا دھوون برسائے گا۔ بادل کے چھانے پر دوزخ کے دریا اتنا جوش ماریں گے کہ ان کی لہریں ابل پڑیں گی یہ لہریں بڑی غضبناک ہوں گی اس وقت کوئی جگہ ایسی باقی نہیں ہوگی جہاں دریا کا پانی نہ چڑھ آیا ہو۔ اس سیلاب (بلا) میں تمام دوزخی غرق ہوجائیں گے۔ نافرمان اس کے اندر ہوں گے۔ جہنم کا جوش اس کا درجہ حرارت، اس کی ہیبت ناک آواز، شعلے، دھواں، تاریکی، گرم لپٹیں، گرم پانی بھڑکتی اور دہکتی آگ پروردگار کے غضب کے باعث اور بھی زیادہ تیز ہوجائے گی۔ ہم سب دوزخ سے، دوزخ میں جانے والے کاموں سے، دوزخیوں کی ہمراہی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ (آمین)

الہ العالمین! تو ہمارا بھی مالک ہے اور دوزخ کا بھی! الٰہی ہمیں دوزخ کے حوض میں نہ اتارنا، ہماری گردنوں میں اس کے طوق نہ ڈالنا، ہمیں اس کا لباس نہ پہنانا، اس کا تھوہڑ ہمیں نہ کھلانا اس کا گرم پانی ہمیں نہ پلانا اس کے موکلوں کو ہم پر مقرر نہ فرمانا، اس کی آگ کا ہمیں نوالہ نہ بنانا، اپنی رحمت سے پل صراط سے بخیریت گزارنا، ہم سے اس کے شعلے اور شراروں کو دور رکھنا۔ اپنی رحمت سے اس کے جھونکوں سے اس سختی اور اس کے عذاب سے بچالینا، آمین یارب العالمین!!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر جہنم کا سب سے چھوٹا دروازہ مغرب کی طرف سے کھول دیا جائے تو اس کی حدت وحرارت سے مشرق کے پہاڑ اس طرح پگھل جائیں جس طرح تانبا پگھلتا ہے اگر اس کی ایک چنگاری اڑ کر مغرب میں جا گرے اور بندہ مشرق میں ہو تو اس کا دماغ کھولنے لگے یہاں تک کہ مغز جسم پر بہنے لگے۔

دوزخیوں پر سب سے کم درجے کا عذاب یہ ہوگا کہ ان کو آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے جس کی آگ نتھنوں اور کانوں کے سوراخوں سے نکل کر بہنے لگے گی، ان کے دماغ کھولنے لگیں گے، ان کے قریب جو لوگ ہوں گے وہ اس کی تپش سے ایک پتھر سے تڑپ کر دوسرے پتھر پر گریں گے۔ تمام دوزخیوں کو ان کے اعمال کے مطابق عذاب دیا جائے گا، ہم ان کے اعمال اور ان کے مقام آخریں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو لوگ اپنی شرمگاہوں کو فعل حرام سے محفوظ نہیں رکھتے (زنا کے مرتکب ہوتے ہیں) ان کا عذاب یہ ہوگا کہ ان کی شرمگاہوں کو آنکڑوں میں پھنسا کر دنیا کی مدت کے برابر دوزخ میں لٹکا دیا جائے گا یہاں تک کہ ان کے جسم پگھل جائیں گے صرف ان کی جانیں باقی رہ جائیں گی پھر ان کو اتار لیا جائے گا اور ازسرنو جسم اور کھالیں دی جائیں گی پھر ان کو اسی عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا اور بقدر مدت دنیا ستر ہزار فرشتے کوڑے ماریں گے یہاں تک کہ ان کے بدن گل جائیں گے اور صرف جانیں رہ جائیں گی۔

جو چوری کے گناہ کا مرتکب ہے اس کا عذاب یہ ہے کہ اس کا جوڑ جوڑ کاٹا جائے گا پھر ازسرنو جسم دیا جائے گا ستر ہزار فرشتے اس کے بند کاٹنے کے لئے چھریاں ہاتھ میں لئے اس کی طرف بڑھیں گے۔

جھوٹی گواہی دینے والوں پر عذاب کی کیفیت یہ ہوگی کہ ان کی زبانوں میں آنکڑے ڈال کر انہیں الٹا لٹکا دیا جائے گا پھر ستر ہزار فرشتے ان پر کوڑے برسائیں گے۔ یہاں تک کہ ان کے جسم پگھل جائیں گے صرف روحیں باقی رہ جائیں گی۔

وہ لوگ جو شرک میں مبتلا رہے ہیں ان کو جہنم کے غاروں میں ڈال دیا جائے گا پھر غاروں کے دہانے بند کر دیئے جائیں گے، ان غاروں میں سانپ اور بچھو کثرت سے ہوں گے، آگ کے شعلے

Marfat.com

اور اس کا دھواں ہوگا اور ہر دوزخی کا ہر گھڑی ستر ہزار بار جسم تبدیل کیا جائے گا۔

ظالم، سرکشوں اور متکبروں جیسے فرعون، ہامان وغیرہ پر اس طرح عذاب ہوگا کہ ان کو آگ کے صندوقوں میں ڈال کر مقفل کر دیا جائے گا پھر ان صندوقوں کو جہنم کے سب سے زیریں حصہ میں رکھ دیا جائے گا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے ہر دوزخی کو ایک لحہ میں ننانوے قسم کا عذاب دیا جائے گا اور دن میں ہزار مرتبہ ان کی کھالیں تبدیل کی جائیں گی۔

جو لوگ خیانت کرتے ہیں ان کو ان چیزوں کے ساتھ لایا جائے گا جن میں انہوں نے خیانت کی ہوگی، پھر ان کو جہنم کے دریا میں ان چیزوں کے ساتھ ڈال دیا جائے گا پھر ان سے کہا جائے گا کہ دریا میں غوطہ لگاؤ اور ان چیزوں کو نکالو جن میں تم نے خیانت کی تھی وہ دریا کی تہہ تک جائیں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ کو اس کی گہرائی کا علم ہے اور کسی کو نہیں! وہ اس دریا میں غوطہ لگائیں گے اور جب سانس لینے کے لئے سر اٹھائیں گے تو ستر ہزار فرشتے لوہے کے گرز سے انہیں ماریں گے۔ یہ عذاب ان پر ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ (غنیۃ الطالبین)

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اہل دوزخ جہنم میں قرنوں (احقاب) تک رہیں گے، ہمیں ان قرنوں (احقاب) کی تعداد نہیں معلوم، ہاں آخرت کا قرن (حقب) اسی ہزار برس کا۔ ایک برت تین سو ساٹھ دن کا اور دن ہزار برس کا ہوگا۔ پس اہل دوزخ کی ہلاکت ہی ہلاکت ہے، ان کے چہروں کی ہلاکت کہ وہ سورج کی گرمی کو تو برداشت نہیں کر سکتے مگر دوزخ کی آگ میں اُن کو جلنا پڑے گا۔ ان سروں کی ہلاکت ہے جو سر کا درد تو برداشت نہیں کر سکتے تھے مگر دوزخ میں ان پر کھولتا پانی ڈالا جائے گا اور ہلاکت ہے ان آنکھوں کی جو آشوب چشم کو برداشت نہیں کر سکتی تھیں مگر دوزخ میں ان سے آگ کے شعلے نکالیں گے۔ اور ہلاکت ہے ان نتھنوں کی جو بدبو کو سونگھنا گوارا نہیں کرتے تھے مگر وہاں آگ ان کو کھائے گی۔ ان کانوں کی ہلاکت ہے، جو خوشگوار آوازیں سننا پسند کرتے تھے مگر جہنم میں ان سے شعلے نکلیں گے، ہلاکت ہے ان کھالوں کی جو موٹا لباس پہننا برداشت نہیں کرتی تھیں مگر جہنم میں ان کو آگ کے کھردرے بدبودار اور سخت کپڑے پہنائے جائیں گے، ہلاکت ہے ان پیٹوں کی جو ذرا سی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے تھے مگر دوزخ میں زقوم (تھوہڑ) کے کھولتے پانی سے ان کو بھرنا پڑے گا جس سے انتڑیاں بھی کٹ جائیں گی، ان پیروں کی ہلاکت ہے جو برہنہ پائی برداشت نہیں کر سکتے تھے مگر انہیں آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی، پس اہل دوزخ کے لئے ہلاکت اور عذاب ہی عذاب ہے جس میں وہ مبتلا ہوں گے۔ الٰہی ہمیں اپنے حلم عظیم اور فضل عمیم کی برکت سے دوزخی نہ بنانا (آمین ثم آمین) بحوالہ جملہ کتب احادیث)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جہنم کے سات پل ہیں اور ہر دو پلوں کے درمیان ستر سال کا فاصلہ ہے، ہر پل کی چوڑائی تلوار کی دھار کے برابر ہے۔ لوگوں کا پہلا

Marfat.com

گروہ پلک جھپکنے کی تیزی کی طرح اس پل سے گزر جائے گا۔ دوسرا گروہ بجلی کے کوندے کی طرح تیسرا گروہ تیز ہوا کے جھونکے کی مانند، چوتھا گروہ پرندے کی پرواز، پانچواں گروہ دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی طرح، چھٹا تیز رفتاروں کی مانند اس پل سے گزر جائے گا۔ ساتواں گروہ پیادہ پا لوگوں کی طرح اس سے گزرے گا، پل سے گزرنے والوں میں جب آخری آدمی رہ جائے گا تو اس کو حکم دیا جائے گا کہ گزر وہ اپنے دونوں پاؤں جیسے ہی پل پر رکھے گا اس کا پاؤں پھسل جائے گا تو وہ گھٹنوں کے بل چلنے کی کوشش کرے گا۔ آگ فوراً اس کے بالوں اور کھال پر اثر انداز ہوگی۔ وہ پیٹ کے بل چلنے کی کوشش کرے گا اور گھسٹتا ہوا چلے گا۔ جب پاؤں بھی سہارا نہیں دے گا تو ایک ہاتھ پکڑ کر چلے گا اور دوسرا ان ہاتھ اس کا لٹکتا رہے گا۔ دوزخ کی آگ اس پر عذاب کرتی رہے گی۔ وہ خود یہ گمان کرے گا کہ اب میں عذاب سے بچ نہیں سکتا مگر پیٹ کے بل سرکتے سرکتے وہ پل کو پار کرلے گا پل پار کرنے کے بعد وہ پل کی طرف دیکھے گا اور کہے گا ''کیسی برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے عذاب سے نجات بخشی، مجھے یقین نہیں آتا کہ میرے رب نے اگلوں یا پچھلوں میں سے کسی پر ایسی رحمت و بخشش فرمائی ہو۔ جیسی اس نے مجھ پر فرمائی''

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک فرشتے آئے گا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے حوض کے پاس لے جائے گا جو جنت کے دروازے کے سامنے ہے اور کہے گا اس میں غسل کرلو اور اس کا پانی پی لو وہ غسل کرے گا اور پانی پئے گا۔ اس سے بہشت والوں کی خوشبو آئے گی اور اس کا رنگ نکھر جائے گا پھر وہی فرشتہ اسے جہنم کے دروازے پر لا کر کھڑا کر دے گا اور کہے گا کہ اس وقت تک یہاں کھڑے رہو جب تک اللہ تعالیٰ کی اجازت تمہارے بارے میں نہ آجائے اس وقت وہ دوزخیوں کی طرف دیکھے گا، دوزخی کتوں کی طرح بھونکتے ہوں گے اس وقت وہ شخص رو رو کر عرض کرے گا الٰہی! میرا منہ ان دوزخیوں کی طرف سے پھیر دے (تاکہ میں انہیں نہ دیکھ سکوں) اے میرے رب! اس کے سوا میں تجھ سے کچھ اور طلب نہیں کروں گا۔ وہی فرشتہ رب العالمین کی بارگاہ سے آئے گا اور اس کا منہ جہنم کی طرف سے پھیر دے گا اس وقت وہ بندہ جہاں کھڑا ہوگا وہاں سے جنت صرف ایک قدم کے فاصلے پر ہوگی۔ وہ جنت کے دروازے اور اس کی وسعت کی طرف دیکھے گا۔ دروازے کے دونوں بازوؤں کے مابین فاصلہ تیز اڑنے والے پرندے کی چالیس سال کی مسافت کے برابر ہوگا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ بندہ اپنے رب سے عرض کرے گا اے میرے رب! یقیناً تو نے مجھ پر احسانات عظیم فرمائے ہیں تو نے مجھے آگ سے نجات دی منہ پھیر کر جنت کے رخ پر کر دیا۔ اب میرے اور جنت کے درمیان صرف ایک قدم کا فاصلہ ہے اے پروردگار! تیرے جلال و عزت کی قسم میں تجھ سے عرض کرتا ہوں کہ تو مجھے جنت کے دروازے میں داخل کر دے میں تجھ سے اور کچھ طلب نہیں کروں گا سوائے اس کے کہ جنت کے دروازے کو میرے اور اہل دوزخ کے درمیان حائل فرما دے تاکہ میں ان کی آواز بھی نہ سن سکوں

Marfat.com

اور نہ انہیں دیکھوں۔ پھر وہی فرشتہ رب العالمین کی بارگاہ سے آئے گا اور کہے گا اے ابن آدم! تو کس قدر جھوٹا ہے؟ کیا تو نے سوال نہ کرنے کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بندہ کہے گا اور قسم کھائے گا کہ عزت رب کی قسم میں کچھ اور نہیں مانگوں گا اس وقت فرشتہ اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت کے دروازے میں داخل کر دے گا اور خود بارگاہ الٰہی میں واپس چلا جائے گا وہ شخص اس وقت اپنے دائیں بائیں اور سامنے ایک سال مسافت کے بقدر جنت کو دیکھے گا تو اسے سوائے درختوں اور پھلوں کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ جنت کے قریب ترین درخت کا اس کے مقام سے فاصلہ ایک تیر پر ہوگا۔ وہ اس پیڑ کو دیکھے گا تو اس کی جڑ سونے کی شاخیں چاندی کی اور پتے ان کے حسین کپڑوں کی طرح نظر آئیں گے اس کے پھل مکھن سے زیادہ نرم، شہد سے زیادہ شیریں اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہوں گے۔ بندہ یہ دیکھ کر حیران رہ جائے گا اور پھر عرض کرے گا۔ الٰہی تو نے مجھے جہنم سے نجات دی اور جنت کے دروازے میں داخل کر دیا تو نے مجھ پر بڑے احسانات کئے ہیں لیکن میرے اور اس درخت کے درمیان صرف ایک قدم کا فاصلہ ہے اس کو بھی دور فرما دے اس کے سوا میں تجھ سے اور کوئی سوال نہیں کروں گا۔ پھر وہی فرشتہ آئے گا اور کہے گا تو بھی بڑا جھوٹا ہے تو نے مزید سوال نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا پھر یہ مزید درخواست کیوں کر رہا ہے، تیری قسم کہاں گئی تجھے شرم نہیں آتی! آخر کار اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت کے اندر قریب ترین محل تک لے جائے گا۔ یکا یک اسے ایک سال کی مسافت کے بقدر دوری پر موتی کا ایک محل دکھائی دے گا۔ اس محل کو اپنے سامنے اور اپنی قیام گاہ کو اپنے عقب میں دیکھ کر اسے ایسا معلوم ہوگا کہ پچھلی جگہ بالکل کمتر تھی اس وقت وہ بے ساختہ عرض کرے گا۔ الٰہی! میں یہ مکان تجھ سے مانگتا ہوں اس کے بعد کس چیز کی درخواست نہیں کروں گا فوراً ایک فرشتہ آئے گا وہ کہے گا اے انسان! کیا تو اپنے رب کی اس سے پہلے قسم نہیں کھائی تھی؟ خیر جا تجھے وہ محل دے دیا! جب یہ بندہ اس محل میں پہنچے گا تو اس کے مقابل کا سماں اور منظر دیکھ کر یہ مکان اور محل تو بے وقعت معلوم ہوگا۔ محل دیکھ کر بے قابو ہو جائے گا اور عرض کرے گا، اے رب میں تجھ سے اس محل کا خواستگار ہوں اس کے بعد کوئی اور سوال نہیں کروں گا فرشتہ پھر آ کر کہے گا اے ابن آدم کیا تو نے قسم نہیں کھائی تھی؟ آخر تو کتنا دروغ گو ہے؟ فرشتے اسے اس محل میں داخل کر دے گا۔ تو وہ خوش ہو کر ادھر ادھر دیکھے گا تو اسے خواب جیسا معلوم ہوگا اور بندہ پھر مقابل کے محل کے لئے استدعا کرے گا پھر فرشتہ آئے گا اور اسے اس کا وعدہ اور قسم یاد دلائے گا لیکن اس بار ملامت نہیں کرے گا کیونکہ وہ محسوس کرے گا کہ جنت کے عجائب و غرائب انسان کے لئے حیران کن ہیں جنہیں دیکھ کر انسان قابو میں نہیں رہ سکتا۔ پھر اسے ایک اور محل نظر آئے گا جسے دیکھ کر موجودہ محل بھی اسے خواب و خیال معلوم ہوگا مبہوت ہو کر رہ جائے گا اور پھر اس میں درخواست کی سکت نہ رہے گی۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، پھر وہی فرشتہ آئے گا اور اس سے کہے گا اپنے رب سے اب مانگتے کیوں نہیں؟ بندہ جواب دے گا کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو میں نے رب العزت

Marfat.com

کی قسم اتنی بار کھائی ہے کہ اب اس سے ڈرتا ہوں مجھے اس سے حیا آتی ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے میرے بندے، کیا تو اس پر راضی ہے کہ ازل سے ابد تک دنیا میں جو کچھ ہے اس سے دس گناہ تجھے دے دوں؟ بندہ عرض کرے گا پروردگار کیا ایسا ممکن ہے تو رب العالمین ہے! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں ایسا کرسکتا ہوں تو جو مانگنا چاہتا ہے مانگ! اس وقت بندہ عرض کرے گا کہ مجھے آدمیوں (ہم جنسوں) سے ملا دے، فوراً ایک فرشتہ اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں پیادہ پا لے جائے گا اس وقت وہ ایسی چیز دیکھے گا جو اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھی ہوگی بندہ سجدے میں گر پڑے گا اور کہے گا بلاشبہ میرے رب جل وعلا نے مجھے اپنے جلوہ سے نوازا (مجھے اپنا جلوہ دکھایا) فرشتہ کہے گا سر اٹھا کر دیکھ یہ تیرا گھر ہے یہ تیری منزل ہے اور سب سے کم درجہ کی منزل ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل اگر میری نظر کی حفاظت نہ فرماتا تو یقیناً اس قصر کے نور سے خیرہ ہوکر میری بینائی جاتی رہتی، پھر وہ اپنے محل میں رہنے لگے گا، تب اس سے ایک دوسرا بندہ ملاقات کرے گا، اس ملاقاتی کے چہرے اور لباس کو دیکھ کر وہ خیال کرے گا کہ شاید وہ فرشتہ ہے۔ آنے والا قریب آ کر کہے گا "السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ آپ کی خدمت کا اب وقت آیا بندہ سلام کا جواب دینے کے بعد دریافت کرے گا کہ تم کون ہو؟ وہ جواب دے گا کہ میں آپ کا محافظ ہوں اور میری طرح آپ کے ایک ہزار محافظ اور ہیں اور ہر ایک کے ذمہ آپ کے ایک محل کی نگرانی ہے، آپ کے ہزار محل ہیں اور ہر محل میں ہزار خادم اور ایک حور آپ کے لئے مخصوص ہے یہ شخص محل میں داخل ہوگا تو دیکھے گا کہ موتی کے ستر کمرے ہیں، ہر کمرے میں ستر دروازے ہیں اور ہر دروازے میں ایک قبہ ہے، وہ ان قبوں کو کھولے گا جسے آج تک کسی مخلوق نے نہیں کھولا ہوگا، درمیانی قبہ میں اس کو سرخ موتی (یاقوت) کا ایک گنبد نظر آئے گا جس کا طول ستر گز ہوگا اور اس کے ستر دروازے ہوں گے اور کوئی موتی ایک دوسرے کا ہم رنگ نہیں ہوگا۔ ہر لولوی گنبد میں حورعین موجود ہوگی، ان کی جلوہ گاہیں آراستہ و پیراستہ ہوں گی، تخت بچھے ہوں گے قصر کے اندر داخل ہوگا تو ایک حور ملے گی وہ اس کو سلام کرے گی یہ شخص سلام کا جواب دے کر متحیر کھڑا رہ جائے گا۔ حور کہے گی! آپ کو میری ملاقات کے لئے اب وقت ملا! میں آپ کی بیوی ہوں یہ شخص حور کا منہ دیکھے گا اس وقت اس کے چہرے میں (آئینہ کی طرح) اسے اپنا عکس نظر آئے گا۔ حور ستر جوڑے پہنے ہوگی، ہر جوڑے کا الگ رنگ ہوگا حور کا جسم اس طرح شفاف ہوگا کہ لباس کے باہر سے اس کی پنڈلی کی ہڈی کا گودا تک نظر آئے گا جب یہ بندہ اس کی طرف سے ذرا دیر کو بھی غافل ہوکر دوبارہ اس کے جمال کو دیکھے گا تو اس کو حور کا جسم پہلے سے ستر گناہ زیادہ حسین نظر آئے گا، حور اس کے لئے آئینہ ہوگی اور وہ حور کے لئے!!

ہر محل کے تین سو ساٹھ دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر تین سو ساٹھ موتی یاقوت اور دیگر جواہر کے قبے ہوں گے اور ہر قبے کا رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہوگا جب وہ محل سے سر

Marfat.com

نکال کر جھانکے گا تو بقدر مسافت زمین اس کو اپنی ملکیت نظر آئے گی اور جب وہ اس کی سیر کرے گا تو سو برس تک اپنی ہی ملکیت (سرزمین) میں چلتا رہے گا مگر اس کی حد ختم نہیں ہوگی۔ ہر دروازے پر فرشتے موجود ہوں گے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام اور تحفے لائیں گے۔ ہر فرشتے کے پاس ایسا ہدیہ ہوگا جو دوسرے کے پاس نہیں ہوگا۔ یہ فرشتے اپنے ہدیوں اور تحفوں کے ساتھ روزانہ دن چڑھے اس بندے کو سلام کرنے آئیں گے، اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن شریف) میں اس کی تصدیق اس طرح موجود ہے۔

والملٰئکة یدخلون علیهم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدّار

ہر دروازے سے فرشتے ان سے سلام علیکم کہتے ہوئے آئیں گے۔ یہ بدلہ ہے اس کا جو تم نے صبر کیا تو آخرت کا گھر (جنت) کتنا اچھا ہے۔

مزید ارشاد فرمایا۔

اور جنت میں ان کے لئے صبح و شام رزق ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ بندہ جو سب سے آخر میں داخل ہوا تھا اہل جنت اسے مسکین کے نام سے پکاریں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسروں کے مرتبے اس سے کہیں زیادہ افزوں ہوں گے، اس مسکین کے کھانے کے لئے صرف اسی ہزار خادم مقرر ہوں گے جب وہ کھانے کی خواہش کرے گا تو اس کے سامنے کھانا ایسے خوانوں میں پیش ہوگا جو زرد اور سرخ یاقوت سے مرصع ہوں گے ان خوانوں کے پائے مروارید کے ہوں گے ہر پائے کی لمبائی بہت زیادہ ہوگی ان خوانوں میں ستر قسم کے لذیذ اور رنگارنگ کھانے ہوں گے۔ پیالوں میں مختلف قسم کے شربت ہوں گے۔ کھانے کا مزہ شروع سے آخر تک یکساں قائم رہے گا، اگرچہ بعض کھانے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں گے لیکن ان کا رنگ و روپ ایک دوسرے سے الگ ہوگا ہر خادم کو اس کا حصہ کھانے سے ضرور دیا جائے گا لیکن جب یہ بندہ کھا چکے گا تب اس کے پس خوردہ سے دیا جائے گا۔ (غنیۃ الطالبین)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اونچے درجہ والے اس مسکین جنتی کی زیارت کریں گے (بلندی سے اسے دیکھیں گے) لیکن یہ ان لوگوں کو نہیں دیکھ سکے گا۔ اونچے درجے والے ہر جنتی کی خدمت میں بے شمار خدمتگار ہوں گے ہر خادم کے ہاتھ میں ایک خوان ہوگا جس میں کھانا ہوگا اور جو کھانا ایک خوان میں ہوگا وہ دوسرے میں نہیں ہوگا۔ جنتی ہر قسم کے کھانے میں سے کچھ نہ کچھ ضرور کھائے گا۔ جب یہ کھانے سے فارغ ہوگا تو ہر خادم کو اس پس خوردہ کھانے اور شربت سے حصہ ملے گا۔ ہر جنتی کو 72 حوریں اور دو انسانی بیویاں عطا ہوں گی۔ ہر بیوی کا محل یاقوت سبز کا ہوگا جو سرخ یاقوت سے مرصع ہوگا ہر قصر کے ستر ہزار دروازے (کواڑ) ہوں گے۔ ہر کواڑ پر موتی کا ایک قبہ ہوگا۔ ہر بیوی بہت خوبصورت جوڑے پہنے ہوگی۔ ہر جوڑے کے ستر ہزار رنگ ہوں گے اور کوئی جوڑا ایک دوسرے کے

Marfat.com

مانند و مشابہ نہ ہوگا۔ ہر بیوی کی خدمت میں ایک ہزار لونڈیاں ہوں گی اور بے شمار سہیلیاں ہوں گی، ہر لونڈی کے ہاتھ میں کھانے سے بھرا ہوا خوان اور شربت سے پر پیالہ ہوگا اور ایک خوان کا کھانا اور پیالہ کا شربت دوسرے خوان کے شربت اور کھانے سے مشابہ نہیں ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ جب وہ بندہ خواہش کرے گا کہ اپنے اس بھائی سے ملاقات کرے جس سے دنیا میں اللہ تعالیٰ عزوجل کے واسطے محبت کرتا تھا۔ وہ کہے گا کہ کاش مجھے اپنے بھائی کا حال معلوم ہوتا کہ وہ کس حال میں ہے اس کو خطرہ ہوگا کہ کہیں وہ تباہ نہ ہوگیا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کے اس خطرے سے واقف ہوگا وہ فرشتوں کو حکم دے گا کہ میرے بندے کو اس کے بھائی کے پاس پہنچادو، اس حکم کے بعد فرشتہ اس کے پاس ایک عدد اونٹنی لے کر آئے گا جس پر پالان کے بجائے نور کے گدے (تمدے) پڑے ہوں گے۔ جنتی اس کو سلام کرے گا فرشتہ سلام کا جواب دینے کے بعد کہے گا کہ اٹھو سوار ہو اور اپنے بھائی کے پاس ملاقات کے لئے چلو، جنتی اونٹنی پر سوار ہوکر بہشت کا وہ راستہ جو ہزار برس میں طے ہوسکتا تھا اتنی جلدی طے کرلے گا جتنی دیر میں تم اونٹنی پر سوار ہوکر تیز رفتاری سے ایک قدم کا راستہ طے کرتے ہو۔ یہ راہ طے کرکے اپنے بھائی کے گھر پہنچ جائے گا اور اس کو سلام کرے گا وہ سلام کا جواب دے گا اور اسے خوش آمدید کہے گا وہ دریافت کرے گا کہ اے بھائی تم کہاں تھے؟ مجھے تو تمہارے بارے میں اندیشہ لاحق ہوگیا تھا۔ دونوں معانقہ کریں گے اور کہیں گے اس اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے جس نے ہم کو ملایا پھر دونوں اللہ تعالیٰ کی حمد ایسی خوش الحانی سے کریں گے کہ کسی نے ایسی آواز کبھی نہیں سنی ہوگی۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ ان دونوں سے فرمائے گا کہ اے میرے بندو! یہ وقت عبادت اور بندگی کا نہیں ہے بلکہ ہم سے تحائف مانگنے کا وقت ہے لہٰذا تم دونوں کی جو خواہش ہو ہم سے طلب کرو، وہ دونوں عرض کریں گے کہ الٰہی! ہم دونوں کو اس درجہ میں یکجا کردے، اللہ تعالیٰ ان دونوں کو ایک خیمہ میں یکجا کردے گا دونوں کو ایک ساتھ رہنے کا حکم فرمادے گا۔ اس خیمہ کے چاروں طرف موتی اور یاقوت ہوں گے ان کی بیویوں کے لئے الگ مقام ہوں گے۔ پھر وہ دونوں ایک ساتھ کھائیں پئیں گے اور ہر طرح کا لطف اٹھائیں گے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنتی جب کوئی لقمہ اپنے منہ میں رکھے گا اور اس کے دل میں کسی دوسرے کھانے کی خواہش ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسی لقمہ کو اس کے منہ میں اسی مرغوب و مطلوب کھانے میں تبدیل فرمادے گا۔ (جملہ کتب الحادیث)

جنت کی زمین

رسول خدا ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ جنت کی زمین کیسی ہوگی؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کی زمین سفید و نرم چاندی کی اور اس کی مٹی مشک کی ہوگی اور ٹیلے

Marfat.com

زعفران کے ہوں گے اس کی چہار دیواری مروارید، یاقوت اور سونے چاندی کی ہوگی اور ایسی شفاف کہ اندر سے باہر کی چیزیں اور باہر سے اندر کی چیز نظر آئے گی، جنت میں ایسا کوئی محل نہ ہوگا جس کی اندر کی چیزیں باہر سے اور باہر کی چیزیں اندر سے نظر نہ آتی ہوں، جنت میں ہر شخص کا لباس تہبند (ازار) اور چادر اور بغیر سلے ہوئے جوڑے ہوں گے، موتیوں کا تاج سر پر ہوگا تاج میں چاروں طرف موتی، یاقوت اور زمرد ہوں گے اور اس سے سونے کی دو زنجیریں لٹکتی ہوں گی۔ گردن میں سونے کا گلوبند ہوگا جس کے کنارے یاقوت سبز اور مروارید کے ہوں گے۔ ہر جنتی کے ہاتھ میں تین کنگن ہوں گے، ایک کنگن سونے کا، ایک چاندی کا ایک موتیوں کا ہوگا۔ تاج کے نیچے موتیوں اور یاقوت کے سر بند ہوں گے۔ جوڑوں کے اوپر باریک ریشم کا لباس ہوگا جن کے استر سبز حریر کے ہوں گے۔ سب تکئے لگائے ایسے بستروں پر بیٹھے ہوں گے جن کا استر موٹے ریشم کا اور ابرہ عمدہ سرخ نفیس کپڑے کا ہوگا۔ اس پر سرخ یاقوت کی دھاریاں پڑی ہوں گی۔ ان کے تخت سرخ یاقوت کے اور ان کے پائے مروارید کے ہوں گے، ہر تخت پر ہزار فرش بچھے ہوں گے اور ہر فرش میں ستر رنگ ہوں گے کوئی رنگ ایک دوسرے سے مشابہ نہیں ہوگا۔ ہر تخت کے سامنے ستر ہزار بستر ہوں گے اور ہر بستر کے ستر رنگ ہوں گے اور کوئی بستر دوسرے سے مشابہ نہیں ہوگا۔ ہر بستر کے دائیں بائیں ستر ہزار کرسیاں ہوں گی اور ہر کرسی نئی ہوگی اور ایک دوسرے سے مختلف۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام اہل جنت خواہ وہ دنیا میں پست قد ہی کیوں نہ ہوں جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے قد کے برابر ہوں گے۔ تمام جنتی جوان ہوں گے۔ (داڑھی مونچھ) کے بغیر، ان کی گہری سرمئی آنکھیں ہوں گی ان کی بیویاں سب یکساں قد کی ہوں گی، اس اہتمام کے بعد منادی ایسی آواز میں پکارے گا جو دور و نزدیک نیچے اور اوپر یکساں سنی جائے گی کہ اے جنت والو! کیا تم کو اپنے یہ گھر پسند آئے؟ سب جواب میں عرض کریں گے، اللہ تعالیٰ کی قسم ہمارے رب نے ہمیں عزت اور کرامت کی جگہ اتارا ہے ہم یہاں سے کہیں اور منتقل نہیں ہونا چاہتے اور نہ اس کے بدلے دوسرا گھر ہم چاہتے ہیں، ہم اپنے رب کے جوار میں خوش ہیں، اے اللہ تعالیٰ! اے ہمارے پروردگار! ہم نے تیری منادی سنی اور اس کا سچا جواب عرض کر دیا۔ (غنیۃ الطالبین)

دیدار الٰہی

الٰہی ہم تیرے دیدار کے طالب ہیں تو ہمیں اپنا جلوہ دکھا دے کیونکہ تیرا دیدار ہی تو سب سے بڑھ کر ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اس جنت کو جس کا نام دارالسلام ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ کی مجلس اور مقام ہے، حکم دے گا کہ خود کو سجا لے اور آراستہ کر لے اور اس کے لئے تیار ہو جا کہ میں اپنا دیدار اپنے بندوں کو کراؤں۔ جنت دارالسلام رب کا حکم سنے گی اور بات ختم ہونے سے پہلے ہی خود کو آراستہ کر لے گی اور اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے والوں کے لئے تیار ہو جائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم

Marfat.com

دے گا کہ میرے دیدار کے لئے میرے بندوں کو بلاؤ وہ فرشتہ بارگاہ الٰہی سے روانہ ہو کر بہت پر کیف بلند اور لمبی آواز میں پکارے گا! اے اہل جنت اے اللہ تعالیٰ کے دوستو! آؤ اپنے رب کا دیدار کرو، اس کی آواز ہر جنتی سن لے گا خواہ وہ اوپر کے طبقے میں ہو یا نیچے کے طبقے میں! تمام جنتی اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو جائیں گے۔ سفید کستوری اور زرد زعفران کے ٹیلوں کی طرف چلیں گے اور دروازے کے قریب پہنچ کر سلام پیش کریں گے اور اس طرح کہیں گے۔ "السلام علینا من ربنا" (ہم پر ہمارے رب کی طرف سے سلام ہو) پھر وہ داخلے کی اجازت چاہیں گے ان کو اجازت دیدی جائے گی۔ جونہی وہ دروازہ میں داخل ہونے کا ارادہ کریں گے کہ عرش کے نیچے سے مشیرہ نامی ہوا چلے گی وہ ہوا مشک و زعفران کے ٹیلوں کو اٹھا لے گی اور غبار بن کر ان طالبان دیدار کے سروں، گریبانوں اور کپڑوں پر ڈال دے گی پھر وہ اندر داخل ہو کر اپنے رب اور اس کی عرش و کرسی پر نظر ڈالیں گے، ان کو ایک نور تاباں نظر آئے گا مگر رب جلوہ فرما نہ ہوگا اس وقت یہ سب یک زبان ہو کر کہیں گے۔" سبحانک ربنا قدوس ٥ رب الملائکۃ والروح تبارک وتعالیت" (اے ہمارے پروردگار تو ہر عیب سے پاک ہے تو قدوس ہے تو فرشتوں اور روحوں کا رب ہے تو برکت والا ہے اور عالی مرتبہ ہے) ہمیں اپنے جمال کے دیدار سے مشرف فرما! اس وقت اللہ تعالیٰ حجابات نور کو حکم دے گا کہ ہٹ جاؤ، فوراً یکے بعد دیگرے حجابات اٹھتے چلے جائیں گے اس طرح ستر حجابات اٹھ جائیں گے اور زیرین حجاب اپنے بالائی حجاب سے نورانیت میں ستر گنا زیادہ ہوگا اس کے بعد اللہ تعالیٰ جلوہ افروز ہوگا۔ طالبان دیدار سب سجدے میں کہیں گے۔" ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں تیرے ہی لئے تمام حمد و ثنا ہے، تو نے ہمیں دوزخ سے بچایا اور جنت میں داخل کیا، یہ مکان ہمارے لئے کتنا اچھا ہے ہم تجھ سے راضی ہیں تو بھی ہم سے راضی ہو جا" اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تم سے پورے طور پر راضی ہوں، یہ بندگی اور حمد و ثنا بیان کرنے کا وقت نہیں ہے، یہ عیش و شادو کامرانی کا وقت ہے، مجھ سے مانگو میں تمہیں عطا کروں گا، آرزو کرو میں تمہاری آرزو سے بہت زیادہ تمہیں عطا کروں گا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا اہل جنت دل ہی دل میں آرزو کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ ہمیشہ قائم رکھے اللہ تعالیٰ (ان کی آرزو کے جواب میں) فرمائے گا کہ جو کچھ میں نے تمہیں عطا کیا ہے اور اسی کی مثل و مانند جو کچھ اور عطا کروں گا وہ سب تمہارے لئے قائم و دائم رکھوں گا۔ اہل جنت اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھائیں گے اور رب العزت کے نور پاک کی شدت سے اس طرف نظر نہ اٹھا سکیں گے اس مجلس کا نام "مشرقی قبہ عرش رب العالمین" ہوگا۔ اس کے بعد رب العزت ان سے فرمائے گا اے میرے بندو! اے میری قربت والو! میرے دوستو! میرے محبو! مجھ سے محبت رکھنے والو! اے وہ لوگ جن کو میں نے اپنی مخلوق اور اطاعت گزار بندوں میں سے منتخب کیا ہے! مرحبا! مرحبا!!

Marfat.com

عرش الٰہی اور منبر

اس کے بعد ان لوگوں کو رب العزت کے عرش کے سامنے کچھ نورانی منبر نظر آئیں گے، ان منبروں کے نیچے نور کی کرسیاں ہوں گی؛ ان کرسیوں کے نیچے فرش پر غالیچے اور غالیچوں کے نیچے مسندیں ہوں گی۔ اللہ جل جلالہٗ فرمائے گا! آؤ اور حسب مراتب بیٹھو، سب سے آگے رسولان کرام (علیہم السلام) تشریف لائیں گے اور منبروں پر تشریف فرما ہو جاؤں گے پھر انبیاء علیہم السلام کرسیوں پر جلوہ افروز ہوں گے اور حضرات صالحین آگے بڑھ کر مسندوں پر بیٹھ جائیں گے اس کے بعد نورانی خوان بچھائے جائیں گے، ہر خوان کے ستر رنگ ہوں گے اور ہر ایک مروارید و یاقوت سے مرصع ہوگا۔ پھر حق تبارک تعالیٰ اپنے خدام کو حکم دے گا کہ سب کو کھلاؤ یہ خدام سب کے آگے خوانوں میں ستر پیالے یاقوت و مروارید رکھیں گے ہر ایک پیالے میں ستر قسم کا کھانا ہوگا اللہ جل شانہٗ ارشاد فرمائے گا کہ کھاؤ، ہر ایک جتنا چاہے گا کھائے گا، کھاتے وقت آپس میں یہ حضرات کہیں گے کہ آج کے کھانے کے مقابل میں ہمارے گھر کا کھانا بالکل ہیچ تھا۔ وہ اس کے مقابلہ میں خواب و خیال ہے پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ حضرات شراب طہور سے سیراب کیے جائیں گے اس وقت اہل جنت آپس میں کہیں گے کہ ہمارے مشروبات تو اس مشروب کے مقابلے میں ایک خواب و خیال (ہیچ) ہیں، پھر رب العزت فرمائے گا کہ تم نے ان کو کھلا پلا دیا اب ان کو پھل اور میوے کھلاؤ، خدام پھل لے کر آئیں گے اہل جنت ان پھلوں میں سے کچھ کھائیں گے اور کہیں گے ان پھلوں کے مقابلے میں ہمارے (دنیا کے) پھل بالکل ہیچ اور بے حقیقت ہیں۔ اللہ تعالیٰ خادموں کو حکم دے گا کہ تم نے ان کو کھلا پلا دیا میوے بھی کھلا دیئے اب ان کو لباس بہشتی اور زیور سے آراستہ کرو۔ خادم لباس اور زیوران کو پہنائیں گے اس وقت یہ لوگ آپس میں کہیں گے کہ اس کے مقابلے میں ہمارے زیور اور لباس تو بالکل ہیچ تھے۔ یہ لوگ کرسیوں پر ہی بیٹھے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ عرش سے ایک ہوا بھیجے گا جس کا نام مشیرہ ہوگا یہ ہوا زیرین عرش سے مشک اور کافور کا غبار (جو برف سے زیادہ سفید ہوگا) ساتھ لا کر ان کے سروں، گریبانوں اور کپڑوں پر ڈال دے گی جس سے یہ سب معطر ہو جائیں گے، پھر تمام خوان بچے ہوئے کھانوں کے ساتھ اٹھا لئے جائیں گے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندو! مجھ سے سوال کرو میں عطا کروں گا اور آرزو کرو گے اس سے زیادہ دوں گا یہ سب جنتی متفقہ طور پر کہیں گے اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم تجھ سے تیری رضا کے طالب ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندو! میں تم سے راضی ہوں، سب سجدے میں گر پڑیں گے اور تسبیح میں مشغول ہو جائیں گے اس وقت رب العزت فرمائے گا میرے بندو! سر اٹھاؤ یہ عبادت کا وقت نہیں ہے یہ وقت تو راحت کا ہے، بندے سجدے سے

Marfat.com

سر اٹھائیں گے، انوار ربی کی وجہ سے ان کے چہرے تاباں ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب اپنے اپنے محلوں کو واپس جاؤ۔ یہ سب جنتی بارگاہ الٰہی سے نکل آئیں گے، خدام سواریاں لے آئیں گے یہ تمام جنتی اپنی اپنی اونٹنی یا خچر پر بیٹھ جائیں گے ہر ایک کی رکاب میں بہت زیادہ غلام ہوں گے یہ غلام بھی اسی جیسی سواری پر سوار ہوں گے۔ راستہ میں سے جو چاہے گا اپنے علاقے اور محل کی طرف چلا جائے گا باقی سب اس کے ہم رکاب رہیں گے یہاں تک کہ اس کا قصر آ جائے گا۔ قصر میں پہنچ کر جنتی اپنی بیوی کی طرف جائے گا وہ کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرے گی، خوش آمدید و مرحبا کہے گی اور کہے گی، میرے محبوب آپ تو اپنے رب سے حسن و جمال اور نور لے کر خوشبودار لباس اور حسین زیور کے ساتھ آئے۔ میں بھی آپ سے جدا نہ تھی (آپ کے ساتھ ساتھ تھی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ بلند آواز سے پکارے گا، اے اہل جنت! تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے اور تم کو اسی طرح نو بہ نو نعمتیں ملتی رہیں گی۔ (غنیۃ الطالبین)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے ہر دروازے سے سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار کہتے ہوئے آئیں گے ان کے ساتھ ہدیے کے طور پر مطعومات، مشروبات، ملبوسات اور زیورات ہوں گے۔

حضور ﷺ فرماتے تھے کہ جنت کے سو درجے ہوں گے ہر دو درجوں کے درمیان ایک سردار معین ہے جس کی بزرگی اور فضیلت کا سب اقرار کریں گے۔ جنت میں سفید کستوری اور زعفران کے پہاڑ ہیں، اہل جنت کی ڈکار سے کستوری کی اور پسینے سے مشک کی خوشبو آتی ہے وہ نہ تھوکتے ہیں اور نہ انہیں بول و براز کی ضرورت پیش آتی ہے نہ ان کی ناک بہتی ہے اور نہ وہ بیمار ہوتے ہیں نہ ان کے سر میں درد ہوتا ہے۔

حضور ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ تمام اعلیٰ درجہ اور کم درجہ والے جنتی چاشت کے وقت کھانا کھاتے ہیں پھر دو گھڑی آرام کرتے ہیں اور دو گھڑی آپس میں ملاقاتیں کرتے ہیں۔ چار گھڑی اپنے خالق کی تمجید بیان کرتے ہیں پھر دو گھڑی آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ جنت میں رات اور دن بھی ہیں
حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ تحفہ و ہدایا دینے کے اعتبار سے ادنیٰ درجہ کا شخص بھی ایسا ہوگا کہ اگر اس کے پاس تمام جن و انس مہمان ہوں تب بھی اس کے پاس اپنے مہمانوں کے لئے کرسیاں، فرش، تکیے اور بستر ہوں گے اور مہمانوں کو کھلانے کے لئے بھی کافی سامان خوراک ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں بعض درختوں کے تنے سونے کے بعض چاندی کے اور بعض یاقوت و زبرجد کے ہوں گے ان کی شاخیں بھی ایسی ہی ہوں گی اور ان کے پتے دنیوی زیوروں سے زیادہ خوبصورت ہوں گے ان کے پھل مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ شیریں ہوں گے ہر درخت کی لمبائی بہت زیادہ ہوگی، دیکھنے والے کی نظر درخت کے آخری پتے اور پھل تک پہنچے

Marfat.com

گی۔ ہر درخت کے پھل ستر ہزار قسم کے ہوں گے اور کوئی پھل ہم رنگ نہیں ہوگا۔ جنتی کو جس قسم کے پھل کی خواہش ہوگی وہی پھل رکھنے والی شاخ نیچے جھک آئے گی، اس پھل کا طالب اگر اس پھل کو ہاتھ سے توڑنا چاہے گا تو اس کو توڑ لے گا اور اگر منہ میں لینا چاہے گا تو اپنا منہ کھول دے گا وہ پھل اس کے منہ میں آ جائے گا جب پھل کو توڑے گا فوراً اس کے عوض ایک دوسرا خوبصورت اور عمدہ پھل اللہ تعالیٰ پیدا کر دے گا جب جنتی پھل توڑنے اور کھانے کی خواہش پوری کر لے گا تو شاخ (اچک کر) پھر وہیں اوپر لوٹ جائے گی جہاں سے جھکی تھی، جنت میں بعض درخت پھلدار نہیں ہوں گے بلکہ ان میں صرف شگوفوں کے غلاف اور آستینیں ہوں گی جن میں حریر خوبصورت نفیس ریشم، باریک ریشمی کپڑے ہوں گے اور بعض آستینوں میں مشک اور کافور ہوں گے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اہل جنت ہر جمعہ کو اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ اگر بہشت کا ایک تاج آسمان سے نیچے لٹکا دیا جائے تو اس کی تابانی سورج کی چمک دمک کو ماند کر دے۔ (کتب احادیث)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں (بہت سے) محل ہیں ہر محل میں چار نہریں رواں ہیں ایک آب شیریں کی، دوسری دودھ کی، تیسری شراب (طہور) کی اور چوتھی شہد مصفا کی، اگر جنتی کسی نہر کا پانی پیئے گا تو آخر میں اس پانی سے مشک کی خوشبو آئے گی۔ جنتی ان چشموں کا پانی ملائے بغیر نہروں کا پانی پئیں گے، ایک چشمہ کا نام زنجبیل ہے، دوسرے کا نام تسنیم، تیسرے کا کافور، چشمہ کافور سے صرف مقربین حضرات سیراب ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ صادر نہ فرما چکا ہوتا کہ اہل جنت شراب طہور کے پیالے لینے میں ایک دوسرے پر پیش قدمی کریں گے تو اہل جنت ان کاسوں کو کبھی اپنے منہ سے نہ ہٹاتے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت ایک لاکھ سال یا اس سے بھی زیادہ دور کی مسافت سے باہم ملاقات کے لئے جائیں گے اور جب وہ ملاقات کے بعد اپنے اپنے محلات کو واپس جائیں گے تو وہ سیدھے اپنے اپنے ٹھکانوں پر (راہ بھٹکے اور بھولے بغیر) واپس آ جائیں گے۔ (جملہ کتب احادیث)

اہل جنت جب دیدار الٰہی سے سرفراز ہو کر واپسی کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ تمام اہل جنت کو ایک سبز رنگ کا انار مرحمت فرمائے گا جس میں ستر دانے ہوں گے اور ہر دانے میں سو رنگ ہوں گے اور کوئی دانہ ہم رنگ نہیں ہوگا، بارگاہ الٰہی سے مراجعت کے وقت وہ جنت کے بازاروں سے گزریں گے ان بازاروں میں خرید و فروخت نہیں ہوگی بلکہ وہاں زیور، کپڑوں کے جوڑے، باریک اور موٹا ریشمی کپڑا، خوبصورت منقش موتی اور یاقوت اور مرصع تاج لٹکے ہوں گے، وہاں سے جنتی اتنی چیزیں لیں گے جتنی وہ لے جانا چاہیں گے مگر ان بازاروں میں کچھ کمی نہیں آئے گی، وہاں حسین ترین تصویریں بھی ہوں گی ایسی ہی جیسی آدمیوں کی تصویریں ہوتی ہیں ان تصویروں کے سینوں پر تحریر ہوگا کہ جو شخص مجھ جیسا حسین ہونا پسند کرے گا اللہ تعالیٰ اسے مجھ جیسا بنا دے گا پس جوان تصویروں جیسا خوبصورت

Marfat.com

بنا پسند کرے اس کا چہرہ تصویر کی طرح حسین ہو جائے گا جب یہ لوگ لوٹ کر اپنے محلات میں آئیں گے تو غلمان صف باندھے کھڑے ہوں گے اور ان واپس آنے والوں کو خوش آمدید و مرحبا کہتے ہوئے آگے بڑھیں گے، ہر ایک اپنے برابر والے کو ان جنتیوں کی واپسی کی بشارت دے گا اس طرح سلسلہ بہ سلسلہ یہ خوشخبری اس کی بیوی (حور) تک پہنچ جائے گی، بیوی فرطِ انبساط سے دروازے تک آئے گی اور اس کو سلام و مرحبا کہے گی۔ دونوں گلے ملیں گے اور معانقہ کرتے ہوئے اندر آ جائیں گے۔ حضور ﷺ فرماتے تھے کہ جنت کی بیوی اتنی حسین و جمیل ہو گی کہ اگر اسے کوئی بھی دیکھ لے تو اس کے حسن پر فریفتہ ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کھانے کے بعد جو آخری شربت پیا کریں گے اس کا نام (پاک لبریز) ہوگا اس کا ایک گھونٹ پینے کے بعد جو کچھ کھایا پیا ہے سب ہضم ہو جائے گا اس کی ڈکار مشک کی خوشبو کی طرح ہوگی اہل جنت کے پیٹ میں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی شراب طہور پینے کے بعد انہیں پھر کھانے کی خواہش ہوگی اور ہمیشہ ان کا یہی طریقہ رہے گا۔

جنت کی قسمیں

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کی سواریاں سفید یاقوت سے بنائی گئی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ جنتیں تین قسم کی ہیں ایک کا نام الجنتہ دوسری کا عدن اور تیسری کا دار السلام ہے۔ جنت عدن، الجنتہ سے ستر کروڑ گنا بڑی ہے، الجنتہ کے محل باہر سے سونے کے اور اندر سے زبرجد کے ہوں گے اس کے برج سرخ یاقوت کے اور اس کے جھروکے (کھڑکیاں) موتیوں کی لڑیوں کے ہوں گے، حور پکارے گی کہ اے دوست! اب وقت آ گیا ہے کہ میں تم سے دولت وصال حاصل کروں! وہ پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ جواب دے گی کہ میں وہ ہوں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا۔

"کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے کیا کیا چھپا کر رکھا گیا ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ہے اس کا سایہ اتنا ہے کہ سوار سات سو سال تک چلے تب بھی اسے عبور نہ کیا جا سکے گا اس کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جنتی اپنی بیوی کے پاس جائے گا تو وہ کہے گی قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے آپ کی ملاقات کی عزت بخشی کہ جنت کی کوئی چیز مجھے آپ سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ جنتی بھی ایسا ہی جواب دے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایسی ایسی چیزیں موجود ہیں جن کی تعریف بیان نہیں ہو سکتی اور نہ ہی دنیا ان کا تصور کر سکتی ہے، نہ کسی سننے والے کانوں نے سنا اور نہ مخلوق میں سے کسی کی آنکھوں نے انہیں دیکھا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے دو شخصوں کو جو محض اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں

Marfat.com

محبت رکھتے تھے سرخ یاقوت کے مینار پر اتارے گا جس کا عرض بہت زیادہ ہے اس مینار پر ستر ہزار کمرے ہوں گے اور ہر کمرہ ایک محل کی صورت میں ہوگا، محض اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنے والے اوپر سے تمام اہل جنت کو دیکھیں گے۔ ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوگا ''ہم لوجہ اللہ تعالیٰ محبت کرنے والے ہیں۔'' جب ان میں سے کوئی اپنے محل سے اہل جنت کو دیکھے گا تو اس کے چہرے کے نور سے اہل بہشت کے محلات اس طرح چمک اٹھیں گے جس طرح سورج کے نور سے اہل زمین کے گھر بھر جاتے ہیں اس وقت ایک جنتی دوسرے جنتی سے کہے گا یہ روشنی ان چہروں کی ہے جنہوں نے محض اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں دوستی کی ہے۔ یہ کہتے ہی اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک اٹھے گا۔

حضور ﷺ فرماتے تھے کہ جنتی اپنی خوبصورتی میں جنت کے خادموں پر ایسی فضیلت و برتری والا ہوگا جیسے ستاروں پر چاند کامل کو فضیلت حاصل ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کی بیویاں کیف آفرین آواز کے ساتھ گائیں گے اور کہیں گی ''ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں ہمیں کبھی موت نہیں آئے گی، ہم امن وامان میں رہنے والی ہیں ہمیں کبھی خوف نہیں ہوگا، ہم خوش وخرم رہنے والی ہیں ہم کبھی ناخوش نہیں ہوں گی، ہم ہمیشہ جوان رہنے والی ہیں ہمیں بڑھاپا لاحق نہ ہوگا۔ ہم ہمیشہ لباس میں ملبوس رہنے والی ہیں، کبھی برہنہ نہیں ہوں گی، ہم نیک اور حسین ترین عورتیں اور عزت والی قوم کی بیویاں ہیں۔''

جنت کے پرندے

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت کے ہر پرندے کے ستر ہزار پر ہیں، ان کا ہر پر دوسرے سے الگ الگ ہے، جنت میں اگر کوئی ان پرندوں میں سے کسی کے کھانے کا خواستگار ہوگا تو اس پرندے کو ایک برتن میں لاکر رکھ دیا جائے گا اس وقت وہ اپنے پر پھڑ پھڑائے گا جس سے ستر رنگ کے کھانے گریں گے، ان میں کچا گوشت بھی ہوگا اور کچھ بھنا ہوا بھی، ہر گوشت کا رنگ الگ الگ ہوگا جنتی جب کھانے سے فارغ ہوگا تو یہ پرندہ پھڑ پھڑا کر اڑ جائے گا اور اس کا ایک پر بھی کم نہ ہونے پائے گا۔ جنتیوں کے پرندے اور ان کے گھوڑے جنت کے باغوں میں اور جنتیوں کے محلوں کے آس پاس چراگاہوں میں چریں گے۔

مزید انعامات

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اہل جنت کو اللہ تعالیٰ سونے کی انگوٹھیاں مرحمت فرمائے گا (جنہیں وہ پہنیں گے)۔ یہ بہشت کی انگوٹھیاں ہوں گی، اس کے بعد یاقوت اور لؤ لؤ کی انگوٹھیاں ہوں گی، یہ دیدار الٰہی کے وقت عطا ہوں گی۔ اہل جنت جب اپنے رب کی زیارت سے مشرف ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمودہ کھانے کو کھائیں گے، مشروبات پئیں گے اور ان کی لذتوں

Marfat.com

سے لطف اندوز ہوں گے اس وقت رب العزت فرمائے گا۔ اے داؤدؑ اب خوش الحانی سے میری عظمت کے ترانے لگاؤ۔ حضرت داؤدؑ حکم کی تعمیل فرمائیں گے۔ آپؑ کی خوش الحانی سے جنت کی ہر چیز پر سکوت کا عالم طاری ہو جائے گا اور ہمہ تن گوش ہو جائے گی۔ پھر رب العزت اہل جنت کو لباس اور زیورات عطا فرمائے گا اور یہ لوگ اپنے اپنے مکانوں میں واپس آ جائیں گے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر جنتی کے لئے ایک درخت مخصوص ہوگا جس کا نام طوبیٰ ہوگا، جب اس کو اعلیٰ لباس پہننے کی خواہش ہوگی تو وہ طوبیٰ کے پاس جائے گا، درخت اپنے شگوفوں کے غلاف کھول دے گا وہ مختلف رنگ کے ہوں گے ہر غلاف میں ستر رنگ کے کپڑے ہوں گے ہر رنگ اور نقش دوسرے کے نقش اور رنگ سے جداگانہ ہوگا، جنتی جو لباس چاہے گا منتخب کرے گا، منتخب لباس کا کپڑا لالہ کے پھول کی پنکھڑیوں سے زیادہ نرم و نازک اور لطیف ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت کی بیویوں کے گلوں میں تحریر ہوگا کہ تمہاری طرف سے میرے دل میں نہ کدورت ہوگی اور نہ شکایت۔'' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کانهن الیاقوت المرجان o (گویا وہ یاقوت اور مرجان کی طرح ہیں۔)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنتی لوگ موتی اور یاقوت کی سواریوں پر سوار ہوں گے، ان کے قدم منتہائے نظر پر پڑیں گے، ہر چوپائے کی جسامت بھی بڑی ہوگی، ان کی مہاریں اور لگام میں موتی اور زبرجد کی ہوں گی۔

اہل جنت پر مزید اکرام

متکئین فیها علی الارائک وہ جنت میں پردے والی مسہریوں (چھپر کھٹ) پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے لا یرون فیها شمساً ولا زمهریراً جہاں وہ نہ سورج کی گرمی کو دیکھیں گے اور نہ ٹھٹھرانے والی سردی کو۔ اس لئے کہ جنت میں نہ گرمی کا موسم ہوگا نہ سردی کا۔'' ان پر جنت کے درختوں کے سائے ہوں گے اور میوے ان کے قریب لائے جائیں گے اور وہ جنت کے پھل چاہیں گے تو کھڑے ہو کر اور چاہیں گے تو بیٹھ کر، جی چاہے گا تو لیٹ کر کھائیں گے۔ ان پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور چلے گا۔'' (القرآن) یہ کوزے گول ہوں گے پکڑنے کے لئے ان میں کنڈے نہیں ہوں گے وہ کوزے قواریر یعنی شیشے کے ہوں گے لیکن جنت میں مینا (شیشہ) چاندی کا ہوگا۔ قدروها تقدیراً وہ کوزے ایسے برتنوں کے انداز پر بنے ہوں گے کہ خدا کے ہاتھوں میں آ جائیں اور سیراب کرنے کی گنجائش ان میں ہو (یعنی جب جنتی ایسے کوزے سے شراب طہور پئے گا تو سیراب ہو جائے گا) اور برتن میں کچھ باقی نہ رہے گا گویا اندازے سے مراد ہے برتن کا خادم کے ہاتھ میں گرفت اور سیرابی کے مطابق ہونا۔ ویسقون فیها کاساً اور پیالے سے شراب پلائیں گے۔ کان مزاجها زنجبیلاً جس میں چشمہ زنجبیل کا پانی آمیختہ ہوگا۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وہ چشمہ جس کا نام سلسبیل

Marfat.com

ہے وہ جنت عدن سے نکل کر ہر جنت سے گزر کر پھر جنت عدن کی طرف لوٹ آئے گا اس طرح تمام جنتیوں میں اس کا بہاؤ ہوگا۔ ویطوف علیھم ولدان مخلدون ولدان سے مراد غلمان ہیں جو کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے۔ نوخیز ہی رہیں گے (ان پر ہمیشہ جوان رہنے والے غلمان گشت کرتے ہیں۔ یعنی خدمت کے لئے حاضر رہتے ہیں) اذا رأیتھم حسبتھم لؤ لؤ منثوراً۔ وہ غلمان ایسے حسین ہیں کہ دیکھنے والوں کو وہ بکھرے ہوئے موتی نظر آئیں گے واذا رأیت ثم تم جنت میں جا کر دیکھو گے۔ رأیت نعیماً وملکاً کبیرۃ تو وہ تم کو ایک عظیم نعمت اور ایک بڑا ملک دکھائے گا، کیونکہ ہر جنتی کو ایک محل ملے گا اس قصر کے ستر حصے ہوں گے پھر ہر محل میں ستر گھر ہوں گے اور ہر گھر ایک مجوف، موتی کا ہوگا، ہر موتی کی بلندی چوڑائی اور لمبائی ایک فرسخ ہوگی۔ موتی کے ہر مکان میں چار ہزار سونے کے دروازے ہیں۔ ہر گھر میں یاقوت اور یاقوت کی قلموں سے بنا ہوا ایک تخت ہے اس تخت کے دائیں بائیں چار ہزار سونے کی کرسیاں ہوں گی جن کے پائے سرخ یاقوت کے ہوں گے، اس ایک تخت پر ستر فرش ہیں ہر ایک جداگانہ رنگ کا ہوگا جنتی اس تخت پر اپنی بائیں جانب تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، سب سے اندر بدن سے لگا ہوا سفید ریشم کا لباس ہوگا۔ پیشانی پر یاقوت، زمرد اور رنگ رنگ جواہر کی (پٹی) ہوگی ہر جواہر کا رنگ جدا ہوگا۔ سر پر سونے کا تاج ہوگا اس تاج کے ستر گوشے ہوں گے، ہر ایک گوشہ پر ایک موتی ہوگا جس کی قیمت مشرق و مغرب کے تمام مال و متاع کے برابر ہوگی۔ ہاتھوں میں کنگن ہوں گے، ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں ہوں گی ان انگوٹھیوں میں رنگ برنگ کے نگینے ہوں گے، اس جنتی کے پاس دس ہزار غلام ہوں گے۔ یہ نہ کبھی بڑے ہوں گے نہ بوڑھے سامنے یاقوت سرخ کا ایک خوان رکھا جائے گا، جس کی لمبائی چوڑائی کافی لمبی ہوگی، اس خوان میں سونے چاندی کے ستر ہزار برتن ہوں گے اور ہر برتن میں سبز رنگ کا کھانا ہوگا۔ جنتی اگر کوئی لقمہ کسی کھانے کا اٹھائے گا اور اتنی دیر میں کسی دوسرے رنگ کے کھانے کی خواہش پیدا ہوگی تو وہ لقمہ فوراً اسی کھانے کے ذائقے کے مطابق ہو جائے گا۔ جنتی کے سامنے غلمان کھڑے ہوں گے ان کے ہاتھوں میں چاندی کے کوزے اور برتن ہوں گے، ان کے پاس شربت اور پانی بھی ہوگا۔ جنتی چالیس آدمیوں کے کھانے کے برابر کھانا تمام کھانوں میں سے کھائے گا، کھانے سے فراغت کے بعد غلمان اس کو اس کی پسند کا شربت پلائیں گے جب وہ ڈکار لے گا اور پانی پی کر اسے پسینہ آئے گا تو اللہ تعالیٰ کھانے کی خواہش کے دروازے اس پر کھول دے گا (یعنی تمام کھانا ہضم ہو جائے گا اور پھر شدت کے ساتھ بھوک لگے گی) جو پرندے جنتی کے حضور میں آئیں گے وہ پرندے جنتی کے سامنے آ کر کھڑے ہو جائیں گے ہر ایک پرندہ دنیا کے ہر گانے سے زیادہ سریلی آواز میں اپنی تعریف بیان کرے گا اور کہے گا اے اللہ تعالیٰ کے دوست! آپ مجھے کھالیں! میں مدتوں تک جنت کے باغوں میں چگتا رہا ہوں اور میں نے فلاں

Marfat.com

فلاں چشمے کا پانی پیا ہے یہ تمام پرندے بڑی خوش الحانی کے ساتھ گائیں گے، اس وقت جنتی ان کی طرف نظر آٹھا کر دیکھے گا تو وہ سب سے زیادہ خوش الحان پرندہ کو پسند کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ یہ خواہش کتنی دیر اس کے دل میں رہے گی کہ وہ پرندہ اس کے خوان پر گر جائے گا، اس کا کچھ حصہ قدید (نمکین خشک کیا ہوا گوشت) بن جائے گا اور بعض شوی یعنی برف سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں بھنا ہوا گوشت ہوگا، جنتی اس میں سے کچھ کھائے گا، اس کے سیر ہو جانے پر وہی پرندہ پہلے جیسا بن کر اسی دروازہ سے نکل کر واپس چلا جائے گا جس سے وہ داخل ہوا تھا۔ (غنیۃ الطالبین)

جنتی مسہری پر آرام فرما ہوگا اور اس کی بیوی سامنے موجود ہوگی، جنتی کو انتہائی پاکیزگی کے باعث اپنے چہرے کا عکس بیوی کے چہرے میں نظر آئے گا۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اگر ایک خدمت گار لونڈی کو دنیا میں بھیج دیا جائے تو تمام دنیا والے اس کے لئے کٹ مریں گے، اور اگر ایک حور زمین پر اپنے گیسو دکھا دے تو اس کے نور سے سورج کی روشنی ماند ہو جائے۔ (جملہ کتب معتبرۃ)

حضور ﷺ نے فرمایا جب جنتی اپنے تخت پر بیٹھا ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو اس کے پاس بھیجے گا جس کے پاس ستر جوڑے کپڑوں کے ہوں گے، ہر جوڑے کا رنگ دوسرے سے الگ ہوگا۔ یہ سب جوڑے فرشتوں کی دو انگلیوں میں دبے ہوں گے (ان کی نزاکت کا یہ عالم ہوگا) کہ فرشتہ دروازے پر آکر دربان سے کہے گا کہ میں رب العالمین کا قاصد ہوں، اللہ تعالیٰ کے ولی سے خود خطاب کرنے کی طاقت نہیں رکھتا میں اپنے برابر کے دربان سے کہے دیتا ہوں اس طرح ستر دروازوں تک یہ سلسلہ چلے گا تب اس جنتی کو اطلاع ملے گی کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد داخلہ کی اجازت چاہتا ہے جنتی اس کو اندر آنے کی اجازت دے گا فرشتہ اندر آکر کہے گا "السلام علیکم یا ولی" رب العزت آپ سے راضی ہے اور آپ کو سلام کہتا ہے، اس پیام کو سن کر جنتی اتنا خوش ہوگا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو حیات جاوداں عطا نہ کی ہو تو خوشی سے مر جائے آیت رضوان من اللہ اکبر ذلک ھو الفوز العظیم (بندے کے لئے سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے) کا یہی مطلب ہے، آیت اذا رائیت ثم رائیت نعیماً و ملکا کبیراً (اے محمدؐ آپ جنت میں دیکھیں گے کہ جنتی کو عظیم نعمتیں حاصل ہوں گی اور بڑی حکومت دیکھیں گے) کا یہی مطلب ہے۔

رب العزت نے ارشاد فرمایا علیھم ثیاب سندس اخضر و استبرق ان کا بالائی لباس سبز ریشم کا باریک اور دبیز ہوگا۔ بالائی لباس اس وجہ سے ہے کہ ان کے بدن سے چمٹے ہوئے کپڑے سفید ریشم کے ہوں گے۔ وحلوا اساور من نصب ولولؤا یعنی یہ کنگن جوان کو پہنائے جائیں گے سونے اور موتیوں کے ہوں گے۔ وسقا ھم ربھم شراباً طھوراً ان کا رب انہیں شراب طہور پلائے گا۔

Marfat.com

جنت کے دروازے پر ایک درخت ہے اس کی جڑ سے دو چشمے نکلتے ہیں' بندہ جب صراط سے گزر کر ان چشموں کی طرف جائے گا تو ایک میں داخل ہو کر غسل کرے گا اس کے پانی کی خوشبو کستوری سے بھی زائد خوشبودار ہوگی' جنت کا ہر مرد اور ہر عورت قد میں برابر ہوں گے اور اس کا سن و سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سن و سال سے مطابق ہوگا یعنی ۳۳ سال گویا سب کے سب جوان ہوں گے' کمسنی کو بڑھا کر ۳۳ سال کر دیا جائے گا۔ ہر مرد و عورت بے حد حسین ہوگا' اس چشمہ سے غسل کرنے کے بعد جب دوسرے چشمہ سے پانی پئیں گے تو ان کے دلوں سے کدورت' غم اور حسد دور ہو جائے گا' اس چشمہ کے پانی سے اللہ تعالیٰ ان کے دل کو اغراض نفسانیہ سے پاک کر کے حضرت ایوبؑ کے دل کی طرح کر دے گا اور ان کی زبان (عربی) ہوگی' اس کے بعد سب جنتی چل کر جنت کے دروازے پر پہنچیں گے ان سے جنت کے دربان کہیں گے (تم راضی ہو اور خوش ہو) آپ کے مزاج ٹھیک ہیں جنتی کہیں گے ہاں! ہم راضی اور خوش ہیں' اس وقت دربان کہیں گے کہ ہمیشہ کے لئے جنت کے اندر جائیے' جنت کے اندر داخل ہونے سے پہلے ہی جنت کے دربان ان کو بشارت دے دیں گے کہ فادخلوھا خلدین کہ اب وہ کبھی جنت سے نہیں نکلیں گے' سب سے اول جب جنتی اندر داخل ہوگا اور اعمال لکھنے والے دو فرشتے کراماً کاتبین اس کے ساتھ ہوں گے تو سامنے ایک فرشتہ آئے گا جس کے ساتھ سبز یاقوت کی ایک اونٹنی ہوگی جس کی مہار سرخ یاقوت کی ہوگی' کجاوہ کا اگلا اور پچھلا حصہ موتی اور یاقوت کا ہوگا' پالان کے دونوں اطراف سونے اور چاندی کے ہوں گے' اس فرشتہ کے ساتھ ستر جوڑے ہوں گے۔ جنتی ان جوڑوں کو پہنے گا اور اس کے سر پر تاج رکھے گا' جنتی کے آگے آگے سیپ میں چھپے ہوئے صاف و شفاف موتی کی طرح دس ہزار غلمان ہوں گے اس وقت فرشتہ کہے گا' اے اللہ تعالیٰ کے دوست اس اونٹنی پر سوار ہو جائیں یہ آپ کی ہے اور اس طرح آپ کے لئے اور بھی چیزیں ہیں۔ جنتی اس اونٹنی پر سوار ہو جائے گا' اس اونٹنی کے پرندے کی طرح دو بازو ہوں گے اور قدم اس کا منتہائے نظر پر پڑے گا۔

اس کی سواری کے آگے آگے دو فرشتے اور غلمان ہوں گے (یہ دونوں فرشتے وہی دنیا والے کراماً کاتبین ہوں گے) اس طرح اس کی سواری چلتی ہوئی اس کے محلات کے پاس پہنچے گی (وہ اپنے محلات کے پاس پہنچ جائے گا) وہ اپنے محلات کے پاس پہنچ کر سواری سے اتر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

(ترجمہ) یعنی میں نے تمہارے انعام کا صلہ جو کچھ اس صورت میں بیان کیا ہے وہی تمہارا صلہ ہے' بے شک تمہارے اعمال قابل تعریف تھے' تمہاری فرمانبرداری دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے جنت عطا فرمائی۔

Marfat.com

اختتامیہ

اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اس کی تعریف کرنا ہم انسانوں کے بس کا روگ نہیں ۔کائنات کا ذرہ ذرہ اس وحدہٗ لاشریک کا تسبیح خواں ہے۔ آسمانوں میں فرشتے' تمام ستارے' چاند' سورج' درختوں کے پتے' پانی کے قطرے' چرند و پرند اپنی اپنی زبان میں مالک الملک کی حمد وثنا کر رہے ہیں۔ یہ سلسلہ ابتدائے تخلیق سے جاری ہے اور ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ قیامت کے دن بھی کائنات کے منتشر اجزاء اس کی ہیبت و بدبدبے سے کانپ رہے ہوں گے اور اس کے حضور استغفار کر رہے ہوں گے۔ وہ اتنا رحیم و کریم ہے کہ اس کی صفت رحمت کا اندازہ کرنا بے حد مشکل ہے اس کی تخلیق کردہ کائنات میں انسانی آنکھ کوئی سقم تلاش نہیں کر سکتی اور اس کی حکومت کی وسعت کا اندازہ کرنے کے لئے غالباً انسان کے پاس نہ تو کوئی تصور ہے اور نہ ہی کوئی آلہ۔ وہ بہت بڑا اور لامتناہی قدرتوں اور صفات کا مالک ہے۔ اس کی بندہ پروری کا یہ عالم ہے کہ اتنے دبدبہ وعظمت وسطوت رکھنے کے باوجود ہم کمزور انسانوں سے محبت فرماتا ہے۔ اس نے کیا کچھ ہمارے لئے پیدا نہیں کیا اور ہم انسانوں کی کتنی بے حسی ہے کہ اس کی ان نعمتوں کے بدلے اور اس کے بے پناہ جودو کرم کے بدلے شکریہ بھی ادا نہیں کر سکتے اور جہالت میں مبتلا ہو کر شرک و بت پرستی جیسی ذلت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کتنے افسوس اور دکھ کی بات ہے اس ذات وحدہٗ لاشریک نے ہم انسانوں کی ہدایت کے لئے کتنے ہی انبیاء کرام بھیجے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کی تلقین فرمائی۔ مگر لگتا ہے کہ ہم نے وہ تمام سبق بھلا دیئے ہیں۔ انسانیت کی معراج تو صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہی تمام طاقتوں اور قدرتوں کا تنہا واحد مالک تسلیم کیا جائے اور اس کو وحدہٗ لاشریک دل کی گہرائیوں سے اور یقین کے ساتھ سمجھا جائے۔ اس کے تمام احکامات پر عمل کی کوشش کی جائے اور ہر بات میں' ہر معاملے میں اس کی رضا کو ہی مقدم سمجھا جائے۔ یہ دنیا تو محض لمحوں کا کھیل ہے اور یہ بھی طے ہے کہ کوئی نافرمانی کرے یا فرمانبرداری' مسلمان ہو یا کافر یا مشرک سب کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور حاضر ہونا ہے تو پھر اس نہ ٹلنے والی ملاقات کا کوئی خوبصورت سا اہتمام کر لیا جائے اور کچھ نہیں تو کم از کم نافرمانی اور شرک کے داغ سے بچ لیا جائے۔ اس کی رحمت اس کے غضب سے بڑھ کر ہے وہ بہت کریم اور بہت رحیم ہے بلکہ رحمٰن ہے' وہ ستار العیوب ہے' وہ رزاق ہے' گناہوں کو بخشنے والا اور ہر جان کا حقیقی معنوں میں محافظ ہے۔ کوئی اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ کسی میں ہمت نہیں کہ اس کے سامنے دم مارے۔ زمین و آسمان کی ہر ایک چیز اس کے حضور حاضر ہے۔ سورج اور چاند اس کے حکم سے طلوع ہوتے ہیں اور بلاشبہ اس کی حکومت ہمیشہ قائم رہے گی۔

''کروڑوں شکر اس ذات پاک کا کہ جس نے یہ کتاب تصنیف کرنے کی سعادت عطا کی''

جو زندگی عطا کرنے والا ہے۔

Marfat.com

جو رازق ہے۔
جو مالک حقیقی ہے۔
جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔
جو زندہ اور قائم رکھنے والا ہے۔
جو تمام ارض وسماء اور کل کائنات کا خالق ہے۔
جو مسجود ملائک ہے۔
جو مسجود انبیاء ہے۔
جو صالحین، صدیقین اور شہداء کی منزل ہے۔
جو تمام خزانوں کا تنہا واحد مالک و وارث ہے۔
جو قبر اور حشر کا محتسب اعلیٰ ہے۔
جو جنت اور دوزخ کا مالک ہے۔
جو قیامت برپا کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔
جو تمام انسانوں کو از سر نو پیدا فرمائے گا۔
جو تمام عزتوں اور عظمت کا مالک ہے۔
کائنات کی بے کراں وسعتوں پر کامل غلبہ اور دسترس رکھتا ہے۔
جس کی تسبیح کائنات کا ذرہ ذرہ کر رہا ہے۔
جس کی اجازت کے بغیر کوئی پتہ بھی نہیں ہلتا۔
جس کے اختیارات کی کوئی حد نہیں ہے۔
جس کے سامنے کائنات کی یہ بے کراں وسعتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔
جس کے دروازے سے کوئی خالی نہیں لوٹتا۔
جس کو پکارنے والا کبھی ناامید نہیں ہوتا۔
جس کی پناہ میں آنے والا ہر ڈر اور خوف سے آزاد ہو جاتا ہے۔
جس کی گرفت سے بچنا ناممکن ہے۔
جس کی رحمت کائنات کے ذرے ذرے کو محیط ہے۔
جس سے کسی کا کوئی عمل اوجھل نہیں۔
جس کے دربار میں حاضری سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔
جس کے اشارے سے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔
جس کے آگے جہنم بھی سجدہ ریز ہے۔

Marfat.com

جس نے انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ عطا فرمایا۔
تمام تعریفیں اور تمام ثنا بلاشبہ اسی کے لئے ہیں اور سجدے کا حق دار وہی ہے تمام حاجات کو وہی پورا فرماتا ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم

منتظر رحمت ومغفرت وعطا
بجاہ سید المرسلین محمد والہ وسلم
ابوالظاہر خورشید عالم گوہر قلم لاہور۔

ماخذ ومراجع

قرآن کریم

الحکمۃ للہ......امام غزالیؒ

البدایت والہدایت......امام غزالیؒ

غنیۃ الطالبین..........حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی

تفسیر ابن کثیر..........حافظ عماد الدین کثیر

المنقذ من الضلال..........امام غزالی

خیر کثیر..........شاہ ولی اللہؒ

البلاغ المبین......شاہ ولی اللہؒ

مسلم شریف

بخاری شریف

نسائی شریف

ترمذی شریف

ابن ماجہ

موطا امام مالکؒ

فیوض یزدانی......شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

حجۃ اللہ البالغہ......شاہ ولی اللہؒ

سطعات......شاہ ولی اللہؒ

میزان عمل......امام غزالیؒ

Marfat.com

تصورِ تقدیر
مقالات ابن تیمیہ......(فتاویٰ کبریٰ و دیگر کتب)
تہافتہ الفلاسفہ......امام غزالیؒ
مکتوبات مجدد الف ثانیؒ
فتوح الغیب..........حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
کشف المحجوب..........حضرت سید علی بن عثمان الہجویریؒ
تفسیر روح المعانی......
ابن جریرؒ..........تفسیر ابن جریر
مقدمہ ابن خلدون..........علامہ ابن خلدون اندلسی
فتوحات مکیہ..........ابن عربی اندلسی
قیامت..........پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
کیمیائے سعادت......امام غزالیؒ
فوائد الفواد......مجالس نظام الدین اولیاء
نصائح حسن بصریؒ
اقوال احمد بن یحییٰؒ
مثنوی مولانا رومؒ
ملفوظات مہریہ..........حضرت پیر مہر علی شاہؒ
ایہا الولد......امام غزالیؒ
عقائد فلاسفہ......(جملہ کتب فلسفہ)
تفسیر روح المعانی......
تفسیر کبیر......(حضرت امام رازی)
فلکیات..........جناب محمد موسیٰ صاحب
اللہ کی عادت..........ڈاکٹر غلام جیلانی برق
ہمارا اسلام..........ڈاکٹر غلام جیلانی برق
تفہیمات الٰہیہ..........شاہ ولی اللہ
مضامین آر ڈبلیو ٹرائن..........
مضامین آرتھر فنڈے (گریٹ ڈیزائن)
مضامین ولیم میکبرائڈ (گریٹ ڈیزائن)
مضامین آئن سٹائن
اسماء الحسنیٰ..........امام غزالیؒ
مقامات ڈرہم......
مقامات......فراسس تھامپسن
بائبل..........مطبوعہ لاہور
امام قرطبیؒ..........تفسیر قرطبی
علم الکلام
تشریحات ابونصر اسماعیل بن حماد جوہریؒ
معانی القرآن..........ابو اسحاق زجاج
تشریحات ابن مجاہد..........(جملہ کتب)
مقالات رازیؒ..........(جملہ کتب) تفسیر رازی
قرأت حسنؒ..........
تحقیقات مبردؒ..........(تحقیق اللغت العربیہ)
اقوال عطا خراسانیؒ..........
روایات ابن جریجؒ..........
تحقیقات ابو العالیہ (جملہ کتب)
ابوداؤد..........
مسند امام احمد..........(حضرت امام احمد بن حنبلؒ)
امام قتادہؒ (جملہ تحقیقات مختلف کتب)
مقالات مقاتل بن حیانؒ
ابن ابی حاتم..........(مجموعہ احادیث)
روایات ابوبکر بن عیاشؒ
مقالات اعمشؒ (جملہ رسائل)
قصیدہ شہاب الدین مقتولؒ
عوارف المعارف (شہاب الدین سہروردیؒ)
و دیگر کتب عربی و اردو..........

Marfat.com

قل لو کان البحر مدادا لکلمت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمت ربی ولو جئنا بمثلہ مددا

فرما دیجیے کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سیاہی ہو جائے تو سمندر ختم ہو جائے اس سے پہلے کہ میرے رب کی باتیں ختم ہوں اگرچہ ہم ویسا ہی اور سمندر اس کی مدد کو لے آئیں

اَللّٰہُ وَحْدَہٗ

ازلیت، ابدیت، علم، ارادہ، توحید و صفات، تجلی، تحقیق عقیدہ

وحدۃ الوجود کا جائزہ، اسماء الحسنیٰ کی تشریحات، اور ان کے مراتب از روئے قرآن حکیم

خورشید عالم گوہر قلم

Marfat.com